

ابوہ (بسیٹیل سیٹی) جڑی پڑی ہیں کہ ان کی دیواریں

اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور (کنے) کنوئیں کا ر (ٹپے) ہے اور (کنے پتے) کیے (میلن) ٹپے ہیں،

01446

شتمین بریه تخص

جس میں دہلی کی نئی پراگئی کا تو دل کا غم و غصہ بڑھ گیا۔  
مصنفہ

بشیر الدین احمد (دہلوی) ایم۔ آء۔ ایس (لندن)

اول تعلقہ دار (کلکٹر) پنشنر کا اعلیٰ نظام خدائے ملکہ

مصنف: تاج الدین حسین معاشرۃ اصلاح و معیشت خرمطالین، نیشا پور، عرصہ پیری

تاریخ ہمایونگر و اقامت مملکت ہمایون و غیرہ وغیرہ

۵۱۳۳۶  
۶۱۹۱۹

مشتبہ نہیں کہ یا ہمام یوسف اللہ بن اسماعیل بن جعفر  
شمس بن یزید اللہ بن یحییٰ بن اسماعیل بن جعفر

قیمت هر سه جلد (۱) ششون کاخ چندی (۲)  
جلد اول و آخر یک نفر

ایک

## فہرست مضامین حصہ دوم واقعات دار الحکومت دہلی

باب	مضمون	صفحہ	تعداد صفحات
۱	۲	۳	۴
	فہرست فرمانِ زوایاں دارالملک اندر پت و دہلی از ابتدا سے راجہ جہد شہنشاہ <sup>۱۳۳۵</sup> ۱۹۱۹ء	۱	۳۶
	نقشہ شہر دہلی از شاہجہان آباد، کلیہ نقشہ شاہجہان آباد (دہلی) -	۳۷	۳۸
	دیباچہ جوہریت - دعائے دولت - مسلمانوں کی عمارات تعمیر کی تقسیم لحاظ نوعیت -	۱	۱۶
	شکریہ - شکایت - معذرت -		
بہار	دہلی اور اندرون شہر کی عمارات کا بیان - اندر پتھدیا اندر پت	۱۷	۴۵۹
	تختینا (۱۳۵۰) برس قبل مسیح - نگبہ و گھارٹ اور دروازہ - نیلی چھتری - اندر پت		
	اہل ہندو کے نقطہ خیال سے - ہندوؤں کی دکنی مسلمانوں کی دہلی انگریزوں کی دہلی		
	لال قلعہ - باراک یا قلعہ شاہجہان آباد - لاہوری دروازہ و کٹوریا گیٹ - دکنی دروازہ		
	انگریز ڈراگہٹ - چھتر لاہوری دروازہ - فقیر خانہ - تہیا پول دروازہ - نیلی چھتری		
	دروازہ - دیوان عام نشین محل الہی یا درگاہ محل الہی شاہ محل معروف بہ دیوان خاص - تخت طاووس محل		
	اور کچھ حال - جنن ہستانی - حمام - عقب حمام یا جانہ کن - درجہ دوم سرخانہ - گرم خانہ پیر محل		
	موتی مسجد - باغ حیات بخش - عوض باغ حیات بخش - حساب باغ - خضر محل		
	یا جل محل - باؤلی - مسجد - تیسع خانہ - خواب گاہ - بڑی بیٹھک - برج محل یا شمن برج		
	یا خاص محل - جھروکہ - خضری دروازہ - سلیم گڑھ دروازہ - رنگ محل یا اعتبار محل		
	سنگ مرمر کا عوض - دریا محل - چھوٹی بیٹھک یا خورد چہاں (یا چھوٹی دنیا) ممتاز محل -		
	اسد برج - بدر دروازہ - شاہ برج - نہر نہشت - بیولین یا ایوان - ساون		
	نعل قلعہ اور تنگ زیب کے عہد میں - قلعہ کیا تھا اور کیا ہو گیا - موجودہ دکنی شاہجہان		
	سلیم گڑھ یا درگڑھ - جامع مسجد دہلی دروازے تک - جامع مسجد		
	دار شفا - دارالبقا - بازار زیر جانشین مسجد - ہرے بھرے شاہ صاحب کا مزار -		
	صوفی سرد کا مزار - سید شاہ محمد عرف ہنگا دکنی کی قبر - شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کا		
	مزار - سید بھورے شاہ صاحب کی قبر - سنہری مسجد زیر قلعہ - گلو یا دکنی یا بگورگیم		





باب	مضمون	صفحہ	صفحہ
۱	۲	۳	۴
	<p>خاص بازار۔ خانم کا بازار۔ سدا احمد خاں کا چوک۔ حوض لال ڈکی۔ کپنی باغ  جر نیلی حال لیڈی ہارڈنگ پرہہ باغ یا زمانہ باغ۔ دریا گنج۔ صلیب کا کتبہ  نریخت المساجد۔ شاہ صاحب بخش کی خانقاہ۔ روشن الدولہ کی دوسری سنہری مسجد  المنشور بہ قاضی زادوں کی مسجد۔ فیض بازار۔ دکنی دروازہ۔ نواب صاحب  پاؤ دی کی مسجد اور کوٹھی۔ ہیڈکوارٹر مشن ہال۔ وکٹوریہ زمانہ ہسپتال۔ ایڈورڈ  مسجد اکبر آبادی۔ سنگم تھیٹر۔ خان دوراں خاں کی حویلی یا کھڑکی۔ بازار۔  بھلی بدالاں۔ بھلی والوں کی مسجد۔ کٹرہ نظام الملک۔ شیخ خشکو کا چھتہ۔  نواب فیض احمد خاں صاحب۔ امام جی کی گلی۔ منشی امیر الدین فیض رقم عداوی  محمد حسین فقیر کی مسجد۔ مدرسہ حسین بخش۔ ٹیا محل۔ عزیز آبادی کی حویلی  اور مسجد۔ مولوی صدر الدین خاں کی حویلی۔ مولانا مولوی صدر الدین خاں کی حویلی  شیدی فولاہ خاں کا بنگلہ۔ چیمپا بیہم کا چھتہ۔ نواب مصطفیٰ خاں کی حویلی پھر غامی  کی مسجد۔ انجم خاں کی حویلی اور مسجدیں چٹلی قبر سے اڑبالا  ترکمان دروازہ۔ تابلیلی خانہ۔ چٹلی قبر۔ سید جلال الدین صاحب کا مزار  میر محمدی صاحب کی خانقاہ۔ میرا شہم کی حویلی اور شاہ آفاق صاحب کی مسجد۔  شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ۔ بھوجلا پہاڑی۔ مرم گروں کا چھتہ شاہ کلن  کی دگڈگی۔ ترکمان دروازہ۔ نامعلوم قبریں۔ حیدر رضا کی قبر۔ بی مولائی قبر  تحیق خاں کی قبر۔ درگاہ حضرت شاہ درکمان شمس الغارین بیابانی۔ بھائی  حویلی نواب مظفر خاں۔ کلاں مسجد عرف کالی مسجد۔ راجہ سلطان بیگم اور شہید بیگم  کی قبریں اور مسجد۔ چٹلی قبر سے تراہم بیرم خاں تک۔ لہ خاں کا  بازار۔ حویلی نواب بدین صاحب۔ کلو خواص کی حویلی۔ مدرسہ مولانا شاہ محمد اسحاق  سوئی والوں کا محلہ۔ محلہ سوئی والوں کا حوض۔ بگش کا کمرہ۔ رنگ محل۔ مزار النبی بخش کا  رنگ محل۔ چاندنی محل۔ شاہزادہ مرزا بلاتی کا مکان۔ شیش محل۔ کوچہ فولاہ خاں۔</p>		

باب	مضمون	صفحہ	تصفحہ
۱	۲	۳	۴
	<p>کوچہ چلیاں - حویلی نواب مصطفیٰ خاں - گلی راجان - چھتہ حکیم          آغا جان - کلاں محل - اٹلی محل - مدرسہ لونا شاہ عبد العزیز صاحب          کھڑکی تفصل حسین خاں - تیم خانہ انجن موئید الاسلام - روح اللہ          اور بہادر الدغاں کے کوچے - حویلی مرزا خجستہ بخت بہادر          محلہ مفتیان - تراہ بیرم خاں - دانی والی مسجد - پھول کی منڈی -          اولیاء مسجد - سرسید احمد خاں مرحوم و منقور کا مکان - نواب          دبیر الدولہ کی جوہی - عقب جامع مسجد ازبازار پاک والاں          تانہ قمر اسپلینڈ روڈ - عقب جامع مسجد - آئری          ہندو گرلز سکول - رہٹ کا کنواں - ڈاکٹر شیخ ضیاء الدین خاں -          شیش محل - پائے والوں کا بازار - سول ہسپتال صدر شفا خانہ          سرکاری - لیڈی ڈفرن ہسپتال - یونانی اطباء کا مختصر تہ کرہ          کوچہ استاد حامد - کوچہ استاد ہیرا - ہاتھی والا کنواں - اسپلینڈ          روڈ کے مندر - کوچہ بلاتی بیگم - عقب جامع مسجد یعنی چاؤڑی          بازار سے قاضی کے حوض تک - چاؤڑی بازار چٹلا دروازہ          شاہ جی کا مکان - شاہ بولا کا بڑا - دلی پرنگک درکس - چاؤڑی بازار          میں سے چوڑی والوں کا محلہ اٹلی کی پہاڑی تک - مولوی سید میر          مرحوم - مولوی عبدالرحمن صاحب راسخ - سید محمد امیر خوش نویس کا          مکان - شاہ مجدد علی و اعظ کا مقبرہ - مطیع مہتابی دہلی - قاضی کے          حوض سے سیتا رام کا بازار تا بلیلی خانہ - حکیم قاسم علی خاں          پورئے واسے حبیب اللہ شاہ علیہ الرحمہ کا مزار - قاضی کے          حوض سے اجمیری دروازے تک - مسجد مدرسہ مولوی          محمد یعقوب صاحب - اجمیری دروازہ قاضی کے حوض کا بازار</p>		

باب	مضمون	صفحہ نمبر
۱	۲	۳
	<p>سرکی والوں - لال کنواں - کٹرہ بڑیاں سے ہوتے          ہوئے نئے بانس تک - قاضی کا حوض - بکرسٹ ہال - حویلی          عہد الرحمن خاں کا دروازہ - لال دروازہ - نواب سراج الدین خاں صاحب          سائل - پھانک بدل بیگ خاں - حویلی بدل بیگ خاں - حمام - کٹرہ          آدینہ بیگ خاں - گلی قاسم جان - نواب احمد سعید خاں صاحب طالب          نواب شجاع الدین خاں صاحب تالیاں - سید منصور علی کی قبر - شرف الدین          کے مدرسہ کا دروازہ اور مدرسہ - نواب ارادت مند خاں شرف الدین          کی قبر - نواب موسیٰ یار خاں کی قبر - احاطہ بچن صاحب کا دروازہ - لال کنواں          کٹرہ سپہدار خاں کا پھانک - زینت محل - فراراش خانہ - قلعے کے          لاہور سے دروازے سے چاندنی چوک ہوتے ہوئے          فتح پوری کی مسجد تک - بازار جانب دار السلطنت لاہور - اردو کا مندر          آجنگا دھرم کا مندر - پتھر والا کنواں - بنارس کی کرشنا تھیٹر وکریٹا بلڈنگز          شہر کی بیگم کی کوٹھی - دلی لندن بینک - شملہ الائنس بینک پنجاب بینک          کمپنی - شہر کی بیگم بیٹھیٹ چرچ (گرجا) - خونی دروازہ - مسجد          شرف الدین - کناری بازار یاوریہ خورہ - موٹی بازار - لال مسجد - کوچہ بلاتی          پیر الدین علی خاں مہرکن کی مسجد - گردوارہ آسیس گنج سری گرو تیغ بہادر صاحب          کو توالی چپو ترا - روشن الدولہ کی پہلی سنہری مسجد - فوارہ لارڈ مارہتہ برادک -          رام تھیٹر - اندر پرست بنگالی سکول - بازار کوٹ پاپل - مورسراٹے -          پون ٹوٹی یعنی جگہ کی چوکی - ریلوے سٹیشن - گرجا رومن کیتھولک - شاہ          آبادانی صاحب کا مزار - بینک آف بنگال - کٹرہ دھولیا - اشرفی کا کٹرہ          بٹوں کا کوچہ - گھنٹہ گھر - نئی سڑک (ایمرٹن روڈ) بیگم ایلکہ کا باغ قیصر          ملک وکٹوریہ آجہانی کا مجسمہ - فیص جہر - جہاں آسا بیگم کی سراسے ٹوٹا</p>	

باب	مضمون	صفحہ	صفحہ
۱	۲	۳	۴
	<p>بارڈنگ بیسری (کتب خانہ)۔ قابل عطار کا کوچہ۔ کوچہ رایان۔ کٹرہ          حاجی قطب الدین۔ محلہ بلی ماراں۔ حویلی حسام الدین حیدر کا پھانک نیل کا کٹر          کٹرہ ریوڑی۔ کوچہ گھاسی رام۔ حویلی حیدر علی خاں۔ مسجد فتح پوری          مزار حضرت میراں شاہ نالوں۔ مزار حضرت شاہ جلال۔ مدرسہ عربی          فنی بھوانی شکر کا مکان ملک حرام کی حویلی۔ کچہری بھوانی شکر گندی گلی          دھرم سال لالہ بھیمی ناراین۔ گلی بارغ دیوار۔ گر جا۔ شب سہاے کی سرائی          احمد پائی کی سرائی۔ احمد پائی کی سرائی کے ٹکڑے پر          سے کابلی دروازے تک (کوئٹہ روڈ) کیمرج مشن۔          پھانک نہر سعادت خاں۔ بارہ دری نواب دزیر۔ رنگ محل کے شمالی          مغربی دروازے۔ ڈفرن برج سے موری دروازہ۔ پھوٹا          دروازہ اور فصیلوں کی برابر برابر والی گلی۔ ڈفرن برج۔          موری دروازہ۔ بازار کھاری باؤلی۔ پھانک حبش خاں۔ گلی تیلیاں          گلی تیلیاں گلی کے کٹرے کی طرف سے۔ گلی تیلیاں گلی کے کٹرے          داخلی دروازہ شمس العلماء مولانا سید نذیر حسین عرف میاں صاحب          محدث دہلی۔ مولوی حفیظ اللہ خاں صاحب۔ سرائی گیش کھاری باؤلی۔          گلی بتاشاں (کلاں) ڈپٹی نذیر احمد صاحب۔ کشمیری دروازے          سے لو تھین روڈ پر سے ریل کے پل (لو تھین برج)          تک۔ کشمیری دروازہ۔ سینٹ جیمس کا گر جا۔ مسٹر فریزر کی قبر۔          یادگار مقتولین غدر۔ سر طامس میکاف کی قبر۔ خاندان سکس کی قبر          سردار بھو کی قبر۔ ملحقہ مکانات۔ سینٹ سیٹھنر کالج۔ کتب خانہ          داراشکرہ گورنمنٹ کالج۔ میونسپل بورڈ سکول۔ تار گھر۔ میگنرین          یا سلاخ خانہ۔ انگریزوں کا سب سے پرانا قبرستان۔ کشمیری دروازے</p>		

باب	مضمون	صفحہ	صفحہ
۱	۲	۳	۴
	<p>سے سڑک نصیر گنج جو کشمیری دروازہ بازار مشہور ہے۔  ہیملٹن روڈ تک۔ فخر المساجد۔ ہندو کالج۔ مسجد پانی پتیاں۔  درسہ امینیہ۔ ہیملٹن روڈ۔ درگاہ پنجہ شریف۔ مرزا محمد ابوالقاسم  کی نامعلوم قبریں۔ فہرست اُن مسجدوں کی جن کا ذکر اس  کتاب میں نہیں آیا۔ فہرست اُن مسجدوں کی جن کا کوئی  خاص نام نہیں اور جن کا ذکر اس کتاب میں جداگانہ تحریر  نہیں کیا گیا۔ فہرست اہل ہنود کے شوالوں کی جن کا  ذکر اس کتاب میں جداگانہ طور پر نہیں کیا گیا۔ فہرست اُن  شوالوں کی جن کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔ اُن مندروں کی  فہرست جن کا ذکر اس کتاب میں نہیں آیا۔ فہرست۔ وچندر  جن کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔ عجائب خانہ آثار قدیمہ واقع ممتاز محل  اندرون قلعہ۔ کچھ متفرق کتبے۔ قلعہ دہلی کی خواب گاہ میں منغل روم  دور مغلیہ کے مکانات کی حالت اندر سے۔ قلعے کے دئی دروازے  پر کے سنگین ہاتھیوں کی اہلی جانے کا قول فیصل۔ موجودہ شہر دہلی کا  مقام۔ آبادی اور عام حالات۔ دئی کا محل وقوع۔ مردم شماری و خانہ  شماری۔ صنعت و حرفت۔ تجارت۔ تعلیم۔ ہٹلیس۔ سرائیں اور ساؤنڈ  دہلی الکٹرک ٹریبیوے اینڈ لائٹنگ کمپنی۔ زبان۔ ذکر مشائخ کرام و علما  عظام و دیگر بزرگان دہلی۔ حضرت مولنا شاہ ابوسعید۔ مولنا شاہ  احمد سعید صاحب۔ مولنا شاہ عبدالغنی صاحب۔ حاجی غلام الدین صاحب  مولنا فخر الدین علیہ الرحمہ حضرت مولنا لقب الدین صاحب۔ حاجی غلام الدین  عرف کالے صاحب۔ خواجہ محمد نصیر صاحب۔ حضرت شاہ غیاث الدین  قدس سرہ۔ مولنا محمد حیات۔ حضرت سید احمد صاحب۔ مولنا شامس الدین</p>		

باب	مضمون	صفحہ	صفحہ
۱	۲	۳	۴
	<p>مولوی شاہ خلیف صاحب - شاہ فدا حسین صاحب - دین علی شاہ صاحب  خانم صاحب - بانٹی جی - حاجی غلام علی نقیب الاولیاء حکیم حسن خاں صاحب  حکیم غلام نجف خاں صاحب - حکیم صادق علی خاں صاحب - دیگر اطباء  نامی گرامی - سید عسکری صاحب - مجددیوں کا بیان - میر قسطی صاحب  شاہ عبدالنبی صاحب - میر احمد دیوانہ - علمائے دین - مولوی  رشید الدین خاں صاحب - مولانا مولوی عبدالحی صاحب - مولانا مولوی  اسمعیل - ذبذبة المحدثین مولانا محمد اسحاق صاحب - مولانا محمد یعقوب صاحب  مولانا عبدالحق صاحب - مولوی مجیب علی صاحب - مولوی نصیر الدین صاحب  شافعی - مولانا فضل امام - مولانا محمد قفل حق - مولوی نور الحسن - مولوی  کرامت علی صاحب - متفرق علماء قرار و حفاظ - زمان مابعد کے  علماء - مولوی سید ناصر الدین محمد ابوالمنصور امام المناظر - مولوی  عبدالحق صاحب - مولوی سید احمد حسن صاحب - مولوی سید احمد رضا  فرہنگ آصفیہ - مولوی راشد انجیری - ذکر بلبل نوابان سوانح  آباد حضرت شاہ جهان آباد - مولانا امام بخش صہبائی مجددین  مومن - نواب مصطفیٰ خاں حسرتی و شفیقتہ - شاہ نصیر - نواب  محمد ضیا الدین خاں نیر - مولوی محمد حسین آزاد - فصیح الملک نواب  مرزا خاں صاحب داغ - عمارات بیرون شہر جو تفصیل کے  قرب و جوار میں ہیں - دربار شاہی سلطنت کا یاد نگاری سٹون -  کار و نیشن دربار پارک ۱۹۰۳ء - محکف ہوس - راج یعنی پہاڑی  پکیٹ مونڈ (قراول کی ٹیکری) - فلیگ سٹاف ٹورڈ باؤٹ -  قدیم حجرہ - قدسیہ باغ - نکسن صاحب کا مجسمہ - اور کوٹ - باغ  میں توپ خانہ - لڈلو کیل - ٹیلر صاحب کا مجسمہ - بھولو شاہ صاحب کا مجسمہ</p>	۵۹۳	۵۹۴

باب	مضمون	صفحہ	صفحہ
۱	۲	۳	۴
	<p>مٹھائی کا پل - مقبرہ زیب النساء بیگم - تیس ہزاری کا میدان -  سینٹ سٹیفنز زنا نہ ہسپتال - پھول کی سرائے کی مسجد -  کوئین میسر بنائی سکول - دہلی سٹیشن سکول - ڈسٹری ہسپتال - بھوس  کی سرائے - کٹرہہ چو دھری ناخوں سنگہ - لاٹ کی بیگم کا مقبرہ -  موتی باغ - گل بنگلش - میوٹی سموریل (یادگار غدر) - فتح گڑھ کا  منارہ - گوشک شکار یاچاں نا - چند راول واٹر پیپنگ سٹیشن -  اسو کا کاستون نمبر (۲) - ہندو راؤ کا مکان - چو بڑجی - سبزی منڈی  باغ روشن آرا - میڈن پولین - محلدار خاں کا باغ - مبارک باغ  یا اختر لونی گارڈنز - بادلی کی سرائے کا میدان کارزار - شالاد باغ  حضرت شاہ فرہاد صاحب کا مزار - حضرت شاہ آفاق صاحب کا مزار  لاہوری دروازہ - مسجد سرہندی - مردہ اکرام کی سرائے - نیا بازار  جی آئی پی دتی صدر سٹیشن میٹریوسے کارٹ سٹیڈ والکٹرک پورے بوس -  صدہ بازار - چوراہہ - جارج بلڈنگ - پرانی عید گاہ - نئی عید گاہ -  درگاہ حضرت خواجہ محمد باقی بابر قدس سرہ العزیزہ - شہر خروشاں  ویا درنگاں - قبر سے ایک آواز - قردلی کے نواب کا تکیہ - عارفین  رسول شامیوں کا تکیہ - ناگ بھی کا تکیہ - کلو کا تکیہ - عقب مسجد سبڑجی -  شمسہ واسے عبد اللہ صاحب کی باغیچہ - تکیہ دین علی شاہ -  قدم شریف یا مقبرہ فتح خاں - طوطی ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق کا مزار  خاص حالات اور طبی عادات - قدم شریف کی قبور - پہاڑ گنج -  درگاہ سید حسن رسول نا - مزار حضرت خدا نا - مزار حضرت نور نا -  تکیہ شاہ میر - مزار حضرت جہاں نا - بولی بھٹیاری کا محل - راجہ کا ہزار  یاچو سنگ پورہ اور کلائی باغ - لیڈی ہارڈنگ تزانہ ڈیکل کالج -</p>		

باب	مضمون	صفحہ	صفحہ
۲	۲	۳۳	۳۲
تیسرا باب	<p>راٹے سینا - فقیر و سید غازی الدین خاں - شاہ جی کا تالاب - مولانا سید محبوب علی  خواجہ میر درد کی بیٹی اور قبرستان - خواجہ ناصر دیر علیہ الرحمہ - خواجہ میر درد علیہ الرحمہ - خواجہ  میر اثر - مزار خواجہ ناصر دیر علیہ الرحمہ - چوٹھکھیا - لی جن کی چوٹھکھیا - رسول شاہیوں کا مقبرہ - خاندان  گنبد - مخرجیاں کی چوٹھکھیا - سیدہ بیگم کی چوٹھکھیا - گہرا کراہیم کا مچھر - بارہ درہ کی کوٹھکھیا  مہندیاں مولانا فتح عبدالعزیز شکرار - مولوی حسین الدخاں صاحب اور ان کی المیہ کی قبر - مولانا  قطب عالم - مولوی ملک علی نانوتوی - حضرت مولانا شاہ ولی الدہ صاحب کی دیکھا - مولانا شاہ عبدالعزیز  مولانا شاہ ولی الدہ صاحب - مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب - مولانا شاہ رفیع الدین صاحب - مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب  مولوی خصوص الدہ صاحب - مولانا شاہ عبدالغنی صاحب - چچے والی مسجد - بکدہری - انا کا مندر - دواور دیر  سجیدیں - دلی شہر کے دلی وارکے - حضرت نظام الدین لیاہ و مقبرہ ہمایوں کی عمارت  گرویش کا بیان - پرانی دلی کا کابی دروانہ یا لال دروانہ - خرید خاں کی کاہن سکرانہ مال  جیل خانہ - شہر فیروز آباد اور قلعہ یعنی فیروز شاہ کا کوئلہ اور محلات - سوکالی لاٹ یا سارہ زریں یا گڑھی  شیخ محمدی بائیں اور جہاں خاں کی ریتی - نواب جہاں خاں شیخ عبدالغنی صاحب کی مسجد شیخ محمد متا پستی  صابری کا گنبد - نواب جہاں خاں کی جوہی - پیر کا گنبد - پیر شیخ نور الدین ملک یا پٹن کا مزار  حضرت شیخ بابا ابوبکر سی کا مزار - ایک بہشت پہل بڑی - کلکاری بھیروں کی مندر - سید جھوٹے صاحب کا مزار  دودھادھاری کا مندر - شکر اور فیصل قلعے کے بیچ کی عمارت - ایک شکستہ گنبد اور ایک پرانے عمارت  اندر پت پرانے قلعہ یا دیں پناہ - مسجد قلعہ کہتے - امیر کابل کا کنواں شیر منڈل - ہمایوں بادشاہ کا کوٹھکھیا  سے گزرا اور وفات - جدیدہ جوش شیر گڑھ یا دلی شیر شاہی خیر الدین لیاہ یا ہم بیگم کا گنبد - اکبر بادشاہ پر پٹن  دلی شیر شاہی کے دروازے کے سامنے ایک معلوم برج شکل بادی - خاص محل - ڈاک کا انتظام کوس  سارے اور سرانہ - بی بی فاطمہ سام کا مزار شیخ ابوالرضا محمد کا مزار - محل بیگم - مقبرہ سید عابد - ایک  معلوم گنبد - مٹی مسجد - ایک اور بارہ کھمبا - ایک ہڑوا - ایک معلوم گنبد - نواب جہاں خاں کی قبر -  خانہ کا دروازہ - اٹھواں - دو گنم گنبد - درہی غظیم گنچ یا سرانہ غیلہ - ایک معلوم مندر - گنبد - دس  قبروں والا مندر - گنبد - مندر - چوٹھکھیا - ایک ٹوٹی چھوٹی بیچ درہی - دلی سے نظام الدین لیاہ کا بھیا نکا</p>	۵۹۳	۸۷۶



باب	مضمون	صفحہ اول	صفحہ دوم
۱	۲	۳	۴
	<p>خدا جانے کیا ہو۔ سندروالے کا محل۔ ایک یران چوکنڈی۔ سندروالے کا گنبد۔ کلکروالے کا گنبد۔  ہشت پہل چوکنڈی۔ نیلی چھتری یا مقبرہ نوبت خاں۔ ہادیوں کا مقبرہ۔ ستھی یا جام مقبرہ۔  عرب سر کی مسجد اور مقبرہ چھاری والا گنبد۔ تنھوالی کا گنبد۔ نعل خاں کا گنبد۔ عرب سراسے ✓  منڈی عیسیٰ خاں کی مسجد اور مقبرہ۔ نیلا برج یا مقبرہ میان فیم مقبرہ علیہ السلام خاں خاں۔ ایک بہت  بھاری اور قدیم کنواں حضرت سلطان المشائخ کا چلہ۔ اسیں بھلے کی درگاہ۔ تہاشے کا بارغ یا تہاشے کا محل  دو نامعلوم گنبد۔ درگاہ سید محمود بھار۔ بارہ پلہ۔ اوکھا گھاٹ۔ پٹ پڑ گنج۔ قلعہ کلوکھری۔ کلوکھری کی  قصر معوی یا نیا شہر حضرت ابوداؤد حضرت کی گشتی۔ کالکابی یا کالکادوی کا مندر۔ مورت مند۔ اکاس  نیلا برج یا سیدوکل مقبرہ یا چورستہ گنبد۔ ایک چھوٹی ٹیسی مسجد۔ بارہ کھمبہ متصل درگاہ حضرت  نظام الدین فیض الدین انکیش کے مقبرے کے ڈھیم۔ لال محل۔ ایک نامعلوم گنبد۔ حضرت  سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی قدس سرہ العزیز کے حالات۔ خانقاہ  کی تعمیر۔ آپ کا بڈل واثار۔ لنگر۔ دنیا و اس اہل نیا سے نفرت اور شاہان وقت کو آپ کی تہا  زیارت۔ آپ کی عظمت و شان اور بزرگی۔ کشف و کرامت۔ آپ کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف  پسندیدہ۔ احوال ہفت شاہاں۔ وفات۔ استاد شریف۔ دوسرے محرم۔ جہاں سائیکہ  محرم۔ محمد شاہ بادشاہ کا محرم۔ مرزا جہانگیر و مرزا بابر پسران اکبر شاہ تانی کا محرم۔ مکان شعی سادات  محرم مرزا محمد مقیم۔ مکان مرزا بہرام شاہ۔ خانقاہ مرزا بہرام شاہ۔ نواب ضیاء الدولہ کا مزار  سلطان عالمگیر بادشاہ۔ احاطہ نواب مصطفیٰ خاں شیعہ۔ نواب محمد اسحق خاں کی قبر۔  جامعت خانہ یا مسجد درگاہ۔ امام صاحب مسجد خضر خانی۔ لنگر خانہ۔ درگاہ کی باؤلی۔ باؤلی  کی مسجد۔ برج اور غوطہ زن۔ ہائی کوکلائی کا ساؤنی ناگنبد۔ چینی کا گنبد۔ سید انیس کا مقبرہ۔  حضرت خواجہ تقی الدین فوج کامزار۔ حضرت سید محمد کرمانی کامزار۔ چرتہ یا رانی کے اور بعض اصحاب  درگاہ ملک الشعراء حضرت امیر خسرو۔ نواب خان دوران خاں کی مسجد۔ بیرون مسجد شہیدوں کی  بقیات الصالحات۔ سید خواجہ حسن نظامی کا ذکر۔ خواجہ حسن نظامی صاحب تمام کھلاؤش شیعہ الدین  محمد بگ خان غلام مقبرہ۔ بغدادی صاحب علیہ الرحمہ کامزار۔ چوتھہ کھمبہ یا مقبرہ مرزا عزیز کو</p>		

باب	مضمون	صفحہ	تصفحہ
۱	۲	۳	۴
	ایک سنگ مرمر کی سل اور کتبہ - علامہ الدین کی قبر - مرزا اسد اللہ خاں خائب کامرہار - خان جہاں تلنگی کا مقبرہ - کالی مسجد کوئلہ - نظام الدین - دوسیرھیا گنبد یا ماسا کایرج - ایک شکستہ مسجد - کٹر وادار اوت مند خان ایک چھوٹی سی مریجی - گولا گنبد فقط دہلی کے قلعہ جات اور شہر کی بنا کی فہرست عارات قدیمہ شہر و مضانات دہلی	۲۷ ۲۹	۲۶ ۲۶
	فہرست نقشہ جات و تصاویر		
	نقشہ شہر دہلی - دہلی کے ساتوں شہر عاوی ص ۱۰ - گھاٹ گمبوسہ قلعہ معلی ص ۱۰ کے پہلے ص ۱۰ - دہلی دروازہ قلعہ معلی ص ۱۰ خل لئی یا تخت سنگین واقع دیوان عام ص ۱۰ - دیوان خاص ص ۱۰ شہر خانہ عام ص ۱۰ - گرم خانہ عام ص ۱۰ - میر محل ص ۱۰ - سون محل ص ۱۰ موتی مسجد ص ۱۰ - ظفر محل مع حوض بہتاب باغ ص ۱۰ - رنگ محل باغ ص ۱۰ رنگ محل اندر سے ص ۱۰ - شاہ پرت بہتاب باغ ص ۱۰ سے ص ۱۰ - ساون ص ۱۰ - بھا دوں ص ۱۰ - سلیم گڑھ یا نور گڑھ ص ۱۰ مسجد جامع ص ۱۰ - دروازہ جنوبی مسجد جامع ص ۱۰ - دروازہ شمالی مسجد جامع ص ۱۰ دروازہ شرقی مسجد جامع ص ۱۰ - شہری مسجد منقل قلعہ ص ۱۰ - مال ڈوگی ص ۱۰ دینت المساجد ص ۱۰ - سنہری مسجد ص ۱۰ - مسجد کبر آبادی ص ۱۰ - درگاہ حضرت شاہ ترکان ص ۱۰ - کالی مسجد ص ۱۰ - شبیبہ سر سید احمد خاں نقابہ درووم ص ۱۰ - عقب جامع مسجد ص ۱۰ - اجیری دروازہ ص ۱۰ - مسجد شرف الدولہ ص ۱۰ - مسجد سنہری کو توالی ص ۱۰ - گنبد گھڑون ہال وغیرہ ص ۱۰		

مسجد فتح پوری ص ۲۴۲ - شہید ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم ص ۲۶۵ - گرجا گھر ص ۲۶۶ -  
 خزانہ ص ۲۹۰ - مسجد پنجابی کٹرہ ص ۳۰۹ - بلخ قدسیہ ص ۳۶۵ - جان نکلسن ص ۳۶۷ -  
 ص ۳۶۹ - شہید زیب النساء ص ۳۷۲ - میوٹی میوٹیل یادگار غدر فتح گڑ مینارہ ص ۳۸۰ -  
 مسجد سرہندی ص ۳۸۵ - درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ ص ۳۸۵ - درگاہ قدم شریف ص ۳۸۶ -  
 درگاہ حضرت سید حسن رسول ناصح ص ۳۸۷ - درگاہ نواب غازی الدین خاں ص ۳۹۲ -  
 کوٹلہ فیروز شاہ ص ۳۹۴ - الماریت قلعة کہنہ ص ۳۹۳ - مسجد قلعة کہنہ ص ۳۹۳ - شیر منڈل ص ۳۹۹ -  
 دلی شیر شاہی کا دروازہ اور فصیل ص ۴۰۷ - انیم بگیم کا مدرسہ ص ۴۲۵ - لال بگم ص ۴۵۹ -  
 مقبرہ سید عابد ص ۴۶۰ - مقبرہ ہایوں ص ۴۶۰ - دروازہ غری و جنوبی مقبرہ ہایوں  
 ص ۴۶۲ - دروازہ عرب سرائے ص ۴۶۳ - دروازہ منڈی ص ۴۹۲ - مسجد عیسیٰ خاں  
 ص ۴۹۳ - مقبرہ عیسیٰ خاں ص ۴۹۳ - برج عظیم ص ۴۹۹ - مقبرہ خاناناں ص ۵۰۲ - درگاہ  
 سید محمد بجا ص ۵۰۳ - آثار پلا ص ۵۰۳ - گلی خضر دریا ص ۵۰۳ - مورت مند کا کا  
 ص ۵۰۳ - انکس مندر کا لکا دیوی ص ۵۰۳ - لال محل ص ۵۰۳ - درگاہ حضرت نظام الدین  
 ص ۵۰۳ - باؤلی درگاہ حضرت نظام الدین ص ۵۰۳ - درگاہ حضرت امیر خسرو ص ۵۰۳ -  
 چٹلم کھیا ص ۵۰۳ - شہید مرزا غالب ص ۵۰۳ - قطعہ تاریخ فقط

۸۰۰ مئی ۱۹۶۱ء - ۱۹۶۱ء - ۱۹۶۱ء - ۱۹۶۱ء - ۱۹۶۱ء - ۱۹۶۱ء - ۱۹۶۱ء - ۱۹۶۱ء - ۱۹۶۱ء - ۱۹۶۱ء

قطعہ تاریخ نوشتہ علی جناب شہزادہ مرزا بلقی ضا الیہ الملک تیموری گورگانی  
 مولیٰ صاحب بشیر احمد الہی شاداد  
 باہزاراں محنت و کوشش میں درمستقت است  
 تھوکر شاہ جان آباد از آری "بسال  
 قطعہ تاریخ واقعات دار الحکومت دہلی نوشتہ جناب مولیٰ محمد فضل سار صاحب رئیس امور  
 تاریخ مجلد دہلی

بشیر الدین احمد چوں نوشتہ  
 عیاں شد کنو مخفی حوادث  
 نمودہ گاہ روشن چوں گشتاں  
 چہ دہلی تو بہار گلشن بند  
 دور دروامن است ہر موج آفتاب  
 زکاک لا ابالی سال شبعش  
 یکے تاریخ جان شہر دہلی  
 بیاں گر ویدہ ستر و چہر دہلی  
 کشادہ گریخ پُر تہر و دہلی  
 حیات تازہ بخشد زہر دہلی  
 محیط اعظم است ہر موج آفتاب  
 حقیقہ واقعات شہر دہلی

# غلط نامہ حصہ دوم واقعات دارالحکومت دہلی

غلط نامے کی نسبت کچھ عذر معذرت کرنا عذر گناہ بدتر از گناہ لیکن میں اتنا بڑا غلط نامہ کہ کنکو سے دم چھٹا بھاری پیش کرتے ہوئے شرمندہ ضرور ہوں۔ یہ غلط نامہ بھی میرے خیال میں جیسا چاہیے ویسا مکمل نہیں اب بھی کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں تو عجب نہیں یہ حال اتنی بڑی ضخیم کتاب میں غلطیوں کا رہ جانا لازماً بشریت ہے۔ میں اپنی برات کا خواہاں نہیں مگر اس الزام کا میں قن تنہا بھی ذمہ دار نہیں میرے شرکاءے غالب کا تب۔ قاری۔ سامع۔ مصحح۔ سنگ ساز سیبائی ہیں جس طرح میں نے صبر کر لیا ناظرین بھی براہ ہربانی کتاب شروع کرنے سے پہلے ان غلطیوں کو درست فرمائیں فقط

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۷	۲	بارہ	گیارہ	۳۱	۱۵	درگاہ	درگاہ
۸	۲۲	غوری	غور	۳۹	۷	حوبلی	حوبلی
۱۰	۳	خانہ ۸۰۹ و ۱۰ کا	خانہ (۸۰) (۹۰) دہلی ۶۳۵ ۲۸۵۶۷	۴۲	۱۰	حبیب اللہ	حبیب اللہ
		اندراج غلط ہے	۲۸۵۶۷	۴	۴	قاوداں	قاوداں
۱۰	۱۰	کے	کی	۲	آخر	باندیاں	باندیاں
۱۲	۹	کو	کے	۳	۹	اس کے	اس کے
۱۶	۳	۱۶۷	۲	۲۳	۲۳	تیمنا	تیمنا
۱۸	۳	خان خانان	خان خانان	۴۳	۴۳	ہتھم	ہتھم
۲۵	۱۸	کی	کے	۵	۱۶	زمانے	زمانے
۲۶	خانہ (۸۰)	+	(۶۹) سال	۱۹	۱۹	کردن کی	کردن کی
۲۷	۲	صل	صل	۷	۷	یادگاروں کے	یادگاروں کے
۲۹	۱۶	بودھ کی	بودھ کے	۷	۲۱	عمارت	عمارت
۷	۷	احکام	احکام ہیں	۶	۹	موجودہ	موجودہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۶	۱۰	ترجمہ کا	ترجمہ	۱۶	۶	غرض	عرض
۷	۱۵	اثر	اثر	۱۷	۴	حدیث	حدیث
۸	۱۷	آپ	آپ	۱۸	۵	بیان کے	بیان کے
۹	۲	ہر ایک زبان	پہلے زبان	۱۹	۶	دیگر	دیگر
۱۰	۱۰	چشم پر	چشم پر	۲۰	۹	وسم میں	وسم میں
۱۱	۱۲	بروے	بروے	۲۱	۱۵	اُس کی	اُس کی
۱۲	۱۳	اسامی	اسامی	۲۲	۸	نے	نے
۱۳	۲۰	ہمارے	ہمارے	۲۳	۹	میں	میں
۱۴	۲۱	شعاعے	شعاعے	۲۴	۱۰	کشن	کشن
۱۵	۲۲	بخت	بخت	۲۵	۱۰	اتنے	اتنے
۱۶	۲۳	در سلطانوں	در سلطانوں	۲۶	۱۸	ایک شہر	ایک شہر
۱۷	۲۴	یادگار	یادگار	۲۷	۱۹	یک	یک
۱۸	۲۵	تاج کے	تاج کے	۲۸	۵	استناد	استناد
۱۹	۲۶	مصلح اور	مصلح اور	۲۹	۶	عوام کی	عوام کی
۲۰	۲۷	عادل آباد	عادل آباد	۳۰	۱۰	گنگہم	گنگہم
۲۱	۲۸	سادات نے	سادات نے	۳۱	۱۲	اس کے	اس کے
۲۲	۲۹	لودھی	لودھی	۳۲	۱۳	ہی	ہی
۲۳	۳۰	میدان میں	میدان میں	۳۳	۲۰	جن میں کے	جن میں کے
۲۴	۳۱	ضلع	ضلع	۳۴	۶	قطب	قطب
۲۵	۳۲	قدر	قدر	۳۵	۲۱	علامات	علامات
۲۶	۳۳	یاران	یاران	۳۶	۱۵		

صفحہ	سطر	فلا	صحیح	صفحہ	سطر	فلا	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۲۲	۱	سودا	مواد	۳۱	۵	پھلو	پھلوں
۶	۹	بتانے	بنانے	۳۲	۳	طرح کی	طرح کے
۶	۱۲	کامیاب	کامیابی	۶	۶	طاقت اور	طاقت اور
۶	۱۵	قربانی	قربانی کی	۶	۶	آغاز	آغاز
۲۳	۱۳	گھاٹوں	گھاٹوں پر	۲۳	۶	جا بجا اندر	اندراجا بجا
۶	۱۵	بے ڈھنگی	بے ڈھنگے	۳۲	۵	انجاس	انجاس
۶	۱۹	جلاے تھے	جلاے جاتے	۳۴	۱۲	کے	کے
۶	آخر	۶۵ ۳۲	۶۱۵ ۳۲	۶	۱۵	مقتد	مقتدر
۲۴	۱	ہند میں	ہند میں	۶	آخر	سلطنت	سلطنت
۶	۶	ہتایا ہو	بنایا ہو	۳۵	۶	ید مشطر	ید مشطر نے
۲۵	۱۷	ر	ر	۳۶	۱۰	جینی	جینی
۲۷	۱۲	اعزاز	اعزاز	۶	۱۳	مورخ	مورخ
۶	۱۵	تبدیلیاں	تبدیلیاں	۶	۲۱	ٹھے	ٹھے
۶	۲۱	مبسوط	لوٹ مہسوط	۳۷	۲	ہم	ہم کو
۲۸	۶	سیو جن -	میل کا ایک چمن ہوتا ہے	۳۸	۱۶	نیائی نیائی	بنائی
۲۸	۱۳	سدرشن	سدرشن	۳۹	۱۰	اہنی	آہنی
۶	۱۵	تحریریں	تحریریں	۴۰	۷	اپنا	اپنی
۲۹	۳	جیسے کہ	جیسے کہ	۶	۶	کرنا	کرلی
۶	۱۲	کہ اپنے	کہ انہوں نے اپنے	۶	۱۶	فالوں نے	والوں کا
۳۰	۱۳	میں	۶	۴۱	۱۳	شاہجہاں آباد	شاہجہاں آباد
۶	۱۷	خیال	حال	۴۲	۷	ہجوم	ہجوم کے
۳۱	۲	جائے	جائیں	۶	۲۱	محت	محت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۲۳	۱۲	کنواوں	کنواوں	۲۳	۲	پندرہ لاکھ سے نو کروڑ	پندرہ لاکھ سے نو کروڑ
۵	۱۳	لکارخانہ	لکارخانہ	۱۰	۱۰	پیشب	پیشب
۲۴	۶	سرخ کا	سرخ کی	۲۴	۲۴	جامہ	جامہ
۵	۱۵	سوسکناہی	سرسکناہی	آخر	۲۷	ضلع	ضلع
۵	۲۳	مطب	مطلب	۵	۲۸	خوض	خوض
۵	۲۳	معالم	معاملہ	۲۵	۲۹	نہر کے	نہر کے
۲۶	۹	گنگورے	گنگورے	۱۳	۴	ہونے	ہونے
۲۶	۱۶	امالے	امالے	۵	۷۰	صدر	صدر
۳۹	۱۶	پڑے	پڑتے	۸	۷۲	قدیم	قدیم
۵۰	۱۷	مکڑے	مکڑے	۸	۷۳	شمالی دیوار	شمالی دیوار
۵۱	۴	استاد	استاد	۱۸	۷۴	۲۲ ۸۹۲ (۱۸۰۷ء)	۲۲ ۸۹۲ (۱۸۰۷ء)
۵	۱۵	مغلہ	مغلیہ	آخر	۷۵	عنیت	عنیت
۵۳	۲۱	لاے	لائے	۲۳	۷۶	بے	بے
۵۴	۸	کھڑا	کھڑا	۱۱	۷۷	نادار	نادار
۵۵	۱۹	سرب	سرب	۱۸	۷۸	نہایت	نہایت
۵۷	۱۶	تھے	تھے	۵	۷۹	کھل کر	کھل کر
۵	۱۷	جیکے	جیکے	۵	۸۰	باغیچے کی	باغیچے کی
۵	۵	بعد	بعد سے	۵	۸۱	تھیں	تھیں
۵	۲۳	قاعدے	قاعدے	۳	۸۲	نشانہ	نشانہ
۵۹	۳	ملی	کھلی	۱۳	۸۳	مشرق کے	مشرق کے
۷	۹	کا	کا	۲۰	۸۴	ہی	ہی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۲	۱	نقشہ	نقشہ شاہ برج	۹۷	۲	نقشہ شاہ برج	۸
۸۳	۶	مرامت	مرامت	۹۹	۲	مرامت	۸
۸۴	۹	نشین	نشین	۱۰۱	۲	نشین	۸
۸۵	۳	نہر	نہر	۱۰۲	۲	نہر	۸
۸۶	۱۲	زور	زور	۱۰۳	۲	زور	۸
۸۷	۲۲	اور	اور	۱۰۴	۲	اور	۸
۸۸	۱	فصیل کو	فصیل کو	۱۰۵	۲	فصیل کو	۸
۸۹	۱۶	ہیں	ہیں	۱۰۶	۲	ہیں	۸
۹۰	۱۸	چلے	چلے	۱۰۷	۲	چلے	۸
۹۱	۱۹	کرتے ہیں	کرتے ہیں	۱۰۸	۲	کرتے ہیں	۸
۹۲	۱۶	خبر	خبر	۱۰۹	۲	خبر	۸
۹۳	۷	ولی	ولی	۱۱۰	۲	ولی	۸
۹۴	۱	لی گئیں	لی گئیں	۱۱۱	۲	لی گئیں	۸
۹۵	۲۲	پھر	پھر	۱۱۲	۲	پھر	۸
۹۶	۶	کر کر	کر کر	۱۱۳	۲	کر کر	۸
۹۷	۱۳	شاہ جہاں آباد	شاہ جہاں آباد	۱۱۴	۲	شاہ جہاں آباد	۸
۹۸	۷	مچا ہٹ	مچا ہٹ	۱۱۵	۲	مچا ہٹ	۸
۹۹	۱۹	فصیل	فصیل	۱۱۶	۲	فصیل	۸
۱۰۰	۱۹	بخوبی	بخوبی	۱۱۷	۲	بخوبی	۸



صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۱۰۸	۱۲	نے	کے	۱۲۵	۲۰	یہ	یہ
۱۰۹	۱۶	پچپن	پچپن ہزار	۲۴	۶	کاٹھیکہ دار تھا	کاٹھیکہ دار تھی
۱۱۰	۱۸	۱۹۰۶ء	۱۹۰۱ء	۱۲۶	۳	یال	بال
۱۱۱	۱۹	صرف	صرف	۱۲۷	۱۷	وہی	وہ
۱۱۲	۲۰	لو	گو	۱۲۸	۶	تہلانی	بتلاتی
۱۱۳	۲۱	کا پہلا جمعہ	کے پہلے جمعے	۱۲۹	۶	چودھا	چودہ
۱۱۴	۲۲	رجب میں	رجب کی	۱۳۰	۸	چودہا	چودہ
۱۱۵	۲۳	تاریخ	تاریخ کوکرائی جاتی تھی	۱۳۱	۹	میران	بران
۱۱۶	۲۴	مبارک	مبارک	۱۳۲	۱۰	خلا	خلا کے
۱۱۷	۲۵	بدارشفا	بدارشفا	۱۳۳	۱۱	مجر	مجر
۱۱۸	۲۶	عاشق	عاشق	۱۳۴	۱۲	بنا ہوا ہی	+
۱۱۹	۲۷	اس	اس	۱۳۵	۱۳	مقصود	مقصود
۱۲۰	۲۸	نقشہ	نقشہ	۱۳۶	۱۴	متنہا	متنہا
۱۲۱	۲۹	برٹ	برٹ	۱۳۷	۱۵	محش	محش
۱۲۲	۳۰	مسجد کی	مسجد کے	۱۳۸	۱۶	شیخ	شیخ
۱۲۳	۳۱	بنگری	بنگری	۱۳۹	۱۷	الغفور	الغفور
۱۲۴	۳۲	میناریں	میناریں ہیں	۱۴۰	۱۸	برس	برس پہلے
۱۲۵	۳۳	کے	کی	۱۴۱	۱۹	ہوتے	ہوتے ہیں
۱۲۶	۳۴	خوض	خوض	۱۴۲	۲۰	مازت اختیار کی	x
۱۲۷	۳۵	میٹے محمد شاہ	اپنے میٹے احمد شاہ	۱۴۳	۲۱	چلے	چلے
۱۲۸	۳۶	پچاس	پچاس	۱۴۴	۲۲	اچھے	اچھے
۱۲۹	۳۷	تھا	تھا	۱۴۵	۲۳	شہر کے	شہر کے

صفحہ	سطر	تخلص	صحیح	صفحہ	سطر	تخلص	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۱۳۸	۱۲	کے	کے	۱۵۴	۱۹	بعد	عبدیں
۱۳۹	۱۵	شہر	شہر کے	۲۱	۲۱	نے	نے رام پور
۱۴۰	۱۶	پشہر	شہر	۱۵۵	۱۱	ہاں	ہاں
۱۴۱	۱۷	پہ	میں	۱۳	۱۳	مردار	مردار
۱۴۲	۱۸	خلیق	خلیق	۱۵	۱۵	۲	۲
۱۴۳	۱۹	کافر	کافر	۲۷	۲۷	سکندر	سکندر
۱۴۴	۲۰	پھر	پھر	۱۸	۱۸	محمد تعلق	محمد تعلق
۱۴۵	۲۱	انگریزی	انگریزی میں	۷	۷	کے	کے
۱۴۶	۲۲	ہرجی	ہرجی بجلی	۲۸	۲۸	جہاں کے	جہاں کے
۱۴۷	۲۳	دو سافان	دو سافان	۴	۴	بڑا	بڑا
۱۴۸	۲۴	انظم	ریش انظم	۸	۸	قبر	قبر
۱۴۹	۲۵	میں	بیش	۱۳	۱۳	۲	۲
۱۵۰	۲۶	اعزاز	اعزاز	۲۰	۲۰	کہ اور	کہ اور
۱۵۱	۲۷	ترجیح	ترجیح	۱۱	۱۱	کے ملکر	کے ملکر
۱۵۲	۲۸	دعوت ہوتا ہے	دعوت ہوتا ہے	۲۸	۲۸	روسا	روسا
۱۵۳	۲۹	مسافر	مسافر	۹	۹	کے	کے
۱۵۴	۳۰	رغائی	رغائی	۱۹۹	۱۹۹	کا	کا
۱۵۵	۳۱	۵	۵	۱۲	۱۲	کے	کے
۱۵۶	۳۲	طالبان	طالبان	۱۵	۱۵	صاحب	صاحب کے
۱۵۷	۳۳	بعد	بعد میں	۱۷	۱۷	اعزاز	اعزاز
۱۵۸	۳۴	ریح	ریح	۲۲	۲۲	بنایا	بنایا
۱۵۹	۳۵	۱۲۹۶	۱۲۹۶ میں	۱۰	۱۰	آتے ہیں	آتے ہیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	خط	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۱۷۱	۱۸	بعد	بعد میں	۱۹۶	۸	منصور علی	منصور علی
۱۷۲	۱۹	خوش	خوش	۱۹۸	۱۳	آزاد	آزاد
۱۷۳	۲۰	صوم و صلوة	صوم و صلوة	۲۰۱	۲۱	ذہین	ذہین
۱۷۴	۲۱	محفوظ اس	محفوظ اس	۲۰۲	۲۲	کے	کے
۱۷۵	۲۲	لکھا تھا	لکھا	۲۰۴	۱۸	والاں	والاں
۱۷۶	۲۳	صاحب	صاحب کے	۲۰۸	۱۵	عیوبی	عیوب
۱۷۷	۲۴	مسجدوں کے	مسجدوں کی	۲۱۰	۱۹	بینکنگ	بینکنگ
۱۷۸	۲۵	اکسٹرا	اکسٹرا اسٹنٹ	۲۱۰	۵	سرگردگی	سرگردگی
۱۷۹	۲۶	ابر	ابر	۲۱۱	۲۰	کے طرف	کے طرف
۱۸۰	۲۷	خان	خان بہادر	۲۱۱	۲۱	اُس کی	اُس کے
۱۸۱	۲۸	باتھی	باتھی والا	۲۱۲	۱۱	پیشانی پر	پیشانی پر
۱۸۲	۲۹	روڈ	روڈ	۲۱۲	۱۱	زمین	زمین
۱۸۳	۳۰	ورائے	ورائے	۲۱۳	۱۲	پہنچتے	پہنچتے
۱۸۴	۳۱	زبے	زبے	۲۱۴	۱۳	آغواں	آغواں
۱۸۵	۳۲	کھجور	کھجور	۲۱۸	۱۴	ہوے	ہوئے
۱۸۶	۳۳	ثانی	ثانی نے	۲۱۹	۱۵	پر سے	پر سے
۱۸۷	۳۴	۱۳۲۲	۱۳۲۲	۲۲۰	۱۶	۱۷	۱۷
۱۸۸	۳۵	دلوں	دلوں	۲۲۰	۱۷	خاطر	خاطر
۱۸۹	۳۶	جگہ کے	جگہ	۲۲۱	۱۸	مخطوط	مخطوط
۱۹۰	۳۷	کے	کے	۲۲۱	۱۹	دیکت	دیکت
۱۹۱	۳۸	کریم الہیہ	محمد یعقوب	۲۲۱	۲۰	تاشوں	تاشوں

صفحہ	سفر	غلط	صحیح	صفحہ	سفر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۲۲۲	۳	سائستہ خان	سائستہ خان	۲۲۵	۱۲	گاری	گاری
۲۲۳	۱	کے	کی	۲۲۵	۲۱	برٹھے	برٹھے
۲۲۴	۱۱	سواے	ہندوستان میں سواے	۲۲۶	۸	کے سلیں	کی سلیں
۲۲۵	۲	جو	کاجو	۲۲۷	۷	معقول	معقول
۲۲۶	۲۲	ہر	+	۲۲۸	۷	گیا	ہو گیا
۲۲۷	۱۲	بیج	بیج	۲۲۹	۱۴	دروازے میں	دروازے میں
۲۲۸	۲۰	بزادہ	بزاز	۲۳۰	۷	مخاؤ	مخاؤ
۲۲۹	۲۰	صدیہاں	صدیہاں	۲۳۱	۲۲	اے	آئے
۲۳۰	۹	یاغ	باغ	۲۳۲	۶	الفنشنر	الفنشنر
۲۳۱	۲۰	سراپٹے	سراپٹے	۲۳۳	۷	اس کے کپڑے	اب صرف
۲۳۲	۲۰	برقعہ	برقعہ	۲۳۴	۲۰	گودام میں	گودام میں
۲۳۳	۸	کوچا دروں	کوچا دروں	۲۳۵	۱۱	اولاد میں	اولاد میں تھا
۲۳۴	۲۲	ہو	ہوا	۲۳۶	۲۳	روٹیوں	روٹیوں
۲۳۵	۲۳	سرست	سرشت	۲۳۷	۳	پھانک	پھانک
۲۳۶	۲۴	جبت	جبت	۲۳۸	۶	پھانک لے	پھانک کے
۲۳۷	۹	مٹے	مٹے	۲۳۹	۷	دروازے	دروازے
۲۳۸	۱۸	امیر امیر	امیر	۲۴۰	۷	تھیل	تھیل
۲۳۹	۱۸	انتقال	انتقال کیا	۲۴۱	۳	شول	شوال
۲۴۰	۱	سجھی جاتی	سجھی جاتے	۲۴۲	۷	جاوہر	جاوا
۲۴۱	۲۰	کمانڈر	کمانڈر	۲۴۳	۷	ایسی	ایسی
۲۴۲	۱۲	چٹ	چٹ	۲۴۴	۲	کے	کی
۲۴۳	۱۲	چٹ	چٹ	۲۴۵	۷	ہو	ہوا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۲۶۲	۱۲	بزم	بزم	۲۸۰	۹	فک کے	فک کا
۶	۲۳	محدث	محدث	۲۸۱	۲۴	صدی	صدی سے
۲۶۳	۹	پر	پر	۲۸۵	۶	دیورہ	دیورہ
۶	۱۹	خلعت	خلعت	۶	۱۱	ہی	ہیں
۲۶۵	۲۰	دیتا ہے	دیتا ہے	۶	۱۳	ٹیم ٹام	ٹیم ٹام
۶	۲۱	کرمج	کرمج	۶	۱۷	آرزو	آرزو
۶	آخر	تجھ	تجھ	۲۹۳	۲	اسلو خانہ	اسلو خانہ
۶	۵	خلا اور ملا	خلا ملا	۶	۱۱	سارے	سارے ریل میں
۲۶۷	۲	شاہ جہاں آبادی	شاہ جہاں آباد	۲۹۳	۱۳	نے	کے
۲۶۸	آخر	معمول ہے	معمول ہے	۶	۱۸	کو	کے
۲۷۰	۵	کفر	کفر کفر	۲۹۵	۲۲	یا بشیر	یا بشیر
۶	۱۳	یا	یا	۲۹۶	۹	چہا	چہا
۶	۱۴	بھی	بھی	۶	۱۷	مسجد میں	مسجد میں چوکوں
۲۷۱	۱۸	اس	اسی	۶	۲۰	ہست پہلو	ہست پہلو
۲۷۲	۲	وہ ہے	وہ ہے	۲۹۷	۱۵	بفضل	بفضل
۲۷۳	۲۱	پارٹی لڑو	پارٹی نے لڑو	۶	۲۰	خاؤ	خاؤ
۶	۲۳	اس کا	اس	۳۰۱	۱۳	آگر	آگر
۲۷۵	۵	میزر	میزر	۶	۲۲	برج	برج
۶	۱۱	میزر	میزر	۳۰۶	۱۳	معمولی	معمولی
۶	۱۵	ہیں	۶	۳۰۹	۲۰	ہت سی	ہت سی
۶	۱۶	دروازے سے	دروازے سے	۳۲۹	۱۷	صاحب	صاحب
۲۷۶	۲۶	سلاخ	سلاخ	۳۳۳	۱۵	خان دورا خان	خان دورا خان

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۳۶۰	۷	موتیں	موتیں	۴۳۴	۶	نوتہ	نوتہ
۳۶۸	۷	کوتیا	کوتیا	۴۴۱	۱۱	ہم پایہ	ہم پایہ
۳۷۲	۱۲	تھیں	تھیں	۷	۷	لے	لے
۳۷۹	۱۵	پپ	پپ	۴۴۲	۹	لغہ سر	لغہ سر
۳۸۰	۱۳	دسج	دسج میلن	۴۴۴	۱۱	لی	لی
۷	۷	جگہ	جگہ تھیں	۴۵۹	۱۵	تھینا	تھینا
۳۸۱	۸	دوریاؤں	دوریاؤں	۴۶۳	۳	ٹیکری	ٹیکری
۷	۱۱	قطب	قطب	۴۶۶	آخر	لوڈیاں	لوڈیاں
۳۸۹	۲	جھکے کے بارے	جھکے کے بارے	۴۷۲	۱	لڈو کیسل	لڈو کیسل
۳۹۱	۲۲	اسی طرح	اسی سے	۴۷۶	۱۲	ایک	ایک
۳۹۳	۴	نار	نار	۴۷۸	آخر	سکول	سکول
۷	۶	الاختصار	الاختصار	۴۸۰	۱۶	عذر	عذر
۷	۱۳	قرأت	قرأت	۷	۲۳	مل جانا تھا	مل جانا تھا
۷	۲۱	اختیار	اختیار	۴۸۱	۲۱	عظیم	عظیم
۴۱۵	۱۲	نظر انداز	نظر انداز	۴۹۷	۸	خوان قسمت	خوان قسمت
۴۱۷	۲۱	صاحب کے	صاحب	۷	۷	جوں	جوں
۴۲۳	۳۰	انگریزی	انگریزی	۷	۷	سوخ	سوخ
۷	۲۱	اس میں شامل	اس میں شامل	۷	۱۲	تہریق	تہریق
۴۲۵	۱۸	مناسب	مناسب	۴۹۹	۱۰	خاک	خاک
۷	۲۱	نہ کرتا	کرتا	۵۰۲	۹	جار	جار
۴۲۶	۱۵	کہ	جو کہ	۵۰۳	۱۲	بیلیم	بیلیم
۴۲۹	۱۵	صحیح	صحیح	۵۰۶	۱۹	ذکر	ذکر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۵۰۷	۲۲	از	×	۵۹۲	۱۹	جنزل	جنزل
۵۰۸	۲۳	کہا تا ہی	کہا تا ہی	۶۰۴	۱۶	جھکڑا	جھکڑا
۵۱۱	۹	حمید	خرید	۶۰۵	۲۲	حکمت علی	حکمت علی
۵۲۴	۶	باہر وار	باہر وار	۶۰۵	۲۵	آند	آند
۵۲۶	آخر	الف	الف	۶۰۵	۳	تعمیر	تعمیر
۵۳۱	۲	خسرت	خسرت	۶۰۶	۱۴	لے دوسرے	لے دوسرے
۵۳۱	۱۹	تیسویں	تیسویں	۶۱۲	۸	لی	لی
۵۳۴	۸	پر آئے	پر آئے	۶۱۳	۱۳	میں	میں
۵۳۵	۶	فاطر	کی فاطر	۶۱۴	۱۹	لتنہ	لتنہ
۵۳۸	۱۷	لازمے	لازمے تھے	۶۱۷	۳	کھنڈ	کھنڈ
۵۵۰	۱۳	پڑا	پڑا	۶۱۸	۱۶	سے	سے
۵۵۱	۱۶	اول میں	دل میں	۶۲۰	۱۳	ہوے	ہوے
۵۵۲	۱۵	ولی لو بارو	ولی عہد لو بارو	۶۲۲	۱۳	دین پناہ	دین پناہ
۵۵۶	آخر	چاندی	چاندی	۶۲۸	۳	زیادہ تر	زیادہ تر
۵۶۳	۲۲	آپنے	+	۶۳۲	۴	تصویر	تصویر
۵۶۶	۱۴	رہنے کے	رہنے کے	۶۳۳	۱۳	کہنے	کہنے
۵۶۶	۳۰	بیچ میں	بیچ میں	۶۳۴	۱۱	پچھکاری	پچھکاری
۵۶۹	۱۴	آکرہ	آگرہ	۶۳۵	۲۰	فٹ	فٹ
۵۷۲	۳	رمٹ	گورمٹ	۶۳۶	۲۱	نسبت	نسبت
۵۸۲	۴	راہ خدا	راہ خدا	۶۳۷	۲۲	بھی ہی	بھی ہی
۵۹۵	آخر	شمس	شمس	۶۳۸	۷	لم	لم
۵۹۵	۷	قاعدے	قاعدے کا ضلع	۶۳۹	۱۳	اک	اک

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۶۴۱	۲۰	برجی	برجی	۶۶۶	۱۸	نواسے	نواسے تھے
۶۴۲	۲۳	س	س	۶۸۵	۱۲	بہتے	زہتے تھے
۶۴۳	۱۵	بھا	بھا	۶۹۰	۱۹	گواہ	گواہ
۶۴۵	۳	س	س	۶۹۱	۴	کنبد	کنبد
۶۴۸	۹	برٹ	برٹ	۶۹۷	۹	محمد شاہ	محمد شاہ
۶۵۰	۲۴	اس	اس سے	۶۹۹	۱۲	پادش	پادش
۶۵۳	۳	لکھ	لکھ	۸۰۰	۴	کسی	کسی
۶۵۴	۱۹	ب	ب	۸۰۷	۱۶	دنتا	دنتا
۶۶۶	۷	یکر	دار و داند	۸۱۳	۲۲	کھراے	گھبراے
۶۸۸	۴	کے	ایکڑ	۸۵۰	آخر	میرے اور	میں نے اور
۶۹۱	۲	گنگورا	کنگورا	۸۶۰	۹	پوا بخت	ہوا بخت
۶۹۷	۱۸	رہ لئی تھی	رہ گئی تھی	۸۶۲	۲۱	حضرت	فاطر حضرت
۷۲۹	۲	کے	کا	۸۷۱	۱۳	بنے	دیا بنے
۷۶۴	۱۹	کے	سے				

تطاعت تاریخ نوشتہ بہ بدایہ محمد لطیف احمد خاں دہلی ضلع سارن

لاریب فیہ لکھی ہو تاریخ حبیبہ عبدیل  
کیانی البدیہ لکھی ہو مد تاریخ بے مدیل  
نبہت اچھی صاف اور ستھری چھپی  
کہ دیکھ خوب تاریخ دہلی چھپی

(۱) دہلی کی سلطنت کی جناب بشیر نے  
تاریخ اس کے لکھنے کی تو نے بھی او لطیف  
دلہ (۲) جو دہلی کی تاریخ صحت کے ساتھ  
تو یہ بول اٹھی اس کی خوبی لطیف



قطعہ تاریخ نوشتہ جناب سید علی حسن صاحب حسن بادہ ہروی

بشیر احمد نامی و نام و در  
بہت مقتدر ہیں بہت منتظر ہیں  
کرے کیوں کسب ضیاء ذرہ  
تصانیف و تالیف جو شغل ان کا  
یہ تالیف تازہ جناب چھپ رہی ہو  
ہندو اس میں آباد بیت ہوے میں  
اُسی عہد ماضی سے تاعصر حاضر  
کئے منسلک باجائز میں نقشے  
جد اہل محفل سے محفل ہو کیوں کر  
نہ چھوٹی ضروری کوئی بات اس میں  
ہوے اگلے پچھلے سب احوال روشن

کہ میں وہ ریش خوش اوقات دہلی  
نہ کیوں کر ہوں ان پر بہا بات دہلی  
وہ میں آفتاب کمال است و دہلی  
شب و روز کرتے ہیں عمارت دہلی  
مفصل میں اس میں حکایات دہلی  
جمعی سے ہیں آثار و کایات دہلی  
قلم بند کیں سب روایات دہلی  
کھلاجن سے حالی عمارت دہلی  
بہم ہیں مکیں و مکانات دہلی  
یہاں تک کہ ذکر مضائقہ دہلی  
حقیقت ناچو یہ مرآت دہلی

کئی ماقبی ہم نے تاریخ احسن  
مراحت سے لکھے یہ حالات دہلی

۱۳

۳۸

۳۸

ولہ

شہرت دو اب و جد یعنی بشیر احمد  
دہلی کا حال لکھ کر ان کے کھلے ہیں جہر  
تھا وہ محل جو پہلا کر بنا دو محلا  
اندر سے یافت کیا میں جو جوت  
ہر بات کے علاوہ مشکوک اس کے دھوا  
دست سے تھا قلمنا آیا جو خطیہ تازہ

مشہور ہیں جو بے حد مانند تیر واپلی  
منسوخ کی سراسر تاریخ حق جو پہلی  
دل سب کا جس سے پہلا خاطر ہی کی پہلی  
ہر صفحے میں عبارت پھرتی جو اپنی پہلی  
کھلا خاکے کا دوسری زمیں کی پہلی  
مجھے دل لڑا و تاریخ ہو جو پہلی

سن کر یہ حکم والا احسن

یہ مادہ نکالا و لکھنؤ میں ذکر دہلی

فہرست غلط نامہ تمام شد

فہرست فرماں وایان دارالملک اندر پت دہلی از ابتدا راجہ جہت شہر نجات

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	تاریخ سلطنت	دارالسلطنت	تاریخ تاجگذاری	تعارف
(۱)	راجہ جہت شہر	راجہ پانڈ	۱۴۵۰	ہستنا پور	۳۴ سال	بعد وفات کرشن اوتار کے راجہ
(۲)	راجہ پتھکت	ابھمن بن راجہ	۱۴۱۲	ہستنا پور	۳۲	جہت شہر نے ریاست چھوڑ کر
(۳)	راجہ جیمبجہ	راجہ پتھکت	۱۳۸۲	ہستنا پور	۳۴	کوہ ہانچل میں اپنے آپ کو برون
(۴)	راجہ شتائیٹ عرف	راجہ جیمبجہ	۱۳۴۸	ہستنا پور	۳۳	میں ڈال کر گھلا دیا۔ راجہ جہت شہر
	راجہ کشمید					کی اجازت سے سمندر پر بیٹھا
(۵)	راجہ سنزائیٹ	راجہ کشمید	۱۳۱۵	ہستنا پور	۳۲	اور سانپ کے کاٹنے سے مر گیا
	عرف راجہ ادھمن					
(۶)	اشوی دیج عرف	راجہ ادھمن	۱۲۱۳	ہستنا پور	۳۶	
	راجہ ہادجی					
(۷)	اسین کرشن	راجہ ہادجی	۱۲۴۷	ہستنا پور	۳۵	گنگا کے چہرہ ہستنا پور پر بھگ گیا
(۸)	جی عرف راجہ	اسین کرشن	۱۲۱۲	ہستنا پور	۳۵	اس سبب اس راجہ نے پہلے دکن میں
	دشت دان					کرشن کی مزی کے کنارے شہر
(۹)	راجہ چکر عرف	دشت دان	۱۱۷۷	اندھ پت	۳۶	بسانا چاہا اور پھر اندھ پت
	اوگر سین					میں چلا آیا۔
(۱۰)	راجہ چتر رتھ عرف	اوگر سین	۱۱۴۱	ہستنا پور	۳۶	
	سور سین					
(۱۱)	راجہ کیرتھ	راجہ سور سین	۱۱۰۵	ہستنا پور	۳۲	
(۱۲)	جرت ان عرف جی	راجہ کیرتھ	۱۰۷۳	ہستنا پور	۳۱	
(۱۳)	سور سین عرف راجہ بھیل	راجہ جی	۱۰۴۲	ہستنا پور	۲۷	

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	تاریخ تاجگذاری	دارالسلطنت	تاریخ تسلط	حالات
(۱۴)	راجہ سوگند عرف سکھپال	راجہ برچھل	۱۰۱۵	اندھرت	۲۵	
(۱۵)	راجہ دیک شوعرف نہر دیو	راجہ سکھپال	۹۸۷	"	۲۳	
(۱۶)	سکھی نل عرف سورج رتھ	راجہ نہر دیو	۹۲۴	"	۱۸	
(۱۷)	پرتیو عرف راجہ بھوپت	سورج رتھ	۹۱۶	"	۲۶	
(۱۸)	راجہ جی سونی	راجہ بھوپت	۹۲۰	"	۲۵	اس راجہ نے سونی پت شہزادہ
(۱۹)	راجہ میدھاٹھ	راجہ سونی	۸۹۵	"	۲۳	اسی راجہ کا نام دہاوا بھی ہم
(۲۰)	راجہ نرپالنجی عرف شرون چتر	راجہ میدھاٹھ	۸۷۲	"	۲۵	جانتے ہیں جس کی بنائی ہوئی لوہے کی لاکھ ہے۔
(۲۱)	راجہ ڈوڑ بھو عرف بھیکم	راجہ شرون چتر	۸۴۷	"	۱۹	
(۲۲)	راجہ تپتی عرف بدارتھ	راجہ بھیکم	۸۲۸	"	۲۱	
(۲۳)	پدرتھ عرف راجہ دسوان	راجہ بدارتھ	۸۰۷	"	۲۰	
(۲۴)	راجہ سوداس عرف ادنے پال	راجہ دسوان	۷۸۷	"	۲۰	
(۲۵)	بشتانیک عرف ابھیدھر	راجہ ادنی پال	۷۶۷	"	۲۳	
(۲۶)	راجہ دردمن عرف ڈنڈ پان	راجہ ابھیدھر	۷۴۴	"	۱۸	
(۲۷)	راجہ بک شرف درہل راسے	راجہ ڈنڈ پان	۷۲۶	"	۱۹	

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	تخت نشین سال جلوس	دار السلطنت	تخت نشین سال جلوس	حالات
(۲۸)	ڈنڈ پانی عرف دشت پال	راجہ دہل راک	۷۰۷	اندرپت	۱۶	اسی راجہ نے پانی پت شہر بسا لیا۔
(۲۹)	راجہ ہتی عرف راجہ کھیم پال	راجہ دشت پال	۶۹۱	"	۲۶	
(۳۰)	راجہ کشتی مک عرف کھیم	راجہ کھیم پال	۶۶۵	"	۳۳	ادپر کے راجاؤں نے (۸۰۷) سال حکومت کی پھر بساواؤں پر اس راجہ کو مار کر خود گدڑی پر بیٹھا گیا۔
(۳۱)	راجہ بسراوہ	+	۶۴۳	"	۷	
(۳۲)	راجہ سورج سین	راجہ بسراوہ	۶۳۶	"	۱۹	
(۳۳)	راجہ بیرساہ	راجہ سورج سین	۶۱۷	"	۲۴	
(۳۴)	راجہ انیکساہ عرف ریسین	راجہ بیرساہ	۵۹۳	"	۲۲	
(۳۵)	راجہ ہرجیت عرف پتر سال	راجہ انیکساہ	۵۷۱	"	۱۶	
(۳۶)	راجہ درجھ	راجہ ہرجیت	۵۵۵	"	۲۰	
(۳۷)	راجہ سدھی پال	راجہ درجھ	۵۳۵	"	۱۳	
(۳۸)	راجہ برست	راجہ سدھی پال	۵۲۲	"	۱۹	
(۳۹)	راجہ سبھی	راجہ برست	۵۰۳	"	۱۶	
(۴۰)	راجہ امر جودھ	راجہ سبھی	۴۸۷	"	۱۳	
(۴۱)	راجہ امین پال	راجہ امر جودھ	۴۷۴	"	۱۲	
(۴۲)	راجہ سربوہے	راجہ امین پال	۴۶۲	"	۲۲	
(۴۳)	راجہ پدارتھ	راجہ سربوہے	۴۴۰	"	۱۲	
(۴۴)	راجہ بدھل	راجہ پدارتھ	۴۲۸	"	۱۵	اس خاندان (۲۳۵) برس حکومت کی جس بعد بیرساہ وزیر اس راجہ کو مار کر خود گدڑی پر بیٹھا۔
(۴۵)	راجہ بیرساہ	۶	۴۱۳	"	۱۷	

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	تاریخ سال پیدائش	دارالسلطنت	حالات
(۳۶)	راجہ مرار سنگھ	راجہ پیر باہ	۳۹۶	اندر پت	
(۳۷)	راجہ شتر کن	مرار سنگھ	۳۸۲	✓	
(۳۸)	راجہ ہپیٹ عرف وہنیت	راجہ شتر کن	۳۷۱	✓	
(۳۹)	راجہ مہا بل	راجہ ہپیٹ	۳۵۹	✓	
(۵۰)	راجہ سرو پت	راجہ مہا بل	۳۴۰	✓	شاہد اس راجہ کے وقت میں
(۵۱)	راجہ متر سین	راجہ سرو پت	۳۲۶	دہلی	راجہ دہلوی کے قنوج کے نام سے
(۵۲)	راجہ سکھوان	راجہ متر سین	۳۱۴	✓	اندر پت میں شہر لیا۔
(۵۳)	راجہ جیت مل	راجہ سکھوان	۳۰۶	✓	
(۵۴)	راجہ پال سنگھ	راجہ جیت مل	۲۹۲	✓	
(۵۵)	راجہ کلنتی	راجہ پال سنگھ	۲۷۳	✓	
(۵۶)	راجہ شتر مرون	راجہ کلنتی	۲۵۴	✓	
(۵۷)	راجہ جیون جات	راجہ شتر مرون	۲۴۸	✓	
(۵۸)	راجہ پچھت	راجہ جیون جات	۲۳۵	✓	
(۵۹)	راجہ بیر سین	راجہ پچھت	۲۲۷	✓	
(۶۰)	راجہ اددیت	راجہ بیر سین	۲۱۰	✓	اس خاندان نے (۲۱۶) سال
(۶۱)	راجہ دھرتی دھر	✓	۱۹۷	✓	حکومت کی۔ جس کے بعد دھرتی
(۶۲)	راجہ سین دھج	راجہ دھرتی دھر	۱۷۸	✓	دھرتی اس راجہ کو مار کر خود
(۶۳)	راجہ ہی کنک	راجہ سین دھج	۱۵۳	✓	گدڑی پر بیٹھ گیا۔
(۶۴)	راجہ ہما جو دھ	راجہ ہی کنک	۱۳۴	✓	
(۶۵)	راجہ بیر ناہج	راجہ ہما جو دھ	۱۱۲	✓	
(۶۶)	راجہ جیون راج	راجہ بیر ناہج	۹۹	✓	
(۶۷)	راجہ اددی سین	راجہ جیون راج	۷۸	✓	

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	دارالسلطنت	دارالسلطنت	حالات
(۸۵)	راجہ ملوک چند	×	دہلی	۲	
(۸۶)	راجہ بکرم چند	راجہ ملوک چند	"	۱۳	
(۸۷)	راجہ کان چند	راجہ بکرم چند	"	۱	
(۸۸)	راجہ رام چند	راجہ کان چند	"	۱۱	
(۸۹)	راجہ دھیر چند	راجہ رام چند	"	۱۵	
(۹۰)	راجہ کلیان چند	راجہ دھیر چند	"	۱۶	
(۹۱)	راجہ بھیم چند	راجہ کلیان چند	"	۱۲	
(۹۲)	راجہ ہر چند	راجہ بھیم چند	"	۱	
(۹۳)	راجہ گوہند چند	راجہ ہر چند	"	۱۳	
(۹۴)	رائی بھیم دیوی	راجہ گوہند چند	"	۱	اس خاندان نے (۸۵) سال
(۹۵)	راجہ ہر پریم	×	"	۸	حکومت کی۔ جب رائی سری
(۹۶)	راجہ گوہند پریم	راجہ ہر پریم	"	۲۰	تو لوگوں نے مل کر ہر پریم
(۹۷)	راجہ گوپال پریم	راجہ گوہند پریم	"	۱۶	فقیر کو گدھی پر بٹھا دیا۔
(۹۸)	راجہ جہا پاتر	راجہ گوپال پریم	"	۷	اس خاندان نے (۵۱)
(۹۹)	راجہ دہی سین	×	"	۱۸	سال حکومت کی آخر کار راجہ
(۱۰۰)	راجہ بلاول سین	راجہ دہی سین	"	۱۲	ریاست چھوڑ کر فقیر ہو گیا
(۱۰۱)	راجہ کنور سین	راجہ بلاول سین	"	۱۵	یہ خبر سن کر راجہ دہی سین
(۱۰۲)	راجہ ادھو سین	راجہ کنور سین	"	۱۵	ہنگامے کے راجہ نے دلی بچ
(۱۰۳)	راجہ سور سین	راجہ ادھو سین	"	۶	قبضہ کر لیا۔
(۱۰۴)	راجہ بھیم سین	راجہ سور سین	"	۵	
(۱۰۵)	راجہ کان سین	راجہ بھیم سین	"	۵	
(۱۰۶)	راجہ ہر سین	راجہ کان سین	"	۹	
(۱۰۷)	راجہ کھن سین	راجہ ہر سین	"	۲	

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	تختینا سال جلوس	دارالسلطنت	تختینا مدت سلطنت	حالات
(۱۰۸)	راجہ نراین سین	راجہ کھن سین	۵۹۰ھ ۶۵۳ھ	دہلی	۲۷	
(۱۰۹)	راجہ دامودر سین	راجہ نراین سین	۶۱۴ھ ۶۵۹ھ	"	۱۱	بارہ آدمیوں نے ایک مٹو چھین دیں
(۱۱۰)	راجہ دیب سنگ کوہی	x	۶۲۱ھ ۶۵۱ھ	"	۱۷	حکومت کر کے اخیر کو اسکان
(۱۱۱)	راجہ رن سنگ	راجہ دیب سنگ	۶۲۵ھ ۶۵۸ھ	"	۱۴	ریاست نے راجہ دیب سنگ
(۱۱۲)	راجہ راج سنگ	راجہ رن سنگ	۶۵۹ھ ۶۹۲ھ	"	۹	کوہستان جہ سے
(۱۱۳)	راجہ شیر سنگ	راجہ راج سنگ	۶۶۸ھ ۶۷۱ھ	"	۴۵	سازش کر کے دہلی میں بلایا۔
(۱۱۴)	راجہ ہر سنگ	راجہ شیر سنگ	۷۱۳ھ ۶۷۵ھ	"	۱۳	
(۱۱۵)	راجہ جیون سنگ	راجہ ہر سنگ	۷۲۶ھ ۶۶۹ھ	"	۷	چھ آدمیوں نے ایک سو پانچ برس حکومت کر کے اخیر کو انیکال تتور نے دہلی پر فتح پائی۔
(۱۱۶)	راجہ انیکال تنور	راجہ اوگر سین	۷۳۲ھ ۶۷۷ھ	"	۱۸	
(۱۱۷)	راجہ یاسدیو	راجہ انیکال	۷۵۱ھ ۶۹۴ھ	"	۹ سال ۸۷۵ھ	
(۱۱۸)	راجہ کنگ پال	راجہ یاسدیو	۷۷۰ھ ۶۷۳ھ	"	۱۱ سال ۸۷۵ھ	
(۱۱۹)	راجہ پرتھی پال	راجہ کنگ پال	۷۹۵ھ ۷۳۵ھ	"	۲۸ سال ۱۹ سال ۸۷۵ھ	
(۱۲۰)	راجہ جی دیو	راجہ پرتھی پال	۸۱۱ھ ۷۵۴ھ	"	۱۱ سال ۸۷۵ھ	
(۱۲۱)	راجہ ہر پال	جی دیو	۸۳۲ھ ۷۳۵ھ	"	۱۴ سال ۸۷۵ھ	
(۱۲۲)	راجہ اودی راج	راجہ ہر پال	۸۴۶ھ ۷۸۹ھ	"	۲۶ سال ۸۷۵ھ	
(۱۲۳)	راجہ بچھراج	راجہ اودی راج	۸۷۳ھ ۸۱۹ھ	"	۲۱ سال ۸۷۵ھ	

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	سلطنت	حالات
(۱۲۴)	راجہ انگپال	راجہ بھراج	دہلی	۱۶-۳-۲۳
(۱۲۵)	راجہ رکھپال	راجہ گپال	=	۵-۶-۲۱
(۱۲۶)	راجہ نیک پال	راجہ رکھپال	=	۲۴-۸-۲
(۱۲۷)	راجہ گوپال	راجہ نیک پال	=	۱۵-۳-۱۸
(۱۲۸)	راجہ سلکھن	راجہ گوپال	=	۱۰-۲-۲۵
(۱۲۹)	راجہ جی پال	راجہ سلکھن	=	۱۳-۴-۱۶
(۱۳۰)	راجہ کنور پال	راجہ جی پال	=	۱۱-۹-۲۹
(۱۳۱)	راجہ انیک پال	راجہ کنور پال	=	۱۸-۶-۲۹
(۱۳۲)	راجہ بھو پال	راجہ انیک پال	=	۶-۱-۲۴
(۱۳۳)	راجہ حبیب پال	راجہ بھو پال	=	۱۳-۲-۲۵
(۱۳۴)	راجہ اگر پال	راجہ حبیب پال	=	۱۵-۲-۲۱
(۱۳۵)	راجہ پرتھی راج	راجہ اگر پال	=	۱۶-۳-۲۲
(۱۳۶)	راجہ بیل دیو جان	راجہ پرتھی راج	=	۴-۱-۶
(۱۳۷)	راجہ امر کنکو	راجہ بیل دیو جان	=	۵-۲-۵
(۱۳۸)	راجہ کھر پال	راجہ امر کنکو	=	۵-۱-۲۰
(۱۳۹)	راجہ سمیر	راجہ کھر پال	=	۲-۴-۷
(۱۴۰)	راجہ جاہرا	راجہ سمیر	=	۸-۴-۴
(۱۴۱)	راجہ ناگ دیو	راجہ جاہرا	=	۵-۱-۳
(۱۴۲)	راجہ پرتھی راج عرف رای چھورا	راجہ ناگ دیو	دہلی و جمیری	۱-۵-۲۹

اس خاندان کے میں راجاؤں نے  
۱۹ سال ۵۶۷ء یوم سلطنت  
کی۔ آخر کو بیل دیو جان نے  
فتح پائی۔

اس خاندان کے سات راجاؤں

نے (۹۵) برس (۷) ماہ حکومت کی آخر کو رای چھورا معز الدین محمد سام

عرف سلطان شہاب الدین غوری کی لڑائی میں مارا گیا اور سلطنت مسلمانوں کے گھروں میں چلی گئی۔ اگرچہ غوری کا بادشاہ

غیاث الدین محمد بن سام سلطان شہاب الدین کا بھائی تھا لیکن سلطان الہ سینہ ہندوستان کی فتح خود آپ کی تھی اور اس کو بڑا تہ تسلط عظیم تھا اس  
سلطان شہاب الدین ہی فتح کی تاسیخ سے دلی کے بادشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔



نمبر	نام فرمان روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دار السلطنت	تقرری مدت سلطنت	سال وفات	مدت عمر	مذہب	حالات
۱۳۳۱	سلطان قطب الدین ایبک	غلام سلطان	ترک	x	دو ہشتاد و دو	لاہور	دہلی	۴ سال	۶۰۶ھ ۱۲۱۰ء	x	لاہور	لاہور میں پورکانی بڑی میں گھر رہے۔ سے مگر کرکریک امراء نے اس کے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا۔
۱۳۳۲	شہاب الدین الملقب بہ النضر سلطان مودالدین	بہادر الدین سام	غوری	خاندان غلامان ترک	۵۵۷ھ ۱۱۹۱ء ۱۲۴۵ھ	محل فتح موضع خیرین عرف کنارتلاوری آہستہ سوتی	غزنین	۱۵ سال	۶۷۷ھ ۱۲۷۵ء	+	غزنین	لاہور سے غزنین چلے ہوئے۔ یہاں تک تمام ہندو لوگ لے مار ڈالا اور غور کی سلطنت پر اس کا بیٹا سلطان محمود نے بٹھا جو کہ قطب الدین ایبک کے علاوہ شہاب الدین کی طرف سے ہندوستان کا سپہ سالار تھا اور اس نے بہت قوت پیم پر پنجابی تھی اور اس نے سلطان محمود نے ہندوستان کی بادشاہی قطب الدین ایبک کو بخش دی اور سلطان دلی اور جتیشاہی بھیج دیا اور قطب الدین ایبک کو ملک مستقر کر دیا

تاریخ	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال شہادت	محل شہادت	دلیل	تقریبی مدت سلطنت	سال وفات	تاریخ	مقام	حالت
۱۱۴۵ھ	آرام شاہ	قطب الدین ایبک	ترک	+	۶۰۰ھ ۱۲۱۰ء	لاہور	دلی	چند ماہ	۶	۶	۶	امیر علی حسین بچہ سالار اور امیر داؤد دہلی کے اس بادشاہ کی حرکتوں سے ناراض ہو کر سلطان شمس الدین التمش کو جوہد یوں لگا کر حکم عادی میں لایا۔ اور آرام شاہ سے لڑائی ہوئی جس میں آرام شاہ نے شکست پائی اور سلطان شمس الدین التمش تخت پر بیٹھا۔
۱۱۶۶ھ	سلطان لعل الدین التمش	ایلم خان	ترک	×	۶۱۰ھ ۱۲۱۰ء	قصر فیروز آباد	جلی	۶ سال	۶	۶	۶	بیار ہو کر گیا۔
۱۱۶۷ھ	غلام الدین قطب الدین ایبک	ایبک				قصر فیروز آباد						
۱۱۶۸ھ	رکن الدین فیروز شاہ	شمس الدین التمش	ترک	×	۶۱۲ھ ۱۲۱۳ء	قصر سلطنت	۱۰۴۶ء ۱۲۲۶ء	۶ سال	۶	۶	۶	کھلم خوارا لدین عالم بستان کے تئیں کر پنجاب کی طرف روانہ ہوا اس کے پیچھے اسرار نے سلطانہ رقیہ کو تخت پر بٹھا یا۔ بادشاہ بہر سن کر دہلی میں آیا اور کھلم خوری کے میدان میں لڑائی ہوئی اس لڑائی میں کھلم خوارا قیدی ہو گیا۔

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دار السلطنت	قمری مدت سلطنت	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
(۵۰)	سلطان الدین سودشاہ	کرکن الدین فیروز شاہ	=	x	قوی قعد ۶۱۳۴ھ	=	=	۱-۱-۲	۶۱۳۴ھ ۶۱۳۴ھ	x	x	اس بادشاہ کے غلام سے امراء نے اس کو سلطان ناصر الدین کو بھڑکائی کے لئے بلایا اور شاہ کیا اور اس کو حرم میں لے گیا اور الدین کو قید کر لیا جو اسی زمانے میں قید میں مر گیا۔
(۴۹)	معز الدین بہرام شاہ	=	=	x	۶۱۳۹ھ ۶۱۳۹ھ	=	=	۱۰-۱-۲	۶۱۳۹ھ ۶۱۳۹ھ	x	کلب پور	تکھام الملک معز الدین امراء نے مخالفت کر کے بادشاہ کو دلی میں محصور کیا اور تین چھبیس تک ہر روز دعائی رہی آخر کلاں بادشاہ کو کرکڑ مار ڈالا اور ایک معز الدین بن امیر الامراء تخت پر بیٹھ گیا مگر امراء اس کی بادشاہت پر راضی نہ ہوئے اور علاء الدین کو جو قفسر سفید میں قید تھا بادشاہ کیا۔
(۴۸)	رفیع الدین بیگم	شہنشاہ	ترک	x	۶۱۳۴ھ ۶۱۳۴ھ	قلندر پور پتھورا	دہلی	۲ سال ۶۱۳۴ھ	۶۱۳۴ھ ۶۱۳۴ھ	x	شاہ جہان محلہ پٹیالہ گورنمنٹ دودھ اڑہ	جس کے ملک کو تین بیٹوں نے لے کے حکم سے مرانا ہی ہو گیا تھی اس وقت امراء نے مخالفت کر کے سلطان رفیع الدین کو قید کر کے قتل کیا اور دلی میں بادشاہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ بعد اُس کے سلطان رفیع نے ملک کو تین بیٹوں کو حاکم کر لیا اور بہرام شاہ سے دودھ اڑی آخر کو دلی گئی۔



نمبر	نام قبائل پرورد	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دار السلطنت	نثری مدت سلطنت	سال درشاہ	مدت عمر	مذہب	حالات
(۱۵۴)	جلال الدین فیروز شاہ غلی	غیر پیش	غلی ترک	۶۱۲۰ھ ۶۱۲۱ھ	۶۱۲۰ھ ۶۱۲۱ھ	کیلوکھری	دہلی	چند سال	۶۱۲۰ھ ۶۱۲۱ھ	۷۷	×	کلیک الدین نے دہلی سے بادشاہ کو کرکڑا کا پتہ میں لایا اور چھپا دیا، کشتی کے آؤ رہا تھا اس وقت اس کو لوہار سے لایا سب سے بھر جانے لگا تو کدو جوں بادشاہ کی بی بی نے رکن الدین اپنے چھوٹے بیٹے کو تخت پر بٹھایا۔
(۱۵۵)	رکن الدین برہکھشا	جلال الدین فیروز شاہ	غلی	×	۶۱۲۰ھ ۶۱۲۱ھ	کرکھسٹ	دہلی	۴ سال	×	×	×	سلطان علاء الدین سے راکر بھاگ گیا اور سلطان علاء الدین دہلی کے تخت پر بیٹھ گیا۔
(۱۵۶)	سلطان علاء الدین	شہاب الدین مسعود	×	×	۶۱۲۰ھ ۶۱۲۱ھ	قندھار	دہلی	۱۹ سال	۶۱۲۰ھ ۶۱۲۱ھ	×	×	شہاب الدین سے مراد امراتے مشورت گڑ کے شہاب الدین کو تخت پر بٹھایا۔
(۱۵۷)	شہاب الدین عمر	سلطان علاء الدین	×	۶۱۲۰ھ ۶۱۲۱ھ	۶۱۲۰ھ ۶۱۲۱ھ	قندھار	دہلی	۱۳ سال	×	×	×	شہاب الدین نے ایک مذہب سے لڑنے کا بیڑا لایا سلطنت کو مراد کر آپ نے اپنے سلطنت میں اور چند دفعہ بہادری کا پتہ لکھ کر لایا اور کوہاڑ کے قلعے پر قبضہ کیا اور آپ کو بادشاہ ہوا۔

نمبر	نام خرموں ردوا	تہم پر	قوم	سال ولادت	سال شہادت	محلہ	خانہ خلیفہ	تاریخ وفات	سال وفات	مقام	حالات	
(۱۵۸)	قطب الدین محمد بن علاء الدین	سلطان علاء الدین	مملوکی	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	قصر علاء	قصر علاء	۵-۱-۶۱۳ھ	۵ ربیع الاول ۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ
(۱۵۹)	حسن خاں الملقب بہ ناصر الدین خسرو خاں	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	قصر علاء	قصر علاء	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ
(۱۶۰)	سلطان غیاث الدین تغلق شاہ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	قصر علاء	قصر علاء	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ
(۱۶۱)	سلطان محمد تغلق شاہ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	قصر علاء	قصر علاء	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ	۶۱۳ھ

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دار السلطنت	قری تسلطنت	سال وفات	بیت عمر	مدفن	حالات
(۱۶۲)	فیروز شاہ	سالار حبیب برادر خورد	شکر	۶۰۹ھ ۱۲۹۸ء	۲۲ محرم ۱۳۵۲ھ	سجواں	دہلی	۳۸-۴۷	۱۳ رمضان ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء	۹۱	جوفریا	اصحاب اثنی عشر طبعی خراج و جہان دہلی میں غیاث الدین محمد کو تخت پر بٹھایا تھا کہ فیروز شاہ نے آنے نہ دیا بعد چند مدت کے فیروز شاہ نے جیتے جی شاہزادہ فتح خان کو تخت پر بٹھایا اور سکندر خیلہ کے نام پر گروہا اور اس کے سونے کے بعد محمد خاں کو ناصر الدین محمد شاہ کا خطاب کی کو تخت نشین کیا گروہا نے مخالفت کی اور لوگوں کو سرسوں کی طرف بھگا دیا اور تخت شاہ کو تخت پر بٹھایا اور اسی طرح سے میں فیروز شاہ درگیا اور خلق شاہ متقل باور شاہ رہا۔
(۱۶۳)	سلطان غیاث الدین تغلق شاہ ثانی	شاہزادہ فتح خان	شکر	۷۵۳ھ ۱۳۵۲ء	۹۰ھ ۱۳۸۸ء	فیروز آباد	دہلی	۵۵-۶۵	۱۱ صفر ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء	۷۰	جوفریا	کس کن الدین وزیر سے اس بادشاہ کو کہار و ولادت ابو بکر شاہ کو تخت پر بٹھایا۔
(۱۶۴)	ابوبکر شاہ	ظفر خان بن فیروز شاہ	شکر	۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء	۹۰ھ ۱۳۸۸ء	دہلی	دہلی	۵۵-۶۵	۱۱ صفر ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء	۷۰	جوفریا	امرا کی مخالفت اور ناصر الدین محمد شاہ کے آنے کی خبر پر بادشاہ عیادت میں چلا گیا اور ناصر الدین محمد شاہ دہلی میں آکر تخت پر بیٹھ گیا اور بعد ازاں انہوں نے ابو بکر شاہ کو پھر تخت پر بیٹھ کیا جو دہلی میں رہا۔

[illegible]



نمبر	نام سردار اور نام پدر	رقم	سال ولادت	سال جلدوس	محل جلدوس	درا سلطنت	سلطنت قمری بدشا	سال تبار	بیت عمر	مذہب	حالات
(۱۷۸)	دولت خاں	۴	×	۱۰۱۰ھ ۱۰۱۱ھ	کوشک سیر	دہلی	ایک سال دعاہ خدیو	۱۰۱۱ھ ۱۰۱۲ھ	×	×	خضر خاں دہلی پر فوج کشی کی اور دولت خاں کچھک سیری میں محصور ہوا آخر کلا خضر خاں پاس چلا آیا اور اس نے فیروز آباد میں قید کیا اور وہیں مر گیا۔
(۱۷۹)	خضر خاں	لکھنویان	×	خاندان سادات		دہلی	۲۰-۲۰	۱۰۱۱ھ ۱۰۱۲ھ	×	دہلی	۱۱۱۱ھ میں بنارس کو دہلی میں آیا اور یہیں تھا کہ اس کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔
(۱۸۰)	میر الدین خان بھارتی	خضر خاں	×			دہلی	۱۱۱۱ھ ایک بی بی	۱۰۱۱ھ ۱۰۱۲ھ	×	دہلی	قلعہ سبھا رنگ آباد میں اس کا دشمن نے دیکھا کہ اس کا بیٹا تھا میران صد اور بعضی جگہ لکھنوی دشا کوہ اور ۱۱۱۱ھ میں لکھنوی کو چھوڑ کر اس نے صلاح کر کے عرش شاہ کو تخت چڑھا دیا۔
(۱۸۱)	سلطان محمد شاہ	فرید خاں	×	۱۰۱۱ھ ۱۰۱۲ھ	="	دہلی	۱۱۱۱ھ ایک بی بی	۱۰۱۱ھ ۱۰۱۲ھ	×	دہلی	بناری سے سر اور پاپ کی جگہ بیٹا جانشین ہوا۔

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال نبوغ	مقام تہنیتی	سال سلطنت	سلسلہ	سلسلہ خاندانی	سال وفات	سال وراثت	تاریخ	مقام	حالات
۱۷۱۱	سلطان علاؤ الدین محمد شاہ	محمد شاہ	سید	×	۱۲۹۸ھ ۱۲۹۹ھ	کوکٹ سیری	دہلی	دہلی	چہر سال چندہ	۱۲۹۸ھ ۱۳۰۷ھ	×	×	×	بادشاہ ہزاریوں میں چار بار اور ملک بھول لودی دلی پہ تاجپوش ہو کر تخت نشین ہوا۔
۱۷۱۲	سلطان بہلول لودی	ملک لال	لودی	×	۱۳۰۵ھ ۱۳۰۶ھ	==	دہلی	دہلی	۳۸-۴۰	۱۳۰۷ھ ۱۳۱۲ھ	×	×	دہلی متصل دہلی درگاہ چرخ دہلی	پاری سے مراد خان خاں اس کے بیٹے کرخت پر بچایا۔
۱۷۱۳	سلطان کنہر	سلطان بہلول	لودی	×	۱۳۰۶ھ ۱۳۰۷ھ	قصیدہ جلال	دہلی بدھ گڑھ	دہلی	۱۵ سال	۱۳۰۷ھ ۱۳۱۲ھ	×	×	دہلی	اس بادشاہ کے ہمیں بہندہ دہلی لکھی گئی اور پھٹا شریع کیا اس سے پہلے کوئی نہ پھٹا تھا یہ بادشاہ پاری سے ہوا۔
۱۷۱۴	سلطان ابراہیم	سلطان کنہر	لودی	×	۱۳۱۲ھ ۱۳۱۳ھ	قصیدہ ۱۳۱۴ھ	۲ گڑھ	۲ گڑھ	۱۵ سال چندہ	۱۳۱۲ھ ۱۳۱۳ھ	×	×	دہلی	دہلی پت لوہائی میں راگیا اور غلوں کے خاندان میں بادشاہت چلی گئی۔

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دار اسطنت	سلطنت	سال وفات	رت عمر	مذہب	حالات
(۱۷۹)	ظہیر الدین محمد بابر شاہ	عمر شیخ میرزا	چغتائی	۱۵۲۵ء	خانہ انصاریہ ۱۵۲۵ء	دہلی	اگرہ	۴ سال دس ماہ چند یوم	دکن ۱۵۲۵ء	۹ سال چند ماہ	کابل	بیمار ہو کر مرا -
(۱۸۰)	نصیر الدین بایوں بادشاہ (مرکزہ اول)	بابر بادشاہ	"	۱۵۲۵ء	۱۵۳۰ء	اگرہ	لہور دہلی	۱۱ سال	۱۵۳۰ء	×	×	غیر شاہی لڑائی میں ۱۵۳۵ء میں شکست کھا کر بادشاہ ایران چلا گیا -
(۱۸۱)	فرید خان الملک	سن	سورج پٹن	۱۵۲۵ء	خانہ انصاریہ ۱۵۲۵ء	اگرہ	دہلی	۱۵-۴-۳	۱۵۲۵ء	۱۵ سال ۱۵۲۵ء		سہو کارانہ کے قتلے کی لڑائی میں باروت سے جل کر مرا -
(۱۸۹)	جلال شاہ الملک برہہ السلام شاہ	شیر شاہ	"	۱۵۲۵ء	۱۵۲۵ء	قلعہ کانچنجر	"	۱۰-۲-۸	۱۵۲۵ء	۱۵ سال چند یوم	×	پاری سے مراد فرید خان حشت پر چڑھا -

نمبر	نام سرداروں کا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال وفات	مدت حکومت	مقام	مذہب
(۱۸۰)	غیر وز شاہ	اسلام شاہ	سپہ سالار	۱۵۵۲ء	۱۵۵۲ء	۱۲ سال	دہلی	مذہب
(۱۸۱)	سباروز خان الملقب پہلے عازل شاہ	نظام عالم	سپہ سالار	۱۵۵۲ء	۱۵۵۲ء	۱۲ سال	دہلی	مذہب
(۱۸۲)	سلطان ابراہیم	سین خان	سپہ سالار	۱۵۵۲ء	۱۵۵۲ء	۱۲ سال	دہلی	مذہب
(۱۸۳)	امیر خان الملقب سلطان شاہ	سین خان	سپہ سالار	۱۵۵۲ء	۱۵۵۲ء	۱۲ سال	دہلی	مذہب
(۱۸۴)	غیر وز شاہ	اسلام شاہ	سپہ سالار	۱۵۵۲ء	۱۵۵۲ء	۱۲ سال	دہلی	مذہب
(۱۸۵)	غیر وز شاہ	اسلام شاہ	سپہ سالار	۱۵۵۲ء	۱۵۵۲ء	۱۲ سال	دہلی	مذہب
(۱۸۶)	غیر وز شاہ	اسلام شاہ	سپہ سالار	۱۵۵۲ء	۱۵۵۲ء	۱۲ سال	دہلی	مذہب
(۱۸۷)	غیر وز شاہ	اسلام شاہ	سپہ سالار	۱۵۵۲ء	۱۵۵۲ء	۱۲ سال	دہلی	مذہب
(۱۸۸)	غیر وز شاہ	اسلام شاہ	سپہ سالار	۱۵۵۲ء	۱۵۵۲ء	۱۲ سال	دہلی	مذہب

شیر شاہ نے اوجھڑہ کے قلعہ کے اندر سے اپنے وقت  
مگر پڑا اور کئی دن بعد انتقال کیا۔

دہلی  
مقبورہ  
پہلیوں

۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء

۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء

۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء

۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء

۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء

۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء

۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء

۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء

۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء

۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء

۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء  
۱۵۵۲ء

نمبر	نام سردار کا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دار اسطقت	سلطنت قمری مدت	سال تاج	رتبہ عمر	موقع	حالات
(۱۸۵)	ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ	بابا یوں بادشاہ	پشتونی	۶۱۵۴۲ ۶۱۵۴۳ ۶۱۵۴۴	۶۱۵۵۱ ۶۱۵۵۲ ۶۱۵۵۳	کلانور	اکگرہ	۵۱-۲-۱۱	۶۱۶۰۵ ۶۱۶۰۶ ۶۱۶۰۷	۶۱۵۶۲-۶۱۵۶۳	اکبر آباد پنج اکگرہ ہشت آباد معدوف پ سکندریہ	بیماری سے وفات پائی۔
(۱۸۶)	ابوالفضل نور الدین جمالیہ بادشاہ	اکبر بادشاہ	=	۶۱۵۴۹ ۶۱۵۵۰ ۶۱۵۵۱	۶۱۵۵۸ ۶۱۵۵۹ ۶۱۵۶۰	اکگرہ	اکگرہ	۱۱-۸-۱۳	۶۱۶۲۴ ۶۱۶۲۵ ۶۱۶۲۶	۶۱۵۶۲-۶۱۵۶۳	لاہور	بیماری سے وفات پائی۔ امجدیہ پ مصلحت عادر بخش کو بادشاہ کر دیا اور غنیہ شاہ جہاں کو لایا
(۱۸۷)	مرزا بلال خان صاحب بسلطان داد بخش	شاہزادہ سلطان خسرو	=	۶۱۵۵۱ ۶۱۵۵۲ ۶۱۵۵۳	۶۱۵۶۰ ۶۱۵۶۱ ۶۱۵۶۲	راج پوری	اکگرہ	دواہ چندیم	۶۱۶۲۴ ۶۱۶۲۵ ۶۱۶۲۶	۶۱۵۶۲-۶۱۵۶۳	x	جب کر شاہ جہاں لاہور میں پہنچا آصف خان اتج چار سے کو ردا لادشاہ جہاں کو تخت پر بٹھا دیا
(۱۸۸)	شہا جلدین محمد شاہ بادشاہ	جہاں گیر بادشاہ	=	۶۱۵۵۱ ۶۱۵۵۲ ۶۱۵۵۳	۶۱۵۶۰ ۶۱۵۶۱ ۶۱۵۶۲	لاہور	اکگرہ	۱۱-۸-۱۳	۶۱۶۲۴ ۶۱۶۲۵ ۶۱۶۲۶	۶۱۵۶۲-۶۱۵۶۳	تاج گنج اکگرہ	عالم گیر شاہ ۱۱۵۵ میں قید کر کے خود تخت پر بیٹھا اور شاہ جہاں نوین سال جلوس عالم گیر کی بری میں انتقال کیا۔

[illegible]

نمبر	نام سردار	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محسب جلوس	دار السلطنت	قمری مدت سلطنت	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
(۱۹۳)	جلال الدین فیض سیر	عظیم الشان بن بہادر شاہ	چشتی	بجانبہ ۱۱۷۲ھ ۱۱۷۳ھ ۱۱۷۴ھ	۱۱۷۲ھ ۱۱۷۳ھ ۱۱۷۴ھ	گرہ	دہلی	۱۵-۳۶	۱۱۷۲ھ ۱۱۷۳ھ ۱۱۷۴ھ	۳۵-۳۷	دہلی	عبدالغفر خاں اور حسین علی خاں نے زہر دے کر مار ڈالا۔
(۱۹۴)	محمد ابو البرکات سلطان فیض الدرعات	رفیع الشان بن بہادر شاہ	ہ	۱۱۷۹ھ ۱۱۸۰ھ ۱۱۸۱ھ	۱۱۷۹ھ ۱۱۸۰ھ ۱۱۸۱ھ	شاہ جہاں آباد	دہلی	۱۱۷۹ھ ۱۱۸۰ھ ۱۱۸۱ھ	۱۱۷۹ھ ۱۱۸۰ھ ۱۱۸۱ھ	۱۱-۱۸	دہلی	پارسی سے مراد عبدالغفر خاں و حسین علی خاں نے رفیع الدرد کو قوت پہنچایا اور اکبر آباد میں مکرمی سترہ سترہ سال تک قوت پر پہنچا دیا۔
(۱۹۵)	شمس الدین فیض الدولہ شاہ جہاں بادشاہ تاجی سلطان میکوسیر	رفیع الشان بن بہادر شاہ	ہ	۱۱۸۱ھ ۱۱۸۲ھ ۱۱۸۳ھ	۱۱۸۱ھ ۱۱۸۲ھ ۱۱۸۳ھ	شاہ جہاں آباد	دہلی	۱۱۸۱ھ ۱۱۸۲ھ ۱۱۸۳ھ	۱۱۸۱ھ ۱۱۸۲ھ ۱۱۸۳ھ	۱۱-۱۸	دہلی	پارسی سے مراد عبدالغفر خاں و حسین علی خاں نے کوتھ پر پہنچا لیکن جب حسین علی خاں کو بادشاہ نے مراد آباد عبدالغفر خاں سلطان اکبر آباد پہنچایا کر وہ مطلوب ہوا۔
(۱۹۶)	محمد شہزاد سلطان ابراہیم	محمد شہزاد بن بہادر شاہ	چشتی	۱۱۸۳ھ ۱۱۸۴ھ ۱۱۸۵ھ	۱۱۸۳ھ ۱۱۸۴ھ ۱۱۸۵ھ	شاہ جہاں آباد	دہلی	۱۱۸۳ھ ۱۱۸۴ھ ۱۱۸۵ھ	۱۱۸۳ھ ۱۱۸۴ھ ۱۱۸۵ھ	۱۱-۱۸	دہلی	پارسی سے مراد عبدالغفر خاں و حسین علی خاں نے کوتھ پر پہنچا لیکن جب حسین علی خاں کو بادشاہ نے مراد آباد عبدالغفر خاں سلطان اکبر آباد پہنچایا کر وہ مطلوب ہوا۔

نمبر	نام فرسوں اور	نام پر	قوم	نسل و اولاد	سال جلوس	محل جلوس	دراست	تاریخ	مرفی	حالات		
(۱۹۷)	مجاہد الدین ابوالنہر	محمد شاہ	چغتائی	شہنشاہ ۲۷- بیچہ الدین ۱۱۷۱ھ ۱۱۷۲ھ	۳۰- مجاہد الدین ۱۱۷۱ھ ۱۱۷۲ھ	پانی پت	دہلی	۸-۳-۶	۸ شوال ۱۱۷۱ھ ۱۱۷۲ھ	۸ سال ۱۱۷۱ھ ۱۱۷۲ھ	دہلی مقبرہ ہالیوں	مجاہد الملک نے پکڑا اور اندھا کر کے قید کر دیا اور اسی حالت میں چند مدت کے بعد پاری سے مر گیا۔
(۱۹۸)	عزیز الدین عالمگیر خان	محمد الدین جہاں در شاہ	==	۱۰۹۱ھ ۱۱۷۱ھ ۱۱۷۲ھ	شہنشاہ ۱۱۷۱ھ ۱۱۷۲ھ	شاہ جہاں آباد	==	۵-۱۰-۱۸	دہلی مقبرہ ہالیوں	عزیز الملک کے کہنے سے تاریخ ۱۸ مئی ۱۱۷۱ھ اور عید کی شبلی خان نے ۱۸ شوال اور عید المیل کو تخت پر بٹھایا اور شاہ عالم نے بیچکے میں جلوس کیا سلطنت شاہ عالم کی فہم بر ہی۔		



[illegible]

نمبر	نام خزان روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال شہادت	محل شہادت	باب الشہادت	تاریخ شہادت	سال وفات	تاریخ	مذنب	حالات
(۱۹۹)	ابوالفضل حسین الدین اکبر شاہ قانی	شاہ عالم	چشتی	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	پہاڑ شہ پہاڑ شہ پہاڑ شہ	پہاڑ شہ پہاڑ شہ پہاڑ شہ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	دلی قادیان قادیان	اگر چاہا۔ سرور شاہ اکبر شاہ اکبر شاہ کی طرف سے الہیہ شاہ اکبر شاہ کی طرف سے اکبر شاہ اکبر شاہ کی طرف سے
(۲۰۰)	ابوالفضل میرزا الدین محمد شاہ اردشہ	اکبر شاہ	"	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	پہاڑ شہ پہاڑ شہ پہاڑ شہ	پہاڑ شہ پہاڑ شہ پہاڑ شہ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	دکن دکن دکن	قادیان قادیان قادیان
(۲۰۱)	گلزار دہلوی، قیصر وند	دھڑ بڑیک میرزا دہلوی	دکنی	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	پہاڑ شہ پہاڑ شہ پہاڑ شہ	پہاڑ شہ پہاڑ شہ پہاڑ شہ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	دکن دکن دکن	قادیان قادیان قادیان
(۲۰۲)	طہر دہلوی، قیصر وند دکنی، قیصر وند	پیر دہلوی، قیصر وند دکنی، قیصر وند	دکنی	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	پہاڑ شہ پہاڑ شہ پہاڑ شہ	پہاڑ شہ پہاڑ شہ پہاڑ شہ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	دکن دکن دکن	قادیان قادیان قادیان
(۲۰۳)	جلال خان، قیصر وند	ایده دہلوی، قیصر وند	"	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	پہاڑ شہ پہاڑ شہ پہاڑ شہ	پہاڑ شہ پہاڑ شہ پہاڑ شہ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ	دکن دکن دکن	قادیان قادیان قادیان

## دلی کے قلعہ جات اور شہر کی بنا کی فہرست

نمبر	اہم قلعہ یا شہر کا نام	زمین کی کا	سال بنا	کیفیت
(۱)	انارپت	راجہ جہشٹر	۵۰۰ سال پہلے	تختیا
(۲)	دہلی	راجہ دہو	۳۸۰ سال پہلے	قبل مسیح
(۳)	پرانہ قلعہ یا دین پور	انکپال تنور	۶۴۷	تختیا
	یا شیر گڑھ			
(۴)	قلعہ رای پتھورا	رای پتھورا	۵۳۸	اس قلعے کو ہایوں بادشاہ نے اس قلعے کی
			۶۱۴	از سر نو مرمت کرائے دین پر نام رکھا اور
				شیر شاہ نے بھی اس کی مرمت کی اور شیر گڑھ
				نام رکھا۔
(۵)	تسرفید	قطب الدین ایبک	۶۰۲	اس قلعے کے غربی دروازے کا نام غزنین
	کوشک لعل	غیاث الدین بلبن	۶۱۲	دروازہ تھا۔
			۶۱۲	رای پتھورا کے قلعے میں یہ محل بنا تھا۔
			۶۱۲	ان سب سے چند سال پہلے یہ قلعہ بنا کسوں کہ
			۶۱۲	یہ سن تو بادشاہ ہونے کے میں اور یہ کوشک
			۶۱۲	بادشاہ ہونے کے کچھ برس پہلے بنایا تھا۔
(۶)	قلعہ مرزغن		۶۶۶	اس قلعے کی زمین میں حضرت نظام الدین اولیا
	بانیات پور		۶۱۲	کی درگاہ ہے۔
(۷)	کیلوکھڑی یا	سعد الدین کبچاد	۶۸۵	ہایوں کا مقبرہ اسی قلعے کی زمین میں ہے۔
	قصر معزی		۶۸۵	
(۸)	کوشک لعل یا	جلال الدین	۶۸۸	
	نپاشہر	فیروز خجی	۶۸۵	
	کوشک سبتر			کوشک لعل میں کایہ بھی ایک محل ہے۔

نمبر	نام قلعہ یا شہر کا	نام اہل بانی کا	سال بنا	کیفیت
(۹)	دہلی علائی یا قلعہ علائی یا کوشک سیری قصر ہزارستون	علاء الدین خلجی	۷۰۳ھ ۶۱۳۰۲	کوشک سیری میں کیا یہ بھی ایک محل تھا۔
(۱۰)	تغلق آباد	تغلق شاہ	۷۲۱ھ ۶۱۳۲۱	
(۱۱)	عادل آباد محل آباد	محمد عادل تغلق شاہ	۷۲۸ھ ۶۱۳۲۷	
(۱۲)	جہاں پناہ کوشک بچو منٹل	=	=	دہلی علائی اور دہلی کہنہ یعنی قلعہ ساری تھورا کو ملا دیا۔
(۱۳)	یا بیع منزل کوشک فیروز شاہ یا فیروز شاہ کا کوٹہ شہر قریہ زکریا	=	=	جہاں پناہ کی تفصیل کا ایک برج ہے۔
(۱۴)	کوشک جہاں نایا کوشک شکر	فیروز شاہ	۷۵۵ھ ۶۱۳۵۴	کوٹے کے ساتھ کا یہ شہر بھی ہے۔
(۱۵)	خضر آباد	خضر خاں	۸۲۱ھ ۶۱۳۱۸	
(۱۶)	مبارک آباد	قطب الدین مبارک شاہ	۸۳۷ھ ۶۱۴۳۶	قلعہ قطب آباد بھی غالباً اس قلعے کا نام تھا۔
(۱۷)	دہلی شیر شاہ	شیر شاہ	۹۳۸ھ ۶۱۵۴۱	اس شہر کا ”سکاہلی دروازہ“ اب تک جیل خانے کے پاس موجود ہے۔
(۱۸)	سلیم گڑھ یا نور گڑھ	اسلام شاہ جس کو سلیم شاہ بھی کہتے ہیں	۹۵۳ھ ۶۱۵۴۶	نور الدین جہاں گیر کے وقت میں کل اس کے سامنے بنا اور اسی وقت سے ”نور گڑھ“ کا نام پڑا۔

نمبر	نام قلعہ یا شہر کا	نام اصل بانی کا	سال بنا	کیفیت
(۱۹)	لال قلعہ	شاہ جہاں بادشاہ	۱۰۲۸ھ ۱۶۳۸ء	اس قلعہ کی تعمیر میں انہیں بھی شریک تھے۔ شاہ جہاں کی بنی ہوئی عمارتیں موجود نہیں۔ دلی دروازہ۔ لاہوری دروازہ مع چھتہ۔ نغار خانہ یا ہتیا پول۔ دیوان عام مع تخت سگین خاص محل۔ امتیاز محل یا رنگ محل۔ بیٹھک مع مشن برج۔ اسد برج۔ شاہ محل یادوان خاص۔ حمام۔ موتی محل۔ باغ حیات بخش مع سادون بھادوں۔ شاہ برج۔ ہتھاب بارخ اب ان میں سے عمارات نمبر ۱۲-۱۳ باقی نہیں ہیں۔

## عمارات قدیمہ شہر مضافات دہلی

نمبر	نام مکان	نام اصل بانی کا	نام بادشاہ کے عہد میں بنا	سال	کیفیت
(۱)	لوہے کی لاٹھ	راجہ سید ہاک	راجہ دہاوا	۹۵۰ھ تخمیناً سال قبل مسیح	اس لاٹھ پر سندھیوں پر فتح یابی کا فتح نامہ کندہ ہے مگر روش خط سے ثابت ہوا ہے کہ یہ عرف پانچویں صدی بعد حضرت عیسیٰ کے کندہ ہوئے ہیں۔
(۲)	لاٹھ اسوکا یا منارہ زرین یا فیروز شاہ کی لاٹھ	راجہ اسوکا	راجہ اسوکا	۹۵۰ھ قبل مسیح	پرانے خط میں بودھ کی مذہب کے حکام
(۳)	لاٹھ اسوکا یا منارہ کوشک شکار	"	"	"	نیل یوچوان کا فتح نامہ کندہ ہے مگر راجہ پتھورہ کے عہد میں کندہ ہوا ہے۔
(۴)	انیک پور	انیک پال توذور	"	۵۵۰ھ ۶۶۷ء	"
(۵)	انیک پال	"	"	"	"

نمبر	نام مکان	نام اصلانی کا	نام بادشاہ جس کے عہد میں بنا	سال بنا	کیفیت
(۶)	سورج گنڈ	سورج پال	انیکٹل توڑ	۵۴۶ھ	
(۷)	بت خانہ واقع قطب	پر تھی راج عرف	راہی پتھورا	۵۲۹ھ	۵۸۷ھ میں قطب الدین ایبک نے بت خانہ توڑ کر مسجد بنائی اور بت خاں اور لاٹھ کے پیلے درجے پر فتح نامہ لکھایا اور ۵۵۲ھ میں سلطان معز الدین نے پانچ محرابیں بنوائیں
	مسجد قوت الاسلام	راہی پتھورا	معز الدین سلطان	۶۱۱ھ	۶۲۷ھ میں سلطان شمس الدین نے تین تین محرابیں اور بنوائیں اور لاٹھ پر پانچ درجے اور پٹا لے
	قطب شاہی لاٹھ	پر تھی راج			۱۰۳۱ھ میں سلطان علاء الدین نے اس مسجد کو بڑھانا چاہا اور دوسری لاٹھ پہلی لاٹھ سے دگنی بنائی جا رہی تھی
(۸)	عرف رک پتھورا	راہی پتھورا			۱۰۳۱ھ میں سلطان علاء الدین نے اس مسجد کو بڑھانا چاہا اور دوسری لاٹھ پہلی لاٹھ سے دگنی بنائی جا رہی تھی
(۹)	متصل دیوارہ لاٹھ	تیسرے سلطان علاء الدین			۶۲۷ھ میں سلطان علاء الدین نے اس حوض کے بیچ میں ایک بڑی بنائی۔
(۱۰)	اودھ بنی یعنی ناتام	سلطان علاء الدین			۶۲۷ھ میں سلطان علاء الدین نے اس حوض کے بیچ میں ایک بڑی بنائی۔
(۱۱)	حوض شمسی	سلطان شمس الدین	سلطان شمس الدین	۶۲۷ھ	۶۲۷ھ میں سلطان علاء الدین نے اس حوض کے بیچ میں ایک بڑی بنائی۔
(۱۲)	مقبرہ سلطان غازی				۶۲۷ھ میں سلطان علاء الدین نے اس حوض کے بیچ میں ایک بڑی بنائی۔
(۱۳)	مقبرہ سلطان شمس الدین	سلطان غازی			۶۲۷ھ میں سلطان علاء الدین نے اس حوض کے بیچ میں ایک بڑی بنائی۔
(۱۴)	درگاہ ترکمان شاہ	×	معز الدین بہرام شاہ	۶۳۸ھ	۶۲۷ھ میں سلطان علاء الدین نے اس حوض کے بیچ میں ایک بڑی بنائی۔
(۱۵)	مقبرہ کرک الدین فیروز شاہ	معز الدین بہرام شاہ	معز الدین بہرام شاہ	۶۱۲ھ	۶۲۷ھ میں سلطان علاء الدین نے اس حوض کے بیچ میں ایک بڑی بنائی۔

نمبر	نام مکان	نام محل بانی کا	نام بادشاہ جس کے عہد میں بنا	سال بنا	کیفیت
(۱۷)	مقبرہ شمس الدین	معر الدین	معر الدین	۶۶۳۸ ۶۱۲۴۰	
(۱۸)	مقبرہ معز الدین	شاہ علاؤ الدین	شاہ علاؤ الدین	۶۶۳۹ ۶۱۲۴۱	
(۱۸)	مقبرہ غیاث الدین	غیاث الدین	غیاث الدین	۶۶۸۲ ۶۱۲۸۲	خان سعید کے مرنے کے وقت اس کی قبر اور یہ مقبرہ خود بادشاہ بنوایا۔
(۱۹)	مقبرہ سلطان بلبن	سلطان بلبن	سلطان بلبن	۶۶۹۵ ۶۱۲۹۵	فیروز شاہ کے وقت میں حوض خاص اس کا نام ہوا۔
(۲۰)	مقبرہ سلطان	علاء الدین	علاء الدین	۶۸۱۷ ۶۱۳۱۷	
(۲۱)	باؤلی درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء	حضرت نظام الدین اولیاء	غیاث الدین	۶۷۲۱ ۶۱۳۲۱	۶۸۱۷ میں محمد معروف نے اس باؤلی پر مکانات بنائے۔
(۲۲)	مقبرہ غیاث الدین تغلق شاہ	محمد عادل تغلق شاہ	محمد عادل تغلق شاہ	۶۷۲۵ ۶۱۳۲۵	محمد عادل تغلق شاہ کی قبر بھی یہیں ہے۔
(۲۳)	درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء	عماد الملک غیاث الدین	محمد عادل تغلق شاہ		خلیل اسر خاں نے ۱۰۶۳ھ میں مزار پر غلام گردش بنوائی۔
(۲۴)	ست پلہ	محمد عادل تغلق شاہ		۶۷۲۷ ۶۱۳۲۷	
(۲۵)	درگاہ شیخ صلاح الدین	فیروز شاہ	فیروز شاہ	۶۷۵۲ ۶۱۳۵۲	
(۲۶)	مسجد درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء	فیروز شاہ			

نمبر	نام مکان	نام محل یا جی کا	نام بادشاہ جسکے عہد میں بنا	سال بسا	کیفیت
(۲۷)	مسجد بستان	قبر و در شاہ	✓	۱۵۵۵ء ۶۱۳۵۴	تیور کا خطبہ اسی مسجد میں پڑھا گیا۔
(۲۸)	کوشک الہ آباد	فیروز شاہ	✓	۱۵۵۵ء ۶۱۳۵۴	
(۲۹)	یا ہندیان بولی بھٹیاری کا محفل	✓	✓	✓	
(۳۰)	کالی مسجد کوٹلہ	خان جہاں	✓	۱۵۶۲ء ۶۱۳۷۰	
(۳۱)	نظام الدین درگاہ روشن	فیروز شاہ	✓	۱۵۷۵ء ۶۱۳۷۳	
(۳۲)	چراغ دہلی قدم شریف یا مقبرہ فتح خان	✓	✓	۱۵۷۶ء ۶۱۳۷۴	
(۳۳)	مسجد چوراہا قدم شریف	✓	✓	✓	
(۳۴)	درگاہ حضرت سید محمود بکار	x	✓	۱۵۷۸ء ۶۱۳۷۶	
(۳۵)	کلاں مسجد عرف کالی مسجد	خان جہاں	✓	۱۵۸۹ء ۶۱۳۸۷	
(۳۶)	مسجد بیگم پور	✓	✓	✓	
(۳۷)	مسجد سکا	✓	✓	✓	
(۳۸)	مسجد کھنکی	✓	✓	✓	
(۳۹)	مقبرہ فیروز شاہ	ناصر الدین محمد شاہ ناصر الدین محمد شاہ	✓	۱۵۹۲ء ۶۱۳۸۹	



نمبر	نام مکان	نام اصل بانی کا	نام بادشاہ جس کے مہر میں بنا	سال بنا	کیفیت
(۴۷)	نضر کی گمٹی	ابوالفتح مبارک شاہ	ابوالفتح مبارک شاہ	۸۲۴ھ ۱۴۲۱ء	نظر خان کا یہ مقبرہ ہے
(۴۸)	مبارک پور کوٹلہ	محمد شاہ	محمد شاہ	۸۳۶ھ ۱۴۳۳ء	
(۴۹)	مقببرہ محمد شاہ	علاء الدین عالم شاہ	علاء الدین عالم شاہ	۸۴۹ھ ۱۴۴۵ء	
(۵۰)	مقببرہ سلطان بہلول	سلطان سکندر	سلطان سکندر	۸۵۹ھ ۱۴۵۶ء	
(۵۱)	پنج برج زمرہ پور	نصرت خان	"	"	
(۵۲)	بستی باؤلی	بستی خواجہ صرا	"	"	
(۵۳)	موتھ کی مسجد	شہاب الدین	"	"	
(۵۴)	مقببرہ لنگر خان	x	"	۸۹۲ھ ۱۴۸۸ء	
(۵۵)	تبرجہ	x	"	"	
(۵۶)	راجون کی بامین	دولت خان	"	۹۲۶ھ ۱۵۱۹ء	
(۵۷)	مقببرہ سلطان سکندر	سلطان ابراہیم	سلطان ابراہیم	۹۳۶ھ ۱۵۳۲ء	
(۵۸)	درگاہ یوسف قتال	شیخ علاء الدین	بابر بادشاہ	۹۴۳ھ ۱۵۳۹ء	
(۵۹)	درگاہ مولانا جمالی	مولانا جمالی	"	۹۴۸ھ ۱۵۴۱ء	
(۶۰)	مسجد درگاہ جمالی	"	"	"	
(۶۱)	میلی چھتری	ہمایوں بادشاہ	ہمایوں بادشاہ	۹۳۹ھ ۱۵۳۲ء	
(۶۲)	درگاہ امام ضامن	حضرت امام ضامن	"	۹۴۴ھ ۱۵۳۷ء	
(۶۳)	درگاہ حضرت قطب صاحب	خلیل اللہ خان	سخیہ شاہ	۹۴۵ھ ۱۵۳۸ء	
(۶۴)	مسجد قلعہ کہنہ	نصیر شاہ	"	"	
(۶۵)	سخیہ منڈل	"	"	"	
(۶۶)	مسجد مقبرہ نصیر پور	نصیر پور	"	۹۵۲ھ ۱۵۴۵ء	
(۶۷)	کھدنی باؤلی	خواجہ محمد عبدالملک	اسلام شاہ	۹۵۲ھ ۱۵۴۵ء	
(۶۸)	مقببرہ میسلی خان	حسین خان	"	۹۵۴ھ ۱۵۴۷ء	
(۶۹)	مسجد میسلی خان	"	"	"	
(۷۰)	مسجد درگاہ قطب صاحب	اسلام شاہ	اسلام شاہ	۹۵۵ھ ۱۵۴۸ء	نظر خان کا یہ مقبرہ ہے

نمبر	نام مکان	نام اصل بانی کا	نام بادشاہ جس کے عہد میں بنا	سال بنا	کیفیت
(۶۴۱)	عبد سہیل	ساجی بیگم صاحبہ	اسلام شاہ	۹۶۸ھ ۱۵۶۰ء	
(۶۵)	غیسر المنازل	ماہم بیگم صاحبہ	"	۹۶۹ھ ۱۵۶۱ء	
(۶۶)	بھول کلیان یا مقبرہ اہم خان	اکبر شاہ	اکبر شاہ	"	
(۶۷)	مقبرہ ہمایون	ساجی بیگم صاحبہ	"	۹۷۳ھ ۱۵۶۵ء	
(۶۸)	نئی پختوری مقبرہ نوبت خان	نواب نوبت خان	"	"	
(۶۹)	مقبرہ بگم خان	کوکلن شاہ	"	۹۷۶ھ ۱۵۶۶ء	
(۷۰)	دگاہ حضرت خضر باقی اللہ	"	"	۱۰۰۳ھ ۱۶۰۳ء	
(۷۱)	دگاہ حضرت شیخ روح	سجاد الدین حسن	جلال الدین جہانگیر شاہ	۱۰۰۵ھ ۱۶۰۵ء	
(۷۲)	جیلانہ سر فرید خان	فرید خان	"	۱۰۰۸ھ ۱۶۰۸ء	
(۷۳)	بارہ پل	آغا مان	جہانگیر شاہ	۱۰۱۲ھ ۱۶۱۲ء	
(۷۴)	منڈی	"	"	"	
(۷۵)	کوس منارہ	جہانگیر شاہ	"	۱۰۱۸ھ ۱۶۱۸ء	
(۷۶)	پل سلیم گڑھ	"	"	۱۰۲۱ھ ۱۶۲۱ء	
(۷۷)	مقبرہ شیخ فرید	شیخ فرید	"	۱۰۲۳ھ ۱۶۲۳ء	
(۷۸)	تیلراج یا مقبرہ فیروز	عبدالرحیم خان خانان	"	۱۰۲۴ھ ۱۶۲۴ء	
(۷۹)	چوڑھمبیا مقبرہ کوکلن شاہ	مرزا عزیز کوکلن شاہ	"	"	
(۸۰)	مقبرہ خان خانان	عبدالرحیم خان خانان	"	۱۰۲۶ھ ۱۶۲۶ء	
(۸۱)	مقبرہ سیدہ ماہرہ	خان دوران خان	شاہ جہاں بادشاہ	"	
(۸۲)	خاص محل	خاص محل و شہزادین	"	۱۰۳۲ھ ۱۶۳۲ء	
(۸۳)	مقبرہ شیخ عابدی محمد	شیخ الاسلام	"	۱۰۵۲ھ ۱۶۵۲ء	
(۸۴)	جامع مسجد	شاہ جہاں بادشاہ	شاہ جہاں بادشاہ	۱۰۵۰ھ ۱۶۵۰ء	
(۸۵)	دارالشفا و دارالبقا	"	"	"	
(۸۶)	بیگم کا باغ	جہانگیر بیگم صاحبہ	"	"	
(۸۷)	مسجد تپو پوری	نفتوری بیگم صاحبہ	"	"	

نمبر	نام مکان	نام اصل بانی کا	نام بادشاہ جس کے عہد میں بنا	سال بنا	کیفیت
(۸۸)	مسجد اکبر آبادی	اکبر آبادی بیگم صاحبہ	شاہ جہاں بادشاہ	۱۰۶۰ھ	
(۸۹)	مسجد سرہندی	سرہندی بیگم صاحبہ	"	"	
(۹۰)	باغ شالامار	شاہ جہاں بادشاہ	"	۱۰۶۳ھ	
(۹۱)	باغ روشن آرا	روشن آرا بیگم	"	"	
(۹۲)	باغ سرہندی	سرہندی بیگم صاحبہ	"	"	
(۹۳)	سوتلی سجادندرون قلعہ	عالمگیر بادشاہ	عالمگیر بادشاہ	۱۰۶۹ھ	
(۹۴)	مجر جہاں آرا بیگم	جہاں آرا بیگم صاحبہ	"	۱۰۶۸ھ	
(۹۵)	مقببہ سرزادہ	x	عالمگیر بادشاہ	۱۰۶۸ھ	
(۹۶)	درگاہ حضرت سید حسن علی	x	"	۱۰۶۹ھ	
(۹۷)	چہرنا	غازی الدین خان	"	۱۰۷۰ھ	
(۹۸)	مسی راونگ آبادی	اونگ آبادی بیگم صاحبہ	"	۱۰۷۰ھ	
(۹۹)	مقبورہ زیب النساء بیگم	عالمگیر بادشاہ	"	"	
(۱۰۰)	موتی مسجد قطب صاحب	بہادر شاہ	بہادر شاہ بادشاہ	۱۰۷۰ھ	
(۱۰۱)	زمینت اسجد	زمینت النساء بیگم صاحبہ	"	۱۰۷۰ھ	
(۱۰۲)	مقبورہ غازی الدین خان	غازی الدین خان	شاہ عالم بہادر شاہ	"	
(۱۰۳)	مجر شاہ عالم بہادر شاہ	جہاں دار شاہ	جہاں دار شاہ	۱۰۷۱ھ	شاہ عالم بہادر شاہ کی بی بی سیدہ خاتون
(۱۰۴)	بیچ مقبرہ بہاؤ الدین	x	رفیع الدین صاحب	۱۰۷۱ھ	
(۱۰۵)	کوٹوالی مقبرہ سید پٹھری	روشن الدولہ	مجر شاہ	۱۰۷۱ھ	
(۱۰۶)	مسجد واقع در سبہ	شرف الدولہ	"	۱۰۷۲ھ	
(۱۰۷)	جنت منتر	راجہ سوانی سنگھ	مجر شاہ بادشاہ	۱۰۷۲ھ	یہ شاہ سے جس انگریز بھی شہید ہوئے
(۱۰۸)	شاہ مردان	نواب قند سید بیگم	"	"	
(۱۰۹)	نظر الساجد	نظر النساء خاتون	"	۱۰۷۲ھ	
(۱۱۰)	باغ محل دارغان	ناظر محل دارغان	"	"	
(۱۱۱)	گھاٹ نگہبومہ	x	"	۱۱۷۴ھ	

نمبر	نام مکان	نام محل باقی کا	نام بادشاہ جس کے عہد میں بنا	سال بنا	کیفیت
(۱۱۲)	سرداروں کی دولت دار	روشن الدولہ	مشہور بادشاہ	۱۵۹۱ھ	
(۱۱۳)	بانہ نلسر	ناظر روز افزوں	"	۱۶۸۸ھ	
(۱۱۴)	مجر محمد شاہ بادشاہ	محمد شاہ	"	"	
(۱۱۵)	قرب سیان	نواب قند سیہ گم	احمد شاہ بادشاہ	۱۶۸۸ھ	
(۱۱۶)	چوٹی مسجد	احمد شاہ بادشاہ	"	۱۶۸۰ھ	
(۱۱۷)	سنہری مسجد	کاویز و امیرا	"	۱۶۸۱ھ	
(۱۱۸)	منبرہ منصور	شہنشاہ الدولہ	حاکم شیرانی بادشاہ	۱۶۸۳ھ	
(۱۱۹)	کالکا	x	شاہ عالم	۱۶۸۸ھ	
(۱۲۰)	لال بنگلہ	شاہ عالم بادشاہ	شاہ عالم بادشاہ	۱۶۸۹ھ	
(۱۲۱)	منبرہ بخت خان	x	"	۱۶۸۰ھ	
(۱۲۲)	جینوں کا برتن دار قلعہ	سورن لال	"	۱۶۸۰ھ	
(۱۲۳)	گرجوا قلعہ کشمیری دروازہ	کرل سکندر	جوان چہارم واکٹر شاہ	۱۶۸۲ھ	
(۱۲۴)	جوگ بابا	راجہ سیڈل	"	۱۶۸۲ھ	
(۱۲۵)	جینوں کا برتن دار قلعہ	پنچایتی	"	۱۶۸۲ھ	
(۱۲۶)	کوشی جہان گاہ	شکاف صاحب	"	"	
(۱۲۷)	محبوب شاہا بنگر	نواب ممتاز محل	نور محمد شاہ	۱۶۸۳ھ	
(۱۲۸)	ظفر محل	یہا در شاہ ثانی	ملکہ وکتوریا	۱۶۸۴ھ	
(۱۲۹)	ہیرا محل	"	ابو ظفر سرنگ الدین	"	
(۱۳۰)	کوشی دل کشا	شکاف صاحب	محمد بہادر شاہ	۱۶۸۴ھ	
(۱۳۱)	بادلی قطب صاحب	حافظ محمد داؤد خان	"	"	
(۱۳۲)	آستی پل میتھن	گوپنٹ سنگھ	ملکہ وکتوریا	۱۶۸۴ھ	
(۱۳۳)	لال ڈکی	"	"	"	
(۱۳۴)	پل ہیرا بنگر	"	"	۱۶۸۴ھ	

## کلید نقشہ اہمال آباد (دہلی)

یہ نقشہ شہر دہلی کے اندر اندر کی عمارتوں کا ہے۔ عمارات قدیمہ کی تقسیم محلہ دار کی گئی ہے۔ قلعہ کی عمارات کا گروپ جدا گانہ قائم کیا گیا ہے جس کا نمبر سلسلہ دار قلعہ سے شروع ہوا ہے۔ دوسرا گروپ چاندنی چوک کے جنوب سے شروع ہوا ہے اور آخری گروپ اُن عمارتوں کا ہے جو بازار مذکور کے شمال میں واقع ہیں۔ نقشے میں بڑی بڑی عمارتوں کے نمبر وار علامات کے علاوہ نام بھی لکھ دیا گیا ہے۔ اُس سے کم تر درجے کی عمارتوں میں علامات کے ساتھ نمبر ڈال دیئے ہیں اور جو معمولی ہیں اُن پر صرف نمبر ہی ڈالنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ نقشے کے دیکھنے کے بعد جو نمبر اُس میں ہوں اس کی فہرست میں تلاش کرنے سے اصل عمارت کا پتہ بہ آسانی چل جائے گا۔

نشان سلسلہ	نام عمارت	نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	قلعہ معلیٰ - یا لال قلعہ	۱	۲
۲	لاہوری دروازہ یا کٹورہ یا گیٹ	۹	پل لاہوری اور دلی دروازوں کے گھوگس کے سامنے۔
۳	دلی دروازہ یا انگریز گیٹ	۱۰	چھتہ چوک - لاہوری دروازے کے مشرق میں۔
۴	دروازہ - کوئی خاص نام نہیں قلعہ کی	۱۱	نوبت خانہ یا نقار خانہ - لاہوری دروازے اور چھتہ چوک کے آگے۔
۵	شمالی فصیل میں سلیم گڑھ کے عازی۔	۱۲	دیوان عام - نوبت خانے کے مشرق میں۔
۶	کھڑکی فصیل کے شمال مشرق میں	۱۳	اسد برج - قلعے کے جنوب مشرق کے کونے میں۔
۷	سلیم گڑھ دروازے کے پاس۔	۱۴	منار محل جس میں اب بلی میوزیم ہے۔ رنگ محل کے جنوب میں
۸	خضری دروازہ یا پانی دروازہ تحت شترنج۔	۱۵	رنگ محل خواجہ گاہ اور چٹک کے جنوب میں
۹	پانی دروازہ متصل اسد برج قلعہ کے جنوب مشرقی کونے میں۔	۱۶	وضع سنگ مرمر رنگ محل کے سامنے اور پلے آلا کیچ میں۔
۱۰	گھوگھس - گھونگٹ کی دیوار لاہوری اور دلی دروازوں کے سامنے۔	۱۷	تبلیغ خانہ - خواجہ گاہ اور چٹک - دیوان خاص کے جنوب میں

نشان سلسلہ	نام عمارات	نشان سلسلہ	نام عمارات
۱	۲	۱	۲
۱۸	مثن برج یا برج طلا - خوابگاہ کی مشرقی دیوار سے ملا ہوا -	۳۵	قبر نامعلوم سنہری مسجد کے مشرق میں -
۱۹	جھروک - مثن برج کے سامنے لب دریا -	۳۶	زمینت المساجد - فیصل کے پاس خیراتی دروازہ یا مسجد گھاٹ دروازے کے پاس -
۲۰	دیوان خاص - حمام اور مثن برج کے درمیان قلعے کی مشرقی فصیل کی طرف -	۳۷	مسجد بے نام فیض بازار فیض بازار اور دریا گنج کی سرنگیں جہاں بنتی ہیں -
۲۱	نہر بہشت شاہ برج سے حمام - دیوان خاص خوابگاہ اور رنگ محل میں گزرتی ہوئی -	۳۸	درگاہ شاہ مابین بخش حمام مسجد اور مسافر خانہ فیض بازار
۲۲	حمام - دیوان خاص کے شمال میں -	۳۹	سنہری یا قاضی زادوں کی مسجد فیض بازار - دلی دروازہ
۲۳	موتی مسجد - حمام کے پاس ہی بجانب مغرب -	۴۰	نبی بخش کی مسجد متصل دلی دروازہ -
۲۴	باغ حیات بخش - موتی مسجد کے شمال میں -	۴۱	دلی دروازہ شاہجہان آباد کا جنوبی دروازہ -
۲۵	سیرا محل - حمام کے شمال میں -	۴۲	جینیوں کا مندر دہلی دروازہ -
۲۶	شاہ برج - سیرا محل کے شمال اور قلعے کے شمال مشرقی پیر میں - شاہ برج کے پیر شمال مغرب اور قلعہ	۴۳	چٹوڑہ متصل علی دروازہ گوریوں کی مسجد - کٹرہہ حکیم محسن خاں
۲۷	کی شمالی فصیل کے پاس -	۴۴	چھتہ لال میاں مسجد قصابان فیصل کے پاس -
۲۸	ساون بھادوں - تالاب باغ حیات بخش کے شمال اور جنوب میں	۴۵	چھوٹی مسجد -
۲۹	ظفر محل - تالاب حیات بخش باغ کے وسط میں -	۴۶	بھٹیاری والی مسجد -
۳۰	ظفر محل - تالاب نمڑا کے بیچ میں -	۴۷	محلہ دھوبیاں مسجد دھوبیاں -
۳۱	باؤلی - حیات بخش باغ کے مغرب میں پیر گردن پیر مسجد (بے نام) چھتہ پوک کے جنوب میں پہلائی	۴۸	ادبچی مسجد -
۳۲	اور ٹرینسپیرٹ کے احاطے کے اندر -	۴۹	تراہا بیرم خاں دائی والی مسجد -
۳۳	سنہری مسجد قلعے کے آبی دروازے کے باہر کوئی سوگند کے ناصیے کے		
۳۴	قبر نامعلوم - جاوید خاں کی سنہری مسجد کے پیچھے -		

نشان سلسلہ	نام عمارت	نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲	۱	۲
۵۰	مکان سرسید احمد خاں مرحوم -	۶۷	مسجد بے نام -
۵۱	مکان خواجہ فرید الدین خاں	۶۸	کوچہ مہر پرور
۵۲	کچھوڑ والی مسجد - قریب کمرہ بنگش -	۶۹	مسجد بے نام
۵۳	رنگ محل -	۷۰	کوچہ وکھنی راؤ
۵۴	محلہ رکاب	۷۱	مسجد بے نام
۵۵	مسجد (بے نام)	۷۲	مسٹر نک نقار خانہ
۵۶	حوٹلی میر خاں	۷۳	مسجد بے نام -
۵۷	شیش محل کی مسجد - محلہ تیلیاں	۷۴	کھڑکی حویلی خان دوراں خاں
۵۸	مرزا الہی بخش کارنگ محل -	۷۵	مسجد بے نام -
۵۹	چاندنی محل -	۷۶	گلی گوندنی والی قریب کلاں مسجد
۶۰	شیش محل -	۷۷	مسجد گوندنی والی -
۶۱	مکان مرزا نجمتہ بخت پر شاہ عالم ثانی -	۷۸	محلہ گڑھیا یا حویلی نواب احمد علی خاں
۶۲	کوچہ چیلان	۷۹	مسجد بے نام -
۶۳	مسجد - محلہ رنگ محل -	۸۰	کسٹروہ گوگل شاہ
۶۴	کھار والی مسجد متصل گلی ادلیار	۸۱	مسجد بے نام -
۶۵	۲۴ قاسمیتا کی مسجد - شاخ منبر عربک سکول کے پاس	۸۲	مٹیا محل
۶۶	مسجد کالے خاں -	۸۳	مٹیا محل کی مسجد
۶۷	پھول کی منڈی	۸۴	مسجد بے نام
۶۸	ادلیار مسجد -	۸۵	محلہ اعظم خاں کی حویلی
۶۹	کوچہ فولاد خاں	۸۶	مسجد کیش والی -
۷۰	خواجہ میر درد کی مسجد - بارہ دری -	۸۷	مسجد بے نام
۷۱	ملکیم آغا جان کی مسجد چپترہ آغا جان -	۸۸	کلاں محل
۷۲	کوچہ ناہر خاں	۸۹	جامن والی مسجد -

نشان سلسلہ	نام عمارت	نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲	۱	۲
۸۰	مسجد بے نام	۹۴	پیل والی مسجد -
۸۱	سرگن جامع مسجد - سے ولی دروازہ کنگ	۹۵	ترکمان دروازہ
۸۲	مسجد بے نام - بنگش کے کمرے اور چتلی قبر کیچ میں	۹۶	قبور بزرگان ماسلو منقل پولیس سٹیشن -
۸۳	مسجد بے نام - بنگش کے کمرے اور چتلی قبر کیچ میں		ترکمان دروازہ - شہر شاہ جہان آباد کا جنوب مغربی دروازہ
۸۴	کرۂ بنگش -	۹۷	مسجد بے نام
۸۵	محلہ چتلی قبر	۹۸	محلہ گڈریاں ترکمان دروازہ کے پاس
۸۶	میر محمدی صاحب کی قبر اندرون خانقاہ میر محمدی	۹۹	مسجد - گڈریاں
۸۷	سید جلال الدین کی قبر چتلی قبر کے پاس	۱۰۰	محلہ قبرستان
۸۸	ایک دکان کے اندر -	۱۰۱	قلندر بیگ کی مسجد -
۸۹	چتلی قبر -	۱۰۲	حافظ داؤد کی مسجد -
۹۰	حویلی میر ہاشم	۱۰۳	پلاؤ والی مسجد -
۹۱	شاہ آفاق صاحب کی مسجد	۱۰۴	درگاہ حضرت شاہ ترکمان
۹۲	شاہ کلن کی ڈگڈگی	۱۰۵	قبر حیدر رضا - درگاہ شاہ ترکمان میں -
۹۳	خانقاہ شاہ غلام علی صاحب -	۱۰۶	بنی مولا کی قبر -
	محلہ سوئی والاں	۱۰۷	تختی خاں کی قبر -
	مسجد بے نام -	۱۰۸	سرگن ترکمان دروازہ سے چتلی قبر
	چتلی گلی کی مسجد -	۱۰۹	حاجی امان اللہ کی مسجد -
	محلہ سوئی والوں کا حوض	۱۱۰	حافظ نظام علی عطار کی مسجد -
	سید داؤد صاحب کی قبر -		بازار چتلی قبر
	حوض والی مسجد -		سید رفائی صاحب کی مسجد چتلی قبر کے پاس -
	بارہ دری اور نواب اعظم خاں حوض -		بھو جلا پہاڑی
	گنج میر خاں		مسجد بے نام - گلی رام جی داس -



نشان سلسلہ	نام عمارات	نشان سلسلہ	نام عمارات
۱	۲	۱	۲
۱۱۰	مسجد بے نام - گلی رام جی داس -	۱۲۵	مندربا بولگلاب داس
۱۱۱	مسجد بے نام - اندھیری گلی -	۱۲۶	گلی مرغاں
۱۱۲	استاد کریم بخش کی مسجد	۱۲۷	مسجد بے نام -
۱۱۳	گروہ پکتان کی مسجد -	۱۲۸	مندربے نام -
۱۱۴	گلی مشعلچیاں	۱۲۹	شوالا بے نام -
۱۱۵	مسجد بے نام -	۱۳۰	محلہ چوڑی والاں
۱۱۶	اٹلی کی پہاڑی	۱۳۱	عام والی مسجد -
۱۱۷	اٹلی کی پہاڑی کی مسجد -	۱۳۲	مسجد جو تے والاں -
۱۱۸	یک برہی مسجد -	۱۳۳	شوالا بے نام - گلی کشمیریاں -
۱۱۹	شاہ محمد علی داغظ کا مقبرہ -	۱۳۴	محلہ بدلیاں
۱۲۰	گلی سرنج پوشاں	۱۳۵	چودھری کا مندر -
۱۲۱	ادبھی مسجد -	۱۳۶	کوچہ سر بلند خاں
۱۲۲	حویلی بنخا و خاں	۱۳۷	شوالا بے نام
۱۲۳	مسجد اور مدرسہ حسین بخش	۱۳۸	میلکی خانہ
۱۲۴	چھتہ رشخ منگلو	۱۳۹	نشئی شیر علی کی مسجد -
۱۲۵	مولوی محبوب علی کی مسجد -	۱۴۰	رضیہ سلطان کی قبر -
۱۲۶	چنلا دروازہ	۱۴۱	مسجد بے نام -
۱۲۷	برٹھیا کی مسجد -	۱۴۲	نواب مولوی قطب الدین خاں کی مسجد -
۱۲۸	مسجد بے نام -	۱۴۳	کلاں مسجد یا کالی مسجد
۱۲۹	کوچہ میر عاشق	۱۴۴	کلاں مسجد -
۱۳۰	جھوٹی مسجد -	۱۴۵	محلہ عقب کلاں مسجد
۱۳۱	بڑی مسجد -	۱۴۶	مسجد نقیب الاولیاء
۱۳۲	گلی کداز ناتھ	۱۴۷	پیری والی مسجد -

نشان سلسلہ	نام عمارت	نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲	۱	۲
۱۳۱	حویلی نواب مظفر خاں قریب کمان رواڑہ بھالک بے نام گلی سنگھی والی (عقب کلاں مسجد)	۱۵۷	شوالا بے نام - محلہ جاٹ داڑیا کوئٹہ والوں سڑک پر کنوئیں کے پاس - محلہ نندے والوں مسجد بے نام -
۱۳۲	غلام حسینی کی مسجد - محلہ گھوسیاں (عقب کلاں مسجد)	۱۵۸	اجمیری دروازہ
۱۳۳	چند گھوسیاں کی مسجد - گلی ڈکوتاں (عقب کلاں مسجد)	۱۵۹	موجیوں کی مسجد جسے دوگل صاحب نے غلیل کی مسجد لکھا ہے - اجمیری دروازہ کے قریب اجمیری دروازہ پیشہر کا جذب مغربی دروازہ -
۱۳۴	مسجد مومناں - کوچہ گر گل شاہ	۱۶۰	اونچی مسجد - کوچہ شاہ تارا -
۱۳۵	حافظ صیب الدی مسجد - بازار سینتارام	۱۶۱	قبروں والی مسجد شاہ تارا -
۱۳۶	کالیسور ناتھ کامندر - خواجہ تراب کی مسجد -	۱۶۲	پایندہ خاں کی مسجد - ایضاً سڑک - اجمیری دروازہ کے قاضی کا حوض
۱۳۷	پہیل والی مسجد - شوالا بے نام -	۱۶۳	کوئٹہ والوں کی مسجد - کوچہ شاہ تارا -
۱۳۸	کشمیریوں کا مندر - اٹلی کا محلہ	۱۶۴	دروازہ بے نام - کروٹی محلے کا داخلی دروازہ دروازہ بے نام - کوچہ رجنایاگم کا دروازہ کوچہ رنجتھنایاگم کا دروازہ -
۱۳۹	مندر بے نام - اورا ہیشور کا مندر	۱۶۵	محلہ قاضی کا حوض قاضی کے حوض کی مسجد -
۱۴۰	کیسرن کا مندر - شوالا بے نام - گلی کشمیریاں	۱۶۶	مسجد بے نام - کوچہ فتح النبیگم لال مسجد قریب حوض قاضی جسے ڈاکٹر دوگل نے مہارک یگی مسجد لکھا ہے -
۱۴۱	قوجی رادی کا مندر - شوالا بے نام - کوچہ پاتی رام -	۱۶۷	دروازہ بے نام حویلی نواب بدل بیگ خان کا دروازہ چوبیس مسجد فتح کی بارہ وری کا ہے -

نشان سلسلہ	نام عمارت	نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲	۱	۲
۱۷۲	سرکی والوں کی مسجد - نواب بدل بیگ خاں کے	۱۸۶	میر ملری کی مسجد گلی میرمداری
	پھانک کے پاس -	۱۸۷	مسجد بے نام - احاطہ جمن صاحب -
۱۷۳	دروازہ بے نام - حویلی نواب بدل بیگ خاں کا	۱۸۸	دروازہ بے نام - جمن صاحب کے احاطے کا -
	دوسرا دروازہ جو محمد اسلام الدرخاں صاحب کے	۱۸۹	افغندجی کی مسجد - گلی افغندجی -
	مکان کا بحر -	۱۹۰	مسجد بے نام - کٹرہ دھو بیان
۱۷۴	مکان حکیم حسن الدرخاں - حویلی نواب بدل بیگ خاں کا	۱۹۱	مرزا فخر الدربگ کی مسجد - پل کے پاس -
۱۷۵	حمام - حکیم حسن الدرخاں صاحب کے مکان کے	۱۹۲	مسجد بے نام - کٹرہ دھو بدو -
	احاطے کے اندر -	۱۹۳	حکیم جی کی مسجد - گلی چاہ شیریں -
۱۷۶	دروازہ بے نام - حویلی عبدالرحمن خاں کا پھانک -	۱۹۴	مسجد بے نام - گلی راجاں -
۱۷۷	لال دروازہ - مرزا فضل بیگ خاں کی حویلی کا پھانک	۱۹۵	گوروالی مسجد - دو منزلہ سڑک کے کنارے -
۱۷۸	مرزا فضل بیگ خاں کی مسجد - اندر لال دروازہ	۱۹۶	گوندنی والی مسجد - نگینہ محل کے پاس -
	کوچہ پنڈت	۱۹۷	مسجد بے نام - چھتہ راجاں -
۱۷۹	خوجن صاحب کی مسجد - گلی عزیز الدین دیکل	۱۹۸	مسجد بے نام - چھتیا کا چھتہ -
۱۸۰	میاں جی صاحب کی مسجد -		محلہ رووگراں
۱۸۱	سوار خاں کی مسجد - گلی سوار خاں	۱۹۹	دروازہ بے نام - مدرسہ ارادت الدرخاں کا پھانک
	محلہ نیاریان	۲۰۰	نواب ارادت الدرخاں صاحب ارادت مند خاں
۱۸۲	مسجد بے نام -		مشرق الدولہ کی قبر - اندرون احاطہ مدرسہ -
	فضیلین فراراش خانہ	۲۰۱	نواب موسیٰ یار خاں کی قبر - ارادت مند خاں کی
۱۸۳	مسجد بے نام - رتھی کا کٹرہ -		قبر کے مغرب جانب - پنجے کے چوڑے پر
	محلہ فراراش خانہ	۲۰۲	مسجد بے نام - مدرسہ ارادت مند خاں میں -
۱۸۴	کھڑکی فرشتہ خانہ - شاہ جہاں آباد جنوب	۲۰۳	سید منصور علی کی قبر - محاذی مسجد نمبر ۲۰۴ -
	مغربی کھڑکی جواب توڑ دی گئی -	۲۰۴	میدان والی مسجد -
۱۸۵	انار والی مسجد - گھنٹہ کا کوان -	۲۰۵	اعلیٰ والی مسجد -

تشان سلسلہ	نام عمارات	نشان سلسلہ	نام عمارات
۱	۲	۱	۲
۲۰۶	مسجد بے نام - کھاری باؤلی کی مسجد لکھا پور -	۲۲۳	کٹرہہ شیخ چاند مسجد بے نام -
۲۰۷	سربنگش - قریب مسجد فتح پوری - مسجد فتح پوری	۲۲۴	بازر لال کنواں میر فضل کی مسجد - حویلی میر فضل -
۲۰۸	مسجد فتح پوری - چاندنی چوک کے مغربی سر پہ بازار فتح پوری	۲۲۵	سبز مسجد - قریب کٹرہہ آدینہ بیگ دروازہ بے نام - کٹرہہ آدینہ بیگ کا داخلی دروازہ
۲۰۹	مسجد بے نام گوندی کا کٹرہہ - بیدکھم کے پاس	۲۲۶	سنو جی کی مسجد - بازار میں
۲۱۰	مسجد بے نام گوندی کا کٹرہہ - بیدکھم کے پاس	۲۲۷	لال کنواں - سڑک پر -
۲۱۱	مسجد بے نام گوندی کا کٹرہہ - بیدکھم کے پاس	۲۲۸	لال مسجد - بازار میں -
۲۱۲	مسجد بے نام گوندی کا کٹرہہ - بیدکھم کے پاس	۲۲۹	دروازہ بے نام - کٹرہہ سپہدار خاں کا
۲۱۳	مسجد بے نام گوندی کا کٹرہہ - بیدکھم کے پاس	۲۳۰	زینت محل سڑک پر -
۲۱۴	مسجد بے نام گوندی کا کٹرہہ - بیدکھم کے پاس	۲۳۱	مسجد بے نام - گلی چابک سواراں -
۲۱۵	مسجد بے نام گوندی کا کٹرہہ - بیدکھم کے پاس	۲۳۲	مسجد تہور خاں تہور خاں کی مسجد -
۲۱۶	مسجد بے نام گوندی کا کٹرہہ - بیدکھم کے پاس	۲۳۳	علی والی مسجد -
۲۱۷	مسجد بے نام گوندی کا کٹرہہ - بیدکھم کے پاس	۲۳۴	بازار نیابا نس شوالا بے نام - کوچہ سنو جی رام -
۲۱۸	مسجد بے نام گوندی کا کٹرہہ - بیدکھم کے پاس	۲۳۵	محلہ نیابا نس گنڈو کا مندر - کوچہ سنو جی رام
۲۱۹	مسجد بے نام گوندی کا کٹرہہ - بیدکھم کے پاس	۲۳۶	شوالا بے نام -
۲۲۰	مسجد بے نام گوندی کا کٹرہہ - بیدکھم کے پاس	۲۳۷	بھیرو کا مندر قریب نمبر ۲۳
۲۲۱	مسجد بے نام گوندی کا کٹرہہ - بیدکھم کے پاس	۲۳۸	کھاری باؤلی
۲۲۲	مسجد بے نام گوندی کا کٹرہہ - بیدکھم کے پاس	۲۳۹	شوالہ بے نام - گلی بتاشاں خورد -

نشان سلسلہ	نام عمارت	نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲	۱	۲
۲۷۵	کوٹوالی -	۲۹۴	چودھری بہت سنگہ کا شوالا -
۲۷۶	گروہ دارہ اسپس گنج سری گرو تیغ بہادر صاحب	۲۹۵	کھجور والی مسجد -
	متصل کوٹوالی	۲۵۶	جینیوں کا مندر -
۲۷۷	خونی دروازہ - در سب سے کلاں کا		دھرم پورہ
	دروازہ بازار چاندنی چوک کی طرف -	۲۹۷	توپ خانے والا شوالا -
۲۷۸	مندریے نام - کوچہ سکھانند -	۲۹۸	چندی مہر کا شوالا -
۲۷۹	سومن لال گوسایں کا مندر - ایٹھ	۲۹۹	توپ خانے والا مندر دسری لاد گوسایں کا مندر
۲۸۰	گلاب راجی ہر چند کا مندر - ایٹھ		بھاڑ والی گلی کے ٹکڑ پر
	مالی واڑہ	۳۰۰	شوالا بے نام - گلی بھاڑ والی خورو -
۲۸۱	ساول جی کا شوالا - بھوج پورہ -	۳۰۱	جینیوں کا مندر المعروف بہ نوا مندر چیل پوری
۲۸۲	مندریے نام - بید واڑہ -		چھتہ شاہجی
۲۸۳	غوں پہاکی مسجد -	۳۰۲	مسجد بے نام شاہ بولا کے بڑے کے قریب
۲۸۴	حکیم اجیت سنگہ اور جین سنگہ کا مندر	۳۰۳	شاہ جی کا مکان -
۲۸۵	جوہریوں کا مندر - ڈوگھرا محلہ -		نانی واڑہ
	چیرہ خانہ	۳۰۴	گھانسی کا شوالا -
۲۸۶	مسجد بے نام - چھتہ من گرباں کے قریب		چھپی واڑہ کلاں
۲۸۷	جوہریوں کا مندر -	۳۰۵	باباجی کا شوالا -
۲۸۸	مسجد بے نام -	۳۰۶	بالا والا شوالا -
۲۸۹	ایٹھ -	۳۰۷	جھجر والے کا مندر
۲۹۰	شہتوت والی مسجد - گلی ستوئی -	۳۰۸	صاحب سنگہ کا مندر
۲۹۱	شوالا بے نام - چیل پوری -		رمٹ کا کنواں
۲۹۲	مسجد بے نام -	۳۰۹	چاندی والوں کی مسجد -
۲۹۳	لالہ نبی دھر لال کا شوالا -		چھتہ پتہ تاب سنگہ یا گلی پیل والی

نشان سلسلہ	نام عمارت	نشان سلسلہ	تاریخ
۱	۲	۱	۲
۳۴۲	سید بے نام - گلی سیدانی	۳۶۰	ہانک چنہ پورہ - سویب - شہر کا شوالا -
۳۴۳	دروازہ بے نام - کوچہ گھانسی رام کا دہلی	۳۶۱	رنگی معر کا مشوالا - نئی بستی -
	محلہ کچا باب		محلہ کوچہ گھانسی رام
۳۴۴	علیم ہر علی شاہ کی مسجد -	۳۶۲	بھیر و جی کا مندر -
۳۴۵	شاہ عبد اللطیف کا مقبرہ - بہر علی کی مسجد	۳۶۳	سرادن کا شوالا -
	کے احاطے میں -	۳۶۴	نشی بھوانی شنکر کا مکان المعروف ہانک حرام
۳۴۶	امر سنگہ کا شوالا - کوچہ ہاجی -		کی حویلی -
	نٹروں کا کوچہ	۳۶۵	ہانک چند کھتری کا مندر -
۳۴۷	بے نام شوالا -		بازار فتح پوری
۳۴۸	امام باڑہ -	۳۶۶	بھوانی شنکر کی کچھری -
۳۴۹	بے نام مسجد - امام باڑہ کے قریب -	۳۶۷	جوتی پرشاد کا مندر -
	کشرہ دینل		گندی گلی
۳۵۰	بے نام مسجد -	۳۶۸	دیشیشور ناتھ کا شوالا - نیبے کی گلی -
۳۵۱	گورکھ ناتھ معر کا شوالا - گلی دھوبیان	۳۶۹	کالی پرشاد کا شوالا -
۳۵۲	بے نام شوالا - ایٹھا		بازار کھاری باؤلی
۳۵۳	جھٹا معر کا مندر - پتہ بھائی کی گلی -	۳۷۰	گوری شنکر کا شوالا - کشرہ میدہ گراں -
۳۵۴	بڑا شوالا -		پھاٹک حبش خاں
۳۵۵	مسجد بے نام - گلی تیلیان کے سامنے -	۳۷۱	حبش خاں کا پھاٹک -
۳۵۶	چھوٹا مندر جو بھانو کمار جی کا مندر بھی	۳۷۲	ایک بڑی کی مسجد -
	کہلاتا ہے گلی گھنیشور ہادیو -	۳۷۳	میاں صاحب کی مسجد - دھوبی کا کشرہ - میاں
۳۵۷	بھاندریا لاٹلی جی کا مندر - گلی مذکور -		سے مراد مولوی سید زبیر حسین صاحب
۳۵۸	شوالا گھنیشور ہادیو - ایٹھا -		محدث دہلوی ہیں -
۳۵۹	دھوبی مل کھٹا کا شوالا -	۳۷۴	بھانک کے نام گلی تیلیوں کا داخلی دروازہ -

نشان سلسلہ	نام عمارت	نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲	۱	۲
۳۷۵	رمضان شاہ کی مسجد - کوچہ مولوی قاسم	۳۸۷	غازی الدین خاں کی مسجد جو اب مولوی
۳۷۶	مکتبہ کی مسجد - ایفٹا		حفیظ الدین خاں کی مسجد کے نام سے
	محلہ پٹے والاں		مشہور ہے - نہر پر محاذی نمبر ۳۸۱ -
۳۷۷	ایک برجی مسجد - فصیلوں کے پاس		سرطک موری گیٹ
	نہر سعادت خاں	۳۸۸	مسجد راجہ بیل - کوچہ معطر خاں -
۳۷۸	مسجد بے نام - کابلی دروازے	۳۸۹	شیعوں کی مسجد -
	اور پولیس کے تھانے کے پاس -		موری دروازہ
۳۷۹	ساربان کی مسجد - لالہ ناراین داس	۳۹۰	امام باڑہ نواب سید احمد مرزا - دھوبی داڑہ
	کے کٹرے کے سامنے -	۳۹۱	غلام نبی کی مسجد - محلہ پٹور والوں -
۳۸۰	ناراین داس کا مندر - ڈفرن برج	۳۹۲	بڑھیا کی مسجد - ایفٹا
	کے پاس -		گندانا مالہ
۳۸۱	پھانک نہر سعادت خاں - حویلی نوابی کا	۳۹۳	بڑھیا کی مسجد -
	داخلی دروازہ -	۳۹۴	تکلیہ والی مسجد -
۳۸۲	بارہ دری نواب وزیر - نمبر ۳۸۱		کشمیری دروازہ
	کے پاس -	۳۹۵	مولوی محمد باقر کی مسجد - گلی پنجہ -
۳۸۳	پھانک بے نام - رنگ محل کا شمالی دروازہ	۳۹۶	درگاہ پنجہ شریف - ایفٹا
	داخلی دروازہ نمبر ۳۸۱ کے پاس -	۳۹۷	مرزا محمد کی قبر - گلی پنجہ -
۳۸۴	ایفٹا - رنگ محل کا مغربی دروازہ -	۳۹۸	ابوالقاسم کی قبر -
	نمبر ۳۸۱ کے پاس -	۳۹۹	مولوی عطار الدین کی مسجد -
۳۸۵	ایفٹا - گلی تیلیان اور گلی کے کٹرے کا	۴۰۰	مقبورہ نامعلوم - کھڑکی ابراہیم علی خاں چابی گنج -
	داخلی دروازہ -	۴۰۱	مقبورہ نامعلوم -
۳۸۶	ایفٹا - گلی کے کٹرے کا داخلی دروازہ	۴۰۲	صوفی جی کی مسجد - کھنڈیوں کی گلی -

نشان سلسلہ	نام عمارت	نشان سالہ	نام عمارت
۱	۲	۱	۲
۴۰۳	شوالا بے نام - کنچنیوں کی گلی	۴۱۰	نقصیل گردشہر
۴۰۴	مسجد بے نام - ایضاً		تبد شاہ جہاں - یہ نقصیل پہلے پتھر اور
۴۰۵	مسجد پانی پتیاں - کشمیری دروازہ		گارسے سے ۱۹۷۰ء میں ڈیڑھ لاکھ
۴۰۶	فخر السابر - ایضاً		کے صرف سے پانچ سال میں بنی تھی۔
۴۰۷	کشمیری دروازہ - شہر کاشالی		جو کثرت بارش سے جلد گر گئی اور پھر
	داخلی دروازہ -		سات برس کے عرصے میں چار لاکھ کی
	ہیملٹن روڈ		لاگت سے از سر نو پختہ بنی۔ یہ نقصیل ۱۶۶۳
۴۰۸	حامد علی خاں کی مسجد - سرک پر۔		گزیلی - چار گز چوڑی اور نو گز اونچی ہو جس
	لو تھین روڈ		میں (۲۷) برج تقریباً تیس فیٹ اونچے
۴۰۹	دار شکوہ کا کتب خانہ - ایضاً		ہیں۔ شہر کے چودہ دروازے اور چودہ ہی
			کھڑکیاں تھیں۔ مارٹلو قسم کے برج اور بڑے
			بڑے برج انگریزوں نے بب دہلی پر
			مرتبہ اول قبضہ کیا تیب بنے تھے۔

قطعہ تاریخ از جناب حافظ محمد یعقوب صاحب اوج گیاوی

مکرم بشیر احمد فی حشم  
نصایف ان کی ہیں سب لاجوا  
مورخ سخن سنخ ناظم ادیب  
دہ تاریخ میں لکھی نادر کتاب  
سپہر کرم - جہر مجد و صلا  
گراں قدر مثل وہ بے بہا  
ہر اک فن میں خالق نے یکتا کیا  
کہ دہلی کا نقشہ ہے گویا کھچا  
لکھا اوج نے مصرع سال طبع  
یہ تاج التواریخ سے دل ربا





وَلَوْ كَادَ نَفَعُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهْدَمْتُ صَوَامِعَ وَ  
بَيْعَ وَصَلَاتٍ وَ مَسْجِدَ يُدْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا

## دیباچہ

بنام آن کہ دل رانقہ حیاں داد سخن رازندگی جا وداں داد  
يَا مَنْ تَقَدَّسَ عَنْ الْوُشْيَاكِ ذَاتُهُ وَتَنَزَّاهُ عَنْهُ مُشَابَهَةُ الْأَمْثَالِ صِفَاتُهُ يَا مَنْ  
كَتَبَ عَلَى وَحْدَانِيَّتِهِ آيَاتُهُ وَشَهِدَتْ بِبُرْهَانِ بَيْتِهِ مَصْنُوعَاتُهُ وَاحِدٌ لَا مِنْ قَلْبِهِ  
وَمَوْجُودٌ لَا مِنْ عِلَّةٍ يَا مَنْ هُوَ بِالْأَيْنِ مَعْرُوفٌ وَبِالْإِحْسَانِ مَوْصُوفٌ مَعْرُوفٌ  
بِالْعَاقِبَةِ وَمَوْصُوفٌ بِالْإِنْفَاقِ أَوَّلٌ قَدْ يَنْهَى بِلَا اِبْتِدَاءٍ وَآخِرٌ كَرِيمٌ بِلَا اِنْتِهَاءٍ  
وَعَفْرٌ كُذِّبَ الْمَذْنُوبِينَ كَمَّا وَجَلَّ يَا مَنْ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ  
يَا ذَا اِنْفَاقٍ بِلَا فَنَاءٍ وَيَا قَائِمًا بِلَا مَرَاةٍ وَيَا مُدَبِّرًا بِلَا وَرَثَةٍ يَا اَخْصَى عَلَيْكَ ثَنَاءُ  
أُمَّتٍ كَمَّا أَثْنَيْنِ عَلَى نَفْسِكَ عَنِ جَارِكَ وَجَلَّ ثَنَاءُ وَلَدٍ وَتَقَدَّسَتْ أَسْمَاءُ وَلَدٍ

۱۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہوتا رہتا تو (نصاری کے) صومعے اور گرجے اور (یہودیوں کے)  
عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہو کبھی کے ڈھانے ہا چکے ہوتے۔ ۱۲۔  
۲۔ اور وہ کہ پاک ہو مخلوق سے ذات الکی اور پاک میں مشابہت شالوں سے تعریفیں اسکی اور وہ کہ دلالت کرتی ہیں اسکی  
وحدانیت پر اس کی نشانیاں اور گواہی دیتی ہیں اس کے پروردگار ہونے پر اسکی کاریگریاں اکیلا جو نہ بوجہ قلت کے اور  
موجود ہی نہ بوجہ کسی علت کے اور وہ کہ ساتھ نیکی کے مشہور ہو اور ساتھ احسان کے تعریف کیا گیا ہو۔ پچانا گیا ہو بے حد اور  
تعریف کیا گیا ہو بے انتہا۔ پہلا جو قدیم ہے ابتدا کے اور پہلا جو بزرگ ہے انتہا کے اور بخشنے اس نے گناہ گنا ہنگاموں کے  
کرم اور بردباری سے اور وہ جس کے شغل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہو۔ اسی ہمیشہ رہنے والے بغیر فنا کے  
اور اسی قلم رہنے والے بغیر زوال کے اور اسی تدبیر کرنے والے بغیر وزیر کے۔ نہیں گمیر سکتا کوئی تیری تعریف جیسے کہ  
خود تعریف کی تو نے اپنی غائب ہو پناہ تیری اور بدی ہو تعریف تیری اور پاک ہیں نام تیرے

وَعَظَّمَ شَانَكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ بِقُدْرَتِهِ وَيُحْكُمُ مَا يَشَاءُ بِدِينِهِ  
يَعْنِي تِلْكَ أَلَا إِلَى اللَّهِ تُصِيبُ الْأُمُورُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُجْعَلُونَ

## حمد

جو آفتاب کہ نورش مجاہد بصر است  
دے کمالِ حماقت وہ اینچ گفتار است  
بر آسماں نہر و جعفر ارچہ طیار است  
نوشترہ چون لقب شد برود و پیار است

لو ا مع صفتش بہت چشم پوش عقول  
حکیم گفت شناسم بعقل یزدان را  
بکنہ حق نزد عارف ارچہ دانند بہت  
بہر صحیفہ برگ ست نور حکمت او

## نعت

سبقی ادبیت نعبہ آیتاک آمد  
لولاک لما خلقت الافلاک آمد

وصف شریف تو بیش از اوراک آمد  
تو قبیح تو کرد صحیفہ پاک آمد

کن از رو عقل در شہادت نظرے  
یعنی کہ میانِ سناں نہ گنجد گرے

از عرۃ عجل ارنداری خبرے  
اللہ و محمد ست پیوستہ بہم

دل دوئی گرچہ ہیں دو نونِ خراب

یہ کچھ لطف اس اُبڑے گہر میں بھی ہو

عَلَى الْبِلَادِ وَمَا حَادَتْهُ مِنْ لُغْزٍ  
وَأَنْهَادِ مَرَجٍ وَالْكُلِّ كَالْضَدَنِ

يَا مَنْ يُسْأَلُ عَنْ دَهْلِيٍّ وَرَأْفَتِهَا  
إِنَّ الْبِلَادَ رِأَاءُ وَهِيَ سَيْدُهَا

۱۵ اور بڑی ہوشیار تیری اور نہیں کوئی معبود سوا سے تیرے کرتا ہی جو چاہتا ہی اپنی قدرت سے اور حکم کرتا ہی جو  
چاہتا ہی اپنی قوت سے آگاہ رہو کہ اشرفی کی طرف پھرتے ہیں سب کام۔ ہر شے فنا ہونے والی ہو سوائے اُس کی ذات کے  
اُسی کے لیے جو حکم اور اُسی کی طرف تم سب پھر دو گے۔

۱۶ اکوہ شخص جو دہلی کے حالات اور دوسرے شہروں پر اسکی وقعت اور شرف کے متعلق استفسار کرتا ہی۔

۱۷ بیشک تمام شہر و نڈیاں ہیں اور دہلی اُن کی ملک ہو اور بے شک دہلی کی مثال ایک موتی کی سی ہو ہے باقی شہر و دہرے (سیپ ہیں)

فَأَقْبَتَ بِلَادَ الْأُرْسَى حَذًّا أَوْ مَنْقِبَةً  
سَحَابَةً بَحَالٍ الْأَرْضِ قَاطِبَةً  
بِجَامِدِ أَرْضِ لِي طَافَ الْبَصِيرُ بِهَا  
كَمْ مَسْجِدٍ وَخُرْفَتٍ فِيهَا مَنَاسِرَ قَدْ  
وَعَرَدَ إِنْ دَيْنَتْ الدُّنْيَا بَيْنَ يَدَيْهَا  
وَمَاءُ حَيٍّ مِنْ نَحْوِهَا فَحَسْبُ

غَيْرَ الْحِجَازِ وَغَيْرِ الْقُدْسِ وَالْجَعْفَرِ  
خَلْقًا وَخَلْقًا بِلَادِ حَبِيبٍ وَلَا صَلَفِ  
لَمْ تَنْفَعْ عَيْنُهُ إِلَّا عَلَى الضُّحْفِ  
لِي قَابَلَتْهُ نَشْرُ السُّقْمِ تَنْكِيْفِ  
كَمْ مِنْ أَيْ قَدْ عَلَى بَابِ ذِي شَرَفِ  
أَنَّهُ رَا خُلْدًا جَمَرَتْ فِي أَسْفَلِ الْغُرَفِ



جس طرح کسی نئے شخص کا تعارف کرایا جاتا ہو اسی طرح کسی کتاب کی تقریب دینا ہے کے ذریعے سے  
کی جاتی ہو۔ یہ کتاب دو حصوں پر منقسم ہے۔ پہلا حصہ ایک اجمالی تاریخ ہندوستان کے بادشاہوں  
کی ہے اور دوسرے میں انہار قدیمہ شہر دہلی کا مفصل بیان ہے۔ قبل اس کہ میں نفس کتاب کی نسبت  
کوئی تمہید لکھوں ضرور ہے کہ میں اس کتاب کی تدوین کی غرض و غایت کا اظہار کروں۔  
بادی النظر میں اس کتاب کی نسبت ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب سر سید احمد خاں علیہ الرحمہ  
جیسا نامور شخص اس مضمون پر آثار الصفا ویدیہ جیسی مستند و مکمل کتاب لکھ چکا ہو تو کسی اور کا  
اس میدان میں قدم فرمائی کرنا تحصیل حاصل ہے۔ میں کیا سب مانتے ہیں کہ اس موضوع پر  
آثار الصفا ویدیہ سے بہتر تو کیا برابر کی کتاب بھی کہنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ لیکن یہاں  
نہ برابر ہی کا خیال ہے نہ برتری کا ضبط وہ تو سر سید ہی کا حصہ تھا دوسرا کوئی کیا لکھ سکتا  
ہو مع وہ بات کوہ کن کی گئی کوہ کن کے ساتھ۔

۱۔ یہ تمام شہروں سے عزت اور مقبوت میں فوق لے گئی ہے سوائے مکہ مدینہ بیت المقدس اور حجاز  
۲۔ اس کے رہنے والے یقیناً زمین کی خوب صورتی اور رونق میں خلقت اور اخلاق ان میں مکبر اور شیخی نہیں ہے۔  
۳۔ اس میں اتنے مدرسے ہیں کہ اگر دیکھنے والا اس میں گشت لگائے تو بھر دیکھے گا قرآن ہی قرآن نظر میں آئے گا۔  
۴۔ بہت سی مسجدیں ایسی ہیں کہ جن کے مینار ایسے چر رونق ہیں کہ اگر ان کے مقابل میں آفتاب بھی آجائے تو اس کو گھٹ  
۵۔ دُنیا کا اس رشتہ دار کی دینت سے مزین ہونا کچھ تہ کی بات نہیں کیونکہ بہت سی باپ ایسے نکلیں گے  
جو شریف بیٹے کی وجہ سے متاثر ہو جائیں۔

۶۔ دیکھئے جن کا پانی اس کے نیچے بہتا ہوا ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ جنت کی کھڑکیوں کے نیچے ہمیں دہری ہوئی ہیں۔  
یہ عربی اشعار جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز فہرست دہلی کے ہیں جن کو ہم نے تیار کیا ہے اور  
ان کے کلام کی ہر بات سے خدا کرے کہ یہ کتاب ہی مقبول عام ہو جائے۔ ۱۲

روشن کروم ہمیشہ خود بہنہاوم  
گر عیب کسے دگر نیا دیاوم

آئینہ خویش را بصیقل داوم  
ور آئینہ عیب خویش چندان دیم

لیکن بمصداق الاثر فوق الآداب لب کشائی کا کیا موقع تھا عذر و معذرت داخل گستاخی تھا  
سر تسلیم خم کیا اور زبان حال سے عرض کیا :-

یعنی کہ ہم آوازہ نگہبندی صدا میں  
تسلیم و اطاعت میں غلاموں سے سوا ہیں  
اور ہم بھی ادھر مغلستان برگزینہ ہیں  
سچ مانا قربان ہیں تم سے فدا ہیں  
بس جہدِ منقل یہ ہو کہ صرف دعا میں  
قائم رہے جو وقت ملک ارض سہاں  
اس کشتی طوفاں زدہ کے ناؤ صاف ہیں

انسان کو کہتے ہیں کہ بوندہ احسان  
گر شاہ کرے لطف و عنایت تو رعایا  
خود تم کو نہیں مال و زر و سیم کی پروا  
لیکن دل و جان کہتے ہیں دونوں کو دو  
کیا ہو سکے احسان گورمنٹ کا بڑ  
جس عہد میں ہم امن سے بیٹھے ہیں ابھی  
صلی کو خدا لاٹ کرے سب کو آمین

مختصر یہ کہ کتاب لکھنی شروع ہوئی اور باایں ہمہ یقین کہ سرسید کی کتاب لا جواب ہو اس قدر  
مبسوط لکھی پر لکھی۔ مخفی نہ رہے کہ سرسید کا پہلا ایڈیشن انہارا الصنادید کا پہلا ایڈیشن میں  
شائع ہوا یعنی غدر سے پہلے جسے آج پورے بہتر برس ہوئے۔ اس پون صدی  
میں دنیا میں جو انقلاب ہوئے اور زمانے نے جو کچھ ترقی کی وہ قدرت الہی کا ایک  
حیرت انگیز کرشمہ ہے۔ سب سے بڑی کر دٹ یا لوٹ تو زمانے کی یہ کہ مغلیہ سلطنت کا ٹھٹھا تاروا  
چراغ بجھ کر وہ سلطنت قائم ہوئی کہ جس پر دن رات میں کبھی آفتاب غروب نہیں ہوتا پھر حجاز میں  
کاوش و تلاش نقص و تفتیش اس دسویں پر پونچھی کہ ایک محکمہ آثار قدیمہ کا اسی غرض سے قائم ہوا  
جنہوں نے چپہ چپہ اور کونا کونامین کا کھوند مارا۔ لارڈ کرزن کی پچھلی یادگاروں کو تازہ کرنے  
ان کے آثار کو قائم رکھنے کا بڑا شوق تھا۔ آج جو آپ دیکھ رہے ہیں کہ گری پڑی عمارتیں  
درست ہو رہی ہیں ان کی نگہداشت کا انتظام بلیغ ہو۔ لاکھوں روپیہ زمانہ سلف کی عمارت  
کو قائم و برقرار رکھنے میں بے دریغ صرف ہو رہا ہے۔ سب حسنت لارڈ کرزن  
کے نامہ اعمال میں مستزاد ہو رہی ہیں۔ قدیم زمانے کے راجہ۔ بادشاہ۔ مشہد شاہ  
سب کی ارواح مقدسہ خوش ہو رہی ہیں کہ ہمارے نام کی بقا اور دوام کے لیے بڑش  
گورمنٹ کا یہ کچھ احسان ہے سبحان اللہ کیا تیری شان ہے۔ اس محکمے کے حکام نے دینی ہوئی

غارتوں کو خد و آلودہ کر نکلوایا۔ نئے نئے کتبے بکھلے پڑانے پڑانے سکے بے فرامین دستیاب ہوئے جس سے امتداد زمانے کی گہری گھٹا چھٹ گئی مطلع صاف ہو گیا و سداہٹ ہاتی رہی اور آفتاب کے نورانی چہرے سے ظلمات کا ثناب اٹھ گیا اور جو باتیں اس زمانے میں غائب خیال میں بھی نہ تھیں مثل روز روشن کے آشکارا ہو گئیں۔ دنیا کی کایا پلٹ ہو گئی معلومات کے طوائف پڑ ہو گئے۔ سرسیتہ نے جو کہا اس زمانے میں انھیں کی جستجو اور ٹٹول تھی جو انہی سینوں کے بند گنہگاروں اور زبانوں سے زبان قلم پر آ گیا لیکن روز بروز جو دریافت اور کجاد میں ترقی ہوتی چلی جا رہی ہے تو لامحالہ آثار الصنادید کے انقش اولین میں نمایاں کی دکھائی دے رہی ہیں مثلاً عرض کرتا ہوں کہ کلام مجید کے دو بہترین اردو کے ترجمے جناب شاہ عبدالقادر صاحب و شاہ رفیع الدین صاحبان رحمہما اللہ تعالیٰ کے موجودہ تھے لیکن پھر بھی میرے والد ماجد مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم مغفور نے ایک اور ترجمہ کا کلام مجید کا کیا۔ جو ضرورت ایک جدید ترجمے کی تھی وہ یہی تھی کہ زبان اردو نے جب سے اب تک بہت کچھ ترقی کی ہے اور پہلے سے بہت زیادہ آراستہ اور شستہ ہو گئی ہے۔ ہر حضرات موصوفین کے ترجمے پڑانے ہو جانے کی وجہ سے اگہلے اگہلے معلوم دیتے تھے اور زمانے کی ہانگ ایک ایسے ترجمے کی تھی جو اس زمانے کی بول چال کی پوری مثال ہو۔ بحسنہ یہی ضرورت تھی اس کتاب کے کہنے کی محسوس ہوئی۔ ناظرین غور و فکر فرمائیں گے کہ آثار الصنادید سے اس میں کس قدر زیادہ اور نیا مواد ہے اور اس پر پھر برس برس میں کیسی کیسی نئی باتیں ہر روز خفا سے معرض ظهور میں آتی ہیں۔ بہر حال یہ کتاب آپ ٹو ڈیٹ لابی کو مینا ہذا ہے۔ سو پچاس برس بعد یہ بھی تقویم پر پائے ہو جائے گی اور یہی سلسلہ الی غیر النہایہ جاری رہے گا۔ یہ بات محتاج بیان نہیں کہ سلاطین خاندان مغلیہ سے بڑھ کر ہندوستان یا ہندوستان کی جگہ دنیا بھی کبھی تو کچھ بے جا نہیں کسی بادشاہ کی ایسی خوش وضع۔ عالی شان۔ سر بلند عمارتیں کہ جن کے شوق دید میں لوگ آئے دن جوق جوق کھینچے چلے آتے ہیں اور جن سے تاج گنج آج بھی سب عمارتوں کا تاج اور دنیا کی سات عجائبات میں کا ایک عجوبہ مانا گیا ہے۔ نہیں بنائیں۔ اور نہ اس کثرت سے اپنی دوامی یادگاریں صفحہ دنیا پر چھوڑیں۔ خدا جانے کس بلا کی دولت ان کے ہاں اُمید آئی تھی کہ جبر کا حد و حساب نہیں اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیسے کیسے نادر کار یگران کو میسر آئے کہ جن کے ہاتھ چوڑے کے قابل ہیں۔ اور ان کا مذاق فن تعمیر کیسے اعمہ نفیس اور اچھوتا تھا کہ آج بھی باوجودیکہ

فن انجینیری نے ہانسوں ترقی کی ہو لیکن ان کا ڈزائن - استحکام - بناوٹ - سجاوٹ دیکھ کر سب انگشت بدہاں ہیں اور سب ان کی عمدگی ہر یک زبان میں - رطب اللسان ہیں اور دنیا کا متفقہ فیصلہ اگر ہو تو یہی کہ یہ لوگ

The greatest architects of the world تھے اور جن لوگوں نے ان عمارتوں کو دیکھا ہو بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں کہ ”سلاطین ہند بادشاہی نئی کنند بلکہ خدائی می کنند“

دنیا کا کارخانہ ایک عجیب و غریب طلسم حیرت ہو - یہاں کسی کو قرار نہیں ایک آتما ہو ایک جاتا ہو یہی تانتا لگا ہوا ہو - ایک قوم گرتی ہو اور ایک اُبھرتی ہو -

وَقِيلَ لَا يَأْكُمُ مَنْ دُونِهَا يَبْئِنُ الْمَقَاسِ

بِذَلِكَ أَقْضَتِ الْأَكْيَامُ مَا بَيْنَ أَهْلِهَا مَصَائِبُ قَوْمٍ عِندَ قَوْمٍ فِي آيَاتٍ بَازِئَاتٍ بڑے بڑے بادشاہ جن کی سطوت اور جبروت کا ڈمکا بیٹھا تھا اور جن کی بیعت سے دل دہل جاتا تھا اور جن کے اشارہ چشم پر تہ دبلا ہو جاتا تھا آج وہ بھی ایک معمولی سے معمولی شخص کے برابر منوں مٹی کے تلے دیے پڑے ہیں :-

چرا آہنگ رفتن کند جان پاک چہ بر تخت مردن چہ بروے خاک

ان کی بادشاہت - ان کے خزانے عامرہ - ان کے لاؤشکر - ان کے حشم خدم حوالی موالی - ان کو رتی برابر بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے :-

گر فتنہ عالم بہ مردی و زور و لیکن نیرو نہ با خود بگور

پس اس عالم فانی میں اگر کسی کی یادگار کو کچھ قیام ہو تو اس کی شکل یہی خیر جاریہ تعمیر عمارات مساجد و معاہد وغیرہ کی ہو جن کا ذکر اس کتاب میں ہو اور جن کی بدولت آج تک ان لوگوں کے اسمی گرامی دل و زبان پر کا نقش نے ابھر میں اور جن کو دیکھ کر ہمارے سبق حاصل کرتے ہیں اور ان کا دل فریب نظر ہماری غفلت کا تازیانہ ہوتا ہو اور ہمارے منہ سے صدائے احسن کی بلند ہو جاتی ہو :-

کشف شد بدو لم مثالی چند  
دارم الحق بتو سوا لے چند  
گفت خواہیست یا خیالے چند

دوشش بقتل و رسوخن بودم  
گفتم اے ایہ ہمہ دانش  
چیت این زندگانی دنیا

گفت در و سر و باے چند  
گفت چوں یافت گوشائے چند  
گفت گرگ و سگ شائے چند  
گفت بیوہ قیل و قالے چند  
گفت در بند جمع مائے چند  
گفت زائے کشیدہ خائے چند  
گفت پند است حسب کا چند

گفتم از وی چه حاصلست بگو  
گفتم ایس نفس شود رام  
گفتم اہل ستم چه طائف اند  
گفتم ایس بخت اہل دنیا چیست  
گفتم اہل زمانہ در چه فن اند  
گفتم اور امثال دنیا چیست  
گفتم شس چیست گفتہ ختام

دلی کا ویرانہ پینتالیس مربع میل میں پھیلا ہوا ہے۔ جسکے حدود موانع تعلق آباد و مہرولی  
چند راؤں اور جہنا کا مغربی کنارہ ہوتے ہیں۔ اس عجیب و غریب خطے پر نیزہ  
دار السلطنتیں عالم وجود میں آئیں اور مٹ گئیں۔

اسیے بایں گئے آئے اک صدائے کہیں

ہو جہاں مانند مجھ اور ہم مثل پسند

ان تیرہ دار السلطنتوں میں سے ایک تو بفضل خدا اب بھی موجود ہے القاب اللہ تعالیٰ الی آخر الزمان اب  
رہیں بارہ ان کی یادگار تو کھنڈر ہیں یا لوگوں کی روایات سے کچھ پتہ چلتا ہے۔  
سنہ عیسوی سے پندرہ سو برس پہلے راجہ جدھشٹر نے پانڈوؤں کی ایک بڑی سلطنت قائم کرکے  
اپنی سلج و صافی جہنا کے مغربی کنارے پر بنائی اور اس کا نام اندھ پور ست رکھا۔ جدھشٹر کا  
خاندان تیس پشت تک حکم ران رہا اس کے بعد تک حرام و سر و اس کے خاندان کا دور دورہ  
پانڈوؤں کی دار السلطنت میں پان سو برس تک رہا ان کے بعد گوتم بنسیپو کا خبر آیا۔ گوتم ناننان  
کے ایک شخص سرورپ دت نامی نے جو مالک قنوج کی فرج کا لفظ تھا اپنے راجہ ویلو کے  
ہام پر دلی شہر بسایا۔ گوتموں کے بعد وھرم و اچ یا وھرنی وھرن نامی شخص  
کے بنا کردہ خاندان کا راج پاٹ ہوا اس خاندان کے آخری راجہ نے اجین کے راجہ سے شکست  
پائی جن کی حکومت آگے چل کر جوگیوں کے خاندان میں سمندر پال پر منتقل ہوئی۔ جوگیوں کے  
بعد ملک اووھ کے بہراج کے راجاؤں کا دورہ ہوا ان کے بعد فقیر کا  
خاندان برسر حکومت رہا۔ خاندان فقراء کے بعد بلاول سین حکم ران رہا۔ سنینوں کے  
خاندان کا قلع قع و پ سنگھ کو ہی سواک داے نے کیا اسے سنگ پال  
یا ایک پال اول بانی خاندان شتوار نے دلی سے نکال باہر کیا۔ سنگ پال اول نے



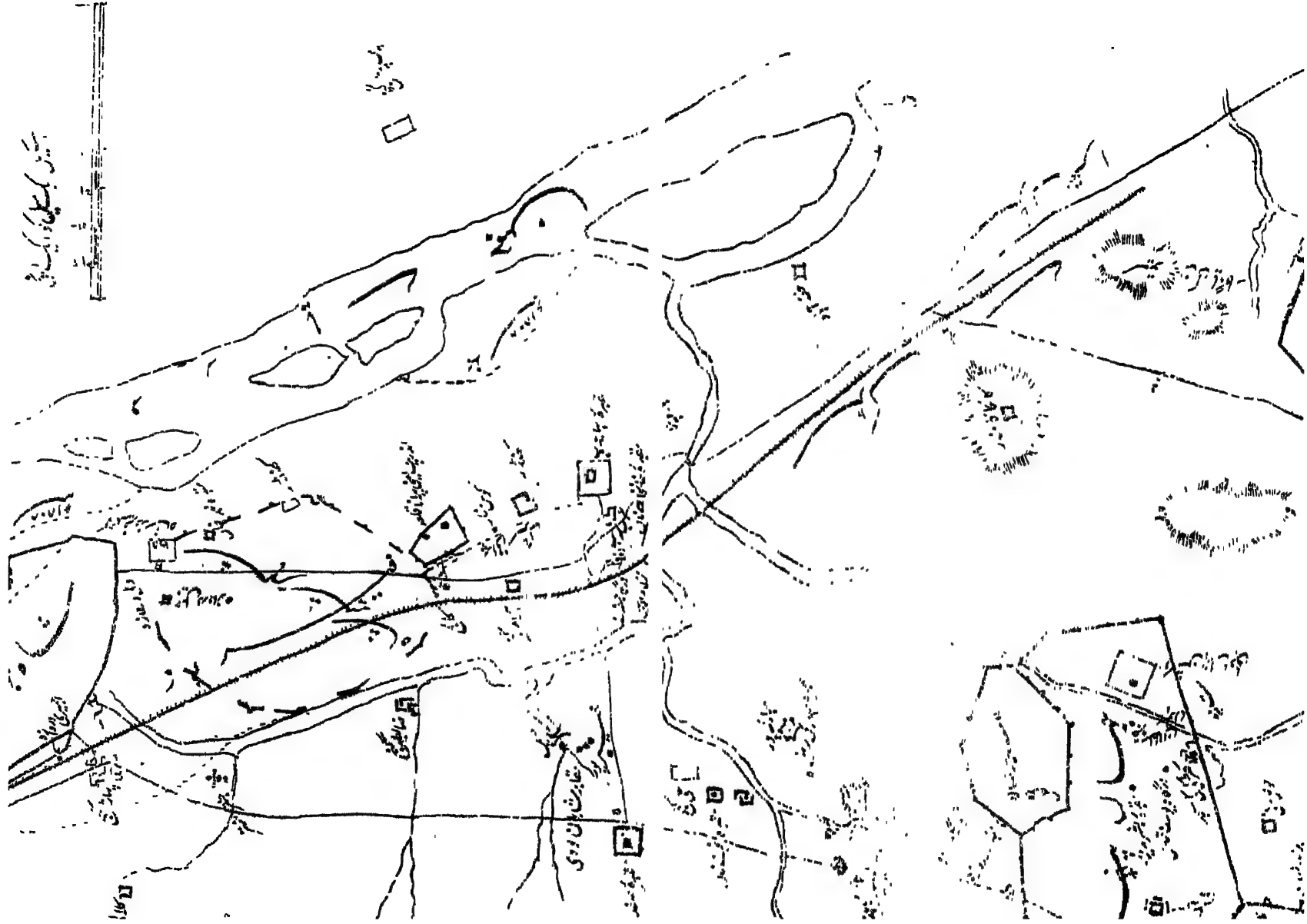
۱۳۱۷ء میں دہلی کو از سر نو بسایا۔ اس کے بعد اسی خاندان کے ایک ممبر **اننگ پال دوم** نے ۱۳۵۷ء میں پھر دہلی کو آباد کیا۔ پھر ۱۳۹۲ء برس تک دہلی شہنشاہی ہند کے دار السلطنت کے مرتبے سے گری اور کس سپہری کی حالت میں رہی یہ زمانہ وہ ہے جس کی ابتداء راجہ اچیتن کی فتح اور **اننگ پال ثانی** کا دہلی کو دوبارہ آباد کرنا۔ ۱۴۵۰ء میں تنوار کے خاندان کے آخری راجہ کو **چوہانوں** نے شکست دی۔ خاندان چوہان کے آخری راجہ پر تھی **راج المعروفہ**۔ اس کے پتھور کا نیر اقبال شمالی ہند میں چکنے لگا۔ اس نے اپنے نام کا ایک قلعہ **راے پتھور** نام کا بنایا۔ ۱۵۱۹ء میں **مسلمانوں** کے بادشاہ **قطب الدین ایبک** نے قطعی طور پر دہلی کو فتح کر لیا اور اسی زمانے سے شمالی ہند میں ہندوؤں کے راج کا خاتمہ ہوا۔

**قطب الدین ایبک** کے بعد پہلے آٹھ بادشاہوں نے قلعہ راے پتھور ہی میں رہ کر حکمرانی کی اور انہوں نے اس قلعے کو اپنی مرضی اور ضروریات کے لحاظ سے درست کر لیا۔ اس میں کئی محل اور ایک مسجد بھی بنائی۔ اب وہ محل تو باقی نہیں البتہ ایک **مسجد اور شیرمینڈل** کا برج رہ گیا ہے اور یہ دونوں عمارتیں غنیمت ہے کہ اب تک بہت اچھی حالت میں پرانے قلعے میں موجود ہیں جو **سلاطین اسلام** کی عمدہ یادگار اور بہترین نشانیاں ہیں۔ لیکن پرانے قلعے کے چھوٹے **مسلمانوں** کے دسویں بادشاہ **بین** کے پوتے **کیقباد** نے ایک نیا محل **کلو کھری** میں بنایا جو نئے شہر کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی بادشاہ نے راے پتھور کے قلعہ کو چھوڑ کر دارالحکومت منتقل کیا۔ اس کے جانشین **جلال الدین خلجی** نے مصالح اور لکی سے کلو کھری کو محصور کیا اور ترقی دی **جلال الدین** کے بعد اس کا بھتیجا **علاؤ الدین خلجی** اپنے چچا کی جگہ تخت سلطنت پر بیٹھا اور بہت تھوڑے دنوں قلعہ راے پتھور میں رہا۔ اس نے ایک اور ہی قلعہ **سیری** میں بنا کر اپنا دار السلطنت ٹھہرایا۔ ۱۳۲۱ء میں **علاؤ الدین خلجی** کے چھوٹے بیٹے **قطب الدین مبارک شاہ** کو **نک حرام نصیر الدین خسرو خان** نے قتل کیا اور **سیری** میں **قصر ہزار ستون** بنا دیں تخت پر بیٹھا لیکن **خسرو خان** زیادہ سلطنت کی بار نہ لوٹ سکا اور اس ہاتھ دے اس ہاتھ سے معاملہ پیش آیا یہی **خسرو خان** کو **غیاث الدین تغلق شاہ** نے شکست دے کر تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور اپنی دار السلطنت **سیری** سے **آٹھ تغلق آباد** کو منتقل کی۔ **غیاث الدین تغلق** کے بیٹے اور جانشین **سلطان محمد ثالث** نے اپنے باپ کی دار السلطنت سے تھوڑی ہی دور **عادل آباد** آباد کیا۔ اس کے چند سال بعد اسی بادشاہ نے راے پتھور کے قلعے اور



سیری دونوں کو ملا کر ایک اور ایک شہر آباد کیا جس کا نام چٹاں پناہ رکھا۔ اس کے بھائی اور چٹاں  
 فیروز شاہ تغلق نے آبائی دارالسلطنت چھوڑ کر اور ایک بھل نیا شہر فیروز آباد بنایا۔ ۱۳۹۵ء  
 میں امیر تیمور نے ہندوستان پر ایک بڑا بھاری تدارک کے فیروز آباد کی اینٹ سے اینٹ بجادی  
 کمزور سادات جو جنگ جو پٹھانوں کے بعد حکمران ہوئے تو ان کو بھی اپنے نام سے ایک اور شہر  
 بنانے کا شوق ہوا اور خضر خاں نے خضر آباد آباد کیا۔ خضر خاں کے بیٹے مبارک شاہ  
 نے بس اتنا ہی کیا کہ اس کا نام مبارک آباد بدل کر رکھ دیا۔ سیدیوں کے بعد لودھی آئے انہوں  
 نے اپنی کوئی نشانی شہر کی صورت میں نہیں چھوڑی۔ بہلول شاہ بانی خاندان لودھی سیری  
 میں رہتا تھا۔ اس کے بیٹے نظام خاں سکندر شاہ لودھی کچھ دنوں تو پرانی دہلی ہی میں  
 سلطنت کی پھر آگرے کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا جب باہر سے ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے  
 میدان ابراہیم لودھی کو شکست دی تو دہلی میں اپنا ایک نائب چھوڑ کر آگرے ہی کو دارالسلطنت  
 ٹھیرا خود کابل چلا گیا۔ یابر کے بیٹے ہمایوں کو افغانوں نے بسر کر دگی شیر شاہ سوری ۱۵۴۰ء  
 میں ہندوستان سے بدر کر دیا چنانچہ ہمایوں پورے چودہ برس جلاوطنی کی حالت میں رہا بعد  
 سے اخراج کے اول ہمایوں نے شہر دہلی پناہ کی تعمیر شروع کر دی تھی جب شیر شاہ سوری دہلی پر  
 قابض ہو گیا تو اس نے بھی اگلے بادشاہوں کے قدم بقدم ایک نیا شہر شیر گڑھ یا دہلی  
 شیر شاہی بنایا۔ ۱۵۴۰ء میں اس کے بیٹے سلیم شاہ سوری نے دریائے جمن کے جزیرے پر  
 قلعہ سلیم گڑھ بنایا۔ ۱۵۵۰ء میں ہمایوں نے پٹھانوں کو شکست دے کر پھر دہلی کی سلطنت پر  
 قبضہ پایا۔ پٹھانوں پر فتح پائی کے چھ مہینے بعد ہمایوں بادشاہ نے دین پناہ میں انتقال کیا۔ اب  
 اکبر اول جانشین ہوا جو آگرے میں رہا اور وہیں انتقال کیا اور وہیں دفن ہو۔ اکبر کا بیٹا جہانگیر  
 بھی آگرے ہی میں رہا۔ جہانگیر کی وفات کے بعد دہلی کے تخت خفتہ پھر بیدار ہوئے اور  
 شاہ جہاں نے آگرے سے دارالسلطنت دہلی میں منتقل کی اور اس کا نام شاہ جہان آباد  
 رکھا اور یہی نام انگریزوں کی شروع عملداری یعنی ۱۸۵۷ء تک برقرار رہا۔ اب شاہ جہاں آباد  
 جا کر بالعموم دہلی یا دہلی کہلاتا ہے اور انگریزوں کی زبان پر ڈہلی چڑھا ہوا ہے اور گورنمنٹ کا منظرہ  
 بھی یہی نام ہے۔ حیرت دہلیوں کا حال آپ سن چکے چودھویں دہائی جبکہ شاہ جہاں آباد کے جوڑ پر  
 جارج آباد کننا زیادہ سوزوں ہو گا ۱۲ دسمبر ۱۹۱۲ء سے معرض طور میں آئی یعنی پھر دہلی کی وقت  
 جو نہ صوبہ کا مستقر نہ کٹھنری کا بلکہ گہٹے گہٹے نہ ایک ضلع رہ گیا تھا عزت سے بدل گئی اور بیٹی لی

100



کہ جبکہ سلطنت انگلشیہ قائم ہوئی کسی یورپین بادشاہ نے سرزمین ہند پر برعیت شاهی قدم نہ رکھا تھا یا یوں تقدیر چکی کہ ملک معظم جارج پنجم قیصر ہند مع ملکہ موعظہ کو مین میری قیصرہ ہند کے سرزمین دہلی کو اپنے قدم پیمنت لراوم سے عورت تازہ بخشی۔ شان نہ گمان قدرت خدا دیکھیے کہ دلی کے بھاگ جاگے ضلع سے آچک کلکتے کو دھکیل ہندوستان کا دارالسلطنت بنی۔

دینے پتہ جو آئے بنا دے بگاڑ کے  
دے جس پہ تیرا فضل ہو پھتیر کو پھاڑ کے

چنانچہ اب وہی چہل پہل ہو۔ سرٹکیں بن رہی ہیں مکانات طیارہ رہے ہیں۔ خدا کا لام نہ کرے اس جنگ یورپ کا اس نے چار برس میں سب کو اودھ موا کر دیا یہ نہ ہوتی توئی نوی دلی جو رائے سینا میں موجودہ دلی سے چار میل کے فاصلے پر بڑے بھاری سکیل پر بن رہی ہو کبھی کی بن چکتی۔ خیر ویر آید درست آید خدا نے چاہا تو یہ جو دھوویں دلی بلا دوا مصار موجودہ میں سبک بہتر اپنے انداز میں سب سے فرالی اپنی وضع میں انوکھی پر تو ظہور میں آجائے گی کیا یہ سمجھو کہ اب آئی کہ آئی :-

## دعائے دولت

یارب رہو سلامت فرمانروا ہمارا  
یارب رہے سلامت شاہنشہ معظم  
رندہ رہے ابد تک شاہنشہ معظم  
یارب رہے سلامت فرمانروا ہمارا  
یارب ہو وہ مظفر باعزہ و مشان شاہی  
ہو شاد کام و خسترم وہ ناز کجکلا ہی  
یارب رہے سلامت فرمانروا ہمارا  
قدرت کے جو عطیے مخفی ہیں آسماں پر  
برسیں وہ بن کے نیساں شاہنشہ و ماق  
یارب رہے سلامت فرمانروا ہمارا  
یارب کرم کو اپنے اب آٹکا رکھے  
اور دشمنان دولت کو خوار و زار کر دے  
یارب رہے سلامت فرمانروا ہمارا  
دشمن کو پست کر دے ناکامیاب کر دے  
اُسکی سیاستوں کو یارب خراب کر دے  
یارب رہے سلامت فرمانروا ہمارا

انہیں سلطنت کا حامی ہو نگہباں ہو تباہ و عاسے دولت دل میں ہو ہر زبان ہو

یارب رہے سلامت فرما دیا ہمارا

حقائق فن تاریخ کے لیے تمام روئے زمین پر کوئی خطہ پینٹا لیس میل مرتبہ کا ایسا نہیں ہے جس میں اس قدر انقلابات عظیم ہوئے ہوں جن سے یہ کتاب بھری پڑی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سلطنت کا عروج اور زوال سب کچھ تاریخ کے باقاعدہ مدون ہونے سے پہلے ہو ہوا یا اور یہ ہیں راجہ اشوک کے زمانے سے وہ ستون ہیں جن پر دو ہزار سال پہلے کے پڑانے کتبے موجود ہیں۔ یہاں وہ آہنی ستون بھی ہیں کہ جس کی قدامت کا کچھ صحیح حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ بہت پرانا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کر کے اسلامی حکومت کا جھنڈا لگا دیا اور دلی ہو قلعہ رائے پتھور ہو یا نیا شہر۔ یا سیری۔ یا تعلق آباد۔ یا فیروز آباد۔ یا شیر گڑ یا شاہ جہان آباد۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہان مختلف الاسم مقامات پر حکمران رہے اور یہیں سے احکام و فرائض شاہی نفاذ پذیر ہوتے تھے اور اسی شہر کے نام کے ساتھ سلطنت وابستہ تھی۔ اس کتاب میں دہلی کے آثار قدیمہ کی تاریخ جدید حشر کی دار السلطنت اندر پختہ سے لے کر پندرہ قبل مسیح میں تھتی تا زمانہ حال ہے۔ دہلی کی اسلامی عمارات قدیمہ کو بلحاظ طرز تعمیر کے آٹھ عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ہر طرز اس کے بانی کے نام سے منسوب ہے جو اپنی اپنی وضع قطع میں دوسرے سے میز ہے اور جوں جوں زمانہ بڑھتا گیا ہے ان کی خوبیاں بھی رفتار زمانے کے ساتھ ترقی کرتی چلی گئی ہیں۔ دہلی کی عمارات قدیمہ درحقیقت اصلی نمونہ ہیں جن کا متبع جو پور۔ بیجا پور۔ مانڈو اور مالوہ وغیرہ مقامات پر کیا گیا ہے۔ اور بحالت موجودہ ستر میل کے قطر میں دہلی کی کبھری ہوئی عمارات کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ اہل ہندو کی عمارات میں ہم اسی قسم کی تفریق و تقسیم کرنے سے اس وجہ سے قاصر ہیں کہ ان کے زمانے کی کوئی مکمل عمارت حیثیت اصلی یا اس کے قرب جوار میں اب باقی نہیں رہی :-

## مسلمانوں کی عمارات قدیمہ کی تقسیم بلحاظ عہد

(۱) غزنوی	۱۰۰۱ء تا ۱۱۹۱ء	(۲) ترکی	۱۱۹۱ء تا ۱۳۹۰ء
(۳) خلجی	۱۲۹۰ء تا ۱۳۲۰ء	(۴) تغلق	۱۳۲۰ء تا ۱۳۹۱ء

(۵) افغان ۱۲۵۵ تا ۱۵۵۵ء (۶) دورِ اولیٰ مغلیہ ۱۵۵۵ء تا ۱۶۲۸ء  
(۷) دورِ اوسط مغلیہ ۱۶۲۸ء تا ۱۷۰۵ء (۸) دورِ آخر مغلیہ ۱۷۰۵ء تا ۱۷۵۸ء

(۱) غزنوی دور کی کوئی عمارت ہندوستان میں اب موجود نہیں ہو۔ شہاب الدین غوری نے حملوں کے بعد اپنی کوئی یادگار عمارت کی شکل میں ہندوستان میں نہیں چھوڑی۔ رہے وہ مینار جو اس عہد کے غزنی میں ہیں اُن کی نسبت اکثر ماہرین کی رائے ہو کہ قطب مینار جو دہلی کے جنوب میں تقریباً گیارہ میل پر واقع ہو وہ انھیں کے بنونے اور طرز پر بنی ہو اور اس لحاظ سے غزنی کے مینار آثارِ قدیمہ کے نقطہ خیال سے ایک بہت قابلِ قدر یادگار ہو۔

(۲) ترکی پٹھانوں کے عہد کی عمارتوں کا طرز نوکدار محرابیں مسجد کے سامنے کی اونچی اونچی دیواریں تھیں جس کا نمونہ مسجدِ قوت الاسلام۔ قطب مینار سلطان اتمش (قطب) اور سلطان غازی (ہمال پور) کے مقبرے ہیں :-

(۳) مذکورہ بالا طرز سے زیادہ نازک اور نفیس کام خاندانِ خلجیہ کا ہو جس کا طرز گھوڑے کے نعل کی شکل کی محرابیں بکثرت نقش و نگار اور آرائش جس کی سب سے بہتر نمونہ علائی دروازہ قطب میں موجود ہو جو خاندانِ خلجیہ کے بہت بڑے بادشاہ علاء الدین محمد ثانی کا بنوایا ہوا ہو۔ مزید برآں مسجدِ قوت الاسلام کی اُن خوبیاں سے جو اس بادشاہ کے عہد میں ہوئی ہیں کچھ اندازہ اس بادشاہ کی بلند نظری اور بہت اور عمارت کی نسبت کیا جاسکتا ہو :-

(۴) خاندانِ تغلق۔ سلطنتِ رنگین پچیدگاری کے استرکاری کئے ہوئے گنبد۔ نمونہ اس کا خوش خلق آباد شہر ہی جس کو اس خاندان کے پہلے بادشاہ غیاث الدین نے چار برس میں بنا کھڑا کیا۔

اس کے علاوہ غوڑا بادشاہ کا مقبرہ اس طرز خاص کا عمدہ نمونہ موجود ہو۔ یہ تو اوائل زمانے کی عمارتیں ہیں بعد کا طرز دیکھنا ہو تو فیروز آباد۔ کلاں مسجد خاں جہاں۔ کھٹر کی اور بیگم پوری کی مساجد دیکھیے۔

(۵) افغانوں کے عہد کا طرز یہ تھا کہ پتلی اور سیدھی دیواریں۔ لمبے اور مہشت پلو گردنوں کے گنبد۔ پھر آگے چل کر سور خاندان نے رنگ آمیزی کے کام چینی کی رنگین اینٹوں اور کچھ رنگ و رواج دیا۔ سلطنت کے طرز کی استرکاری چھوڑ کر رنگ رنگ کے پتھر جوڑے جانے لگے جیسے خیبر پور کے لودھیوں کے مقبرے مومٹ کی مسجد۔ پرانا قلعہ (اندر پت) جس میں مسجدِ قلعہ کہتے بھی شامل ہو۔

(۶) مغلوں کا ابتدائی زمانہ جس سے مراد دورِ اکبری و جہانگیری ہو۔ اس کا طرز لمبی مدگر دونوں کے ایرانی طرز کے گنبد ہیں۔ اس عہد میں کثرت سے چینی کی رنگ رنگ کی اینٹوں کا استعمال کیا گیا ہو۔ دورِ اکبری

اور جہانگیری کی عمارات کے بہترین نمونے تو اگرے اور فتح پور سیکری میں ہیں ربی دلی میں ہایوں کا مقبرہ اور نیلا برج اس طرز کا نمونہ ہیں۔ مغلیہ دور درمیانی شاہ جہاں جیسے گرامی قلندر بلند مرتبہ شایق عمارات بادشاہ کا دور ہو۔ لال قلعہ مع محلات متعلقہ۔ جامع مسجد فتح پور۔ سی مسجد اس کے عہد کی بڑی بڑی عمارات ہیں اور نگ زیب کے زمانے کی عمارات بھی اسی عنوان کے تحت میں آتی ہیں جس کا نمونہ قلعہ کی مورتی اور زینت المساجد ہیں۔

مغلوں کا دور آخری۔ رنگین پتھروں کی پیمیکاری اور منبت کاری اور چینی کی رنگین اینٹیں جس کا نمونہ صفدر جنگ کا مقبرہ ہو جو عمارات دہلی کے لمپ کی آخری بھرک کہلاتا ہو اس کے علاوہ تینوں سنہری مسجدیں اور مرولی کی مورتی مسجد یہ بھی اسی دور آخری کی باقیات الصالحات ہیں۔

جن جن عمارتوں پر کتبے نہیں یا ان کی تاریخ بننا ٹھیک ٹھیک نہیں ملتی وہاں اس عمارت کو اس بادشاہ کے زمان سلطنت سے متعلق کیا گیا ہو جس کے عہد میں کہ وہ بنی تھی ایسی صورت میں تین سال بن البتہ ایک قیاسی امر ہو۔ اور جہاں اس کا بھی پتہ نہ چل سکا کہ خلاص عمارت کس بادشاہ کے عہد میں بنی تھی تو وہاں طرز و ساخت عمارت پر سے قیاس دوڑایا گیا ہو یا یہ کہ مقامی روایات پر بہرہ کرنا پڑا ہو۔ بعض عمارات کو ہم نے دور آخری مغلیہ کا بتلایا ہو اس سے اور نگ زیب کی سلطنت کا زمانہ آخر ۱۶۵۷ء اور صدر ۱۸۵۷ء کا درمیانی زمانہ سمجھنا چاہیئے۔

اس کتاب میں بعض مساجد اور مندر بالکل معمولی حیثیت کے بھی درج ہوئے ہیں جن میں کوئی خاص تاریخی دلچسپی کی بات نہیں ہو لیکن ممکن ہو کہ آگے چل کر ان کے متعلق کوئی مزید حالات معلوم ہو کر بکار آمد ہو جائیں اس لئے ان کا قلم بند کر لینا بھی خالی از مفاد نہیں۔

جن جن لوگوں کا ذکر جا بجا آگیا ہو ان کی مختصر سوانح عمری بھی ساتھوں ساتھ لکھ دی گئی ہو۔ بڑی غرض اس سے یہ ہو کہ جس کی جو عمارت ہو اس کا کچھ حال تو معلوم ہے تاکہ عمارت کی بنا کی غرض اور دیگر حالات متعلقہ پر کچھ روشنی پڑے۔ مگر بڑی مشکل یہ آن پڑی کہ ان بزرگواروں اور ناموروں کے حالات ایسے دلچسپ ہیں کہ ضروری باتوں کو چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا اور سب لکھ دو تو دل ممل کا اندیشہ ہو بہر حال بادل ناخواستہ جہاں تک ممکن ہوا اختصار کو مد نظر رکھا ہو۔

مگر دستِ لطافتِ شہدِ یارِ من

چہرِ خیزد از دستِ کردارِ من

**شکر ہے**

قبل اس کے کہ دیا چہ ختم کیا جائے۔ پھر فرض ہو کہ عالی جناب معلی القاب نے پہلے پہلی صاحب بہادر بالقاب چیف کشنر صوبہ دہلی کا دلی شکر یہ نہایت ادب سے ادا کروں کہ جن کے ارشاد کے موافق یہ ناچیز کتاب لکھی گئی ہو اور جنہوں نے شرم و سحر از رنگ اس کی تدوین و ترتیب میں پوری دلچسپی لی اور جس طرح کی مدد مجھے درکار ہوئی یہ کتا دہ پیشانی دی۔ جناب کرنل بیڈن صاحب بہادر ہمارے شہر کے ڈپٹی کشنر کو شہر دہلی سے خاص شغف جو ان کی اوقات گرانمایہ کا بہت بڑا حصہ رفادہ عام اور پیو دی خلائی میں صرف ہوتا ہو۔ جناب مسفر چونکہ ہمارے حاکم ہیں ان کا شکریہ بھی کسی طرح پھر کم واجب نہیں ہو کہ دلی کی موجودہ رونق کا سہرا انہیں کے سر پہ ہو۔ اس کے بعد جناب مولوی ظفر حسن صاحب بی۔ اے۔ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ آثار قدیمہ دہلی کامیں اذلیس ممنون ہوں کہ ان کو میں نے بہت زیادہ گھیرا اور بار بار تکلیف دی کیونکہ وہی ایک صاحب ہیں جن سے میں اپنی معلومات میں عمدہ اضافہ کر سکا ہوں اور ایان کی بات یہ ہو کہ انہوں نے کبھی مجھے مدد دینے سے دریغ نہیں کیا۔ باقی اور کسی صاحب کامیں رہی برابر شرمندہ احسان نہیں۔

کرتے کس نم سے ہو غربت کی شکایت غالب  
تم کو بے ہر ہی یار وطن یاد نہیں

**شکایت**

گو کہ دلی میں ایسے کئی صاحب موجود ہیں جن سے ہر طرح کی مدد کی توقع تھی میں کسی سے روپے پیسے کا طالب نہ تھا میں تو صرف ان سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا جن کو وہ بہت آسانی سے دے سکتے تھے مگر ان کی طبیعت کے بخل نے اس پر بھی آمادہ نہ کیا۔ یہ ان لوگوں میں ہیں جو نہ خود کچھ کریں نہ دوسرے کو کرتے دیکھ سکیں۔ ایسوں کا نام بھی لینا بے کار ہو۔

اگندہ کس دہر

نہ خود غور نہ کس دہر

**معذرت**

کتاب جس محنت اور کاوش سے لکھی گئی اس کی شاہد خود کتاب ہو جس کے لیے اردو فارسی۔ انگریزی کی بیسیوں کتابیں الٹنی پڑیں جنکی فرست علحدہ پیش کی جاتی ہو۔ اس سے میری محنت اور تفتیش کا اندازہ کیا جاسکتا ہو۔ اس کے علاوہ اکثر

مقامات کو خود بھی جا کر دیکھنا پڑا کہ شنیدہ کی بود ماند ویدہ - خدا کرے کہ پہلک کی پسند آئے تو بس ساری محنت راحت ہو ورنہ کیا دھڑا سب اکارت - ہم نہایت افسوس سے دیکھتے ہیں کہ لوگوں کی نگاہ زیادہ تر عیب بینی کی طرف جھکی ہوئی ہوتی ہو - بے عیب ذات خدا کی - اتنی بڑی کتاب کی نسبت اغلاط سے پاک ہونے کا دعویٰ کرنا تسلیلات کو ممکنات کا باس پہنانا ہو مگر اپنی طرف سے تو کوئی دقیقہ کتاب کے دلچسپ بنانے کا اٹھا نہیں رکھا گیا اب میری شرم خدا کے ہاتھ ہو - جن لوگوں کی نظر محاسن سے چشم پوشی کر کے اسقام کو چمکاتی ہو ان سے تو یہ غرض ہو کہ :-

ہنر چشم عداوت بزرگ تر عیب است	گل ست سعدی و چشم شمنان نارس است
-------------------------------	---------------------------------

لیکن جو لوگ تصنیف و تالیف کی مشکلات سے واقف ہیں ان سے توقع ہو کہ وہ چھوٹی مونی فروگزاشتوں سے لازمہ بشریت خیال فرما کر چشم پوشی فرمائیں گے اور اصل غرض و غایت جو کتاب کہنے کی ہو اس سے اپنی معلومات کو بڑھائیں گے :-

بپوش چشم خود از عیب تا شوی بے عیب	کہ عیب پوش کس عیب پوش خود باشد
-----------------------------------	--------------------------------

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ سَرِيتِ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ  
وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّهِ الْكَرِمْ يَحْيٰوْ عَلٰى  
اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ -

دہلی - مارچ ۱۹۱۹ء ۱۳۳۱ھ حجاز رکہ

بشیر الدین احمد عفی عنہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## پہلا باب

دہلی اور اندرون شہر کی عمارت کا بیان

حدیثی الامطرب ویسے گورازازد صر کم ترجو  
کہ کس کمشود و گمشاد و گمشاد ایس مقارہ

اندر پرستھ یا اندرت  
تھینا ۱۲۵  
برس قبل مسیح

دہلی کے آثار قدیمہ کے حالات لکھنے کے بیان کے ہم کو راجہ جدمشہد  
کے بہت قدیم زمانہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے گا جو حضرت  
مسح کے پندرہ سو برس قبل جا پڑا جو دہلی کی کوئی سی یادگار ہو۔  
اسی نام کے جو شہر کے بعد دیگر آباد ہوتے اور اچھڑتے گئے انکی  
تاریخ کمال نہیں ہو سکتی جب تک اس پڑانے اور سب قدیم شہر کا  
ذکر نہ کریں جس میں دہلی کی مثال گڑی ہو یعنی راجہ جدمشہد کا پانچواں شہر اندر پرستھ جو کچھ عرصہ  
اسی راجہ کا دارالسلطنت تھا اور پھر پانڈو خاندان کے پہلے راجاؤں کے زمانے میں دوسرے  
درجے کا شہر بنا اور اس کے بعد شالی ہند کا دارالسلطنت بنا۔

اندر پرستھ کی تاریخ یا وہ واقعات جو اس شہر کے متعلق قابل اعتبار ہیں ان کا ذکر اندر پرستھ  
اور ہندوؤں کی مشہور کتاب تمبا بھارت میں درج ہے جس نے پانڈو اور کورو کی لڑائی کو غیر فانی  
بنادیا جو پانڈو اور کورو دونوں قریب رہتے تھے جو اس زمانے میں سارے ہندوستان  
پر حکمران تھے لیکن آگے چل کر ان میں جھگڑے و فساد پڑ جانے سے ان دونوں نے اپنی راہ

طاقت اور شجاعت اور دلاوری کو ”بھارت ورش“ یعنی ہندوستان پر تفوق حاصل کرنے کے لئے آپس میں تقسیم کر دیا۔ ایک نے ایک راجہ وشنیت نام کا تھا جس نے ایک سوشی کی لڑکی شکنتلا سے شادی کر لی تھی جس سے ایک لڑکا بھارت نام پیدا ہوا جس نے اس ملک کو جاہل ہندوستان کہلاتا ہو فتح کیا جبکہ نام بھارت ورش یعنی بھارت کا ملک پڑا۔ ہستین بانی ہستناپور اسی بھارت کا بیٹا تھا اور ہستین کا بیٹا کورو تھا اور کورو کا بیٹا شانتنو تھا یہی کورو بھارت کی لڑائی لڑنے والوں کا دادا تھا۔ شانتنو کے ایک بیٹا دیوی گنگا سے پیدا ہوا جبکہ نام ستیہ ورت تھا۔ اس کے علاوہ دو بیٹے ستیا ورتی سے بھی تھے شانتنو کی وفات کے بعد اس کی جانشین اُس کی دوسری بیوی کی اولاد ہوئی کیونکہ پہلی بیوی کے لڑکے شانتنو والے ایک بڑا بھاری عہدہ کر لیا تھا جبکہ وجہ سے اُس نے ”بھیشم“ کے نام سے شہرت پائی جس کے لغوی معنی ”ڈراؤنے“ کے ہیں اور وہ عہدہ تھا کہ وہ راج سے خود کنارہ کش ہوا اور اپنے سوتیلے بھائیوں کے بیٹے جگہ خالی کر دے چنانچہ بھیشم کا بڑا سوتیلہ بھائی ای باب کا جانشین ہوا۔ اور جب کہ ہمالیہ کی ایک بہاری قوم سے لڑنے میں وہ مارا گیا تو اس کا چھوٹا بھائی وچتر ویر یا جانشین ہوا۔ وچتر ویر یا نے کاسی کے راجہ کی لڑکی سے شادی کی مگر بیک وقت فوت ہوا جس کے بعد رانی کے کسی قرابت دار قریب و یا س نامی نے ہستناپور کی تخت نشینی کے واسطے اپنے بیٹوں کو پیش کیا۔ اس کے تین لڑکے تھے ایک کا نام وحسرت راسٹر تھا گروہ اندھا تھا اور دوسرے کا نام پانڈو تھا گروہ نحیف لچبٹ تھا اور تیسرے کا ایک باندی کے پیٹ سے تھا جبکہ نام وڈوڑ تھا ان تینوں لڑکوں میں سے ایک اندھا ہونے سے اور دوسرا باندی زادہ ہونے سے محروم رہے اور پانڈو تخت نشین ہوا۔ پانڈو کے دو بیویاں تھیں۔ ایک گنتی (سور کی بیٹی جو کیش کا دادا تھا) دوسری ماوری۔ گنتی کے تین بیٹے تھے یڈو حشر۔ بھیشم۔ ارجن اور دوسری کے دو لڑکے بھل اور سہدیو۔ تھے پانڈو کے مرنے کے بعد وحسرت راسٹر۔ بھارت ورش کا راجہ ہوا جس نے رانی کا ندھائی سے شادی کی جس سے بہت سی اولاد ہوئی اور یہ سارے کا سارا خاندان اپنے مورث کے نام پر کورو اور پانڈو کی اولاد پانڈو کہلانے لگی۔ وحسرت راسٹر کا بڑا لڑکا دیو دھن تھا۔ اس کے بھائیوں میں سب سے سرباوردہ دشاسن ایک بھائی تھا اور اس طرح کورو اور پانڈو ہستناپور میں رہتے تھے۔ ان دونوں خاندانوں میں کچھ کھٹ پٹ ہو گئی۔ وحسرت راسٹر نے پانڈوؤں کو چند روز کے لئے واندن و ت چلے

جلنے کی صلاح دی اور کہا پھر چند روز میں میں تم کو ہلالوں کا چنانچہ حسب وعدہ چند روز کے بعد ان کو ہستنا پور بلا بھی لیا۔ لیکن پھر کچھ عرصے بعد دھرتی راجہ نے پانڈوؤں سے کہا کہ تم کھانا پکھڑو پرستھ کو جا کر راج کے اس حصے پر جو تمہارا ہی قبضہ کر لو۔ چنانچہ یہ دھرتی راجہ خطہ ملک پر چلا گیا جو جہنا کے دریا کے کنارے ہی اور اتنے بہت سے لوگ جمع کر کے یہاں ایک شہر ایسا بڑا شہر بسایا کہ گویا وہ اندر کا شہر تھا اور اسی سبب وہ اندر پرستھ کہلانے لگا۔ اب اس جگہ سے جہاں کسی زمانے میں اندر پرستھ شہر تھا چنانچہ یک میل ہٹ گئی ہو۔ لیکن وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف روایات ہیں کوئی تو کہتا ہو کہ یہ شہر راجہ اندر ہی کے نام پر بسایا گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں راجہ اندر نے اس مقام پر پرستھ دیا تھا۔ پرستھ دو لڑوں لب بھر کے اڑتا لیس لب خیرات کرنے کو کہتے ہیں۔ ماہرین علم الاسناد پر فیض ولسن کے قول سے استناد دیکھتے ہیں کہ اندر پرستھ کے معنی اندر کا میدان ہو۔

پرستھ کے لغوی معنی ہیں شے گستر وہ یا جو چیز وسیع کر دیا جائے اور اسی وجہ سے کھلے میدان پر اس کا اطلاق ہوتا ہو۔ جیسا کہ اب تک عوام کا زبان پر اندر پتہ اندر کا کھیرا چڑھا ہوا ہو۔ جنرل گنگوہ صاحب نے بڑی چھان بین کے بعد یہ رائے قائم کی ہو کہ اندر پرستھ کی بنائش مسلم قبل مسیح یا اسی کے لگ بھگ پڑی اور ہندوؤں نے جو دلی کو اس سے زیادہ قدامت دے پانچ ہزار برس سے بھی زیادہ کا کھوج لگایا ہو وہ بمقابلہ جنرل صاحب کی باقاعدہ تحقیقات کے زیادہ و فوق کے قابل نہیں سمجھا جاسکتا۔ اب اس بات میں بھی اختلاف ہو کہ ہستنا پور کی جگہ اندر پرستھ کب قائم ہوا۔ ہستنا پور دلقول و لغور صاحب مہا بھارت کی لڑائی سے چھٹی یا آٹھویں پشت میں) راجہ دستوان (یہ دھرتی کے بعد ساتویں راجہ) کے زمانے میں گنگا کی طغیانی سے غرق آب ہو گیا تھا۔ اس لیے راجہ دستوان کو ملک و کن میں راج دھانی کے لیے کسی اچھے اور موزوں مقام کی تلاش تھی اور وہ اسی اُدھیر پٹن میں کچھ دنوں و کن میں رہا بھی مگر آخر کار اندر پرستھ کو اُسر اسی مقام کو پانڈوؤں کی دارالسلطنت بنایا۔ وشنو پٹانی کے موافق رنجی کرا (دھرتی کے بعد چھٹے راجہ) نے ہستنا پور گنگا کی طغیانی سے تباہ ہو جانے سے اپنی دارالسلطنت کنو سیمی کو تبدیل کر دی۔ ان روایات کا حاصل یہ ہو کہ پانڈوؤں کی دارالسلطنت ہستنا پور سے اندر پرستھ کو پیرھویں صدی قبل مسیح کے کسی حصے میں (جو راجہ دستوان کا زمانہ ٹھیک نہ ہو) یہ دھرتی سے لیکر کشمیک تاک جس کو قبل مسیح برابر تیس پشتیں گزریں

یعنی پندرہ صدیوں سے ساتویں صدی قبل مسیح تک) اندر پرستہ مسلسل پانڈوؤں کی راج دہلی  
 رہا۔ اس بات کا کل ترین قیاس یہ کہ جب وسروا (آخری پانڈو راجگان کا وزیر افواج  
 جو ان کا قربت دار بھی تھا) نے سلطنت چین کی تو اندر پرستہ جو شمالی ہندوستان میں تھا  
 کا عروج کم ہو گیا لیکن پھر اس کے بھی تین خاندانوں تک اندر پرستہ جو مسلسل دارالسلطنت  
 رہا یعنی وسروا خاندان کے چودہ نضر اور گوتم کے پندرہ اور موریا کے نو حکمران رہے  
 جن میں کا آخری راجہ پال پارنگ پال نے کماؤں پر چڑھائی کی اور شکست پائی اور کماؤ  
 کے راجہ شکوتما کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس طرح اندر پرستہ اُس راج میں شریک کر لیا گیا۔  
 بارہ برس بعد سکونت کی باری آئی اور آجین کے راجہ بکراجیت نے اسے مار کر نہض  
 پانڈوؤں کے خاندان کا خاتمہ کر دیا بلکہ ہمیشہ کا سمت بھی موقوف کر دیا۔ راجہ کماؤں کی فتح  
 کے پہلے سے ہی اندر پرستہ کی پہلی سی عظمت اور شان و شوکت باقی نہ رہی تھی۔ طاقت و  
 گنتا خاندان کے عہد میں شمالی ہند کا سربراہ وہ شہر پالی جو تھہرا تھا۔ یونانی مورخین اگرچہ  
 کم و بیش شمالی ہند سے واقف تھے لیکن پھر بھی ان کو اندر پرستہ کے وجود کا حال معلوم نہ تھا۔  
 آفرین (Arrian) مورخ متھرا کا تذکرہ کرتا ہے جس کا نام میں آج تک کوئی تغیر  
 نہیں ہوا لیکن اُس نے بھی اندر پرستہ کا ذکر نہیں کیا اور نہ فیبین (Fabian)  
 نے اس کا کچھ ذکر کیا حالانکہ وہ سنسکرت - م - میں کابل سے متھرا تک آیا تھا۔ کرنٹاؤ نے  
 پانڈوؤں کے خاندان کے تذکرے میں اندر پرستہ اور دہلی کا تذکرہ کیا ہے گویا کہ یہ دونوں  
 ایک ہی شہر تھے اور یہاں کے حکمران کا نام بھی سنتنو بتلایا ہے حالانکہ دلی کے نام کا وجود  
 بھی اُس وقت تک نہ تھا۔ بلکہ سنتنو کی زمان سلطنت کے کئی صدیوں کے بعد دلی کا نام  
 دہان پر آیا ہے۔ اندر پرستہ کی بنا کی نسبت تعین زبان میں جو کچھ شک و شبہ ہو سوا ہو  
 لیکن اُس کے موقع کے تعین میں تو کوئی ایسا ایہام نہیں ہے ہم نے جو مقام اندر پرستہ کا  
 ٹھہرا ہے اس کا تعین عمارت ہائے منہدہ یا کسی اور موجودہ نشان کی بناء پر تو نہیں بلکہ محض روایات پر  
 اُس کا دار و مدار ہے۔ چنانچہ پنڈت بشیر ناٹھ صاحب نے دہلی لٹریچر سوسائٹی میں ایک گفتگو کیا تھا  
 جس میں اُنھوں نے اس امر کی وضاحت کی تھی کہ اندر پرستہ کی حدود موضع اوکھلے سے لے کر  
 موضع براری تک تھیں۔ مسٹر ویسلر کہتے ہیں کہ قطب روڈ کی جانب عداہات حدود و دیوارہ نمایاں

طہ سرید نے کماؤں کے راجہ کا نام راجہ بھگونت (کوہی) کہا ہے جو بکراجیت کی لڑائی میں مارا گیا۔ ۱۲

ہیں کیونکہ بیشمار دیوان ٹیلوں - ہزار ہا برس کے ڈمیور کا سلسلہ برابر چلا جاتا ہے۔ یہ سب ڈمیور انہیں دارالسلطنتوں کی منہدمی  
عمار کے ہیں اور قدیم زمانہ تاریخ کیت کے ہیں۔ اور روایات علی التواتر بتا رہی ہیں کہ سار کے سار بلوں کے انبار بنائے  
پاندو فاندان کے راجاؤں کے اجڑے ہوئے شہر اندر پرستھ کے ہیں۔ لیکن ہمارے پاس سوائے  
زبانی روایتوں کے اس امر کا اور کوئی وثیقہ نہیں ہے، اسی طرح کرل ٹاؤن نے بھی ہلاکسی قسم کی تائید  
مزید کے جب کہ وہ مندر جنگ کے مقبرے میں ٹھہرے ہوئے تھے لکھا ہے کہ ”یہ مقبرہ جو دہلی کی  
آبادی سے کئی میل کے فاصلے پر ہے خود اندر پرستھ کے وہاں کے اندر واقع ہے“ پڑا نے  
پالی بوٹھ کا تو کہیں پتہ ہی نہیں ملتا کہ کس سرزمین پر تھا لیکن ہاں بقابلے اس کے چشمہ  
کے شہر کا پتہ چلتا ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ طول میں اتنی فرلانگ اور عرض میں پندرہ فرلانگ تھا  
جس کی اطراف اتنی بڑی خندق تھی جس کا پھیلاؤ چھ لکھ اراضی میں تھا اور گہرائی اس خندق  
کی ۳۲ کیوٹھ تھی۔ فصیل کے (۵۰) برج اور (۶۴) دروازے تھے۔ خندق شہر کی نچلت  
بدرو کے پانی اور کوڑے کرکٹ کے لیے بنائی گئی تھی۔ جس مقام پر اندر پرستھ کی آبادی کئی  
جاتی ہو وہاں کے انبار اور ملہا تپا پرانا کہ ہزار ہا سال کا کہا جا سکے نظر نہیں آتا بلکہ بات یہ ہے کہ اس  
جگہ کئی ایک شہر کے بعد دیگرے بنے اور اجڑے گئے تو اب کیونکر اس مقام کی تخصیص کی  
جا سکتی ہے جہاں کہ اندر پرستھ کی آبادی تھی۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اندر پت نام گاؤں جو اب تک  
موجود ہے اور جس کے اطراف فصیل ہے یہ مقام شہر اندر پرستھ کے اندرونی حصے کا ایک باقی ماندہ  
ٹکڑا ہے۔ لیکن اس سے بھی ہماری تشفی نہیں ہوتی اور اندر پرستھ جیسے قدیم شہر کے صحیح حدود کا  
اس زمانے میں اندازہ کرنا بالکل قیاس کے تلے چلانے ہیں۔ عام خیال ہے کہ اندر پرستھ کا شہر  
موضع اندر پت کے وسیع میدان میں تھا جو شمالاً دلی دروازے تک پھیلا ہوا تھا جو رل کنگم نے  
ہمایوں کے مقبرے کو اندر پرستھ کی جنوبی حد قرار دیا ہے اور شمالی حد فیروز شاہ کا کوٹلہ لیکن  
اس میں یہ خرابی آن پڑی ہے کہ نگبود کا متبرک گھاٹ جو یہ مشرق کے بسائے ہوئے شہر کا جزو و کسمل  
تھا اندر نہیں آتا۔ کارسٹیون صاحب اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ ”اندر پرستھ کی شمالی حد  
موجودہ دلی کے شمالی اور جنوبی حدود کے درمیان تھی اور روایت کے لحاظ سے اس کا موقع  
دریہ کا بازار شمالی مشرقی سہرا قرار ہوتا ہے جو وسط شہر میں ہے“ بہر حال کوئی بات ٹھکانے  
کی دل کو لگتی سمجھ میں نہیں آتی۔ جتنے منہ آتی ہی باتیں و توہ کے ساتھ دو ٹوک رائے قائم

کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی سودا ہی نہیں غیب کی باتیں خدا ہی جانے۔ اور حیب یہ حالت ہی تو اس سوال کا جواب کیا دیا جاسکتا ہو کہ اندر پرستھ لال کوٹ کے برابر تھا یا پرستی راج کے قلعے سے چھوٹا۔ مسٹر وکیل نے جو کیفیت ہستنا پور کی لکھی ہو وہ من و عن اندر پرستھ پر بھی صادق آتی ہو۔ ہستنا پور چند جھوپڑوں کا ایک شہر تھا جس میں کچھ اینٹ کے مکان بھی تھے اور ایک محل بھی اینٹوں ہی کا بنا ہوا تھا وہ بظاہر مستحکم و مضبوط تھا۔ اس میں زیادہ تر آبادی کانٹھکال مزدوروں۔ پیشہ دروں پھر فاقوں اور چھوٹے چھوٹے دکان داروں اور امراء کے ہمراہوں کی تھی۔ اندر پرستھ میں جو کچھ تیر ہوا۔ ہوتے تھے ان کی تفصیل تو مہاراجہ میں ہو مگر اہل شہر کا بیان کچھ بھی نہیں۔ راج ستویا (خود مختار سلطنت کا اعلان) میں جب کہ بڑے بڑے مہان ہلائے گئے تھے اس میں بڑے بڑے و منزلہ عالی شان مکاؤں کا ذکر کیا گیا ہو جن کے بتاتے منوار نے اور آراستگی کے بیان میں بہت مبالغے سے کام لیا گیا ہو کہ اندر پرستھ کا سارا شہر فید مقدس کے گیتوں کے گانے سے گونج اٹھا تھا اور جو عجائبات اور غرائب اس موقع پر دکھلائے گئے ان سب کا ذکر ہو لیکن تعجب ہو کہ نفس شہر کی نوعیت کا کچھ بھی ذکر نہیں۔ یہ مشرط کی مختصر کامیاب زمانے میں اندر پرستھ کی چہل پھل اور رونق نے ہستنا پور کو جو مالک محروس میں دوم درجے کا شہر تھا بالکل بٹھا جایا ہوگا۔ مہاراجہ کی لڑائی کے بعد یہ مشرط مقرر و منصور مہاراجہ کی دریش کی دار السلطنت ہستنا پور میں داخل ہوا اور یہیں اس نے گھوڑے کی قربانی جو آئندہ ہندو کہلاتی ہو اور اسی جگہ راجہ یہ مشرط نے اپنی سلطنت کی اس طرح تقسیم کی کہ ہستنا پور تو اس نے راجن کے بیٹے پر گشت کو دیا اور اندر پرستھ و مصرت رہ مشرط کے بیٹے جٹو سو کو دیا۔

## نگبودھ گھاٹ

### اور دروازہ

بربنائے روایت جتنا کہ کنارے دو مقام ایسے پتلا سے جاتے ہیں جو قدیم اندر پرستھ کی باقی ماندہ یادگار ہیں۔ ایک تو نگبودھ گھاٹ اور دوسرے نیلی چھتری کا مندر۔ یہ مشرط کے زمانے میں اس گھاٹ کی کیا حالت تھی خدا ہی بہتر جانتا ہو

جس کے دست قدرت میں سلطنتوں کا قلع قمع ہو۔ لیکن یہ جو کہا جاتا ہو کہ گھاٹ سلیم گڑھ سے ظاہر تھا اور اس زمانے کے وہی شہر کے نگبودھ دروازے کے پاس تھا صحیح معلوم ہوتا ہو۔ گھوڑے کی قربانی کے بعد اسی جگہ راجہ یہ مشرط نے درہوم، کی رسم ادا کی تھی۔ ہوم اہل ہندو کی ایک بڑی بھاری اور متبرک مذہبی تقریب ہو جس میں دیوتاؤں کو گھی شکاری اور جڑی بوٹی

تہذیب گھاٹ بلوچو





چڑھائی جاتی ہے۔ اہل ہندو کے معتقدات کے موافق پانچ ہزار برس گزرے کہ مرہا یکایک تمام مقدس کتابوں کے مضامین بھول گیا مگر جوں ہی اُس نے جنما جی میں غوطہ لگایا سب باتیں جوں کی توں اُسے از براوتنازہ ہو گئیں اور یہی نگبودھ کی وجہ تسمیہ ہے۔ نغم سے مراد ہے وید اور بودک پر معنی علم۔

اب اس گھاٹ پر قدیم زمانے کی کوئی عمارت بھی باقی نہیں ہو اور جو ہیں وہ زمانہ حال یعنی ڈیڑھ سو برس کے اندر زبردستی کی ہیں۔ سیکڑہ میں ہندوؤں کو یہاں عمارتیں بنانے کی جاؤت دی گئی تھی اور نگبودھ دروازے سے شمال رخ پر گیلہ گھاٹ کی وہی عمارتیں ہر جگہ کوئی تیس گز تک اور جنوب کی طرف دریا کے موڑ تک موجود ہیں جہاں پہلے کلکتہ دروازہ تھا۔ کلکتہ دروازہ بھی اب نہیں رہا بلکہ اُس کو ٹور کے ریل کی سڑک کے دو کٹوڑ ٹ بنا دیئے ہیں اور ایک تھقی لگا دی ہے جس پر انگریزی میں :-

*Former site of Calcutta gate 1852*

یعنی کلکتہ دروازے کی جائے سابقہ ۱۸۵۲ء لکھا ہے۔ نگبودھ دروازہ شہر کی تفصیل میں اپنی اصلی حالت پر موجود ہے اور اُس پر اُس کا نام کندہ کر دیا گیا ہے۔ نئے گھاٹوں چھوٹے چھوٹے پنختہ سنگین منڈپ بنے ہوئے تھے جن کی دو جانب دیواریں تھیں اور دریا کی طرف سیرطھیاں یہ منڈپ کچھ مسلسل یا باقرینہ نہ تھے۔ کوئی چھوٹا کوئی بڑا۔ بے ڈھنگی طور پر کہیں پاس پاس کہیں دور دور۔ اب گھاٹ اور منڈپ سب ٹوڑھاڑ کے برابر کر دیئے گئے۔ نہ ڈھنگ لالے رہے نہ بے ڈھنگ۔ نگبودھ دروازے کے جنوب میں مرگھٹا ہے جہاں اب تک مردے جلائے جاتے ہیں اور مردے کو اس دروازے کا جو بہت مقدس ہے درشن دکھایا جاتا ہے۔

شہر کے غدر سے پہلے جہاں مردے جلائے تھے اُس مقام کی دیوار کا نشان اب تک موجود ہے اب اس جگہ ایک احاطہ کھینچ کر محصور کر دیا گیا ہے نگبودھ گھاٹ پر روزانہ صبح کو ہندوؤں کا بڑا مجمع ہوتا ہے ہر اتوار کو اور ہندی مہینوں کی چودھویں پندرہویں تاریخ اور جب تک سورج ”ورگو“ میں رہتا ہے اور اور کار تک کے پورے مہینے میں اور گرہن کے زمانے میں۔ دیوالی۔ دسہرے پر۔ رتھ جاترا۔ جنم اشٹمی اور نمک چودس پر یہاں بڑا میلہ لگتا رہتا ہے۔

نگبودھ دروازے سے کوئی پانچ منٹ کے رستے پر بجانب جنوب لپ دریا سلیم گڑھ کے شمالی دروازے اور بہادر شاہی دروازے

نیلی چھتری

۹۹  
۶۶



رہو دوں اب ہند میں) سے کوئی تیس قدم کے فصل سے نیلی چھتری ہو۔ اس کے قرب و جوار میں ہوم یا لگ کر کے بعد راجہ یہ عمارت نے ایک مندر بنایا تھا جس کا اب صرف نام ہی رہ گیا ہو۔ اب جو عمارت کھڑی ہو وہ تو یقیناً اُس زمانے کی نہیں ہو لیکن ہندو کہتے ہیں کہ اہل مندر پانڈوؤں کے وقت بنا تھا اور ہمارا خیال بھی اسی کی تائید کرتا ہو کہ ہونہ ہو یہ ہو مندر ہندوؤں ہی کا کیوں کہ لپ دریا ان گراہل ہندو ہی کے معابد ہوا کرتے ہیں ہاں یہ بات دوسری ہو کہ وہ اتنا قدیم نہ ہو کہ پانڈوؤں کے زمانے سے منسوب کیا جاسکے اور کسی زمانہ ما بعد میں ہندوؤں نے بنایا ہو۔ اگر ہمارا یہ خیال صحیح نہیں ہو اور جیسا کہ کہا جاتا ہو کہ ہمایوں بادشاہ نے یہ چھتری دریا کی سیر و دیکھنے کے لیے بنانا بنائی تھی تو بھی یہ ماننا پڑے گا کہ اس چھتری پر جو چینی کی لٹیشیں لگی ہوئی ہیں ہونہ ہو وہ ہندوؤں کے کسی اور مندر یا عمارت سے اٹھا کر لگائی گئی ہیں اور اسی سبب الٹ پلٹ جانی گئی ہیں اور ان میں جو جانوروں وغیرہ کی صورتیں اب تک بنی ہوئی موجود ہیں وہ بھی الٹ پلٹ ہیں کسی کا دھڑ کسی اور کے سر سے جوڑ دیا گیا ہو اور پل پتوں کی موزہ نیت میں بھی نقص آگیا ہو۔ زیادہ تر قرین قیاس یہی ہو کہ یہ ایک قدیم مندر ہندو کا تھا جیسا کہ زمانہ بھی ہو اور ہمایوں بادشاہ نے اپنے عہد <sup>۱۵۵۶ء</sup> میں اُسے توڑ پھوٹ کر لپ دیا ایک تھریج گاہ بنائی ہو جس کی چھت کے گنبد پر کسی اور پرانی عمارت کی چینی کی انٹیں لاکر جا دیں۔ پنڈت بشمبر ناتھ صاحب اور ان کے ساتھ جنرل کننگھم کی رائے ہو کہ مندر کی موجودہ عمارت مرہٹوں کی بنائی ہوئی ہو جو انھوں نے اپنے دئی کے چند روزہ قبضے کے زمانے میں بنوائی تھی۔ <sup>۱۷۶۱ء</sup> میں جہانگیر بادشاہ دارالخلافہ آگرے سے کشمیر جاتے دئی تشریف لائے تو انھوں نے اس مندر پر ایک کتبہ نصب کیا اور کشمیر سے دو برس بعد جب شہنشاہ حامی اللہ عالم دین نے مراجعت فرمائی تو یہ انھار اقدان قدم مینت نزد سے اس مقام کو عزت بخشی اور حکم صادر فرمایا کہ بادشاہ کا کتبہ لکھا اب یہ دووں کتبہ مرقعہ پر نہیں ہیں خدا جانے کیا ہو دے۔ لیکن آثار الصنادید میں موجود ہیں جن پر سے ہم نقل کرتے ہیں۔

اللہ اکبر
برہمہ حضرت جہانگیر شاہ اکبر
عجب پر فیض ہے کامر رعیت
نشین گاہ جلالت است
مسئلہ جلوس جہانگیری ہوا

## کتبہ اول

یا فتاح
دئی کہ بادشاہ ہفت کشور نور الدین
جہانگیر بادشاہ غازی از دار الخلافہ
آگرہ متوجہ سیر کشمیر جنت نظیر بودند
ایں مطلع را بردبان المہام بیاں گزاریدند

## کتبہ دوم

اللہ اکبر
ہایوں شاہ ابن شاہ ابر
کہ اسل پاکش از صاحب قرانیت
۱۶ جلوس مبارک
جہانگیری موافق ۱۰۳۰

یا نا صبرا
پہوں آل شہنشاہ گیتی پناؤ شیر دلہنڈیر
مراجعت نمودند واپس مکان فیض رساں
نزول اجبالا فسر نمودند حکم کردند کہ
ایں مطلع را نیز نقش نمایند

خلاصہ کلام یہ کہ موجودہ مندر کسی قدیم عمارت کی جگہ بنا ہوا ہے۔ یہ مقام کسی وقت میں ہایوں بادشاہ کا تفریح گاہ بھی رہا ہے۔ پھر یہ نہیں معلوم تھا کہ دوبارہ ہنود کے قبضے میں کس طرح اور کس وقت آیا۔ ہاں یہ ممکن ہو کہ مرہٹوں نے اپنے چند روزہ دور دورے میں اہل ہنود کے تفویض کر دیا ہو اور یہی عام خیال بھی ہے۔ اس سڑک پر سے جو سلیم گڑھ سے نیلی چتری کو جاتی ہے صرف مندر کی راؤٹی نہ چھت نظر آتی ہے۔ مندر کا پچھواڑہ سارے کا سارا سڑک کے پشتے میں گھٹا ہے اور چھت کی نری چوٹی ہی چوٹی دور سے جھل جھل کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ مندر چودہ فٹ مربع ہو جو ایک خوشما اور چوڑے دونٹ اوپنچے چوترے پر واقع ہے۔ چھت کے اوپر نیلی زرد۔ سبز رنگ کی چینی کی اینٹیں لگی ہوئی ہیں جن میں بعض پر پھول بنے ہوئے ہیں بعض پر چاند پرند مثل گائے اور مور وغیرہ کی شکلیں اور انسانی تصویروں لیکن ایسے بے ڈھنگے پن اور لاپرواہی سے کسی نے ان اینٹوں کو جایا ہو کہ آدمی کا دھڑ مور کی دم سے جوڑ دیا ہے اور مور کی گردن کسی اور ہانور سے ملا دی ہے کسی چڑیا کی دم کو لے جا کر پھول میں ٹھونس دیا ہے جس سے عجب دل لگی معلوم دیتی ہے۔ غرض کوئی اینٹ جگہ سے نہیں ہے۔ میرے دیکھنے میں تو یہ بے تمیزی بھی اس عمارت کی کس سپرسی کی حالت میں ہوئی ہے ورنہ کیا ممکن تھا کہ ہایوں جیسے جلیل القدر بادشاہ کی تو ہو تفریح گاہ اور۔ جہانگیر جیسا مذاکت پسند و ہاں خود گیا ہو اور اس بے ڈھنگے پن کو رو رکھا ہو۔ غالباً ہوا ہے کہ چھت گر گئی ہوگی یا مرمت طلب ہو گئی ہوگی۔ انٹیلو کے پٹے پڑا یہ کام۔ انھیں اتنی تمیز بھی نہ تھی۔ انھوں نے اپنا سلیقہ دکھایا۔ جیسے کسی شیخ نے کہا تھا ”جاٹ رے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ“ جاٹ نے کہا شیخ رے شیخ تیرے سر پر کھوٹو شیخ نے کہا واہ تمک سے ٹمک تو بلا ہی نہیں۔ جاٹ نے گالی دے کر کہا پٹانہ لو بو جھوں تو مرے ہی گا۔ چوترا جس پرستون کھڑا ہے چاروں طرف نہیں ہو بلکہ اس کا پچھلا چوتھائی حصہ

سڑک میں آگیا۔ ستون کے اُس رخ پر جو سڑک کی طرف ہی اُس پر بھی چینی کی رنگین اینٹیں لگی ہوئی ہیں اور دوسری طرف دریا کے رخ پر بھی چمک دار رنگین پتھر لگے ہوئے ہیں جن پر پھول پتے اور نقش و نگار ہیں۔ ستون کے مشرقی طرف زیادہ جتنے پر چینی کی اینٹیں منبت کام کی جڑی ہوئی ہیں اور جا بجا صاف اور مچلی پتھر بھی لگے ہوئے ہیں اور مغربی رخ پھولوں اور نقش و نگار کے پتھروں سے آراستہ ہے۔ مجھے تو یہ خواب کی باتیں معلوم دیتی ہیں وہ ستون تو ضرور ہے مگر بالکل سپاٹ نقش و نگار اور رنگ و رنگ سب فق ہے۔ مندر سڑک سے اتنا نیچا ہو گیا ہے کہ بالکل حوض معلوم دیتا ہے پندرہ سیڑھیاں اُتر و جب اُس گھن میں پونچو۔ مندر کا ایک کمرہ ۴۰ فٹ مربع اور ۱۰ فٹ اونچا ہے۔ اب یہ حالت بھی قائم نہیں صرف دو در کا ایک بالکل معمولی مندر ہے۔ یہ عمارت ایک بالکل معمولی پتھر کی بنی ہوئی ہے جس کے دروازے ۵۔ ۶ فٹ بلند اور ۲۔ ۳ فٹ عریض ہیں۔ مندر کی داہنی طرف ایک کوٹھڑی چوڑی کے رہنے کی ہے۔ مسجد کے وسط میں ایک رنگٹا ہے جس پر غلاف پڑا رہتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سی مورتن سنگ مرمر کی ہیں۔ اب نہ سنگ مرمر کی مورتنیں۔ مسجد کی پیچیدگی کی دیواریں ایک طاق ہے جس میں شام سے چراغ جلا دیا جاتا ہے۔ مندر کی جو حالت کارشیون صاحب نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۷۰ء میں لکھی ہے اُس میں اور اب میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ اب ایک فوارہ مندر کے داہنی طرف کی کوٹھڑی میں ہے جو چوڑی کے رہنے کے جواب میں ہے اور صحن میں کنواں ہے جس کا ذکر اوپر نہیں آیا۔ دیکھنے سے یہ بعد کے بنے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔

کوئی عالم میں نہیں شہر بان دہلی  
ہوئے پر بھی سوا عرش سے شان دہلی

اندر پرستہ اہل منہو کے  
نقطہ خیال سے۔

یہ امر مخفی نہیں ہے کہ شہر دہلی تاریخ ہند میں ہر زمانے میں مشہور رہا ہے اور یہ کہ وہ روئے زمین کے تمام شہروں میں

اپنی قدرت کے اعتبار سے سبقت لے گیا ہے۔ یہ وہی سرزمین ہے جہاں یہ عرش  
۱۔ لکھنؤ کے نقوی معنی علامات یا نشان کے ہیں۔ دکن میں ایک قوم شکایت اسی سے موسوم ہے کہ وہ ایک گول پتھر ایک کپڑے  
میں باندھ کر پاندی میں منڈھ کر گلے میں ڈال دیتے ہیں جو روٹا کے قائم مقام ہوتا ہے۔ ۱۲۔

۳۔ یہ ترجمہ اُس مختصر انگریزی رسالے کا ہے جو سلاطین کے کاروبار میں اور باہر پٹور راندر پتھر کی قدیم تاریخ کے مباحثہ اور حیا پٹت ہائے ۴۔  
۵۔ لکھنؤ کو ساسی دہلی نے کہا تھا۔ مہنا میں مندر ہے رسالہ کا ماخذ ان کے والد پٹت کوٹھڑی پٹت کوٹھڑی کے کوٹھڑی کے ڈاکٹر  
جنگوان لال اندھی کی آثار قدیمہ کے مشہور ماہر کی کتاب ہے۔ اس رسالے کو ڈاکٹر جے۔ بی۔ لنچ۔ وگل۔ قائم مقام ڈاکٹر جے۔ بی۔ لنچ۔  
جی۔ لکھنؤ فرمایا اور چونکہ اُس نے سالہر کی اس میں تفصیل ہے پسند فرمایا۔ ۱۲۔

مہاراج نے مہابھارت کی بڑی بھاری لڑائی سے پانچ ہزار برس پیشتر "تاریخ سویا بھون" کی تقریب کی تھی۔ پھر تو سیکے بعد دیگرے ہندو راجہ ہوں یا مسلمان بادشاہ سب ہی نے تو اس مقام کو مختلف ناموں سے اپنا دار السلطنت بنایا۔ کھنڈوی پوری - اندر پرستھہ - یوگنی پوری - کلہن پوری - کٹی پوری - ڈٹی پوری - دلی - شاہ جہان آباد - دہلی - یہ سب نام اسی مقدس خطے کے تو ہیں۔ منہدم عمارات کے بے شمار کھنڈر - گنبد - مقبرے اور دیگر عمارات ان فرماں رواؤں کی شان و شوکت و عظمت و جبروت کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں ویدہ عبرت کو ہندوؤں - بدھ مت والوں اور مسلمانوں کی باقتدار سلطنت دولت اور ثروت کا چپے چپے پر پتہ لگتا ہے۔ علاوہ اس کے یہ مقام ابدال آباد سے اہل ہنود کا ایک بڑا محترم و مقدس تیرتھ گاہ رہا ہے۔ بدیں وجوہ ہندوستان بھر میں اس سے بہتر - اس سے زیادہ مناسب اور موزوں تر مقام ہمارے شہنشاہ ذی جلال و کرامت پنجم خلد اللہ ملکہ و سلطنت کی تاج پوشی کی مبارک تقریب کے لیے ہونیں سکتا تھا کیوں کہ شہر دلی کے واسطے یہ کچھ پہلا ہی اعزاز نہ تھا بلکہ وہ تو ایسے ایسے جشن کا مرکز بار بار ہ چکا ہے۔ اب میں اس شہر کی ایک مختصر تاریخ اہل ہنود کے نقطہ خیال اور ان کی مذہبی اور منسک کی کتابوں سے لکھنی چاہتا ہوں جس سے یہ بات ظاہر ہوگی کہ زمین کا وہ ٹکڑا جس پر یہ شہر بسایا گیا ہے کیسا مقدس اور متبرک ہے اور خدا نے چاہا تو ایسا ہی تاقیام روزگار رہے گا۔ اندر پرستھہ کی قدیم تاریخ بے حد دل چسپ ہے مسلسل متواتر تبدیلیاں جو اس کی حالت میں ہوئی ہیں ایک گھناؤسے جنگل جو دین دار یعنی - زاہد و پرہیزگار ریشیوں کی ریاضت کے لیے مخصوص تھا جس کو مہاراجہ سدرشن نے ایک شان دار شہر کی شکل میں بنایا تھا لیکن پھر وہ انقلاب روزگار سے دیباہی گنجان جنگل ہو گیا اور وہی ریشی لوگ پہلے کی طرح سے اس سرزمین پر رہنے بہنے لگے۔ دوسری مرتبہ پھر اس کا نصیب جاگا اور ایک شان دار تبدیلی عمل میں آئی جس کا دل چسپ تذکرہ کلیکا پڑان میں موجود ہے اور اس سے زیادہ ہوسٹ و مفصل بیان اندر پرستھہ مہاتما میں ہے جو تاریخ کو حال کے زمانے کے لگ بھگٹ نچا دیتا ہے اس خطے کی قدرتی مناسبت ہے کہ یہاں کی خاک سے بڑے بڑے نامور - بڑے بڑے

یہ ایک بہت بڑی قربانی ہے جو کوئی بڑا راجہ اپنی تاج پوشی کے وقت کرتا ہے اور جس میں دوسرے باج گزار بھی شریک ہوتے ہیں - ۱۲

مشاہیر پیدا ہوئے اور اسی اندر پرستہ کو اس بات کا بھی فخر حاصل ہو کہ باوجود زمانے کی بڑی بڑی گردشوں اور انقلابات کے اس سرزمین نے متعدد نام آور فرما دیے۔ مقدس بزرگ دین دارماتا۔ مشہور صنایع۔ ایسے ایسے پیدا کیئے کہ جن سے یہ خطہ اگلے زمانے میں ہمیشہ ممتاز رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہو کہ شاید اس زمین میں کوئی فوق العادت غیر معمولی تاثیر ہو کہ جسکی وجہ سے سلاطین ماضیہ کا دل اس کی طرف بلا قصد کھینچا جاتا تھا کہ انہوں نے اس شہر کو اپنے قبض و تصرف میں لینے کو ایک بہت بڑا اور بھاری فرض خیال کیا۔ ایسے شہر کے عجیب و غریب انقلابات کا مختصر بیان بے موقع نہ ہو گا اور ذیل میں ہم کلیہ کا پُران کے باب ششم اور اندر پرستہ ہما ثنیاً کا لٹ بہاب دیتے ہیں :-

پہلے وقتوں میں اندر پرستہ کھنڈ وڈن یا اندراوٹن کے نام سے مشہور تھا۔ اس رستی کو چند رنبی خاندان کے راجہ سردرشن نے ایک خوب صورت شہر بنانے کے کھنڈوی پوری نام رکھا۔ شہر بنانے کے لئے راجہ نے جنگل کو کٹوا یا درندے جانور نکلا دیے اور ایسا صاف کر دیا کہ عابدوں اور زاہدوں کے لئے کوئی کوتاہ نہ رہا۔ یہ پوری رستی (قرب قریب سو یوین تولی تھی اور (۳۲) یوین چوڑی تھی۔ سردرشن نے اپنے سارے معاصر راجاؤں کو مغلوب کیا اور لاتعداد دولت زر و جواہر جمع کیا۔ راجہ نے لوگوں کو کھنڈوی جا کر بسنے کی ترغیب و تحریض کی۔ اُس نے وہاں بہت سے درخت اور بڑی بوٹیاں کندھرو لوگ اور سوورگ (دہشت) سے لاکر لگائیں۔ اندر کو سردرشن کی شان و شوکت پر حسد ہوا اور کاشی رنارن کے راجہ ویجایا کو اُس سے لڑائی کرنے کو ابھارا۔ راجہ ویجایا بڑا بھاری لشکر لے کر راجہ سردرشن آن چڑھا اور بڑی گھمسان لڑائی کے بعد راجہ سردرشن کو اپنے گرو سے ہلاک کیا۔ راجہ کے مارے جانے سے اُس کی فوج تتر بتر ہو گئی اور کھنڈوی پر راجہ ویجایا قابض ہو گیا۔ سردرشن خزانہ زر و جواہرات کے ڈھیروں سے معمور تھا اور سر ہنگام محلات کھڑے تھے سوا لاکھ یہ دولت و خشت دیکھ کر ویجایا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور وہ سمجھا کہ ہونہ ہو جو تو امر پور (جنت کا ٹکڑا) زمین پر آج آیا ہو۔ اندر نے راجہ سارے دیوتاؤں کا سردار تھا، راجہ سے کہا کہ تمہیں کچھ خبر بھی ہو کہ یہ جگہ دیوتاؤں اور گندھروں کی تفریق کا جسکے لئے مخصوص تھی اور اس میں مٹی لوگ تپش کرتے تھے۔ تمہارے شایان حال یہ ہو کہ کھنڈوی کو اُس کی حالت صحرائی پہنچا دی گئی۔ جب اندر کی یہ بات سنی تو اُس کے دل کو بھی لگ گئی۔ راجہ نے تمام باشندوں کو حکم دیا کہ

جہاں تہارا دل چاہے اور جہاں ہمارے سینگ سمائیں چلے جاؤ یا میرے ساتھ میری راج دہانی کو چلو اور جن جن راجاؤں سے سرشن نے روپیہ پیسہ لیا تھا سب واپس کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ کھنڈوی اچوڑ کر پھر جیسے کہ دیسا بڑا بھاری جنگل ہو گیا۔ دیوتا اور گندھرو پھر وہاں خوش فعلیاں کرنے لگے اور سالہا سال اس کا یہی حال رہا۔ سنو دھری سن بیٹا اور پدا پرا جہاں ایک جزو اندر پرستہ مانتا ہی اُس میں یوں لکھا ہو۔

اندر نے ایک مرتبہ یجن کرنے کا ارادہ کیا اور وہ اپنے گرد برہمپتی سے ایسی ایک جگہ کے متعلق جو اس رسم کے لیے معتبر اور مناسب ہو استمراں کیا۔ برہمپتی نے یجن کے واسطے جہاں کے کنارے ایک خوشنما اور مقدس مقام کھنڈوین کا پتہ دیا۔ اندر اپنے گرد کے ارشاد کے موافق جہاں کے کنارے پونپا اور یجن کی طیاری شروع کی۔ تمام دیوتاؤں اور رشیوں کو دعوت دی گئی اور سب بطیب خاطر اس مذہبی رسم میں شریک بھی ہوئے۔ وہاں داری کا انتظام اندر نے ایسے اعلیٰ پیمانے پر کیا کہ یہ سب لوگ

اس قدر مسرور ہوئے کہ اپنے زہد و تقویٰ اور تقرب الی اللہ کی برکت سے اس مقام پر یہ مختلف مقدس خطے منتخب کر دیئے۔ مگھوودھ (مگھ = وید = بودھ = علم و گناہ) میر و مکترا کتا ہو کر برہما نے ویدوں کی تقدیس نہیں کی۔ راج گھاٹ۔ سب تیرتھوں سے برتر پریاگ (الہ آباد) کی طرح کا جہاں کے کنارے اشنان کے لیے ایک گھاٹ جولال قلعے کے جنوبی رخ پر ہو۔ وڈیا پورا۔ جواب چاندنی چوک بازار میں ٹیل کا کٹرہ

کہلاتا ہو۔ چنانچہ شاہ جہاں بادشاہ کے فرمان میں چونڈت بانکے رائے صاحب کے ہاں موجود ہو اس امر کا تذکرہ ہو کہ یہ مقام کاشی (بنارس) کی طرح مقدس اور

دارالعلم تھا۔ یہاں ایک قدیم مندر مہادیو کا ہو جو پرانے زمانے میں دثویشور کا مندر کہلاتا تھا۔ برہاڑی جس کا صحیح نام بڑھڑاڑی ہو ایک موضع ہو دلی کے شمال میں

جہاں کے کنارے جس کے متعلق مہا بھارت میں لکھا ہو کہ یہ وہی جگہ ہو جہاں بھگوان کرشن اور کالیندی کی شادی کی مبارک رسم ادا ہوئی تھی۔ یہاں بھی مہادیو کا ایک پڑانا مندر ہو جو

جو کھنڈیشور کے نام سے مشہور ہو۔ اس مندر کے اطراف اب تک بھی پرانی عمارت کے کچھ حصے زمین میں دبے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد سے اندر پرستہ نے کیسے کیسے فاسف پدے اُن کا ذکر مہا بھارت میں

یوں آیا ہے :- اس بات کو اب کوئی پانچ ہزار برس ہونے آئے کہ کھنڈ واوانا جس کا نام اندر کے یجن کے بعد اندر پرستھہ پڑ گیا تھا) کو یہ مشٹر کے بہادر بھائی ارجن نے جلا کر خاک سیاہ کر دیا تھا۔ غین اسی مقام پر یہ مشٹر نے خود ایک نہایت خوب صورت شہر بسایا اور اُس کا نام بھی اندر پرستھہ ہی رکھا۔ اسی شہر میں یہ مشٹر کے لئے مادیوں نے ایک بہت خوب صورت ناوہ اور عالیشان محل بنایا جس کا پھیلاؤ پانچ ہزار مربع ہاتھ تھا اور جو آسمان سے ہاتیں کرتا تھا۔ اس محل کے بے شمار ستون سونے کے تھے۔ وہ وسیع - خوشنما اور فرحت بخش تھا۔ اُس کے در و دیوار سونے کے تھے جس میں انواع و اقسام کی تصاویر تھیں اور اس قدر صرف کثیر اور اس خوبی سے بنایا گیا کہ خود برہما کے محل پر بھی وہ سبقت لے گیا تھا۔ اس کے محافظ کے لئے آٹھ ہزار جبری اور قدآور سپاہی مقرر تھے۔ اس محل کے اندر ایک عجیب و غریب تالاب بنایا تھا جس میں کنول کے پھول ایسے تھے کہ جن کی پتیاں اور ڈٹھل جواہرات کے تھے اور دو سکے آبی بھولوں کے پتے بھی سونے کے تھے۔ جس کی صاف و شفاف سطح آب پر انواع و اقسام کے پرند خوش نمایاں کرتے نظر آتے تھے۔ تالاب میں خود بھی بالیدہ کنول کے پھولوں - مچھلیوں - سنہری کچھوؤں سے جگمگا رہا تھا۔ پانی اس کا نہایت شفاف تھا یہاں تک کہ تہ میں کچھڑ کا نام تک نہ تھا تالاب کے چاروں طرف سنگ مرمر کی جڑاؤ سلیں جن میں بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے لگی ہوئی تھیں۔ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اس تالاب کو اس طرح آراستہ پیراستہ اور جواہرات سے جگمگاتا ہوا دیکھ کر ایسے محو حیرت ہو جاتے تھے اور باوجودیکہ اُن کی آنکھیں کھلی ہوتی تھیں پھر بھی اُسے محل سمجھ کر گر گر پڑتے تھے۔

اسی محل میں ایک اور طلسماتی تالاب تھا جس کی تہ پوری تھی اور جس کے کناروں پر پچھکاری نہایت نفیس کام تھا۔ یہ تالاب مذکورہ بالا محل کے گرد ایک پرستان کے طور پر تھا۔ اس میں مصنوعی جنگل لگایا گیا تھا جس میں سے نہایت عمدہ خوشبو آتی تھی اور انھیں درختوں کے جھنڈوں میں بڑے بڑے اوپے ہرے ہرے سایہ دار سدا بہار درخت تھے۔ یہ سارا کارخانہ شفاف پتھروں کے فرش اور مصنوعی کنول کے مختلف اقسام کے تراشے ہوئے پھولوں کا ایسا مکمل اور مغالطہ وہ تھا کہ ساجہ دریو و من



جیسا واقف کار شخص بھی دعو کا کھا گیا اور جب آیا تو پانی سمجھ کر جھٹ پانچے چڑھایے کہ بھیگ نہ جائے جس پر ایک خوب تمقہ لگا۔ اس میں شیشے ہی کے دو قسم کے دروازے تھے کوئی کھلے کوئی بند۔ جو کھلے تھے وہ ایسے دکھائی دیتے تھے گویا کہ بند ہیں اور جو بند تھے وہ کھلے معلوم دیتے تھے۔ محل کے گرد سرسبز اور ہرے بھرے شاداب درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ پھلوں سے لے ہوئے جن کی ڈالیاں بوجھ سے زمین پر لوٹ رہی تھیں اور جن کی خوشبو سے سارا محل ہلک اٹھا تھا۔ اس تمام عمارت کے اطراف ایک نہایت چمک دار سفید شفاف اعلیٰ کی دیوار تھی جس میں تمام جو امرا تہہ ہوئے تھے اور جا بجا چمک دار رنگ تھا جس کے سامنے آنکھیں چمک مچاتی تھیں۔ یہ بڑا بھاری عجیب و غریب فلک فاعل ساری آرائش و ساز و سامان سمیت چودہ مہینے کے اندر ہی اندر بن کر طیار ہو گیا۔ محل طیار ہو جانے پر راجہ پدم حشر نے دس ہزار برہمنوں کو انواع و اقسام کی اغذیہ لذیذ اور اشربہ لطیف ایسی ایسی کھلائیں کہ ان کا دل بھر گیا اور سب کو غیر معمولی نئی فنی پوشاکیں نفیس پھولوں کے ہار اور ایک ہزار گائیں دیں۔ تب کہیں راجہ نے اپنے چاروں بھائیوں بھی سین۔ ارجن۔ نگولا اور سد اشو کے ساتھ محل میں قدم دھرا۔ پہلیانوں۔ کرتبی لوگوں نقالوں۔ لڑائی کرنے والوں۔ بھاٹوں۔ مداحوں نے اپنے اپنے ہنر اپنے اپنے کرتب اور جو ہر دکھلا کر ہمارا دل خوش کیا۔ راجہ پدم حشر نے بھی مختلف قسم کے مزا میر اور نہایت عمدہ خوشبو و عطریات و منورات کے ساتھ دیوتاؤں کی پوجا کی بلکہ کے مختلف حصوں کے بہت سے طاقتور اور دولت مند راجہ بھی پدم حشر کے

لے آیا ہی واقعہ کہ بقیس قرآن شریف کی سورہ نمل بھی ہو۔ قیل لہا اذ خلی الصرح فکلماتہ  
حسبہ جتہ و کشف عن ساقیہا۔ قال لہ صرح ممتد من فی رایتہ قال  
سایتہ ایتی حکمت نفی و اسکت مع سلیمین علیہ رب العالمین۔

ترجمہ۔ کہا گیا کہ آپ محل میں تشریف لے چلیے۔ تو جب اس نے محل میں شیشے کے فرش کو دیکھا تو اس کو پانی سمجھی اور دوہاں سے گزرنے کے لیے اس طرح پانچے اٹھائے کہ اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں (سیمان نے) کہا۔ میں (بھی) شیشے (ہی) جوڑے ہوئے ہیں جب اس کو اپنی غلطی اور بے سامانی پر تنبیہ جو (اور) لگی (خدا کی بارگاہ میں) عرض کرنے کہ اسے میرے پروردگار میں جو اتنے دنوں آفتاب پرستی کرتی رہی اس سے میں اپنا ہی نقصان کیا اور اب میں سیما کے ساتھ ہو کر اللہ رب العالمین پر ایمان لائی ہوں



ساتھ شریک تھے جیسے کہ فرشتے برعکاس کے ساتھ رہتے ہیں۔ جب پانڈویوں جم گئے تو اسمانی رشی نرودان کی مجلس میں آیا اور مذہبی اور ملکی معاملات پر ایک طول طویل گفتگو ہونے کے بعد اس نے صلاح دی کہ تمہاری طرح کی ہر طاقت اور فرماں روا کا یہی فرض صین ہو کہ وہ راج سویا کی قربانی کرے۔ مقدس نردکا یہ مشورہ سننے کے بعد بڑے رشی و نصیحا اور سری دیاس وغیرہم نے بھی یہی صلاح دی تب سری کرشن چندر ہماراج نے پیشتر کا ایما لیا کہ کس طرح اس بڑی قربانی کی تقریب کا آغاز اور سرانجام کرنا چاہیئے اور یہ تقریب صرف وہی ایک شخص کر سکتا ہو جس کی حکومت چار داتاگ عالم میں ہو اور تمام ریکز مین کے بادشاہ اس کا سکہ مانتے ہوں۔ اس دیرینہ آرزو کو حاصل کرنے کے لیے پدمشتر نے اپنے چاروں بھائیوں کو لشکر جبار دے کر چاروں طرف دوڑا یا۔ بھیسین نے گدھ دیس کی طاقت و جبر سب کو مغلوب کر لیا جو ستر را جاؤں کو نیچا دکھا کر قید کرنے کے بعد خود ہماراج بنا تھا بھیما نے بڑی بھاری اور سخت لڑائی کے بعد جو سبندھا کو قتل کر کے اُن ستر را جاؤں کو جو اس کے پاس قید تھے چھڑا یا اور اپنے بھائی کی راج سویا یجن کی تقریب میں شرکت کی دعوت دی اور واپسی کے وقت اپنے ساتھ بے شمار دولت درو جو اہر لاکر سارے کے سارے پدمشتر کے سامنے رکھ دیئے۔ علی ہذا دوسرے تین بھائی بھی بڑے بڑے را جاؤں سے لڑے اور اُن کو مطیع و منقاد کیا یا یہ کہ اُن کے حکمت علی سے مصالحت کر لی اور اُن کی طرف تحفے تحائف اور خراج بشکل سونا چاندی۔ جو اہرات۔ زیورات۔ موتی۔ گھوڑے۔ ہاتھی۔ خچر۔ بیل۔ طرح طرح کی چڑیاں اور انواع و اقسام کی دوسری اشیاء لائے اور ان سب کو جشن راج سویا یجن میں مدعو کیا۔ جب چاروں بھائی چاروں طرف مظفر منصور فائز المرام ہو کر آئے تو اُنھوں نے تمام مال خزانہ پدمشتر کی خدمت میں پیش کر دیا۔ تب کہیں جا کر سری کرشن چندر ہماراج کی دیرینہ جشن کی تیاری شروع ہوئی۔ محلات شاہی کے احاطے کے باہر اُن کثیر التعداد مہمانوں کے آرام و آسائش کے لیے جن کو دعوت دی گئی تھی مکانات بنائے گئے جن کے دروازے اور کھڑکیاں تک سونے کی تھیں جن پر سونے کے تاروں کا جال تنا ہوا تھا اور ان مکانوں کے باجوا اندر موتیوں کی لڑیاں لٹک رہی تھیں۔ یہاں سیر صیاں چلی جاتی اور اس انداز سے بنائی گئیں تھیں کہ چڑھنے اترنے میں بارہ ہونے میں پہر

نہایت قیمتی (قالین) اور دریوں کا فرش تھا۔ ان مکانوں کا ہر ہر کمرہ عمدہ اور قیمتی ساز و سامان سے سجایا گیا تھا۔ لونڈیاں۔ ہانڈیاں۔ غلام۔ کھانے پینے کی انواع و اقسام کی اشیا۔ عمدہ عطریات اور خوشبوئیں۔ نقاویر۔ ہار۔ پھول (گلہ سٹے) سب ہی کچھ تھا۔ طباطبائی کا صیغہ راجہ کے سب سے چھوٹے بھائی سداشیو کے تفویض تھا۔

ایک جگہ خام انبھاس کی ماپ تول ہوتی تھی اور ایک دوسری جگہ پخت دہن ہوتی تھی اور اور ایک تیسرے مقام پر سنکڑوں باورچی اور خدمت گاران کھانوں کی تقسیم میں مصروف تھے جو بلحاظ اپنی نفاست کے دیوتاؤں کے قابل تھے کھانا ہر دہے کے آدمیوں کو

لذیذ اور سونے کی ہی رکابیوں میں دیا جاتا تھا۔ آبنوشی کے لیے مختلف مقامات پر کنوئیں اور تالاب کھدوا دیئے گئے تھے بہت سے راجہ۔ رؤسا۔ امراء اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے مختلف کاموں پر تعینات کیئے گئے تھے۔ سری کرشن چندر نے اپنے لیے یہ خدمت پسند کی کہ وہ رشیوں اور برہمنوں کے چرن دھلانے (کی سعادت حاصل کرتے) تھے۔ جو دن جشن کے لیے مقرر تھا اس روزیہ شہر ہماراج ایک بے نظیر

شامیانے میں سونے کے تخت پر براجم رہے تھے سٹیک کی چھتر تھامے ہوئے تھا اور مورچھل راجہ کے بھائی جھل رہے تھے۔ ذی تربت گرو دیاس نے مذہبی رسوم ادا کیں اور اس پانی سے جو تمام روئے زمین کے مقدس دریاؤں اور سمندروں سے جمع کیا تھا

اصطباغ دیا۔ سینکڑوں بڑے بڑے رشی وید کے تراشے گارہے تھے۔ دھومیاچن ڈکھیا اور دوسروں نے مل کر وہ چاول پکائے تھے جو اس تقریب سے مخصوص تھے اور جو دیوتاؤں پر چڑھائے گئے۔ مختلف بلاد و اعمار کے بڑے بڑے راجہ ہماراج

سے کُرش (جس سے غالباً رکس مراد ہے) چین۔ نکا۔ برہما۔ ترکستان۔ افغانستان و امثالہم مختلف دور و درازا قطاع سے آئے تھے جن کا شمار اور انحصار باعیش

تطویل ہے۔ ان سبھوں نے ہماراج یہ شہر کے حضور میں زور و زلفہ جو اہرات۔ زیور۔ مروارید۔ ہاتھی۔ گھوڑے۔ خچر۔ بیل۔ اونٹ۔ آئینہ قیمتی اپنے اپنے ملک کے نوادرات بے شمار قسم کے ہتھیار۔ جین۔ خوب صورت ہانڈیاں۔ دس علی ہذا اپنے اپنے مراتب اور شان کے موافق قسم قسم

کی چیزیں پیش کیں جو تحائف قبول ہوئے وہ ہر قسم کے تعداد یا وزن یا کیل میں ہزار سے کم نہ تھے۔ شاہزادہ دربار میں اپنے والد (بزرگوار) ہماراج و ہریت راجہ کے ساتھ آیا تھا۔ جو ہماراجی دربار کی باہر تھا

شش پال چیٹری کا راجہ دوسرے عزیز قریب سب جمع تھے۔ بالکلے پشمار بادشاہ راجہ سردار جمع ہوئے تھے۔ پھر اس کے بعد رتبہ پر بہمنوں۔ چھتریوں اور ویشوں کا تھا اور نیز معزز ذوی علم شہور لوگ خاص طور پر مدعو کیے گئے تھے۔ لیکن شہوروں کو صرف اس جگہ جہاں کہ متبرک مذہبی رسم ادا کی گئی تھی باریابی کا موقع نہیں ملا۔ اٹھیا سی ہزار بہمنوں کو روڈانہ کھانا کھلایا جاتا تھا۔ نیز دس ہزار ستیا سیوں کو روڈانہ محل میں بلا کر طبق ہائے طلائی میں پروسا جاتا تھا۔ محتاج جنا براہ راست خاص ہمارائی صاحبہ کی زیر نگرانی تھا۔ ہمارائی صاحبہ کا یہ دستور تھا کہ جب تک کہ ہنگڑوں۔ لالوں۔ اندھوں۔ مفلوجوں۔ گھبروں اور اسی قسم کے معذوریں اور پابجوں کو کھانا نہ کھول دیتی تھیں آپ نعمت نہ توڑتی تھیں۔ بڑے بزرگ شرو کی مذہبی منڈلی رپارٹی (الگائی) تھی جس کے صدر وہ تھے اور جس کا منڈپ جدا گانہ تھا جس میں بڑے بڑے مقدس بزرگ۔ بڈھے اور جوان حیات و موات اور اسی قسم کے دوسرے علمی مسائل پر مباحثہ اور طبع آزمائی کرتے کہ جس سے حقار کو علاوہ دل چسپی اور سرور کے ان کے علم و تجربے کو بھی مستندہ فائدہ پہنچتا تھا۔ سینکڑوں راجاؤں۔ امراء و رؤسا کہ ایسے بڑے شان دار جمع میں ایک انوس نامک واقعہ بھی ہوا کہ من جلد مدعو فرماں رواؤں کے ایک شخص اسی موقع محل پر جان سے مار ڈالا گیا۔ اس سانحے سے سارے کے سارے لوگ انگشت بہاں اور حقیر ہو گئے لیکن کسی ایک نے بھی چوں نہ کی شش پال چیٹری کے مقتدر راجہ اس بات پر کچھ حد معلوم ہوا کہ رخصت کے وقت سب سے اول سری کرشن کی پوجا کی گئی اور شش پال کو غصہ آگیا اور اس نے کچھ نامناسب الفاظ سری کرشن چندر اور دوسرے راجاؤں کو بھی کہہ ڈالے۔ جس پر سری کرشن نے جوابی مباحثی اس راجہ کو بے چین کیا تھا شش پال کا سر غم کر دیا۔ جس سے یہ بھی جھلانا مقصود تھا کہ یہ حشر صرف ایک بڑا راجہ ہی نہ تھا بلکہ وہ ایک غمناک اور مطلق العنان فرماں روا بھی تھا۔ اس تقریب میں رانیاں بھی رونق بخش تھیں۔ ہمارائی دروہی ملکہ کے قائم مقام تھی۔ اور دوسری رانیوں نے بھی تمام مراسم میں شرکت کی۔ اس تقریب کے اختتام پر یہ حشر نے نہنجیر ہائے نیل جمیست سواران و بیدل کا ملاحظہ بھی فرمایا۔ یہ ایک بڑا بھاری اور عظیم الشان جلسہ تھا جس میں نیل نشین اور اسپ سواروں کی کروڑوں کی تعداد تھی لاکھوں رتھیں اور گاڑیاں اور بے شمار بیدل جمع تھے جن کو سارے باج گزار راجہ کے قرابت داری والے اور سلطنت کے

دوست احباب اپنے اپنے ساتھ لائے تھے۔ ڈنگل اور تماشہ گاہیں بھی بنائی گئی تھیں۔ مختلف اقطاع ملک سے ہلو ان اپنی کشتیوں کے کرتب دکھانے آئے تھے نامی گرامی طوائفوں میں اُروسسی اور رنچھا کے سوا اور بھی بہت سی تھیں جن کے کھانے بجانے کا بڑا لطف رہا اور مجلس کو بڑا حفظ ملا۔ چتر سین اور دو سکھ گویئے اور کلانوں نے بھی اپنے عمدہ عمدہ راگوں سے بہت ہی محفوظ کیا۔ یہ تقریب اور جلسے برابر ایک سال تک رہے۔ فرد کے مشورے سے ہمارا جید مشہور رعایا بریاد پر صنفی مل مراجم و عوطف خسروانہ مہذول کیں۔ نہریں اور تالاب کھدوائے گئے تاکہ رعایا بارش سہادی کی محتاج نہ رہے۔ غلے کے انبار خالی نہ رہ گئے۔ تجارت کا اعزاز و احترام کر کے مال تجارت کا محصول گھٹا دیا گیا۔ اس طرح راج سویا بجن کی تقریب مسعود بخیر و خوبی ختم ہوئی جس جگہ بجن کی تقریب ہوئی وہ وہی مقام بتلایا جاتا ہے جہاں کے اب لال تلے کے شمال میں نیلی چھتری ہو لیکن صرف لوگوں کی کہن ہی جس کا ہمارے پاس کوئی وثیقہ نہیں۔

ہندوؤں کی دلی مسلمانوں کی دہلی  
انگریزوں کی ڈہلی

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش  
من اندازِ قدتِ سامی شناسم  
دہلی کی قدیم تاریخ بوجہ اس کی قدامت کے  
ایسی کچھ پردہ خفایں ہو کہ اس گتھی کا سلجھانا  
بالکل ناممکنات سے ہے۔ اس وجہ سے ابھی تک ہم دہلی کی قدیم تاریخ کے متعلق بالکل خیالی  
چلاؤ پکڑ رہے ہیں اور محض تخیلات اور فرضیات سے کام لینے پر مجبور ہیں سرسمری انیسٹ  
جو محکمہ آثار قدیمہ کی رہ نمائی کی ہو کہ اندر پرستہ کی جگہ دلی نے کب لی یہ ایک سرپرستہ  
راز ہو جو باوجود عالمانہ تفصیل و تحقیقات کے بھی اب تک قابل اطمینان طور پر متحقق نہیں  
ہو سکا۔ اندر پرستہ کی جگہ دہلی نے کب لی کوئی اس نے انے کی تحریر تو دستیاب نہیں ہوئی لیکن  
تاریخی لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنہ عیسوی کی پہلی صدی میں اجین کے راجہ بکرماجیت نے  
اندر پرستہ پر اس وقت حملہ کیا تھا جب کہ وہ کماؤں کے راجہ سکونت کے قبضے میں تھا اور  
اس کو مار کر اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ مسٹر ٹیلیانز و جینکز کہتے ہیں کہ جب اندر پرستہ کو  
بکرماجیت نے راجہ کماؤں سے فتح کیا تو اس کے بعد سے ۲۷ صدیوں تک یہ مقام  
دارالسلطنت نہیں رہا۔ پھر اس کو راجہ اننگ پال نے از سر نو بسایا تب سچا اندر پرستہ

کے اس کا نام دلی پڑا۔ بہر حال اس امر کا یقینی طور پر فیصلہ کرنا ناممکن ہو کر راجہ کماؤں سے متبرع کرنے کے بعد اس خطے کا نام دلی پڑا یا کسی ایسے واقعات کی بنا پر جن سے تاریخ ساکت ہو تہما اول ایام اور امتداد زمانے سے راجہ ہشٹر کی دارالسلطنت کا اصلی نام مٹ کر دلی ٹھیکر گیا۔ یہ ہم نے مانا کہ بکراجیت کے قبض و تصرف سے پیشتر دلی کا نام کہیں سنائی نہیں دیا۔ یہ زمانہ شہ کے قریب کا قراپاٹا ہو اور اسی زمانے کے ہندوستان تاریخی حالات یونانی مورخوں نے لکھے ہیں مگر ان کے کان دلی کے نام سے آشنا نہ ہونے کی کوئی وجہ وجہ نہیں پائی جاتی۔ اس کے بعد بھی زمانہ مابعد کے مسلمانوں کے حلوں میں جو عیسوی گیارہویں صدی میں ہوئے ان میں نہ کہیں دلی کا ذکر ہو نہ آجین کے راجہ بکراجیت کے دارالخلافہ رہنے کا اسی طرح نہ دلی طاقت ور گپتا خاندان (۳۱۹ء تا ۵۴۸ء) کی راج دہاتی رہی نہ قنوج کے بڑے سلاطین (۵۵۰ء تا ۵۶۵ء) کا دارالخلافہ رہی۔ چینی سیاح فابی آن (Fa Hian) اور ہیون تنسینگ (Hwen Thsang) جو اس ملک اور اس نواح میں ۶۳۰ء تا ۶۴۵ء میں آئے تھے ان کو دلی کی خبر تک نہیں۔ نہ دلی کوئی اس قدر مشہور مقام تھا کہ محمود غزنوی کو ہندوستان کے حلوں کی رغبت دلاتا۔ مشہور مؤرخ البیرونی نے دسویں صدی کے آخر میں مسلمانوں کی حالت کا بہترین خاکہ کھینچا ہو اور وہ کسی برس ہندوستان میں رہا بھی ہو چنانچہ سلطان محمود غزنوی کے حملے کے زمانے میں وہ سنسکرت پڑھ رہا تھا اسکی قلم سے بھی کہیں دلی کا نام نہیں نکلا (از تاریخ سٹرا لیٹ جلد اول ص ۱۱۱)۔ اس نے قنوج۔ ماہورہ (متھرا) تھانیسرا کا ذکر البتہ کیا ہو اور قنوج سے مختلف مقامات کا فاصلہ بیان کرتے وقت میرٹھ۔ پانی پت۔ کیتھل تک کے نام گنوائے ہیں مگر دلی کا اس نے بھی نام نہیں لیا۔ سلطان محمود غزنوی کے زمانے کے مؤرخ عقیلی مصنف "تاریخ ہینی" نے بھی خاص دلی کا کوئی ذکر نہیں کیا حالانکہ دلی کے پاس پاس کے چار مقامات غزنویوں نے لڑے ٹپے جیتیے جتنا پانے ہوئے کا ذکر کیا ہو۔ متھرا کے محاصرے اور قنوج کی فتح کا بھی ذکر ہو مگر دہلی کا ذرا سا بھی حوالہ نہیں۔ مورخین اور سیاحوں کے طرہ عمل سے ہم کو اس نتیجے پر پہنچے بغیر گور نہیں ہو کہ محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملے کرنے تک دلی کسی شمار قطار میں نہ تھی جو قابل تذکرہ سمجھی جاتی۔ اگر اس کا وجود اس زمانے میں بالعرض رہا بھی ہو گا

تو ایک گم نامی کی حالت میں کوئی چھوٹی موٹی بستی رہی ہوگی تو یہی ہوگی۔ قبل ازیں کہ ہم دہلی کی آبادی کی جگہ کا تعین کریں جو ایک نہایت مختلف فیہ امر ہو پہلے تو ہم اس کی وجہ تسمیہ کی مختلف روایات اور اس کے بانیوں کے حالات پر ایک اجمالی نظر ڈالنی چاہیے۔ یہ خیال کہ دہلی راجہ دیپ کی بسائی ہوئی ہو اب بالکل مسترد ہے۔ یہ مسلم ہو کہ اندر پرست دہلی سے کہیں پہلے کا آباد شدہ تھا۔ بریں ہم یہ خیال بھی کہ دہلی کو راجہ پیمشٹر کے آباد اعداد نے آباد کیا تھا ناقابل قبول ہو اور مسٹر بنگلہ (Bengal) کا یہ خیال کہ دہلی اور اندر پرستھ دونوں شہر زمان واحد میں آباد تھے تاریخی نقطہ نظر سے نظر انداز کرنے کے قابل ہو۔ یہ بھی غیر معتبر روایت ہے کہ دہلی کو قننوار خاندان کے راجپوت راجاؤں نے ۹۱۹ ق۔م میں آباد کیا تھا۔ اور دہلی کا ماخذ ہندی کا لفظ ”ڈھیلی“ یعنی وہ مقام جس کی سرزمین ایسی پختی اور نرم تھی کہ میخ نہ ٹھیکر سکتی تھی بھی کچھ بوں ہی چلتی سی بات ہو۔ تیسری روایت یہ ہو کہ قنوج کے ایک راجہ کا نام دیلو تھا جس کے مقبوضات میں ایک مقام دہلی بھی تھا جہاں کا گورنر سروپ دت نام تھا اور جس نے اندر پرستھ کے ویران شدہ مقام پر ایک شہر آباد کیا جس کا نام اپنے راجہ کے نام پڑیو رکھا۔ اس روایت کی تائید میں مشہور شاعر امیر خسرو کا یہ شعر نقل کیا جاتا ہے ۵

یا نامک اسپہم بخش یا از غور بفر بار گیر  
یا بفر ماں دہ کہ گردوں نشینم و دیورم

لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ راجہ دیلو ۱۲۸۰ ق۔م میں تھا جس کا ہم عصر کماؤں کا راجہ پورنس تھا جس نے اُسے مغلوب کر کے دہلی فتح کی۔ ان وجوہ سے یہ امر بہت قریں قیاس ہو کہ دہلی کسی راجہ کی بسائی ہوئی ہو لیکن اس کے آباد کرنے کے حالات اسے قائم کرنا تب بھی مشکل ہو۔ جنرل کننگھم کہتے ہیں کہ دہلی کا نام پہلے پہل کماؤں کے راجہ کے زمانے میں زبان پر آیا جو دہلی کا فاتح تھا اور آگے چل کر اسی سے اجین کے راجہ نے فتح کی۔ اس واقعے کے متعلق چار مختلف روایتیں ہیں۔

(۱) کماؤں کے راجہ پورنس کا دیلو کو فتح کرنا۔ (۲) کماؤں کے راجہ سکونتا کا راجہ راجپال سے دہلی کو فتح کرنا۔ پھر ان دونوں کو راجہ بکرماجیت کا مغلوب کرنا۔ جنرل کننگھم کی رائے میں یہ دونوں فکلیں ایک ہی واقعے کو ظاہر کرتی ہیں۔ (۳) دہلی کے راجہ

نیلگھا پتی کو ایک راگھو نسی راجہ نے جس کا نام سکھند راج تھا مغلوب کرنا جس کو آگے چل کر راجین کے راجہ بکراجیت نے مغلوب کیا۔ (۳۴) ہند کے راجہ رسل کو ایک باغی نے معزول کیا اور باغی کو بڑھکنی آرن (Barnack) نے راجہ پورس اور ویلو کے واقعے کو ضربۃ القلوب سے نقل کیا ہے۔ غرض یہ کہ شہر دہلی کی بنا کی مختلف تاریخیں مختلف ذرائع سے معلوم ہوتی ہیں لیکن اس مقام پر جنرل صاحب کی رائے کی تنقید کی جاتی ہے جو بادی النظر میں قابل وثوق نہیں چنانچہ خود جنرل صاحب کو بھی اپنی رائے پر پورا بھروسہ نہیں ہے۔ صاحب موصوف اور یحان کی رائے بیان کرتے ہیں کہ بکراجیت جس نے کوہی راجہ پر فتح پائی اس بکراجیت سے جبرک سمت مشہور ہے جو ششہ کے مطابق آن کے پڑتا ہے (۱۳۵) برس کے بعد راجہ ہوا۔ پہلا بکراجیت اور سالیواہن جس نے سکے کا رواج دیا ایک ہی شخص ہے۔ راجہ بکراجیت فاتح کی طرح سالیواہن نے بھی نوے برس سلطنت کی اور ششہ میں جو اس کے سمت کا شروع سال تھا شکست پائی۔ جنرل صاحب اس زمانے سے کچھ پہلے دہلی کی بنا کا زمانہ قرار دینا زیادہ مناسب خیال کرتے ہیں ششہ قیم جو بکراجیت کا زمانہ ہوتا ہے اور جسے مورخ فرشتہ نے بھی لکھا ہے ہمارے خیال میں بنا دہلی کے لئے واقفیت سے زیادہ بعید نہ ہوگا۔ دہلی کس مقام پر بسائی گئی اس امر میں بھی ہندوستانیوں اور جنرل صاحب کی رائے میں تین اختلاف ہے۔ ہندوستانی یقین کرتے ہیں اور روایات بھی یقیناً انھیں کی موند ہیں کہ قدیم دلی اسی جگہ بنائی بنائی گئی تھی جہاں کا آجڑا ہوا شہر اندر پرستھ کا پہلے سے موجود تھا اور جب دلی کو دوبارہ راجہ انگ پال نے دجو راجپوتوں کے تنوار خاندان کا مورث تھا آباد کیا۔ تو وہ مقام وہ تھا جہاں کہ اب پڑنا قلعہ ہے۔ لیکن جنرل صاحب کی رائے یہ ہے کہ پرانی دلی اندر پرستھ دونوں بالکل جدا گانہ شہر تھے جن کے مابین پانچ میل کا فاصل تھا۔ پرانی دلی کو وہ اس پہاڑی پر بتلائے میں جہاں مشہور لوہے کی لاٹ ہے جو غالباً قدیم دلی کی یاد گار ہے۔ اب اس امر کا تصنیف ایک مشکل کام ہے کہ کون سی رائے زیادہ دقیق ہے۔ جو لوگ روایات متواترہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور گورنمنٹ کے کسی عہدہ دار کی رائے پر خواہ مخواہ ٹیکہ نہیں لگاتے ان کے نزدیک یہ بات کچھ بھی غلط نہیں ہے کہ پرانی دلی اندر پرستھ کی جگہ ہی بنائی گئی جو پہلے سے ایک بڑی بہاری سلطنت کا راج دہانی تھا اور راجہ انگ پال اول نے کچھ عجیب نہیں کہ نئے شہر کو از سر نو بنانے کے



مقابلے میں پڑانے شہری کے پھر آباد کرنے کو ترجیح دی ہو اور یہی ابو الفضل کی بھی رائے ہو اور اسی پر آگے چل کر تمام مورخین نے بھی اتفاق کیا ہو۔ سلاطین اسلام کی پرانی تاریخوں میں پرانے قلعے کو اندر پر پت بھی لکھا ہو۔ اس سے تو ہندوستانیوں ہی کی رائے مرجع قرار پاتی ہو۔ یہ ضرور نہیں ہو کہ لوہے کی لاٹ پرانی دلی کے بیچوں بیچ یا اس کے آس پاس ہی نصب کی گئی ہو۔ غالباً جنرل صاحب کا مقصد اس سے عارضی دلی ہو گا جس پر راجہ سکونت تیرہ سال قابض رہا اور بعد کو راجہ بکرماجیت نے فتح کر لی۔

اب رہی لوہے کی لاٹ۔ کون کہہ سکتا ہو کہ وہ اپنی اصلی جگہ پر اب تک قائم بھی ہو یا نہیں ہمارے علم کا یہ حال ہو کہ ہم آج تک اس کے بنانے والے کو بھی نہیں جانتے۔ اب جنرل صاحب کے استدلال سے بحث کی جاتی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ راجہ انگ پال ثانی نے سمت <sup>۱۱۱۱</sup> دلی کو دوبارہ آباد کیا کیوں کہ یہ بات خود اپنی ستون پر کندہ ہو اس سے ہم صحیح طور پر نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ دوبارہ آباد کی ہوئی دلی راجہ انگ پال اول دلی دلی تھی۔ اگر یہ مان لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جو آہنی ستون شہر کی آبادی کی یادگار میں بنایا گیا تھا وہ اعلیٰ اس مقام سے جسکی وہ یادگار ہو دور نہیں رکھا جاسکتا۔ پھر اگر انگ پال اول کے ہی سردار کے آباد کرنے کا سہرا رہتا ہو تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہو کہ اس نے پانچ میل کے فاصلے سے اسی نام کی ایک اور دلی بسائی ہو۔ اگر ہم جنرل صاحب کی رائے سے اتفاق کریں تو مورخین کی تمام روایات کو پس پشت ڈال دینا پڑے گا اور اگر ہم جنرل صاحب کی رائے کی تصویب نہ کریں تو ہم کو لازمی طور پر اس بات کا اعتراف کرنا ہو گا کہ انگ پال اول نے دوبارہ دلی بسائی اور نیز اس سے بھی اعراض کرنا ہو گا کہ انگ پال ثانی نے اسی جگہ از سر نو دلی آباد کی اور اس بھی کہ لوہے کی لاٹ اسی مقام پر کھڑی ہو جہاں کہ دلی آباد کی گئی تھی۔ حاصل اس تمام تقریر کا یہ ہو کہ رائے پتھوراکا تعلق دلی کی تاریخ سے بالکل غیر متعلق قرار پاتا ہو۔ یہ جو روایت مشہور ہو کہ بکرماجیت نے راجہ ساکا کو شکست دی تو اس کے بعد سے (۷۹۲) برس تک دلی بالکل چھوڑ دی گئی تھی اس بات کو اکثر مورخین نے بالاتفاق بیان کیا ہو اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہو کہ اس عرض مدت میں دلی پابند و راجاؤں کی دارالسلطنت نہیں رہی۔ بقول کرنل ٹاڈ آٹھ صدی تک دلی پر کوئی حکم راں نہ تھا اور گورمنٹ شمالی ہند سے جنوبی ہند میں منتقل ہو گئی تھی۔ اور یہی





قلعہ علی شاہ کے پیر

سیکنڈ ہونٹ فی اسٹ

۱۰۰ یارد

پلیٹری

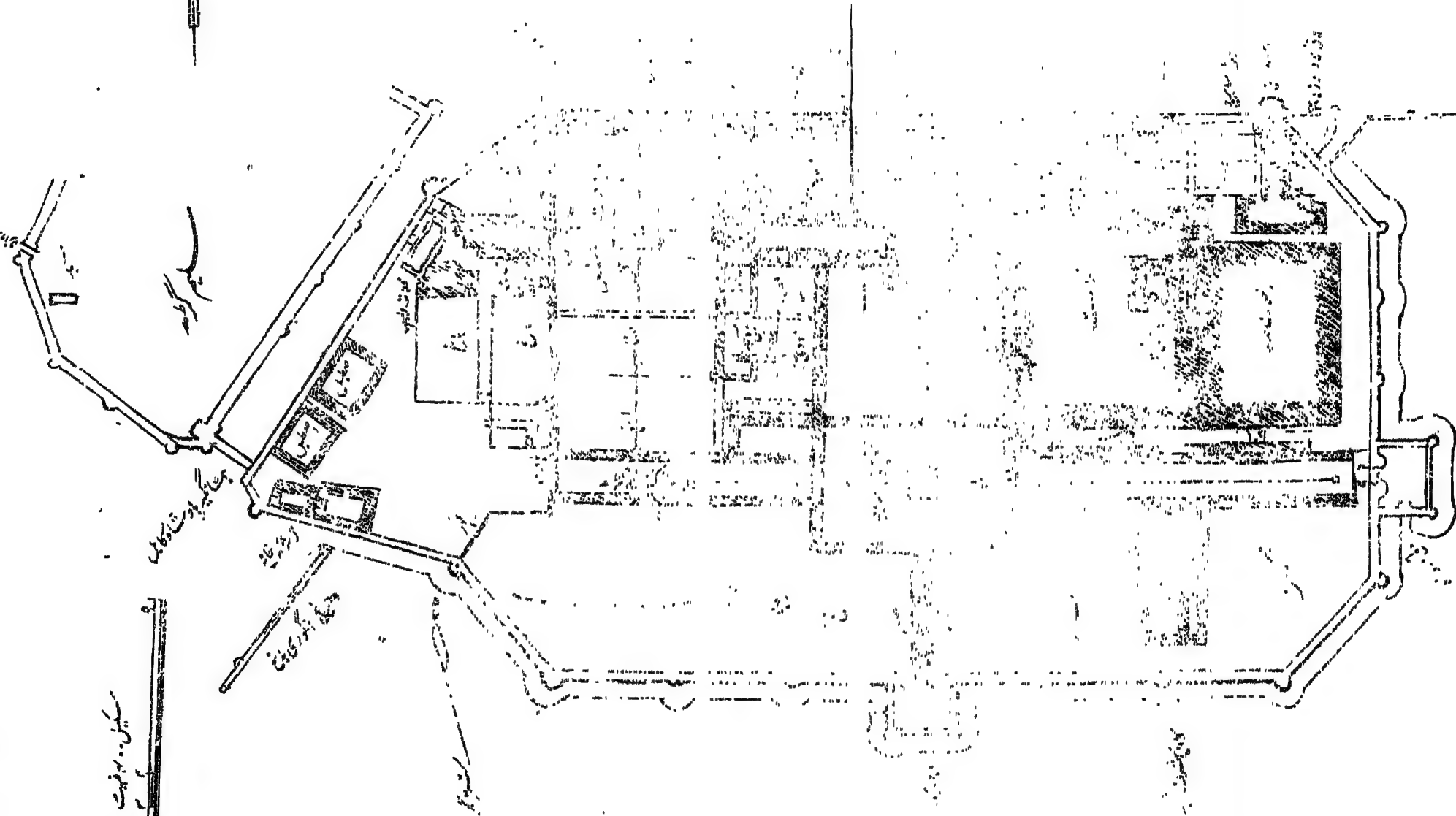
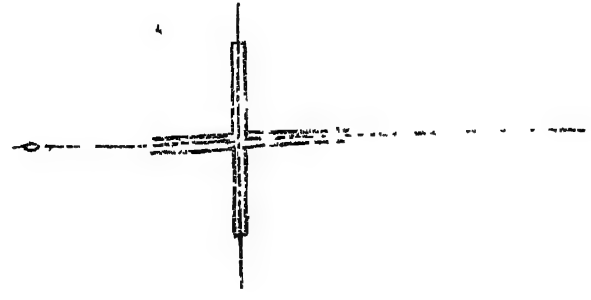
جنگیہ دشت بھلی

درخت

دھنیا گڑھ

لنڈم

لنڈم



پاس بتلاتے ہیں اور سرسید پرانے قلعے میں۔ (راجہ انگ پال) نے اپنے محل کے دروازے پر پتھر کے بنے ہوئے دو شیر بٹھلائے تھے اور انھیں کے پاس ایک گھنٹا بھی اس عرض سے لٹکایا گیا تھا کہ دادخواہ اسے ہلا دیں جس کی آواز سن کر راجہ لوگوں کی داد کو پونچھتا تھا۔ سرسید یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ شیر ۱۳۱۷ء تک موجود تھے لیکن آگے چل کر ان کا کیا حشر ہوا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ یہ بات بہت ممکن ہو کہ صحیح ہو کہ دلی راجہ انگ پال دوم کی دارالسلطنت تھی جس نے ایک ایسے پڑانے شہر کو جو اسی مقام پر پہلے بسا ہوا از سر نو آباد کیا لیکن ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ جب گیا رہویں صدی عیسوی میں سلطان محمد غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا تو دلی ایک ایسی معمولی بستی اور قعر گم نامی میں تھی کہ یا تو مسلمانوں کے کان اس کے نام سے آشنا نہ تھے یا یہ کہ انھوں نے دلی کا نام سنا ہو لیکن چوں کہ وہ ایک معمولی حیثیت کی بستی تھی خاص طور پر تذکرے کے قابل نہیں سمجھی گئی۔

لال قلعہ یا قلعہ مبارک

یا قلعہ شاہجہاں آباد

۱۰۲۸ھ

زہے قلعہ کا نذر بسا تین دی  
نہار دی بہشت ست بے گل ندی  
تو دش گل کو ہار سی دہ  
زستان نسیم ہار سی دہ

وگر کو تڑے بستہ بردانش

چو باغ ارم مایہ صدامید

فروختہ خاکش ز آلودگی

ہمیشہ در و ناز و نعمت فراخ

تو گوئی در او ز حضرا کشتہ اند

خیالے نہ بینہ بخسہ خرمی

طلسمے میان و جو و و عدم

کہ از سایہ اش گیر و اندازہ

بہشتی شدہ ہمیشہ پیرامنش

سودا ش ز بس سبزہ اشک بید

گرا بیندہ گردش ہا سودگی

ہمہ سال ریحان او سبز شاخ

ز غیش با ب زرا غشتہ اند

خرامندہ پر سبزہ آں زمیں

لب خندش بستہ از سحروم

جہاں راض و رست خیازہ

۱۰۲۸ھ کی بانی پت کی لڑائی اور لودھی خاندان کی تباہی کے بعد ہندوستان کا محل بادشاہ بابر آگرے میں جو اس زمانے میں دارالسلطنت تھا تخت نشین ہوا۔

بابر کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا ہمایوں بھی آگرے ہی میں اُس وقت تک رہا جب کہ  
 ۱۵۴۰ء میں اُسے شہر شاہ نے ہندوستان سے بدر کر دیا اور جب ۱۵۵۶ء میں  
 ہمایوں پھر ہندوستان میں آیا تو اُس نے دہلی میں قیام کیا اور صرف چھ مہینے سلطنت  
 کر کے یہیں انتقال کیا۔ ہمایوں کے بعد اکبر نے پھر آگرے کو دار السلطنت قرار دیا  
 اور دہلی میں ایک نائب السلطنت رہنے لگا۔ اکبر کے بعد جہانگیر بھی آگرے ہی میں رہا۔  
 جہانگیر کے بعد شاہ جہاں کی تخت نشینی کا جلوس بھی بڑی دھوم دھماکے سے اُس کے  
 جد امجد کے محل میں آگرے ہی میں ہوا۔ گیارہ برس کے بعد جب شاہ جہان کے بھوجم یئے آگرے  
 اور لاہور کے قلعوں میں گنجائش نہ رہی تو شاہ جہاں نے ولی کو دار السلطنت مقرر کرنے کا  
 قصد کیا اور کئی دفعہ شہر دیں پناہ کو دیکھنے گیا۔ بھومیوں اور علماء و مشائخین کے مشورے  
 سے یہ جگہ جہاں کہ اب لال قلعہ یا قلعہ کی تعمیر کے لئے منتخب کی اور پھر قلعے کے اطراف  
 شہر شاہ جہاں آباد کی بنا ڈالی۔ جس کو بالعموم دہلی کہا جاتا ہے۔ اور شاہ جہاں آباد میں الباقلعہ  
 بنوانا شروع کیا جو آگرے کے قلعے سے دو چند اور لاہور کے قلعے سے چند در چند  
 زیادہ ہو۔ بعد از دو ر پنج ساعت دوازده دقیقه از شب جمعہ ۹ محرم ۱۰۲۹ھ ۱۶۳۹ء ۲۴ رادی  
 بہشت الشہ ملک شاہی۔ ساعت سجد آوان محمود میں عروت خاں رجبہ ۱۰۵۵ھ  
 میں سندھ کا صوبہ دار رہا کے زیر اہتمام سنگ بنیاد رکھا گیا۔ کاربگروں میں سب  
 بڑے اُستاد احمد و حامد نامی تھے عروت خاں کے سپرد یہ کام پانچ مہینے دو دن رہا  
 جس میں اُس نے بنیادیں بھرادیں اور مال مسالاجع کیا تھا کہ سندھ جانے کا حکم ملا  
 جب عروت خاں سندھ بھیجا گیا تو قلعہ کا کام المردوری خاں کے سپرد ہوا جس نے  
 دو برس ایک مہینے چودہ دن میں قلعے کے گرد فصیل بارہ بارہ گز اونچی اٹھرائی۔  
 اس کے بعد الہہ وردی خاں جنگال کا صوبہ دار مقرر کیا گیا اور یہ کام مکرت خاں کے  
 تفویض ہوا جس نے نو سال کی نگاتار محنت سے سنہ ۱۰۲۵ھ جلوس شاہ جہانی میں تعمیر کا  
 کام حسن انتظام کو پونچایا۔ اُس وقت بادشاہ کابل میں تھا مکرت خاں سیر عمارت نے  
 پیشگاہ خداوندی میں غرضی گزرائی۔ تاریخ ۲۳ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ ۱۶۳۸ء بادشاہ سلامت

۱۰۲۸ھ قلعے کی بنیاد رکھنے کی تاریخ صحیح معلوم ہوتی ہے ۱۶۳۸ء  
 ۱۰۲۸ھ آثار الصنادید میں ایک قدیم تاریخ پر سے یہ تاریخ درج کی گئی ہے ورنہ کہتے کی رو سے دسویں ذی الحجہ

ہوا دار آبی پر سوار ہو کر جلوس شاہانہ سے قلعہ معلیٰ میں دریا کے دروانے جو غالباً خضریٰ دروازہ تھا تشریف فرما ہوئے اور قلعے کو ملاحظہ فرمایا سر سے پاؤں تک سنگ سرخ سے گل رنگ۔ اس پر سنگ مرمر کے ماسٹینے کا نرالا ڈھنگ۔ برجیاں فیصلیلین۔ مرغولیں خوشنما۔ عمارتیں اور باغ اور باغوں کی نہریں ایسی دل کشا کہ اگر بے مبالغہ بھی ایک ایک کی مفصل تفصیل کی جائے تو ایک دفتر آراستہ ہو جائے۔ کل قلعے کا نقش دیکھو تو کاغذ پر ایک ہشت پہلو پھول نظر آتا ہے دیوان عام میں دربار کا انعقاد مرکزِ خاطر اقدس ہوا۔ غرض جشن کا سامان شروع ہوا۔ دیوان عام کے سامنے وہ شامیانہ کہ جس کا نام ”دل بادل“ تھا اور دیوان خاص کے میدان میں ”سہا منڈل“ خیمہ ایسا وہ ہوا جیسے کلس خیمہ فلک کے پار نکلا جاتا تھا۔ یہ بھی سات برس کے عرصے میں تیار ہوئے تھے اور ہزاروں گز پشیمینے کشیر کے اور نخل زرباف گجرات کے اُن پر خیم ہوئے تھے۔ دونوں سونے کے ستونوں اور چاندی کے استادوں پر کہے تھے۔ اُن کے گوشہ شامیانے اعلیٰ اور زربافی۔ سنہری روپہلی چوبوں پر بنائے گئے۔ دیوان عالی جس طرح طلائی چھت کی مینا کاری سے گوناگوں تھا اسی طرح ایزنی قالین اور بنارس کی کھانوں سے بوقلمون تھے۔ صدر سے لے کر پانچواں کے ایک ایک مکان تک در و دیوار کو نخل۔ زرباف۔ باولہ و کنجاب۔ پردہ ہائے قرنگی۔ دیباے رومی۔ اٹلیس چینی سے لگا رخاں۔ چین کر دیا۔ صدر میں تخت طاؤس بچھا گیا۔ اور دربار بڑی شان و شوکت سے ہوا۔ برنیر سیاح نے اس قلعہ کے متعلق ۱۶۶۳ء میں لکھا ہے کہ ”قلعہ کی عمارت دور بلکہ نصف دائرہ کی شکل کی ہے۔ قلعہ پر سے دریا کا منظر (غوب) ہے۔ قلعہ اور دریا کے بیچ میں ایک بڑا تیللا میدان حاصل ہے۔ اسی میدان میں ہاتھیوں کی لڑائی (کاماتاش) ہوتا ہے۔ امرار جاگیرداروں۔ راجاؤں اور رؤساؤں کی افواج بغرض ملاحظہ خداوندی یہیں صف آرا ہوتی ہیں اور بادشاہ سلامت نشین میں برآمد ہو کر ملاحظہ کا شرف بخشتے ہیں۔ قلعہ کی تفصیل کے قدیم اور گول برج اسی وضع کے ہیں جیسے کہ شہر پناہ کے ہیں لیکن قلعے کے برج کچھ اونچے ہیں اور کچھ سنگ سرخ کے جو سنگ مرمر سے ملے جلتے ہیں۔ مگر ان کی شست زیادہ بہتر ہے۔“ قلعہ بے قاعدہ ہشت پہل شکل کا ہے۔ جس کے دو بڑے بڑے ضلعوں میں سے ایک مشرقی دریا کی جانب ہے اور دوسرا مغربی شہر کی طرف اور چھ چھوٹے چھوٹے ضلع شمال اور جنوب کی سمت میں ہیں قلعے کا دوز قریب قریب ڈیڑھ میل کے ہے۔

طول تقریباً تین ہزار فیٹ اور عرض بجانب دریا اٹھارہ سو فیٹ ہو۔ دریا کے طرف کی فصیل اگرچہ ساٹھ فیٹ اونچی ہو مگر قلعے کی زمین میں اس قدر بھرتی کی گئی ہو کہ اس فصیل کے ہم سطح ہو اور اسی سبب سے دریا کی طرف سے قلعہ اور شہر شاہجہاں آباد کا منظر عجیب خوش ناظر آتا ہو فصیل اور دریا کے بیچ میں ایک بڑا بھاری کوٹارہ بیت کا ہو جس پر کبھی پانی نہیں چڑھتا۔ دوسری طرف سے قلعے کو دو یکپے تو اسکی وسیع اور عظیم الشان سنگ شرخ کا فصیل۔ برج۔ دروازے۔ بھاری بھاری پشتے اور گہری خندق دیکھ کر دل ایک گہرا اثر عظمت اور جہروت کا آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہو۔ فصیل کو دیکھتے آسان باتیں کرتی ہو یعنی آٹھ ہزار جہروت کے سامنے قلعے کے اوپر ہو اور پاسے میں ہم عرض ہو اور آٹھ ہزار جہاں کہ مورچہ ہندی کا کنگو را ہو۔ خندق کو دیکھ کر ہیبت معلوم دیتی ہو جو ہمہ عرض اور ہمہ عمیق ہو۔ برنیر سیاح جو اورنگ زیب کے عہد میں اس ملک میں آیا تھا لکھتا ہو کہ ”قلعے کی فصیل بلندی اور استحکام میں شہر کی فصیل سے کہیں زیادہ ہو۔ قلعے کی طرف چھوڑ کر سب طرف پختہ سنگ بست خندق ہو جس میں ہر وقت پانی بھرا رہتا ہو اور پھلیاں خوش فعلیاں کرتی رہتی ہیں“ لیکن جیسا کہ برنیر کی عادت ہو کہ ہمیشہ اُس کی نگاہ عیب جو رہتی ہو ایک چلتا سا فقرہ یہ بھی لکھ مارا ہو کہ ”ایک معمولی سا توپ خانہ بھی فوراً سی دیہ میں اُس کو سمار کر کے زمین کے برابر ہو سکتا ہو“ میں کہتا ہوں کہ منہ سے کہہ دینا تو بہت آسان ہو لیکن کر کے دکھانا کا سہ وادہ خندق سے ملے ہوئے بڑے بڑے باغات ہیں جن میں انواع و اقسام کے ہرے۔ پھلے درخت ہیں اور طرح طرح رنگ رنگ کے پھول ہمیشہ کھلے رہتے ہیں جن کی سبز زاری اور پہاڑ سے دماغ کو تازگی اور دل کو سرور کا علاوہ ایک ایسا خوش نما اور دل چسپ نظارہ ہو کہ جس نے یہ سادیکھا ہو وہی اس کا کچھ لٹا کر سکتا ہو اب تو باغ کٹ کٹا کر ایک چٹیل میدان رہ گیا ہو

زیارتِ دل مجروح بلبلاں کر دم  
ہزار سال دریں باغِ آشیان کر دم  
من این معالم را کر دم و زیاں کر دم

باغِ رفیع و گل چیدم و فغاں کر دم  
بمن بگفت یکے بنندے کہن سائے  
وفا و عہد مودت نذل رخاں مطلب

اب سال گزشتہ رہے سہ درخت کٹا کر قلعے سے لے کر مسجد فتح پوری تک یعنی سارے چاندنی چوک کو سپاٹ کر دیا ہو کہ سایہ کا نام نہیں رہا۔ دلی کی سخت گرمی اور لوہوں میں

چیل انڈا چھوڑ دیتی ہو اور ہرن کالے پڑ جاتے ہیں۔ سرسک کے دو طرف سایہ دار درخت ایک نعمت غیر مترقبہ تھے۔ خدا جانے حکام وقت کی کیا صلت تھی کہ چاندنی چوک بازار جو عروس البلاد تھا یوں نوح کھسوٹ ڈالا گیا۔ اب سرسک چوڑی کر کے کنارے کنارے پھر درخت لگائے گئے ہیں مگر تاسال وگرمی کہ غور و درندہ کہ ماندہ ایک زمانہ چاہیے کہ اتنے بڑھیں کہ لوگ ان کے سائے سے مستفید ہو سکیں۔

گداے گوشت نشین تو حافظ محروس رموز ملکیت خویش خسرواں ماند

کما جاتا ہو کہ قدر کے پہلے تک ان باغوں کا کچھ کچھ حصہ باقی تھا مگر اب جو حالت ہو وہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ قلعے کے دو عالی شان سرسک دروازے مع پیش برجوں کے ہیں جن میں ایک دروازہ مغربی دیوار کے وسط میں ہو اور دوسرا فصیل کے جنوب و مغربی کونے میں قلعے کی جنوبی دیوار میں ہو ان دروازوں میں سے شہر کے لوگ آدورفت رکھتے ہیں۔ یہ دونوں دروازے (آٹا) بلند ہیں۔ یہ تو شہر کی طرف

کے دروازے ہوئے ان کے علاوہ اور دو چھوٹے دروازے بھی ہیں۔ ایک مشن برج کے پاس خضری دروازہ جو دریا کی طرف ہو اور دوسرا شمال رخ سلیم گڑھ کے پاس۔ ان کے بہنوہ دو کھڑکیاں بھی اور ہیں ایک جنوب مشرق کے کونے میں اسد برج کے پاس دوسری شمال مشرق کے کونے میں شمالی دروازے اور شاہ برج کے کچھونچ

فصیلوں پر مورچے بندی کا نگوارا ہو جس میں اکیس چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں جن میں سے سات گول اور باقی بہشت پہلو ہیں۔ قلعے کے مصارف کا تخمینہ ایک کروڑ روپیہ کیا گیا ہو جس میں سے نصف رقم فصیلوں میں لگی اور بقیہ نصف اندرونی عمارات میں۔ بعض لوگوں نے صرف پچاس ہی لاکھ کا تخمینہ لگایا ہو جو بلحاظ وسعت و استحکام عمارات کم معلوم دیتا ہو۔

لیکن کہتے ہیں بھی یہی رقم درج ہو جو غالباً صرف عمارات کی معلوم ہوتی ہو باقی خراج تعمیر فصیل وغیرہ کا غالباً اس میں شامل نہ ہو گا۔ برنیر صاحب لکھتے ہیں کہ قلعہ جس میں محلات

اور دوسری شاہی عمارات ہیں لب دریا ہو۔ حد فاصل ماہین قلعے اور دریا کے

ایک ریتلا میدان ہو اسی میدان میں ایک دفعہ برنیر ہاتھیوں کی لڑائی میں ایک ست

ہاتھی کی دوسے بال بال نکل گیا۔

لاہوری دروازہ | قلعے کے سب دروازوں میں سے اسی دروازے سے سب  
وکتور یا گیت ۱۶۳۹ء



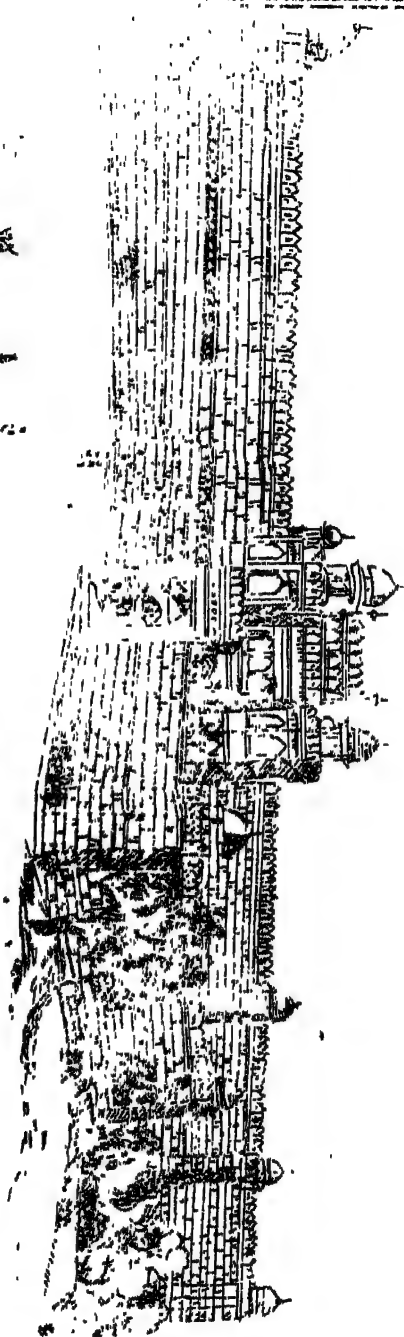
دیوہ آمد و رفت ہو کیونکہ دہلی کے مشہور بازار چاندنی چوک کی طرف ہو۔ اور نگ زیب بادشاہ نے دروازے کے سامنے گھوگس یعنی پیش برج یا گھونگٹ کی دیوار بنوا کر دروازے کی پوری حفاظت کر دی۔ اگرچہ دروازے کا رخ بجانب مغرب ہو مگر پیش برج میں جانے کا راستہ جس کے نیچے گہری خندق ہو شمال کی طرف ہو۔ اس دروازے کے پیش برج کے سامنے ایک تھلی دار پل تھا اور ایسا ہی دئی دروازے کے سامنے بھی تھا جسکو اکبر ثانی نے توڑا کر ۲۵ چوڑا بختہ اور سنگ بست پل بنوایا جس کی محراب پر یہ کتبہ ہو

هوالمغنی

۱۲۲۷ھ در عہد شاہ جہاں محمد اکبر شاہ بادشاہ غازی صاحب قرآن ثانی باہتمام دلاور الدولہ راپرٹ باقصر سن بہادر دلیر جنگ پل فیض منزل تعمیر یافت یہ گھونگٹ کی دیوار ایک مربع قطعہ زمین کو محاط کئے ہوئے جس کی دیوار گنگورے سمیت چالیس فیٹ بلند ہو۔ مغربی دیوار کے کونوں پر برجیاں ہیں جن پر سنگ مرمر کے کلس ہیں۔ گھونگٹ کے اندر جانے کا ایک محراب دار دروازہ چالیس فیٹ اونچا اور چوبیس فیٹ چوڑا ہو جس کی بلندی اچالے کی دیوار سے آٹھ فیٹ زیادہ ہو جس پر مورچہ بنایا گنگورہ جس کے دونوں طرف سنگ سرخ کی دو پتلی پتلی میناریں دس فیٹ اونچی ہیں۔ لاہوری دروازہ نہایت بلند اور محراب دار ہو۔ اس کی بلندی اکتالیس فیٹ اور چوڑائی چوبیس فیٹ ہو۔ یہ دروازہ سہ منزلہ ہو جس پر مشن شکل کے کمرے بنے ہوئے ہیں ان میں قلعے کے یورپین عہدہ دار رہتے ہیں اور نیچے گارڈ کے لوگ غدر سے پہلے قلعے کی فوج کا کمانیر انھیں میں رہتا تھا۔ ۱۷۷۱ء میں جب کہ اکبر شاہ ثانی کے لاڈلے فرزند نے مسٹر (Seton) روڈنٹ دہلی کی جان لینے کا قصد کیا تب ہی سے گارڈ مقرر کیا گیا۔ برجونہشت پہلو پھرتیاں بنی ہوئی ہیں۔ برجون کے سنگوروں کے نیچوں بیچ دروازے کا درمیانی ننگرا ہو۔ دروازے کے بالائی گنگورے کی منڈیر پر ایک قطار سنگ سرخ کی تین تین فیٹ اونچی کھلی ہوئی محرابوں کی جو جن پر سات چھوٹی چھوٹی سنگ مرمر کی برجیاں محرابوں کے برابر برابر ہیں۔ اس تمام خوب صورت اور خوشنما جگہ کے دونوں جانب پتلی پتلی گاؤں دم سنگ مرمری میناریں ہیں جن پر لالٹین کی وضع کے سنگ مرمر کے سفید براق گولے چڑھے ہوئے ہیں ۱۷۷۱ء کے غدر میں اسی دروازے کے سامنے مسٹر فریئر۔ کپتان ڈگلس۔



نشر و بیع از دارالکتاب



امرار اور منصب داروں کی نشست ہوتی تھی اور حاضر باش رہتے تھے۔ اس چوک کے جنوب و مغرب کے گوشہ میں اور کچھ عمارات تھیں جن میں ارکان دولت امور سلطنت انجام دیا کرتے تھے۔ چوک کے وسط میں ایک حوض تھا جس میں نہر گرتی تھی اور ہر وقت لبریز رہتا تھا۔ یہ نہر چوک کے بچوں بیچ میں سے گزرتی تھی جس سے اس مربع قطعہ کے بالماصفہ دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔ نہر کے برابر برابر پھر دو طرفہ ایک چوڑی سڑک شمال سے جنوب کو تھی۔ جو ایک طرف شاہی باغات کو چلی گئی تھی جن کو یہی نہر سیراب کرتی تھی اور جنوب کی طرف دتی دروازے سے جاملی تھی۔ برنیر نے اس مقام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”اس قطعے کے عمارات کی کرسی ۴۴۰ بلندی تھی اور محراب دار مکانات کے سامنے کی نگلیاں کوئی چار فیٹ چوڑی تھیں۔ اس جگہ اوسط درجے کے امرار ہا کرتے تھے اور نشست کے امرار بھی یہیں رہتے تھے“ حوض کے سامنے اور لاہوری دروازے کے بازار کے اندر دینی دروازے کے بالمقابل ایک پختہ جنگلے کے اندر نقار خانے کی سنگ سُرخ کی پختہ عمارت تھی جس میں انگریزی عہد میں یہ اغراض ضروریات فوجی بہت کچھ توڑ پھوٹ کی گئی ہو۔ اب نہ اس چوک کی دیواریں رہیں نہ حوض نہ کوئی عمارت باقی ہو نہ وہ سنگین جنگلہ رہا لیکن خدا کا شکر ہو کہ اصل نقار خانے کی عمارت چوں کی توں اپنی حالتِ اہلی پر قائم و ہر قرار رہی۔ پہلے نقار خانے کے جھرے اور در کھلے ہوئے تھے لیکن چوں کہ اب اس میں فوجی عہدہ دار رہتے ہیں بعض بعض درجن دیئے گئے ہیں۔ بازار کے دروازے اور نقار خانے کے درمیان ساری عمارت کوڑا کراب میدان صاف کر دیا گیا ہے اس وجہ سے اب کچھ پتہ نہیں چل سکتا کہ نقار خانہ شاہجہانی کے ہر دو جانب کیا عمارتیں اس زمانے میں تھیں۔ اس سر بلنگ نقار خانے پر روزانہ پانچ وقت نوبت جھڑا کرتی تھی۔ اتوار کو سارے دن نوبت بجتی رہتی تھی کیوں کہ بمساب شمسی اتوار کا دن زیادہ مبارک خیال کیا جاتا ہو۔ علی ہذا جو دن بادشاہ سلامت کی ولادت کا تھا اس دن بھی تمام دن نوبت بجا کرتی تھی۔ برنیر صاحب پہلے پہل نوبت نقاروں کی آواز سے بہت بھٹا ہے کیوں کہ اُن کے کان کب اس سے آشنا تھے مگر پھر تو وہ ایسے سمجھے کہ نوبت کی عظمت و شان دیدہ اور وقار اور سُریلی آواز کے گردیدہ ہو کر تعریف کرنے لگے۔ نقار خانہ تین فیٹ اونچے

چو ترے پر بنا ہوا ہی جو اب چو ترے کے اس سرے سے اس سرے تک بڑا دیکھا  
نقار خانے کا اہلی دروازہ اب بے کار پڑا ہے۔ نقار خانے کا ہال ستر فیٹ چوڑا اور  
چھالیس فیٹ اونچا ہے جس کے چاروں کونوں پر دس دس فیٹ اونچی برجیاں ہیں۔  
نقار خانے کا دروازہ انتیس فیٹ اونچا اور سو فیٹ چوڑا اینچ میں ہے جس کے دونوں  
جانب دو منزلہ حجرے ہیں کہ ان کے آگے بھی محرابیں بنادی ہیں اور ان کے ادھر ادھر  
سیرطھیاں اوپر جانے کی بنی ہوئی ہیں اس کے اوپر بیچ ورہ والاں ہیں کہ ادھر ادھر دونوں  
طرف اس کے درمیان ہیں۔ اسی والاں میں شاہی ذہبت بجا کرتی تھی۔ چھت کے شمال  
منہ بنی اور جنوب مغربی کونوں پر چار چار ستونوں کی مربع برجیاں ہیں  
جن کے گنبدوں کے تلے ایک چوڑا چھپرہ ہے۔ یہ دروازہ جو بلور نقار خانے کے استعمال  
کیا جاتا تھا دراصل دیوان عام کے صحن کا دروازہ تھا۔

ہتیا پول دروازہ  
یعنی  
ہاتھی دروازہ

نقار خانے کے دروازے کو ہتیا پول دروازہ بھی کہتے تھے  
بعض کہتے ہیں کہ ہتیا پول اس سبب کہلاتا تھا کہ دونوں طرف  
دو پتھر کے ہاتھی کھڑے تھے۔ اور بعض کا یہ کہنا ہے کہ یہاں  
ہاتھی کبھی بھی نہ تھے چوں کہ بجز خاندان شاہی کے ممبروں  
کے اور سارے امراءے فیل نشین دیوان عام کے صحن میں داخل ہونے کے پہلے  
یہیں پیاس ادب ہاتھیوں پر سے اتر پڑے تھے اس واسطے یہ نام مشہور ہو گیا اور  
یہی بات زیادہ تر قرین قیاس ہے۔ برنیر صاحب نے بھی محل کے دروازے پر دو ہاتھیوں  
کے ہونے کا ذکر کیا ہے لیکن کنگم صاحب کہتے ہیں کہ یہ ہاتھی دہلی دروازے کے  
باہر تھے جہاں کہ اب ہیں اور برنیر کے قول کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ مسٹر کین اس  
محلے پر فطر خانہ ڈالنے کے بعد کہتے ہیں کہ حین دروازے پر زبان شاہی میں ہاتھی  
کھڑے تھے وہ دروازہ بلحاظ صراحت بینیہ کے لاہوری دروازہ قرار پاتا ہے نہ کہ دہلی دروازہ  
جس کے سامنے گھوگس بنا ہوا ہے۔ جنرل کنگم اور مسٹر کین دونوں کی رائے سے مسٹر  
کارسٹیون نے اس وجہ سے انکشاف کیا ہے کہ مسٹر کین کا بیان تو مجرہ ہی البتہ جنرل  
برنیر کے بیان کو اپنی رائے کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ برنیر کا اصل قول یہ ہے: محل کے  
دروازے میں داخل ہوتے وقت کوئی عجیب چیز سوائے پتھر کے دو ہاتھیوں کے

نہیں دکھلائی دیتی جو دروازے کے دونوں طرف ہیں۔ جن میں سے ایک پر جابلے چتور کے مشہور راجہ کا مجسمہ ہے اور دوسرے پر اُس کے بھائی پٹانامی کا... قلعے میں داخل ہوتے ہی دو بڑے بڑے گراں ڈیل ہاتھی جن پر دو جری آدمی بیٹھے ہوئے ہیں دیکھ کر عظمت و جبروت کا سماں بندھ جاتا ہے اور آدمی ہتکا ہتکارہ جاتا ہے کہ برنیر نے کہیں کسی دروازے کا نام نہیں لیا ہے بلکہ یہاں تک کہ اُس نے یہ بھی نہیں لکھا کہ وہ قلعہ کا دروازہ تھا بلکہ وہ صاف محل کا دروازہ بتلاتا ہے جس سے زیادہ تر مناسبت اُس دروازے کا ہے جو نقار خانے یا ہتیا پول دروازے کے نام سے مشہور ہے نہ کہ قلعے کے دلی والا ہو ہی دروازے سے۔ پھر برنیر نے قلعے کے بڑے دروازوں کے بیان میں کچھ ایسی گڈمڈکی ہے کہ دونوں دروازوں میں سے ایک سے بھی میل نہیں کھاتا۔ عام روایت اور خود اس دروازے کا نام صاف طور پر بتلا رہا ہے کہ درمل جس دروازے کے طرف ہاتھی کھڑے تھے وہ یہی نقار خانے کا دروازہ تھا نہ کہ کوئی اور۔ فرینکلن صاحب جو ۱۷۹۳ء میں دلی گئے تھے تو صاحب موصوف نے دریافت کیا کہ وہ مجسمے جو ان ہاتھیوں پر تھے کیا ہوئے تو معلوم ہوا کہ اورنگ زیب نے چوں کہ وہ بت پرستی کا سخت دشمن تھا ہاتھیوں کو مجسموں سمیت نکلوا کر اُس جگہ سنگ سُرخی کی جالیاں لگوا دیں جس سے ایک گونہ دروازے کی رونق میں فرق آگیا۔ برسوں بعد ۱۸۶۳ء میں ایک ہاتھی تو قلعہ ہی میں گڑا ہوا اس ہیئت کڈائی سے ملا کہ اُس کے ۱۲۵ ٹکڑے ٹکڑے زمین میں گرے ہوئے تھے۔ اس سے یہ امر کچھ بعید نہیں معلوم ہوتا کہ اورنگ زیب ہی نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرادیئے ہوں۔ برنیر لکھتا ہے اور کیا عجب ہے کہ یہ بات صحیح بھی ہو کہ یہ ہاتھی اور مجسمے اکبر نے آگرے میں طیار کرائے تھے جو آگرے کے قلعے میں اُس دروازے کے سامنے کھڑے تھے جو دریا کے سامنے ہے۔ وہاں سے اکھڑا کر شاہ جہاں دلی لوالایا ان پر مجسمے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں دلی چتور جابلے اور اُس کے بھائی پٹانامی کے قلعے جنہوں نے اکبر سے مقابلہ کیا تھا۔ یہ ہاتھی اور مجسمے بڑے بھاری تھے۔ ایک ایک ہاتھی پر دو دو شخص سوار تھے انکا جماعت اور پچھلا سردار۔ ان میں سے ایک ہاتھی کے ٹکڑے ٹکڑے قلعے میں لے گئے تھے جن کو تین برس بعد مسٹر کمپبل نے جوڑ جا کر لکڑی کے

باغ میں کھڑا کر دیا تھا پھر ۱۸۹۲ء میں میونسپل ہال کے سامنے کھڑا کیا گیا تھا جس کے چوتھے پر انگریزی میں یہ کتبہ تھا جس کا ترجمہ ہم لکھتے ہیں۔ یہ ہاتھی جو بے نہایت اور نامعلوم قدامت کا ہو۔ اس کو شاہنشاہ شاہ جہاں نے ۱۶۴۲ء میں لا کر اپنے نئے محل کے جنوبی دروازے کے سامنے اُستاد کیا تھا۔ اُس مقام سے شاہنشاہ اورنگ زیب نے اُکھڑا کر ہزار ہا ٹکڑے کر ڈاڈا لے لیے ہاتھی پھر کسی کو یاد نہ رہا، سب بھول رہے، گئے اور اس کس سپرسی کی حالت میں (ڈیڑھ صدی سے بھی زیادہ زمین کے اندر دفن رہ کر ۱۸۶۶ء میں نکالا گیا اور اس مقام پر اُستاد کیا گیا) اب چوں کہ میونسپل ہال اور گھنٹہ گھر کے بیچ میں چاندنی چوک کے رخ پر ملکہ معظمہ آں جہانی کا بت نصب کیا گیا ہے لہذا یہ ہاتھی اور اس کے بالمقابل ایک دوسرا ہاتھی دونوں آمنے سامنے قلعے کے دلی دروازے کے گھونگٹ میں کھڑے کیئے گئے ہیں جن کو لارڈ کرزن نے ۱۹۰۳ء میں یہاں اُستاد کرا کے گویا اپنے مرکز اہلی پر بونچا دیا ہو کیوں کہ ان ہاتھیوں کے اُستاد کرنے کے وقت جو کھدائی کی گئی تو کچھ نشانات ایسے ملے کہ جن سے اور زیادہ ثبوت اس امر کامل گیا کہ دراصل یہ ہاتھی پہلے یہیں تھے۔ جاہل اور پتہ کے مجھے اب بھی میونسپل ہال کے عجیب خانے کے برآمدے میں موجود ہیں جن کے پاس اور دو مجھے بھی دست و پا شکستہ دھڑے میں جو عجب نہیں کہ انہیں ہاتھیوں کے ہاوتوں کے ہوں۔ نقار خانے کے دروازے سے نکل کر دیوان عام کے صحن میں داخل ہوتے ہیں اور یہیں سے وہ بادشاہ ادب کے مراسم شاہی شروع ہو جاتے تھے جو سلاطین مغلیہ کے درباروں میں ملحوظ رہتے تھے۔ نقار خانے کے دروازے میں سے سوائے مرشد زادوں یعنی ممبرانِ خاندان شاہی کے سواری پر اور اور کوئی جانے کا مجاز نہ تھا۔ سفرار۔ ایچی۔ وزرا۔ امراء عظام سب کے سب یہیں سے پایادہ ہو جاتے تھے۔ ان رسوم کی پابندی آخری دم یعنی سلاطین مغلیہ کے آخری بادشاہ بہادر شاہ کے زمانے تک بھی بلا کم و کاست کی جاتی تھی چنانچہ دہلی کے رزیڈنٹ مسٹر فرینس ہاکنز (جن کی مستعدی قوت تمیزی سے بڑھی ہوئی تھی) وہ آداب و مراتب شاہی کے ملحوظ نہ رکھنے ہی کی وجہ سے معتبوب اور خدرست

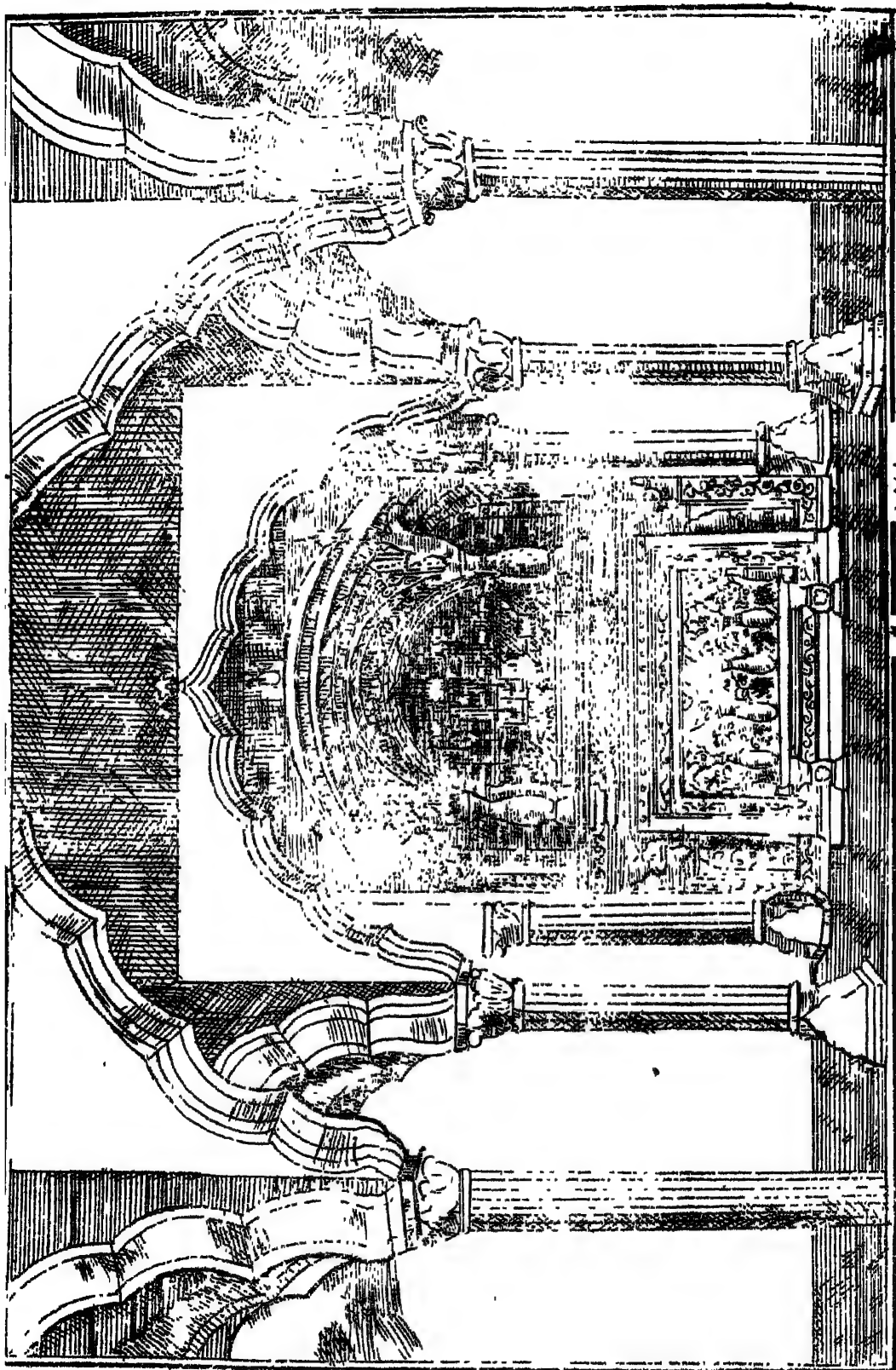
موقوف ہوئے۔ اُن پر سب سے سنگین الزام ہی تھا کہ وہ نقار خانے کے دروازے میں سے سوار کل گئے جو آداب شاہی کے سر اسر خلافت تھا۔ جہاں دار شاہ (۱۲۳۱ھ) اور فرخ سیر (۱۳۱۹ھ) دونوں اسی ذبت خانے میں قتل کیے گئے۔ فرخ سیر بے چارہ کو تو پہلے کھول کیا بعد قتل کیا۔ اب اس نقار خانے کے نیچے کے دو کمروں میں محافظ قلعہ رہتا ہے۔

## دیوان عام

۵۸-۱۰۳۸ھ  
۳۸-۱۰۳۹ھ

جس زمانے میں یہ شان دار عمارت اپنی اہلی حالت پر تھی تو اس کا طول ۱۵۵ اور عرض تین سو فیٹ تھا۔ اس کی چار دیواری کے اندر ایک سلسلہ مکانات اور دالانوں کا تھا جن کی نسبت برنیر لکھتا ہے کہ یہ محل انگلستان کے پولیس ریل سے ملتا جلتا ہوا تھا۔ صرف فرق اتنا تھا کہ یہ دو منزلہ نہیں ہے اور دالان جدا جدا ہیں مگر اس ترکیب سے کہ ایک سے دوسرے قطعے میں جانے کے لیے چھوٹا سا دروازہ رکھا گیا ہے اس محل کے کمرے بہت کشادہ اور وسیع تھے جن کی کرسی ۳ فٹ کی تھی۔ ان مقامات میں وہ درباری اور امراء رہتے تھے جن کی نشست ہوتی تھی۔ عیذین وغیرہ بڑے بڑے مواقع پر یہ مقامات بڑے تکلف سے سرسے پاک سجائے اور آراستہ کیے جاتے تھے۔ ستونوں پر مغرق کھواب پیٹی جاتی تھی۔ دروں میں ریشمین اور مخملی پردے آویزاں کیے جاتے تھے۔ فرش بہترین تاینوں کا ہوتا تھا۔ غرض ہر طرح سے مکان کو بنا سنوار کر دلن بنا دیتے تھے۔ غدار ۱۸۵۷ء کے بعد اس محل کے احاطے کے تمام مکانات اور دیواریں گر کر زمین کے برابر کر دیئے گئے اس طرح کہ اب اُن کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا اور نہ اب کوئی اُس محل و اجتماع اور اُن محکفات کا اندازہ کر سکتا ہے۔ اب جہاں دیوان عام کا بڑا بھاری ہال اکیلا کھڑا ہے وہ حقیقت میں مشرقی دیوار سے ملے ہوئے صحن کا وسط تھا۔ اس ہال کے سیدھی طرف ایک پھاٹک تھا جس میں سے ایک دوسرے صحن میں جا سکتے تھے۔ اس کے بائیں جانب دلی عہد بہادر کے محلات تھے جو سب گر کر ڈکریاں میدان کر دیا گیا ہے۔ اب رہا دیوان عام کا ہال وہ بھی بے حال ہے۔ اس کا طوائی کام بھی جا بجا سے کھریج ڈالا ہے اور پچھکاری کے کام میں جو قیمتی پتھر اور گینے جوڑے ہوئے تھے وہ بھی نکال کر خراب کر دیا مگر پھر جبکہ ان بے دردوں کے ہاتھ سے نچ رہا ہے وہ بھی لا جواب اور قابل دید ہے۔ باوجود اس قدر تباہی اور بربادی اور

در بیان برای دانشمندان و اولاد عام





نوج کھسوٹ کے اب بھی اس عالی شان ہال کا جواب نہیں ہو۔ یہ عمارت تمام تر سنگ سرخ کی ہو۔ چوترا چار فیٹ بلند اور ہال اسی فیٹ لمبا اور چالیس فیٹ چوڑا ہو۔ برجیوں کی بلندی چھوڑ کر چھت کی اونچائی تیس فیٹ ہو۔ یہ ہال تین جانب سے کھلا ہوا ہو صرف ایک طرف دیوار ہو۔ ہال کے سامنے دار کے رخ پر چھت پر دو برجیاں اُسی وضع کی ہیں جیسی کہ نقار خانے کے دروازے پر ہیں۔ چھت سپاٹ ہو جس کے تین طرف چوڑا پچھم ہو۔ ہال کے اندر تین قطاریں سات سات دروں کی ہیں۔ ہر در میں چار چار ستون چھ چھ فیٹ کے فاصلے سے ہیں جن پر بنگلہ دار محرابین چھت کی دیوار سے شروع ہو کر عمارت محاذ تک ہیں۔ ہال کے پیش میں دس بڑے بڑے ستون ہیں جن کی محرابیں اُسی وضع کی ہیں۔ ہال کے ہر سبب جانب سیرٹھیاں ہیں۔ پانچ سامنے دار کو اور سات ستارہ دار کو چھت کی دیوار کے وسط میں قریب اکیس فیٹ کے سنگ مرمر کا گنگا پتھری کاری کا کام کیا گیا ہو جس میں مختلف اقسام اور رنگ رنگ کے پتھر چڑے ہوئے ہیں جس میں طرح طرح کے پھول پتیوں بیل بوٹوں گلہ سٹوں اور چڑیوں کی بے نظیر صنعت کاری کے جوہر دکھلائے ہیں۔ اس کے محاذ میں ایک سنگ مرمر کا چوڑا

نشین عالی  
اور نگشت عالی

آٹھ فیٹ بلند اور سات فیٹ مربع ہو جس پر ایک نر سنگ مرمر کا کرسی دار بنگلہ چار گونہ مربع بنا ہوا ہو جس کے چار ستون ہیں جن پر وہ بنگلہ کھڑا ہو یہ ستون سنگ مرمر کے مثبت کاری کے ہیں جن پر سنہری کلس چڑھے ہوئے ہیں اس کے پیچھے ایک پیش طاق ہو سات گونہ لمبا اور ڈھائی گونہ چوڑا نر سنگ مرمر کا اور اس نشین اور پیش طاق میں طرح طرح کے رنگین اور پیش قیمت پتھر لگائے ہیں اور مثبت کاری اور پرچین سازی سے طرح طرح کے بیل بوٹے تراشے ہیں۔ اس پیش طاق کے پیچھے محل شاہی تھا اس میں دروازے لگے ہوئے تھے جب کبھی دربار عام ہوتا تھا بادشاہ اُس طرف سے تشریف لائے تھے اور اُس تخت منگین دل نشین پر رونق افروز ہوتے تھے اور تمام امرا و وکلاے بادشاہاں ہاتھ باندھ کر تخت کے آگے حاضر رہتے تھے۔ اس تخت کی کرسی قریب دم سے بہت اونچی ہو اس واسطے اس تخت کے آگے سنگ مرمر کا بہت خوب صورت ایک تخت رکھا ہو اور اُس میں بھی طرح طرح پرچین سازی کی ہو جب کبھی کسی مقرب خاص کو کچھ عرض کرنا ہوتا تھا تو



اجازت حاصل کر کے اُس پر قدم رکھتا تھا اور پایہ تخت کو بوسہ دے کر آداب بجالا کر عرض معروض کرتا تھا۔ یہ تخت بھی سارا سنگ مرمر کا ہو جو  $x$  فٹ اور  $y$  فٹ اونچا ہو اس کا سارا کام لوگ کھاڑ کر لے گئے اب بے غوری کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ چبوترے کے گرد بھی اسی قسم کی نقاشی کا کام ہے۔ یہ سنگ مرمر کا جگہ اور چبوترہ ہال کی پوری چوٹان میں نہیں ہے بلکہ چبوترے کی دونوں جانب ہے اس بنگلے کی سطح کے برابر دو سنگ مرمر کے نشین تھے جو اُن اُمراء کی نشست کے واسطے مخصوص تھے جو بادشاہ کی خواہی میں باریاب ہوتے تھے۔ اسی مقام سے وزیر معروضات و گزارشات و عزائن حضور والا کے ملا خطے میں گزرتا تھا اس تخت کے ہر سہ جانب ایک تلح کیا ہوا آہنی کہڑا تھا۔ فٹ  $x$  فٹ کا تھا۔ یہ جگہ دباری امراء کے واسطے مخصوص تھی۔ برنیر صاحب نے اس دیوان کی اُس زمانے کی کیفیت جب کہ یہاں پوری چل پھل اور رونق تھی یوں لکھی ہے کہ :- یہ ہال بہت نشین اور وسیع ہے جس میں اونچے اونچے ستون لگے ہوئے ہیں یہ مکان تین طرف سے کھلا ہوا اور ہوا دار ہے۔ ستونوں اور سارے فرش پر سنہری طے کی تہ چڑھی ہوئی ہے۔ اُس دیوار کے پنج میں جو محل شاہی اور دیوان عام میں صاف ہے ایک برآمدہ بنا ہوا ہے جو ایک قسم کی بڑی اور اونچی کھڑکی ہے جو اس قدر بلند ہے کہ نیچے سے آدمی کا تھ وہاں تک نہیں پونچتا۔ اسی مقام پر بادشاہ سلامت برآمد ہوتے ہیں اور تخت پر شاہزادگان والا تبار کے جلوس فرماتے ہیں۔ کچھ خواجہ سرا خواہی میں حاضر باش رہ کر مورچھل اور بڑے بڑے پنکھے جھلا کرتے ہیں اور کچھ لوگ دست بستہ مؤدب نظر حکم کھڑے رہتے ہیں۔ نیچے سارے امراء و اہلکار۔ سفراء ایک چاندی کے کہڑے کے اندر دست بستہ بیٹھی نگاہ کیئے سرہ قد کھڑے رہتے ہیں جن کے پیچھے منصب دار اور دیگر امراء درجہ دوم اُسی طرح مؤدب کھڑے رہتے ہیں اور پھر ان کے پیچھے ہال کے باقی حصے میں درجہ بدرجہ حسب تفریق مراتب اور لوگ کھڑے رہتے ہیں اسی طرح صحن میں ایک جم غفیر ہر قسم کے لوگوں کا لگا رہتا تھا۔ اسی نشین میں روزانہ دوپہر کے قریب بادشاہ سلامت برآمد ہو کر اپنے درشن سے ہوا خواہان سلطنت کو مشرف و بہرہ ور فرماتے تھے اور اسی واسطے اس دیوان کو ”عام خاص“ کہتے تھے یعنی دربار کا وہ مقام جس میں عام خاص چھوٹے بڑے سب باریاب ہو سکتے ہیں۔ برسفر ڈ صاحب کی دہلی گائیڈ میں عذر سے پہلے یہاں کی جو حالت تھی یوں لکھی ہے :- یہ ایک وسیع ہال ہے جو تین طرف سے کھلا ہوا ہے

جس میں سنگ سرخ کے ستون لگے ہوئے ہیں ان پر پہلے پیچکاری کا کام اور سنہری تلخ تھا۔ پیچھیت کی دیوار میں تخت پر جانے کا زینہ ہو جو زمین سے کوئی دس فٹ اونچا ہو۔ تخت کے اوپر ایک سائبان ہو جو چار سنگ مرمر کے ستونوں پر ایستادہ ہو۔ اس سارے سائبان میں عجیب و غریب پیچکاری کا کام ہو۔ تخت کے پیچھے محل شاہی میں سے آنے کا وہ دروازہ ہو جس میں سے بادشاہ سلامت برآمد ہوتے ہیں تخت کے پیچھے کی دیوار پیچکاری اور مقبت کاری کے کام سے پٹی پڑی ہو جس میں جواہرات جڑے ہوئے ہیں اور نہایت خوب صورت اور نادر پھول پھل اور ہندوستان کے ہر ندر اور چرند کی تصویریں ہیں جن میں بیشتر بالکل اہلی معلوم دیتی ہیں یہ ماری صناعتی آرٹسٹن ڈی بورڈو ( *Auséin de Bordeaux* ) کی ہو جس نے بڑے شہزادگان یورپ کو اس صفائی سے ٹھگا کر اہلی جواہرات تو ہضم کیے اور ان کی جگہ نقلی بے معلوم طور پر جڑ دیئے۔ (یہ شخص ادہاں سے (دک ڈم) بھاگا اور شاہجہاں کے دربار میں آکر پناہ لی۔ یہاں آن کر اس کی تقدیر جاگی اور خوب ہاتھ رنگے) بے اتہاد دولت کمائی۔ یہ شخص بادشاہ کا بہت منہ چڑھا تھا۔ نشیمن کے سامنے ہال کی زمین سے کچھ اونچا سنگ مرمر تخت تھا جس پر بہت کچھ پیچکاری کا کام کیا ہوا تھا اب جس کا صرف نشان باقی رہ گیا ہو یہ دیوار کے نقش و نگار کے درمیان تخت کے پیچھے اُس فرانسیسی نے اپنی بھی ایک تصویر پیچکاری کی بنائی تھی جس میں اُس نے اپنے آپ کو ایک بے بسے سنہری بالوں والا نوجوان بنایا ہو گیا کہ آرمینینس ایک چنان پر درخت کے نیچے بیٹھا ہوا طاؤس بجا رہا ہو اور شیر پاس بیٹھا ہو ہو۔ ایک خرگوش اور چیتا بھی اس ساد پر مفتون ہو کر قدروں میں لوٹ رہا ہو۔ یہ تصویر آٹھ فٹ اونچی تھی اور سرے سے پانچ اس میں مختلف رنگوں کی جگہ جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ قدر شاہ میں قلعہ دہلی کا ایک فوجی انسلسے اکھاڑ کر ولایت لے گیا اور اب یہ تصویر سو محلہ کشمگیر کے عجائب خانے میں نوادرات ہند کے زمرے میں رکھی ہوئی تھی۔ لارڈ کرزن کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو تڑپ گئے

ملہ تھریس میں اس نام کا ایک شاعر ایسا فرض کیا گیا ہو کہ جو اس غضب کا طاؤس بجاتا تھا کہ طیور و دوحش بھی وجد میں آکر ناپچنے لگتے تھے۔ تھریس وہ قدیم حصہ ملک ہو جو مابین دریائے ڈینیوب اور ایمین کے ہو۔ ایمین بحر میڈیٹیرین کا وہ حصہ ہو جو بحانب شمال یونان اور ایشیائے کوچک کے پھیلا ہوا ہو۔ ۱۲

اور فوراً اس مرقعے کو سلسلہ میں واپس منگوایا۔ اول ہی اس مرقعے کی بہت کچھ  
 خرابی ہو چکی تھی پھر قدر کے بعد ولایت کو جانا اور وہاں سے آنا غرض بڑی گت بنی۔  
 لارڈ صاحب نے ایک اٹیلین کاری گرسے پھر اسے درست کرا کے اپنی اہلی جگہ پر جمودا  
 جو پتھر گم ہو گئے تھے اُن کی جگہ نئے پتھر لگائے گئے اور بفصل خدا اب یہ نامور و نایاب  
 مرقعہ اپنے اہلی مقام پر لارڈ کرزن کی بدولت موجود ہے۔ جس وقت بادشاہ سلامت  
 تخت پر جلوہ افروز ہوتے تھے تو اس ہال کے سامنے کے عجیب و غریب نظارے  
 کی کیفیت ہم آپ کو برہنہ کی زبانی سناتے ہیں کہ شنیدہ کی بود مانند دیدہ :-  
 دُر بار کے وقت پہلے خاصے کے چند گھوڑے ملاحظے سے گزرتے تھے تاکہ بادشاہ سلامت  
 خود ملاحظہ فرمائیں کہ ان کی نگہداشت خاطر خواہ ہوتی ہو یا نہیں۔ پھر ہاتھیوں کی باری آتی تھی  
 جن کو خوب نسل و نسل کرکچ سالال دیا جاتا تھا جس سے کالے بھنور ہو کر ان کی جلد چمکنے  
 لگتی تھی ان کے مستک سے لے کر سونڈ کے سرے تک دوسرخ لکیریں (سیندور سے)  
 کینچی جاتی تھیں۔ ہاتھیوں پر مغرق جھولیں پڑی رہتی تھیں جس کی پیٹھ پر سے دونوں طرف  
 چاندی کی ایک زنجیر سے دو نقرئی گھنٹے آویزاں رہتے تھے۔ تبت کی گائے کی سفید  
 براق دُمیں ہاتھی کے کانوں سے ایسی لٹکتی رہتی تھیں جیسے کہ بڑے بڑے گل چٹھے۔  
 ایک بڑے گراں ڈیل ہاتھی کے دائیں بائیں دو چھوٹے چھوٹے ہاتھی اسی طرح بنے سنور  
 اُس کی بغل میں بطور خواصی کے چلتے تھے۔ ایسا معلوم دیتا تھا کہ جیسے دو نوکر حاضر خدمت  
 ہیں۔ ہاتھی قدیم تولتے خطاں خراماں بڑے ٹھٹھے سے قدم دھرتے تھے جس سے ایسا  
 معلوم دیتا تھا کہ گویا یہ جانور بھی اپنے ہناد سنگھار اور شان و شوکت سے باخبر ہیں اور  
 جب تخت کے سامنے سے گزرتے تھے تو ہاوت آنکس سے اشارہ کرتا تھا اور کچھ بول  
 اُس کے جذبات اُبھارنے کو ایسے کہتا تھا کہ فوراً ہاتھی ایک پاؤں ٹیک کر سونڈ اوپر  
 کر کے بیک چنگھاڑ مارتا تھا اور یہی ہاتھیوں کا مجری اور آداب بجالانا سمجھا جاتا ہے۔ اُس  
 بعد دوسرے جانور باری باری سے نظر انور سے گزرتے تھے۔ پہلے اور سد ہاے  
 ہوئے کار چڑی جھولیں پڑی ہوئی ہرن لڑا نے کے لیے نیل سگائیں۔ گینڈے۔ بنگال  
 کے بڑے بڑے سینگوں والے ارنے بیٹھے جو شیر سے مقابلہ کرتے ہیں۔ سد ہاے  
 ہوئے شکاری پتے جھولیں پڑی ہوئی سروں پر لٹپیاں چڑھی ہوئی سگے میں زردین پتے

چاندی کی بنجیریں پڑی ہوئی ہرن کے شکار کے لیے۔ اُنہک کے شکاری کتے قسم قسم کی سسج اور زرق برق جھولیں پڑی ہوئیں۔ سب سے آخر ہر قسم کے شکاری پرندہ باز۔ شاہین جتے۔ بہری جو ہرن تک کا شکار کر لیتے تھے۔ تیتڑ۔ بٹیر۔ سارس۔ خوگوش وغیرہ۔ سب باری باری سے گزرتے تھے۔ ہرن کا شکار اس طرح ہوتا تھا کہ ہرنوں کی ڈار وکھ کر باز کی ٹوپی اٹھائی اور اُسے باؤلی وی۔ باز شکار۔ پر تیر کی طرح سیدھا ٹوٹا بھو اور اس رد سے پر اور پنجہ مارتا ہو کہ سر پھٹ جاتا ہو اور پنجے سے اس کی آنکھیں نکال کر آٹا فائیں اندھا کر دیتا ہو۔ جانوروں کے سسلے کے علاوہ ایک دو امر کی جمعیت بھی اپنی اپنی مثل سے بطور ماسج پاسٹ گزر جاتی تھی۔ سواروں کی مکمل وردیاں درہم کے ہتیار لگے ہوئے اوچی بجا زورہ بکتر لگائے گھوڑوں کے مغرق زمین اور بے شمار ساز و سازات سے لہے ہوئے۔ بادشاہ سلامت کے حضور سے پھینک۔ نیزہ بازی۔ تلوار کی ایک ضرب بھڑکے دو ٹکڑے کرتے ہوئے غرض ہر قسم کی کثرتیں کرتے اور کرب دکھاتے گھوڑوں کو اچھالتے کداتے جوان جوان کثرتی بدن واسے خوش رو و خوش لباس امرار۔ منصبدار۔ گزبرداری اپنی پھرتی اور کثرت کے جو ہر دکھاتے سامنے سے نکل جاتے تھے۔ بھڑکے کاٹنے کا یہ طریقہ تھا کہ اُس کو حلال کر کے آلائش سے پاک و صاف کر کے چوینچہ کر کے لٹکا دیتے تھے جس کے تلوار سے ایک ہی دار میں بیچ میں سے دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ بادشاہ فوج کو سرسری طور پر ملاحظہ فرماتے تھے نہیں بلکہ سواروں پر خاص نظر ڈالتے تھے خصوصاً جب سے کہ لڑائی کے ختم ہونے کے بعد تو ایک ایک سوار کو ہر نفس نفیس ملاحظہ فرماتے تھے۔ کسی کو ترقی ملتی تھی تو کسی کا تنزل کیا جاتا تھا اور بعض برطرف بھی کیے جاتے تھے۔ دیوان عام ہیں جو لوگ جمع ہوتے تھے وہ اپنے ہاتھ میں عرمنی لے کر اونچا کر بیٹھتے تھے۔ وہ سب عرائض ایک ایک کر کے پیشگاہ خداوندی میں گزرائی جاتی تھیں۔ جس پر عرائض گزار بالمشافہ طلب کیے جاتے تھے اور خود بادشاہ سلامت اُن سے دریافت فرماتے حتی المقدور اُسی وقت مظلومین کی دادرسی فرماتے۔ ہفتے میں ایک دن ایسا مقرر تھا کہ خلوت میں دو گھنٹے تک دس منتخب اشخاص کی عرائض سنی جاتی تھیں جن کو کوئی دہشتہ تجربہ کار مستعد امیر پیش کرتا تھا۔ سب سے اخیر جس بادشاہ کے وقت تک یہ ادب قاعدے اور ان آداب شاہی کی پابندی کی گئی وہ فرخ سیر تھا۔ دیوان عام کی داہنی طرف

کے احاطے کے بیچ میں ایک محراب دار دروازہ تھا جس میں سے لوگ ایک اور چھوٹے سے صحن میں داخل ہوتے تھے جواب باقی نہیں رہا اور اسی وجہ سے اُس کا عرض و طول دکھائیں جاسکتا۔ اسی طرح مشرقی دیوار سے لگا ہوا ایک دروازہ اور صحن تھا جو مغربی طرف کے احاطے سے ذرا چھوٹا تھا اسی میں سے دیوان خاص میں جانے کا رستہ تھا۔ اس دروازے کے سامنے ایک سرخ شامیانہ تیار رہتا تھا اور اسی وجہ سے اس دروازے کا نام ”لال پردہ“ تھا۔ اب جو دیوان عام کے سامنے مرغزار نظر آتے ہیں اُن سے دیوان عام کے صحن کی حدود کا پتہ چلتا ہے اور جو ہندی کی بارٹھ دو نوں طرف اور سروں پر لگا دی گئی ہے وہ نشان ہے قدیم دالانوں کا۔ جنوب رخ کی بارٹھ کو مجبوراً اپنے اہلی مقام سے ذرا شمال کی طرف اور ہٹانا پڑا ہے کیوں کہ جہاں اصلی دالان تھا وہ مقام اب فوجی سڑک سے گھر گیا ہے جس صحن میں ہم لال پردے میں سے ہو کر جاتے تھے وہ دیوان عام کے صحن کا چوتھا تھا۔

### شاہ محل معروف بہ دیوان خاص

۱۰۴۸-۵۸  
۶۱۶۳۹-۴۸

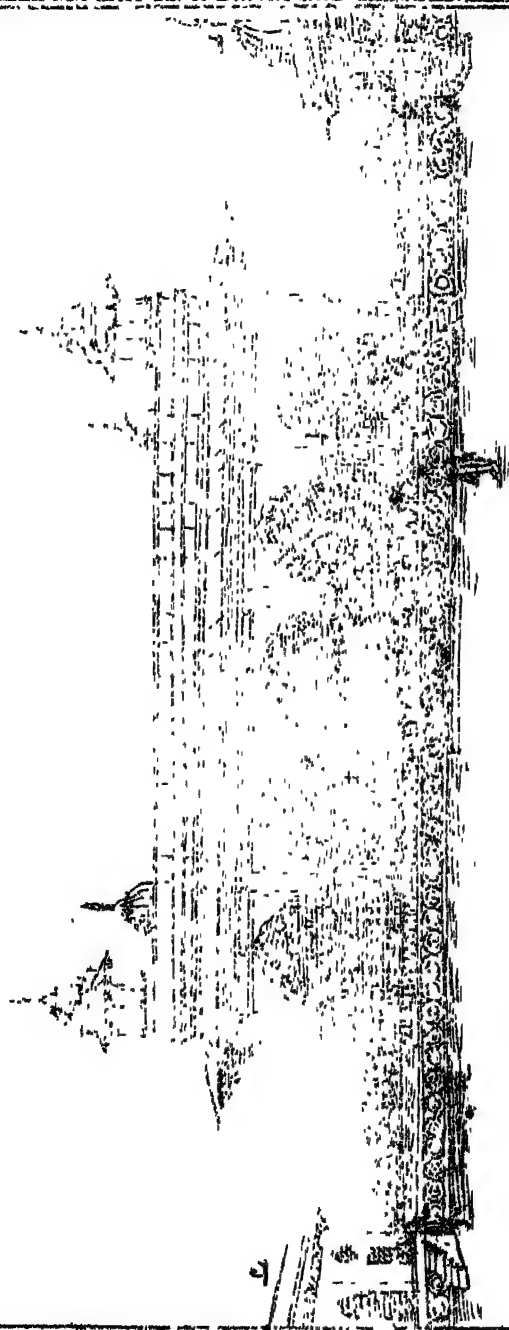
دوسرا صحن طول و عرض میں ۲۱۰ x ۱۸۰ تھا جس کی نسبت بشپ ہیبر نے لکھا ہے کہ :-

”یہ ایک نہایت خوب صورت اور شان دار صحن تھا جس کے گرد پست مگر نہایت عمدہ اور آراستہ عمارات ایک خوب صورت سنگ مرمر کے ہال سامنے تھیں۔ اس احاطے کی مشرقی دیوار سے ملا ہوا دیوان خاص ہے جس کی مشرقی دیوار سے ملا ہوا شاہجہاں کا حاکم اور اورنگ زیب کی موتی مسجد ہے۔ اس احاطے کی مغربی دیوار خود وہ صحن تھا جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے اور جنوبی جانب محلات کا سلسلہ اور رنگ محل تھا۔ دیوان خاص کی بے نظیر عمارت سارٹھ چار فیٹ اونچے ۱۰۴۸ء کے طول و عرض کے چبوتے پر واقع ہے۔ دیوان خاص کی عمارت ہندوستان بھر کی ساری عمارتوں میں سب سے بہتر ہے جو اپنا جواب نہیں رکھتی۔ یہ عمارت بالکل سیدھی سا دیوار اور ایک عظیم الشان سنگ مرمر کے پیلین کی شکل کی ہے۔ سٹریٹس نے لکھا ہے کہ دیوان خاص اگر سب عمارتوں سے خوب صورت دیکھی ہو تاہم اس میں تو شک نہیں کہ شاہجہاں کی بنائی ہوئی ساری عمارتوں میں بلحاظ نفاست، کاریگری، صنایع اور آراستگی کے یقیناً سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ اس ہال کا طول و عرض ۲۱۰ x ۱۸۰ ہے جس کی چھت سطح اور محرابیں بنگڑی دار ہیں۔ اس میں پتیلیں ستونوں کی ڈھری قطار ہے۔“

علی بن خاند

دیوان خاص

عراقیه



ان ستونوں میں سے چوبیس تو چار چار فیٹ مربع ہیں اور باقی آٹھ سہ سہ کے ہیں۔ ہال کی شرقی دیوار کے دودروں میں سنگ مرمر کی نفیس چالیاں لگی ہوئی ہیں۔ یہ سارا ہال صحن چوڑے کے اذسترا پاسنگ مرمر کا ہے۔ ہال کی چھت کے چاروں کونوں پر چلی ہوئی چوکون برجیاں ہیں جن پر چھتیاں اور چار چار ستون ہیں اور اوپر سنہری کلس ہیں۔ ہال میں عمارت کے عرض میں جو ستون ہیں بہ نسبت لمبان کے ستونوں کے چلے ہیں۔ لیکن نقش و نگار اور کاریگری میں سب برابر ہیں۔ باہر وار کے ستونوں پر صرف اندر وار کے تین غونچے کام کیا ہوا ہے۔ اندر وار کے ستون وہ اذسترا چاروں طرف سے نقشین ہیں۔ ہر ستون کے سطحی تین حصے ہیں۔ نیچے کے دونوں حصے برابر کے ہیں لیکن بالائی حصہ سے ایک تہائی کا ہے۔ نیچے کے حصوں میں پھول و رختوں کے لمبے لمبے پتے اور اوپر کے حصے میں مختلف اقسام کے بیل بولے ہیں۔ محرابوں کے اندرونی رخ۔ روکار اور دروازے پھول پتوں اور بیلوں کے نقش و نگار پیچکاری کے کام کے ہیں جن میں انواع و اقسام کے رنگ ہر رنگ کے پتھر سبز۔ زرد۔ نیلے۔ سرخ۔ گلابی۔ کیشی۔ زعفرانی وغیرہ بہت ہی نفاست اور عمدگی سے پہنچی کر کے بٹھائے گئے ہیں۔ دیوان خاص میں سے ایک ہنر سنگ مرمر کی کوئی بارہ فیٹ چوڑی جس پر سنگ مرمر کی سلیں ڈھکی ہوئی ہیں رداں تھی۔ ہال کا اندرونی کمرہ سہ سہ سہ ہے جس کے بارہ ستون ہیں۔ اب بھی سنگ مرمر کا وہ مربع چوڑا موجود ہے جس پر شاہجہاں بادشاہ کا وہ مشہور تخت طاؤسی تھا جس کا شہر چار دانگ عالم میں ہے۔ اس ہال کی کارنس کے نیچے۔ کمرے کی چوڑائی میں کونے کی محرابوں پر چھوٹی سی مستطیل سنگ مرمر کی تختیوں پر سعد المرحاں کا مشہور کتبہ مشہور زمانہ خوش نویس رشید کا لکھا ہوا ہے۔

اگر فردوس بروے زمین است	ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است
-------------------------	--------------------------------

برنیر نے دیوان خاص کے متعلق جو لکھا ہے وہ بالکل مذہذب ہے۔ "خیر مال تو بہت خوبصورت وسیع۔ سنہری۔ رنگین فرش زمین سے چار پانچ فریج فیٹ اونچا ایک بڑے تخت کی طرح کا ہے۔ اس محل میں بادشاہ کرسی پر جلوس فرماتے ہیں اور امرا اس کے گرد و کھڑے رہتے ہیں۔ اسی جگہ اکثر عہدہ دار تخلیہ میں باریاب ہوتے ہیں اور ان کی گزارشات اور اور معروضات سننے جاتے اور یہیں سلطنت کے اہم امور اکثر طے پاتے ہیں۔"



مسٹر فریچکن نے بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی کے جنرل میں دیوان خاص کی نسبت  
 سب ذیل لکھا ہے:- ”تیسویں صحن میں جو سب انخیری پونچھنے کے بعد دیوان خاص اپنی  
 شان و شوکت سے منور ہو جاتا ہے جس کا ایک رخ دریائی جانب ہے۔ اس محل کا چوبہ ترہا  
 بند ہے۔ یہ ساری عمارت اندر باہر سے چوتھے اور برجیوں سمیت سنگ مرمر کی ہے۔ اس کی  
 چھت بتیس مربع فیل پاؤں پر استادہ ہے جو چھ فیٹ تک نقش و نگار سے آراستہ  
 ہیں اور جن پر پھول پتیوں کا پچھکاری کا کام عقیق یعنی اور دیگر اقسام کے سنگ ہاے  
 بیش قیمت کا ہے۔ باقی حصے میں کارنس تک تمام طلائی کام کے نقش و نگار کثرت سے  
 ہیں۔ اس ہال کا طول ۵۰ فٹ اور عرض ۴۴ ہے جس کے گرد ایک کشادہ برآمدہ دس فیٹ  
 چوڑا ہے جس میں ایک خوب صورت بتوری فوارہ اٹھارہ انچ اونچا اور چار فیٹ قطر کا ہے۔  
 بادشاہ جس تخت پر عموماً جلوس فرماتے ہیں اس کی چھت چوبی ہے اور رنگ سرخ۔ اس تخت پر  
 پہلے سونا چاندی بہت کچھ چڑھا ہوا تھا جسکی قیمت (۳۹) لاکھ روپے تھی۔ مرہٹوں نے  
 سارا سونا چاندی اکھاڑ کر بحال میں مسکوک کرنے کے واسطے بیجا تو (۲۸) لاکھ کا نکالا۔  
 ایک حجرے کی کارنس پر باہر دار سنہری حرفوں میں یہ شعر لکھا ہوا ہے۔  
 اگر فردوس اے۔ چھت کے چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں جن کے کلساے برنجی  
 گہرا سنہری تلخ ہے جس کے مواقع پر ہال کے سامنے ایک سرخ رنگ کا مغرق شامیا  
 رنگ برنگ کی سوت کی رسیوں سے تانا جاتا ہے جو ہمہ ہد ہست ہے۔ چوتھے کے  
 چاروں طرف اسی قسم کی فتائیں لگائی جاتی ہیں۔ چوتھے کے ایک کونے میں ایک نگین  
 حجرے میں سے ہو کر محل سما میں جانے کا راستہ ہے اور دوسرا راستہ موتی مسجد کو جاتا ہے  
 جس کے گنبد برنجی ہیں مگر ان پر ایسا گہرا تلخ ہے کہ بالکل سنہری معلوم دیتے ہیں۔“  
 دیوان خاص کا بیان جو انگریزوں نے لکھا ہے وہ اوپر آچکا مگر ہمیں تو اس سے کچھ لطف  
 نہیں آیا نہ وہ ایسا ہے کہ جس سے عجوبہ روزگار مکان کا نقشہ نظروں میں پھر جائے لہذا آثار الصنادید  
 سے ہم ذیل کی عبارت نقل کرتے ہیں کہ اس سے بہتر چہ بہ آثار عالم کی طاقت سے باہر ہے۔  
 یہ ایک عمارت ہوتی نامی اور مشہور بے مثل و بے مدیل کہ روئے زمین پر اپنا نظارہ نہیں رکھتی۔  
 خواب گاہ کے جانب شمال کو ایک بہت بڑا چوک ہے اس چوک کے ضلع شرقی میں ڈیڑھ گز کا  
 اونچا چوبہ ترہ بنایا ہے۔ ۸۰ گز لمبا۔ ۲۶ گز چوڑا اس کے پچوں بیچ میں دیوان خاص کی عمارت ہے۔



ہم گنہگار۔ سر سے پاؤں تک سنگ مرمر کی۔ اور سر تا سر اُس کے بیچ میں چار گز عریض  
 ہر بہشت بہتی ہو۔ اس عمارت کے بیچوں بیچ میں پایہ ناستون ہاگر گنہگار کا مکان  
 بنایا ہو جس کے بیچ میں ایک چوڑا ہو اس چوڑے پر تخت طاؤس رکھا جاتا تھا اور اُس پر  
 بادشاہ اجلاس فرماتے تھے۔ اس مکان کے گرد پایہ ناستون لگا کر مکان بنایا ہو۔ درو دیوار  
 دستون و مرغول و محراب و فرش سب سنگ مرمر کا ہو اور اس میں اجاڑے تک عقیق  
 و مرجان بیش قیمت پتھروں کی پیچکاری کی ہو۔ اور بیل بوٹے پھول پتے بناے ہیں اور  
 اجاڑے سے اوپر چھت تک سونے کا کام کیا ہوا ہو گویا سونے کے پانی سے لیپ دیا ہو۔  
 اندر کے رخ محرابوں پر سونے کے پانی سے یہ شعر لکھا ہوا ہو اگر فردوس انجہ۔  
 جانب شرق سے مشرق بدر پایہ اور اس طرف کے دروں میں جالیاں لگا کر آئینہ بندی کی ہو اور  
 جانب غرب اسکا صحن گنہگار ہو اور اس صحن کے گرد مکانات اور ایواناے سنگ سرخ  
 بنے ہوئے ہیں۔ جانب غرب اس صحن کے دروازہ ہو کہ دیوان عام سے اُس میں رستہ آتا ہو  
 اور اس دروازے کے آگے لال پردہ تار ہوتا ہو اور سب امرار بوقت دربار اس لال پردے  
 کے پاس سے آداب و تسلیمات بجالاتے ہیں اور جانب شمال رستہ ہی حیات بخش (باغ کا)  
 اور جانب جنوب ڈیوڑھی محلات شاہی کی اور اُس کے بیچ کے در کے سامنے صحن کی طرف  
 ایک کھڑہ ہو سنگ مرمر کا جس کو دیوان خاص کی چوکنڈی کہتے ہیں۔ اس محل کی چھت  
 نری چاندی کی تھی مگر مرہٹے اور جاٹ گردی میں اکھڑ گئی۔

تخت طاؤسی | چوتار بخش زباں پر سیدان دل  
 بگفت ”اورنگ شاہ ہلشا و عادل“

۱۰۴۲ھ

نادر شاہ نے جب ۱۰۴۲ھ ۱۷۳۹ء میں دہلی پر قبضہ کیا تو تخت طاؤسی کو  
 توڑ تار سونا چاندی اور جواہرات کل کے کل وہ لے کر چلتا ہوا۔ برہنہ نے اس تخت کو  
 زمان سلطنت اورنگ زیب میں دیکھا ہو جو جشن کے مواقع پر لوگوں کو دکھلایا جاتا تھا  
 اُس نے حسب ذیل کیفیت لکھی ہو: ”اُس تخت کے ٹھوس سونے کے چھ بڑے بڑے  
 در دست بھاری بھاری پائے تھے جن پر لعل و زمرد اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔  
 اس تخت میں جو بے شمار جواہرات جڑے ہوئے تھے اُن کی لامتناہی قیمت یا قیامت  
 کرنے سے میں اس وجہ سے قاصر ہوں کہ کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ تخت کے اس قدر قریب

پہنچ سکے کہ ان کو شمار کر سکے یا ان کی آب و تاب کو دیکھ کر قیمت کا اندازہ لگا سکے لیکن  
 اتنا میں ضرور کہہ سکتا ہوں کہ تخت جواہرات سے لدا ہوا ہر اور جہاں تک میرا قیاس کام کر سکتا  
 ہو اس کی قیمت کا سرسری طور پر تخمینہ چار کروڑ روپے کا کیا جاتا ہے۔ یہ تخت شاہ جہاں بادشاہ  
 بنایا ہوا ہے جس میں کثرت سے بیش قیمت جواہرات اس غرض سے لگائے گئے ہیں  
 کہ دولت سلاطین کا اندازہ ہو سکے کہ جب اس قدر جواہرات صرف ایک تخت میں لگے  
 ہوئے ہیں تو خزانہ کیسا کچھ مالا مال ہو گا۔ یہ جواہرات وہ ہیں جو فتوحات ملک، نذر و نذرانہ  
 بیش کش وغیرہ مواقع جشن امراء پر گزارا جاتے ہیں اور جو توشہ خانے میں جمع ہوتے رہتے ہیں  
 تخت کی ساخت سونے چاندی اور جواہرات کے لحاظ سے جیسی ہونی چاہیے ویسی نہیں ہر  
 بجز دو صورتوں کے جو تمام جواہرات اور موتیوں سے ملے ہوئے ہیں یہ البتہ بڑی  
 نفاست اور عمدگی سے بنائے گئے ہیں۔ یہ ایک فرانسیس کے بنائے ہوئے ہیں جس کی  
 پہچان بال دست کاری انسان کو محو حیرت کر دیتی ہے۔ جس نے اول اول بہت سے یورپین  
 امراء کو جھوٹے جواہرات لگا کر خوب ٹھگے کیوں کہ اس کو نقلی جواہرات بنانے میں بڑی  
 دستگاہ تھی۔ وہاں سے سب سمیٹ سٹاٹ شیخض جو سر پر پیر رکھ کر بھاگا تو سلاطین مغلیہ  
 کے ہاں پناہ لی اور یہاں کس بات کی کمی تھی آتے ہی مالا مال ہو گیا۔ تخت کے نیچے امیر امراء  
 اپنے ذرق برق لباسوں میں ایک پست تخت پر جمع ہوتے تھے جس کے اطراف تقریباً  
 کھڑا تھا جس پر کھواب کا شامیانہ چوڑے چوڑے درین جھالروں کا تار ہوتا تھا۔ ہال کے  
 ستوں پر کھواب اور ذری بوئی کی ساٹن لپیٹی جاتی تھی۔ تمام بڑے بڑے کمروں کے  
 سامنے شامیانے تانے جاتے تھے جو ریشم ڈوریوں سے تھے جوے ہوتے تھے  
 اور ان شامیانوں میں ریشم اور کلاہون کے پھندے لگاتے رہتے تھے فرش تمام تر نہایت  
 بیش قیمت قالینوں کا ہوتا تھا یا لمبی لمبی اور چوڑی چوڑی دریوں کا۔ ہال سے لایا ہوا باہر دار کو  
 ایک ڈیرہ جو ”اسپک“ کہلاتا تھا نصب کیا جاتا تھا جو ہال سے بھی بڑا تھا۔ یہ ڈیرہ آدھے  
 صحن کو گھیر لیتا تھا جس کے گرد قناتیں لگی رہتی تھیں جن پر چاندی کے پتروں کے خول چڑھے  
 رہتے تھے۔ تین چوبیس اس ڈیرے کی ایسی بڑی اور موٹی ٹھیکیں کہ جیسے جہاز کا مستول اور  
 ان پر بھی چاندی کا خول چڑھا ہوا تھا باقی اس سے چھوٹے ٹھیکے اس شان دار خیمے کا  
 ابراہا کل سرخ اور اندرواز مچھلی بندر کا نہایت عمدہ چھینٹ کا استر تھا جو خاص فرمائش سے

بنوائی گئی تھی جس کے پیل بوٹے ایسے نفیس رنگ ایسے شوخ تھے کہ نظر میں کھٹے جاتے تھے اور بیچ بیچ کا باغ کھلا ہوا معلوم دیتا تھا جس میں روشیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ کمروں کے سامنے کے شامیانے جو صحن کے چاروں طرف تھے ہوئے تھے اُن کی آرائش ہر ہر اسیر اپنی اپنی حیثیت اور مقدرت کے موافق کی تھی اور ہر اسیر یہی چاہتا تھا کہ اُس کی سجاوٹ اور آرائش دوسرے سے بڑھ جائے اور بادشاہ کی نظر میں شرف قبولیت حاصل کرے۔ اسی وجہ سے تمام دالان اور شامیانے سرے پائیک کُھواب اور ذربغت سے منڈھے ہانڈی لستر جھاڑ فائوس سے سجے سجائے اعلیٰ درجے کے بیش قیمت فرش فروش سے مزین رہتے تھے۔ ٹیوٹر *Tavernier* کی سیاح اور جوہری نے تخت طاؤس کی قیمت دو سو ملین بیوڑے لکھی ہے۔ اگرچہ تخت طاؤس کی بہت کچھ تعریف و توصیف کی جاتی ہے لیکن کارسٹیون صاحب کی رائے میں اس تخت کی شہرت کا بڑا اور اصلی سبب اس کا بیش قیمت ہونا تھا نہ کہ اس کی خوب صورتی یا بہتر ساخت۔ مسٹر برسفورڈ نے غالباً ہندوستانی روایات کی بنا پر تخت طاؤس کی نسبت یہ لکھا ہے:۔ ڈیوان خاص میں مشہور تخت طاؤس تھا۔ وجہ تسمیہ یہ تھی کہ اُس کے پیچھے دو مور دم کو چنور کیئے ہوئے تھے۔ ان میں نیلم۔ یا قوت۔ ہیرے۔ لعل۔ زمرہ۔ پکھراج اور دوسرے رنگ رنگ کے جواہرات موروں کی دموں کو اصلیت کا رنگ دینے کے لیے جڑے ہوئے تھے۔ تخت چھ فیٹ لمبا اور چار فیٹ چوڑا تھا جس کے چھ بھاری بھاری پائے تھے۔ یہ پائے اور تخت سارے کا سارا طلاے خالص کا تھا جس میں انواع و اقسام کے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ تخت کے اوپر ایک دری کا شامیانہ تھا جس کے بارہ ستون تھے جو بیش قیمت جواہرات سے جگمگا رہے تھے۔ شامیانے کی جھال موتیوں کی تھی۔ دونوں موروں کے بیچ میں ایک طوطا بھی اہلی قد و قامت کا ایک ہی زمرہ میں تراشا ہوا تھا۔ تخت کی دونوں جانب دو شاہی چتر تھے جو لازمہ شاہی مراتب میں داخل ہیں یہ چتر قمری

۱۷ فرانس کا پُرانا سکہ ہے جاپک فرینک کے برابر ہوتا تھا۔ یہ سکہ ۱۶۹۵ء سے موقوف ہو کر فرینک کا رواج ہوا۔ فرینک سارے فرینک کا ہوتا ہے۔ شنگ فی زمانہ بارہ آنے اور پونڈ پندرہ روپے کا ہوتا ہے اور دس لاکھ کا ایک ملین۔ اس حساب سے سارے نو کروڑ پونڈ ہوئے جس کے ۵۰۰۰۰۰۰۰ ۲۵ روپے ہوئے۔ ۱۶

مغل کے نہایت عمدہ کارچوبی کام کے موتیوں کے جھالر کے تھے جن کی ڈنڈیاں لکڑی کی تھیں۔  
 لمبی ٹکڑوں سے بنی تھیں ان پر بھی جواہرات جوڑے ہوئے تھے۔ اس عالی شان اور بیش بہا  
 تخت کی قیمت کا اندازہ مختلف طور پر ایک ملین پونڈ سے لے کر چھ ملین پونڈ تک کیا گیا ہے۔  
 یعنی ہندو لاکھ سے نوے لاکھ روپیے تک۔ یہ تخت آسٹریلیائی بورڈوکس کے متاعِ بادشاہی  
 اسی کی زیرنگرائی بنایا گیا تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے عام خاص (دیوان عام) کی پچھکاری کا  
 کام بنایا تھا۔

### تختِ طاؤسی کا اور کچھ حال

یہ تخت کیا تھا عجائبات دنیا کا ایک نمونہ تھا۔ کروڑوں روپیہ کہنے کو  
 تو لفظ اور ایک بات ہی مگر خیال کرنا چاہیے کہ آج اس قدر سونے  
 اور جواہرات کے بے کس قدر دریا اور پہاڑ چھاننے پڑے ہوں گے  
 بے شب کا تختہ جو بجائے تیلے کے تھا دس لاکھ روپیے کا تھا۔ بارہ مرصع ستونوں پر  
 مغزق محرابیں اور جڑاؤ دینا کاری کی چھت دھری تھی۔ چھت سے پائے تک خالص کھدن اور  
 آہ دار جواہر سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ گویا ایک ستارے کا نگینہ ہے کہ انگوٹھی پر دھرا ہوا  
 اس کی روکاری محراب پر ایک بجاری درخت طلائی دھرا تھا جسے سبزہ و الماس سے  
 سرسبز اور لعل و یاقوت سے گل رنگ کیا تھا۔ اس کے ادھر اُدھر دو مورنگارنگ کے  
 جواہرات سے مرصع جو پنج میں موتیوں کی تسلیجیں بیٹے اس طرح کھڑے تھے گویا اب ناچنے  
 لگتے ہیں۔ چاروں طرف چاروں چتر زرنگار جن میں موتیوں کی جھالر جھللاتی تھی آگے ایک  
 شامیانہ کہ جواہرات اور موتیوں کی آبداری سے دریا کی طرح لہراتا تھا اور ایک لاکھ  
 روپیے کی لاگت سے طیارہ ہوا تھا۔ اس کے گرد کرسیاں اور چوکیاں اپنے اپنے مرتبے  
 سے سجی ہوئی تھیں۔ تخت کے گرد پاس ادب کے بیٹے کئی کئی گز تک حاشیہ چھوڑ کر چاندی کا  
 کٹھڑا ایسا خوشنما لگا تھا کہ جبکی مینا کا بجا لیاں مرغ نظر کو شکار کرتی تھیں۔ غرض دربار آراستہ  
 ہوا۔ مگر اقبال کا رعب و اب دیکھ کر قدرتِ خدا یاد آتی تھی چنانچہ کھڑے کے باہر اول بین  
 و یسار شہزادگان والا تیار۔ ان کے بعد راجہ ہمارا راجہ۔ ملک ملک کے حاکم۔ امیر و زیر اپنے  
 اپنے مراتب سے کھڑے مگر تمام فرماں برداروں کی آنکھیں زمین پر اور گوش دل اپنے  
 فرماں روا کے حکم پر لگے تھے۔ ہر ایک درمیں دود و خاص بردار نخل کی غلاف دار بندوبست  
 کندھوں پر باد لے کی جھنڈیاں ہاتھوں میں سیٹے بست بنے ہوئے قائم تھے۔ باہر کے

والان میں اور عمدہ دار جاگیر دار منصب دار حکم کے منتظر حاضر تھے۔ اس سے آگے کے دوروں میں تین تین جیشی جیسے کالے دیو۔ آنکھیں لال لال۔ ذر بفت کی وریاں پہنے ہتیاروں میں اچھی بنے۔ گزہاے فولادی کندھوں پر۔ بادے کی بیرقیں ہاتھوں میں۔ تیسرے درجے میں اہلکار اور ہر کارخانے کے کاردار۔ فشی۔ مقصدی قلم دان مکریں۔ بستے آگے رکھے موجود تھے اور دوروں میں سپاہی ننگی تلواریں علم کیلے۔ قد آدم چاندی کے کھڑے سے لگے خاموش کھڑے تھے۔ باہر تیس تیس گز کا فاصلہ دے کر پھر چاندی کا کھڑا تھا اور اُس کے برابر ہمارے سپاہی خاص بادشاہی جن میں دائیں پر ترک۔ بائیں پر افغان سامنے راجپوت اپنی زرق برق وریاں پہنے۔ سنہری روپلی بیرقیں ہاتھوں میں لیے جے تھے۔ یہاں سے دروازے تک سواروں کے پرے دورستہ پابستہ آراستہ تھے۔ جو درباری لوگ آتے۔ پہرے پہرے پر اپنے نام و نشان بتاتے اور آگے چلے جاتے۔ مگر دہد بہ دہشت کا یہ عالم تھا کہ ہوش و حواس کے قدم تھراتے تھے۔ دربار میں پونج کر تین سلام گاہوں پر تسلیم بجالاتے تھے۔ جب نقیب آواز دیتا تھا کہ آداب بجالاؤ۔ جہاں پناہ بادشاہ سلامت! عالم پناہ بادشاہ سلامت۔ ادب سے تفاوت سے! تو دل سینوں میں دہل جاتے تھے۔ کھڑے کے پاس کورنش کا آداب ادا کرتے تھے۔ غرض اول شاہزادوں کی نذریں گودنی شروع ہوئیں۔ ہر ایک کو خلعت اور ترقی منصب اور سرفرازیوں کے احکام سنائے گئے۔ سعد اللہ جہاں وزیر اعظم کو ہفت ہزاری کا منصب عطا ہوا۔

## جشن ماہستانی

رات کو جشن ماہستانی ہوا کہ تمام دیوان عام ایک بقعہ نور نظر آنے لگا فرش میں سفید مچلیں۔ سفید ہی قالین۔ دیواروں پر براق اٹلیں۔ ذر بفت و کخاب کے پردے مگر وہ بھی روپلی۔ آرایش کے سامان اور روشنی کے سب لوازمات موجود مگر تمام بلور اور شیشہ ہاے سفید۔ سلنے چمن اور درختوں کے پھول پتے تمام سفید۔ روشوں پر گھاس سفید۔ دربار کا لباس سفید۔ یہاں تک کہ انگوٹھی بھی چاندی کی۔ اُس پر بھی الماس سفید۔ غرض کہ زمین سے آسمان تک نور کا عالم تھا۔ اور دریائے متاب لہر آتا نظر آتا تھا۔ چند رما کی ٹیلا کے جشن میں خود باقی تھے۔ ملے بھری اپنے علم کے موافق امیروں اہل بادشاہوں سرداروں کی غوث دہ کرنے کے لیے نقد و جنس کے ساتھ ترازو میں توازن۔

ہیں اور وہ نقد و جنس مساکین کو خیرات میں دے دیا کرتے ہیں اس عمل کو ٹلا کرنا کہتے ہیں۔ ۱۲۔

اس نئے فون تک براہِ مشن کے انعام و اکرام جاری رہے۔

اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں جو شاہ عالم کے صاحبِ زادے اور جانشین تھے دیوان عام کی حالت ایسی ابتر ہو گئی تھی کہ آنے والے اُسے دیکھ کر کفِ حسرت و افسوس ملتے تھے۔ دہلی کے ریڈنٹ سٹرائیٹ نے بشپ ہنبر سے کہا تھا کہ محلات شاہی کی رومی حالت سبب کچھ متول کی کمی نہ تھا بلکہ ان لوگوں نے محض اپنی بے پروائی سے ایک ایسی عمارت کی جو خود ان کی گزشتہ عظمت کی یادگار تھی اس کی نگرانی۔ مرمت حتیٰ کہ معمولی صفائی تک بھی چھوڑ دی۔ دیوان خاص ایک بے ترتیب اور ناکارہ سامان کا انبار خانہ بن گیا۔ ٹوٹی ہوئی پالکیاں۔ خالی صندوق بھرے پڑے تھے۔ تخت کی یہ حالت تھی کہ کبوتروں کی بیٹ سے ایسا اٹ گیا ہو کہ جواہرات بھی شکل سے نظر آتے ہیں، غدرِ شہداء کے بعد سے پھر اس کی نگہداشت ہونے لگی۔ طمع کاری کو از سر نو آجالا گیا۔ چوٹی چھت بدلی گئی اور لال رنگ کرا کے نہایت عمدگی سے طمع کرا دیا گیا۔ یہ مقام بھی زمانے کی نیرنگیوں اور انقلاباتِ عجیبہ کا اکھاڑا رہا۔ یہ مکان شاہ جہاں کا بنایا ہوا اور اسی کے عہد میں یہ سب زیادہ پسندیدہ اور آراستہ بھی سمجائی جگہ تھی جہاں بادشاہ اکثر دربار کیا کرتے تھے۔ اور نکاتِ عیس سے وہ احکام و فرامین اپنے صوبہ داروں۔ طرف داروں اور مقامی حکام کے نام نافذ فرماتے تھے۔ جن کے سامنے ساری وسیع سلطنت احکامِ قضا شہیم سلاطین مغلیہ کے لئے سر تسلیم خم کرتی تھی۔ نادر شاہ نے جب پانی پت کے میدان جنگ سے سلطنتِ دہلی کو تباہ و برباد کر دیا تو یہی مکان تھا جہاں اُس نے اپنے شکست یافتہ میزبانِ نادر شاہ سے پگڑی بدل کر تاج شاہی زیب سر کیا۔ ۱۷۰۶ء میں ستارے کے ٹکڑے گروہ یعنی مرہٹوں نے اس ہال کو نوچ کھسوٹ کر برباد کر دیا۔ اس واقعے کے کوئی پچیس برس بعد ایک سفاک سپاہی نے خود مختار شاہنشاہِ دہلی شاہِ عالم کی آنکھیں نکال لیں۔ اس بے باکانہ حملے کے کوئی بیس برس بعد شاہِ عالم کے دربار میں انگریزوں کا جنرل لارڈ لیک باریا ب ہوا اور بادشاہ نے اُس گلو خلاصی کے لئے جو اسے سیدھیائی لازمِ نریج افواج سے نجات پانے میں حاصل ہوئی تھی برٹش گورنمنٹ کا شکریہ ادا فرمایا۔ اس واقعے کے نصف صدی سے کچھ زیادہ بعد ۱۷۵۷ء میں شاہِ عالم کے پوتے نے جو بہادر شاہ دہلی کا بادشاہ تھا غدرِ دہلی کے ہندوستانی باغی افواج کے عہدہ داروں کے

جو برٹش گورنمنٹ کے ملازم تھے اسی ہال کے دربار میں بڑے تپاک سے لیا اور ان باغیوں نے ایک بار پھر اسی بادشاہ کو سلطنت مہند کا فرماں روا بنا دیا۔ غرض دیوان خاص ان تاریخی واقعات اور نیز اس کی بے نظیر عمارت کے لحاظ سے ضرور صفحہ زمین پر فردوس کہیں کہلانے کا مستحق ہی۔

زبے صفائے عمارت کہ در تما شائیش  
بیدہ باز نگر دو نگاہ از دیوار

حمام

۵۸-۱۰۳۸ م  
۴۸-۶۱۶۳۹

دیوان خاص کے شمال میں شاہی حمام ہیں ان دونوں عمارتوں کے بیچ میں ۱۴ سو چوڑا سنگ مرمر کا فرش ہے۔ حمام کی عمارت کی جنوبی دیوار کے وسط میں دیوان خاص کے مقابل ایک تین در کا ہال ہے جو حمام کی ڈیوڑھی ہے۔ اس ڈیوڑھی کے ہر دو جانب دو کمرے ہیں جن کے بیچ میں سے آدمی حمام میں داخل ہوتا ہے۔ حمام میں سنگ مرمر کے فرش کے تین وسیع کمرے ہیں۔ ان کمروں کا فرش نصف نصف دیواریں۔ حوض۔ گرم آبے ان سب پر پہلے رنگ رنگ کے قیمتی پتھر چڑے ہوئے تھے اور نہایت خوش نما پھول پتیاں گلہستے بنے ہوئے تھے۔ دریا کی طرف کے کمرے میں پانی کے لئے تین حوض بنے ہوئے ہیں۔ مشرقی دیوار میں ایک چھوٹا سا سنگ مرمر کا نشیمن ہے جس کے ہر طرف ایک ایک کھڑکی ہے جس میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ دو کمرے میں صرف ایک ہی حوض ہے اور تیسرے کمرے میں ایک گرم آب نہایت خوب صورت بنا ہوا ہے جس کے پیچھے ایک تو لگا ہوا ہے جہاں سے پانی گرم ہو کر آتا تھا۔ حمام میں جا بجا نہریں دوڑتی تھیں فورے لگے ہوئے تھے جس سے ہر کمرے میں پانی پونچھا رہتا تھا۔ حمام میں روشنی آنے کے لئے دھندلے آئینے لگے ہوئے ہیں۔ تسبیح خانے کے جنوب میں حمام ہے۔ جس میں جانے کا دروازہ دیوان خاص کی مشرقی دیوار کے سامنے ہے۔ حمام کی عمارت کے ادھر ادھر ج کمرے ہیں کہتے ہیں کہ وہ صاحبزادوں کا حمام تھا۔ حمام کی عمارت کے تین بڑے حصے ہیں۔

عقب حمام

یا حمام کن

یہ پہلا درجہ حمام کالب دریا عقب حمام یا جاسکن کہلاتا ہے جہاں اگر کپڑے اتارے جاتے تھے یا غسل کے بعد آکر بیٹھتے کپڑے پہنتے اور کچھ ناستہ کرتے۔ یہ عمارت بہت نفیس ہے اور کمرے کی صرح پر اس کے درجے ہیں اور بیچ میں چلنے پھرنے کے لئے رستے چھٹے ہوئے ہیں



اور اجارے تک سنگ مرمر لگا ہوا ہو جس میں رنگ برنگ کے پتھر بٹھا کر پچھیکا ری کا بہت اعلیٰ درجے کا نفیس کام کیا ہو۔ اس میں چھوٹے چھوٹے حوضوں میں تین فوارے لگے ہوں گے اس میں سے ایک فوارہ جس سے گلاب کی پھوار نکلتی تھی دیکھنے کے قابل ہو۔ اس کی ایک کھڑکی میں سنگ مرمر کی بہت نازک اور نادر جالی لگی ہوئی ہو اور کچھ رنگین آئینے بھی اسی زمانے کے ہوں یعنی آئینہ بندی کی تھی جس میں سے دریا اور سبزہ اور جنگل کی کیفیت دیکھ کر نظر اٹھانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔

## درجہ دوم سرد خانہ

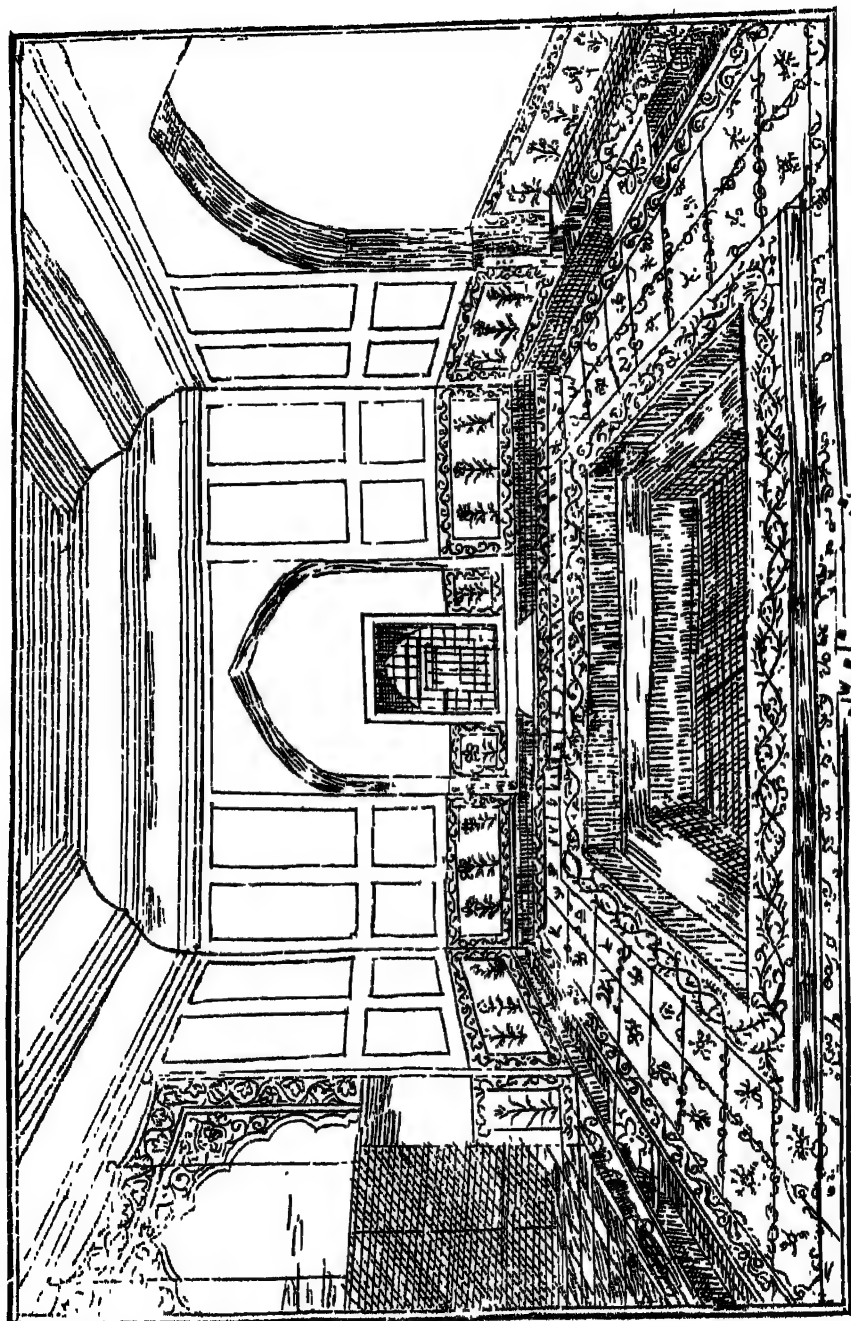
اس درجے میں جانب شمال ایک شہ نشین ہو تمام در سنگ مرمر کی نہایت مثبت کار اور پرچین ساز اور پتختی کار اور اس کے آگے ایک درجہ ہو مربع سنگ مرمر کا جس میں فرش سے لے کر چھت تک عجیب عجیب رنگ کے پتھر سے پتختی کاری کی ہوئی ہو اور طرح طرح کے بیل بوٹے بنائے ہوں اس حد تک کہ فرش دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ گویا قالین ایرانی نہچھے ہوئے ہیں۔ اس کے نیچوں بیچ میں ایک حوض ہو مربع اسی طرح کا پرچین کار جس کے چاروں کونوں پر چار فوارے ہوں سنہری کہ وہ جب چھوٹا کرتے تھے تو اس میں بھی ایک ندرت رکھتی تھی اور اس طرح حوض لگائے تھے کہ چاروں فواروں کی دھاریں مل کر حوض میں گرتی تھیں اور گرد اس کے دیوار سے ٹلی ہوئی ایک نہر جدول کے طور پر ایک گز عریض بنی ہوئی ہو۔ اور اس مکان میں ایک خوبی رکھی ہو کہ چاہے تو یہ درجہ سرد رہے اور نہر اور حوض میں بھی ٹھنڈا پانی جاری رہے اور چاہیں اسے گرم کر دیں کہ فرش سے لے کر چھت تک گرم ہو جائے۔ فوارے بھی گرم ہی چھوٹیں اور نہر بھی گرم ہی بہے۔ اس درجے میں سنگ مرمر کی ایک قابل دید کوئچ بھی رکھی ہوئی ہو۔ خدا جانے کس طرح بنی گئی۔ جس کے دیکھنے سے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہو کہ اس حمام میں کس قسم کا سامان و اسباب ہوتا تھا۔

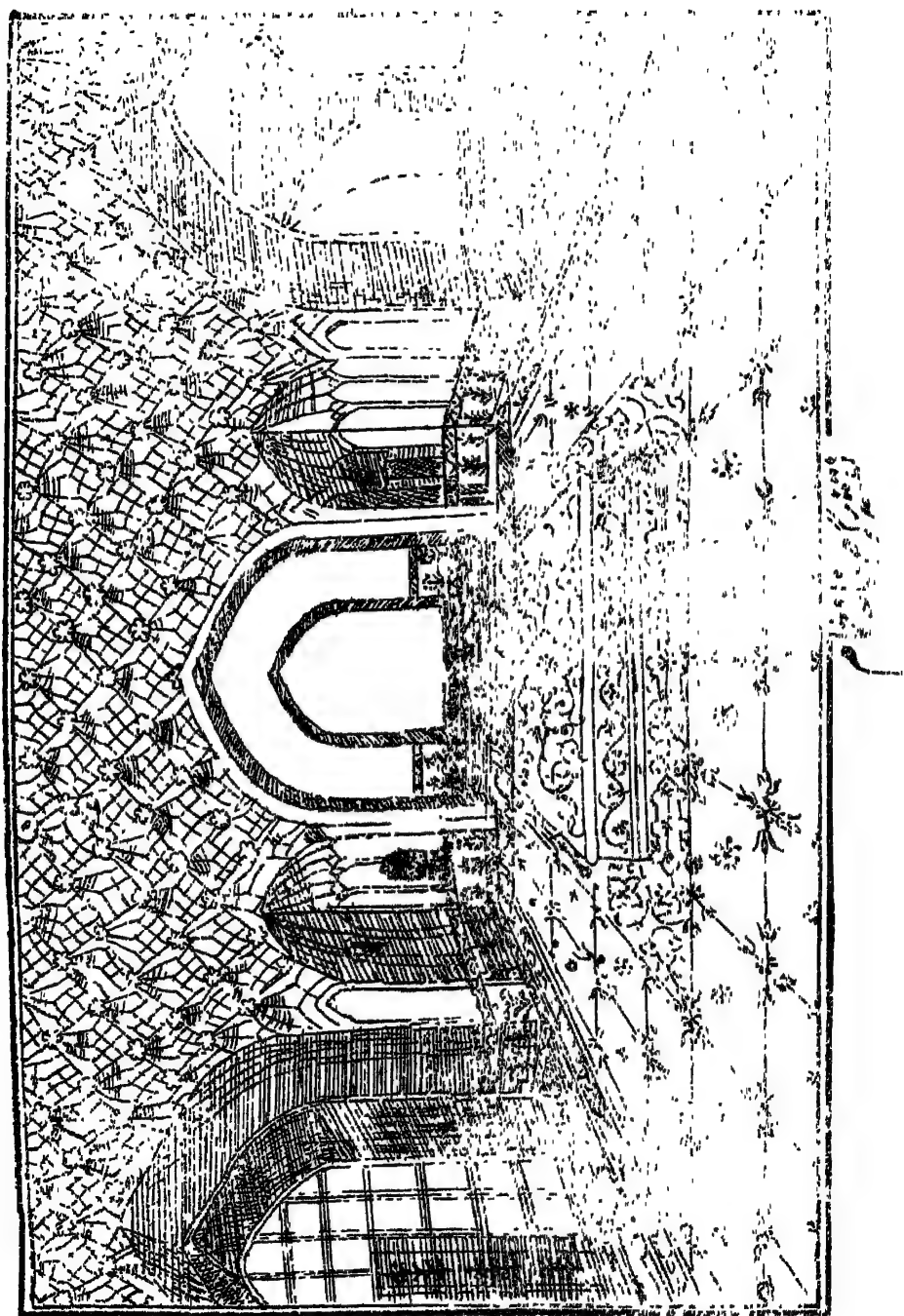
## گرم خانہ

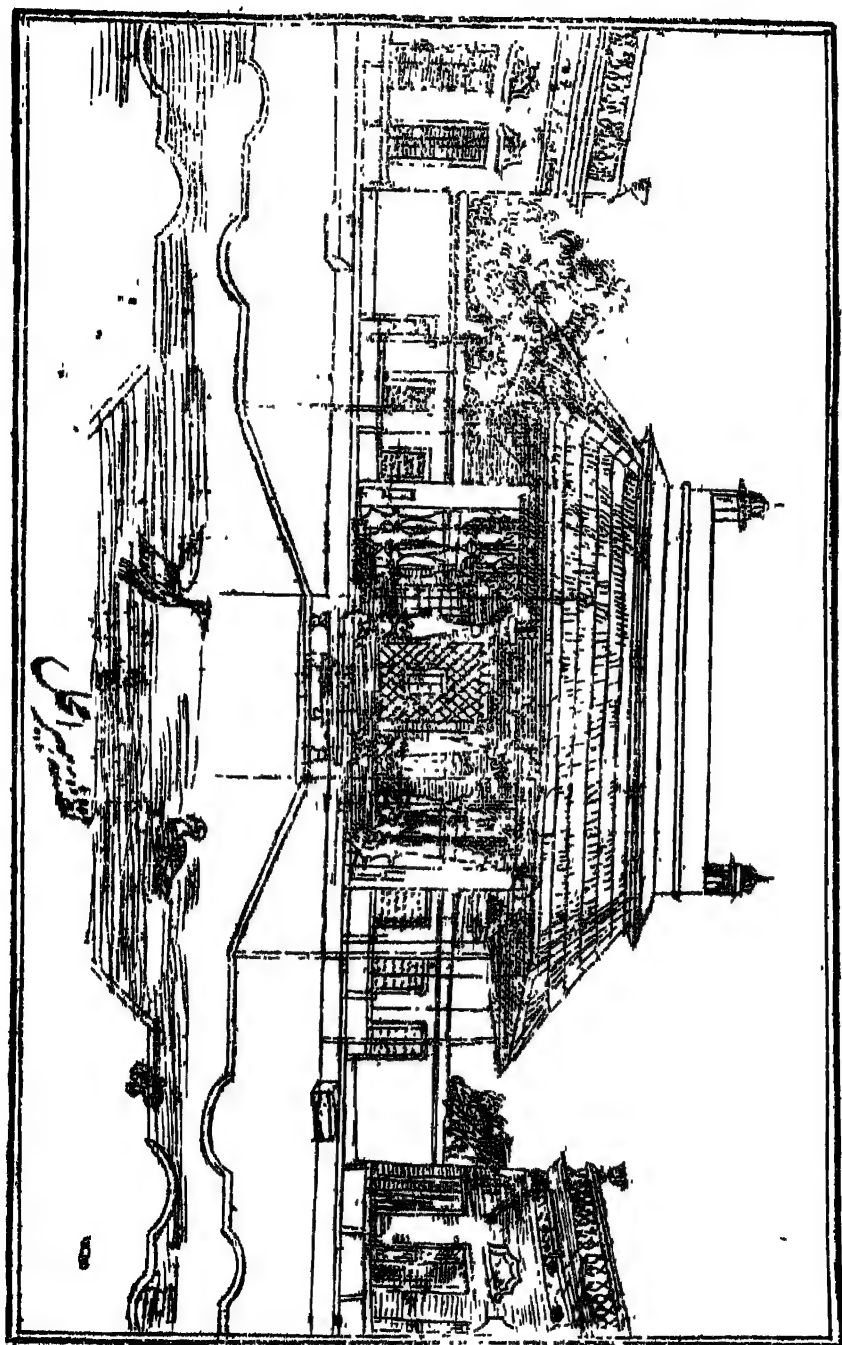
حمام کا یہ تیسرا درجہ ہو جس کے غرب میں حوض آب گرم کے بنے ہوئے ہوئے ہیں جو درے سنگ مرمر کے ہیں جن کو سوا سو من لکڑیوں کا نغمہ دیا جاتا تھا اور اس کے آگے ایک مربع درجہ ہو جس کے بیچ میں سنگ مرمر کا چوبہ ترا ہو جس پر بیٹھ کر غسل کرتے تھے اور جانب شمال دو سکے درجے کی طرح شہ نشین بنی ہوئی ہو اور اس شہ نشین پر ایک بڑا مستطیل حوض ہو اور اس میں بھی خوب



امامزاده جعفر







کہ چاہے اُس خاص کو گرم پانی سے بھریں چاہے سرد سے۔ اس درجے کا بھی فرش چھوڑ  
 خاص اور دیواریں اجارے تک بالکل مثبت کار میں اور طرچ بطرح رنگین اور پیش قیمت پتھر  
 اس میں جڑے ہیں اور انواع و اقسام کے پھول اور پیلے بنائی ہیں۔ اسی میں ایک جالی گرم  
 آب کی بہت نفیس ہو پانی کے گرم کرنے کا سب سامان مغربی دیوار میں بنا ہوا ہے۔ حمام کے  
 ہر درجے میں روشنی رنگین شیشوں کے ذریعے سے آتی تھی جس کا نمونہ اب بھی حمام کے  
 مشرقی حصے میں موجود ہے۔ شاہان مغلیہ کو حماموں کا بڑا شوق تھا اور سلطنت کے امور  
 عظام صیغہ راز کے یہیں طے پاتے تھے۔ چنانچہ سرطاس و شاہ جہاں کے حضور میں  
 آگرے کے قلعے میں حمام ہی میں باریاب ہوا تھا۔ موسم سرما میں ان حماموں میں زیادہ تر  
 بادشاہ جایا کرتے تھے کیوں کہ وہ خوب گرم رہتے تھے۔ لیکن بقول سرسید یہ حمام شاہجہاں  
 اور اورنگ زیب کے وقت میں گرم ہی نہیں ہوئے۔

ہیسرا محل  
 تقریباً ۱۱۵۹ء  
 ۱۶۲۲ء

حمام کے شمال میں یہ محل ہے۔ اس میں اور حمام میں صحن چھوٹا  
 ہوا ہے اور اس صحن میں چار گز کے عرض کی ایک نہر بطور  
 مارچج کے سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے یہ وہی نہر ہے جس کا نام  
 نہر بہشت ہے اور دیوان خاص اور رنگ محل میں جاری ہے۔ اس صحن کے بیچ میں نہر  
 کنارے پر ایک بڑی بارہ دری سنگ مرمر کی ہے۔ لمبائی ۲۲ - ۱۲ - ۱۲ - ۱۲  
 غریبا ہادر شاہ ثانی خاندان مغلیہ کے آخری تاجدار کی بنوائی ہوئی ہے۔ جو مرزا محروزی ہمدانی  
 بارہ دری مشہور ہے۔ اس سے درے توپ سے قریب ایک کوٹھری ہے جس میں بڑا نمبر  
 ہتیار رکھے ہیں۔ حمام کے پیچھے ایک کنواں ہادر شاہ کا بنوایا ہوا ہے اُس پر یہ تاج محل

کہ آبش خمر بہت قدر و بات است  
 ہو یہ چشمہ آب حیات است

ظفر تعمیر شد ایں چاہ شیریں  
 انیس خوش تر نہا شد سال تارینج

اس کے دیکھنے سے شاہ جہاں کے زمانے میں اور آخری دور مغلیہ میں جو فرق بین طرز عمارت  
 میں ہو گیا ہو ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی چھت کے چاروں کونوں پر چار چھوٹی چھوٹی چو کھنڈیاں  
 بنائی ہیں جن کی برجیاں سنہری ہیں۔ یہ محل بھی سارا سنگ مرمر کا بہت نازک اور خوب صورت  
 بنا ہے۔ اس صحن میں جو نہر ہے وہ اس طرح سے مارچج سے بنائی ہے کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔  
 اُس زمانے میں اس نہر کے بیچ میں سنہری روپلی چو میں قرارے تھے جو ہمیشہ چھوڑا کرتے تھے

## موتی محل

ہیمل محل کے فناء میں اور حیات بخش باغ کی مشرقی آہٹ کے

سامنے موتی محل تھا جو غدر کے بعد تورت ڈالا گیا اور وہاں تو خپانے

کی بارک بنادی گئی جس عمارت کا وجود ہی نہ رہا تو اب کیا ہو سکتا تھا لیکن  
۱۹۱۳ء میں وہ بٹیری نکلا دی اور مقبنا ہو سکتا تھا وہ کیا گیا خیر اس محل کے  
حدود تو معلوم ہوئے لگے کہ یہاں یہاں تک تھا۔ محل کی تصویر دیکھنا چاہتے ہو تو آثار القضاۃ  
میں یوں لکھا ہے کہ یہ محل سنگِ سرخ کا تھا جسے سنگِ پٹھانی سے سفید کر کے رنگامیزی  
اور طلاکاری کے گل بوٹے بنائے تھے۔ اس میں ایک درجہ تھا گنڈا × گنڈا مشتمل دو نشینوں  
اور اس کے بیچ میں ایک حوض تھا گنڈا × گنڈا۔ اور ہر ایک شہ نشین کے پیچھے ایک ایک  
درجہ تھا گنڈا × گنڈا۔ اور دیوان تھے رفیع بیچ درے کہ جانب شرق سے مشرق بدریاقھے  
اور جانب غرب سے مشرق بہ باغ حیات بخش۔ ہر ایک ایوان کا طول ساٹھ گز اور عرض تیس  
گز تھا۔ اندر کی عمارت میں اجارے تک سنگ مرمر لگا ہوا تھا اور باقی سنگِ سرخ کا تھا  
جسے سنگِ پٹھانی سے سفید کیا تھا اور اس میں ایک حوض اور نہر تھی جس میں سے ایک چادر دو گز کے  
عرض کی باغ حیات بخش کے ایک حوض میں پڑتی تھی اور یہ حوض وہی تھا جو اب رنگ محل کے  
سامنے رکھا ہوا ہے جس کا ذکر ہم نے علیحدہ کیا ہے۔

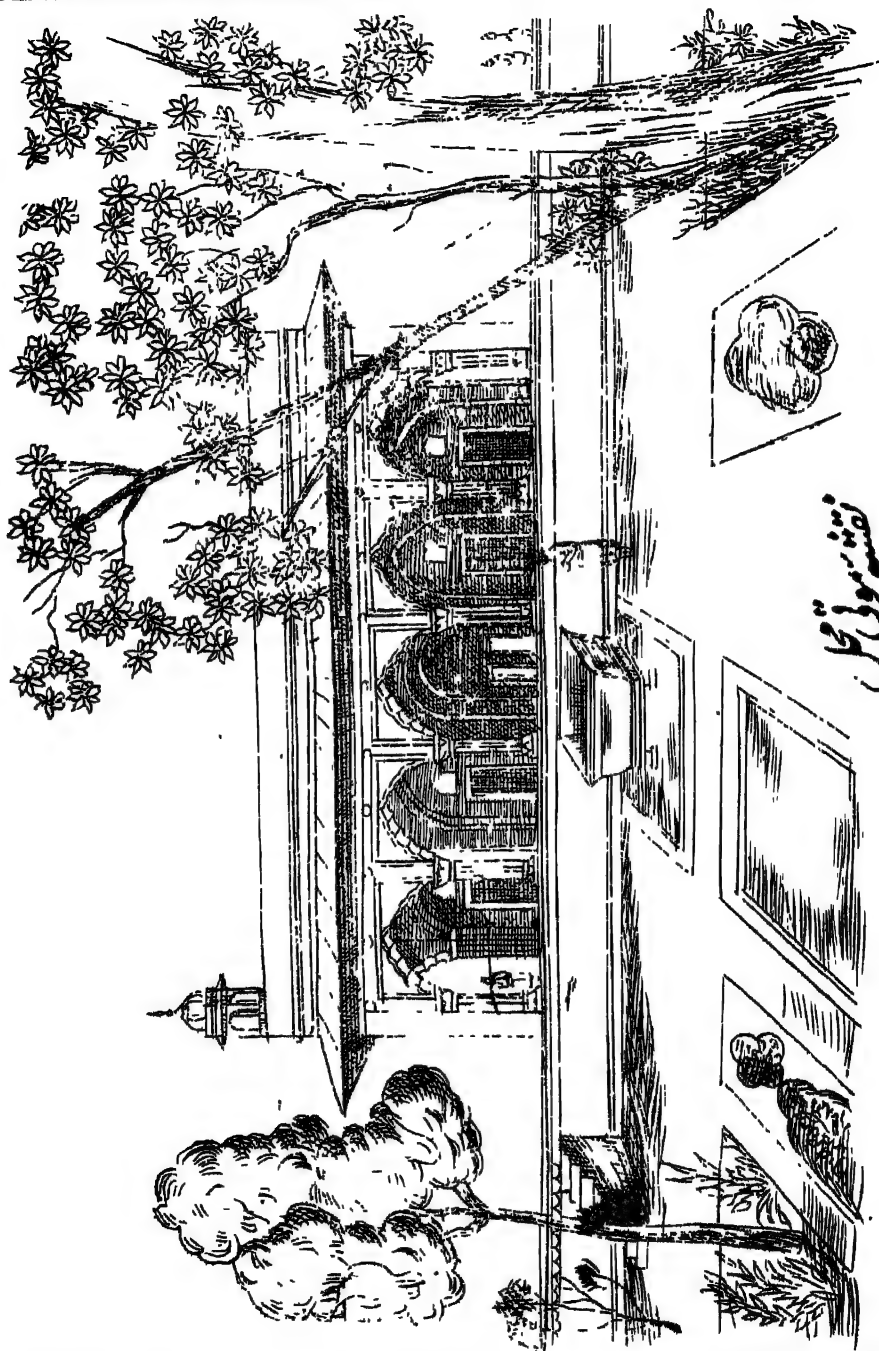
## موتی مسجد

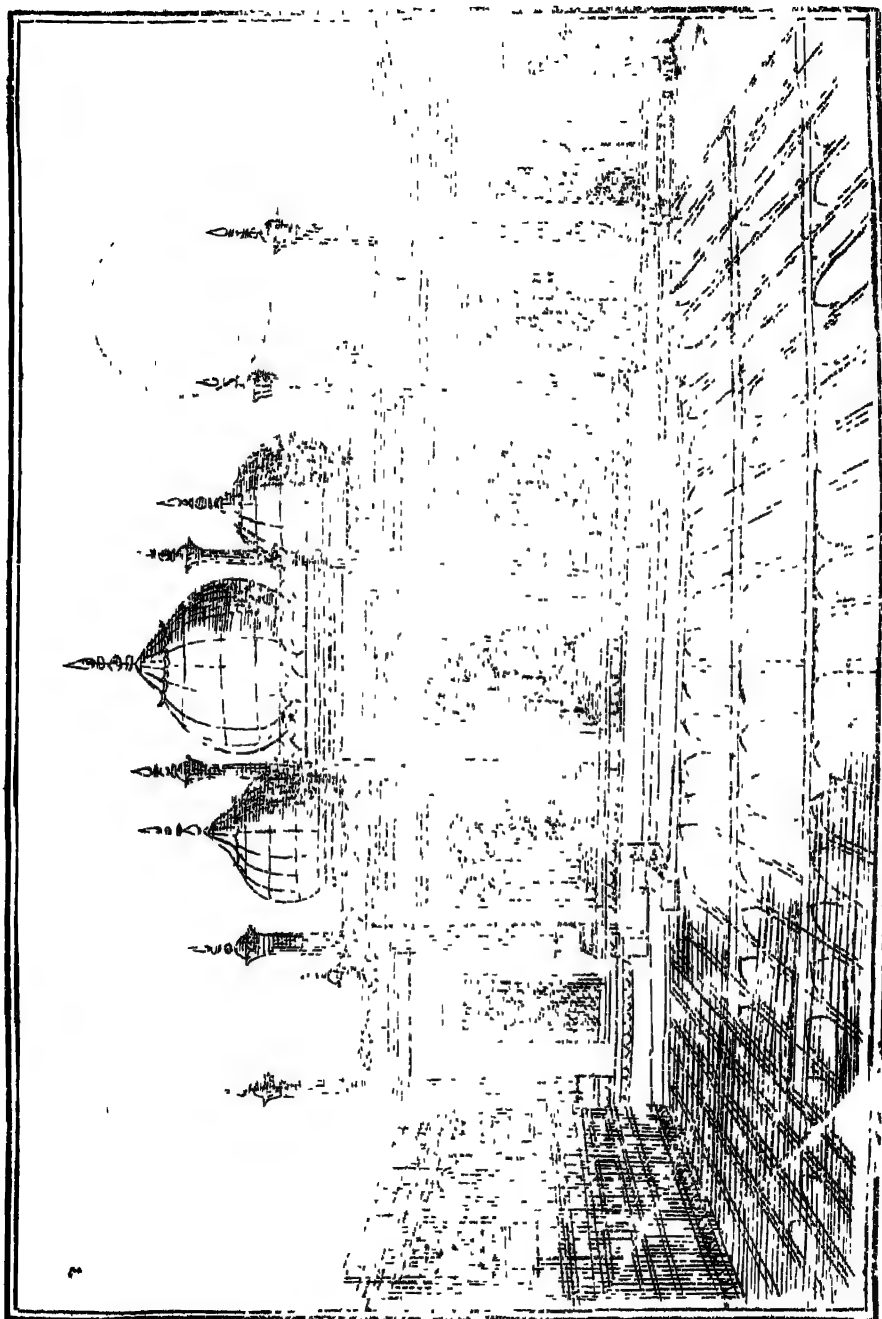
یہ مسجد لال قلعے میں شاہنشاہ اورنگزیب نے سنہ جلوس (۱۶۵۹ء) مطابق  
۱۰۷۹ھ میں بھرت ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ کہ رائج الوقت بنوائی تھی۔  
اس کی عمارت غایت درجہ خوب صورت اور از سر تا پا سنگ مرمر کی ہے۔

۱۰۷۹ھ  
۱۶۵۹ء

یہ مسجد بادشاہ اورنگزیب کی پریٹ عبادت گاہ تھی۔ غدر شیعہ میں اس پر ایک توپ کا گولہ  
گر کر گہروں کو سخت نقصان پہنچا تھا جس کی مرمت نہایت خوبی سے ہو کر دی گئی۔  
لیکن گنبد جو پہلے بالکل سنہری تھے ویسے تہ بن سکے اب سادے ہیں۔ اگرچہ مسجد بہت چھوٹی  
ہی بمقدار ہرچہ بقا است کثر بقیمت بہتر سارے ہندوستان کی مسجدوں پر اپنے حسن و خوبی  
کے لحاظ سے تفوق رکھتی ہے۔ مسجد کا داخلی چھوٹا سادہ وادہ سنگ مرمر کا ہے جس میں برنجی  
چادر کے جڑے ہوئے پٹ ہیں۔ صحن مسجد ۵۳ × ۲۰ سارے کا سارا سنگ مرمر کی سلوک  
فرش کا ہے۔ چادریاری ہمیں فیٹ بلند ہے۔ دیواروں کے بیرونی رخ پر سنگِ سرخ اور سن  
اندر و اس سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ دیواروں میں چوڑی چوڑی سلیں لگی ہوئی ہیں جن میں دیوار دو گز

نقشہ سورت محل





ہیں اور ان پر سنگ مرمر کی برجیاں ہیں۔ احاطے کی شمالی دیوار میں زنانے محل میں سے آنے کا رستہ ہے۔ اس رستے سے بیگمات آکر شریک ناز ہوتی تھیں محن کے وسط میں ایک سنگ مرمر کا حوض ۱۰ × ۸ ہے جو باغ حیات بخش کی نہر سے بھرا جاتا تھا چونکہ یہ حوض وہ دروہ سے چھوٹا تھا اور اس کا پاک رہنا مشکل ہوا لہذا اس میں ایسی ترکیب رکھی ہو کہ بھادوں میں سے اس حوض میں پانی آتا ہو اور ابل کر ہر وقت بہتا رہتا ہو گویا یہ حوض بھی چشمہ جاریہ ہے۔ مسجد کا طول و عرض ۰ ۳۳ × ۳۵ ہے۔ بلندی ۵ ۲۔ اور چھت سے درمیانی گنبد کے کلس تک ۱۲ اور ہے۔ اس مسجد کے تین در نہایت خوب صورت بنگڑی دار محرابوں کے ہیں جو زیادہ اونچے نہیں۔ چوتھے کی چار سیڑھیاں ہیں جو ۳ ۳ اونچائی۔ جس میں سنگ موسیٰ کی تحریر کے متصل ہیں۔ ان محرابوں کے چار ستون ہیں جن کے سرے اور بیٹھک پر تو نقش و نگار ہیں باقی بیچ کا حصہ بالکل صاف و شفاف سنگ مرمر کا ہے۔ اور اصرادھر کی محرابیں آٹھ فیٹ چوڑی ہیں اور بیچ کی اس سے دگنی۔ پیش والاں کے پیچھے اور ایک والاں ہو اس کے بھی تین ہی در ہیں۔ اس طرح اس مسجد میں ستونوں کی دو قطاروں سے چھ حصے ہو گئے ہیں۔ مسجد کی چھت کی دیوار میں حسب معمول دیوار و دو محراب ہے۔ درمیانی محراب زیادہ چوڑی اور گہری ہو۔ سامنے کی محرابوں کے دونوں طرف میناریں ہیں اور ادھر ادھر کی محرابوں کے سامنے ہر برقع میں ایک سنگ مرمر کا چوڑا چھتہ ہی چھت کی منڈیر کو چھوٹی ہی مگر اس پر بہت کچھ نقش و نگار کیے ہوئے ہیں۔ یہ منڈیر بیچ کے در پر محراب دار ہے اور باقی دو دروں پر ہموار تینوں گنبد سنگ مرمر کے کمر کی وضع کے ہیں پونہری تھے اسی وجہ سے بعض لوگ اسے سنہری مسجد بھی کہتے ہیں۔ یہ مقابلے مغلوں کے بنائے ہوئے گنبدوں کے یہ زیادہ کوٹھی دار ہیں ان پر طع کے کلس چڑھے ہوئے ہیں۔ اس مسجد کی جانب شمال ایک حجرہ بنا ہوا ہے عبادت اور وظیفہ و نائف کے لئے اس میں بھی ایک مختصر کمرعہ بہت نفیس خوش ہے اور اس کے گرد آئینہ بندی کی ہوئی ہے۔ عاقل خاں نے اس کی تاریخ کیسی نفیس نکالی ہے۔ جیسی مسجد ویسی تاریخ اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا دریں حدیقہ ہمارے درخواں ہم آغوش است زمانہ جام بدست و خبا نہ بردوش است یہ باغ جس کا اب وجود نہ رہا موتی مسجد کے شمال میں تھا۔

باغ حیات بخش

۱۰۲۸-۵۸  
۶۱۴۳۹-۳۸



۱۹۰۲ء میں یہ باغ بالکل بلبے کے انباروں میں دبایا ہوا تھا اور باقی حصہ سڑکوں میں آگیا تھا۔ غرض یہ کہ اس کی نہریں روشیں آبشار نالیاں سب ٹوٹ پھوٹ کر تباہ ہو گئی تھیں۔ حیات باغ حاکمات باغ ہو گیا تھا۔ لارڈ کزن کو اس کی دھن تھی اور کیا ہی نیک دھن تھی ۱۹۰۲ء میں اس کی داد فرما دی گئی اور پھر باغ خداں رسیدہ میں بہا ر آئی اور فوری درستی شدہ ہو گئی ۱۹۱۱ء تک برابر مرمت جاری رہی اور جہاں تک امکان بشری میں تھا ملائی مانات کی گئی۔ جو حصہ خالی تھا ٹینک ٹھاک ہو گیا باقی حصہ بارکوں سے گھر گیا تھا وہ امر لا علاج تھا۔ اب اس باغ کی اس حالت کا نقشہ بھی ملاحظہ ہو جیسا کہ یہ بھی کبھی تھا

صدر ہزاراں گل شگفتہ درو

سبزہ بیدار و آب خفته درو

یہ باغ خدا کی قدرت کا نمونہ ہی کہ اس کے دیکھنے سے دل کو فرحت تازہ اور جان کو نشاط بے اندازہ حاصل ہوتی ہے۔ اس کے دیکھنے سے نقشہ بہشت بریں کا آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے ہر وقت اس کا رنگ ثابت یاد اور ہر گل رخسار اس کی من کے آگے بنا گوش یا رخیل اور اس کی ہنشمہ کے سامنے دھن خراباں شغل اس باغ کے بچوں بیچ میں ایک حوض کلاں ہو اور حوض کے چاروں طرف سنگ سروخ کی نہریں چھ گز عریض ہتی ہیں اور ہر ہر تیس تیس فوارے چاندی کے چھوٹے تھے اور روش میں نہری کا پانی آتا ہے اور گل ہائے مظر اور درختان دل کش کی تازگی کا باعث ہوتا ہے اور حوض کی دو جانب میں دو مکان واقع ہیں کہ ان کو ساون بھاؤں کہتے ہیں۔ طویل اس باغ کا دو سو پچاس گز اور عرض ایک سو پچیس گز ہے۔ الفرض کیفیت سبزہ و گل اندر آج بھی اور جو اسے ملائم اور صحت دل کشا ایسی نہیں کہ زبان قلم سے ادا ہو سکے۔

دل عشق کا ہمیشہ حریف نہر و تھا  
اب جس جگہ کہ داغ بیاں پہلے درو تھا

حوض باغ حیات بخش

چلے گا بالائی حصہ  
۱۹۰۲ء - ۱۹۰۳ء

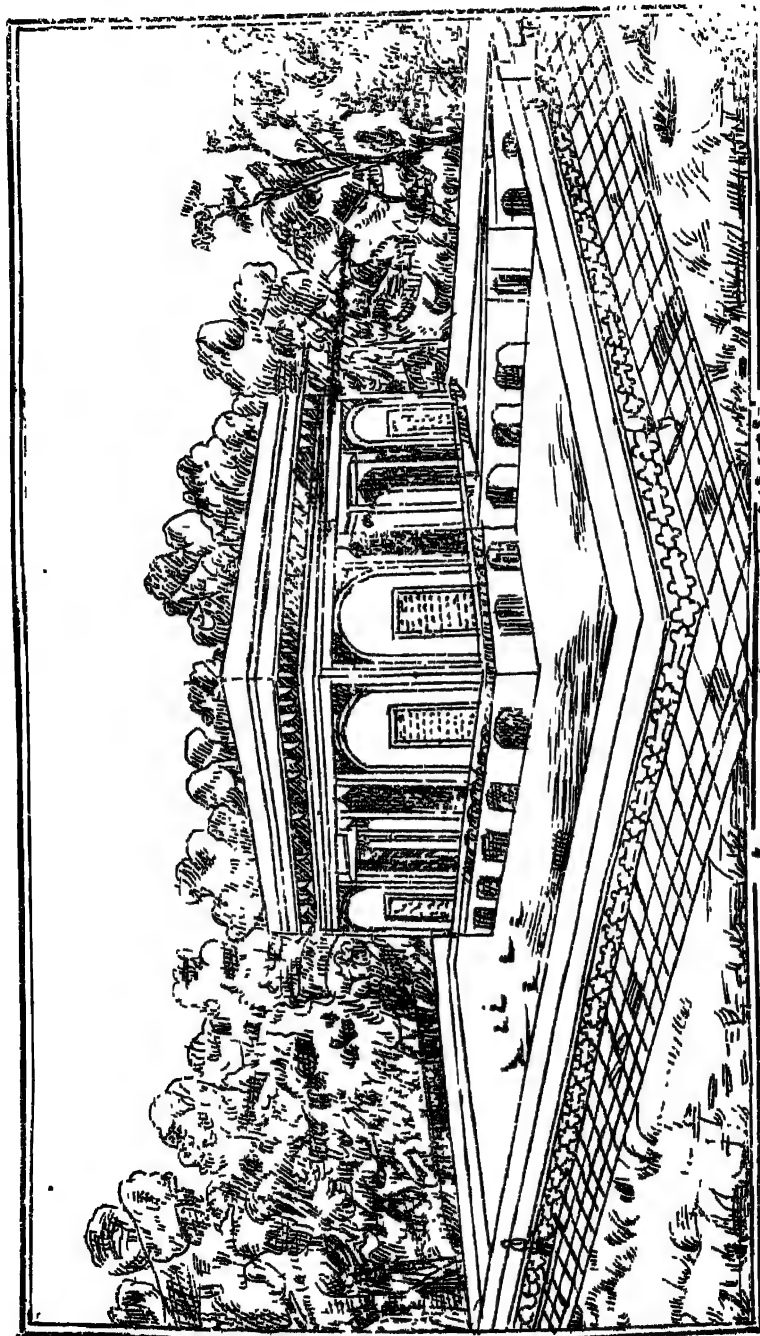
۱۹۰۲ء - ۱۹۰۳ء

اس باغ کے بچوں بیچ میں ایک بہت بڑا حوض

۱۵۰ - ۱۵۰ × ۱۵۰ فٹ حوض جس کے بیچ میں انچاس فوارے

چاندی کے گے ہوئے تھے اور ہر دم چھوٹا کرتے تھے اور علامہ ان فواروں کے گرد اگر داس حوض کے ایک سو بارہ فوارے چاندی کے حوض کی جانب جھکے ہوئے تھے۔ ان فواروں کا نام بھی نہیں رہا۔ جا بجا سوراخ ابتر نظر آتے ہیں۔ اس حوض کے گرد جنگلا لگا ہوا ہے جس کا

نقصه زعفران محاسن عرض منتابان



بالائی حصہ شاہجہانی دور کا نہیں ہے بلکہ اغلباً بہادر شاہ ثانی کے زمانے میں بنایا ہوا معلوم دیتا ہے۔  
اس حوض کی بھی نہ مانہ سال میں بہت کچھ درستی ہوئی ہے۔

## مہتاب باغ

بعد میرے جو زید و صیل یا آسنے کو تھی  
وہ چمن ہی لٹ گیا جس میں بہار آسنے کو تھی

حیات بخش باغ کے مغرب میں یہ باغ کسی زمانے میں دیکھنے کے قابل تھا مگر تین سوئیں کم  
آج کا گیا چتے چتے پر نہراور حوض تھے یا اب سارے شہر میں ڈھونڈنے سے بھی نہر کا کینچہ نہیں  
ملتا۔ بہادر شاہ نے اس نہر کے جانب غرب قطب صاحب کے جھرنے کے طور پر نہر سنگ  
سرخ کا بنایا تھا اور اسی باغ میں ایک درگاہ قدیم شریف کی بھی تھی۔ مگر اب نظریں جو طرف ان  
مقامات کو ڈھونڈتی ہیں اور کہیں نہیں پاتیں۔ اس درگاہ کا حوض سنگ مرمر کا اب قلعہ کے عجائب گھر میں ہے۔

## ظفر محل

یا جل محل

۱۸۲۲ء

اس حوض کے بچوں بیچ میں ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ نے  
یہ محل سرسے پاتک سنگ سرخ کا بنایا۔ جس کا ایک درجہ ہی اور چاروں  
طرف غلام گردش کے طور پر مکان اور کونوں پر حجرے اور چاروں  
ضلعوں میں نقیہ ہیں اور ایک طرف اس مکان میں آنے جانے کا  
پل بنایا تھا۔ اس پل کا تو اب نشان بھی نہ رہا اور دالان کی چھت بھی گر گئی ہے۔ یہ مقام عرصہ  
دراز تک فوج کا ”سہونگ باغ“ یعنی تیرے کا حوض رہا۔

## باؤلی

یہ باؤلی حیات باغ کے مغرب میں پر پڈ گر و نڈ پر بنی ہوئی ہے۔ بہشت پہلو ہے  
جس کا قطر ۴۴۰ فٹ ہے اور عمق ۱۰۰ فٹ ہے۔ اور اسی کے پاس ایک تالاب  
میں فیٹ مربع ہے۔ ۲۴۰ فٹ کی گہرائی پر شیون ریوار میں ایک محراب ہے جس میں سے باؤلی  
میں پانی آتا ہے۔ اور کچھ ایسا حساب رکھا ہے کہ تالاب میں ایک ہی لیول پر ہمیشہ قلعہ رہتا ہے۔  
یہ حوض تیرے کے واسطے بنایا ہے۔ تالاب کے شمال اور مغرب میں سیرطہاں ہیں اور دونوں  
کمرے بھی بنے ہوئے ہیں۔ اب باؤلی اور تالاب دونوں پر جست کی چادریں پڑی ہوئی ہیں۔  
اب اسی باؤلی اور تالاب سے قلعہ کے موجودہ باغوں کو پانی پونچھتا ہے۔ باؤلی اور تالاب  
دونوں کے گرد آہنی کھڑا لگا دیا ہے۔

## مسجد

۱۸۳۷-۵۷

اس مسجد کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔ چھتہ چوک کے شمال میں ہے اور اب  
سپلائی اور ٹرینسپورٹ کے احاطے میں آگئی ہے۔ مسجد ۴۴۰ فٹ ۶ اینچ ہے۔

اور بہادر شاہ ثانی کی بنائی ہوئی ہے۔ اس مسجد کا محن نہیں مسجد کی چھت مسطح اور دالان ہیں اور پانچ درہیں۔ اب اس مسجد میں سپلائی اور ٹرینسپورٹ کا گودام ہے۔

**تسبیح خانہ خواب گاہ**  
**بڑی بیٹھک**

عام خانہ شاہی کے برابر اور دیوان خاص کے جنوب میں  
 اور سر تا پا سنگ مرمر کے بنے ہوئے چند کمرے ہیں جن کے  
 بیچ میں سے نمروداں ہیں۔ ان کمروں اور دیوان خاص کے  
 درمیان سنگ مرمر کا ایک چوڑا ترابہم چڑھا ہے۔ تسبیح خانہ۔

خواب گاہ بڑی بیٹھک سب ایک ہی عمارت میں ہیں۔ تسبیح خانے کے تین کمرے دیوان خاص کے  
 سامنے ہی ہیں جن کے پیچھے اور تین کمرے خواب گاہ کے نام سے موسوم ہیں اور خواب گاہ سے  
 رلا ہوا ہال جو خواب گاہ کی چکلاں سے آدھا ہی بڑی بیٹھک یا تو شک خانہ کہلاتا ہے۔ یہ تینوں عالتیں  
 ملا کر دیوان خاص کے برابر ہیں۔ اس چوڑے پر کہ عقب ہی خواب گاہ معلیٰ کا ایک دالان  
 بنا ہوا ہے جو تسبیح خانہ کہلاتا ہے۔ کبھی کبھی جب خلوت کرتی منظور ہوتی ہے یاد بار امرائے مخصوص کا  
 ہوتا ہے تو حضور والا یہاں بھی برآمد ہوتے ہیں۔ اس دیوار کے بیچ میں سنگ مرمر کی میزان  
 بنی ہوئی ہے اور وہاں میزان عدل لکھا ہوا ہے اور تانوں کے جھرمٹ میں سے چاند نکلتا ہوا  
 دکھائی دیتا ہے اور بہت سانسری کام کیا ہوا ہے۔ یہ میزان کیسے عمدہ موقع سے بنائی گئی ہے جو پیش  
 میزان عدل ابھی کی یاد دلاتی ہے کہ بروز قیامت بادشاہ و غریب سب برابر ہوں گے اور سب  
 کے اعمال تو رے جائیں گے۔ اسی طرح بادشاہ کو جو ظل اللہ فی الارض ہے لازم ہے کہ انصاف کر  
 کبھی ہاتھ سے نہ دے اور جو کام کرے میزان عدالت میں جالچ قول کر کرے۔ اسی تسبیح خانے  
 میں سے خواب گاہ کا رستہ ہے جو خاصی ڈیوڑھی کہلاتی ہے۔ اُن سب کمروں میں پیشیت  
 رنگ برنگ کے پتھروں کی پچھکاری کا کام تھا۔ پہلی پتھر تو لوگوں نے سب نکال دیئے اب  
 اُن گڑبڑوں میں جو رنگ بھر دیا گیا ہے وہ بھی عیبت ہے۔ بیچ کے کمرے کی شمالی اور جنوبی دیوار  
 کے دروازوں میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں اور گردا گرد کے سعد اللہ فاں  
 وزیر شاہ جہاں کے مشہور آفاق تاریخی کتبے سونے کے پانی سے حسبِ فیل لکھے ہوئے ہیں۔

**کتبہ محراب جنوبی**  
 سبحان اللہ ایں چہ منور ہاست رنگین۔ دشمن ہاست و نشیں قطعہ  
 بہشت بریں۔ چوں گویم کہ تدسیان بہت بلند تا شایں آرزو مند۔  
 اگر ساکنان اطراف و اکثاف بساں بہت العین بھرویش آئند رواست۔ دیگر تعداد گمان نہیں

و آفاق شل حجر اسود بہ تقبل آستان رفیع الشان شستابند ستر - آفاذ قلعہ والا کا لکاح گردوں  
ہر راست و رشک سدا سکندر - و امیں عمارت دل کشا و باغ حیات بخش کرد منازل حیر  
روح مبدن است و شمع در انجمن - و نہر اطہر کہ آب صافیش بینا آئینہ جہاں ناست و نامہ از عالم  
غیب وہ کشا - و آبشار ہالہ ہر یک گوئی کہ سفیدہ صمد است بالوحہ اسرار از لوح قلم - و فوارہ  
کہ ہر کدماش پیچہ نورست -

### کتبہ محراب شہالی

بصافحہ آسمانیاں مائل بالآلی متالی ست بالعام زمینیاں نازل و  
حوض کہ - ہمہ از آب زندگانی پر بصفا رشک نور و چشمہ خور - و از ہم

ذاکچہ سال جلوس دوازدم اقدس مطابق ہزار و چیل دہشت ہجری بعالمیاں نوید کامراتی داد  
و انجاش کہ بصرف پنجاہ لک روپہ صورت پذیرفت بہت و چارم ربیع الاول سال بہت  
و یکم جلوس ہمایوں موافق سنہ ہزار و پنجاہ و دہشت ہجری و مہینہ ربیع الثانی و دوم گیتی خدیو گیہان  
خداوند بانی این مبانی آسمانی شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی  
درفیض برروسہ جانیان بکشاد - ذیل کے اشعار سنہری تحریر کے ہیں :-

شہنشاہ آفاق شاہ جہاں - باقبال ثانی صاحبقران - درایوان شہابی بعد اعتقاد  
چو خورشید بر چرخ داد امداد اساس ست تا ناگزیر امیں بنا - بود قصر اقبال او عرش سا -  
نہے و نشین تصریر است - بہشت بعد خوبی آراستہ شرافت یکے آید در شان او -  
سعاوت در آغوش ایوان او - چو x x x دریں سرا کہ - کند x x از جہہ دور -

بپایش سر صدق ہر کس کہ سود - چو دریائے چوں آبر و لیش فرو - زمانہ چو دیوار او بر فراشت  
بیش ربیع ہر آئینہ داشت لبس روے دیوارش آراست ست - ز نقاشیں رونما خواست  
چناں بر سر سرش دست ایام کرد - کہ گردوں بلندی اندوام کہ ہذا نوارہ و حوض دیناں - باپ

زمین شستہ رو آسمان - چو جہاے شہنشاہ عادل بود - ازاں بادشاہ منازل بود اس  
شہنشین کے آگے ایک تہج درہ والاں و ترا سنگ مرمر کا پرچین کا نہایت نفیس گنبد اور

اور او ہر ادھر اس والاں کے بھی مہر امیں ہیں - غربی حجرے میں سے دیوان خاص کو رستہ  
جاتا جیسے ڈیوڑھی خاصی کہتے ہیں - اس والاں کے بیچ میں ایک حوض ہر سنگ مرمر کا کلاسیا حوض

نہ دیکھنے میں آئے نہ سننے میں - یہ حوض نہایت نفیس سنگ مرمر کا بلا فوارے کے جس کی تہ میں طرح طرح کے  
نگین اور بیش قیمت پتھروں سے ہزاروں گل بوٹے پتیاں بنائی ہیں اور ہر پھل کی پتھری میں ایک سوراخ کھدایا

پانی چھوڑا جاتا تھا تو ان سوراخوں میں سے فوارے چھوٹتے تھے۔ ہر شخص کی پچھکاری میں ہزاروں ہنکھڑیاں ہیں اس واسطے اس کا خزانہ بہت اونچا رکھا گیا ہو۔ اب آپ اپنے تصور میں اس لطف اور بہار کا اندازہ کر لیں جو ان فواروں کے چھوٹنے سے ہوتا ہو۔ کاریگر نے کیا نادر صنعت رکھی ہو کہ سبحان المدح۔ ع۔ جہاں کی قسم بخوراجو اب کی۔ اس دالان کے آگے صحن سنگ مرمر کا ہو اور نہر بہشت بہتی اور لہراتی رنگ محل میں چلی جاتی ہو۔ یہاں کے مغربی رخ کے دو کمرے حال میں مغلیہ طرز قدیم پر اس غرض سے سجائے گئے ہیں کہ لوگ ان کو دیکھ کر اس زمانے کی طرز ماند و بود کا اندازہ کر سکیں۔ ان میں کچھ برائی زرنگار غلی مسنیں اور تکیے گھٹیا اونٹنی درجے کا فرش تلواریخبر و غیرہ متفرق چیزیں ایک قرینے سے جاد دی گئی ہیں جو بادشاہ توبادشاہ ایک معمولی درجے کے امیر کے لائق بھی نہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ قلعے کا چہرہ چہرہ بننا ہوا تھا یا آج دو چھوٹے چھوٹے حجر وں کے سجائے میں اس وقت کا سامنا ہو۔ بات یہ ہو کہ وہ سامان آرائش آج میسر نہیں آ سکتا ان کمروں میں صرف ایک چیز البتہ نادار اور قابل قدر ہو جو شاہجہاں کی خاص تلواریخبر ہے جس کے قبضے پر طلائی خط میں خود وہ نام باری تعالیٰ کے تلواریخبر کی پشت پر شاہجہاں کا نام مع القاب شاہی کے ہو باقی ایک چیز بھی ایسی نہیں جسے شاہان الوالعزم سے منسوب کیا جاسکے۔

برج طلایا مشن برج

یا خاص محل

۱۰۵۸-۱۰۶۸  
۱۶۴۹-۱۶۵۸

خواب گاہ کی مشرقی دیوار سے ملا ہوا دریا کی جانب ایک گنبد دار برآمدہ ہے جس کی تعریف میں ہرنیر نے باجو دیکھ خود کبھی دیکھنا نصیب نہیں ہوا بہت کچھ لکھا ہے۔ خواجہ سر مشن برج کی تعریف میں بہت کچھ مبالغہ کرتے ہیں جو لب دریا ایک چوٹا سا برج ہے جس پر طلائی پتروں کا خول اُسی طرح کا چڑھا ہوا

جیسے کہ اگرے کا گنبد ہے۔ اس کے لاجوردی رنگ کے کمرے۔ لاجوردی اور سنہری کام کی عمدہ نقاشی سے آراستہ ہیں جن میں بڑے بڑے شان دار آئینے لگے ہوئے ہیں یہ ایک ہشت پہلو کمرہ ہے جس پر گنبد ہے۔ کسی زمانے میں سارے گنبد پر تانبے کا خول چڑھا ہوا تھا جس پر سونے کا طبع تھا اب تو اس پر سفید استرکاری ہوئی دی ہو۔ اس کمرے کے تین کونے تو خواب گاہ میں آگئے ہیں اور پانچ کونے لب دریا ہیں۔ جن میں سے چار میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں اسی قسم کے مشن برج اگرے اور لاہور کے قلعوں

میں بھی بنے ہوئے موجود ہیں۔ یہ بطور جھروکے کے استعمال ہوتے تھے جہاں بادشاہ روزانہ برآمد ہو کر اپنی رعایا پر ایک گھنٹے میں منتظر حال مبارک ہستی تھی اپنا درشن کھلاتے تھے۔ مہمن ہج کا اصلی گنبد تو اب رہا نہیں۔ یہ جو گنبد اب ہی صدر کے بعد کا بنا ہوا ہو۔ اصلی گنبد اور طرح کا تھا اور اس پر طلائی پتھر رکھ کر خول چڑھا ہوا تھا۔ مہمن ہج کی غریب رویہ دیوار پر یہ کتبہ ہے

اے ہندو بھائی و نفل بر دل ہمدار  
وہی دوست چشم و پاسے در گل ہمدار

عزم سفر مغرب و مشرق رو  
ای راہ رو پشت ہنزل ہمدار

جھروکے

۱۲۲۳ھ  
۹۸۰-۹۸۱ھ

جھروکے عمارت ہی اس برآمدہ نامکان سے جس میں دریا کی ریتی کی جانب کھڑکیاں ہیں اور کچھ تماشہ وغیرہ بادشاہ کو ملاحظہ فرمانا ہوتا ہی ہیں برآمدہ ہو کے ملاحظہ فرماتے ہیں۔ یہ ایجا داکبر بادشاہ کی ہو اور درشنی کھلاتے تھے۔ چوں کہ اکبر کے زمانے میں ہندوؤں کا خلوت تھا اور جو مقرران شاہی تھے وہ بندگان خاص اکبری کھلاتے تھے ان کا یہ قاعدہ تھا کہ جب تک بادشاہ کی صورت نہ دیکھ لیتے تھے اور بادشاہ کی ڈنڈ وٹ نہ کر لیتے تھے بات نہ کرتے تھے اس واسطے بادشاہ ہر روز صبح کے وقت درشنی میں جا کر جلوہ افروز ہوتے تھے اور ان بندگان خاص کو اپنا درشن دکھلاتے تھے۔ اکبری دور کے بعد یہ طریقہ موقوف ہوا اس وقت اس کا نام جھروکے رکھا گیا اور سیر و تماشگاہ موقوف ہوئی۔ کہتے ہیں کہ شاہ جہاں کے زمانے تک یہ طریقہ جاری تھا اور نگ زیب نے موقوف کر دیا۔ مہمن ہج سے ملا ہوا بلکہ اس کے پانچویں ضلع کے سامنے یہ مستط برآمدہ اکبر ثانی نے بنوایا تھا جس کی چھوٹی سی برجی بنگالی طرز کی نمیدہ وضع کی ہو۔ اس جھروکے کی محرابوں پر یہ کتبہ ہے۔

کہ کرد بادشاہ دھرم پوجا  
جہاں پناہ ملک بارگ ستارہ سپہ  
شہ جہاں وجہاں گیر عبد ظل اللہ  
نشینے کہ برو چشم و دخت ہر دمہ  
کہ بر سنجیدہ ماند و نشہ حرف سیہ  
بود نشینے عالی اساس اکبر شہ

۱۲۲۳ھ

شہنشاہ و محمد سزاوار مالک الملک  
کرداب و جیش ابن شہستہ تا تیمور  
سین دین و ابو النصر اکبر غازی  
بو برج مہمن ز نور تب ساخت  
سید الشہر اکبر و حکم تاریخش  
نوشت مصرعہ تاریخ ایں بناسید



یہ بات بڑی فخر و مباہات کی ہو کہ مدتوں سے یہ بھرو کہ بے لکین کے تھا۔ وریار تاجپوشی ملک معظم جارج پنجم ادا م الدن تھا باہم کے جشن کے زمانے میں ملک معظم و ملک معظم اسی بھرو کے ہیں برآمد ہوئے اور ایک کثرت و عام خلافت کو جو بادشاہ کے دیدار کو ترسے ہوئے تھے اپنے دیدار پر انوار سے مشرف فرما کر صد ہا سال کی مسدود شدہ درشن کی رسم کو تازہ کیا۔

### خضری دروازہ

۵۸-۱۰۴۸ھ  
۴۸-۶۱۶۳۹ھ

مشن برج کے نیچے۔ چند سیڑھیاں اتر کر دریا کے کنارے پہنچ جاتے ہیں۔ مشن برج کی تحتانی منزل درحقیقت اس دروازے کی ڈیوڑھی ہے جس میں کھڑکیاں بھی رکھی گئی ہیں یہ وہی دروازہ ہے جس کو پکتان ڈگل صاحب نے ۱۸۵۵ء کو اس غرض سے کھلوانا چاہا تھا کہ وہ نکل کر دوبارہ بلوایوں سے دو دو باتیں کر کے تمام حجت کرنی چاہتے تھے۔

### سلیم گڑھ دروازہ

۵۸-۱۰۴۸ھ  
۴۸-۶۱۶۳۹ھ

سلیم گڑھ کے محاذی قلعہ کی شمالی نصیل کے نیچے میں ایک دروازہ ہے جس کا کوئی خاص نام نہیں ہے اس دروازے سے شمال کی طرف تھوڑے فاصلے سے چانگیر کا بنوایا ہوا وہیل تھا جس کا ۱۰۴۸ھ میں سلیم گڑھ میں جانے کے لیے بنوایا تھا اور جس کے سنبے کو ہم نے سلیم گڑھ کے بیان میں نقل کیا ہے سلیم گڑھ دروازے کے پاس قلعہ کی شمال مشرقی نصیل میں ایک کھڑکی جو اس نام کوئی نہیں جانتا۔ اس کھڑکی کا روکار سنگ سرخ کا ہے جس کے اوپر کنگو راجا بنوایا ہے۔

### رنگ محل

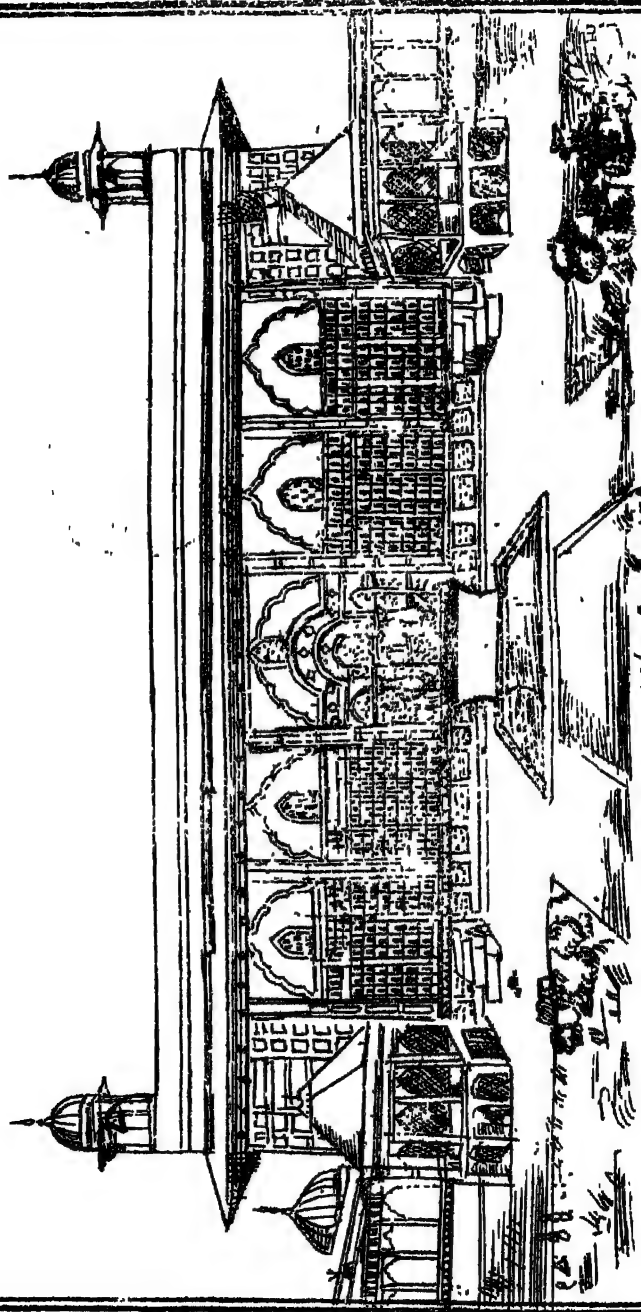
### یا امتیاز محل

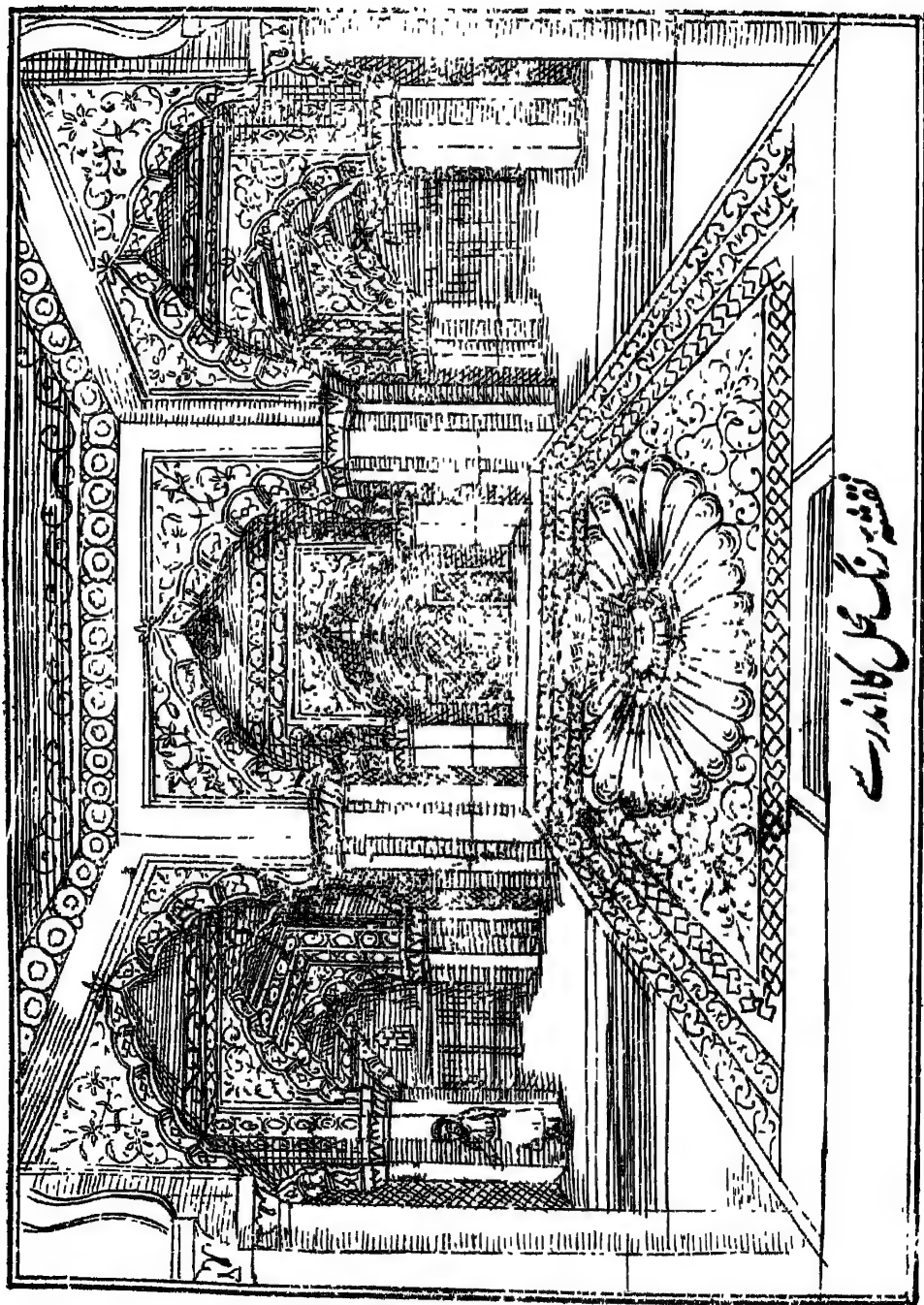
۵۸-۱۰۴۸ھ  
۴۸-۶۱۶۳۹ھ

دیوان عام کی پشت پر شاہجہاں کے عہد کا یہ سب سے بڑا اور عالی شان محل ہے جو شمال سے جنوب کی طرف ۱۵۳-۱۵۴ گز اور مشرق سے مغرب کی جانب ۷۹-۸۰ گز۔ صحن اس کا نہایت وسیع تھا کہ اس میں نہریں جاری تھیں اور فرارے چھوٹے تھے باغ لگا ہوا تھا۔ اب سب برباد ہو گیا اور اس صحن و گلشن میں سٹوپل سٹوپل مکان بن گئے۔ اگلے زمانے میں اس محل کے صحن میں ایک حوض تھا۔ گز ۸۰-۸۵ گز اور پانی غوار سے اُس میں چھوٹتے تھے اور ایک نہر تھی کہ اس میں (۲۵) فرارے تھے اور ایک باغیچہ تھا۔ گز ۱۰۰-۱۱۰ گز اور اُس کے گرد سنگ سرخ کا حجر تھا جس پر دو ہزار سنہری کلیاں چڑھی ہوئی تھیں اور تین طرف اُس صحن کے ستر گز کے عرض کا مکان دل کشا اور دیوان ہائے دلربا بنے ہوئے تھے اور دریا کی طرف پائیں باغ اور امتیاز محل کی عمارت ہے جس کی تعریف لکھنا قوت بشری سے خارج ہو۔ شکل و صورت اس کی باہر سے اس طرح ہے



نقد رنگ محل کا باہر سے





نقشہ رنگ محل کا اندازہ

کر کرسی دے کر ایک چوڑا بنا دیا جو جس کے نیچے دو وسیع تر خانے ہیں نہایت نفیس۔ اس چوڑے پر بیچ درہ تہرا دلان بنایا جو گنہ ہر گنہ بیچ کے در کے سلسلے میں کی طرف ایک حوض ہو سنگ مرمر کا بہت بڑا ایک پتھر کا نہایت مضبوط جس میں ڈیڑھ گز کی اونچائی سے تین گز کی چوڑی چادر پڑتی ہو اور اس میں سے ابل کر نیچے کے حوض میں آتی ہو اور وہاں سے نہریں بہتی اور صحن کے حوض میں جا کر باغیچے کے ہر ہر روش اور پٹری میں بہتی تھی۔ روکار اس محل کا تمام سنگ مرمر کا تھا اور وہ عمدہ محرابیں اور مرغولیں بنائی ہیں اور وہ نہایت کاری کی ہو کہ آدمی کی عقل دیکھ کر حیران رہ جاتی ہو۔ محل کی چھت کے چاروں کونوں پر چار کھنڈیاں بنائی ہیں کہ اُس سے رفت اور شان اس مکان کی دوبالا ہو گئی ہو۔ اس محل کے کونوں پر چار بجنگے سنگین بنے ہوئے تھے تاکہ گرمیوں میں خس کی ٹٹیاں لگا کر خن خانہ بنایاے۔ غور کیجئے کہ جب یہ سب نہریں جاری ہوں گی اور حوض پھلکتے ہوں گے اور فوارے چھوٹتے ہوں گے اور خن خانہ قطار ہوگا اور ٹٹیوں پر پانی چھڑکا جاتا ہوگا اور ٹھنڈی ہوا چلتی ہوگی تو کیا عالم ہوگا اور اس کو بہشت بریں کا ایک ٹکڑا کہنا کیا بے جا ہوگا غرض اس کی غمیوں کا بیان کیا ہو سکتا ہو۔ یہ حال تو اس محل کے صحن اور بیرونی شکل کا تھا لیکن اندر اس محل کے اس سے بھی زیادہ عجائبات اور نوادرات تھے۔ اس محل کے اندر بنائے والے نے عجیب عجیب طرح کی کارسازیاں اور نمبرنگیاں کی ہیں۔ ایک طلسمات کا عالم ہو جو دیکھنے تعلق رکھتا ہو جس طرح کہ اس کے روکار میں پانچ در بنائے ہیں اسی طرح اس کے اندر بھی محراب دار در ہیں۔ محرابیں اس ترکیب سے بنائی ہیں کہ بیچ میں ایک چو کھنڈی سی بن گئی ہو۔ اُس میں ایک حوض ہو جو اس خوب صورتی بتایا ہو کہ ایک کھلا ہوا پھول معلوم دیتا ہو۔ اس کی پنکھڑیاں ایسی خوب صورت ہیں کہ حیطہ بیان سے خارج۔ رنگ برنگ کے پتھروں سے وہ نہایت کاری اور بیکاری کی ہو اور وہ گل پو پھول پتے بنائے ہیں کہ نگار خانہ چین کو مات کیا ہو۔ یہ حوض ساڑھے سات گز مربع لیکن عمق بالکل کم رکھا ہو۔ بیحد مثل کعبہ دست و براں معلوم دیتا ہو اس میں خوبی یہ ہو کہ جس وقت اپانی بھرتا اور لہر آتا ہو تو تمام ہیل بوٹے اس حوض کے ہٹے دکھائی دیتے ہیں اور معلوم ہوتا ہو کہ ایک باغ ہو جس میں ہزاروں طرح کے گلابے و گانگ کھلے ہوئے ہیں حوض کے اندر ایک کار سنگ مرمر کی ایسا ماہ بنایا ہو کہ اس میں بہت کاری اور پرچین سادی کا وہ کمال دکھایا ہو کہ دیدہ شنیدہ بالکل محفل کی شکل ہو جس کے ہر ایک مروت اور غول پر نگین پتھروں کے گل بوٹے اور پتے بنا ہیں کہ پھول میں گل و بلبل میں سے

پھول نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اُس پیالے میں ایک سو راسخ ہو اور ایک نہر پوشیدہ  
تیلے آئی ہو اور اُس پیالے میں سے اُبلتی ہو۔ پیالے کے لبوں پر سے پانی کا گرنا اور  
اُس حجاب آب میں سے گل بوٹوں کا لہراتا ہوا دکھائی دینا کیا طلسمات سے کچھ کم ہو۔ نہر بہت  
جو موتی محل اور دیوان خاص میں سے ہوتی ہوئی آئی اس محل کے بیچوں بیچ سے گوری  
ہو اور جنوب کی طرف بہتی ہوئی چلی گئی ہو اور جانب شرق اس حوض میں جو صحن کی طرف روکا  
کے سامنے رکھا ہو چادر ہو کر گر گئی ہو۔ ہر ایک نہر میں منبت کاری اور پیرسین کاری کا وہی  
حال ہو جو جا بجا اوپر لکھا جا چکا ہو۔ یہ محل اجارے تک اور اُس کے پایہ ناستون اور محرابیں سب  
سنگ مرمر کی ہیں اس میں چھپکاری کی ہوئی ہو۔ علاوہ اس کے ہر درو دیوار پر سونا لپا ہوا ہو اور  
اور سونے کے کام کے گل بوٹے بنے ہوئے ہیں کہ اس محل کی چھت نری  
چاندی کی تھی۔ فرخ میر کے وقت میں کسی ضرورت کے سبب وہ چھت اکھاڑی گئی اور اُس  
کے بدلے تانبے کی چھت چڑھا دی اور پھر محمد اکبر شاہ ثانی کے وقت اُس تانبے کی چھت  
بھی اکھاڑا اور کٹ کی چھت لگائی کہ وہ بھی اب بوسیدہ ہو گئی ہو۔ اس محل کے پہلو میں حجرے  
بنے ہوئے ہیں جن کے بعد جانب جنوب چھوٹی ٹینک نام کا ایک مکان ہو۔ پچھلے سوسال  
کے اندر اندر خاص کر اس محل کو بے غوری اور کس پرسی کی وجہ سے بہت نقصان پہنچا ہو۔  
بہت دنوں تک اس میں میس روم رہا ہو۔

**سنگ مرمر کا حوض** جس کا ذکر اوپر آیا ہو سنگ مرمر کے بالکل بے جوڑ پتھر میں سے  
پایوں کے تراشا ہوا ہو جو شاہجہاں کے وقت میں کمرانے کی  
کان سے لایا گیا تھا۔ یہ حوض ۳۰ - ۴۰ لمبا - ۹ - ۱۰ چوڑا - ۲ - ۳ عمیق ہو۔ یہ حوض چار مربع  
سنگ مرمر کے پایوں پر کھڑا ہو۔ اتنا بڑا پتھر اور ایسا بے جوڑ حوض شاید ہی کہیں ملے ہو تو ہو۔  
اس کی حقیقت یہ ہو کہ کمرانے کی کان سے نکالا گیا صفائی اور شفافیت میں یہ بڑا بھاری ڈھیم  
بنے نظیر تھا۔ شاہی حکم کی بنا پر حوض تراشا گیا اور بن کر تیار ہوا تو کمرانے سے جو دس دوسو  
کو سس ہو نہایت حفاظت اور احتیاط سے لایا گیا اور قلعے کے موتی محل میں رکھا گیا غرض  
کے بعد سے یہ گھر بے ہما بھی گردش میں آیا اور ناقہ رسی کے ہاتھوں ملک کے باغ  
میں لا کر رکھ دیا گیا۔ غنیمت ہو کہ لکھن اور بہتوڑے کی ضرب سے پاش پاش نہیں  
کیا گیا ۱۹۱۱ء میں خدا خدا کر کے رنگ محل کے سامنے رکھوا دیا گیا بعض معایات

میں یہ بھی ہو کہ یہ حوض سوتی محل کے سامنے حیات بخش باغ کے مشرقی دالان کبیچ میں رکھا ہوا تھا۔ مذکورہ معلوم صحیح بات کون سی ہو۔

**ورمپسل**

رنگ محل اور امتیاز محل کے پاس اس نام کا ایک محل مشرف بدریا تھا۔ یہ محل بدرجہ فائیت آراستہ و پیراستہ تھا جس کے سامنے دریا کی طرف ایک سائبان نکلا ہوا جس میں ایک پرند کی نہایت خوب صورت شکل بنی ہوئی تھی۔

نہیں معلوم ہو سکتا کہ یہ عمارت کس نوعیت کی تھی مگر غالباً اسی وضع قطع اور اسی مال میلے کی ہوگی جیسے کہ دوسری عمارتیں ہیں۔ اب اس محل کا نام و نشان تک نہیں رہا۔ میں نے غلط کہا نام تو اب بھی باقی ہو مگر نشان البتہ نہیں رہا۔

**چھوٹی بیٹھک یا خور و جہاں**  
(یا چھوٹی ڈنیا)

امتیاز محل کے جنوب میں یہ بھی ایک عمارت تھی جو قرینہ بڑی بیٹھک کر کے مشہور تھی۔ یہ عمارت بھی قلعہ کی دوسری عمارت کی طرح نہایت خوشنما تھی لیکن مرزا

جہاں گیر بہادر نے اس میں تصرفات جدید کیے تھے جس سے شاہجہانی طرز باقی نہ رہا تھا۔ اب یہ عمارت موجود نہیں ہو۔ دریا کی طرف محلات میں سب اخیر یہی تھا۔ وجہ تسمیہ اس کی معلوم نہیں ہوتی۔ چونکہ اس میں پھول باغ اور انواع و اقسام کے فوار درخت تھے ممکن ہو کہ دنیا میں چھوٹا سا نمونہ باغ جنت کا دکھلایا ہو۔ نہایت افسوس ہو کہ اب اس کا پتہ نشان تک نہیں رہا۔ خوش ناروشیں گھنے سایہ دار درخت اور منڈوے۔ قوارے۔ آبشار۔

سر درخانے بارہ دریاں۔ مصفا چو ترے۔ جابجا چھڑکاؤ۔ سبزہ زار۔ فرش زمردیں کے تختے بچھتے ہوئے۔ جدھر نگاہ اٹھاؤ سبز سبزی اور ہار۔ خوشبوئے معطر۔ دلی کی گرمی اور وحش میں آفتاب کی تازت سے آدمی سر سے پاتک پسینے میں شرابور ہو جاتا ہو۔ یہاں اگر دم میں دم آجاتا تھا۔ تاہم کچھ لوگ اس خیال کے بھی ہیں کہ یہ دولت لٹانے کے سارے فضول و محکوسے اور امیری جو پچھلے تھے جن سے سوائے اسراف کے کچھ فائدہ نہ تھا اچھا ہو کہ یہ سب سامان عیش و عشرت مٹا دیا گیا۔ لیکن ہم کو یاد رکھنا چاہیے کہ آخر یہ دولت اور خزانہ ہر پھر کر جاتا تھا۔ اس سے ہزاروں آدمیوں کی روزی ملتی تھی اور ان کے پیٹ پلٹے تھے۔ صد ہا کا رخاے در دوزی۔ شال بانی۔ پارچہ بانی۔ تصویر و مرقعہ سازی اور اسی قسم کی ہزار ہا دست کاریوں کے تھے جن کے بند ہونے کے معنی

یہ ہیں کہ لوگوں کا رذق ہند ہو گیا۔ پیشہ ور لوگ۔ دستکار اور صناعتوں کی موت آگئی۔ کیوں کہ ان چیزوں کے خریدار اور قدرواں اٹھ گئے نتیجہ یہ کہ آں قبح بشکست دآں ساتی نامند۔ مسٹر گارڈن رزلی ہرن اپنی کتاب دلی کے سات شہر کے صفحہ ۱۶۱ پر لکھتے ہیں کہ اگر وہ پرانا زمانہ (یادش بخیر) پھر کسی طرح آجائے تو دلی والوں کے نصیب جاگ جائیں اور روپیہ پانی کی طرح بھنے لگے۔

## ممتاز محل

۱۰۲۸-۵۸ھ  
۶۱۳۹-۲۸ھ

اب جس میں آٹا قدیمہ کا عجائب خانہ ہو شمال سے جنوب دہلی مشرق سے مغرب آٹھ سو اسی کھمبار پہلے بڑے محلات میں تھا۔ غدر کے بعد اس قید خانے کا کام لیا اور ابی چند سال پیشتر تک راجپوتوں کا میں ہو س تھا۔ اس کی چھت کے چاروں کونوں پر سنہری پھتریاں تھیں وہ اب نہیں رہیں لیکن اُس تصویر سے جو عجائب خانہ میں قلعہ کی مشرقی دیوار کی محفوظ ہو اس محل کی اصل ہیئت معلوم ہوتی ہے۔ ۱۹۱۱ء میں اس عمارت کی اس حد تک مرمت ہوئی کہ اب اصل حالت باقی نہیں رہی۔ اس کا چھجا بھی از سر نو بنا ہے۔ دیواریں آج اسے تک اور فیل پاویں کا حصہ زیرین سنگ مرمر کا ہے۔ دیواروں پر پچھکار سی اور آئینہ بند کی تھی جس کی علامات اب تک موجود ہیں۔

## اسد برج

۱۰۲۸-۵۸ھ  
۶۱۳۹-۲۸ھ

قلعہ کے جنوب و مشرق کونے میں ایک بہت بڑا ہی ہے اس میں اب فوجی عہدہ دار رہتے ہیں۔ جب ہرنا تھا چلے نے ۱۸۵۷ء میں دہلی پر تاخت کی تھی تو اختر لونی (Ochterlony) نے بڑی لیری سے اس کو پس پا کیا تھا۔ اس برج کو اس معرکے میں بہت نقصان پہنچا تھا لیکن اکبر شاہ ثانی نے اس کو دوبارہ بنوایا اور جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔

## بلدربہ و دروازہ

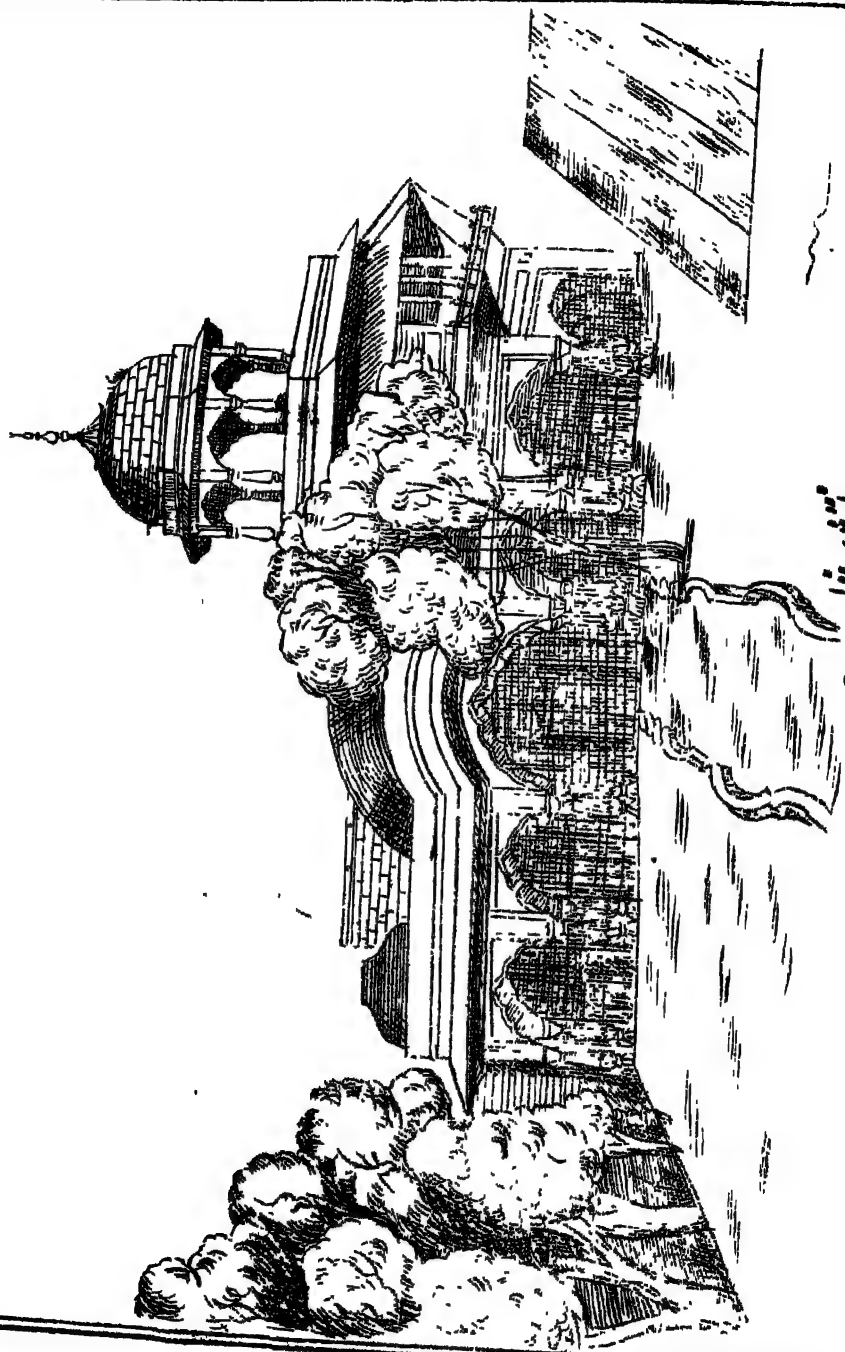
۱۰۲۸-۵۸ھ  
۶۱۳۹-۲۸ھ

قلعہ کے جنوب و مشرق کے کونے میں اسد برج کے پاس ہے اس دروازے کے سامنے بھی گھوگس بنا ہوا ہے جو غالباً اورنگ زیب ہی بنوایا ہو گا۔

## شاہ برج

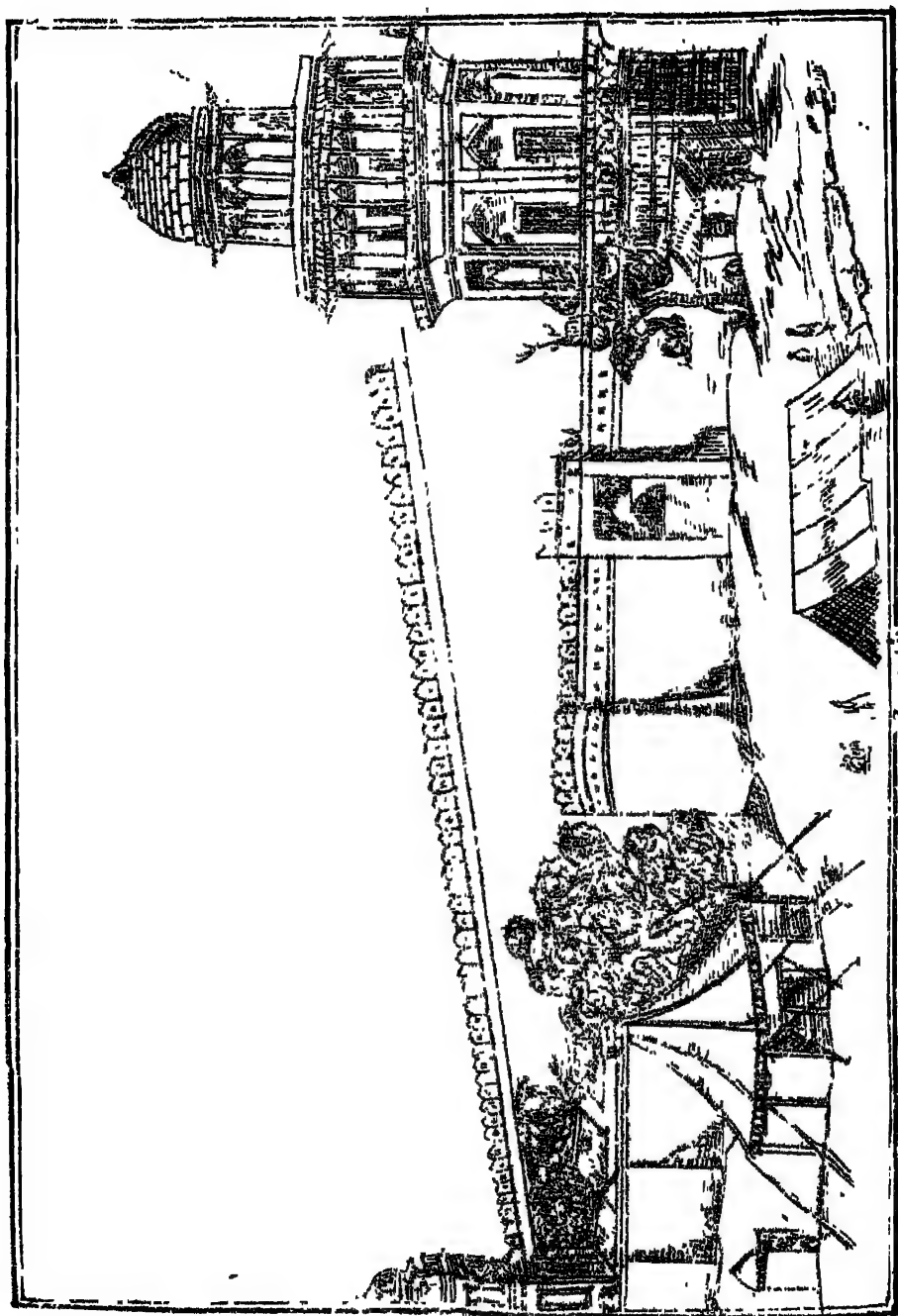
۱۰۲۸-۵۸ھ  
۶۱۳۹-۲۸ھ

قلعہ کے تین مشہور برجوں میں سے آخری برج یہ بھی ہے۔ یہ برج دریا کی طرف حمام سے تھوڑی دور قلعہ سلیم گڑھ سے ملا ہوا امیر محل کے شمال مشرق کے کونے میں ہے۔ یہ برج سے منزلہ تھا اور دریا پار سے اس کا نظارہ بہت خوش نما معلوم دیتا ہے ۱۸۵۷ء میں شاہ عالم دلی عہد جواں بخت اپنے باپ کے وزراء کی سختی سے تنگ ہو کر اسی برج پر سے پگڑیاں لٹکا کر بھاگا اور انگریزوں کے پاس لکھنؤ چلا گیا۔ یہ برج



نقد و ستایش



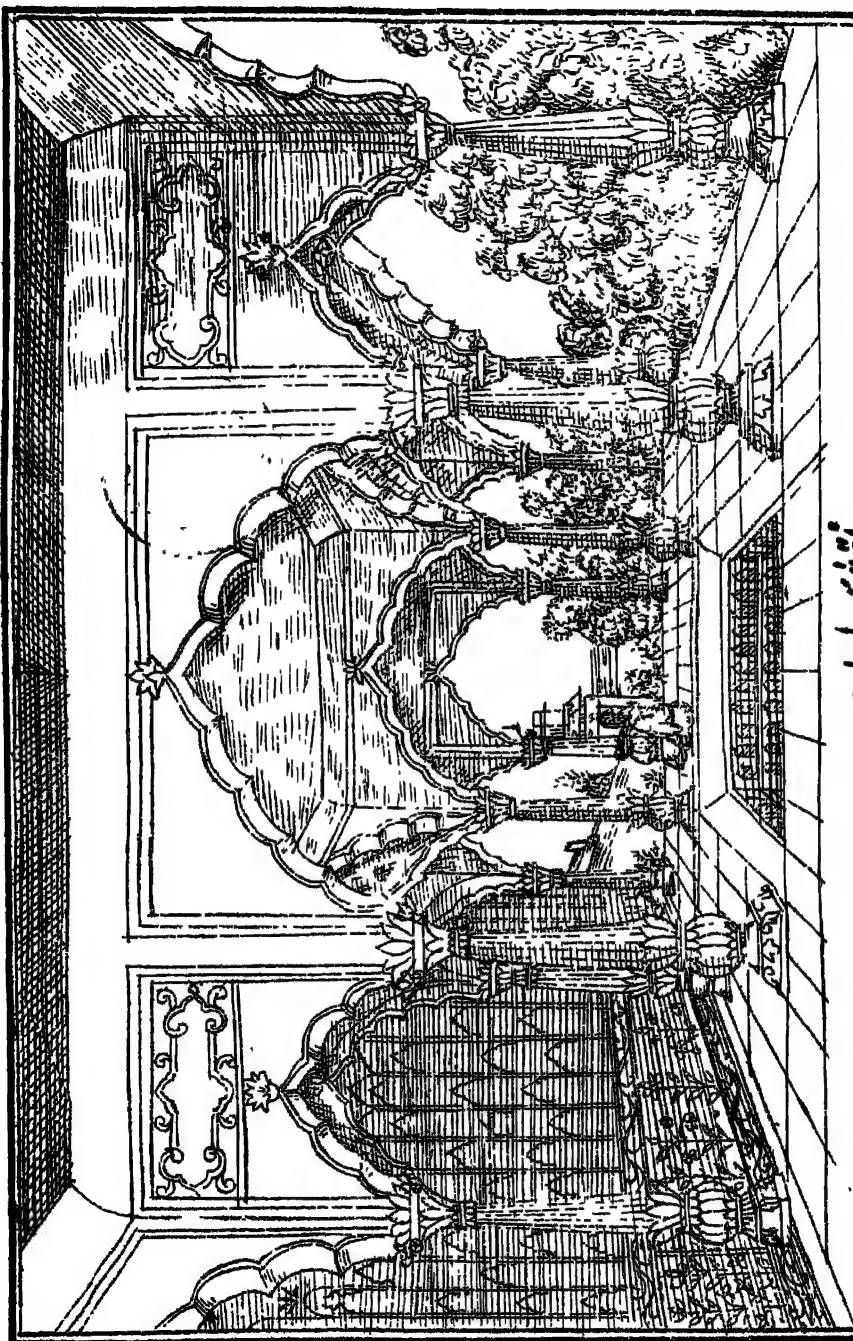


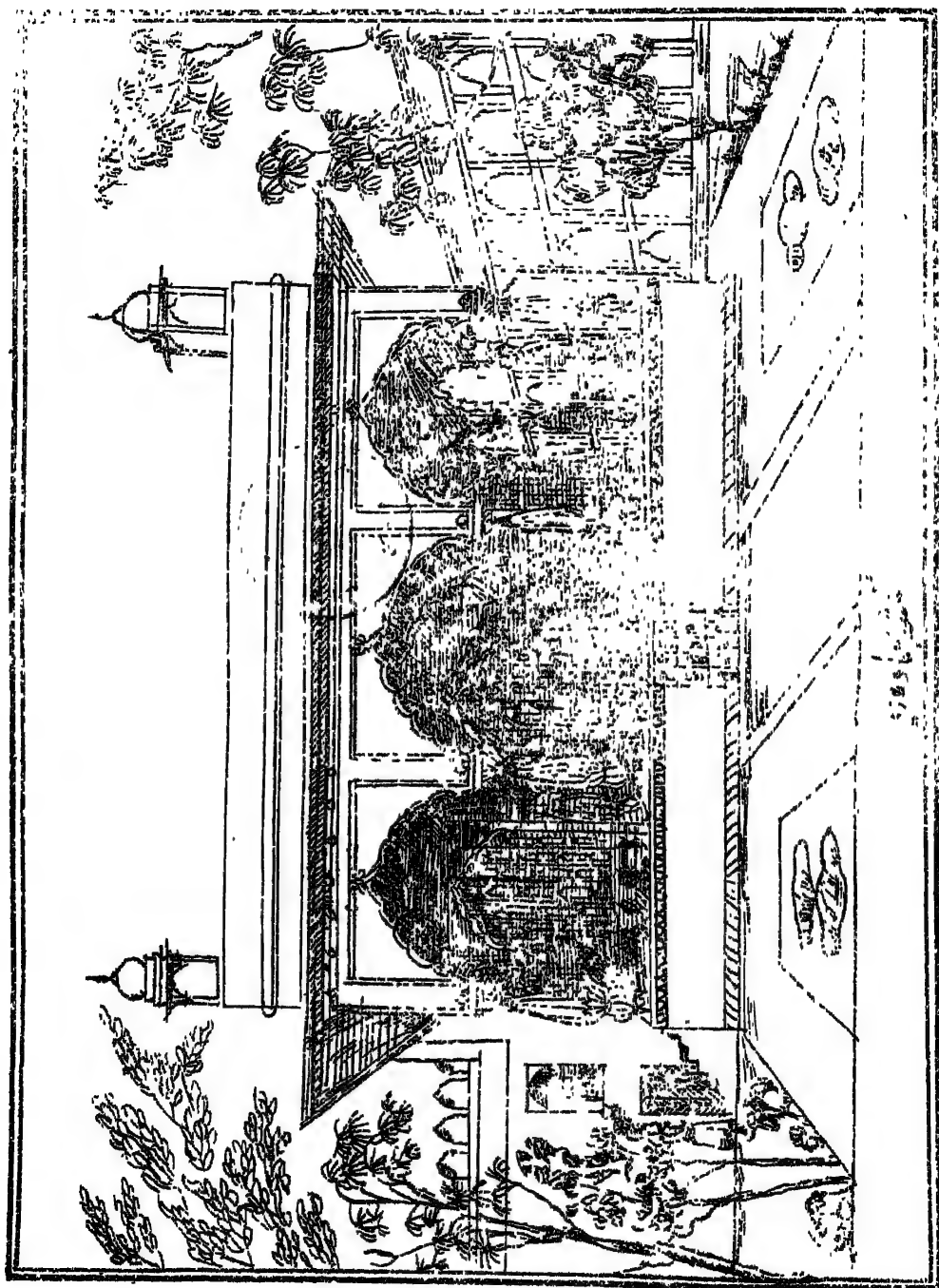


شمالی بھی کہلاتا ہے۔ اب اس برج کی دو ہی منزلیں باقی رہ گئی ہیں۔ عذر میں گنبد اڑ گیا۔ جنوب کی طرف کا سنگ مرمر کا برآمدہ خوب صورتی اور نفاست میں بے نظیر ہی مگر دوبرونہ خستہ اور مرمت طلب ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور گنگا کے زمانے ہی سے اس کی حالت خراب ہو چلی تھی پھر اب کا کیا پوچھنا۔ یہ برج مشرق سے مغرب ۶۹ - ۱۲ اور شمال سے جنوب ۳۳ ہے۔ صدر کے بعد برسوں تک اس میں فوجی عہدہ دار رہا کرتے تھے یہ سن ۱۹ میں اُن سے خالی کر لیا گیا اور کچھ مرمت کر کے اس کے گرد جو بیوتات وغیرہ بنوائے تھے سب تڑوا دیئے گئے۔ اسی سال میں ایک زلزلہ آیا جس سے اس برج کی بنیاد تک ہل گئی اور ساری عمارت کو اتار کر از سر نو بنانا پڑا اس لیے اصلی حیثیت اور نفاست کیوں کر باقی رہ سکتی ہو۔ اس برج اور حمام کے بیچ میں ۱۱۹۱ء میں ایک چوڑا بنا کر تختہ گھانسل کا لگا دیا گیا ہے۔ سنگ مرمر کے برآمدے کے پیچھے گنبد کے نیچے کے کمرے کی چھت پر آئینہ بندی کا کام تھا۔ اس برج کے زمانہ قدیم کے نقشے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کی چھتری اب نہیں رہی یہ چھتری اُسی طرح کی تھی جیسی کہ اسد برج پر ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ چھتری اتار کر میرٹھ کو لے گئے پہلے اس برج کی یہ حالت تھی یہ برج بھی ایک عجائب روزگار ہے قطر اس برج کا سو گز کا ہے اور تین طبقے ہیں۔ پہلے حصے کو زمین سے بارہ گز کی کرسی دے کر بنایا ہے اور اُس کی چھت اندر سے گول اور اوپر سے سطح ہے۔ یہ عمارت تمام سنگین ہو اجارے تک تو سنگ مرمر ہو جس میں رنگ برنگ کے پتھروں کی پیچیکاری کی ہوئی ہے اور اجارے سے چھت تک سنگ پٹھانی ہو جس کو پالش کر کے سفید کر دیا ہے اور سنہری گل بوٹے بل پتے بناے ہیں اور یہ درہ ہشت پہلو ہے اور اُس کا قطر آٹھ گز کا ہے اور اُس میں چار طاق اور دو تین نیم مشرق مشرق بدر یا بناے گئے ہیں جس کے دو کار سنگ مرمر کا ہے۔ طول و عرض طاق شمالی اور مشرق کا چار چار گز ہے اور غربی اور جنوبی طاقوں کا طول چار گز عرض تین گز ہے اور مشرق درجے کے بیچ میں ایک حوض ہے تین گز قطر کا نہایت خوش نما جس کی مٹت کاری کی نفاست سے عقل حیران ہے۔ غربی طاق میں ایک آبشار ہے اور چھوٹے چھوٹے محراب دار طاق بنائے ہیں اُن میں دن کو پھول اور رات کو چراغ رکھا کرتے تھے۔ اس آبشار کے آگے ایک حوض ہے جس کے گز ۲۰ ۲۰ ۲۰ - اس حوض سے شرقی طاق کے کنارے تک ایک نہر جو ڈیڑھ گز



نقشه ساون





بچوں بیچ ایک چوکھنڈی سی بن گئی ہو اور اس میں ایک حوض سنگ مرمر کا چار گونہ پندرہ تسو مربع اور ڈیڑھ گز گہرائی۔ اس مکان میں نہر بہشت آتی ہو۔ اور حوض میں ہاؤر ہو کر پڑتی ہو اور نہر اس میں سے نکل کر آگے ایک اور چادر چھوٹی ہو۔ اور نہر میں پڑتی ہو یہ عمارت بھی بہت نا در ہو اور اس میں پانی کا پڑنا اور چادر کا چھوٹنا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بھادوں کا مینہ برستا ہو اور اسی سبب اس کا نام بھادوں رکھا ہو۔ اب اس مکان میں پانچ کونے کا اور چادر میں چھوٹنے کا رستہ بالکل بند ہو گیا ہو۔ اس مکان کے حوض اور چادروں میں مہرابی چھوٹے چھوٹے طاق بنائے ہیں کہ دن کو ان میں گلدن ہارنگین کھے جاتے تھے اور رات کو شمع کا فوری روشن ہو کر تکی تھیں اُس کے اوپر سے پانی کی چادر پڑتی تھی اور اندر سے ان پھولوں کی خوش نمائی اور چراغوں کی روشنی عجیب عالم دکھائی دیتی تھی۔ اس کی چھت کے چاروں کونوں پر بھی چار برجیاں چوکھنڈی کی سنہری بنی ہوئی ہیں۔ سادوں کا مکان بھی بھادوں ہی کی طرح کا ہو اسی طرح اس میں بھی چادر بنی ہوئی ہو اور جو بھی ہو اور اسی طرح گل دان اور چراغاں رکھنے کو مہرابی طاق بنائے ہیں۔ اس مکان میں پانی کی آواز اور چادر کا پڑنا اور زور شور سے پانی کا بہنا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے سادوں کا مینہ برس رہا ہو۔ چون کہ سادوں اور بھادوں دونوں مینے موسم برسات کے ہیں یہ دونوں مکان موسم بر ختم گال کی پوری نقل ہیں۔ دس سال کے عرصے میں ان دونوں مکانوں کی بہت کچھ مرمت کی گئی ہو اور حوض بھی از سر نو درست کیے گئے ہیں۔

## لال قلعہ اور نگینے کے

### عمد میں

شاہ جہاں کے بنائے ہوئے لال قلعے کا کمال عروج اور نگینے کے زمانے میں تھا۔ قلعے کی مزید حفاظت واستحکام کے لیے اور نگینے لاہوری اور دلی دروازوں

کے آگے دھڑک گھونگٹ بنوایا تھا علاوہ بریں قلعے کی متعدد سنگ مرمر کی تھیں عمارتوں اور ایک بے نظیر موتی مسجد کا اضافہ کیا۔ چون کہ عالم گیر نے بعض مصالح مکی کے لحاظ سے اپنے والد ماجد شہاب الدین محمد شاہ جہاں کو کتب عبادت میں بیٹھایا اور کاروبار سلطنت اپنے فرائض لیا مشہور ہو کہ جب شاہ جہاں نے یہ بات سنی تو عالم گیر کو لکھا کہ ”میرزا جہند تم نے قلعے کو دہن بنایا اور اُس کا گھونگٹ نکال لایا اور نگینے کے بعد سے گو پھر کسی بادشاہ نے کچھ بنایا جو نہیں تاہم اُس کی عظمت و شان و شکوہ میں بھی کسی قسم کا انحطاط ہونے نہ پایا۔ ہم اس مضمون میں قلعے کی وہ حالت ناظرین کو دکھانا چاہتے ہیں جو اُس کی تباہی اور بربادی سے

پہلے تھی۔ لاہوری دروازے سے ہم ایک لمبے وسیع چھتے میں داخل ہوتے ہیں جس کے بیچ میں ایک بڑا بھاری روشن دان ہوا جس کی دونوں جانب ایک ایک بتلی سی گلی نکل گئی ہو۔ سیدھی طرف کی گلی ایک باغ میں جا سکتی تھی جس کے آگے عمارتوں کے دو بلاک تھے۔ جن میں سے ایک سلسلہ عمارات کا جو جنوب کی طرف تھا دلی دروازے تک کچھ اوپر تین سو گز تک چلا گیا تھا اور دوسرا قلعے کی مغرب رو یہ فیصل سے مشرق کی طرف ڈیڑھ گز کا لمبا تھا۔ ان دونوں بلاکوں کی عمارتوں میں معمولی درجے کے عہدہ دار یا تو بوندو باش رکھتے تھے یا اپنی ڈیوٹی پر رہا کرتے تھے۔ بائیں طرف کی گلی آگے بڑھ کر ایک وسیع شایع عام میں جا ملتی تھی جس میں سے اور گلیاں اور چوراہے پھوٹتے تھے۔ قلعے کی شمال رخ کی فیصل کی جانب کا سالامید ان عمارتوں سے پناہ پڑا تھا جن میں کارخانجات (ورک شاپ) تھے جن کی نسبت برنیر نے اپنے ایک دوست انشر ڈی لاموٹی لی ویر (Monsieur de la Motte le Vayer) کو یہ لکھا تھا، قلعے میں کترچل جو بڑی بڑی عمارتیں دکھلائی دیتی ہیں وہ سب کارخانجات ہیں جو کاریگروں اور اہل حرفہ کی ورک شاپیں ہیں۔ ایک ہال میں زردوز اور چوب ساز ہر وقت اپنے کام میں گتھے رہتے ہیں ان پر ایک داروغہ مسلط ہو۔ ایک دوسری جگہ سنار ہیں جو زیور گھڑا کرتے ہیں تیسرے قلعے میں نقاش جو تھے میں رنگ ساز۔ پانچویں میں لوہار۔ بڑھئی۔ خترا دی۔ درزی۔ موچی وغیرہ وغیرہ۔ چھٹے میں زر بفت۔ کنواری۔ ریشمین پارچہ جات اور باریک ملل بنے والے۔ ہمسہ اقسام کے پارچے بان جو پگڑیاں۔ سیلے۔ پٹلے۔ دوپٹے اور ہر طرح کے پھول وار زنانے لباس کے لایق کپڑے بناتے ہیں جن میں سے بعض بعض ایسے باریک نقیص اور نازک ہوتے ہیں کہ ایک دفعہ کے پہننے ہی میں سک جاتے ہیں \* \* \* \* \* کام والے لوگ اپنے اپنے کارخانوں میں صبح گھر دم ہی اپنے کام سران لگتے ہیں اور سارے دن کام پر لگے رہتے ہیں اور شام کے قریب اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں چھتے سے ٹھیک پورب رُخ پر نقار خانے کا صحن تھا اور جس کے احاطے کی مشرقی دیوار سے ملا ہوا نقار خانہ تھا۔ ایک سڑک جو شمال سے جنوب کو جاتی تھی اُس کے بیچ میں آجانے سے اس وسیع صحن کے دو قطعے چھوٹے چھوٹے ہو گئے تھے۔ یہ سڑک جنوب کی طرف ناک کی سیدھ قلعے کے دلی دروازے کو چلی گئی تھی اور شمال کی طرف اُس شہور

باغ کو جاتی تھی جس کا نام ہتھاب باغ تھا اور پھر وہاں سے قلعے کی شمالی فصیل کو جاتی تھی یہ سڑک سات سو گز لمبی تھی جس کے متعلق برنیئر نے حسب ذیل لکھا ہے۔ ناظرین کو یاد رکھنا چاہیے کہ برنیئر اس سڑک کا ذکر کرتا ہے جو نقار خانے کے صحن سے دلی دروازہ کو لگتی تھی۔ "قلعے کے دوسرے صدر دروازے سے ایک لمبی اور چوڑی سڑک نکلی ہو جس کے دو طرف مکانات اور سامنے دکانیں ہیں۔ درحقیقت یہ ایک بازار ہے جس سے گریوں اور ہر سات میں بڑا آدم ہوتا ہے کیوں کہ سارے کا سارا بازار مسقف ہو یعنی لداوی چھتے سے پٹا ہوا ہے جس میں ہوا اور روشنی کے لیے جا بجا بڑے بڑے روشن دان کھول دیئے گئے ہیں" نقار خانے سے دیوان عام میں جانے کا راستہ تھا۔

دیوان عام کے شمال میں شاہی مطبخ تھا اور اسی طرف اس سے اور آگے بڑھ کے دو باغ ہتھاب باغ اور حیات بخش نامی تھے۔ ان کے سامنے نہر دوڑتی تھی جو سیدھی مشرق کی طرف شاہ بیج کو جاتی تھی اور پھر آگے بڑھ کر قلعے کی شمالی فصیل سے جاملتی تھی۔ اس ٹکڑے میں شاہی صیبل تھے۔ دیوان عام کے جنوب میں محلات شاہی اور امراے عظام کے محلات کا سلسلہ تھا جو قلعے کی جنوبی فصیل پر جا کر منتہی ہوتا تھا۔ برنیئر لکھتا ہے کہ "ان دو شوارع کے سوا قلعے میں دائیں بائیں اور بہت سے چھوٹے بڑے رستے ہیں جو امراے رکاب کے مکانوں کو جاتے ہیں۔ ان امرا کی باری ہفتے وار آتی ہے اور چوبیس گھنٹے برابر نشست رہتی ہیں۔ ان امرا کے مکانات بجائے خود شان دار محلات ہیں اور ہر امیر اسی ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے کہ اس کے مکان کی شان و شوکت اور آراستگی اپنے ہم پتے امرا سے کسی طرح گری ہوئی نہ رہے اور اس کے تمامی مصارف خود برداشت کرتے ہیں۔ یہ مکانات عموماً وسیع اور مرتفع ہیں جن میں کشادہ اور بڑے بڑے کمرے دالان اور خانہ باغ ہیں۔ باغوں میں حوض ہیں اور چو طرف پانی کی نالیاں دوڑ رہی ہیں۔ حوض میں فوارے چھوٹے رہے ہیں" اگرچہ برنیئر کو محلات شاہی کے اندر بارہابی کا کبھی موقع نہیں ملا تاہم اس نے محلات کے لوگوں خواجہ ملوک وغیرہ سے سن سنا کہ ان کے متعلق حسب ذیل لکھا ہے: "ان لوگوں کے بیانات سے مجھے معلوم ہوا کہ شاہی محلات میں علیحدہ علیحدہ نہایت خوب صورت سبے سجائے کمرے ہیں جو بہت وسیع اور شان وادب ہر ایک بیگم کے مرتبہ و اعزاز اور متول کے شایاں ہیں۔"



ہر کمرے کے سامنے حوض اور آب ریزاں ہوا اور ہر طرف خانہ باغ۔ دلکش چمن اور روشیں۔ سایہ دار درختوں کے ٹھنڈے ٹھنڈے۔ پانی کی نالیاں۔ فوارے۔ چھوٹے۔ بڑے خانے جن میں تمازت آفتاب سے پناہ ملتی ہو۔ اونچے اونچے کمرے اور برآمدے جن میں رات کو ٹھنڈک اور آرام ملتا ہو۔ ہیں۔ ان دلکش محلات کی چار دیواری کے اندر گرمی کی تکلیف بالکل محسوس نہیں ہوتی۔ دیوان عام کے صحن کے شمال و مشرق کے کونے میں ایک محرابیلا پھانک تھا جس میں سے ایک اور چھوٹے صحن میں رستہ نکلتا تھا۔ اس صحن کے احاطے کی مشرقی دیوار میں ایک اور دروازہ۔ دیوان خاص میں جانے کا تھا۔ اسی صحن کے شمال میں موتی مسجد۔ شاہی حمام اور اسی سمت میں کچھ آگے بڑھ کر حیات بخش کا باغ اور شاہ مسجد اور نہر تھی۔ اس کے آگے پھر شاہی عمارات کا تالاب اور تالے کی شمال رخ کی فصیل تک چلا گیا تھا۔ دیوان خاص کے عین جنوب و مغرب میں اور دیوان عام کے بالکل عقب میں امتیاز محل اور رنگ محل تھے تالے کی جنوبی فصیل اور ان دونوں محلوں کے احاطوں کے بیچ میں جو جگہ ہو وہ ساری کی ساری شاہی محلوں سے بھری پڑی تھی اور انہیں عمارتوں کے ایک کونے میں اسد برج تھا ان ساری عمارتوں کا پیش جن کا ذکر کریم اوپر کر رہا ہے دریا کی طرف تھا۔

تالے کیا تھا اور کیا ہو گیا | ہر کو شک دیوان ہر ایک منزل عالی + عمارت بھرے اوکینوں میں خالی آقاخان خداوند اہالی مذہب والی + خبر ذات خدا کوئی بھی وارث نہ رہا

یہ جملہ مکانات جو سنسان کھڑے ہیں + پتھر کا کلیجہ کیے حیران کھڑے ہیں محمد شاہ کے عہد میں تالے کی اندرونی عمارت میں بہت کچھ رد و بدل ہوا۔ دلی کے قتل عام کے بعد جو نادر شاہ نے کیا تالے کی بے نظیر عظیم الشان عمارت جو اسلامی سلطنتوں کے معراج الکمال پر پلو پہنچنے کی ایک قابل فخر یادگار تھی جو شایستہ مذاق۔ وسیع سلطنت اور بے انتہا قول کی بدولت معرض ظہور میں آئی تھی کس ہنر کی حالت میں پڑ کر زوال پذیر ہونے لگی یہی کچھ سٹریٹیجی چھو نہ پڑیاں اور شاہی محل گڑا ہڑ ہو گئے اور جب بڑھ کر یہ طوفان بے تیزی برپا ہوا کہ شاہ جہاں نے جو بڑی عالی شان سر بفلک نوا دیوار روزگار عمارتیں بنا کر دارالسلطنت کو چمکایا تھا اور ان عمارتوں کے آس پاس کھلی جگہیں اس خیال سے چھوڑ دی تھیں کہ منظر بد نہ ہو اور عمارتیں گھٹ نہ جائیں وہ سب مقامات بے موقع اور بے ہنگم رکائوں سے



گھیر لی گئیں گویا چاند کو گہن لگ گیا۔ عمارتوں کو نوح کھسٹ کر اُن دیواروں کو جن میں منہ دکھائی دیتا تھا میل کچیل بد روپ اور بے رونق کر دیا۔ جس کاکوئی محافظ و خبر گیر نہ ہو اُس کا یہ حال ہوا ہی چاہے۔ تباہی اور بربادی کی نوبت اس حد تک پہنچی کہ دیواروں اور ستونوں کی مٹی یوں پلید کی کہ سارا کام سونے کا کھرچ ڈالا۔ سارے قیمتی پتھر جن جن کو اکھاڑے گئے۔ شاہی عمارات اور نشست گاہیں جن پر آنکھ نہیں ٹھیرتی تھی اور جن کی صفائی پر نظر پھسلتی تھی اُن پر سالہا سال کی گرد کی تہیں پر تہیں جم گئیں۔ برآمدے سائبان کچھ گر گئے کچھ کھنڈ گئے۔ جن لوگوں نے ان عمارتوں کی تعریفیں معتبر کتب تواریخ اور سیاحوں کے بیانات میں پڑھی تھیں اور جن کو شوق دیدن کشاں کشاں دور دراز مقامات سے یہاں لایا تھا وہ اس کس سپر سی اور بے دردی کے سین کو دیکھ کر بجائے خوش ہونے کے اُلٹے منفص اور ملول ہو کر یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ ع۔ ہم شوق آمدہ بودم ہمہ حرمال رفتم۔ چنانچہ ایک سیاح فریکلن نامی قلعہ معلیٰ کی تباہی اور بربادی کا چشم دید حال یوں لکھتا ہے۔

”اب جو عمارتیں بچ بچ رہی ہیں اُن کی حالت نہایت تباہ اور ویران ہے۔ آداب و مراسم و تباہی شاہی جہاں تک ممکن ہو اور جیسے شاہ جہاں کے عہد میں تھے اب بھی ملحوظ رکھے جاتے ہیں لیکن افسوس صد افسوس وہ شان و شوکت اور قوت جو شاہان مغلیہ کا ماہ الاقیار تھا اب کہاں باقی ہے! اُس زمانے میں حجروں اور برآمدوں میں غلی اور کارچوبی فرش ہر طرف نظر آتا تھا۔ ستون سنہری اور پیلے کپڑوں میں لپٹے ہوئے جگمگاتے تھے اب اُن کی جگہ لکڑی کے کھم اور بہت ہوتا ہے اُن پر سا وہ کپڑا لپٹا ہوا نظر آتا ہے۔ چھتیں جن میں چاندی کے پتھر چڑے ہوئے تھے اب وہاں چوبی تختے لگا کر (سمولی) رنگ پھیر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ ہر قدم پر یہ عیاں ہے کہ پہلے کیا کچھ تھا اور اب کیسی بدتر حالت ہے۔ نوبت یہاں جا رسید کہ اشراق کے (بے درد) ہاتھوں سے دیواریں تک بھی نہ بچ سکیں۔ اکثر دیواریں خصوصاً باغوں میں سنگ مرمر کی صورتیں اور بڑے بڑے مقامات میں جو پچھیکا ری کا کام تھا جس میں سنگ سیلابانی۔ ریشب۔ عقیق یا فی اور ہمہ اقسام کے بیش قیمت پتھر تمام اکھاڑ کر لے گئے۔ ۱۷۷۷ء کے غدر کے بعد انگریزوں نے قلعے کی عمارتوں کو توڑ پھوڑ کر اپنی ضرورت کے مناسب حال بنالیا قلعے کی چار دیواری کے اندر اب (جا بجا) دو منزلہ بارگین بن گئی ہیں۔ لاہوری اور دہلی دروازے۔ نقار خانہ۔ اسد برج اور شاہ برج کی عمارتوں میں

اب گورے رہتے ہیں۔

مسٹر فرگسن نے اپنی بیش بہا تصنیف ”ہسٹری آف انڈین اینڈ ایسٹرن آرکیالوجی“ میں قلعے کو فوجی دارالاقامہ بنانے پر بہت کچھ برائے فتنگی کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے عہدِ دار الفوجی عمارات کو عہدِ امنہم کرانے کے عذر کو بالکل تسلیم نہیں کیا اور انھوں نے اس خیال کی بھی تصحیک کی ہے کہ دلی کی گھٹی ہوئی اور نہتی آبادی کی نسبت یہ واقعہ کہ وہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کبھی سر نہ اٹھا بیٹھے ایسی (فضیل) بات ہے جو کبھی کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں سکتی۔ عراقی و خراسانی زحشیش + ہنادہ پیش خود سرمایہ خویشی فرنگی از فرنگستان رسیدہ + نوادر از بنا و در پیش چیدہ نشستہ ہر طرف گوہر فروشہ + برآوردہ زوریا ہا خوشہ فتادہ ہر طرف صد لعل رخشاں + بود و بہر دکان کان پخششاں برآید از ہراسے امتحانے + متاع ہفت کشور از دکانے

موجودہ دلی یعنی

شاہ جہاں آباد

۱۰۵۸ھ  
۱۶۴۸ء



لال قلعے کی تعمیر کے دس برس بعد ۱۰۵۸ھ میں شاہ جہاں آباد کے شہر کی بنا پر طی جو عموماً اپنے قدیم نام دلی ہی سے زیادہ تر مشہور ہے۔ شہر بسا نے کی تاریخ تیرہویں کا شہی نے لکھی ہے۔ ع۔ شہر شاہ جہاں آباد ادشاہ جہاں آباد۔ آبادی کی شکل نصف دائرے کی ہے اور بعضوں کے نزدیک بے قاعدہ ربع دائرے کی جس کے خطوط راست مشرق اور شمال کی طرف ہیں اور پولیئر (Pulier) نے لکھا ہے کہ آبادی کی شکل کمان کی سی ہے جس کی تانت کا سر اجنا ہے اور شرقی رخ قلعے کو سمجھنا چاہیے۔ شہر کی فصیل کا دور تقریباً ۱۶ میل ہے۔ کرنل پولیئر شہر کا دور ۱۵ میل بتلاتے ہیں۔ فریملکن نے سات اور پکستان آج پر نے پانچ میل لکھا ہے۔ وان آرلک (Von Orlich) شاہ جہاں آباد کو کوہستان روم کہتا ہے اور اس شہر کی مسجدوں، محلوں، منڈوؤں، مالوں، باغات، بادشاہوں اور ان کی بیگمات اور بڑے بڑے امرا کے مقبروں کی بہت تعریف کی ہے اس شہر اور اس کے مضافات کے تعلق فریملکن لکھتا ہے کہ شہر اور اس کی ملحقہ عمارات اور کھنڈروں کا بہترین نظارہ دریائے جنا پر سے ہوتا ہے جو عین قلعے کے سامنے اور شہر سے تین میل ہے۔ اس جگہ سے چاروں طرف کا نظارہ ہوتا ہے۔ شیر شاہ اور فیروز شاہ کے قلعوں کے شاندار کھنڈرات

ہمایوں کا عالی شان مقبرہ جو اُس کے بلند چوڑے پر کھڑا ہو۔ اُس کے اور (چھوٹے  
 موٹے) مسجدوں کے بے شمار گنبدوں کا جھکا، جن میں سے کوئی سنگ مرمر کا  
 ہو اور کوئی طرح طرح کے رنگوں میں جلگا رہا ہو۔ پہاڑوں کے حلقے میں گھری ہوئی  
 سر بفلک قطب مینار۔ شہر کا نشیب و فراز۔ سنگ مرمر کی جا بجا چٹکی ہوئی عمارتیں۔  
 سنہری گنبد۔ شان دار فصیل اور سنگ سُرخ کے اونچے اونچے دروازے جن کے  
 بیچ میں سے جامع مسجد اور زینت المساجد کی اونچی اونچی میناریں سر اٹھائے کھڑی  
 ہیں۔ یہ سارے کا سارا سین ایک نہایت دل چسپ اور پر عظمت و شان نظارہ ہوئے  
 عام روایت یہ ہو کہ شہر سات برس میں بنا۔ شہر کی وسعت۔ عمارتوں کی نوعیت  
 کے لحاظ سے یہ مدت کچھ خلاف قیاس نہیں معلوم دیتی۔ برصغیر نے اس شہر کو <sup>۱۶۶۶</sup> مسیح  
 میں دیکھا تھا اور یوں لکھتا ہوئے کوئی چالیس برس ہوئے کہ بادشاہ وقت اورنگ  
 کے والد شاہ جہاں نے اپنی وادھی یا دگار قائم کرنے کی غرض سے پرانی دلی کے  
 پاس ایک نئے شہر بنانے کا قصد کیا چنانچہ نئی دلی اُس کے باقی کے نام پر شاہ جہاں  
 اور لمبا مختار جہان آباد کہلانے لگی۔ شاہ جہاں نے اگرے کی جماہٹ کی گرمی سے  
 بیزار ہو کر اُس شہر کو شاہی قیام کے مناسب حال خیال نہ کیا اور بجائے اگرے  
 کے دلی کو دار السلطنت قرار دیا۔ نئے شہر کی تعمیر کے لئے بہت سال مسالاک  
 ادھر ادھر کی گری پڑی عمارتوں سے مل گیا اور اسی وجہ سے دو سو ملکے لوگوں نے  
 پرانی اور نئی دلی کو خلط ملط کر دیا ہو لیکن پھر بھی اہل ہند اس نئی دلی کو شاہ جہاں آباد  
 پکارتے ہیں مگر دورِ پ میں چون کہ دلی کا نام ہی زیادہ مشہور ہو اس لئے میں بھی  
 (اپنے سفر نامے میں) جا بجا دلی ہی لکھتا ہوں۔ اس اعتبار سے دلی بالکل ایک نیا شہر  
 ہو جو جمن کے کنارے ایک وسیع قطعے پر آباد ہو جو ہمارے (ملک کے)  
 شہر لایر (Lahore) کے جوڑ کا ہو۔ یہ شہر دیوار کے ایک ہی کنارے پر  
 آباد ہو۔ آبادی کی شکل اس طرح کی واقع ہوئی ہو کہ ایک ہلال سا بن گیا ہو۔ دریا سے  
 عبور و مرور کے لئے صرف کشتیوں کا ایک پل ہو۔ شہر کی ایک جانب تو دریا کی  
 قدرتی حد محافظ ہو۔ باقی تین طرف اینٹوں ریتھروں کی فصیل سے محصور ہو۔ لیکن  
 شہر کا حصار مکمل نہیں ہی کیوں کہ نہ تو خندق ہو نہ شہر کی حفاظت کے لئے اور کوئی

مزید بند و بست کیا گیا ہی البتہ سو سو قدم کے فاصلے سے پرانی وضع کا ایک ایک برج اور ایک ایک مٹی کا دھس فصیل کے پیچھے ایک چبوترے کی شکل کا بنا ہوا ہی فصیل کا آثار چار یا پانچ فرانسیسی فیٹ کا ہی۔ یہ فصیل نہ صرف شہر کے گرد ہی بلکہ قلعے کے اطراف بھی ہی تاہم فصیل کا دور اتنا بڑا نہیں جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں میں نے تو گھوڑے پر سوار ہو کر تین گھنٹے میں بہت آسانی سے سارے شہر کا چکر مار دیا اور میرے خیال میں میری رفتار فی گھنٹہ ایک فرانسیسی لیگ سے زیادہ نہ تھی۔ میرے اس چکر میں البتہ شہر کے مضافات شامل نہ تھے جو بکثرت ہیں اور جن کا ایک لمبا سلسلہ لاہور کی طرف چلا گیا ہی اور پرانے شہر کی عمارتیں بھی دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور اس شہر کے آس پاس تین چار چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی ہیں اگر ان سب کو ملا لیا جائے تو البتہ شہر کی وسعت بہت بڑھ جائے گی اور اگر شہر کے مچھوں بیچ میں سے ایک خط مستقیم ڈالا جائے تو ایک فرانسیسی لیگ سے کچھ زیادہ ہی ہو گا۔ اگرچہ اس شہر کا صحیح محیط نہیں بتا سکتا کیوں کہ اس کے مضافات میں جا بجا بڑے بڑے باغ اور کھلے ہوئے قطعات بھی آگئے ہیں تاہم ہم کو سمجھ لینا چاہیے کہ شہر کا دور بہت بڑا ہوئے افواج انگریزی نے بنیرکمان جنرل لیک جب سسٹنٹ میں دہلی پر قبضہ کر لیا اور نیز جب کہ جنرل اختر لونی نے بمقابلہ مرہٹوں کے اس شہر کی حفاظت کی تو ساری فصیل کی داغ دوزی اور جا بجا سے فصیل کی مرمت اور مضبوطی کی گئی اور پرانے اور بوسیدہ مرمت طلب مورچوں کو بڑا کر ایسا درست کر دیا کہ ان پر نو تو قبضے چڑھ سکتی تھیں۔ پھر ۱۸۵۷ء میں بھی فصیل کی مرمت اور برجوں کی درستگی کی گئی اور بڑی بڑی گھونگٹ کی دیواریں توڑ کر چھوٹے چھوٹے مارٹلو (Martello) قسم کے مورچے بنا دیئے گئے اور اطراف خندق بھی کھدوا دی گئی۔ غازی الدین خاں کا مقبرہ اور مدرسہ جو بیرون فصیل جمیری دروازے کے باہر تھا اس کا بھی اندر سے گرجھار کی تکمیل کر دی گئی اور تمام حصہ عمارت کا شہر کے اندر شامل کر لیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ پرانی فصیل ۱۸۵۷ء میں ڈیڑھ لاکھ روپیئے کے صرف سے بنی جس میں ہندو قبیل چھوڑنے کی جھانکیاں بنائی گئی تھیں۔ یہ فصیل چار سال میں طیار ہو گئی تھی لیکن برسات میں گر پڑی اور پھر پختہ فصیل چار لاکھ کے صرف سے سات سال میں تعمیر ہوئی۔ یہ فصیل ۶۶۶۴ گز لمبی۔ نو گز اونچی اور چار گز چوڑی تھی جس میں تیس تیس فیٹ قطر کے ستائیس

بج چودہ دروازے اور چودہ کھڑکیاں تھیں۔ فریملکن لکھتا ہے کہ شمال و مغرب کی طرف  
شالامار باغ سے جنوب و مشرق میں قطب مینار سے اور اجیمیری دروازے سے لے کر  
قطب مینار تک میں میل کا ڈور تھا اس سرکے آثار خطے کی نسبت شبہ نہیں لکھا ہے  
کہ یہ مقام تباہی اور بربادی کا بھیانک اور مہیت ناک منظر ہو جہاں تک نظر و دھڑکی (کھڑکی)  
کھنڈر۔ مقبرے ہی مقبرے (ڈھیروں) ٹوٹی چھوٹی عمارتیں پتھروں اور سنگ خارا کے  
انبار۔ سنگ مرمر کے (شکستہ) ٹکڑے اس قطعہ زمین پر جو پتھر پلا اور پٹیل مہران ہے  
اور جہاں بجز ایک دو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے زراعت کا بھی کہیں پتہ نہیں نہ کوئی درخت  
ہے۔ بکھرے پڑے ہیں اگر ہم کتبہ اجیمیری دروازے سے چلیں جو شہر کے شمال میں ہے اور  
جوشیہ کے واقعہ غدر۔ انگریزوں کی گورہاری اور فتح دہلی کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہے  
تو حسب ذیل رستے سے شہر کا چکر لگا سکتے ہیں :- (۲) موری دروازہ۔ بجانب شمال  
جوشیہ میں ڈھاکر اس کے اطراف کا میدان صاف کر دیا گیا۔ (۳) کابلی دروازہ مغرب  
میں۔ یہ بھی توڑا دیا گیا۔ (۴) لاہوری دروازہ۔ جو حال میں تفصیل کے ساتھ توڑا لگا ہوا  
(۵) اجیمیری دروازہ۔ جنوب و مغرب میں۔ (۶) ترکمان دروازہ۔ جنوب میں (۷) دلی دروازہ  
جنوب میں۔ (۸) خیراتی دروازہ۔ مشرق میں۔ (۹) مانج گھاٹ دروازہ۔ مشرق میں بجانب  
دریا۔ (۱۰) کلکتہ دروازہ۔ شمال و مشرق میں تھا جس کے مقام سابقہ کی نشانی کے طور پر  
ایک رستہ ۱۸۵۷ء میں بنا کر اس پر انگریزی میں ایک کتبہ بھی لگا دیا ہے اب تو اس جگہ ریل  
کے دو کٹورے بنے ہوئے ہیں اور ان پر وہی پتھر نصب کر دیا ہے جو بتلاتا ہے کہ کلکتہ دروازہ  
پہلے یہاں تھا۔ (۱۱) کبلا گھاٹ دروازہ۔ شمال و مغرب میں دریائی طرف (۱۲) گم بود دروازہ  
شمال و مشرق میں دریائی طرف۔ (۱۳) پتھر گھاٹی دروازہ۔ توڑا دیا گیا۔ (۱۴) برہم دروازہ  
شمال و مشرق میں۔ علاوہ چودہ دروازوں کے خلق اللہ کے آسام و آسائش کے بیٹے  
چودہ کھڑکیاں بھی اس نام کی تھیں :-

- (۱) کھڑکی زمینت المساجد تحت مسجد مذکور۔ (۲) کھڑکی نواب احمد بخش خاں۔ (۳) کھڑکی نواب  
غازی الدین خاں۔ (۴) کھڑکی نصیر گنج۔ (۵) نئی کھڑکی۔ (۶) کھڑکی شاہ گنج۔ (۷) کھڑکی  
اجیمیری دروازہ۔ (۸) کھڑکی سید بھولا۔ (۹) کھڑکی بلندباغ۔ (۱۰) کھڑکی فرشتخانہ۔ جو حال  
میں توڑ دی گئی۔ (۱۱) کھڑکی امیر خاں۔ (۱۲) کھڑکی خلیل خاں۔ (۱۳) کھڑکی بہادر علی خاں۔

(۱۴) کھڑکی نگم بود۔ شہر دہلی بھوجلا اور جھوجلا نام کی دو پہاڑیوں پر بسایا گیا ہے۔ بھوجلا پہاڑی تو وسط شہر میں ہے یہی بھوجلا پہاڑی وہ شمال و مغرب کی تفصیل سے ملی ہوئی ہے بشہر جس قطعہ زمین پر آباد ہے اس کا ہلکا سا ڈھلاؤ مشرق سے مغرب کی طرف ہے یا تو یوں کہو کہ پہاڑی سے دریائے جمنکا کی طرف نشیب ہے۔ علی مردان کی نہر کا بلی دروازے سے شہر میں داخل ہو کر شہر اور قلعے دونوں میں دوڑتی ہے اور پھر دریا میں جاتی ہے قلعے کی تفصیل سے ملے ہوئے بہت سے باغات تھے مگر برنیر جب آیا ہے تو لے دے کے صرف ایک ہی بڑا باغ رہ گیا جس کی نسبت اس نے لکھا ہے: ”بارہ بہینے ہرے بھرے پودوں اور پھلوں سے سرسبز و شاداب رہتا تھا۔“ یہ سبزہ دار قلعے کی شان دار لال فصیلیوں کے پہلو بہ پہلو عجیب لطیف دکھاتا تھا۔ یہ باغ جس کا ذکر برنیر نے کیا ہے قلعے کے لاہوری دروازے سے لگا ہوا تھا اور یہیں باغ کے متصل سعد الدخاں وزیر اعظم شاہ جہاں کا بنایا ہوا ”چوک شاہی“ بھی تھا جس کا ذکر برنیر نے اپنے ایک خط میں جو دہلی سے لکھا تھا یوں کیا ہے۔ ”باغ سے ملا ہوا چوک شاہی ہے جس کا ایک رخ تو قلعے کے دروازے کی طرف ہے اور دوسرا میرا دو بڑا بازاروں کی طرف ختم ہوتا ہے x x x x اسی چوک کے احاطے میں اُن امراء کے گھر لگے رہتے ہیں جن کی نشست کی باری ہر ہفتے آتی ہے x x x x اسی میدان میں خاصے کے گھوڑے صبح سویرے ہواخواری کے لیے پھلاے جاتے ہیں ایسی سواریوں کا بڑا افسران گھوڑوں کا معائنہ کرتا ہے جو فوج میں بھرتی کئے جاتے ہیں۔ یہیں ایک بہت بڑا بازار ہے جس میں ہمہ قسم کی اشیائیں ہیں جیسے پیرس میں پانٹونف (Pont-Neuf)۔ یہ جگہ تاشائیوں اور سیلانیوں کی میرگاہ ہے یہیں ہندو اور مسلمان رسال اور بخوبی جمع رہتے ہیں۔ اب اس چوک اور بازار کا کہیں پتہ بھی نہیں ملتا قلعے کے اطراف دور دور سارے کا سارا میدان صاف کر دیا گیا اُسی میں یہ مقام بھی آگئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ قلعے کے لاہوری دروازے کے دونوں طرف یعنی شمال اور جنوب میں یہ بازار تھا۔ شہر کے دو بڑے بازار جو شاہی چوک پر آکر ختم ہوتے تھے ان کی نسبت برنیر لکھتا ہے کہ ”جہاں تک بظاہر مستقیم نظر دوڑتی تھی بازار ہی بازار نظر آتا ہے لیکن وہ بازار جو لاہوری دروازے کی طرف ہے (یعنی چاندنی چوک) وہ اس سے بھی بہت بڑا ہے۔ دوسرا بازار شہر کے دہلی دروازے سے لے کر شاہی چوک تک ہے یعنی فیض بازار، عمارت کے

اعتبار سے دونوں بازار ایک ہی طرح کے ہیں۔ سڑک کے دو طرفہ اینٹ اور چوڑے کی  
 بٹمنے دکانیں بنی ہوئی ہیں جن کے بالا خانے نشست کا کام دیتے ہیں۔ ان بازاروں میں  
 بجز دکانوں کے اور کوئی عمارت نہیں ہے۔ یہ دکانیں سب علی حدہ علی حدہ ہیں ان میں بیچ  
 میں رستہ نہیں ہے۔ دکانوں میں دن کے وقت کاریگر لوگ اپنا اپنا کام کرتے ہیں ساہوکار لین دین کا  
 بیج بیوپار کرتے ہیں۔ تاجر اپنا اپنا مال و اسباب برتن وغیرہ دکھلاتے ہیں x x x x  
 ان دکانوں اور کارخانوں کے پچھوارے سوداگروں کے رہنے سہنے کے گھر ہیں  
 جن سے خوشحالگلیاں بن گئی ہیں۔ یہ مکان ضرورت کے موافق اچھے خاصے وسیع  
 ہوا دار اور آرام دہ معلوم دیتے ہیں جو سڑکوں کے گرد و غبار سے الگ ہیں۔ ان مکانوں  
 میں سے دکانوں کی چھتوں پر جانے کا رستہ ہی جہاں لوگ رات کو سوتے ہیں۔ لیکن  
 سارے بازار میں اس طرح کے مکانات کا سلسلہ نہیں ہے۔ بازاروں کے علاوہ شہر کے  
 دو حصوں میں دو منزلہ مکانات بہت کم ہیں۔ میگزیٹوں کے مکانات اکثر پت  
 اس غرض سے بنائے گئے ہیں تاکہ سڑک پر سے مد نظر نہ ہوئے سعدالمدعاں کے نام بھی  
 ایک چوک تھا وہ بھی اب نہ رہا ہے لیکن یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کے حدود ایک طرف تو  
 قلعے کا دہلی دروازہ اور فوجی باغ تھا اور دوسری طرف سنہری مسجد۔ پرانا قبرستان  
 جہاں اب موبیل کر اس ہے۔ تھا۔ اس چوک کے جنوبی رخ پر دو بازار اور آکر ملتے تھے  
 فیض بازار شمال کی جانب شہر کے دہلی دروازے سے قلعے کے دہلی دروازے تک  
 اور خاص بازار جامع مسجد اور قلعے کے دروازے کے بیچ میں تھا البتہ درمیان میں کچھ دروازے  
 چھوٹے تھے۔ برنیر نے جو دو بازاروں کا بیان کیا ہے ان میں سے ایک بڑا بازار یعنی  
 چاندنی چوک تو شہر کے لاہوری دروازے سے (جواب باقی نہیں ہے) قلعے کے لاہوری  
 دروازے تک تھا اور دوسرا شہر کے دہلی دروازے سے قلعے کے لاہوری  
 دروازے تک تھا ان دونوں بازاروں کے مختلف حصے مختلف ناموں سے موسوم تھے  
 وہ حصہ جو قلعے کے لاہوری دروازے اور دربیے کے خونی دروازے کے مابین تھا  
 اردو بازار کہلاتا تھا جس کی وجہ تسمیہ غالباً یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی زمانے میں اس حصہ شہر میں  
 لشکری لوگ رہتے تھے۔ خونی دروازے اور کوتوالی کے درمیان کا حصہ پھول کی بندوبست  
 کہلاتا تھا۔ اس مقام پر اس زمانے میں ایک چوک بنا ہوا تھا۔ کوتوالی اور حراہے کے



بیچ میں چوڑا بازار تھا۔ تراہے اور اُس کے متصل شرنی کا کٹھنہ و حقیقت چاندنی چوک کا سب سے پر رونق حصہ تھا۔ چاندنی چوک کے اُس مقام پر جہاں کہ اب گھنٹہ گھر ہی بیچوں بیچ میں ایک حوض تھا اُس سے آگے بڑھ کر فتح پوری کی مسجد تک فتح پوری بازار کہلاتا تھا۔ چاندنی چوک کے بازار کے مکانات سب بلندی میں یکساں تھے اور دکانوں میں محض دروازے اور رنگین سائبان تھے۔ چاندنی چوک کے شمال اور جنوب میں دروازے تھے۔ شمالی دروازے سے رستہ جہاں آرابیگم کی سرا کو جاتا تھا اور جنوبی دروازے سے ایک رستہ شہر کے ایک نہایت آباد اور گنجان حصے کو جاتا تھا۔ حوض کے اطراف کثرت سے پھل پھلاری۔ ترکاریوں اور مٹھائی کی دکانیں تھیں۔ رفتہ رفتہ اس بازار کے ٹکڑوں کے متفرق نام جاکر سارا بازار چاندنی چوک کہلانے لگا۔ چاندنی چوک عظیم الشان بازار شاہ جہاں کی صاحبزادی جہاں آرابیگم نے سن ۱۶۳۸ء میں بنوایا تھا اور اُس کے کئی برس بعد بیگم صاحبہ موصوفہ نے ایک باغ اور سراے بھی بنوائی تھی قلعے کے لاہوری دروازے سے لے کر چاندنی چوک کے آخر تک یہ بازار ۵۲۰ گز لمبا اور چالیس گز چوڑا ہی جس کے بیچوں بیچ میں علی مرداں کی نہرواں تھیں جس کے دونوں جانب سرسبز و شاداب سایہ دار درخت لگے ہوئے تھے داب نہر پاٹ دی گئی اور سب تخت بھی کاٹ دیئے گئے۔ چاندنی چوک کے مشرقی سرے پر قلعے کا لاہوری دروازہ ہوا اور دوسرے سرے پر فتح پوری کی خوش ہامید ہی۔ برنیر نے جو دو سڑک بازار کا ذکر کیا ہے وہ قلعے کے لاہوری دروازے سے لے کر شہر کے دہلی دروازے تک تھا۔ لاہوری دروازے سے چوک سعد اللہ خاں تک اس بازار کا حصہ بالکل معمولی تھا باقی حصہ جو انتہائی شمالی حد پر تھا اُس کا بیان چوک کے ساتھ آئے گا۔ ایک دو سڑک بڑا بازار وہ تھا جو قلعے کے لاہوری دروازے سے اُن عمارات تک چلا گیا تھا جن میں سے ایک عمارت کو جنرل لیک نے دہلی فتح کرنے کے بعد ریڈنسی بنالیا تھا۔ یہ بازار آدھ میل لمبا اور تیس فیٹ چوڑا تھا اور اس سرے سے اُس سرے تک اُس کی دونوں جانب گھنے سایہ دار درخت ایسے لگے ہوئے تھے کہ ایک خوب صورت ایوینیو (AVENUE) بن گیا تھا۔ خاص بازار کا اب کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔ شہر کے غدر کے بعد جب قلعے کے اطراف زمین کو عمارات سے صاف کیا گیا تو چاندنی چوک اور خاص بازار بھی اُس کی



زومیں آگئے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ان دونوں بازاروں میں صبح سے رات تک کھوسے سے کھوا چھلتا تھا اور دکانیں مال و اسباب سے کچا کچھ بھری ہوئی تھیں جن میں ہر قسم کا بیش قیمت سامان موجود تھا۔ جب کبھی بادشاہ کی سواری جامع مسجد کو یا عیاد میں برآمد ہوتی تھی تو اسی بازار سے جلوس گزرتا تھا۔ اب بھی فیض بازار کا دو تہائی حصہ باقی ہے۔ بازار کی دونوں جانب دکانیں ہیں اور بیچ میں سے نہر بہتی ہے اب نہر بند کر دی گئی اور جا بجا بڑی بڑی عمارتوں محلوں اور مسجدوں کے کھنڈر نظر آتے ہیں جن سے اب بھی کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ بادشاہ پسند بازار کیسا کچھا آباد اور پر رونق رہا ہوگا۔ لیکن افسوس کہ اب ایسا جڑا ہے کہ دہلی میں اس سے زیادہ غیر آباد حصہ اور کوئی نہیں ہے۔ یہ بازار شاہجہاں بادشاہ کی حرم محترم اکبر آبادی یکم کا بسایا ہوا تھا جن کے نام کی ایک مسجد بھی یہاں موجود ہے۔ یہ بازار گیارہ سو گز لمبا اور تیس گز چوڑا تھا۔ اس کی اور اردو بازار کی بنا ساتھ ہی ساتھ پڑی تھی اور یہ دونوں بازار بھی شہر کے ساتھ ہی ساتھ چاندنی چوک کے بازار سے پہلے بنے تھے۔ نہر جو اس بازار میں رواں تھی وہ چارنیٹ چوڑی اور پانچ فیٹ گہری شاہجہاں کی بنائی ہوئی تھی۔ دلی کے بازاروں میں فیض بازار ہی کو یہ فخر حاصل تھا کہ اس کی دکانوں میں ہر ہر ملک عراق و خراسان اور دوسرے بندرگاہوں کے بے شمار سامان کے علاوہ یورپ کی اشیاء بھی کثرت سے رہتی تھیں۔ برنیر لکھتا ہے کہ ”اس شہر میں بے شمار بازار اور بیچ وریچ گلیاں ہیں جو آپس میں تقاطع کرتی ہیں۔ بازاروں کی دکانیں مختلف اوقات میں مختلف اشخاص کی بنائی ہوئی ہیں اس وجہ سے یکسانیت کا خیال نہیں رکھا گیا پھر بھی بعض بعض دکانیں بڑی بڑی بھاری ہیں جن کی سیدھی قطار دو تک چلی گئی ہے“ شہر کے چھتیس محلے ہیں جن میں سے اکثروں کے نام سربراہ اور وہ اشخاص و امراء شہر کے ناموں سے منسوب ہیں۔ برنیر لکھتا ہے کہ ”ان محلوں میں جا بجا منصب دار، نظامے عدالت، مال دار تجار اور دوسرے لوگوں کے مکانات پھیلے پڑے ہیں“ برنیر نے شہر کے ایک عمدہ مکان کا خاکہ حسب ذیل کھینچا ہے:-

چوہنت بر زمینش ہر مکانے + بود در ہر مکانے بوستانے + خیابانے چنان عشرت شرفست  
 لگو یا کو چہ ہا را بہشت است + ہوایش دل کشا و دل نشینست + طراوت خانہ را و اینین است

یہاں کے ایک اچھے مکان کا طرز یہ ہوتا ہے کہ اُس کے صحن میں ہمیشہ خانہ بارغ - خست - حوض - فوارے - ایک بڑا صدر دروازہ - خوب صورت خانے ہوتے ہیں جن میں بڑے بڑے فراشی پنکھے لگے رہتے ہیں - سب سے بہتر مکان وہ سمجھا جاتا ہے جو وسط شہر میں ہو اور جس میں ایک بڑا پھول بارغ اور چار بڑے بڑے قد آدم اوپنچے چوتھرے بھی ہوں اور چاروں طرف سے ایسی ہو آتی ہو کہ ٹھنڈک رہے - ہر عمدہ مکان میں رات کو سونے کے بیٹے چھتیس بنی ہوتی ہیں اور کوٹھوں پر بھی دالان ہوتے ہیں کہ اگر بارش آجائے تو اُس میں پلے جائیں - عمدہ مکانات میں عموماً درپوں کا فرش ہوتا ہے - دیواروں میں پانچ پانچ چھ چھ فیٹ تک مختلف شکلوں کے خوشنما طاق بنے رہتے ہیں جن میں صنی کے عمدہ عمدہ پھولوں کے گلے پھنے رہتے ہیں - چھتوں میں پانچ کیا جاتا ہے یا رنگیں ہوتی ہیں لیکن مکانوں میں کہیں انسان یا حیوان کی تصویر نظر نہیں آتی کیوں کہ تصویر کار کھنا مذہباً منع ہے۔ یوں تو شہر میں بڑے بڑے رئیسوں اور امراء کے بیٹے بے شمار محل تھے مگر سب سے زیادہ مشہور قمر الدین خاں - علی مرداں - اور زمان مابعد کے غازی الدین خاں - سعادت خاں اور صفدر جنگ کے محل تھے - کرنل پالیر <sup>۱۸۵۷ء</sup> میں کچھ عرصے تک شاہی ملازم تھا وہ بھی کسی ایک محل میں رہتا تھا ہم بطور نمونہ اُس کے مکان کا رنگ و سنگ بتلاتے ہیں ہرکا تذکرہ ناظرین کے بیٹے خالی ازدواجی نہ ہو گا۔ اگرچہ یہ محل اب خستہ اور تباہ حالت میں ہے لیکن اب بھی اُس کی گری پڑی حالت سے اُس کے بانی کا متول - بلند حوصلگی اور خوش سلیقگی اور حسن مذاق ظاہر ہو - اس کی بلند چار دیواری کے اندر بہت ساری زمین گھری ہوئی تھی اور صحن مکان میں کئی بڑے بڑے اوپنچے اور شان دار دروازے تھے - اس محل میں ملازمین - شاگرد پیشہ - آسے گئے مہمان اور ملاقاتیوں کے رہنے سہنے کے بیٹے متعدد وسیع قطعات تھے - گھوڑوں اور ہاتھیوں کے اسٹبل جدا جدا دیوان خانہ اور زمانہ محل سر امکان کے یہ دو بڑے حصے تھے جن کے بیچ میں آمدورفت کا رستہ تھا - ہر ہر مکان میں حمام اور خانے کا ہونا ضرور تھا - جن میں ہمہ قسم کا سامان آسائش ہوتا رہتا تھا، باہر ہمہ متول و احتشام فلاکت اور افلاس کے نمونے بھی مفقود نہ تھے - برنیر لکھتا ہے کہ ”ان محلات کے پہلو بہ پہلو بے شمار چھوٹے چھوٹے مکانات بھی کچے اور چھپرے کے ہوتے تھے جن میں غریب غریب رادنی درجے کے ملازموں کا جم غفیر بسا ہوا۔“

سینہ کی پٹھانیا نور علی



سائیس وغیرہ جن کی تعداد کا کچھ ٹھکانا نہ تھا اور جوہر صاحب فردت اور امیر کا ایک جزو لاینفک تھے رہا کرتے تھے۔ انہیں چھپروں کی وجہ سے شہر میں اکثر آگ لگ جایا کرتی تھی..... انہیں کہتے اور پھوٹس کے گھروں سے دلی کی بستی چند گھاؤں کا مجموعہ یا کوئی چھاؤنی معلوم دیتی تھی جس میں خال خال بڑی بڑی عمارتیں بھی کھڑی تھیں۔

۹۵۲ھ میں شیر شاہ سوری کے بیٹے سلیم شاہ نے  
۶۱۵۴۶ھ جب ہمایوں بادشاہ کے آنے کی خبر سنی تو اس کے  
متعلق تاریخ داؤدی میں لکھا ہے کہ بادشاہ لاہور سے کوچ  
کر کے دہلی آیا اور دین پناہ کے محاذی جہنا کے بیچ میں

۹۵۲ھ  
۶۱۵۴۶ھ

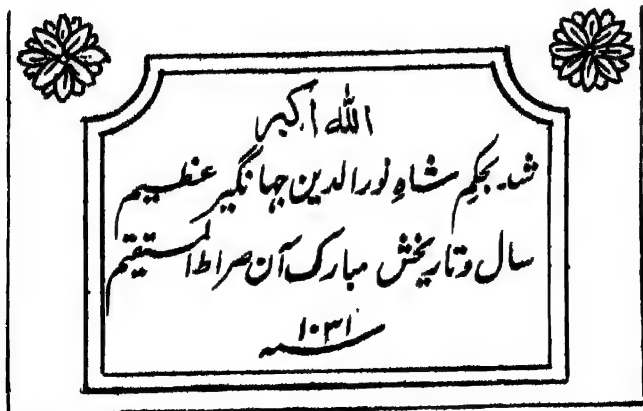
سلیم گڑھ بنوایا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ ایسا مضبوط قلعہ بنوایا جائے کہ جس کا جواب تمام ہندوستان میں نہ ہو اور فی الواقع وہ بنایا بھی ایسا ہی گیا ہے کہ ایک ہی پتھر میں تر شاہو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلعہ نصف دائرے کی شکل کا بنا ہوا ہے اور ایک زمانے میں اس میں مختلف جسامت کے انیس برج تھے اور اس کی تعمیر میں چار لاکھ سو پینے صرف ہوئے اور پانچ سال کے عرصے میں صرف اس کی تفصیل طیار ہونے پائی تھی کہ بادشاہ کا انتقال ہو گیا اور اس کی تعمیر کا منسوبہ دل کے دل ہی میں رہا اور یہ قلعہ کس پھر سی کی حالت میں پڑ گیا۔ اسی برس بعد فرید خاں المعروف بہ مرتضیٰ خاں جو اکبر اور جہانگیر بادشاہوں کے عہد کا ایک سربراہ اور امیر تھا اس کو سلیم گڑھ بطور جاگیر کے سرفراز ہوا۔ اس نے اس قلعے میں بہت سے مکانات تعمیر کرائے۔ ۹۵۲ھ تک یہ تمام عمارات گر پڑ کر کھنڈر ہو گئی تھیں صرف ایک دو منزلہ دالان اور ایک باغ ہوا خوری کے لیے اکبر شاہ ثانی کے عہد تک ۹۵۲-۱۶۰۶ء اچھی حالت میں باقی تھا۔ ۱۵۵۷ء میں غلام قادر نے اپنے ہمراہیوں کے اسی قلعے سے بھاگنا جو لال قلعے سے ملا ہوا ہے یعنی قلعہ شاہجہاں آباد کے پاس واسطے پل کو عبور کر کے بھاگ گیا۔ یہ پل جہانگیر بادشاہ نے ۱۵۷۲ء میں بنوایا تھا۔ اب اس قلعے میں ایسٹ انڈین ریلوے گزرتی ہے اور ریل کے پل کے واسطے جگہ مہلنے کو اس پل کو توڑنا پڑا جس کے

پل ۱۵۷۲ء میں بننا شروع ہوا اور یکم جنوری ۱۵۷۳ء کو طریقہ کے لیے کھول دیا گیا۔ ریل کا پل کلکتہ کی طرف ۹۵۳ میل شروع ہوتا ہے اور ۲۶۹ میل ہے۔ اس کے بارہ دریں اور ہر در کی طرف ۱۱ میل چوڑی ہے۔ یہ پل دہرا دہ اور پریل جاتی ہوئے پل آدمی گاڑیلوں وغیرہ اس پل میں دس گزے پلائے گئے ہیں جن کا قطر اور سے دس فٹ کا ہے اور ۱۵۴۴ میں کے اندر آتا ہے گئے ہیں اور ان کو کتبے بھی دیواریں پانی کے رہنے کو روکنے کے لیے کھڑی کی گئی ہیں۔ سلج آب سے گزرنے کی اونچان ۲۳ فٹ ہے اور اکبر سے پل کا صرف سولہ لاکھ ساڑھے ہزار تین سو پچیس روپے یعنی سمانہ لاکھ فی سطحی ٹھ خرچ پڑا ہے۔ یہ پل پہلے ہی ست ٹریل لین کے لیے بنایا

دو کتبے پل ٹوٹ جانے سے اب قلعے کے عجائب خانے میں رکھے ہوئے ہیں اور ہم نے ان کی نقل اس مضمون کے خاتمے پر کر دی ہے۔ اب جو پل پھانک کے سامنے بنا ہوا ہے وہ جدید ہے اور اس پل کو یہ فخر حاصل ہے کہ دربار سلطنت میں شاہِ معظم جارج پنجم جلوس شاہی کے ساتھ اسی پر سے گزرے تھے سلیم گڑھ کا قلعہ شاہ جہاں کے محل کے شمال میں ہے مگر اس محل کے بننے کے بعد یہ قلعہ بطور شاہی مجلس کے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس قلعے کی لمبائی قریب قریب پانچ میل کے ہے اور فصیل کا دور تقریباً پانچ میل کا ہے۔ یہ قلعہ دریائے جمنا کے مغربی ساحل کے قریب ایک جزیرے میں بنا ہوا ہے۔ اس کی بڑی بھا فصیل اور شاندار سر بلک برجوں کا ایک عجیب و غریب نظارہ دریا کے اس پار سے ہوتا ہے۔ اس قلعے کے جنوبی دروازے کے سامنے جب ایک پل شہنشاہ نور الدین نے بنوایا تب سے اس کا نام نور گڑھ رکھا گیا لیکن عام طور پر اب بھی سلیم گڑھ ہی مشہور ہے رکننگم کی آرکیالوجیکل رپورٹ جلد دوم صفحہ ۲۲۳) اس پل کی نسبت جنرل رکننگم کے اسسٹنٹ مسٹر بنگلر نے لکھا ہے کہ یہ سلیم گڑھ اور قلعہ دہلی کے درمیان جو پل ہے (اب نہیں رہا) اس کی خصوصیات تعمیر خاص توجہ کے قابل ہیں۔ پل کے دروں کا روکار بن گھڑے پتھروں اور چوڑے کاہے۔ ان دروں میں خاص طور پر کھب ڈال کر مضبوط کیا گیا ہے جن سے ظاہری حالت میں مضبوطی اور نزاکت دونوں باتیں پیدا ہو گئی ہیں اس پل پر حسب ذیل دو کتبے تھے :-

جانب مشرق

کتبہ اول



# کتبہ دوم جانبِ غروب

اللہ اکبر	بکیم بادشاہ ہفت کشور	جل جلالہ	شہنشاہ بعد از داد و تدبیر	یاقاق
یا مہر	جہانگیر ابن شاہنشاہ اکبر	یا فیاض	کہ شمشیرش جہاں را کرد تغیر	یا حی
شاہ	چو این پل گشت در دہلی ترب	جلوس	کہ وصفش را نشاید کرد تحریر	جہانگیری
یا ہمام	ہی تاسیخ اتامش خرو گفت	حین جلے	پہل شاہنشاہ دہلی جہانگیر	تہ فرین

سڑک کے اُس طرف قلعے کے اُس رخ پر جو دریا کے جانب ہو دو دروازے ہیں  
 اُن میں سے ایک پر یہ کتبہ سنگ مرمر کی تختی پر کھدایا ہوا ہے۔ مگر اب یہ دروازہ بند  
 کر دیا گیا ہے۔

گشت چو تعمیر بفضل الہ  
 گفت خرد سال نباش ظفر  
 ایں در خوش منظر و مرت فزا  
 باپ فلک جاہ و مجتہنا

(جامع مسجد سے دہلی دروازہ تک)

جامع مسجد  
 ۱۰۶۰ھ  
 ۱۶۵۰ء

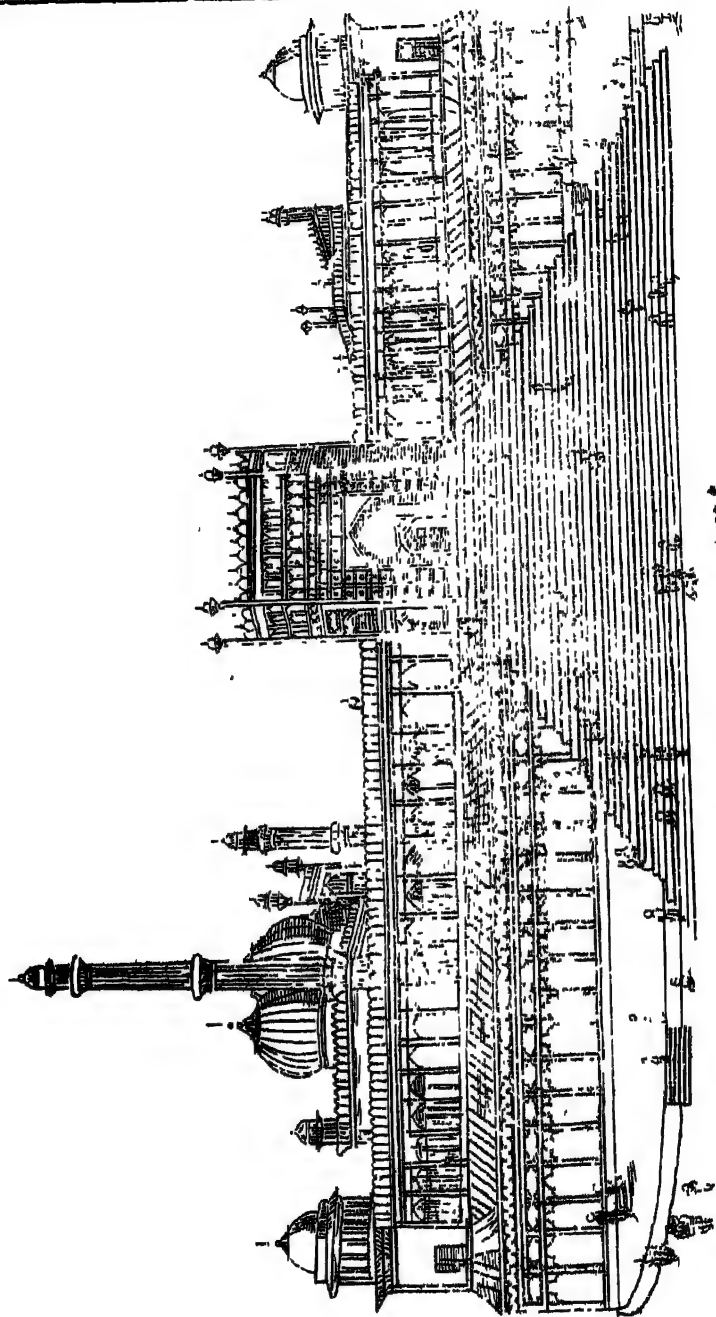
من گویم کعبہ لیکن ایں قدر گویم کہ بہت + جبہ اقامت عاتق ہے و ایں آستان  
 پر تو انوار اوجوں عالم افروزی چند + صبح را گرد نفس انگشت حیرت در دہاں

مسجد ایں ست می زبید انش جبرئیل دست استاد قضا تالار خامش ساختہ نیست در و حاصل اوقات اہل طاعتش در بناے خیر ایں سہمی کہ وارد ہمتش تا ہمیشہ قبلہ اسلام سمت کعبہ است مسجد کاں کعبہ ثانی است تا بخش بود	خلوت روحانیں را شمع باید بے دغاں رو سفیدی ابد باو گشت از بہر کاں جز دغاے ثانی صاحب قرآن شاہ جہاں حاصل کاں جملہ خواہ گشت آخر صرف کاں قبلہ گاہ آرزو باد اجنا بش جاوداں قبلہ حاجات آمد مسجد شاہیہاں
--	---

۱۔ اس تاسیخ میں ایک عدد کی زیادتی ہوتی ہے لیکن ایک کی زیادتی شمار میں نہیں آتی اور کالعدم بھی جاتی ہے جو فرین  
 نے اسے جائز رکھا ہے۔ ۱۲

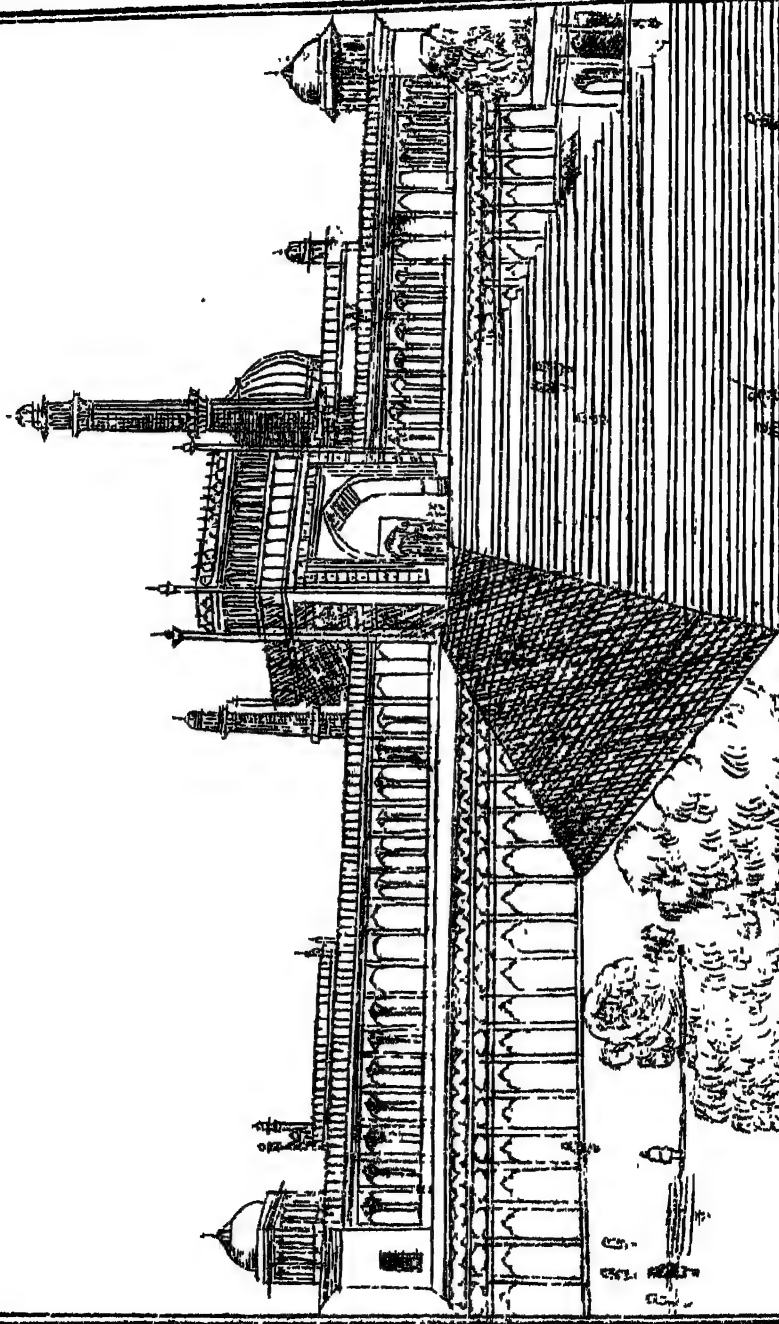
اول جنرل کننگھم دہلی شہر کی عمارتوں میں سب سے بڑھ چڑھ کر جامع مسجد اور زینت المساجد یہی دو عمارتیں ہیں۔ جامع مسجد کو شاہجہاں بادشاہ نے ۱۶۴۲ء میں بنایا تھا جو ساگر پور وستان کی مسجدوں سے بڑی اور سب سے عمدہ ہے۔ ہندوستانی روایت کی رو سے اس عجیب و غریب عمارت کی بناء اشوال المکرم ۱۶۵۰ء میں ہوئی ہے۔ جامع مسجد لال قلعے سے کوئی ہزار گز کے فاصلے سے بھولہ پھاری پر خاص بازار کے مغربی سرے پر ہی ہوئی ہے۔ اس کی کرسی کا کیا کہنا جو سنگ مرمر کا ایک بڑا بھاری چوڑا سطح زمین سے تیس فیٹ بلند اور چودہ سو مربع گز ہے۔ اس کی تعمیر زیر نگرانی سعد اللہ خاں وزیر شاہ جہاں اور فضل خاں خاندان کے ہوئی۔ مشہور ہے کہ جب مسجد کی بنیاد رکھنے وقت آیا تو بادشاہ ظل اللہ نے فرمایا کہ اس کی بنیاد وہ شخص رکھے جس کی ناز تہجد اور تکبیر اولیٰ کبھی تضائع نہ ہوئی ہو۔ پس کریموں نے گردنیں جھکا لیں اور کچھ جواب نہ دیا۔ جب بہت دیر ہو گئی تو بادشاہ نے فرمایا ”الحمد للہ مجھ میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ مگر افسوس کہ آج راز فاش ہوتا ہے“۔ اور پھر دست مبارک سے سنگ بنیاد رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ چھ ہزار راجہ بیلدار۔ مزدور اور سنگ تراش چھ برس تک روزانہ اس کی تعمیر میں کھڑے رہے اور تعمیر میں دس لاکھ روپیہ صرف ہوا جس میں پتھر کی قیمت شامل نہیں ہے۔ سنایا کہ پتھر بڑے راجاؤں اور نوابوں نے بادشاہ کی نذر کیا تھا مسجد جب بن بنا کر تیار ہو گئی عید الفطر قریب تھی۔ میر عمارت کو شاہی حکم پہنچا کہ مابعد دولت عید کی نماز جامع مسجد میں پڑھیں گے۔ ہزاروں من تمبہ پڑا ہوا۔ جگہ جگہ پارٹیں بندھی ہوئیں اتنی جلدی مسجد کا صاف ہو کر آراستہ ہو جانا بالکل ناممکن تھا۔ فوراً حکم سلطانی پہنچا کہ جو چیزیں کوئلے اٹھائے جاسے۔ پھر کیا تھا فوراً اسی دیر میں مسجد صاف ہو گئی۔ نکاح باقی نہ رہا اسی وقت بھاڑ پونچھ کر فرش کر دیا گیا۔ دیکھتے دیکھتے شیشہ و آلات سے آراستہ ہو کر اچھتی خاصی دلن بن گئی۔ حضور میں عرضی گزری کہ مسجد آراستہ ہے۔ صبح عید تھی نماز کا وقت ہوا قلعے میں شادیاں منجھنے لگے۔ حضور کی سواری نکلی۔ قلعے کے دروازے سے مسجد کے شرقی دروازے تک سواروں کی قطار آگے آگے نقیب و چوہدرائے چیمپے شہزادگان والا تبار نے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے۔ چاروں طرف سے لوگوں کا بھوم ہوا۔ مسجد بھر گئی۔ دو گانہ ادا کیا گیا شہر میں عید منائی گئی۔ اس مسجد میں پنج وقتہ جماعت ہونے لگی۔ امام مؤذن فراش وغیرہ سب بادشاہ کی طرف سے مقرر

قسمتدروازخونینجدجامع

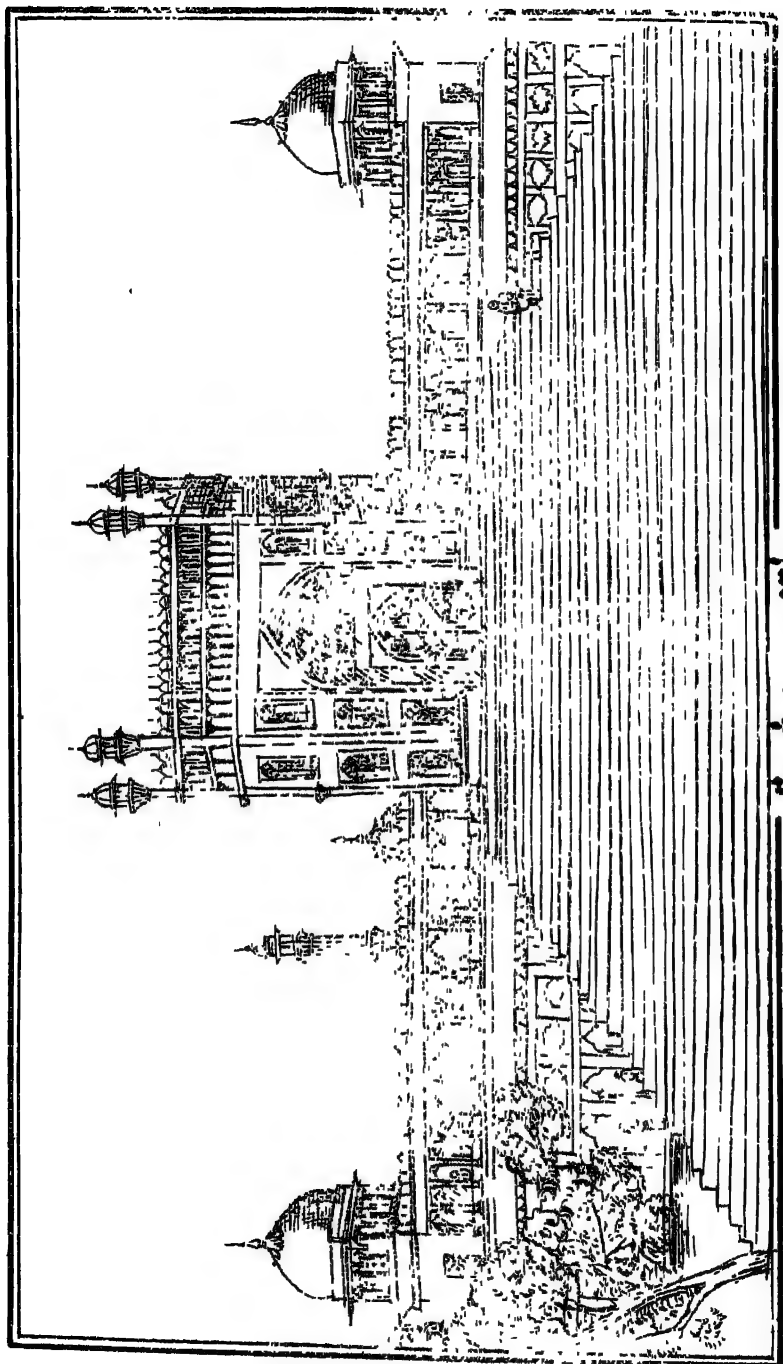




دفتر وزارت شمال چین



لغتہ دروازہ شرفی مسجد



ہو گئے مسجد جنت کا ٹکڑا بن گئی۔ مسجد کے تین مالی شان دروازے مشرق۔ شمال اور جنوب میں ہیں اور تینوں طرف سنگ سرخ کی لمبی لمبی اور بڑی چوڑی چوڑی سیرٹھیاں ہیں۔ شمالی دروازے کے محاذ میں (۳۹) سیرٹھیاں ہیں۔ قدیم زمانے میں ان سیرٹھیوں پر نان بائی اور کبابی بیٹھا کرتے تھے۔ تماشے والوں اور داستان گوؤں جگمگا بھی ہیں۔ ہا کرتا تھا جن کی کہانیاں سننے کو لوگوں کی ٹیوں کی ٹیاں جمع رہتی تھیں۔ جنوبی دروازے کی (۳۳) سیرٹھیاں ہیں۔ جہاں پارچہ فروش اپنا اپنا فرش بچھا کر بیٹھا کرتے تھے۔ اس طرف ایک مدرسہ اور ایک بڑا بازار تھا جو غدر کے بعد منہدم کر دیا گیا۔ مسجد کا مشرقی دروازہ جو بادشاہ کی آمد و رفت کے واسطے مخصوص تھا اس کی (۳۵) سیرٹھیاں ہیں اور یہیں شام کو کبوتر۔ مرغیاں اور دوسرے جانور بکتے ہیں۔ جو گزری کا بازار کہلاتا ہو۔ اب بھی شام کے وقت یہاں بڑا جگمگاتا رہتا ہے اور آدمیوں کی خوب ریل پیل رہتی ہے کبوتر وغیرہ سب قسم کے جانور ملتے ہیں اور ٹکڑے فروش کپڑوں کے ٹکڑے کثرت سے بیچتے ہیں۔ کبابیوں اور نان بانوں کی دکانیں اب بھی بڑی رات تک کھلی رہتی ہیں یہ سب لوگ جامع مسجد کی سیرٹھیوں پر بیٹھے ہیں۔ چبوترے کے مغربی جانب مسجد کی محل عمارت ہے۔ جس کے بقیہ ہر اطراف میں کشادہ دالان بنے ہوئے ہیں اور انھیں میں ہر طرف ایک ایک دروازہ ہو جن میں سے قلعے کی طرف کا دروازہ تو بند رہتا ہے باقی دونوں کھلے رہتے ہیں اور انھیں دروازوں سے خلقت کی آمد و رفت رہتی ہے لفظیہ اس مسجد کا جو ”جہاں نا“ بھی کہلاتی ہے عرب اور قسطنطنیہ کی مساجد کا سا ہے۔ اس کی لمبائی ۴۰۰ اور چوڑائی ۱۰۰ فٹ ہے۔ مسجد کے تین کمرے ناگنبد ہیں جن پر ایک ایک چٹائی سنگ موسیٰ کی اور ایک سنگ سرخ کی پڑی ہوئی ہے اور اوپر سنہری کلس ہیں یہ گنبد طول میں نوٹے گز اور عرض میں تیس گز ہیں۔ مسجد کے دو نہایت بلند اور خوب صورت مینار سنگ سرخ کے ہیں جن پر کھڑی پٹیاں سنگ مرمر کی ہیں۔ ان کی بلندی ۱۴۰ اور اندر چکر دار زینہ ہے جس میں (۱۳۰) سیرٹھیاں ہیں۔ مینار کے تین کھنڈ ہیں۔ ہر کھنڈ کے گرد کھلا ہوا برآمدہ ہے۔ چوٹی پر کسی برجی بارہ دری کی ہے۔ مسجد کے عقب میں اور چار چھوٹی چھوٹی برجی دار مینار ہیں۔ مسجد کے بڑی بڑی محرابوں کے ساتھ ہیں۔ مسجد کے چارے میں تمام تر سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ پیش دالان میں گیارہ دریں۔ دالان ۴۰ چوڑا ہے۔ ان میں کی

بیچ کی محراب ایک دروازے کی طرح چوڑی اور بلند ہے اور اُس کے دونوں جانب پتلی پتلی ہشت پہلو برجیاں ہیں۔ ان دروں کی پیشانی پر سنگ مرمر کی تختیاں چار فیٹ لمبی اور ڈھائی فیٹ چوڑی ہیں جن پر سنگ موسی کی چھپکڑی کے کتبے ہیں۔ ان کتبوں میں تعمیر مسجد کے حالات اور شاہجہاں کے زمانِ سلطنت کے برکات کندہ ہیں۔ وہ کتبات یہ ہیں:-

**پہلا کتبہ انتہائی شمالی محراب پر** | بہ فرمان شہنشاہ جہاں بادشاہ زمین و زمان  
گیہان خدیو کشورستان گیتی خداوند گردوں توں

موسس قوانین عدل و سیاست مشید ارکانِ ملک و دولت بسیار دان عالی فطرت  
تضا فرمان قدر قدرت فرخندہ رائے خجستہ منظر فرخ طالع بلند اختر آسمان حشمت انجم سپاہ  
خورشید بارگاہ۔

**کتبہ در دوم** | منظر قدرت الہی مورد کرامت نامتناہی منظر کلمۃ اللہ العلیا مروج الکلمۃ  
الکھفۃ البیضا لمجاہر الملوک والاسلاطین خلیفۃ اللہ فی الارضین الخاقان  
الاعزل الاعظم والقاآن الاجل الاکرم ابوالمنظر شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی شاہجہاں  
بادشاہ غازی لازلت ریات دولۃ منصورۃ واعداد حضرتہ مقہورۃ کہ دیدہ بصیرت  
حق بینش از شعشہ انوار ہدایت انامیعر مساجد اللہ۔

**کتبہ در سوم** | سن آسن بالمد و بالیوم الآخر مستنیر است و آئینہ ضمیر صدق گزینش  
از اشعہ شکات روایت احب البہادالی المد مساجد با فروغ پذیرایں

مسجد کوہ اساس گردوں ماس کہ کریمہ مسجد اسس علی التقویٰ بیان بنیاں پائدار اوست  
دینہ والقی فی الارض روای ان شید کلم کتابہ ایوان استوار اوقمہ وقبہ فلک شانسل و طبقات  
آسمان گزشتہ و بشرق طاق سپہر نشانسل باوج کیواں پیوستہ۔

**کتبہ در چہارم** | اگر ز طاق وقبہ مقصورہ اش جوئی نشان + بیچ نتوان گفت غیر از کشتن آس  
فرد پودے قبہ گر گردوں نبودے شانیش + طاق بودے طاق گزشتہ بیچ کشت

فروغ شمس پیش طاق جہاں نالیش روشنی بخش مصابیح سموات پر تو کلس گنبد عالم آرایش  
نور افزای قنادیل جنات منبر سنگ مرمرش چوں صخرہ مسجد آئینی مرقات۔

**کتبہ در پنجم** | مقام قاب قوسین او اونی محراب فیض گسترش مانند صبح صادق کشادہ پیشانی

بشارت رساں و لقا جا رہم من رہم الہدی ابواب رحمت آمائش صلائے والہدی عمو  
الی دارالسلام بسامع خاص و عام رسائیدہ منار سپہر مدارش ندا کے و بجزی الذین احسنوا  
باکھنی از نہ رواق گنبد فیروزہ قام گزہ راہندہ سقف رفیع باصفائش تماشا گاہ روحانیان کوہ افلاک

## کتبہ در ششم پیش طاق

یا عادی (بخط طغری)

صحن وسیع و کشائش سجدہ گاہ پاک نواواں معمورہ خاک روح فضا  
فیض انتما و طیب ہوا کے روح افزائش از روشہ رضواں حکایت کوہ  
و عذوبت مار معین عوض و نشین لطافت آمائش از چشمہ سلسیل خروادہ در روز جمعہ دوم  
شہر شوال سال ہزار و شصت ہجری موافق سال چہارم از دور رسیدم جلوس مہینت  
مالوس بساعت نختہ۔

کتابہ در ششم  
وطالع ثنائیتہ ابتنا و پیرایہ تہس یافت و در غرض مدت شش سال  
بحسن سعی کار پردازان کاروان کار گزار و قسط اعتقاد اہتمام  
کار فرمایان صاحب اقتدار و بذل جد و جهد استادان ماہر دانشور و وفور کوشش  
پیشہ کاران چابک دست صاحب ہنر و اتفاق مبلغ وہ لک روپیہ صورت انجام  
و طراز احتشام پذیرفت و مقارن اتمام در روز عید الفطر۔

کتابہ در ہفتم  
بقرہ قدم اقدس یاد شاہ ظل الہی صافی نیت خدا گاہ زیب و زینت گرفت  
و بات مت مدد عید دادے و ظالیف اسلام چون سچا کرم  
در روز عید اشعی مرجع طوایف انام گردید و مہائی اسلام و ایمان را مہانت و درصانت  
کراست فرمود سیاحان ربیع مسکوں و مسالک نور دان کوہ و ہامنوں را آراستہ عمارتے  
بایں رفعت و حصانت در آئینہ بصر۔

کتابہ در دہم  
و مرآت خیال مرتسم نگشتہ و حقایق گزران و قالیج دہر و فکر پر دازان  
نظم و نشر را کہ سوانح نگاران ہر ربیع ارباب ملک و دولت و صنایع شناسان  
صحاب کنت و قدر تند افراختہ بنا کے بایں شکوہ و عظمت بر زبان قلم و قلم زبان نگشتہ  
فرانزدہ کا رخ ہستی و طراز ندہ بندی و ہستی ایں بنیان رفیع را کہ قترۃ العین بینش زینت شمس

کارخانہ آفرینش است۔

کتبہ دریا زوہم | پائدار داشتہ صدائے تسبیح سبحانیش را ہنگامہ آراے ذاکران  
مجامع ملکوت وز مزمنہ تہلیل مہلائش را نشاط افزائے معتقدان

جوامع جبروت دار اور دوس منابر معمورہ جہانرا بخطبہ دولت جاوید طرازا میں پادشاہ  
داد گردیں پرور کہ بمیان ذات مقدس مبارکش ابواب امن و امان بردو روزگار کشادہ  
آراستہ دارا و بحق الحق و اہلہ۔ کتبہ نوالہ احمد۔

صحن مسجد کے فرش سے اہل مسجد کے والان پانچ فیٹ اور پچھترے پر واقع  
ہیں جن میں مشرق شمال اور جنوب ہر سہ اطراف سے تین تین سیرٹھیاں چڑھ کر  
اندر داخل ہوتے ہیں۔ مسجد کے تمام اندرونی مستقف حصے میں سنگ مرمر کا فرش ہے  
جس میں سنگ مرمر کے مصلے سنگ موسیٰ کا حاشیہ دے کر نہایت خوب صورت  
بنائے گئے ہیں۔ ہر مصلیٰ تین فیٹ لمبا اور ڈیڑھ فیٹ چوڑا ہے اور کل مصلے ۸۹۹  
ہیں۔ مسجد کے پچھڑے جو بڑے بڑے گنڈ تھے ان کو چھپانے کے لیے صحن  
مسجد میں بھراؤ کر کے عمارت کو بہت اونچی کر سی دی گئی ہے جس سے مسجد کی شان و شو  
اور بھی نکل آتی ہے۔ یہ مسجد ازسرتاپا سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے البتہ فرش۔ محرابیں اور  
گنبد سنگ مرمر کے ہیں۔ منبر کے پاس ایک بڑی گہری محراب ہے۔ منبر چار بیڑیوں کا  
سنگ مرمر کے ایک ہی پتھر میں تراشا ہوا ہے اس میں کہیں جوڑ نہیں ہے۔ صحن مسجد  
محاط ہے۔ جس کے ہر طرف محراب داییں ہیں فیٹ چوڑے اور اتنے ہی اونچے  
والان ہیں۔ ان والوں کے کونوں پر بارہ اضلاع کے برج ہیں جن پر سنگ مرمر  
کے قبتے سنہری کلس لگے ہوئے ہیں۔ شمالی اور جنوبی دونوں دروازے ایک ہی  
وضع طرح کے نصف مشرق قبتے ناہیں جن کا خط قاعدہ مسجد کے صحن کے جانب ہے اور  
پانچ ضلع شہر کی طرف ہیں۔ دروازے پچاس فیٹ اونچے اور اسی قدر چوڑے  
ہیں اور ان کی گہرائی ۳۴ ہے۔ ان دروازوں کے اندر ایک ایک اور چھوٹا دروازہ دونوں  
دونوں منزلوں میں ہے۔ دروازوں کے اوپر کنگورے اور ان پر ایک قطار چھوٹی سنگ  
کی برجیوں کی ہے جس کے دونوں سروں پر نہایت خوب صورت اور نازک مینار ہیں۔  
مسجد کا صدر دروازہ صحن کے مشرق میں ہے یہ دروازہ بڑا بھاری مشن شکل کا گنبد دار

پچاس فیٹ بلند۔ ساٹھ فیٹ چوڑا اور گہراں میں ۱۰۰ ہے۔ اس کی چوکون شکل کے اضلاع کو  
 کاٹ کر پشت پہلو بنادیا گیا ہے باقی شکل و صورت اس دروازے کی دیسی ہی ہے جیسی کہ دوسرے  
 دروازوں کی ہے۔ مسجد کے تینوں دروازوں کے پڑوں پر پتیل کی موٹی ٹھوٹی چادریں  
 چڑھی ہوئی ہیں جن پر منبت کاری کا کام ہے۔ بادشاہ کی سواری بادبہاری قلعہ  
 معنی کے مشرقی دروازے سے رونق افروز ہوتی تھی۔ جب سے منلیہ سلطنت کا خاتمہ  
 ہوا یہ دروازہ بھی بند ہے۔ مسجد کے صحن میں سنگ سرخ کے بڑے بڑے چوکے  
 بچھے ہوئے ہیں جو ۳۶ انچ مرلج ہے۔ باوجود اس وسعت کے اسکا ڈھلاؤ اس خوبی کا  
 رکھا گیا ہے کہ اوھرینہ پر سا ادھر صاف۔ کیا محال کہ کہیں ایک قطرہ پانی کا کھڑا تو رہ جائے  
 دوسری ندرت اس مسجد میں یہ ہے کہ ساری مسجد میں کبوتر یا اباہیل کا نام نہیں دینے ہیں فخری  
 کی مسجد میں کبوتروں سے ناک میں دم ہے اور حیدر آباد کن کی مکہ مسجد کو دیکھئے کہ کبوتروں  
 کے مارے دروں میں جال لگا دیئے جب کہیں جا کر امن ملا ہے۔

حوض

ز صحنش فیض دیگر می تا تو اں یافت + ز خوشش آپ کو شرمی تو اں یافت  
 ز رفعت آسماں یک پایہ او + سرخو رشید زیر سایہ او  
 رواتش قبلہ اہل یقین ست + نظیر مسجد اقصیٰ ہمیں ست

صحن کے بچوں بیچ فرش سے ایک ہاتھ اونچا پندرہ گز سے بارہ گز خالص سنگ مرمر کا  
 حوض ہے جس میں سنگ موسیٰ کی سیاہ سیاہ تحریریں اور بھی سنگ مرمر کی سفیدی کو  
 رونق دیتی ہیں۔ ۵۰ ذرا بلق کے کم دیدہ موجود۔ مگر اشک بتان سرمر آلودہ  
 چاروں کونوں پر چار لالٹینیں اور بیچ میں فوارہ جو جمعہ عیدین اور اوداع کو چھوٹا کرتا تھا  
 حوض کے غربی گوشے پر ایک چھوٹا سا کٹھرا سنگ مرمر کا محمد حسین خاں محلی خواجہ سرا  
 بنوایا ہے اس واسطے کہ اس مقام پر علی روایت العوام جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ  
 والسلام کو بیٹھے ہوئے خواب میں دیکھا تھا اور اُس کٹھرے کے اندر یہ اشعار کندہ ہیں۔  
 کوثر محمد رسول اللہ ﷺ

بجاست گر شود این سنگ ہم زیارت  
 بگفت احاطہ جائے نشست رسول اللہ

رسول دیدہ اندا میں جا ولی و اہل اللہ  
 بنائے سال بہ تحسین و آفریں ہاتھ

پہلے یہ حوض رہٹ کے کنوئیں سے بھرا جاتا تھا جو مسجد کے شمال و مغرب کے کوئی چھ باوجود اس قدر اونچائی کے بھی پانی برابر چڑھتا تھا اور اندر ہی اندر صحن مسجد میں پانی پونچھ کر حوض بہریرز ہوتا تھا۔ یہ کنواں ۱۸۰۰ء میں خشک ہو گیا تھا جس کی مرمت مسٹر سٹین رزڈنٹ وقت نے کرا دی تھی۔ یہ کنواں بھی شاہجہاں نے پہاڑی کاٹ کر بنایا تھا جس پر رہٹ یعنی چرخ لگا رہتا تھا۔ ہماری یاد تک موجود تھا اب چند سال ہوئے کہ اُس سے پانی لینا بند کر دیا گیا۔ حوض میں اب نل کا پانی آتا ہے۔ سنا گیا ہے کہ مینار اس صنعت سے بنائے گئے ہیں کہ اگر اتفاقاً کوئی مینار گرے تو صحن میں گرے تاکہ مسجد کی چھت اور گنبدوں کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے چنانچہ کئی دفعہ کے تجربے سے اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ اس مسجد کی مرمت دہلہ اول میں بزمانہ اکبر شاہ ثانی ۱۵۸۵ء میں ہوئی تھی۔ دوسری مرتبہ ۱۵۸۵ء میں ایک کڑی ٹوٹ گئی تھی۔ تیسری مرتبہ ۱۵۸۳ء میں مسجد کے شمالی مینار پر بجلی گر کر مینار اور نیچے کا فرش دونوں شکستہ ہو گئے تھے مگر عمارت کو کچھ نقصان نہیں پہنچا جس کی مرمت برٹش گورنمنٹ کی طرف سے کرائی گئی۔ چوتھی مرتبہ ۱۸۹۵ء میں جنوبی مینار پر ہماری یاد میں بجلی گری اور برجی کو نقصان پہنچا لیکن اور عمارت محفوظ رہی۔ اس مرتبہ نواب صادق علی خاں صاحب بہادر والی ریاست بہاؤل پور نے چودہ ہزار کے عطیے سے مرمت کی گئی۔ نواب کلب علی خاں صاحب بہادر مرحوم و مغفور والی رام پور نے ۱۸۹۶ء میں ایک لاکھ پچپن روپیہ کے گراں قدر عطیے سے ساری مسجد کی ایسی مرمت کرائی کہ گویا نیا کر دیا۔ سید زماں شاہ صاحب کے اہتمام سے ۱۸۸۵ء میں مرمت شروع ہوئی اور ۱۸۸۷ء میں ختم ہوئی۔ بہاؤ پور کا روپیہ صرف مینار کی درستی میں صرف ہوا۔ لوہے کا مینار دراصل مخروطی ہیں مگر اس میں بھی یہ صنعت رکھی گئی ہو اور ایسی بہتر مٹنی کی ہو کہ نیچے کھڑے رہ کر دیکھئے تو نیچے سے اوپر تک یکساں نظر آتے ہیں چوں کہ دونوں میناروں پر زمین ہی لوگ کثرت سے چڑھتے ہیں اوپر جا کر سارا شہر تیلی میں نظر آتا ہے۔ الوداع کے جمعہ کو بڑی خلقت جمع ہوئی ہو اور میرد نجات کے لوگ ایسی کثرت سے آتے ہیں کہ مسجد بھر جاتی ہو اور تل وھرنے کو جگہ نہیں ملتی سیرٹھیدوں پر بھی نمازی ہی نمازی نظر آتے ہیں بلکہ سڑک کے اُس پار محلہ پھلی والوں کی طرف نیز قلعے کے میدان تک میں نماز ہوتی ہو۔ میرے سامنے کی بات ہو کہ الوداع کے دن ایک گنوار شمالی مینار پر چڑھا



ہوا سے اُس کی چادر اُڑ گئی اُسے لینے کو جھکا۔ جھونک نکل گیا پھن میں آن پڑا۔ دم تو گرتے گرتے ہی نکل گیا ہوگا مگر ساری ہڈیاں چورا چورا ہو گئی تھیں۔

چوں کہ مسجد میں نمازیوں کی کثرت مور و مخ سے زیادہ ہوتی ہے خصوصاً جمعۃ الوداع میں کہ دس بجے دن کے بعد مسجد کے اندر جگہ کا ملنا مشکل ہو جاتا

ہے۔ مسجد صحن۔ دالان چھتیس چھتیس۔ برج۔ سب بھر کر سڑکیں تک رُک جاتی ہیں اور جہاں تک نظر جاتی ہے آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔ فی الواقع دلی کی نماز الوداع عیدین کی نماز سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔ بھلا تھی دور تکیر کی آواز کیسے جاسکتی ہے دو چار صفوں میں آواز گونج کر رہ جاتی ہے۔ اس یسے شاہزادہ سلیم ابن معین الدین اکبر ثانی نے ۹۸۲ھ میں پیش طاق یعنی محراب وسطی کے سامنے ایک کبر سنگ ہاسی کا بنوا دیا۔ جس وقت کبتر اس پر کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہتا ہے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دل ہل جاتے ہیں کفشعر منہ جلو کا ساں بندھ جاتا ہے اور دجکت قلل بھٹ کا نقشہ کھینچ جاتا ہے۔

**کرہ ارض**

صحن مسجد کے شمال و مشرق کے کونے میں ایک کرہ ارض بھی سنگ مر مر پر بنا ہوا ہے۔

انسی کے محافی ایک دائرہ ہندی یعنی دھوپ گھڑی سنگ مر مر نماز کا وقت جاننے کے لیے بنی ہوئی ہے۔

**دھوپ گھڑی**

مرا طاق دیدن اد کجاست کہ بے خود شوم ہر کہش برو

**درگاہ انار شریف**

اسی طرف کے دالان کے ایک حجرے میں انار شریف جناب محمد رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام رکھے ہوئے ہیں پہلے یہ تبرکات شمال و مغرب کے دالان کے حجرے میں مسجد کی بایں جانب تھے جس کے آگے امین گنجیہ عالم گیر کے وقت میں لباس علی خاں خواجہ سرائے حجر سنگ سرخ کا جالی وار بنوا دیا تھا اور اس پر یہ تاسیخ کندہ تھی۔

پیش انار مبارک سرور آخر زماں  
بسیا دت ساخت دیوار حجر از سنگ سرخ  
سال تاریخ بنا چوں میر حبیب از عقل و ہوش  
گفت ہاتھ بہر خود و اگر دالاباب جہاں  
پھر اس کے بعد ۱۸۲۲ء میں ایک سخت آندھی آنے سے یہ حجر گر پڑا تھا ہوا در شاہ بادشاہ

نے از سر نو اس محجر کی تعمیر کرائی جواب تک موجود ہی۔

**تبرکات** یہ درگاہ شریف اور یہاں کے تبرکات بہت قدیم بتلائے جاتے ہیں بعض تبرکات امیر تیمور کو بایزید بادشاہ روم سے پونچے اور بعض سندھ و ہند سے لائے گئے ہیں۔ موجودہ تبرکات یہ ہیں:-

- (۱) چند پارے کلام مجید کے نوشتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
- (۲) چند پارے کلام مجید کے نوشتہ حضرت امام حسن علیہ الصلوٰۃ والسلام۔
- (۳) کابل کلام نبویہ نوشتہ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام۔
- (۴) چند پارے نوشتہ حضرت امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام۔
- (۵) موئے مبارک حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔
- (۶) نعلین شریف (۷) قدم شریف (۸) غلاف مزار اقدس۔ (۹) پنجہ شریف حضرت مولیٰ علی شیر خدا۔

(۱۰) چادر مبارک جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۱۱) غلاف مبارک کعب شریف۔ یہ سب تبرکات اور نگ زیب کے وقت میں جامع مسجد میں رکھے گئے باوٹا ہاں وقت ہمیشہ زیارت کو آیا کرتے تھے اور جمعۃ الوداع کو بارہ اشرفیاں تہذیب فرماتے تھے۔ زمان سلاطین میں شمار شریف کی زیارت ماہ محرم کے پہلے جمعے۔ آخری چار شنبہ۔ ماہ ربیع الاول میں دس سے بارہ تاریخ تک۔ ماہ ربیع الثانی میں گیارہ تاریخ۔ جمادی الاول کی تیرھویں۔ جمادی الثانیہ کا پہلا جمعہ۔ رجب میں ۲۷ تاریخ شب معراج میں جب شریف کی مجلس اور میلاد شریف بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ جھاڑ۔ فانوس۔ مرغنگ۔ قنادیل۔ ہانڈیا روشن ہو کر ۲۴ روز زیارت ہوتی تھی۔ شعبان کی چودہ۔ رمضان شریف میں جمعۃ الوداع شوال کی بیسیں ڈی تعداد کی چوتھی۔ ذی الحجہ کی نویں۔ غرض تمام سال میں بارہ مرتبہ زیارت ہوتی تھی اور ہر جمعہ کو بعد نماز صرف قدم شریف کی زیارت ہوتی تھی۔ زمان شاہی میں اس کی معاش (۳۴) موضع تھے عشرہ محرم الحرام میں نیا حضرت سید الشہداء بروز عاشورہ بڑے اہتمام سے ہوتی تھی۔ حضرت سید عبدالعزیز سیاحہ نشین درگاہ آٹھ سو باک قلعہ معلیٰ میں جا کر بہادر شاہ بادشاہ کے خاص محل میں نیا دیا کرتے تھے۔ مجلس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جملہ اقسام کی نعمتیں اور میوے ہتیا ہوتے تھے۔ ایک مسند پر گاؤ تکیہ لگا ہوا اور پس پشت مسند ابو حفص بادشاہ ایک مور چھل بیٹھے اس

مسند پر گس رانی کرتے تھے بادشاہ کے قریب ایک چینی کے پیالے میں صندل بھر بھرا رکھا رہتا تھا اور شیر برنج کی تفلیاں سجا دے صاحب نے صلوة والسلام اور قرآن پڑھا اور شجرہ بادشاہین مغلیہ پڑھ کر دعا کی۔ بعد بادشاہ نے سجادے صاحب کے رخساروں پر صندل کی لکیریں بنائیں اور پھر تفلیاں نیاز کی تقسیم ہونے لگیں۔ بارہ خوان خاصہ اور میوے کے سجادے صاحب کے پاس آتے تھے غرض یہ کہ بڑے خلوص و عبادت اور اہتمام سے نیاز کی جاتی تھی۔ ۱۸۷۱ء میں گورنر جنرل دہلی میں آئے اور ہم روزی قعد کو زیارت کر کے پانسو روپیہ نذر دی۔ کرنل طامن نے برٹش گورنمنٹ سے دو سو روپیہ لانے عیدین کے مقرر فرمائے تھے۔ لارڈ میو۔ لارڈ نارٹھ بروک۔ لارڈ لٹن۔ ڈیوک آف کینٹ۔ لارڈ پرنس لارڈ ڈفرن۔ لارڈ لینسڈون سب تشریف لائے۔ لارڈ کرزن تین مرتبہ آئے۔ لارڈ ہارڈنگ آئے مگر درگاہ کی کسی نے خبر نہ کی پھر دوبارہ خاص کر زیارت کی غرض سے آئے۔ تمام دایان ملک شلال میر حبیب الدرخان امیر کابل۔ حضور عالی نظام دایان رام پور۔ جاوہر۔ ٹونک۔ اندور۔ گوالیار۔ میسور۔ سب ہی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اب بھی ہر جمعرات اور ۳-۱۰-۱۱-۱۲-۱۳-۲۰-۲۲-۲۳ ان تاریخوں میں روشنی اور قرآن خوانی برابر جاری ہو۔ اب اس درگاہ کے سجادے حضرت سید محمد عبداللطیف صاحب حسینی بسا بزرگ ہیں۔

## مسجد کی ضبطی اور واکزاشت

شاہ جہاں کے بعد ہر بادشاہ کے زمانے میں مسجد عمدہ حالت میں رہی مگر سنتے ہیں کہ ابو ظفر بہادر شاہ کے وقت میں کچھ بنظمی ہو گئی۔ غدر میں مسجد ضبط۔ نماز بند اور سرکاری چہرہ جو کی قائم ہو گیا۔ کئی برس یہی حال رہا۔ خدا خدا کر کے ۱۸۷۲ء کو مسلمانوں کی استمداد پر گورنمنٹ نے مسجد کو واکزاشت کر دیا اور ایک منتظمہ کمیٹی کے سپرد اس کا انتظام کر دیا جس کے دس مسلمان معززین دہلی ممبر ہیں۔ چونکہ انگریزوں کے ہاں جو تیہن کر عبادت گاہ میں جانا معیوب نہیں بلکہ وہ تعظیماً سہولت ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اس مسجد میں بھی صاحبان انگریزی آیا کرتے تھے اور مسلمانوں کے دل اس حرکت سے آزرہ تھے۔ لارڈ کرزن بڑے دور اندیش اور حق پسند و سراسے تھے۔ اُن کو تالیفِ قلوب کے ڈمگ خوب معلوم تھے ۱۸۹۰ء میں جب دہلی تشریف لائے اور سب کا ملاحظہ فرمایا تو سب پہلے خود ہی جاتی پر موزہ چڑھایا

اور مسجد کو دو سو روپیے بھی جیب خاص سے عنایت فرماے پھر تو یہ حکم ہی ہو گیا اور اور اب اسی پر عمل درآمد ہوتا ہے۔

## مسجد کی آمدنی اور خرچ

مسجد کی آمدنی تہ بازاری اور دکانوں کی قریب دو ڈھائی ہزار روپے سالانہ کے ہے۔ اور اسی کے لگ بھگ خرچ بھی ہے۔ رہی تفریق آمدنی جو رو سار وغیرہ سے ہوتی ہے یا کبھی کوئی جلسہ یا دربار ہوا تو مسجد کی سیڑھیوں پر نشست کا ٹکٹ لگا دیا جاتا ہے یہ تعمیر وغیرہ میں صرف ہوتی ہے۔ یہاں کے امام جناب شمس العلماء حاجی ستید احمد صاحب ہیں جن کو ریاست ابد مدت سرکار عالی نظام سے چار سو روپیہ ماہوار ملتی ہے۔ گو کہ مسجد کو بے چوے (۲۷۷) برس ہونے آئے مگر کچھ اس ڈھنگ کی نفیس و نادر و خوش وضع عمارت ہو کہ جب دیکھو نئی ہی معلوم دیتی ہے جس پر ہمیشہ نور ہی نور برستار ہوتا ہے۔

## مسجد میں سو رکا فنچ کیا جانا

خدا جانے کس قسمی القلب کا کام تھا کہ مسجد کے ممبر پر سورفنج کر کے ڈال دیا۔ جس پر بڑا ہنگامہ ہوا اور لوٹ پوٹ لگئی بازار کی دکانیں لٹ گئیں اور دہلی میں غدر مچ گیا۔ جس کی سزا میں دہلی میں تعزیری پولیس مقرر کیا گیا تھا۔

## مسجد میں جھاڑ کی چوری

ہر بیجیٹی امیر حبیب اللہ خاں صاحب جب دہلی تشریف لائے تھے تو انھوں نے پچاس ہزار روپیہ کا ایک چاندی کا بہت بڑا جھاڑ مسجد میں چڑھایا تھا جو بیچ کے درمیان لٹکا رہتا تھا۔ خانہ خدا کا بھی ڈرنہ ہوا باوجود پھرے چوکی کے وہ پورا جھاڑ ایسا چوری گیا کہ باوجود پولیس کی سعی و کوشش کے بھی برآمد نہیں ہوا۔

## اقتباس از رپورٹ محکمہ آثار قدیمہ بابتہ

۷۲ - ۸۷۱ ع

سٹرے۔ ڈی بگلر نے جامع مسجد کے متعلق اپنی اس رپورٹ میں حسب ذیل ریا رک کیا ہے: ”دوبان مابعد کی باقیات دہلی میں کثرت سے ہیں جن میں سب سے بڑی جامع مسجد ہے جو بلحاظ اپنی وسعت کے لاجواب ہے۔ اصلی مسجد سنگ مرمر کی ہے جس کے سنگ مرمر ہی کے بین گنبد ہیں اور دونوں جانب دو میناریں سنگ مرمر اور سنگ سرخ کی لمبی لمبی پیوں کی ہیں۔“

والان۔ دروازے اور باقی تمام تر حصہ مسجد کا سنگ سرخ کا ہو مسجد کی بڑی تعریف کی جاتی ہے لیکن میرے خیال میں اتنی تعریف بے محل ہو۔ مسجد یقیناً بہت بڑی اور بڑی عالیشان ہو۔ صناعی بہت عمدہ ہو۔ مال مسالا سنگ مرمر بہت قیمتی ہو لیکن مسجد کی درمیانی محراب بمقابلہ ادھر اُدھر کی محرابوں کے اس قدر بڑی ہو گئی ہو کہ اُس کے سامنے ہر وہ جانب کی محرابیں دب گئی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ مسجد کے وسط میں گویا ایک بڑی بھاری اوت کھڑی کر دی گئی ہو۔ علاوہ اس کے والانوں میں روشنی کی کمی رہ گئی ہو۔ پھر دونوں جانب کی محرابوں پر ایسی بھاری بھاری اور بھٹی اور غیر موزوں سلیں کتبوں میں لگا دی ہیں کہ ان سے محرابیں اور بھی دب گئی ہیں۔ اصل خوبی کی چیزیں جو مسجد میں ہیں وہ اُس کے شان دار دروازے ہیں جن کے ادھر اُدھر والان میں اور اندر سے بڑھ کر باہر رونق ہو۔ مسجد کی سیڑھیوں کا ایک ایسا شان دار سلسلہ ہو جو دلی تو خیر اور کہیں بھی نظر نہیں آتا جس سے اس مسجد کو اور چار چاند لگ گئے ہیں۔ مسجد کی مرتفع کرسی اور سیڑھیوں ایسی خوشنما اور دل کش ہیں کہ وہ بجائے خود ایک قابل دید چیز ہو۔

**دارالشفاء** مسجد کے شمال میں شاہی دواخانہ موسوم بدرالشفاء تھا۔

**دارالبقا** مسجد کے جنوبی دروازے کی طرف دارالبقا کا دارالعلوم تھا۔ اگلے زمانے میں اس میں طالب العلم رہتے تھے اور معقول و منقول پڑھا کرتے تھے۔ یہ مدرسہ اُسی زمانے میں بالکل خراب و برباد ہو کر ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ مولوی صدر الدین خاں صاحب صدر الصدور نے اپنی عالی ہمتی سے بصرہ زر خطیر سر مرتب کیا اور شاہجہانی طور پر جو جو حجرے اس کے ٹوٹ گئے تھے اُن کو نئے سرے سے بنوایا تھا۔ طلباء کی خبر گیری پاچھے کی خود فراتے تھے۔ دارالشفاء اور دارالبقا بہت پہلے ہی سے خراب و خستہ حالت میں تھیں غدر شہر کے بعد یہ دونوں عمارتیں گرد کر صاف میدان کر دیا گیا۔ یہ دونوں عمارتیں بھی مسجد کے ساتھ ہی ساتھ بنی تھیں۔

**بازار زیر جامع مسجد** اسی دروازے کے سامنے ایک بہت بڑا اور وسیع بازار تھا جو اس دروازے سے شروع ہو کر ترکان اور دن دردن بیک

چلا گیا تھا۔ بازار تو اب بھی موجود ہے مگر بالکل معمولی حیثیت کا۔ وہ پہلی سی رونق اب نہیں رہی۔

ہرے بھرے

شاہ صاحب کا مزار

۱۰۶۵ھ  
۱۶۵۵-۵۶خاصانِ خدا خدا بنا باشند  
لیکن ز خدا جبر انباشند

جامع مسجد کے شرقی دروازے کی سیڑھیوں سے نیچے اتر کر  
کسی قدر جانب شمال لبِ سڑک نیم کے درخت کے نیچے صوفی سرمد کی قبر سرخ  
رنگ کے کٹھرے کے اندر ہو اور ان کے سر پہنے سبز رنگ کے  
چوبی کٹھرے میں شاہ ہرے بھرے صاحب کا مزار ایک چوبڑے پر ہو۔ ان  
دونوں مزاروں کے بیچ میں ایک نیم کا درخت حافل ہو۔ نصف شمالی حصے  
میں ہرے بھرے صاحب کی قبر ہو اور نصف جنوبی قطع میں صوفی سرمد کی ہے  
بھڑے صاحب کی قبر کے سر۔ بنے ایک پختہ طاق چراغاں کے نیچے بنا ہوا ہو۔  
آپ کے حالات پر وہ خفا میں ہیں۔ مجاورین کہتے ہیں کہ آپ صوفی سرمد کے پیر و مرشد  
تھے جو اپنے وطن سبزوار سے ۱۰۶۵ھ میں شاہجہاں کے عہد میں دہلی  
تشریف لائے تھے۔

ستور دست ہر دو چو از یک قبیلہ اند  
ماول بعشورہ کہ وہم اختیار چہست

صوفی سرمد کا مزار

۱۰۶۵ھ  
۱۶۵۵-۵۶

کہتے ہیں کہ سرمد پہلے یہودی تھے۔ دہلی کے قیام میں جہاں آپ کو تجارت کا مشغلہ تھا  
مشرق بہ اسلام ہوئے۔ ایک عرصہ در او تک اسی کاروبار میں مصروف رہے۔ آپ  
بڑے عاشقِ مزاج تھے ٹھٹھے کے شہر میں کسی ہندو کے لڑکے کو آپ بہت  
چاہتے تھے مگر فوراً حال نے دامن کھینچا اور آپ پرستی اور محویت کا ایسا عالم طاری  
ہوا کہ ان کو اپنے تن من کی بھی خبر نہ رہی جامہ ظاہری تک سے غیریت کی بو آنے لگی۔  
وہ لڑکا بھی آپ کی صحبت کے اثر سے مجذوب ہو گیا یعنی آپ ہی کے رنگ میں رنگ گیا۔  
دونوں مل کر دلی آئے۔ صوفی صاحب کا جذبہ زوروں پر تھا لوگوں کا جھگٹا ہونے لگا۔  
شاہ جہاں کا زمانہ تھا۔ شہنشاہ داراشکوہ قدرتی طور پر مجذوبوں کا دیوانہ تھا۔

صوفی صاحب کا مشہور سن کر فوراً حاضر ہوا اور پھر ایسی عقیدت بڑھی کہ اکثر آنے جانے لگا۔  
 صوفی صاحب بھی داراشکوہ کے معاون بن گئے چنانچہ آپ نے کئی قصائد بھی شاعرانہ  
 کی تعریف میں کہے۔ آپ کا کلام معجز نظام زبان زو خاص و عام ہے۔ ادھر تو شاہزادہ  
 خود صوفی صاحب کے ہاں حاضر باش رہتا تھا ادھر بادشاہ کو بھی چپکے چپکے صوفی صاحب  
 کی ملاقات کے لیے ابھارتا رہتا تھا۔ مکرر کر عرض معروض کرنے سے بادشاہ  
 بھی خیال ہوا۔ غنایت خاں رشتہ کو تفتیش حال کے لیے مقرر فرمایا۔ غنایت خاں  
 نے ہر چند جستجو کی کہ آپ کا اصلی حال کسی طرح معلوم ہو مگر کچھ پتہ نہ چلا۔

میان عاشق و معشوق رمز نیست

کراںا کا تبیں را ہم خب نیست

آخر مایوس ہو کر غنایت خاں نے بادشاہ کے سامنے یہ شعر پڑھا :-

بر سر بدیر مہنہ کرامات تہمت ست

کشفی کہ ظاہر است از ان کشف عورت

بادشاہ نے فرمایا ”بیک گز کر بلاس دین خلق تو ان دوخت“۔ جب عالم گیر کا زمانہ آیا تب بھی  
 کھلے خزانے آپ داراشکوہ کا ساتھ دیتے رہے۔ اورنگ زیب آپ سے ناراض ہو گیا۔  
 داراشکوہ کے قتل کے بعد اورنگ زیب نے بلا بھجا اور پوچھا ”کیوں جی! کیا یہ بات سچ ہے  
 کہ تم نے دارا سے دلی کی سلطنت دلانے کا وعدہ کیا تھا؟“ آپ نے جواب دیا۔  
 ”ہاں میں نے اُس سے ابدی سلطنت دلانے کا وعدہ کیا تھا“ عالم گیر نے ایک مرتبہ  
 سرد کو بلا کر کہا ”تم ننگے کیوں پھرتے ہو کپڑے کیوں پہنتے؟“ آپ نے  
 فی البدیہہ جواب دیا۔

مارا ہم اسباب پریشانی داد

آں کس کہ ترا سریر سلطانی داد

بے عیباں را لباس عریانی داد

پوشاند لباس ہر کہ را عیب دید

ایک دفعہ ملا عبد القوی نے بادشاہ کے اشارے سے سرد کو بلایا اور پوچھا کہ ”چرا عریا  
 می باشی؟“ سرد نے جواب دیا کہ ”شیطان قوی ست“۔ فوجت بہ ایں جا رسید  
 کہ آپ علی رؤس الاشہاد اپنے آپ کو خدا کہنے لگے۔ اورنگ زیب بھلا ایسے فرخزاد  
 کب متعل ہو سکتا تھا علماء سے فتویٰ لیا۔ سب قتل کی رائے دی اور آپ ۱۰۶۰ھ  
 ۱۶۴۷ء کو شہر دہلی کا کپڑا

میں شہید کیے گئے۔ صوفی لوگ کہتے ہیں کہ سرد کا بے گناہ قتل کیا جانا ہی سبب سلطنتِ مغلیہ کے زوال کا تھا۔ آپ کے مزار کے سراہنے ایک پتھر کی تختی پر یہ

۱۔ بیچ کنڈہ ہو۔

شاہِ سہروردی بہر عالم گیر  
گفت تارنجِ اکبر مسکین

چوں سفر ساختہ بخارہ بریں  
کد مرقد شہیدِ سردایں

نہرِ فاشہ ہے کہ تو بودی در ایں  
اے خاکِ خاکے کہ آسودی در ایں

سید شاہ محمد عرف ہینگا  
مدنی کی قبر

۱۰۸۵ھ  
۶۱۲ھ - ۶۱۵ھ

جامع مسجد کے شرقی دروازے کے سامنے صوفی سرد اور ہرے بھرے شاہ کے مزاروں کے پاس جنوب کی طرف آپ کی قبر ہو جو زمیں میں چند اینچ دھنس گئی ہو۔ آپ کا حال سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم کہ آپ صوفی سرد کے خلیفہ تھے۔

شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کا  
مزار

۱۱۲۱ھ  
۱۷۲۹ء

منکر نتواں گشت اگر دم زخم از عشق  
ایں نشہ بن نیست اگر باد گرے ہست

حضرت قطب العالم مولانا شیخ کلیم اللہ صاحب جہان آبادی علیہ الرحمہ کا مزار جامع مسجد اور قلعے کے بیچ میں ہو۔ جامع مسجد کے شرقی دروازے سے تقریباً تین قدم کے فاصلے پر سبز چوہی کٹھن نظر آتا ہو۔ قبر دہرے چبوترے پر ہو۔ اوپر کے چبوترے پر آپ کی قبر ہو اور نیچے کے چبوترے پر دو اور کسی کی قبریں ہیں۔ قبر کا تعویذ سنگ مرمر کا ہو جس کے بیچ کی غلامیں مٹی بھری ہوئی ہو۔ آپ کے اوصاف و کمالات بے شمار ہیں۔ آپ بڑے ذی علم اور مقدس صاحبِ تفرید و تجربہ تھے۔ سب سے الگ تھلک گوشہ عافیت میں اس طرح رہتے تھے کہ کوئی آپ کو نہ جانے۔



آپ قریبی النسب تھے۔ آپ کے والد کا نام شیخ نور الدین مہندس تھا۔ جامع مسجد کے خوش خط کتبات آپ ہی نے لکھے ہیں۔ آپ ۲۴ رجاوی الثانی ۱۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے لفظ عثمانی تاریخ ہی۔ اکتساب علم کے بعد محبت الہی کے جوش کا غلبہ ہوا مرشد کامل کی تلاش میں بیت اللہ شریف اپنے نیچے پھر ایک مجذوب کی بشارت کے موافق مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ یحییٰ مدنی علیہ الرحمہ سے بیعت کی۔ چند روز کے بعد طبیت ملی۔ اس کے بعد جہاں آباد دہلی، میں تشریف لا کر درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ آپ کو بظاہر قلت معاش تھی مگر دل غنی تھا اور اسی پر قانع۔ صابر اور شاکر تھے۔ بادشاہ فرخ سیر نے آپ کو مکان اور وظیفہ دینے کی ہر چند تمنا کی مگر آپ نے ہمیشہ انکار کیا اور ڈھائی روپیہ ماہوار جو آپ کا ذاتی کرایہ اسی میں تنگی ترشی سے بسر کرتے تھے۔ فقر کو فخر سمجھتے تھے۔ دن کو قال سر اور رات کو فقط السلام کا شغل تھا۔ لوگوں کا ہجوم تھا عموم میں خصوص اور خصوص میں عموم تھا۔ چاروں سلسلوں میں اجازت تھی۔ ہزاروں مرید ہوئے سینکڑوں طالب علم تعلیم کے ساتھ تصنیف کا بھی خیال تھا۔ سوار التبیل تسنیم۔ عشرہ کاملہ۔ تفسیر کلیمی۔ مشکوٰۃ۔ رد ورفض مرتبہ کلیمی۔ وغیرہ کتابیں آپ کی تصنیف ہیں۔ آپ کا وصال محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں ۲۴ ربیع الاول ۱۱۳۵ھ میں ہوا۔ بالائی چوترے کے شمال میں یہ تاریخ کندہ ہو اور اس کے پیچھے ایک طاق چراغاں کا بنا ہوا ہو۔

مرہم قلب ریش بود  
تطب زمانہ خویش بود

فضل و کمال خویش بود  
سال وصالش گفتہ ہائے

۱۱۳۲ھ

کو کم را دیدہ بیدار بخش  
مرقدے در سایہ دیوار بخش

سید بھوئے شاہ صاحب  
کی قبر

قلعے کی تفصیل کے پیچھے خندق کے دوسری طرف مابین لاہوری اور دلی دروازے کے دہرے چوترے پر یہ قبر جس کا نیچے کا چوترہ اینٹوں کا حال کا بنا ہوا معلوم نہ کیا ہوا پر کا چوترہ۔ قبر کا تعویذ۔ چراغاں کا طاق سب چولے گچی کے پختہ بنے ہوئے

ہیں۔ سید بھورے شاہ صاحب کون بزرگ تھے اور ان کا انتقال کب ہوا  
اُس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

اسی زیادہ شیر نوجوانم تھی۔  
برلش آرم اگر فرماں دہی

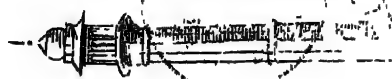
سنہری مسجد

(زیر قلعہ)

۱۱۲۵ھ  
۱۷۱۱ء

سلطنت مغلیہ کے انحطاط کے زمانے میں اہل شاہ کے عہد میں  
(۱۱۲۵ھ) جاوید خاں نامی ایک مشہور بااقتدار امیر تھا جو  
ذاب قد سید بیگم کا مشیر خاص تھا اور جس کا خاتمہ احمد شاہ کے ہی زمانے میں عبرت نامہ  
طور پر ہوا۔ اس شہر میں اس نام کی تین مسجدیں ہیں جن میں سے ایک چاندنی چوک میں کوتوالی  
کے پاس اور دوسری فیض بازار کے شمال میں جو اب تھانسی زادوں کی مسجد  
کہلاتی ہو روشن الدولہ کی بنوائی ہوئی ہیں جس کا ذکر علیحدہ آچکا ہو۔ جاوید خاں کی  
مسجد بھی سنہری مسجد ہی کے نام سے مشہور ہو۔ جو قلعے کے میدان میں کوئی سو گز  
کے فصل سے بنی ہوئی ہو لطافت اور نزاکت اس کی بیان سے باہر خوبی اور خوش فانی  
اس کی حد سے زیادہ ہو۔ قطع اسکی بہت خوب اور وضع اُس کی نہایت مرغوب ہو۔  
سر سے پاؤں تک سنگ باسی کی بنی ہوئی ہو اور دو مینار ہیں خوب صورت وہ بھی  
سنگ باسی کے ہیں۔ تین گنبد تھے سنہری یعنی کاٹ کے کنبہ بنا کر اُس کے  
اد پر تانبے کی موٹی موٹی چادریں چڑھائیں تھیں اور چادروں پر سونے کے پترے  
منڈھ دیئے تھے اور اسی طرح تمام برجیاں اور کالسیاں اس مسجد کی سنہری ہیں اور  
اندر سے تمام در دیوار سونے میں لپٹی ہوئی تھیں۔ امتداد زمانہ اور بارش کے اثر سے  
گنبدوں کا کاٹھ گل کر برج ٹیڑھے پڑ گئے تھے ۱۱۸۵ھ میں بہادر شاہ ثانی بادشاہ  
کے حکم سے وہ برج اتار کر تختہ چو نے کچی کے بن پر سنگ سرخ کی مستطیل پٹیاں بڑی  
ہوئی ہیں بنوا دیئے گئے برجیاں جوں کی توں اپنی حالت اصلی پر قائم ہیں۔ یہ مسجد ہر کہ بہت  
کمتر قیمت بہتر کی مصداق ہو۔ اگرچہ ایک چھوٹی مسجد ہو جو مشرق سے مغرب تک  
(۵۰) فٹ اور شمال سے جنوب تک (۱۵) فٹ ہو لیکن لحاظ عمارت اور  
نفاست ساخت کے اپنا جواب نہیں رکھتی۔ یہ سلطان مغلیہ کے زمانہ آخر کی عمارت کا

آفتاب سمن کی مسجد متصل قلع



آفتاب سمن کی مسجد متصل قلع

ایک بہترین نمونہ ہے۔ چٹائی کے ساتھ اس قسم کا حیرت انگیز سڈول پنا ایک عجیب و غریب ترکیب ہے۔ تین شان دار اور خوش نما گنبدوں کے ادھر ادھر پتی پتی تین کھنڈکی میناریں ساتھ ساتھ فیٹ بلند جن پر ہشت پہلو سونے کے کلس کی برجیاں ہیں جن سے مسجد کی خوب صورتی کو اور چار چاند لگ گئے ہیں۔ یہ مسجد کسی زمانہ میں وسط آبادی میں ہوگی اب چوں کہ قلعہ کے اطراف کا میدان بالکل سپاٹ کر دیا گیا ہے یہ بچاری مسجد اکیلی لب سڑک تیرا ہے پر کھڑی ہے۔ جنوب رُخ سڑک صحن مسجد کے اونچان کے برابر ہے البتہ مشرق کی طرف کی سڑک اس قدر پست ہے کہ ادھر خوب صورت اور بلند دروازہ بنایا گیا ہے۔ اس دروازے کی محراب پر سنگ تراشی کا نہایت عمدہ کام ہے اور دروازے کے پاکھوں پر چھوٹے چھوٹے خوش ناطق اور پرے سے پہنچنے والے بنے ہوئے ہیں جن پر ہر قسم کے نقش و نگار ہیں۔ یہ دروازہ دھری محراب کا ہے جس کی بلندی کھڑا چھوڑ کر (۱۳) فٹ (۵) اینچ اور چوڑائی (۸) فٹ (۷) اینچ ہے۔ دروازے کے اوپر ایک بہت خوش قطع دوہرا کھڑا صحن مسجد سے پانچ فٹ سات اینچ اونچا بنا ہوا ہے جس میں برابر برابر چھوٹے چھوٹے محراب دار در لگا دیئے گئے ہیں جس کے ادھر ادھر چار چار سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جن پر سے ہم دروازے کے اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ یہ دروازہ صحن مسجد سے پانچ فٹ ۷ اینچ اونچا ہے جس کے ہر دو جانب باہر وار کو دو بڑے بڑے محراب دار طاق ہیں۔ دروازے کے بیچ میں نو سیڑھیاں ہیں جن کو چڑھ کر ہم صحن مسجد میں پہنچ جاتے ہیں جس کے ادھر ادھر چھوٹے چھوٹے چوڑے ہیں۔ پہلے اس دروازے کے ادھر ادھر ایک ایک مینار بھی تھی جو غدر کے بعد تڑوا دی گئیں۔ صحن مسجد میں بھورے پتھر کے چو کے بچھے ہوئے ہیں۔ جو (۴) فٹ مربع اور اٹھارہ اینچ اونچا ہے۔ مسجد اکہرے دالان کی ہے جس میں تین در ہیں۔ بیچ کا محراب دار در پندرہ فٹ اونچا اور دس فٹ چوڑا ہے جس کی دونوں طرف اس سے کچھ چھوٹے آؤ دو در ہیں۔ ان تینوں دروں کے اوپر پانچ فیٹ اونچا کھڑا ہے۔ بیچ کی محراب کے اوپر کا کنگورہ بہ نسبت ادھر ادھر کی محرابوں کے کنگورے کے کچھ بڑا ہے اور چھوٹے دروں کا اسی مناسبت سے چھ فیٹ پست اور چھوٹا۔ مسجد کی تین بلندی دار محرابی در ہیں جن میں سے بیچ کی محراب ادھر ادھر کی

محرابوں سے کچھ زیادہ بڑی ہو۔ ان محرابوں پر عمدہ نقش و نگار ہیں بیچ کی محراب کے سامنے پتھر کا چوڑا چھجکا ہوا ہو اور باقی دو محرابوں کے سامنے ان کی بلندی کی نسبت سے چھجکے کی چوڑائی کچھ کم رکھی گئی ہو۔ دالان کے تین حصے ہیں اور ہر حصہ پر ایک ایک کوٹھی دار گنبد اُس سہری کلس ہو۔ درمیانی گنبد کی بلندی پینتالیس فٹ ہو اور ادھر ادھر کے گنبد اُس سے پانچ فٹ کم ہیں۔ درمیانی محراب کے ادھر ادھر چھ پتھر نہایت پتلی پتلی نازک دو میناریں آٹھ فٹ بلند استاد ہیں جن پر خوب صورت نگار بنا ہوا ہو اور پہلے سہری کلس بھی تھا جو اب نہیں ہو جس طرح محاذ مسجد میں صدر محراب کے ادھر ادھر دو پتلی پتلی میناریں اسی کے جواب میں اُسی طرح کے دو مینار مسجد کی پچھیت میں بھی ہیں۔ مسجد کا دالان شمال اور جنوب کی طرف بھی کھلا ہوا ہو۔ مسجد کی پچھیت کی دیوار کے دونوں سروں پر ایک ایک دیوار دو دروازے بلند مینار جو بڑوں کو سہارا دیئے ہوئے ہوں ان پر برجیاں تو ہیں مگر کلس نہیں ہیں خدا معلوم بننے کے بعد گر گئے یا بنے ہی نہیں۔ مسجد کی پچھیت کی دیوار میں بھی تینوں محرابوں کے جواب میں زمین سے آٹھ آٹھ فٹ اونچا ایک طاق بنا ہوا ہو اس مسجد کی دیواروں پر بھی مختلف رنگ کا کام اور سہری کام تھا جس کی جگہ کلس بعض بعض مقامات پر اب بھی نظر آتی ہو۔ ادھر ادھر کے حصے بیچ کے حصے سے دو محرابوں کے درمیان سے جدا کر دیئے گئے ہیں۔ ان محرابوں کے کھوں اور اندرونی رخ پر نہایت نفیس نقش و نگار بنے ہوئے ہیں اور بہت کچھ رنگ آمیزی اور سہری کام تھا چنانچہ اب تک بھی کچھ کچھ باقی ہو۔ اس مسجد کا ممبر جہاں تھا اُس کا صرف نشان رہ گیا ہو ممبر ندارد۔ یہ مسجد ملیٹری (فوجی) حدود میں ہو اذان کا حکم نہیں نواز کوئی اکاؤنٹ کا بھی کچھار پڑھ دیتا ہو عمارت کا طرز بتلا رہا ہو کہ کم سے کم اس کا احاطہ ضرور رہا ہو گا مگر اب وہ بھی نہیں۔ مسجد کا اندرونی تمام حصہ سخت مرمت کا محتاج ہو گنبدوں کے اندرونی استرکاری جھڑ گئی اینٹوں نے دانت نکوس دیئے۔ چابجا سے استرکاری کے کپڑے کے کپڑے اُتر گئے۔ اب یہ مسجد بالکل بچی بچی اور ٹھڈی ہو۔ سرسید نے لکھا ہو کہ اس مسجد کے بائیں طرف ایک کاٹ کا دالان بنا ہوا تھا اور اُس میں تمبر کات رکھے تھے اور ہر برس اُن کی نیارت ہوتی تھی اور وہیں طرف بہت

خوب صورت خوش اور اُس میں قرار دیا گیا ہوا تھا اُس حوض میں اُس کنوئیں میں سے جو اس مسجد کے متصل ہو پانی آتا تھا اور اب یہ سبب بے مرمت ہونے کے پانی نہیں آتا اور قرارہ نہیں چھوٹتا "کنواں تو خیر ہو مگر کاٹ کا والاں کیا ٹاک سکتا تھا۔ تبرکات خدا جانے کہاں رُل رلا گئے۔ حوض کا نشان ڈھونڈے بھی نہیں ملتا غالباً پاٹ دیا گیا۔ سرسید نے چشم دید حالات بہتر برس پہلے لکھے ہیں اس مدت مدید میں ساری کا پائپٹ بگڑی۔ دروں کی پیشانی پر سنگ مرمر کی پانچ تختیاں لگی ہوئی ہیں جن پر سنگ موسیٰ کی پچھیکاری سے یہ اشعار کندہ ہیں۔

مسجد سے کردہ بناؤں اب قدسی منزلت  
بادوایم فیض عام آں ملا یک سجدہ گاہ

شکر حق در عہد احمد شاہ غازی بادشاہ  
خلق پر واداد اگر شاہان عالم را پسند

چاہ و حوض صاف صحتش آبرو زمزمست  
ہر کہ از آبلش طہارت کرد شد پاک و ز گناہ

سعی نواب بہادر صاحب لطف و کرم  
ساخت تعمیر چنیں جاوید عالی و ستگاہ

سال تاریخش چہ خرم یافت از الما غیب  
مسجد بیت مقدس مطلع نور الہ

اس قطعہ میں نام آئے ہیں ایک نواب قدسیہ بیگم کا جو اس مسجد کی بانی تھیں اور دوسرا نواب بہادر راجہ جن کے زیر انتظام دنگرائی مسجد کی تعمیر ہوئی۔ نواب قدسیہ بیگم احمد شاہ کی والدہ تھیں جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ ایک بازاری عورت تھیں (دروغ برگردن راوی) جو اوائل زمان سلطنت محمد شاہ میں (۱۰۹۹ھ) حرم شاہی میں داخل ہوئیں اور جن کو ادھم بائی کا خطاب ملا اور مدتوں تک بادشاہ کی منظور نظر رہیں لیکن چوں کہ زمانہ یکساں نہیں رہتا تقدیر نے پٹا کھایا اور وہ بادشاہ کی نظروں سے گر گئیں اور اس قسم کی بندش کی گئی کہ اُن کو بیٹے محمد شاہ سے بھی ملنے کی اجازت نہ تھی لیکن یہ حالت چند ہی دنوں ہی پھر تو احمد شاہ کے تخت نشین ہوتے ہی بیگم صاحب کانیر اقبال ایسا چمکا کہ آپ کا مرتبہ سب بیگمات سے برتر ہو گیا۔ آپ کو پچاس ہزاری منصب ملتا تھا۔ نواب بہادر جاوید خاں سے بیگم صاحب کے بڑے گہرے روالے تھے انھیں کی وساطت سے بیگم صاحب رفتہ رفتہ مہام سلطنت میں آئی، دخیل ہوئیں کہ بادشاہ تو سرا

نام ہی رہ گیا اور سارا کاروبار یہی دو شخص کرتے تھے نتیجہ اس بلند پروازی کا یہ ہوا کہ ابتری پھیلی اور احمد شاہ مع اپنی ماں کے مقید ہوا اور بیگم صاحب کھول کی گئیں۔ باوجودیکہ قدسیہ بیگم ایک معمولی عورت تھیں لیکن اوصاف حسنہ سے مشصف تھیں وہ محمد شاہ کی بیگمات اور بچوں پر بڑی مہربانی اور شفقت فرماتی تھیں۔ محمد شاہ کے عہد کا سب سے بڑا خواجہ سرا جاوید خاں تھا جس کے سپرد تمام محلات شاہی کا انتظام تھا۔ اگرچہ جاوید خاں نہ لکھا تھا نہ پڑھا لیکن احمد شاہ کا تخت پر بیٹھنا تھا کہ اُس کا طوطی بولنے لگا۔ دیوان خاص کی داروغگی کی خدمت اور شش ہزاری منصب سرفراز ہوا۔ احمد شاہ کے باپ کے زمانے میں لوگوں نے بیگم صاحب اور جاوید خاں کے تعلقات کے نفرت کرتے بیگم صاحب کو متہم بھی کر دیا۔ محمد شاہ کے مرنے سے میدان خالی ہو گیا جاوید خاں بیگم صاحب کی آڑ میں حکم رانی کرنے لگا اور خلافت دستور محلات میں رات کو بھی رہنے لگا۔ جاوید خاں کی بیباکانہ حرکات سے امراء بہت برآشفقت تھے سب نے سازش کر کے آخر کار اُس کو جان سے مروا دیا۔

ہر نفس آئینہ دل سے ہی آتی یہ صدا  
خاک تو ہو جا تو حاصل ہو چلا میرے لیے

بگوا باڑی اور  
بگوا بیگم کی قبر

سنہری مسجد کے عقب میں پیڑ گروٹڈ پر بگوا باڑی ہو۔ باڑی کا لفظ بانچہ پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے یہاں کوئی باغ تھا اب زمانے کی گردش سے صرف ایک زماناتی قبر بن چکی ہے جس کا تعویذ سنگ مرمر کا ہے۔ جس کے اطراف ایک منٹ بلند ٹوٹا پھوٹا احاطہ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قبر بگوا بیگم دختر محمد شاہ بادشاہ کی ہو۔ غریب سے پہلے یہ مقام بیگم صاحب کے نام پر ہے "بگوا باڑی" کہلاتا تھا۔ یہاں ایک خانہ باغ بھی تھا اور یہاں خاندان شاہی کے لوگ رہا کرتے تھے اور اسی کے پائیں نگہ راج گھاٹا تھا۔ اسی مسجد کے مشرق میں ایک اور قبر ہے جو خدا معلوم کس کی ہو قبر کے تعویذ پر مٹا دیا یہ کتبہ ہے:- آیتہ الکرسی۔ درود شریف کے بعد..... بیت و نہ سالہ و چار ماہ ۱۱۴۰ھ تا تاریخ ششم رجب (مطابق ۵ فروری ۱۷۲۹ء)

## خاص بازار

مجلس یاراں پریشان شدن باوند دهر  
برگ ریزی گوئی اندر گلستان آمد پدید



جامع مسجد کے شرقي دروازے کے سامنے اس نام کا بازار تھا نہایت وسیع اور  
دل کشا اور سیدھا۔ اس بازار میں سب طرح کے سودے والوں کی دکانیں تھیں  
خصوصاً ترکاری بیچنے والے بہت بیٹھتے تھے اور ہمہ اقسام کی ترکاریاں ملتی تھیں  
عذر کے بعد سب ڈاکر میدان صاف کر دیا گیا۔ جامع مسجد کے اس دروازے سے  
لے کر قلعہ کے دئی دروازے کی طرف جو سڑک جاتی ہے اور سڑک خاص کہلاتی ہے  
یہ اسی اُجڑے ہوئے بازار کی نشانی ہے۔

لکھ کر ہمارا نام زمیں پر مٹا دیا  
اُن کا تو کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

## خانم کا بازار

خاص بازار میں سے خانم کے بازار اور خاں دوران خاں کی جو ملی کو  
رستہ جاتا تھا۔ خانم کا بازار بھی ایک بہت بڑا اور پُر رونق بازار تھا جو قلعے کی تفصیل  
کے برابر سر اوگیوں کے مندر تک چلا گیا تھا جہاں اب ٹھنڈی سڑک ہے۔  
یہ سارا میدان بھی صاف ہو گیا۔ غرض یہ کہ جامع مسجد کے دروازہ شرقي کے محاذ میں  
جو صاف اور ٹھیل میدان نظر آتا ہے یہ حصہ فوجی اغراض اور دور اندیشی سے عمارات  
سے صاف کر دیا گیا اسی میں اب ایڈورڈ پارک بنا ہے اور پریڈ گروونڈ ہے۔ جلسوں  
کے مواقع پر اسی میدان میں آتش بازی چھوڑی جاتی ہے۔ تماشے وغیرہ کی کینیاں ہیں  
اپنے پنڈال بناتی ہیں۔ قواعد پریڈ بھی اسی میدان میں ہوتی ہے۔

گنبد گردنہ وفا کی کند  
واہی بروکیں طمع از دوی کند

## سعد اللہ خاں کا چوک



سعد اللہ خاں شاہ جہاں کے وزیر تھے۔ یہ چوک بہت نفیس اور لطیف  
پر رونق جگہ تھی اور کیوں نہ ہوتی کہ وزیر اعظم کے نام نامی سے منسوب تھی اور



یہ شعر صادق تھا۔

وزیر سے چنیں شہر پارے چناں جہاں چوں نہ گیر و قرار سے چناں  
خدر کے پہلے تک یہ چوک قائم تھا اور بڑی رونق اور چل پھل کا مقام تھا۔ اب ہوکا  
سیدان کی جہد ہر دیکھو سنسان ہو۔

بگڑیہ گفت کہ آمد ہے ستارہ چشم  
ستارہ کہ مرابا پست چشم نیامد

حوض لال ڈکی

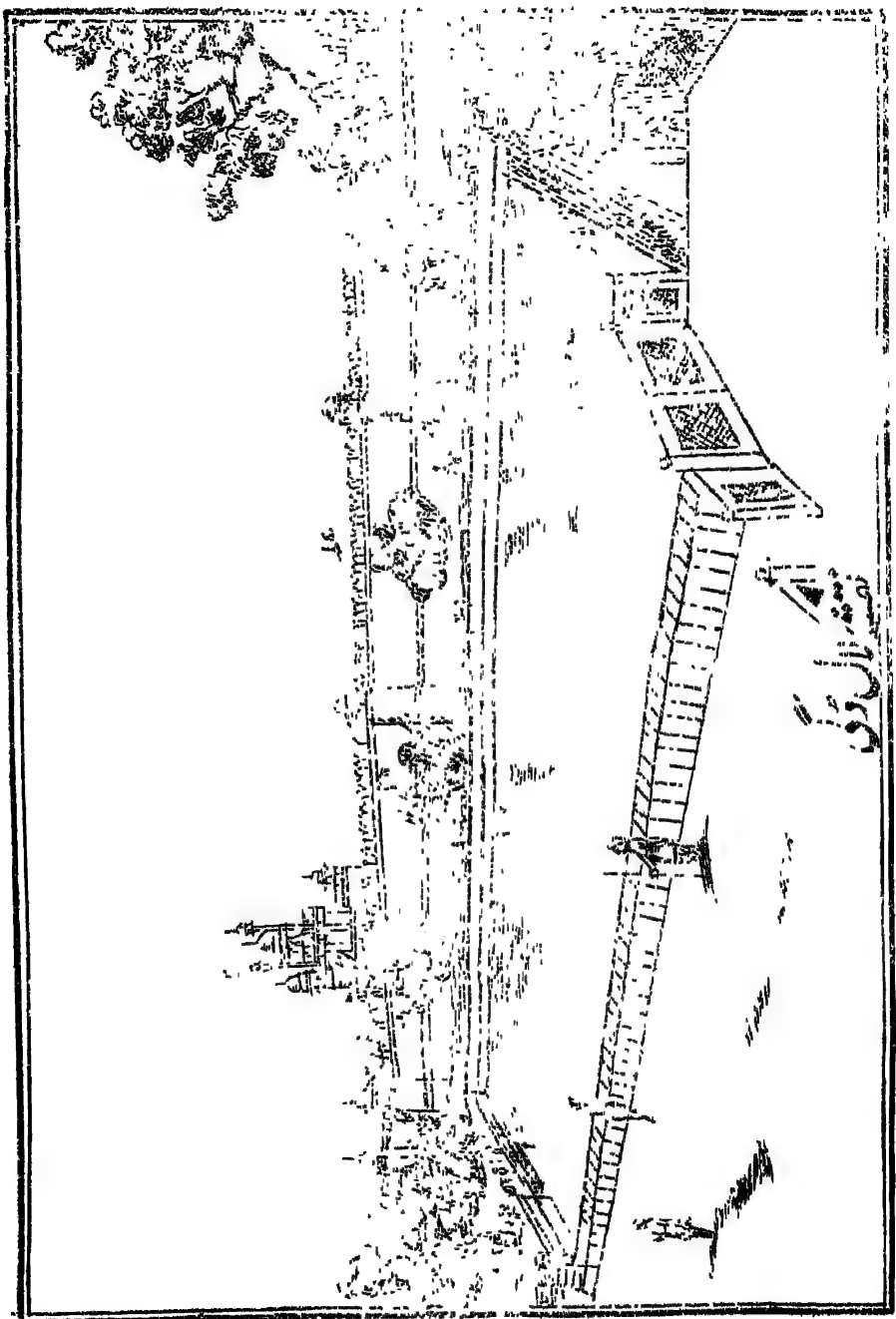
۱۸۴۲ء

خاص بازار کے آگے قلعے کی فصیل کے نیچے جس مقام پر اگلے زمانے میں  
گلابی باغ تھا وہاں سرکار دولت مدار انگریزی کی طرف سے ایک چشمہ فیض بنا ہو  
جو چشمہ آفتاب و ماہتاب پر فوق پڑ گیا ہو۔ اس حوض کو ستارہ سنگ سرخ کا  
بنایا ہو اور اسی سبب حوض لال ڈکی کہلاتا ہو۔ اس کے چاروں کونوں پر چار  
برج کٹھرے دار بہت خوش نما تھے اور دونوں طرف عرض میں سیرٹھیاں بنی ہوئی  
ہیں۔ یہ حوض بموجب حکم لارڈ آلتن برو (۱۸۴۲ء) گورنر جنرل کشور ہند  
پچاس ہزار روپیہ کے اخراجات سے بنایا تھا جس کا طول ۵۰۰ فٹ۔ عرض ۱۵۰ فٹ۔ فیٹ  
عمق دس گز ہو۔ نیچے حوض کا پانی اوپر درختان سایہ دار کی گتھانی کچھ عجیب لطف دکھاتی  
تھی۔ اس میں نہر سے پانی آتا تھا وہ نہر ہندو گتھی حوض کو کھپڑا ہو۔ چاروں کونوں کے  
برج بھی گرگڑ گئے اب کچھ بھی لطف نہ رہا۔

باغ زر آراستہ شد جاے بار  
کردہ بر وابر جواہر نثار  
بستہ بے دستہ گل دل فریب  
کوشش صد دستہ نمود ہر زیب

کپنی باغ نجریلی حال  
لیڈی ہارڈنگ پردہ باغ  
یا زمانہ باغ

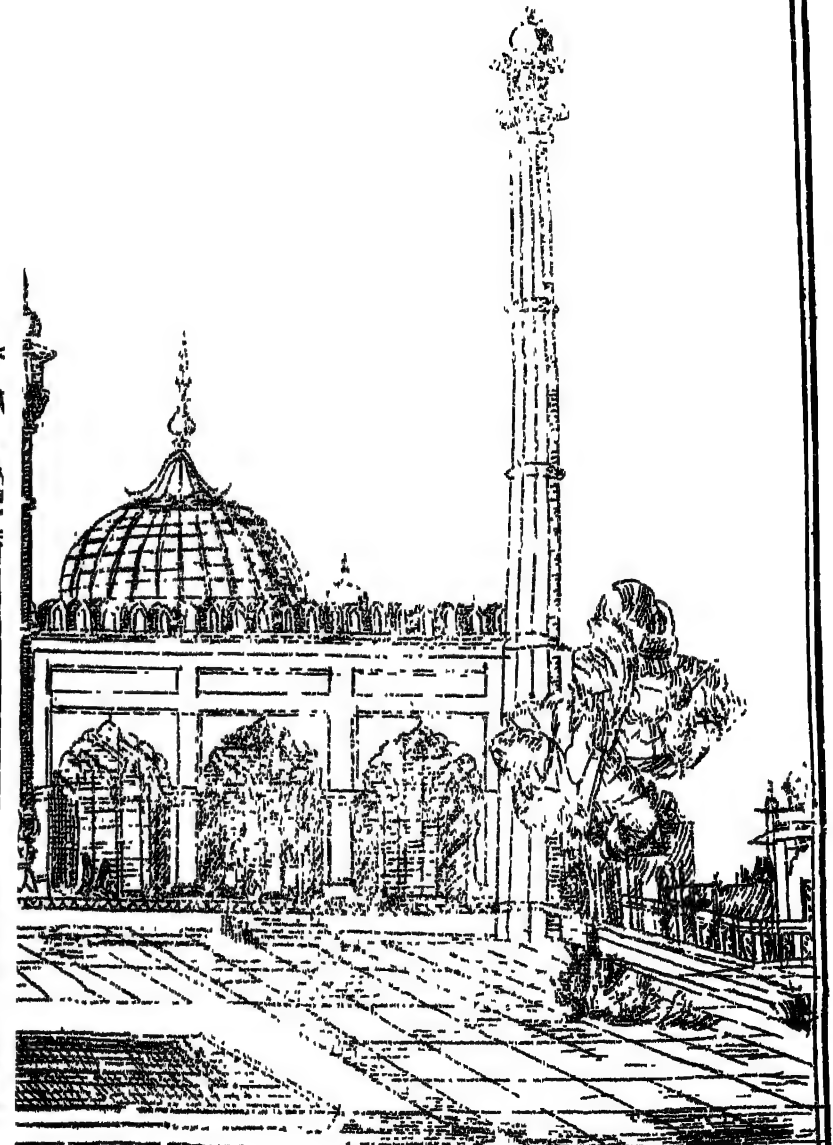
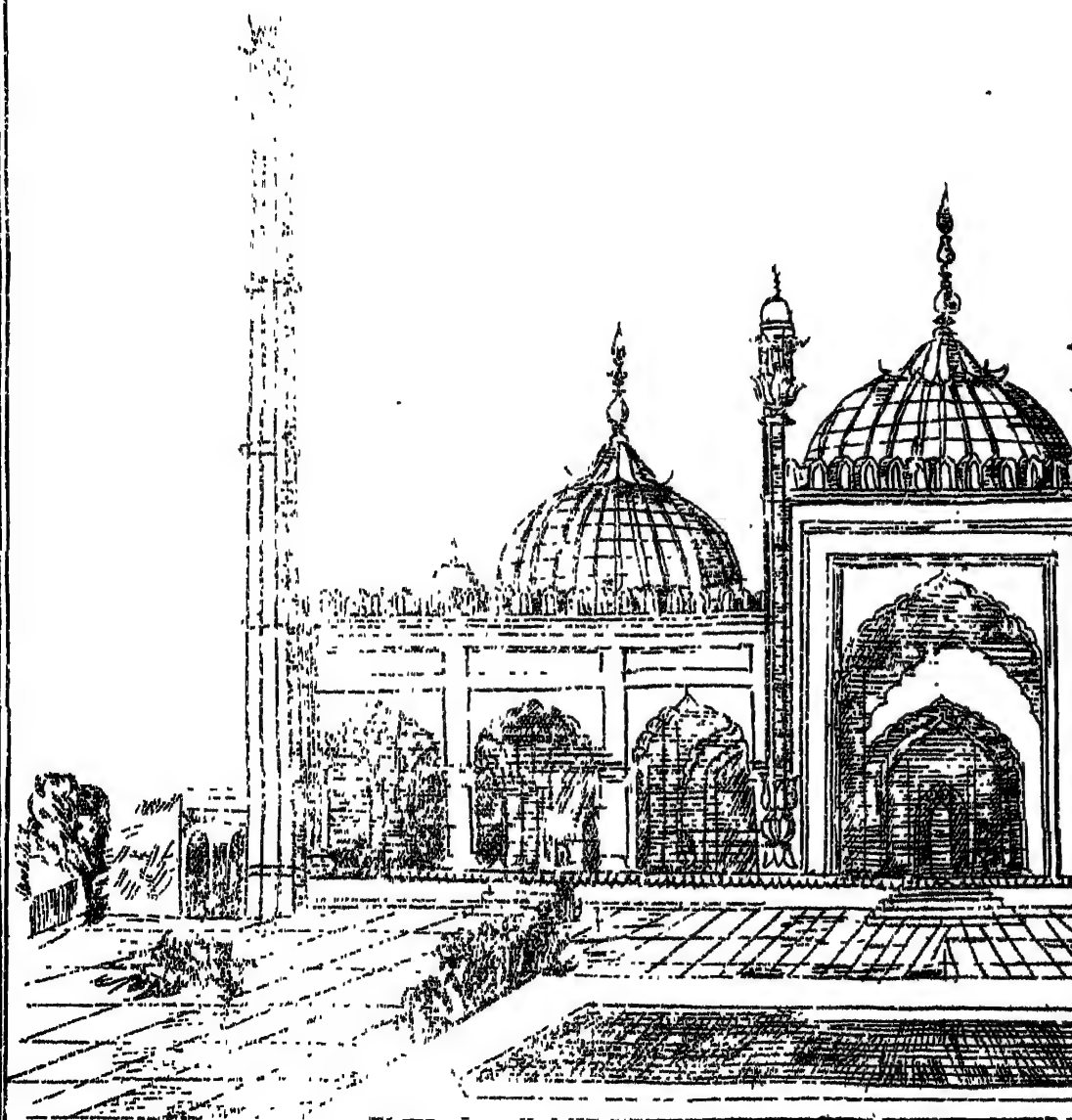
سنے سڑک کے دوسری طرف شرق کی جانب کپنی باغ جرنیلی کا دروازہ ہو  
جو خدر کے بعد بنا ہو۔ گو یہ باغ کچھ ایسا بڑا نہیں مگر رونق اور بہار اور آراستگی کے اعتبار  
سے کسی سے کم بھی نہیں خوش ناگلوں کی قطاریں۔ جا بجا دروازے اُن پر بیلوں کی



ہمارے تفریح اور سیر کے لیے ایک اچھا مقام ہو گیا۔ پلے کے فیلڈ اور ٹنس کورٹ  
دل بستگی کا سب سے کچھ سامان ہو۔ اب یہ زمانہ باغ کر دیا گیا ہے جس کے گرد پردے  
کے واسطے پختہ دیوار اور کہیں کہیں جھری کی ٹٹیاں لٹکادی گئی ہیں۔ یوں تو روز  
کھلا رہتا ہے مگر عام طور پر پیر کے دن ہر قوم کی مستورات کثرت سے جمع ہوتی ہیں۔  
پردے کا ایسا گہرا انتظام ہے کہ پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ اس کے دروازے پر جس کے  
آگے غلام گردش کی دیوار ہے یہ نوٹس بنط انگریزی اور اردو لٹکا ہوا ہے۔ تنجانب  
میونسپل کمیٹی نوٹس۔ پرودہ باغ سرکار کی طرف سے میونسپل کمیٹی کو مستورات  
شہر دہلی کی سیر و تفریح کے لیے سپرد کیا گیا ہے بلا اجازت کمیٹی مذکورہ کسی مرد کو  
اس باغ کے اندر آنے کی اجازت نہیں ہے اگر کوئی مرد بلا اجازت اس میں داخل  
ہو گا اس پر فوجداری مقدمہ بابت مداخلت بے جا چلایا جاوے گا۔

**دریا گنج** قلعے کے دلی دروازے کے برابر پریڈ گروئنڈ کے پاس سنہری  
مسجد کے سامنے ایک لمبی سڑک فیض بازار سے دلی دروازے  
تک چلی گئی ہے۔ اس سڑک کے مشرق جانب میں غدر شاہ سے پہلے  
ایک ڈاک بنگلہ تھا اور اس ڈاک بنگلے کے مغرب میں بڑی بھاری اکبر آبادی  
مسجد شاہ جہاں بادشاہ کی بیگم صاحب کی تھی۔ یہ مسجد تو قلعے کے اطراف گولہ اندازی  
کے لیے میدان صاف کرنے کی نذر ہوئی۔ سنہری مسجد سے ایک سڑک  
راج گھاٹ دروازے کو بھی گئی ہے۔ اس سڑک کی ادھواڑ پر تیرہ میونسپل  
چیمبل (گر جاگھر) اور اس کے گرد عیسائیوں کا قبرستان تھا اب اس مقام کا  
نشان بتلانے کو صرف ایک بڑی اونچی سنگ باسی کی صلیب بنا دی ہے۔ سڑک  
اس سے آگے تک جہاں کٹنگ (درہ) تھا چلی گئی تھی لیکن یہ اغراض فوجی اس  
کٹنگ کو بھی بھڑا دیا گیا ہے اس لیے اب راج گھاٹ دروازے سے گھاٹیوں کے  
آنے جانے کا رستہ نہیں رہا۔ اس سڑک کے جنوب میں شہر کی فصیل کے  
پاس بہت سے چھوٹے چھوٹے مکانات غدر کے کھاول تھے۔ ایک ان میں  
سے ان لینڈ ٹریٹمنٹ کمپنی کا مکان تھا جو گھوڑا گارڈ می کا ٹھیکہ دار تھا  
اور چون کہ کشتیوں کا پل اس زمانے میں راج گھاٹ دروازے کے سامنے ہی تھا

گھوڑے گاڑی کے ٹھیکے دار کا یہاں ہر وقت رہنا مسافروں کی آرام و سائش کا باعث تھا۔ تفصیل سے ملے ہوئے اور مکانات ہاوریوں۔ یوریشین۔ کلارکوں۔ پنشن یافتہ لوگوں کے تھے جو اپنے پال بچوں سمیت یہاں رہتے تھے اُن سب کا صفایا غدر میں ہو گیا۔ چھاؤنی کا باغ راج گھاٹ کی سڑک کی سیدھی طرف تھا اور یہیں پنکال کی سفرینا کی پلٹن (جو سڑک میں رٹ کی چلی گئی) رہتی تھی۔ اب اُن کے مکانات بھونپڑیاں وغیرہ سب صاف کر دی گئیں۔ باغ کے مشرق کی طرف سڑک ایک دو منزلہ مکان کی طرف جاتی ہو جس میں غدریں جھجھکے نواب رہتے تھے اسی کے پاس ہندوستانی پلٹن کا میس ہوؤس تھا یہ وہ مکان تھا جس میں پہلے فیروز پور کے نواب شمس الدین رہتے تھے اور اُن کے بعد علی بخش خاں رہنے لگے جنھوں نے دریا کے پیٹے میں ایک باغ بھی لگایا تھا۔ میس ہوؤس اور خیراتی دروازے کے بیچ میں زینت المساجد ہو۔ خیراتی دروازے کے آگے پلٹن کی ہسپتال تھی جس میں عین اُس دن تک جب کہ غدر ہوا ریفیل کپنی اٹھائیسویں لیٹ انفنٹری (پیدل پلٹن) کا پہرہ تھا۔ اس کے پاس مکان نمبر (ہو) جس کا دروازہ آڑ میں ہو۔ اس مکان کے باغ کے احاطے میں بادشاہی فوج کے ”پل آف آرمز“ بنے ہوئے ہیں۔ یہ مکان ایک پرانی بارہوری تھی جس میں بعد میں اور کمرے بڑھائے ہیں اسی میں راجہ کشن گڑھ رہتے تھے اور یہی وہی مکان ہو جہاں فریڈر صاحب اُسی شام کو دعوت میں آئے۔ تین رات کو وہ مارے گئے۔ غدر میں اس مکان میں مسٹر آلڈول گورمنٹ پبلشر رہتے تھے انھوں نے تھوڑے ہی لوگوں سے باغیوں کا خوب مقابلہ کیا۔ باغیوں کے ساتھ دلی کے بد معاشوں کا بھی ایک جم غفیر تھا۔ یہ لوگ کہیں سے کئی توپیں بھی اٹھا لائے تھے۔ دورانہ برابر مقابلہ رہا باغیوں کا جمع اور زیادہ ہو گیا اور پانی کا ایک قطرہ محتسب دین کو نہ ملا آخر کار ان لوگوں نے جان بچا کر بھاگنے کی ٹھیرائی۔ مشکل مسٹر آلڈول اور ایک اُن کا لڑکا اُن کے زخموں سے جان بچا کر بچے باقی سب پکڑ لیتے گئے اور وہیں اُن کو مار کر اُن کی نعشیں خندق میں ڈال دیں۔ آلڈول کی میم صاحب اور اُن کی لڑکیوں کو پہلے قلعے میں گھسیٹ دے گئے تھے لیکن



زمینت المساجد

رشتہ حیات مستعار باقی تھا ساری میس اور اُن کے ننھے ننھے بچے نقار خانے کے سامنے قتل کیے گئے مگر یہ وہاں سے بھی بچ کر نکل آئے۔ اس مکان کے محاذ میں قدرے بلندی پر ایک اور مکان جو جس میں بلب گڑھ کا راجہ تھا۔ فیض بازار کے متعلق اور کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہو سکتی۔ اس کے اس بازار میں ایک نہر رواں تھی جس کی نسبت مشہور ہو فیروز شاہ کے عہد میں بنی تھی لیکن نہیں کھلا کہ اس نہر میں پانی کہاں سے آتا تھا۔

The Cross marks the site of the ancient cemetery of Duryagunge, and is dedicated to the memory of those whose remains lie round.

صلیب پر کا کتبہ

MDCCCXI  
The dead men shall live together within,  
My dear body shall they arise,  
Awake and sing ye that dwell in this dust,  
For the dew is as the dew of herbs  
And the earth shall cast out her dead.

ترجمہ یہ صلیب دریانگج کے قدیم قبرستان کی جگہ بتلائی ہو اور یہ اُن لوگوں کی یادگار کے نذر ہو جن کی لاشیں یہاں اطراف میں دفن ہیں سر ۱۸۱۱ء میں دے سب ایک ساتھ مل کر زندہ ہیں اور میرے جسم مردہ کے ساتھ وہ بھی رخت کے دن اٹھیں گے تم جو خاک میں پڑے ہو جاگو اور گاؤ۔ کیوں کہ (قطرات) شبنم جھاڑیوں پر ہوتے ہیں اور زمین اپنے مردوں کو اُچھال دے گی۔

گرچہ از گردش دَوَر سپہر

تا فتنہ بر سر من پہنچو بہر

در ہمہ آتش زنی از چار سو

روے تنایم ز تو از بیج روے

زینت المساجد

۱۱۱۹ھ  
۱۷۰۷ء

محلہ دریانگج۔ لب دریائے جن خیراتی گھاٹ یا مسجد گھاٹ دروازے پاس یہ مسجد ہے شہر شاہ جہاں آباد کی مسجدوں میں جامع مسجد کے بعد اسی مسجد کا شمار ہوتا ہے۔ اس مسجد کو

موقع اور محل ایسا ملا ہو کہ باید اور شاید۔ یہ مسجد جہنا کے جنوبی کنارے پر ایسے مرتفع مقام پر بنائی گئی ہو کہ جہنا کے اُس پار سے جو عمارات شہر کا عجیب و غریب نظارہ ہوتا ہو اُس میں سب سے پیش پیش یہی دلکش عمارت ہو اس کے لال لال منارے دور دور سے دکھائی دیتے ہیں اور یہ مسجد کو سوں سے نظر آتی ہو۔ اول تو کرشنی بہت بلند پھر دریا کی طرف اس کے آگے اور کوئی عمارت نہیں۔ یہ مسجد تفصیل شہر سے کوئی تیس گز کے فاصل سے دریا کی طرف سطح ارض سے چودھانٹ بلند ہو مگر شہر کی طرف سڑک کے برابر ہو۔ اس مسجد نے خدا داد حسن پایا ہو اور ہر مسجد کی نضا اور نہبت کاری اور پرچین سازی کی بہار اور ادھر سبزہ زار اور تفصیل شہر سے دریا کا ٹکراتے ہوئے بہنا اور سورجوں کا بل کھانا عجیب عالم دکھاتا ہو۔ واقع میں جیسی کیفیت اور لطافت اس مسجد میں ہو بہت کم کسی مسجد میں ہو گا۔ سر سے پاؤں تک سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہو اور تینوں برج سنگ مرمر کے ہیں اور ان میں سنگ موسیٰ کی دھاریاں بنائی گئی ہیں تاکہ چشم بد سے محفوظ رہے اور برجوں پر نہایت خوش ناسنہرے کلس ہیں کہ ان کی دمک آفتاب کی چمک کو مات کرتی ہو۔ مینار اس کے آسمان سے باتیں کرتے ہیں شمس اس کا فلک سے بھی گزر گیا ہو۔ اس مسجد کے سات در میں بہت خوش نمایاں کادور بہت بڑا ہو اور ادھر ادھر کے تین تین در چھوٹے محن کے بیچ میں ایک حوض ہو اور یا مانند چشمہ آفتاب کے اور پُر نور مثل ماہتاب کے۔ اس مسجد کے پاس ایک کنگہ اٹھا کر اُس سے پانی اس حوض میں آیا کرتا تھا اب وہ کنواں بند ہو گیا۔ دریا کے رخ پر اس چبوترے میں مشرق رو یہ شمال سے جنوب کی طرف تیرہ حجرے ہیں جن میں دوسرے دریا ہیں اور تین محراب دار حجرے باقی سنگین چوکھٹ کی کوٹھریاں۔ یہ حجرے مختلف طول و عرض کے ہیں اور ان میں سے بعض میں ایک دوسرے میں رستہ ہو اور بعض میں نہیں ان کی بلندی سطح زمیں سے محن مسجد کے فرش تک چودھانٹ ہو اور اُس کے اوپر آدھانٹ بلند کٹھرا۔ ان کو ٹھریوں کے ہر دو جانب شمال و جنوب میں پختہ اور بلند محراب دار دروازے مسجد میں جانے کے ہیں جن میں تیس بیس سیڑھیاں ہیں۔ جنوب رخ کا دروازہ مسجد گھاٹ دروازہ تفصیل کے پاس ہو اور شمال کی طرف کا دروازہ چُن دیا گیا ہو۔ ان دونوں دروازوں میں چھوٹی پٹ کے



ہوے ہیں۔ مسجد میں آنے جانے کا سدر دروازہ جنوبی ہی تھا جو لب سڑک پر  
اور اب آنے جانے کے واسطے ایک چھوٹا دروازہ مسجد کی پچھیت کی دیوار میں  
کھال لیا گیا ہے جو شاید پہلے کھڑکی رہی ہو اس کے جواب کا دوسرا دروازہ مسجد کے  
جنوب میں بند کر دیا گیا ہے یہ کوٹھڑیاں غالباً خدام کے رہنے اور مسافرین کے  
ٹھہرنے کے لیے بنائی گئی تھیں۔ اب بہت خراب حالت میں ہیں لوگ جو کھٹوں کے  
پتھر اکھاڑے گئے ہیں اور بول دیراز کرتے ہیں۔ یہ سب کوٹھڑیاں صحن مسجد کے غلا  
اندر بنائی گئی ہیں اور لداؤ کی ہیں اور ان کے سامنے ایک نصف دائرے کا وسیع  
میدان فصیل شہر سے محصور رہی صرف جنوبی طرف ایک دیوار پختہ چوٹے کچی کی  
تیس فٹ لمبی اور کوئی دو گز اونچی ہے اس میں ایک چھوٹا سا دروازہ اس صحن میں آنے  
جانے کے لیے رکھ دیا گیا ہے جس میں چوبی جو کھٹ اور کوارٹس لگے ہوئے ہیں دیوار  
اس زمانے کی نہیں بلکہ حال کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ احاطہ کے شمال میں بالیدین گڑھ  
لمبی فصیل شہر چلی گئی ہے جس کے بعد فصیل کے باہر ایک بہت بڑا دروازہ برج جہان کی  
ریتی میں ہے جس کے بیچ میں توپ پھر آنے کا آہنی مجور لگا ہوا ہے بنا ہوا ہے۔ فصیل کا  
اور اس برج کے بیچ میں غالباً خندق تھی جو اب بھر گئی ہے اور اب اس پتھر کی کوڑیوں  
پٹاؤ پڑا ہوا ہے۔ اس برج کے محاذی اندر دار کو احاطے میں ایک رپٹ بنی ہوئی ہے۔  
مسجد کے محاذ میں مشرق کی طرف یہی فصیل ۳۵ گز تک اس احاطے میں شامل ہے اور  
اس مقام سے وہی پختہ دیوار کینچ دی گئی ہے جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں فصیل  
آگے کو چلی گئی ہے اور یہیں قریب میں مسجد گھاٹ دروازہ ہے۔ صحن مسجد ایک سو  
پچانوے فیٹ لمبا اور ایک سو پندرہ فیٹ چوڑا ہے جس میں سنگ سرخ کے  
چو کے پتھر ہوئے ہیں اور جس میں سے شمال کی طرف کے کچھ چو کے اکھاڑ بھی  
پائے گئے ہیں۔ یہ مسجد بہت کس پر سی کی حالت میں ہے اس سبب سے چوکوں کی  
درازوں میں جا بجا گھاس اگ آئی ہے۔ صحن مسجد کے وسط میں ایک مستطیل حوض  
تینتالیس فیٹ لمبا اور تینتیس فیٹ چوڑا اور چار فیٹ عمیق ہے جس کے اطراف  
ایک پتلی سی ٹالی بنی ہوئی ہے اور چو طرف کوئی پانچ فیٹ چوڑے اور ایک فٹ بلند  
چو ترے پر سنگ مرمر کا حاشیہ لگا ہوا ہے حوض کے اندر پہلے سنگ مرمر کی



بندش تھی اب اُن سلوں کا پتہ نہیں اور اب حوض چوٹے گچی کا پختہ بنا دیا گیا ہے مسجد کے صحن کے چاروں طرف سنگ سرخ کا دو فیٹ اوچکا کٹھرا ہے جو شمال کی جانب کچھ اکھڑ گیا ہے۔ مسجد ایک سو پچاس فیٹ لمبی اور ساٹھ فیٹ چوڑی ہے اور صحن سے کرسی چار فٹ اونچی ہے۔ اس مسجد میں سات در بنگڑی دار محرابوں کے ہیں بیچ کے در کے دو کارپا کھوں اور پیشانی پر چوڑی چوڑی سنگ مرمر کی پٹیاں بہت خوش نامعلوم دیتی ہیں۔ جو فرش مسجد سے ڈیڑھ گز اونچی ہیں بیچ کے در کو چھوڑ کر باقی محرابوں کے در کار پر جامع مسجد کی طرح کی سنگ مرمر کی لمبی تختیاں نصب ہیں اور خیال کیا جاتا ہے کہ ان پر کتابے کندہ کرانے مقصود تھے جو رہ گئے بیچ کا گنبد اٹارہ فیٹ بلند ہے سنگ مرمر کا گردنہ بارہ فیٹ کل ساٹھ فیٹ سب لا کر گنبد کی بلندی ستائیس فیٹ ہے۔ ادھر ادھر کے گنبد چھت سے تیس تیس فیٹ بلند ہیں جن کے گردنے آٹھ فٹ اور گنبد سولہ اور کل چھ فیٹ اونچے ہیں۔ مسجد کے ہر دو جانب بڑی بڑی چار کھنڈ کی سو سو فیٹ بلند میناریں ہیں جن کے اوپر سنگ سرخ کی برجیاں ہیں اور اُن کے تپتے سنگ مرمر کے آٹھ دروں پر استادہ ہیں اور اوپر سنہری کلس ہیں۔ مسجد کے اندر کا دالان جو شمال و جنوب دونوں طرف کھلا ہوا ہے بہت چوڑا ہے البتہ باہر کا دالان جس کی چھت مسطح ہے بمقابلہ اُس کے کم ہے۔ صدر دالان کی چھت محراب دار ہے اور ان محرابوں ہی محرابوں پر جو بہت چوڑی ہیں گنبدوں کا بوجھ ہے۔ مسجد کا گنبد نما بیچ کا در تہرا بنا ہوا ہے جس کے سامنے پانچ سیڑھیاں ہیں اور ایسی ہی پانچ پانچ سیڑھیاں دونوں طرف کے بیچ کے در کے سامنے ہیں۔ یہ در ۲۲ فیٹ بلند اور (۳۵) فیٹ چوڑا ہے جس کے اندر ایک اور محراب (۳۰) فٹ اونچی اور (۲۰) فیٹ چوڑی ہے اور پھر اس کے اندر ایک محراب (۱۹) فیٹ اونچی اور (۱۲) فیٹ چوڑی ہے۔ دوسری محراب جو مسجد کے دوسرے دالان میں ہے دائیں بائیں کھلی ہوئی ہے جس سے اس دالان میں ادھر ادھر جانے کا راستہ ہو گیا ہے۔ محراب کے دونوں جانب دوپٹی تلی میناریں صحن مسجد سے (۵) فیٹ اونچی ہیں جن پر ہشت پہلو برجیاں اور سنہری کلس ہیں۔ دونوں میناروں کے درمیان مسجد کی چھت پر جو سطح زمین سے (۲۶) فٹ بلند ہے کنگورہ ہے۔ ادھر ادھر کے چھوٹے در (۲۴) اونچے اور (۱۰) چوڑے

ہیں ان پر بھی کنگورہ پر جو بیچ کی بیرونی محراب کے برابر اونچا ہو اور صحن مسجد سے (۴۴) بلند ہو۔ ان دروں کی محرابیں (۴۵) اونچی اور تیرہ فٹ چوڑی ہیں۔ ان کے فیل پا سے تین تین فٹ چوڑے ہیں۔ صدر والاں میں مسجد کی پچھیت میں حسب معمول دیوار دوڑ محرابیں ہیں۔ درمیانی صدر دیوار دوڑ محراب جس کے پاس سنگ مرمر کا ممبر تھا لادہ بھی نہیں رہا، یہاں بحالت سکونت باہر وار کو ایک دروازہ پھوڑ دیا تھا اب وہ بند کر دیا گیا مگر اُس کے آگے کی تین سیڑھیاں مسجد کے عقب میں موجود ہیں۔ مسجد کے شمال اور مغرب میں پختہ سنگ بستہ دریاں بنی ہوئی ہیں اور اب اسی میں آنے جانے کا دروازہ ہو۔ یہیں شمال و مغرب کے کولے میں ایک کوٹھڑی بھی ہو۔ اور یہیں سے چھت پر جانے کا ایک چکر دار زینہ بھی ہو۔ جس کی پہلی منزل تک تیرہ سیڑھیاں ہیں اور پھر برابر۔ اور پختہ اسی طرح کا قطعہ مسجد کی دوسری جانب جنوب و مغرب میں بھی بنا ہوا ہو۔ یہ مکان غالباً امام۔ مؤذن۔ چاروب کش یا دیگر خدام مسجد کے لئے بنائے گئے تھے بزمان عمل دخل فوج اس مسجد کے پیچھے مسجد کی پچھیت کی دیوار سے ملا ہوا ایک لمبا برآمدہ صحن میں تین دروازے تھے بنا ہوا تھا۔ فوج سے جب تحلیلہ کرایا گیا غالباً اسی دروازہ پر آمدہ نکال دیا گیا مگر تینوں دروں کے سامنے تین تین سیڑھیاں اور دروازوں کے نشان جن سے مسجد کی دیوار مجروح ہو گئی ہو باقی ہیں۔ مسجد کے پیچھے کچھ کھلی ہوئی زمین محصور کر کے سب سڑک ایک چوبی پھاٹک لگا دیا گیا ہو۔ اس صحن میں ایک پختہ سنٹری روم فوج کے قیام کی نشانی اب تک باقی رہ گئی ہو۔ چوں کہ یہ پختہ غدر عرصہ تک سکونت کے کام میں لائی گئی ہو اس کے اندر جا بجا دیواریں اٹھا کر جدا جدا کر کے بنائیے تھے اب غالباً یہ دیواریں لارڈ کروڈن کے زمانے میں بحال دی گئیں۔ اسٹیفن صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ”مسجد کے عقب میں چار سنگ مرمر کشادہ برج تھے افسوس ہے کہ اب اُن کا کہیں پتہ نہیں اور چوں کہ اس مسجد میں من مانے توڑ پھوڑ کی گئی ہو حتیٰ کہ زمینت النساء بیگم کا مقبرہ بھی اُسی زمانے میں یہ اغراض فوجی ڈھا دیا گیا ان کا کون پر سان حال تھا سر سید نے آثار الصنادید میں جو غدر سے پہلے کی ہو لکھا ہو کہ ”زمینت النساء بیگم کا مدفن بھی اسی مسجد کے صحن میں شمال کی طرف ہو چنانچہ اُس کی قبر کے پاس ایک چھوٹا برج تبرکار کھنے کا بنایا ہو۔“

اُس کے پیچھے دو محجر ہیں ایک محجر سنگ باسی کا ہے اور اُس کے اندر ایک محجر یونگ سنگ کا ہے اُس میں فرش بھی سنگ مرمر کا ہے اور قبر کے سرابنے کتبہ ہے جو آگے درج کیا جاتا ہے۔ اب ان عمارتوں کا کہیں پتہ بھی نہیں۔ اس مسجد میں ایک عرصہ تک توپ خانہ رہا پھر برسون تک اس میں گوروں کا روٹی گودام بھی رہا جس سے یہی روٹی بھی جاتی رہی۔ زینت النساء بیگم نے اپنی قبر احاطہ مسجد میں اپنے حیات بنوائی تھی جس میں وہ ۱۱۲۲ھ میں مدفون ہوئیں۔ ایک قبر اب بھی صحن مسجد کے شمال میں ہے جو صرف چھ گچی کی ہے اور یہی بانیہ مسجد کی قبر ہے جس کے اطراف سنگ مرمر کا چھوٹا سا کٹھرا تھا اور لوح مزار پر کتبہ تھا جو اب نہیں رہا۔ ۵

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے  
بھارت اُن کی قبر پر باقی نشان کچھ بھی نہیں

انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ

اتھم ہوا الغفور الرحیم

سایہ از ابر رحمت قبر پوش بالبل است

بنت بادشاہ محی الدین محمد عالم گیر غازی

۱۱۲۲ھ ہجری

قل یا عباد الذین اسرفوا علی

ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً

مولنس ماور لحد فضل خدا تھا بل است

امید وار صحن خاتمہ فاطمہ زینت النساء بیگم

انسا اللہ ہی ہا نہ

طینت پاک مسلماناں گو ہر است  
آب و تابش از یم پیمبر است

شاہ صابر بخش کی خاتقاہ

۱۲۳۶ھ  
۱۸۲۱ء

روشن الدولہ کی سنہری مسجد واقع قاضی داڑہ  
(فیض بازار) کے مقابل حضرت شاہ صابر بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خاتقاہ ہے  
آپ اکبر شاہ ثانی کے عہد میں ایک بڑے بزرگ اور چشتیہ خاندان کے برگزیدہ شخص  
تھے۔ آپ کے والد ماجد سید شاہ نصیر الدین ابن غلام سادات بن شیخ عبدالواحد  
عرف نواب بشارت خاں برادرزادہ حقیقی قطب العارفین حضرت شیخ محمد چشتی  
قدس سرہ العزیز تھے۔ آپ نے بڑے بڑے مشائخ سے فیض حاصل کیا  
اور اپنے جد امجد شاہ غلام سادات سے خلافت پائی۔ اور انھوں نے شاہ محمد

انہوں نے شیخ محمد چشتی سے انہوں نے شیخ ابراہیم رام پور سے ۱۴ ربيع الاول ۱۲۳۷ھ چار گھڑی رات گئے آپ کا وصال ہوا اور اسی خانقاہ میں مدفون ہوئے۔ ان کے بعد آپ کے صاحب زادے سید عبدالعزیز سجادہ نشین ہوئے انہوں نے ۲۲ شعبان ۱۲۳۷ھ کو بہادر شاہ ثانی کے زمانے میں انتقال کیا۔ پھر سید امیر حسن اور سید مظفر حسین سلسلہ بسلسلہ سجادے ہوتے رہے۔ اب شاہ کرا حسین سجادے ہیں۔ بڑا عرس حضرت شیخ محمد صاحب کاتین دن ۲۴ محرم کو ہوتا ہے۔ ۱۱ رمضان کو حضرت غلام سادات کا اور ۱۴ ربيع الاول کو شاہ صابر بخش کا اور ۲۲ شعبان کو سید عبدالعزیز کا۔ یہ معمولی عرس کیا گیا فاختہ خوانی ہوتی ہے۔

لب سڑک مسافر خانے کی کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں اور دیوار پر ایک نہایت بدخط کتبہ جو نے میں کدوا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسافر خانہ ہمارے آقا کے دلی نعمی کی جانب سے تعمیر پایا ہے۔ مسافر خانہ منجانب نواب میر محبوب علی خاں بہادر شاہ دکن دام ملکہ شہزادہ بھری“ صحن میں فرش چوکوں کا ہے جس کی ایک جانب حضرت کے مزار کا ایک چوبی پیو لین ہے جس کے تین تین در ہیں معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مزار شریف زبردست تھا یہ چوبی قبہ بعد میں بنایا گیا ہے جو کچھ پائدار بھی نہیں چھوڑا دس فیٹ مربع اور سوا دو فیٹ اونچا ہے۔ پتھے کا حصہ سوائف کا چولے۔ پتھر کا ہے اور اس کے اوپر ایک فیٹ کا سنگ مرمر کا چھوڑا ہے۔ جس پر دو قبریں ہیں داہنی طرف کی حضرت صابر بخش کی اور بائیں طرف آپ کے صاحبزادے سید عبدالعزیز کی۔ سرابنے کچھ جگہ چھوڑ کر سنگ باسی کی ایک لمبی لوح دیوار میں لگی ہوئی ہے جس پر بخط نسخ و نستعلیق نہایت خوش خط یہ کتبہ ہے جو بہادر شاہ ثانی نے نصب کرایا تھا

محی اللہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ  
لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذَّنْبَ  
جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

۱۲ کتبے میں ایسا ہی لکھا ہے۔ طے پا رہے۔

بادشاہا جسم مارا در گزار  
تو نکو کاری و ماید کردہ ایم  
بی گنہ نگذشتہ بر من ساعتی  
بر در آید بندہ بگرخت  
مغفرتش اراد میدار لطف تو  
بحسب الطاف تو بے پایاں بود  
نفس و شیطان زو کر یار و ما

ما گنہ گار یم تو آ مر زگار  
جسم بے اندازہ بچید کردہ ایم  
با حضور دل نکردم طلعتی  
آبروی خود ز عصیاں ریخت  
زانکہ خود فرمودہ لا تقظوا  
نا امید از رحمت شیطان بود  
لطف تو باشد شفاعت خواہ ما

یہیں تین در کی مسجد پختہ بنی ہوئی ہے لیکن اس مسجد میں تعجب ہے کہ مینار نہیں ہے۔ بیچ کے  
در کی پیشانی پر کلمہ طیبہ ہے۔ دہنی طرف کی محراب پر اذکار و اللہ عا ہذا کتبہ  
بائیں محراب پر اللہ - محمد - علی - فاطمہ - حسن - حسین بخط طغرا لکھا ہے۔ مسجد پرانی  
ہے مگر یہ کتبے - جسے روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں - طغری میں ایک لفظ (بو) کا

شروع میں ہے جو میری سمجھ میں نہ آیا۔ صحن میں ایک حوض ہے جس کا نام دو فیض  
میتق بیچ میں فوارہ ہے۔ صحن میں اٹلی - نیم - جاسن - کھرنی - گوندنی گولر کے درخت ہیں  
جن میں بعض بہت پرانے اور بڑے ہیں۔ اور یہیں ایک کنواں بھی ہے اور بجانب  
جنوب ایک مجلس خانہ دوہرے دالان کا سامنے برآمدہ پانچ در کا ہے جو قدیم نہیں  
بہر میں بنا ہوا معلوم دیتا ہے جیسا کہ مسافر خانہ بعد میں بنا ہے۔ مسجد سے ملا ہوا سفر خانہ  
ہے جس کی چار کھڑکیاں سڑک کی طرف کھلی ہوئی ہیں۔ یہ مسافر خانہ لداؤ کا ہے جس کا  
ایک ہال ۷۴۲۲ ہے اور ایک کمرہ لداؤ کا اس کے سوا ہے۔

مسجد و دیر توئی کعبہ و بت خانہ یکے سے  
ہر کجا گوش نہاد مہم غوغاے تو بود

روشن الدولہ کی دوسری شہری مسجد

المشہور بہ قاضی زادوں کی مسجد

۱۱۵۷ھ  
۱۱۵۷ھ - ۱۱۵۸ھ

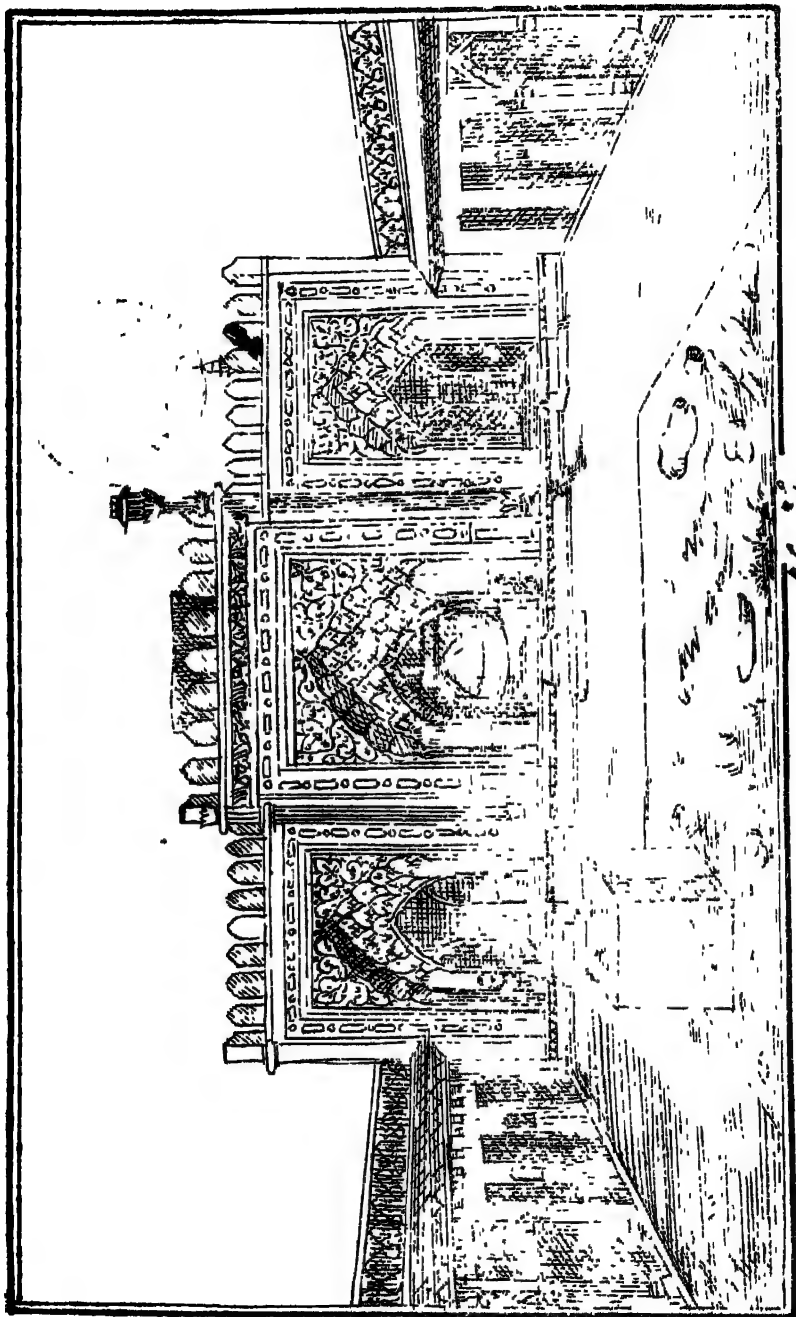
یہ مسجد فیض بازار کے شمالی جانب

محلہ قاضی واط سے میں لب سڑک

واقع ہے جسے روشن الدولہ نے اسی

نام کی پاند تی چوک والی مسجد (جو کو توالی کے پاس ہے) کے چوبیس برس ۱۱۵۷ھ میں

سنگری مسجد



بنایا تھا۔ یہ مسجد فیض بازار کی سڑک سے نوٹ اوپنچے چوتھے درجے پر بنائی گئی ہے جو  
 ۷۵۰۰ فٹ ۲۲ ہے۔ صدر دروازہ مشرقی دیوار میں آٹا اور خجاندہ چڑھا اور چھ فیٹ گہرائی  
 سات سیڑھیوں کا دو طرفہ زینہ چڑھ کر صحن مسجد میں داخل ہوتے ہوئے چوتھے درجے کی کاح  
 چھت پر چڑھنے کا بھی زینہ دونوں طرف کی بغلی دیواروں میں تیرہ تیرہ سیڑھیوں کا ہے  
 مسجد کے شمال اور جنوب میں طلباء کے رہنے کے دالان بنے ہوئے تھے  
 جن میں سے شمالی دالان تو گر گیا صرف ایک کو بھڑی سڑک کے طرف کی  
 کھڑی ہو رہی ہے وہ بھی گرنے والی ہو رہی ہے دوسری طرف کا دالان البتہ باقی ہے۔ مسجد تین  
 در کی ہے جس کے دونوں طرف ایک ایک حجرہ امام اور مؤذن وغیرہ کے رہنے کے  
 لیے بنایا ہوا ہے۔ محل مسجد کا دالان ۷۵۰۰ فٹ ۲۲ ہے مسجد کا ارتفاع چوتھے درجے سے چھت تک ۲۴ فٹ ۲۲ ہے اور  
 کنگورے سے اوپر تک اور ہمہ تن بیچ کی محراب نو فیٹ چڑھی ہے اور ادھر ادھر  
 کی ۲۲ فٹ ۲۲ فیٹ تینوں دروں کے سامنے دو دو سیڑھیاں ہیں مسجد کے تین  
 گنبد ہیں۔ بیچ کا بڑا ادھر ادھر کے اُس سے چھوٹے۔ گنبدوں پر سنہری پتھر کا  
 خول چڑھا ہوا تھا۔ اسی سے سنہری مسجد کہلاتی تھی۔ یہ خول اتار کر کو توالی کے  
 پاس والی مسجد پر چڑھ دیا گیا اور یہ گنبد بالکل نچے پھٹے رہ گئے حتیٰ کہ اُن کو کھس تک  
 بھی نصیب نہیں۔ نہ خول نکال لینے کے بعد کوئی پلاستر کیا گیا جس سے کچھ توان کی  
 حفاظت ہو جاتی۔ دونوں مینار بھی ٹوٹ کر گر گئے صرف ٹھنڈے کھڑے ہیں۔ چھت پر  
 کنگورہ اور بیچ کی محراب کے ادھر ادھر دو چھوٹی بڑیاں ہیں جن پر کنول کھلے  
 ہوئے ہیں۔ غرض مسجد بہت تباہ و خستہ حالت میں ہے۔ مسجد کے روکار پر ایک ہی  
 لمبی سطر میں بخت تعلیق نہایت خوش خط یہ کتبہ سنگ مرمر کی جدا جدا تختیوں پر  
 ایک ایک مصرعہ کھود کر سنگ موسیٰ سے حروف بٹھلا کر تختیاں جمادی گئی ہیں۔  
 شکر حق کو یمن فیض سید عرفاں پناہ  
 در زمان شاہ اسکندر نشان قدح جمشید  
 شاہ بیکہ آں مرشد کامل ولایت دستگاہ  
 مہلت گستر محمد شاہ غازی بادشاہ  
 یہ چاروں مصرعے ایک ہی سطر میں ہیں۔  
 روشن الدولہ ظفر خاں صاحب جو دو کرم۔ گرد تعمیر طلائی مسجد عرش اشتباہ۔  
 مسجد کے کاندہ فضاے معین قدرش آسماں۔ کردہ از خط شعاع مہر جبار ولی پگاہ



حوض صاف اور نشان از چشمہ کوثر دید۔ ہر کہ از آبلش وضو سازد و شود پاک از گناہ۔  
سال تاریخش رسائی یافت از امام غیب مسجدے چوں بیت اقصیٰ مہبط نور کہ  
مسجد میں اب تو کوئی حوض رہا نہیں پہلے تھا جہاٹ دیا گیا۔

گویہ مسجد نواب روشن الدولہ ظفر خاں کی بنائی ہوئی ہے جو محمد شاہ کے  
زمان سلطنت میں تیار ہوئی مگر باقی کے شاہ بھیک کے نام پر بنائی تھی پہلے  
روشن الدولہ تعارف حاصل کیجئے پھر شاہ صاحب سے۔ روشن الدولہ کا اصلی نام  
خواجہ مظفر تھا۔ آپ خواجگان خاندان نقشبندیہ سے تھے۔ آپ کے دادا خواجہ  
محمد نصیر شاہ جہاں کے زمانے میں ہندوستان میں تشریف لائے تھے  
کچھوے کی لڑائی میں جو اورنگ زیب اور سلطان شجاع کے درمیان  
ہوئی تھی شاہزادے شجاع کے محل کی حفاظت کرنے میں کام آئے۔ خواجہ  
مظفر کے باپ عبدالقادر کا واقعات تاریخی سے کچھ تعلق نہیں ہر وہ درویش  
گزران کرتے تھے اور فرخ سیر کے عہد میں مر گئے۔ خواجہ مظفر نے پہلے پہل  
شاہ عالم بہادر شاہ اول کے فرزند رفیع الشان کی ملازمت اختیار کی  
ملازمت اختیار کی اور بڑھتے بڑھتے منصب پانزدہ صدی و پانصد سوار کو پونچھے  
اور ظفر خاں کا خطاب پایا۔ رفیع الشان کے بعد یہ ملازمت چھوڑ چھاڑ شاہ  
بھیک کی طرف رجوع ہو گئے۔ جب مشہور ہوا کہ فرخ سیر پٹنہ سے جہاں شاہ  
سے لڑنے کو چلا آ رہا ہے تو یہ بتعمیل ارشاد شاہ صاحب فرخ سیر کے پاس چلے گئے  
اور سید حسین علی خاں کی بدولت جو ایک امیر سادات بارہ کے تھے بخشی سوم کے

لے ضلع مظفر گڑھ کو دو آب گنگ و جن میں واقع ہر صد سال سے بارہ گاؤں مشہور پئے آتے ہیں۔ ان میں ساحات کی آبادی ہے یہاں  
سید صبح النبی اللہ بڑے بہادر تھے۔ سلاطین سلف کے عہد میں انھوں نے بڑے بڑے کارنامے کیے۔ اکبری فوج میں بھی دلاوری  
کے چہرے کو سرخ رو کرتے رہے۔ اول ان میں سید محمود بارہہ تھے کہ پہلے سکندر سوری کے ساتھ قلعہ مانکوٹ میں محصور تھے جب  
اکبری فوج نے محاصرہ کا دائرہ بہت تنگ کیا تو سردار ساتھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ یہ سچ اپنے ہزاروں کے اکبری  
شکریوں سے اور ملازمت بادشاہی اختیار کی ان کی خدمات جانفشانی نے منصب کا درجہ چلہ ہزاری تک بلند کیا۔ ان کے بیٹے  
سید ہاشم بارہہ بہادر ہی منصب تک پونچھے تھے کہ شہادت کا منصب نصیب ہوا۔ سید عبدالملک بے سید عبداللہ خاں  
بارہہ وغیرہ نامی سوار اسی خاندان کے تھے۔ اور ہر میدان میں ایسے بے جگر ہو کر لڑتے تھے کہ ان کی شجاعت آج تک  
ضربا نسل چلی آتی ہے۔ مرزا عزیز کو کلتاش کہا کرتے تھے کہ سادات بارہہ دولت اکبری کے قد لیں۔ انور بارہ اکبری۔ ۱۲



عہدے سے ممتاز ہوئے اور منصب پنج ہزاری و پنج ہزار سوار اور ظفر خاں رستم جنگ کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ جب فرخ سیر نے جہاں دارشاہ پر فتح پائی تو ان کا ستارہ اور چمکا ہفت ہزاری منصب ہفت ہزار سوار اور روشن الدولہ کا خطاب ملا۔ محمد شاہ کی بادشاہت میں بادشاہ کی رضاعی بہن زمام کار الامرار میں نہیں ہی کے منہ چٹھہ گئے۔ بیگم صاحب کو بادشاہ کے مزاج میں بڑا دخل تھا۔ روشن الدولہ کے خوب گہرے رہے خوب ہاتھ رنگے۔ محمد شاہ کا زمانہ آیا تو اور اچکے اور یار و قادار کا خطاب اور بڑا۔ ”یہ طرہ باز خاں“ کے نام سے بھی مشہور تھے کیوں کہ جب ان کی سواری نکلتی تھی تو کئی کئی طرے لگاتے تھے۔ غرض آدمی تھے بڑے کٹے جبرٹے کے۔ لوگ ان سے خوش نہ تھے کچھ کچھ شکایتیں بھی سنی جاتی تھیں البتہ اتنی بات ضرور تھی کہ اخلاق کے پتے۔ خلق مجتہد اور فقراء کے بڑے معتقد اور داد و دوش میں بڑے چڑھے تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۴۹ھ میں ہوا۔ شاہ بھیک صاحب کا اصلی نام سید محمد سعید تھا اور عرف سید میراں بھیک تھا آپ شاہ ابوالمعالی کے خلیفہ تھے۔ آپ کے آبا و اجداد کا وطن ترمذ تھا جہاں سے آپ کے مورثا علی سید زید ایک جماعت کثیر کے ساتھ ملک ہند میں کفار سے جہاد کرنے کو تشریف لائے تھے۔ پہلے آکر سیوانے میں اترے وہاں کے راجہ نے آپ کو حالت نماز میں شہید کر ڈالا۔ آپ کے صاحبزادے راجہ سے خوب لڑے اور اُسے مار بٹایا اور وہیں رہنے رہنے لگے سلطان شمس الدین التمش نے آپ کے صاحبزادوں کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ سُن کر اپنی ایک لڑکی بھی ان میں سے ایک سے منسوب کی۔ شاہ بھیک صاحب بڑے صاحب کشف و کرامات تھے۔ آپ کے معتقدین کثرت سے تھے جن میں ایک روشن الدولہ بھی تھے۔ آپ کی ولادت ۹ رجب ۱۰۴۶ھ کو ہوئی اور (۸۴) سال کی عمر میں ۱۱۳۱ھ کو وصال ہوا۔

ہر سو نہرے دریاں گلستاں  
خیزاں و فتاں چو فیلستاں

فیض بازار



## بلیٹ مشن ہال

۱۸۸۵ء

بے مرت پڑا ہوا اس مسجد میں ایک عربی کا مدرسہ شاہزادہ امیر الملک مرزا بلاتی صاحب کے اہتمام سے جاری ہے۔ اس مسجد کے جنوب میں قباب صفا کی کوٹھی ہے جو اس سلطان سنگھ صاحب نے خریدی ہے۔ پاٹودی کے نواب صاحب کی کوٹھی کے مقابل بل بلیٹ مشن ہال ہے جس میں اس فریق کے لوگ عبادت کرتے ہیں اتوار اور بدھ کو خاص کر کے

جلسہ ہوتا ہے۔ یہیں پادری طامس صاحب اس کے متم نہایت غلیظ اور ذی مرد ہیں جیسے کہ اکثر پادری ہوتے ہیں۔ یہ عمارت ۱۸۸۵ء میں باصرف تیس ہزار روپیہ طیار ہوئی۔ اس عمارت کے متعلق ایک شفا خانہ ہے جس میں مفت علاج ہوتا ہے۔ جنوب کی طرف فیض بازار ہے دونوں طرف بازار بیچ میں نہر بہتی تھی۔ یہیں محلہ تقار خانہ ہے جو پہلے دروازہ کلاں محل کے نام سے مشہور تھا کوچہ پر پراکت کوچہ دکھنی رائے اور ترکاری ٹی منڈی ہے پھر آگے مسجد روشن الدولہ ہے جو زیادہ تر قاضی زادوں کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ ایک پھر بیچ رائے پر آئے دریا گنج جانے والی سڑک پر چلیے کوٹے والی مسجد سے ملا ہوا ہیل کائنات ہے جس کی پانی بہت شیریں ہے اور لوگ درودوں سے آگے جاتے ہیں۔ پھر دریا گنج میں جی میں سے بھی زیادہ کوٹھیاں ہیں جن میں فرج کے اور دو سکے انگریز رہتے ہیں۔

## وگٹوریا زمانہ ہسپتال

۱۹۰۶ء

ویر جامع مسجد محللی والوں میں ایڈورڈ پارک مقابل یہ بہت بڑی زمانہ ہسپتال ہے جو اندرون شہر اور وسط آبادی میں ہونے سے عورتوں کے

لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اس کی عمارت بڑی عالی شان خوش نما اور وسیع ہے۔ اس کے روکار پر وگٹوریا زمانہ ہسپتال انگریزی میں بخط جلی لکھا ہوا ہے اور پچھلے کے ایک پاکھے پر انگریزی اور دوسرے پر ہندی کتبہ اردو میں ہے۔ اس کتبہ میں آنسریری انجینئر ایل بالوئل اور جملہ زچندہ صاحب اور اس کے نیچے ستورات کے زر عطیہ کی تعداد لکھی ہے۔ ہتلائی ہے اور اسم واری فرست معطیان کی بھی دی ہے۔ دروازے کے ایک پاکھے کی برجی کے نیچے اردو میں اور دوسرے پاکھے پر انگریزی میں بھی یہی کتبہ ہے۔

ایڈورڈ پارک

۱۹۱۱ء

مہیا دگار خدات پادری لیس ایس طاس صاحب بحیثیت آفریدی سکرٹری ہسپتال ہذا ۱۹۰۷ء  
شاد بہاں خسرو جنت نشین  
باد بجان تو ذوق آفریں

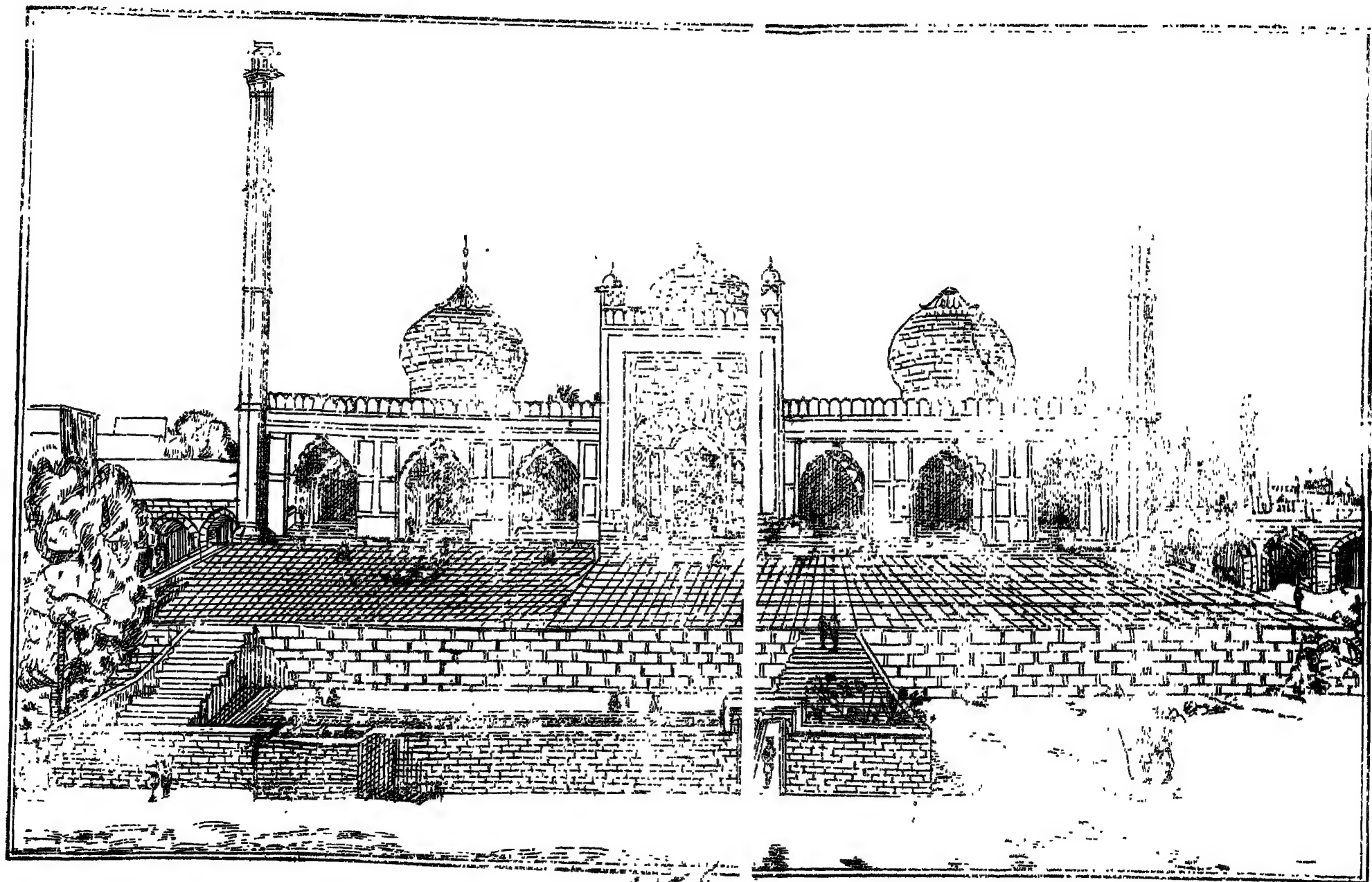
جامع مسجد کے محاذی اس نام کا ایک پارک بنایا گیا ہے۔ جس کا سنگ  
بنمایا و خود ملک منظم جارج پنجم قیصر ہند ادام السراقباہم نے رکھا۔ مجسمہ کے نیچے  
چبوترہ پارک کے وسط میں بن کر طیارہ مگر ابھی تک مجسمہ ولایت سے بن کر نہیں آیا۔  
جنگ یورپ کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ اب چاروں طرف آہنی کھڑے سے محاط کر دیا  
ہو اور چوہرٹ بھری کی سڑکیں ڈال کر ہریالی کے تختے پچھائیئے میں غرض ابھی مکمل نہیں ہو  
جنوب میں ۹۲ شمال میں ۱۴۴ مشرق میں ۱۱۱ اور جنوب کے سوا آبائی تینوں طرف دروازے ہیں۔

بت خانہ کھود ڈالیئے مسجد کو ڈھائیئے  
دل کو نہ توڑیئے کہ خدا کا مقام ہے

مسجد اکبر آبادی

۱۰۶۰ھ  
۱۶۵۱ء

فیض بازار ہی میں یہ مسجد تھی جو غدر کے بعد ڈھایا ڈھوئی کی نذر  
ہوئی۔ محل وقوع اُس کا موجودہ ایڈورڈ پارک ہے۔ جس وقت اُس کے یئے زمین  
ہموار کی جانے لگی تو مسجد کا چبوترہ اور بنیادیں جوں کی توں مثل گنج نہاں کے زمین  
میں مدفون تھیں ویسے ہی ڈھک دی گئی اور ہمیشہ ہمیشہ کے یئے خانہ خدا اور یہ  
بے نظیر عمارت نظروں سے پوشیدہ ہو گئی۔ نقشہ اُس کا ملاحظہ فرمائیئے اور  
آثار العنادید سے اُس کی کیفیت سنیئے۔ یہ ایک مسجد ہو دل کش و دل رافرحش  
و روح افزا سر سے پاؤں تک سنگ سرخ کی اور اُس کے مکانات اور حجرے  
طالب علموں کے رہنے کے یئے بنے ہوئے ہیں۔ ضلع غربی سے فتح کرسی دے کر  
بنائی ہو جس کی رفعت و شان کے آگے گنبد اخضر پست ہو اور جس کی عظمت و جلال  
کے آگے ملام اعلیٰ گرد ہو۔ یہ مسجد فیض بنیاد اعزاز النسا بیگم محل شاہ جہاں بادشاہ  
نے ۱۶۶۰ء میں مطابق ۱۰۷۰ھ جلوس بنائی ہو۔ ان بیگم کا خطاب اکبر آبادی  
محل تھا اسی سبب سے یہ مسجد بھی اکبر آبادی مشہور ہو گئی ہو۔ اُس مسجد کے تین گنبد



سجده آبادی

اور سات درہیں مسجد کی عمارت ۶۳ گز طول میں اور سترہ گز عرض میں نری سنگ سرخ کی اور اُس کا پیش طاق سنگ مرمر کا پر مین کار ہی اور اُس کے آگے ایک چبوترہ ۶۳ گز طول مستطول گز عرض اور تین گز اونچا اُس پر سنگ سرخ کا کپڑا لگا ہوا ہے اور اس کے آگے ایک حوض ۱۲ گز ۱۲ گز کا چشمہ آفتاب بہتاب پر مشرف ہے جاتا ہے اور نہر کا پانی اس میں آتا ہے۔ ۵ درہاں صحن حوض بعد آفتاب و تاب۔ درخشندہ چوں چشمہ آفتاب۔ اس کے گرد حجرے بنے ہوئے ۴۵ ۱۵ ۱۰ ۵ گز اور ہر حجرے کے آگے ایک ایوان ہے اور اُس کے سامنے سترتا سر چار گز عرض کا چبوترہ۔ اس مسجد کے دو پینار ہیں بہت بلند من جلد اُن کے شمالی کنار کی برجی کے صدمے سے ٹوٹ گئی ہے۔ مسجد کے دروازے پر یہ کتبہ بہ خط نسخ یہ ہے۔

ایں مسجد فیض انتہا و سراے راحت جا و حجامت نظافت اما جہات دلکش و عبادت حق پرستان سروزگار و سراج افزاے مشرودان اقطار و نزہت کد آسمانیان و دارالمنافع زمینیان است در عہد سعادت مہد بادشاہ اسلام کہف نامیہ والا پایہ بن و سردگار خلیفہ بن گزیدہ صددگار رحمت اعمدی الجلالی مظہر این دادادار بیہمال ابی المظفر شہاب الدین محمد صاحب قرآن ثانی شاہجہان پادشاہ غازی بن ستار خاص پادشاہی بن ستندہ با اخلاص ظل الہی من فقہ خیرات و میرات محمد سعادات و حسنات اعز النساء مشہورہ با کمال بادی محل بفرمان معنی بنا کرد و بجمہت ابتغای مرضاے الہی افتتای قواب اخروی و حاصلی متری محنتی بن مسجد یا حقوق ملحق داخلہ و خارجہ وقف لازم شرعی نس دو مقر و ساخت کہ اگر بہمت این امکنہ احتیاج افتد انچہ اتر حاصل این من قوت بعد الترمیم یا فی ہا ند بخند مہ مسجد و حجام و طلبہ علم سراسا نند و الا تمام را بجماعہ مسطردید ہند این منازل منیعہ در عرض دو سال بعہد صد و پنجاہ ہزار اسرو پیہ آخر شہس رمضان المبارک سال ہزار و شصتم ہجری مطابق بیست و چہار مہر جلوس عالم آرا صورت انجام دین رفت این دتعالی اجہ دین خیر جاری و نفع باقی بروزگار فرخندہ آثار پادشاہ دین بن و راق گزین

حقیقت گستر بانیۃ این مبانی عامۃ مغانی عائد گرداند آمین یا سرب العالمین -

## سنگم تھیںٹر

طرفہ عود سے شدہ آراستہ  
آئینہ از آب رواں خواستہ

زیر جامع مسجد مچھلی والوں میں دکتور یا زمانہ ہاسپٹل کے قریب ہو۔ یہ لالہ سنگم لال  
کمٹری کا ہو جو دلی کے کل تھیںٹروں میں بڑی عمارت ہو۔ اس میں بھی برقی پنکھے۔ راوشنی  
اور تھیںٹر کی کل ضروریات مہیا ہیں۔ اس میں ایک مرتبہ مسلم لیگ کا جلسہ ہوا تھا  
جس کے پریزیڈنٹ ہنر ہائنس سر آغا خاں بالقابہ تھے تھیںٹر کے تماشوں کے سوا  
پبلک جلسے بھی اس میں ہوا کرتے ہیں۔

خان دوراں خاں کی  
حویلی پکھڑ کی

زیر جامع مسجد مچھلی والوں کے محلے میں یہ پکھڑ کی  
خان دوراں خاں وزیر محمد شاہ بادشاہ کی حویلی کی تھی  
اب پکھڑ کی کا ایک ٹوٹا پھوٹا دروازہ رہ گیا ہے۔  
یہاں جوگی ہو اس میں متفرق مکانات بن گئے ہیں

یہ گلی مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم کے مدرسے ہوئی ہوئی کلاں محل کے پیچھے سے  
کو چہ چیلان پستے بنگش کے کمرے جا چکی ہے۔

بازار مچھلی والوں  
کثرت سے رہتے تھے اور مچھلیوں کی منڈی تھی اس نام سے  
یہ بازار مشہور ہو گیا۔

مچھلی والوں کی مسجد  
اسی بازار میں یہ مسجد ہے جس میں پچیس تیس برس تک مولوی  
عبدالرب صاحب مرحوم وعظ کرتے رہے ۱۹۰۲ء میں  
از سر نو تعمیر ہوئی اور میاں عبدالزاق جنت فروش نے

اس میں ایک سنگین حوض بنوا دیا۔  
مسجد کی پشت پر کٹرہ نظام الملک ہو اور سپین منشی ظہور الحسن صاحب کا  
کٹرہ نظام الملک  
تومی پریس پہلے تھا۔ اب یہاں مچھلی کی منڈی ہے۔



شیخ منگلو کا چھتہ | جامع مسجد کے جنوبی دروازے سے چلی قبر تک |

شیخ منگلو کون تھے کوئی جانتا بھی نہیں۔ جامع مسجد کے جنوبی دروازے کے سامنے یہ چھتہ ہے جس میں سے چوڑی والوں میں رستہ نکل جاتا ہے۔ اس چھتے کے پاس ہی۔

نواب فیض احمد خاں صاحب | کا دولت خانہ ہے۔ اسراں مردہ بھی کیا زمانہ تھا کہ دلی نوابوں جنگ دولاؤں کا مخزن تھا یا آج نام کو ڈھونڈے بھی کوئی نواب اہلی مفہوم میں نظر نہیں آتا۔ یہ نواب صاحب بھی

دلی کے نہیں کرنال کے رئیس ہیں۔ ہم اسی میں مگن ہیں کہ ہماری دلی کی ناک سلامت ہے کوئی نواب نظر تو آتا ہے۔ نواب صاحب مدوح شہر کے رئیس اعظم امیر ابن امیر بن تعلیم یافتہ ذی خلق صاحب مروت مسلمانوں کے ہی خواہ وہم دروہیں۔ آپ کے والد بزرگ دار نواب محمد نجف خاں صاحب رؤسائے کرنال ہیں سے تھے یعنی نواب احمد علی خاں صاحب اعظم کرنال کے بھانجے تھے۔ نواب محمد نجف خاں صاحب نے بہ مقتضائے وقت گورنمنٹ کی ملازمت اختیار کی۔ (۳۵) سال تحصیل دار اور ڈپٹی کلکٹر رہے۔ غدر میں دو تین لڑائیوں میں انگریزوں کا ساتھ دیا جس کے صلے میں سرکار سے جاگیر ملی۔ آپ ملازمت انگریزی سے کنارہ کش ہونے کے بعد سو لہا سال تک ریاست ٹونک میں ممبر کونسل اور حاکم اپیل رہ کر پٹنن یا ب ہوئے۔ ٹونک سے آکر چند ماہ کے بعد ۱۹۰۲ء کو وہ راستہ اختیار کیا جس پر

امیر و فقیر سب کو جاتا ہے۔ آپ سید محبوب علی صاحب کے قبرستان میں آسودہ ہیں کیا ہی اچھے ہیں وہ لوگ جو بعد مرگ بھی نیکی سے یاد کیے جاتیں۔ آپ کے خلف رشید نواب فیض احمد خاں صاحب ہیں جو اپنے والد ماجد کی نیکیوں اور خوبیوں کی ذمہ داری دیکھ رہے ہیں۔ دلی کے قحط الرجال میں آپ کا دم غنیمت ہے۔ قابلیت۔ لیاقت۔ شرافت۔ امارت۔ تہذیب و اخلاق ہر اعتبار سے دلی کے پیٹے سرمایہ مخزنانہ ہیں۔ اسی گلی میں مولوی سید محبوب علی صاحب کی مسجد ہے جو مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ آس بڑ پر گلی کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ چھوٹی گلی



مولوی عبدالمجید صاحب کے مدرسے کے سامنے ہوتی چاؤ ٹی بازار کے چھلے دروازے میں جاتھکتی ہو۔ دوسری شاخ چوڑی والوں کے بازار میں گئی ہو۔ یہ بازار ایک طرف اٹلی کی پہاڑی کے متصل ترابے سے جاملتا ہو دوسری طرف جوڑتے والوں کی مسجد سے آگے بڑھ کر جنوب کی جانب سیتا رام کے بازار سے جاملتا ہو اور غربی جانب میں سید صاحبین تل واس کے حمام۔ مطبخ مجتبائی اور مدرسہ طیبہ لوہے کے کارخانے پر سے گزرتا ہوا چاؤ ٹی بازار میں جاتھکتا ہو۔

## امام جی کی گلی

اس میں ہمیشہ سے جامع مسجد کے امام صاحبان رہا کرتے تھے۔

اس وقت نفس العلام سید احمد صاحب امام ہیں جن کو سرکار عالی

نظام رام پور اور بھوپال کی ریاستوں سے معقول وظیفہ ملتا ہے۔

امام صاحب حال کو حکام مقامی میں بڑا سوخا حاصل ہو۔ یہ خدمت جلیلہ امامت کی آپ کے خاندان میں عہد شاہ جاتی سے متوارث چلی آتی ہو۔ آپ سید صحیح النسب ہیں آپ کا سلسلہ دسویں پشت میں سید عبدالغفور شاہ امام السلطان بخاری سے ملت ہو۔

جو امام السلطان حضرت سید جلال الدین عرف سید جلال بخاری کی اولاد میں سے ہیں جو اپنے زمانے کے مشہور اولیاء المرتقے جس وقت شاہ جہاں یا دشاہ نے

جامع مسجد بنوائی جو سید المساجد اور نور علی نور ہو تو اس مسجد کے شایاں امام بھی متقی۔ پرہیزگار اور سیدالایمہ ہونا ضرور تھا۔ بخاری کے میں حضرت سید عبدالغفور شاہ کا

شہرہ تھا۔ شاہ بخاری کی وساطت سے ۱۰۶۵ھ میں نہایت اعزاز و احترام سے

طلب فرمایا اور ۱۰۶۶ھ میں منصب امامت پر ممتاز فرمایا اور دو گانہ عین الفطر کا سید صاحب کی

اقتدار سے ادا کیا اور خطبہ کے بعد دست خاص سے میں بہا خلعت دے کر امام السلطان کا

خطاب اور جاگیرات عطا ہوئیں۔ اس کے بعد تاقیام سلطنت مغلیہ ہمیشہ شاہانہ و بابر

اور جشنوں کے مواقع پر امام السلطان کے ساتھ مراسم اعزاز کی کا پورا کا طرہ ہوتا تھا۔

دست خاص سے خلعت مرحمت فرماتا۔ مذہبی گروہ میں تقدیم اور خطاب خاص کے

ساتھ مخاطب فرماتا۔ سبز لباس کی خصوصیت و مدار کی طرح باریابی جیب

خاص سے صاف کا عطا ہوتا یہ سب امام صاحب کی خصوصیات اس زمانے میں تھیں۔

اور رنگ زیبینے رسم تخت نشینی کا اقتدار بھی امام جامع مسجد سے کرایا اور خلعت ملتا

بہا دیا۔ یہی رسم ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ بادشاہ تک برابر قائم رہی ان کی تاجپوشی کی تقریب میر احمد علی صاحب امام وقت نے ادا کی۔ اس کے بعد غدر پڑا اور بساط اٹل گئی۔ میر احمد علی کے فرزند حال امام صاحب کے والد سید محمد صاحب سر سید احمد خاں کے رشتہ دار ان کے پاس چلے گئے۔ مسجد ضبط ہو گئی حب فتنہ فرو ہوا اور مسجد ضبطی سے واگراشت ہوئی تو امام جی اپنی آبائی خدمت پر بحال ہوئے سید محمد صاحب نے (۷۳) برس کی عمر میں ۳ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ کو انتقال فرمایا اور شاہ ولی اللہ صاحب کی درگاہ میں مدفون ہوئے۔ <sup>۱۳۱۹ھ</sup> <sup>۱۳۱۹ھ</sup> <sup>۱۳۱۹ھ</sup>

**ہوالغفور** تاسیخ وفات ہو۔ اس میں ایک مناسبت یہ ہو کہ آپ کے دادا کا نام <sup>۱۳۱۹ھ</sup> <sup>۱۳۱۹ھ</sup> <sup>۱۳۱۹ھ</sup> غفور شاہ تھا۔ ان کے بعد آپ کے فرزند اکبر مولوی حاجی سید احمد صاحب امام ہوئے جنہوں نے اپنے والد کی زندگی ہی میں ۸۸۲ھ سے امامت شروع کر دی تھی۔ اب امام صاحب حال اس گلی میں نہیں رہتے بلکہ محللی والوں میں رہتے ہیں۔ دلی کے منتخب لوگوں میں آپ کا شمار ہو۔ ایک فضیلت امامت مسجد جامع ہی کی آپ کے تفرز و احترام کے لیے ایسی کافی روانی ہو کہ دوسرے کسی اعزاز کو میری رائے میں اس پر تفوق دینا بترجیح بلا مرجع ہو۔

**منشی امیر الدین فیض قمر** امام صاحب کے موروثی مکان کے پاس ہی مانڈ سید منشی امیر الدین حنفی فیض قمر کا مکان ہو۔

آپ خط نسخ کے وحید العصر اُستاد تھے جو اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اب خط نسخ کے لکھنے والے بہت کم رہ گئے ہیں۔ فن خطاطی رو بہ انحطاط ہو۔ شیل نب کے واسطی قلم نے جگہ چھوڑ دی ہو۔ خط نسخ و نستعلیق جا کر اب بنشلینی گھسیٹ کی گرم بازاری ہو جو لوک پلاک کشش دوائر نشست الفاظ۔ تقطیع بانٹنی سے ماری ہو۔ نہ وہ روشنائی ہو جس کی صد ہا برسوں کے بعد بھی چمک مک ماند نہ ہوتی تھی نہ وہ خطاطی ہو جس سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور ہوتا تھا۔

کافی نویسوں کی قلت۔ خوشنویسوں کی سرد بازاری ٹٹپ کے واسطے رستہ صاف کرتی جاتی ہو۔ دوچار خوش رقم اور خوش قلم جو رہ گئے ہیں وہ بڑے پل چلاؤ پر ہیں ان کے بعد مطلع صاف ہو۔ پیٹ کے دھندوں ہی سے فرست

نہیں خط کو لے کر کیا چاہیں۔

آب ٹیٹا محل کی طرف چلے تو چٹلی قبر تک یہ گلیاں بنتی ہیں جن کے متعلق کسی خاص تذکرے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے ہاتھ کی طرف کوچہ رنگنا تھے واس۔ حویلی ہنجا ورخاں جس میں حسین بخش پنجابی کا مدرسہ ہے۔ بائیں ہاتھ کی طرف گلی کبابی۔ گلی عادل اچار والی۔ کٹڑہ گوکل شاہ جس میں

مولوی محمد حسین فقیر کا مدرسہ ہے اور ایک عالی شان مسجد بھی ہے۔ مسجد کی کرسی کو اونچا کروایا ادھر ادھر حجرے بیچ میں صحن میں بیضوی حوض

مولوی محمد حسین فقیر کی مسجد

اور مدرسہ

۱۳۲۲ھ

نہایت پاکیزہ۔ جمعہ جمعہ وعظ ہوتا ہے مولوی ابراہیم کا وعظ ہوتا ہے۔ اگلی گلی گڑھیا یا احمد علی خاں کی حویلی کہلاتی ہے۔ ادھر بھی مدرسے کا دروازہ ہے ایک کتبہ مسجد کے پیش طاق پر ہے اور

دوسرا مدرسے کے دروازے پر۔

مرفوع شرایں قصر ہدایت فلک محمد  
ایں جاشدہ محراب عبادت فلک احمد

ایں مدرسہ اذشان عطاے تو خدا یا  
در شکر غنی قول فقیر آسہ تارنج

یہ عبادت گاہ خاص عام مسجد بن گئی  
خوب زیار و نوق اسلام مسجد بن گئی

آمین بن یون حق در سن ناز و وعظ میں  
لکھ جناب مصطفیٰ کی سال بھرت اسے فقیر

پیش طاق پر ”دارالہدیٰ والوعظ مشتملہ ۱۳۲۲ھ

الوقف لا یموت“ لکھا ہوا ہے۔ یہ مسجد اور مدرسہ حسین بخش صاحب پنجابی سوداگر نے ۱۲۶۵ھ میں تعمیر کرا کر وقف کیا ہے جس میں علاوہ مسجد کے مدرسے کے لیے دالان اور طلباء

مدرسہ حسین بخش

۱۲۶۵ھ  
۵۱-۱۸۵۱

اور مدرسین کے لیے حجرے بنے ہوئے ہیں ”دارالہدیٰ والوعظ“ سے تاریخ نکلتی ہے۔ اس مسجد میں مولوی کرامت اللہ خاں صاحب ایک عرصے سے جمعے کے جمعے وعظ فرمایا کرتے تھے لیکن مولوی ابراہیم سے کچھ مخالفت ہو گئی مولوی صاحب نے بہتر یہی سمجھا کہ ع پائے مرا تانگ نیست ملک خدا تانگ نیست غرض تو فیض ہدایت سے ہے یہاں نہیں کہیں اور سہی اب قابل عطار کے کوچہ کی مسجد

میں وعظ فرماتے ہیں۔ دلی میں بیچ پوچھتے تو مولویوں میں سے سوائے مولوی کرامت الدخاں صاحب کے اب کوئی نہ رہا۔ آپ ہندو راؤ کے بارے میں تشریف رکھتے ہیں روز صبح کو کلام مجید کا ترجمہ مسجد میں بیان فرماتے ہیں بہت سن اور بیاریوں سے رنجور ہیں مگر بہت میں جوان اور عزم میں استقلال ہو برابر سلسلہ رشد و ہدایت کا جاری ہو۔ آپ عالم مستند۔ محدث و فقیہ ہیں۔ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا محمد یعقوب صاحب حدیث شریف کی سند حاصل کی ہو۔ سنہ ۱۳۰۸ھ میں ملک عرب کو گئے چھ مہینے حرمین شریفین میں مقیم رہے اور جناب مولوی حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت کی۔ اب خود وعظ فرماتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ آپ کے وعظ میں بڑا مجمع ہوتا ہو اور دل پر اثر ہوتا ہو لوگوں کو بے حد رقت ہوتی ہو۔ غرض یہ کہ آپ کا دم اس زمانے میں دلی کے لئے بسا غنیمت ہو۔

## ٹلیا محل عزیز آبادی کی حویلی اور مسجد

جامع مسجد جنوبی دروازے کے سامنے جو سڑک چلی گئی ہو وہ ٹلیا محل کا بازار کہلاتا ہو یہاں بچانہ دست راست اس نام کا ایک بڑا محل تھا۔ سابق میں کچھ مکانات امراء کے بھی رہے ہوں گے

اب تو معمولی لوگ رہتے ہیں اور یہ سارے کا سارا محلہ ٹلیا محل کے نام سے مشہور ہو گیا ہو۔ ٹلیا محل کی وجہ تسمیہ کچھ معلوم نہیں ہوتی۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب قلعہ بن رہا تھا تو شاہ جہاں بادشاہ کی عارضی اقامت کے لئے ٹلیا محل بنایا گیا تھا۔ بعد میں یہ محل نواب عزیز آبادی بیگم کو جو کسی شاہزادے کی بیگم تھیں دے دیا گیا۔ اور اسی سبب سے آگے چل کر وہ عزیز آبادی کی حویلی کہلانے لگا کیوں کہ ٹلیا محل ہی کے سامنے عزیز آبادی بیگم کی حویلی تھی جو مدت تک نواب مغل بیگ خاں کے تصرف میں رہی۔ اس حویلی کے احاطے میں ایک شکستہ مسجد تھی جس کو مولوی صدر الدین خاں صاحب صدر الصدور نے بہ صرفہ کثیر درست کرا کے ایک کنواں بھی کھدوایا۔ یہ مسجد وسعت میں اچھی خاصی ہو جس کا ایک گنبد اور دو مینار ہیں لیکن اس مسجد کا کوئی خاص نام نہیں ہے البتہ حویلی اور وہ احاطہ جس میں یہ حویلی ہے تاریخی لحاظ سے ایک بڑا مقام ہے کیوں کہ اس کے احاطے میں بعض بہت بڑا اتنی عمارتوں کے کھنڈ۔ ہیں اور لوگ انہیں کو ٹلیا محل کا بچا کچا حصہ بتلاتے ہیں۔ الغرض

بہادر شاہ ثانی نے یہ حویلی اپنے کسی پوتے کو دیدی۔ عذر کے بعد تمام مکانات شاہی ضبط ہوئے اور پھر فروخت کیئے گئے تو نواب صاحب دو جانے اس حویلی کو خرید لیا اور ٹیا محل اور عزیز آبادی کی حویلی دونوں نام جا کر اب یہ احاطہ نواب صاحب دو جانے کے نام سے مشہور ہو۔

ٹیا محل سے سیدھے ہاتھ پر مولوی صدر الدین خاں کی حویلی ہو جو ان سے پہلے ہزارہ بیگ کی حویلی کہلاتی تھی۔ مولوی صاحب نے اسے خرید کر نئے سرے سے بنوایا۔ یہ حویلی بہت خوش قطع ہو اور اس میں خانہ باغ۔ نہر فورے۔ سب کچھ تھا۔

## مولوی صدر الدین خاں کی حویلی

اب کین کے ساتھ وہ رونق بھی گئی اور کچھ بھی نہ رہا۔

مولانا مولوی صدر الدین خاں بہادر  
کسانیکہ راہ خدا داشتند  
چنیں خرقة زیر قباد داشتند

ایسے متجمع اوصاف حمیدہ اور خصائل برگزیدہ کے تھے کہ آج ان کا نام نیک اور شہرہٴ معدلت ضرب المثل ہو۔ خدا جانے اس دنی کی سدرین میں کیا برکت خداوند تعالیٰ نے رکھی ہو کہ ایک سے ایک بڑھ کر لائق و فائق فیض رساں عالم پیدا ہوتا ہو اور ہزاروں کو مستفید کر کے اپنا نام لیا اچھوڑ جاتا ہو۔ زمانہ جو فنا کرنے والا اور مٹانے والا ہو وہ بھی ان کی نیکیوں کو مٹا نہیں سکتا۔ بے شائبہ تکلف و بے آمیزش مبالغہ ایسا فاضل اور ایسا کامل سوائے سرگردہ علماء کے بساط عالم پر جلوہ گر نہ تھا۔ لباس فقر میں مصروف طاعت ہوتا اور فراغ عبادت کے لئے گوشہٴ خلوت اختیار کرنا امیروں کے لئے ایک بہت مشکل معاملہ ہو۔ عدل و انصاف و فریاد رسی عباد افضل عبادات ہی منصب صدارت کو اپنے ذمے لیا اور بلا رو و رعایت اور لگاؤ کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرتے رہے۔ لوگوں کے دلوں پر معدلت راست بادی۔ حق پڑ وہی۔ دیانت امانت کا نمٹنے والا سکہ بٹھا گئے۔ دل رنجور کے لئے مرہم کا فور ظالموں شرار کے لئے تادیب وہی میں مشہور۔ دیدہ و شوکت ظاہری سے ان کے دربار میں بارہنہ محال۔ کوئی زبان کھول سکے کیا مجال۔ باوجود مراتب بلند و مناسب ارجمند کے اخلاق

محمدی سے متصف۔ افادہ علوم و افاضت مسائل دین کے وقت ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو عام آزادی۔ نزوک ہر نہ ٹوک سینہ تھا یا علم کا گنجینہ نظم و شعر عربی و فارسی و اردو میں لاجواب کلام آپ کا انتخاب۔ عربی کے نظم و شعر مبلغ کا نمونہ ہم نے چھوڑ دیا فارسی اور اردو کی ایک ایک غزل کے چند اشعار نمونہ پیش ہیں۔ ناظرین پڑھیں اور مزہ لیں۔

آتش عشق فلک در دل و در جانم سوخت  
دل ز خوناب جگر سوخت مرگم سوخت  
پہنہ مرہم او مسر قیامت باشد

زانکہ از داغ و گردید کہ تو انم سوخت  
آخر ایں شعلہ بہ پیدایم و پنہانم سوخت  
عشق آن داغ کہ در سینہ سوزانم سوخت

لب بند ہو تو روزین سینہ کو کیا کروں  
ای دل تمام نفع ہو سوداے عشق میں  
ای جذب شوق رحم کہ مد نظر ہو یا ر  
کیا کچھ نہ کر دکھاؤں پر اک دن کے واسطے  
ناز و نگہ روش سبھی لاگو ہیں جان کے  
شب اس کو حال دل نے بتایا کچھ اس طرح  
وہ شاخ نخل خشک میں کتنے باغ میں  
لنا تو ایہ غیر سے ہو بہر مصلحت  
اچھا ہوا مکمل گئی آہ جویں کے ساتھ  
بے وقت آئی دیر میں کیا شوریں کریں

تھمتا تو مجھ سے نالہ آتش عیاں نہیں  
اک جان کا زیاں ہو سوا لیا زیاں نہیں  
جاسکتی داں تلمک نگہ نا تو ان نہیں  
لنا بھی ہم کو منصب ہفت آسمان نہیں  
ہو کون ادا وہ تیری کہ جو جانتاں نہیں  
میں لب تو کیا نگہ بھی ہوئی ترجاں نہیں  
دیکھے بھی بھول کبھی جسے باغیاں نہیں  
ہم کو تو سادگی سے تری یہ گماں نہیں  
اک قبر تھی بلا۔ تھی قیامت تھی جاں نہیں  
ہم پیر میر کو کہہ بھی نوجواں نہیں

آزاد وہ نے پڑھی غزل اک میکہ میں کل  
وہ صاف تر کہ سینہ پیر مغناں نہیں

در شب وصل تو اندیشہ ز سحر انم سوخت  
شکر ایزد کہ ز راہ شر را فشانم سوخت  
کہ سراپاے مرا خجلت عصیانم سوخت  
چوں مقابل شدہ با سینہ سوزانم سوخت

روز ہجران تو می سوخت مرا ستر وصل  
بیخ گرجہ خجافیشہ نمی ساخت بمن  
رحمت از بہر غدا ہم کش اسے نار جھم  
شرر دوزخ جانتاب ہے بود بلند

برگ و جمیعت دیوان جزا بر ہم خورد  
 باز آں بستر خارست وہاں بالشرنگ  
 بزم افروز شبستان نشدم آں شمع  
 دل پرورد و غناب جگر سوخت مرا  
 ہر نگہ کاں بت ترسا بچہ درکارم کرد  
 گوئیے کہ ز شیرب وزد و سبز کند  
 جنت از حسن تو و دوزخ از افغانم سوخت  
 سر شوریدہ من زانوسے یاد انم سوخت  
 نجت خوابیدہ سر خاک شہید انم سوخت  
 آنکہ یک عمر با و ساختہ ام آنم سوخت  
 آتشے بود کز دخر من ایا انم سوخت  
 خاست از ہند سوسے کہ گلستانم سوخت  
 گر ز آتش سختی پیچ کالم نضر و د  
 لیکن آزرده از دجان حسود انم سوخت

### غزل اردو

نالوں سے مرے کتے و بالا جہاں نہیں  
 قاتل کی چشم تر نہ ہو یہ ضبط آہ دیکھ  
 آنکھوں سے دیکھ کر تجھے سب مانا پڑا  
 کہتا ہوں کہ کچھ میں مکتل ہوں منہ سے کچھ  
 اکی بلبلاں شعلہ دم اک نالہ آہ بھی  
 اُس بزم میں نہیں کوئی آگاہ ورنہ کب  
 افسردہ دل نہ ہو در رحمت نہیں ہو بند  
 شیدی فولاد خاں کا بنگلہ  
 کس دن کھلا ہوا در پیر مغاں نہیں  
 تو کوئی صاحب کی حویلی کے پاس سیدھی جانب  
 شیدی فولاد خاں کا بنگلہ تھا۔ جو محمد شاہ کے عہد میں  
 شہر کا کوتوال تھا۔ مگر تین ہونٹیں کہ اُس بنگلے کا نام  
 و نشان تک نہ رہا۔ ہاں نام چلا جاتا ہے۔

چھتیا میم کا چھتہ  
 یہ بھی ایک محلہ ہے صحیح وجہ تسمیہ تو معلوم  
 نہیں ہوئی مگر نام پکار رہا ہے کہ کوئی کالی کلوئی  
 کر سٹانی رہتی ہوگی جس پر سے یہ نام پڑا۔



## نواب مصطفیٰ خاں کی حویلی

چھیا سیم کے چھتے میں سیدھی طرف بہت اچھا عالیشان مکان اور کمرہ نواب صاحب کا تھا جو اس کے بانی کی رفعت اور شان کو بتلاتا تھا لیکن اب کچھ نہیں رہا۔ متفرق چھوٹے چھوٹے مکانات بن گئے ہیں۔ ایک ہی کوپے کے دو نام ہیں کوئی چھیا سیم کا چھتہ کتا ہر کوئی نواب مصطفیٰ خاں کی حویلی۔

## سید رفائی صاحب کی مسجد ۱۲۳۲ھ

یہیں یہ مسجد ہی جو بہت قدیم ہے لیکن چوں کہ سید صاحب اس مسجد میں بہت رہے ہیں اور اس مسجد کی مرمت بھی کرائی ہے اس واسطے انھیں کے نام سے مشہور ہو گئی۔ یہ سید صاحب بڑے مقتدا اے روزگار تھے

اور ان کے ہاں ایک مجلس بنام حضرہ ہوا کرتی تھی جس میں یہ قید تھی کہ اس کے گرد پیش کوئی سورت نہ ہو۔ آپ کے مریدین کے ہاتھوں میں چھری ہوتے تھے اور وہ کلمہ طیبہ پڑھتے جاتے تھے اور ان پر ایک حالت بے خودی اور وجد کی طاری رہتی تھی آپ کا وصال ۱۲۳۲ھ میں ہوا۔ ۱۲۳۲ھ میں نواب مولوی احسان الرحمن خاں صاحب نے اپنی اہلیہ مرحومہ کی وصیت کے موافق اس مسجد کی مرمت کرائی اور تین بختہ و کانیں تعمیر کرائیں جن کے کرایہ سے مسجد کی نگہداشت ہوتی ہے۔ مسجد پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔

”محمد احسان الرحمن ابن مرحوم محمد یوسف الرحمن خاں حسب وصیت اہلیہ مرحومہ خود کاکین بختہ و حمام و متوضا و حجرہ و زینہ و غیر ذلک بر قطعہ زمین متعلقہ مسجد رفائی بنا کر دوبرائے مصارف مسجد وقف نمود ۱۳۰۶ھ“

## اعظم خاں کی حویلی اور مسجدیں

اب اس حویلی کا جو نواب اعظم کی بنائی ہوئی تھی پتہ بھی نہیں رہا بلکہ جو محلہ یاں آباد ہو وہ سارے کا سارا اعظم خاں کی حویلی کے نام سے مشہور ہے۔ اس محلے میں دو مسجدیں ہیں دونوں کا کوئی خاص نام نہیں صرف

محلے کے نام سے پکاری جاتی ہیں۔ ایک مسجد جس کے متولی منشی یعقوب علی میں کی محراب سٹلی پتہ تاریخ کنہ ہے۔ دوسری اولیا نام زین صاحبہ اور کمرہ دہشت رفت و بربستہ آرام تہ خاک بختہ



جو زماں دزراؤ گشت ہناسجد نو  
دل من سان تائیں ”سبب تمہیں“ گفت  
اسی محلے میں ایک چھوٹی مسجد نمبر ۱۶۷ اور بھی ہے جس میں کوئی خاص بات نہیں۔ ۱۲۹۱ھ  
اعظم خاں کی حویلی کے پھاٹک کے سامنے چتلی قبر ہے۔ یہاں سے ترکمان  
دروازے تک دو طرفہ یہ گلیاں ہیں۔ سید سے ہاتھ کی طرف پہاڑی راجان  
پہاڑی درزیاں۔ گلی کہار ان۔ گلی چمڑے والی چھوٹی بڑی۔ اٹلے ہاتھ کی  
طرف حویلی مہابت خاں جس کا صرف ایک دالان باقی رہ گیا ہے۔

**چتلی قبر**  
چتلی قبر سے ازبالاے ترکمان دروازہ تا بلبللی خانہ  
اسی قبر کے نام سے محلہ اور بازار مشہور ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ مرزا  
سید روشن صاحب شہید کا ہے جو کوئی بڑے بزرگ تھے۔

اور کوئی چھ سو برس سے یہاں ہے۔ حال میں یہاں ایک کتبہ ۱۲۹۱ھ کا لگا دیا ہے۔  
وجہ تسمیہ چتلی قبر کی یہ ہے کہ اس پر مختلف رنگوں کے نقش و نگار ہیں۔

**حسین الدین حسنا کا**  
اسی کے قریب سید جلال الدین کی قبر ہے جو ایک مکان کے  
اندر آگئی ہے۔ آپ سید روشن شہید کے برادر زاد  
تھے آپ کا عرس ۸ شعبان کو ہوتا ہے۔ ایک جانب

ترکمان دروازہ اور یہ جگہ جو چتلی قبر اور اعظم خاں کی  
حویلی کے بیچ میں ہے تراہا ہو گیا ہے اب ہم پہلے ترکمان دروازے کا حال لکھتے ہیں  
اسی محلے میں آپ کی خالقاہ اور قبر ہے۔ آپ کا اصلی نام مولانا  
امام الدین تھا مگر مشہور میر محمدی ہی کے نام سے تھے۔

**میر محمدی صاحب کی**  
مرزا سلیم خلف اکبر ثانی بادشاہ آپ کے معتقد اور  
محبوب تھے۔ جب آپ کا وصال ۱۲۲۲ھ میں ہوا

**خالقاہ**  
تو مرزا سلیم شاہزادے نے فرط عقیدت سے آپ کو اپنے مکان کے صحن میں  
دفن کیا جب اب مرزا محمدی کی خالقاہ کے نام مشہور ہے ایک اونچے چوڑے پر تین  
قبریں بنی ہوئی ہیں۔ مشرقی جانب کی قبر میر صاحب کی ہے۔ درمیانی مرزا سلیم شاہ کی  
اور مغربی جانب مرزا صاحب کی اہلیہ خسرو زانی بیگم کی اور باقی چار قبریں آپ کے مریدوں کی

ہیں۔ پہلے میر صاحب کا عرس بھی ہوتا تھا اب کچھ عرصے سے موقوف ہو۔

اس محلے میں عہد مغلیہ کی ایک قدیم مسجد ہے جو شاہ آفاق کی مسجد مشہور ہے۔ یہ مقام پہلے ایک تسبیح خانہ تھا جہاں بعد میں مسجد بنادی گئی اور کچھ حال معلوم نہیں۔

میر ہاشم کی حویلی  
شاہ آفاق شاکی مسجد

میر محمدی کی خانقاہ کے آگے دست چپ کو شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ ہے۔ آپ سادات علوی اور اولیائے کرام میں سے تھے۔ آپ کا اصلی وطن موضع قتالہ امرتسر کے قریب ہے۔

شاہ غلام علی شاکی  
خانقاہ ۱۱۹۵ھ

آپ کے والد شاہ عبداللطیف صاحب

شاہ ناصر الدین قادری علیہ الرحمۃ تھے مرید تھے جن کا مزار عید گاہ محمدی کے پیچھے شیشہ پورے میں ہے۔ شاہ صاحب کے پیدا ہونے کے اول آپ کے والد نے حضرت علی کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں کہ تیرے ہاں لو کا ہوگا اس کا نام میرے نام پر رکھنا اور آپ کے عم بزرگوار نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا کہ عبداللہ نام رکھنا اس لیے آپ کا نام عبداللہ عرف غلام علی ہوا۔ آپ ۱۱۵۵ھ میں تولد ہوئے۔ مظہر جو "تاریخ ولادت ہے

آپ جب سو گھبراہٹ کے ہوئے تو آپ کے والد نے شاہ ناصر الدین صاحب سے بیعت کرنے کو بلایا مگر جس رات آپ دہلی پہنچے اسی دن ان کا وصال ہو گیا اس کے بعد آپ نے مرزا مظہر جان جاناں سے بیعت کی اور ان کے بعد آپ ہی سجادہ نشین ہوئے۔ آپ نے ہمیشہ توکل سے بسر کی سیکڑوں زبان خدا کھانا کپڑا اپنے سر رکھا۔ فقہ تفسیر و حدیث کا درس دیتے تھے سالہا سال اسی طرح دروازہ فیض کھلا ہوا اور چشمہ خیر کا جاری رہا ۲۲ صفر ۱۲۰۴ھ ہفتے کے دن سفر آخرت اختیار کیا اور خانقاہ میں اپنے مرشد کے برابر دفن ہوئے نور اللہ مصلح عالمہ تاریخ وفات ہے۔ آپ کے بعد شاہ ابوسعید صاحب مجددی چلین ہوئے جن کا سلسلہ منصب حضرت مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے۔ پھر آپ حج کو گئے

لوٹتیوں کو ٹنک میں انتقال ہوا نعلش دلی لائی گئی اور اپنے پیر کے پہلو میں آسودہ  
 ہیں۔ ولادت آپ کی مصطفیٰ آباد عرت رام پور اور یہ مصر عرتا سنج ہو۔ ع۔ حافظ و عالم  
 دلی یاد۔ عید کے دن کہ روز شنبہ تھا ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی یٰلَیْلِ رَا اللّٰهُ مُصْجِعًا  
 تاسیخ وفات ہو۔ آپ کے چار صاحب زادے تھے۔ آپ کے بعد بڑے  
 صاحب زادے شاہ احمد سعید صاحب مجددی ستجاوہ نشین ہوئے۔  
 منظر یزدان تاسیخ ولادت ہو۔ آپ حافظ تھے۔ مولوی فضل امام اور مفتی شرف الدین  
 وغیرہ اسے علوم عقلیہ اور مولوی رشید الدین خاں صاحب اگر مولنا شاہ عبدالعزیز  
 صاحب سے حدیث پڑھی اور خود مولنا شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین بھی  
 شرف تلمذ تھا۔ بعد آپ کعبۃ السد گئے ۲ ربیع الاول ۱۲۵۰ھ میں  
 ظہر اور عصر کے بیچ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور حضرت عثمان غنی کے رونے کے  
 قریب مدفون ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے برادر اصغر مولنا شاہ عبدالغنی  
 ستجاوہ ہوئے۔ جن کی ولادت ۵ شعبان ۱۲۳۰ھ ہو۔ پندرہ سال کی عمر میں مکہ معظمہ  
 جاکر شیخ محمد عابد سندھی مدنی سے علم حدیث حاصل کیا۔ حج سے واپس آکر مولنا  
 شاہ اسحق صاحب نبیرہ شاہ عبدالعزیز صاحب سے تکمیل کی۔ علم حدیث کا  
 درس دینے لگے۔ آپ کے ارشد تلامذہ میں مولنا رشید احمد صاحب  
 گنگوہی مشہور محدث اور عالم ہیں۔ غدر کے بعد آپ نے ہجرت فرمائی اور بمقام  
 مدینہ منورہ ۱۲۹۶ھ انتقال فرمایا شاہ احمد سعید صاحب کے قریب مدفون ہوئے  
 شاہ احمد سعید صاحب کے پوتے شاہ محمد معصوم صاحب سے جو  
 ۱۲۶۴ھ میں اسی خانقاہ میں پیدا ہوئے تھے بعد حج کو گئے دس حج ادا کیے  
 اور بیس برس کے بعد پھر ہندوستان میں آئے۔ نواب کلب علی خاں صاحب رئیس  
 مے بلا لیا اور علی مدہ پڑے۔ مولنا شاہ محمد عمر صاحب فرزند دوم شاہ  
 احمد سعید صاحب کے صاحب زادے مولنا شاہ ابوالخیر صاحب اس وقت  
 ستجاوہ نشین ہیں جو ۱۲۵۲ھ میں اسی خانقاہ میں پیدا ہوئے۔ حافظ قرآن ہیں۔  
 غدر میں بیت اللہ تشریف لے گئے مولانا رحمۃ اللہ صاحب کراچی مہاجر گئی اور مولوی  
 سید حبیب الرحمن صاحب مہاجر اور سید احمد صاحب کئی سے علوم متداولہ میں کامل

لیاقت حاصل کی۔ کبھی کبھی شب کو حدیث شریف کا درس بھی دیتے ہیں اکثر ترجمہ کلام پاک بیان فرماتے ہیں۔ خلوت پسند زیادہ ہیں جلوت سے گھبراتے ہیں سوا اپنے مریدوں کے جو زیادہ تر افغان لوگ ہیں دوسروں سے ملنے میں تاثر کرتے ہیں چنانچہ خانقاہ کا دروازہ بھی اکثر بند رکھتے ہیں۔ اس احاطے میں خانقاہ۔ ایک مسجد اور چند حجرے ہیں۔ محن خانقاہ میں چار قبریں ہیں۔ جن میں سے تین تو ایک اور بچے چوڑے پر ہیں اور ایک نیچے بجانب مشرق۔ چوتھے کے وسط میں شاہ صاحب کا مزار ہو۔ مشرق میں مرزا منظر جان جاناں کا جو شاہ صاحب مرشد تھے اور مغرب میں شاہ ابو سعید کا جو شاہ صاحب کے مرید تھے۔ چوڑے کے نیچے والی قبر مولوی رحیم بخش کی ہو جو شاہ ابو سعید کے خلیفہ تھے اور جب شاہ صاحب مکہ معظمہ تشریف لے جاتے تھے تو آپ ہی خانقاہ کے نگراں رہتے تھے۔ آپ کی قبر صرف آیات کلام اللہ منقوش ہیں۔ مسجد اور قبروں کی مرمت حال میں ہوئی ہو اور ہاں تین کتبے حسب ذیل ہیں:-

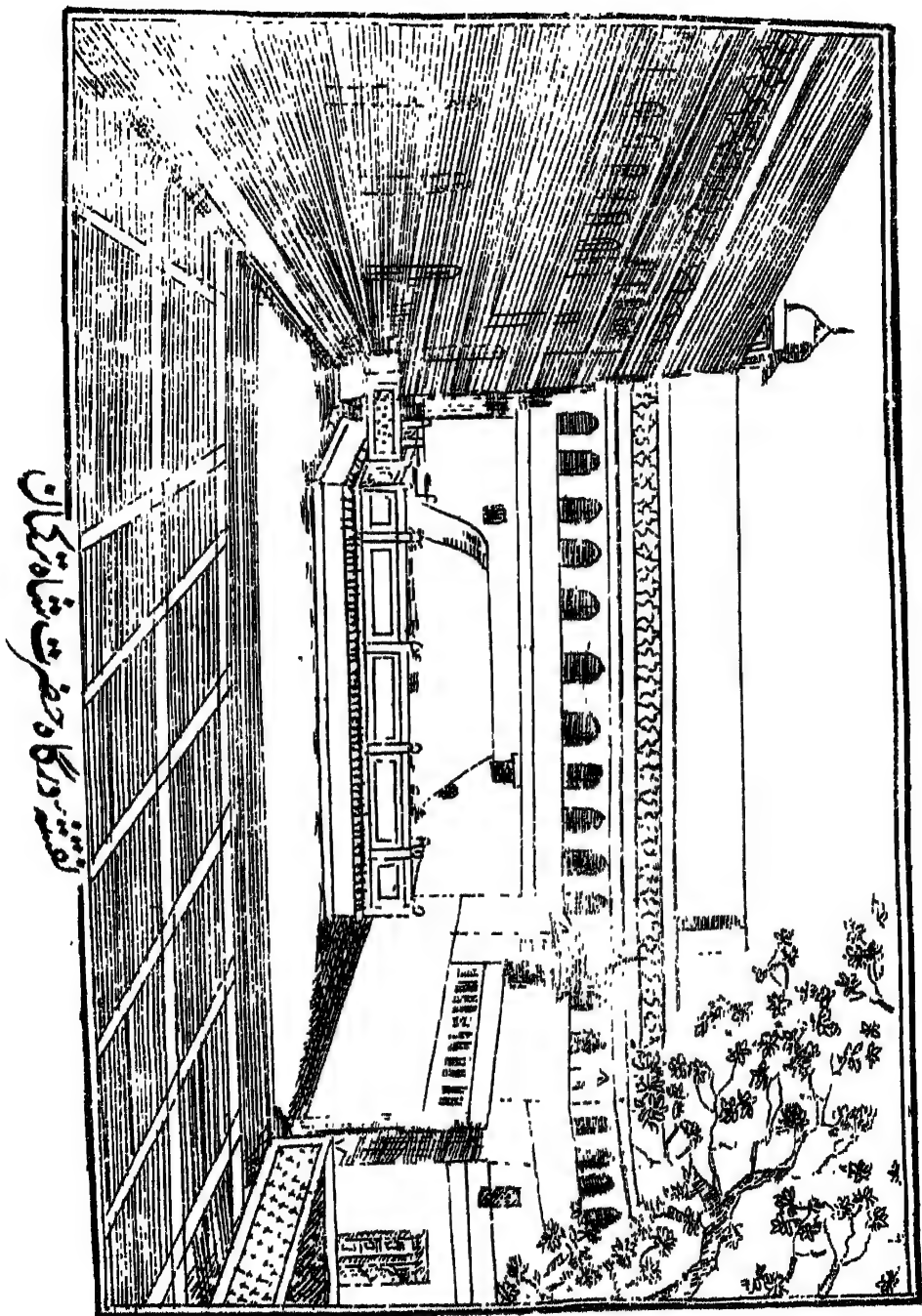
- (۱) مرزا حضرت مرزا جانان منظر شہید قدس سرہ ۱۱۹۵ھ تاریخ دہم محرم۔
  - (۲) مزار حضرت شاہ عبداللہ معروف بہ شاہ غلام علی قدس سرہ ۱۲۰۵ھ تاریخ ۲۲ صفر۔
  - (۳) مرزا حضرت شاہ ابو سعید احمدی قدس سرہ ۱۲۰۵ھ تاریخ یکم شوال۔
- مرزا منظر جانان شہید ایک مشہور شاعر ہونے کے علاوہ بڑے مقدس بزرگ بھی تھے۔ آپ سادات اور خاندان تیموریہ سے تھے۔

بھوجلا پہاڑی

و اسی جانب بھوجلا پہاڑی کی گلی ہو جو بھلی خانہ اور شاہ ترکمان کی طرف جا نکلتی ہو۔ اس میں متعدد گلیاں بیچ در بیچ ہیں۔ گلی مشعل پچیاں گلی حاجی سید احمد حسن۔ گلی نل والی۔ گلی پیل والی۔ گلی اند میری۔ گلی پہاڑی کشمیریاں گلی جھوت والی۔ موم گروں کا چھتہ اسی خانقاہ کے بالمقابل جانب دست راست موم گروں کا چھتہ ہو۔ یہ بھی دلی کا ایک محلہ ہو۔

شاہ کلن کی ڈگڈگی

خانقاہ کے پاس یہ بھی ایک محلہ ہو۔ اصل جگہ شاہ کلن کی ڈگڈگی کہلاتی ہو وہ ایک والان تھا جس میں ایک



نقشه درگاه حضرت شاه ترکان

ایٹ اور چوٹے کی پختہ بنی ہوئی ہے۔ جس کا تعویذ نہایت نفیس اور مٹلی سنگ مرمر کا ہے  
اس پر یہ کتبہ ہے۔

ووهبنا له اسحق و يعقوب وجعلنا في ذر يته النبي و الكتاب و آتينا ه في الدنيا  
وان في الاخرة لمن الصالحين

ہذا مرقد اسحاق بیگ مخاطب تحقیق تھا ۱۰۷۸

اللهم اغفر له ولوالديه

اگر دل ز غبار جسم اگر پاک کنی۔  
تو روح مجر دی بر افلاک شوی  
عرش ست نشین تو شرمست باوا  
کافی و مقیم خطہ خاک شوی

درگاہ حضرت شاہ ترکان

شمس العارفین بیابانی  
۶۳۷ھ  
۱۲۴۰ء

مسلمان فاتحین کے ساتھ جو بڑے بڑے علماء اور مشائخین سرزمین دہلی پر تشریف  
لائے تھے اور جن کے مریدین اور معتقدین کا ایک وسیع حلقہ ان کے تابع فرمان اور  
پیرو ہدایت تھا ان میں حضرت شاہ ترکان صاحب بھی ایک بڑے پائے کے  
بزرگ تھے۔ آپ کا اسم شریف شمس العارفین تھا اور بیابانی اس وجہ  
سے مشہور تھے کہ آپ تارک الدنیا تھے اور اکثر صحرا و بیابان میں بسر اوقات فرماتے  
تھے بائیں ہمہ لوگ آپ کو گھیرے رہتے تھے اور آپ کے معتقدین کا ایک بڑا جھگڑا  
گروہ تھا۔ آپ کا مزار شریف اندرون شہر دہلی ترکان دروازے کے پاس ہے۔  
چنانچہ ترکان دروازہ آپ ہی کے نام نامی سے مشہور ہے۔ درگاہ مخاطب ہی مگر محبت نہیں  
ہر دیر سما ہے۔ کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں جہناہیں بہتی تھی۔ الغیب عند المر۔ آپ  
سہروردیہ خاندان کے سلسلے میں تھے جب حضرت خواجہ قطب الدین گنگوہی  
مشہور ہو تو آپ کا سن شریف ۷۸۷ سال کا تھا۔ آپ کا وصال ۸۴۲ رجب المرجب  
میں بزمان سلطنت معز الدین بہرام شاہ ہوا۔ آپ کا عرس شریف ۱۱ فروری ۱۲۷۳  
اب تک سالانہ ہوتا ہے اور بہشت کا میلہ بھی ہیں لگتا ہے۔ آپ کا مزار شریف چھوٹے  
سمیت سنگ مرمر کا ہے۔ قبر کے گرد ایک پست کٹھرا ہے۔ آپ کے احاطے میں آمد

چند قبریں بھی ہیں جو آپکے مریدوں کی ہیں۔ کہتے ہیں آپ کی درگاہ معزالدین بہرام شاہ کی بنوائی ہوئی ہے لیکن بادی النظر میں قبر اور چوترا دونوں زمانہ بابت کی تعمیر معلوم ہوتے ہیں یہاں سے آگے چل کر ڈوموں کی گلی۔ گلی گڈریاں۔ گلی گدھے والاں۔ سیدھی طرف گلی میر مالی۔ گلی ماسٹر شیو پرشاد۔ گلی ڈکوتاں۔ کلیان پورہ۔ احاطہ میر بھکاری بائیں ہاتھ کو اور اس سے آگے ترکمان دروازہ آجاتا ہے۔

ترکمان دروازے کے پاس ہے۔ قہیم خلیہ  
عہد کا بنا ہوا عالی شان دروازہ ہے۔ یہ بھاٹک

## پھاٹک حلی نواب مظفر خاں

درہل سید مظفر خاں کی حلی ہے جو عہد شاہجہانی کے امیر کبیر تھے۔ اب حلی کا پتہ نہیں اندون احاطہ محلہ آہا دیو گیا ہے اور متفرق لوگ جن میں تسلیم کا غلبہ ہے بستے ہیں۔ خاں جہاں لودھی نے ۱۶۳۸-۳۹ء میں بغاوت کی۔ نواب مظفر خاں لڑے اور خان جہاں کو قتل کیا۔ پنج ہزاری منصب اور اسی قدر سوار لے اور خان جہاں کا خطاب سرفراز ہوا۔

یہ مسجد اندرون شہر دہلی محلہ بلی خانہ اور ترکمان دروازے کے پاس بہت بڑی اور قدیم عمارت ہے۔

## کلاں مسجد (عرف) کالی مسجد

۷۸۹ھ  
۱۳۸۷ء

جو جو مان شاہ الخاطب بہ خان جہاں ابن خان جہاں وزیر اعظم نے فیروز شاہ بادشاہ کے عہد میں

۷۸۹ھ میں بنائی ہے۔ اہل میں کلاں مسجد ہے جسے عوام نے بگاڑ کر

کالی مسجد کر لیا ہے اور ایک اعتبار سے کالی مسجد بھی سمجھ ہے کہ بسبب کنگی کہ باہر وار ساری عمارت پر کالی جم کر کالی ہو گئی ہے۔ مسجد ایک مستطیل عمارت ہے جو (۲۸ فٹ) لمبی اور (۱۳ فٹ)

چوڑی دیواروں کے آثار بہت بڑے یعنی چھ فٹ کے ہیں۔ اس مسجد کو موقع اور

محل ایسا بہتر ملا ہے اور ایسی بلند کرسی دی گئی ہے کہ سوائے جامع مسجد اور قلعے کے اور

کوئی عمارت اس شان و شوکت کی شہر میں نہیں ہے۔ یہ مسجد دو منزلہ ہے۔ پہلی منزل کی

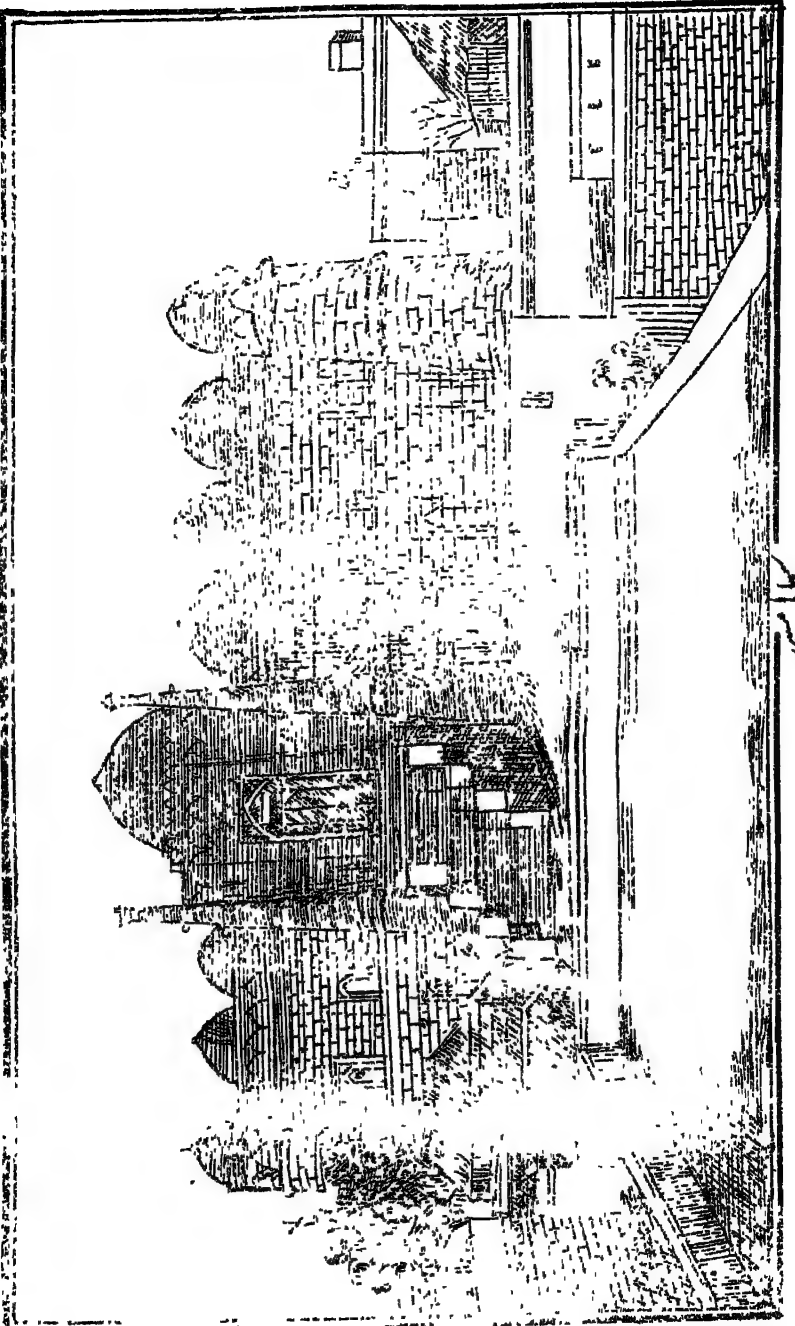
کرسی (۲۸) فٹ ہے جس میں متعدد دو کائیں کرایہ کے واسطے بنائی گئی ہیں۔ دیوار سے

لی ہوئی کوٹھڑیوں میں دروازے اور ایک ایک سیڑھی ہے اور جہر جوں کے نیچے

ہیں ان میں اٹھارہ ہی اندر راستے ہیں۔ بالائی حصہ کنگنی تک (۳۸) فٹ اونچا ہے۔



۴۹





دونوں حصوں کی بلندی ملا کر ۶۶ - یہ مسجد اس مال مسالے کی بنی ہوئی ہو جو عہد فیروز شاہی میں مستعمل تھا۔ بنیاد کے پتھر بہت بڑے بڑے بن گھڑے ڈھیم کے ڈھیم ہیں جو نہایت عمدہ سالے دارچونے سے جوڑے گئے ہیں جو ایسے پیوست ہو گئے ہیں کہ چھت کے گنبد کا سارا بوجھ ان ہی پر ہو اور یہ سالے ہی کی خوبی ہو کہ پتھر جو بے قاعدہ لگائے گئے ہیں حتیٰ کہ محرابوں میں ڈائیں تک نہیں لگائی گئیں مگر اب تک کسی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہیں کھائی۔ اس کا مسالا اور چونے کی طیار سی اس خوبی کی ہو کہ خدا جانے اس میں کیا کیا ملا دیا ہو کہ چوننا پتھر اور اینٹیں سب ایک چرم ہو گئے ہیں اور چونے کی ایسی درہ دست پکڑ ہو اور ایسا ایک جان کر دیا ہو کہ چونے سے اینٹ یا پتھر کسی طرح جدا نہیں ہو سکتا۔ مسجد کے اندر اور باہر دونوں رخوں کی استرکاری بہترین مسالے سے کی گئی ہو۔ دروازے کے پاس کی بجی کچی استرکاری کو غور سے دیکھنے سے کچھ کچھ نشان مل ہی مائل نیلے رنگ کا معلوم دیتا ہو جو غالباً کوئلے اور ناریل کے تیل۔ اور دوسرے مسائل طیار گیا گیا تھا۔ اب استرکاری کا بہت تھوڑا حصہ دست برد زمانے سے محفوظ رہا ہو اور جو کچھ اب تک قائم ہو وہ مسجد کے اندر اور باہر جہاں نگہداشت اچھی ہو اور وقتاً فوقتاً سفیدی بھی ہوتی رہتی ہو۔ گنبدوں اور چھت کی کچھ جگہ تک مٹی کا حالہ قائم ہو وہ مسالے کی عمدگی ہو۔ غرض مسجد اب بھی مستحکم ہو اور موجودہ حالت میں بہت اچھی ہو اور جہاں کہیں چھلیں لگائیں مین دیواروں کی جڑوں میں پتھر محل گئے ہیں ہاں اینٹیں لگا کر داغ دوزی کر دی گئی ہو مسجد میں جانے کی ۲۵ سیڑھیاں ہیں اور دوسری سیڑھیاں پٹے ہوئے دروازے میں داخل ہونے کی ہیں۔ دروازے اور محرابوں کے ستون سب ہی بھاری بھاری بن گھڑے پتھروں کے بنے ہوئے ہیں جیسے کہ اس زمانے میں عموماً عمارات میں لگائے جاتے تھے جس کی تفصیل کہتاں کائی صاحب نے کی ہو اسی پتھر کی دو دو انچہ سے بھی کچھ زیادہ موٹی سلین چار چار فٹ مربع مسجد کے صحن میں بچھی ہوئی ہیں اور اسی قسم کی بھاری بھاری سلین جمجھوں میں لگائی گئی ہیں اور اسی پتھر کے توڑے بھی ہیں ان توڑوں اور ستونوں پر نقش و نگار بھی بنے ہوئے ہیں تیجھے کے اندر اور توڑوں کے اوپر سنگ سرخ کی تحریر ہو جیسا کہ عموماً شمالی ہندوستان میں رواج ہو لیکن فیروز شاہ کے زمانے میں اس قسم کی تحریر دیکھنے میں نہیں آئی البتہ اس زمانے سے اتنی یا سو برس پہلے قطب مینار ہوئی مسجد

خدا سے براں بندہ رحمت کند ہر کہ دریں مسجد (۴) بیاید بدعا خیر بادشاہ مسلمانان و ایں بندہ بغفلتہ  
واخلاص یاد کند حق تعالیٰ ایں بندہ را بیا مرزود (۵) بحرۃ النبی دالہ مسجد مرتب شد بتاریخ دہم ماہ چاندی الخ  
سنۃ تسع و ثمانین و سبعمائتہ -

کتبہ کے دیکھنے سے ابھی معلوم دیتا ہوں کہ حروف کھودتے وقت دواڑ کشوں میں چھوٹے  
چھوٹے گول گول سوراخ بنا کر ان میں سیسا پلا دیا گیا ہے اور بعد سطح ہموار کر دی گئی ہے اور اسی چو  
سے حروف خوب جم کر دیے پائے اور مستحکم ہو گئے ہیں لیکن پھر بھی زمانے نے تباہی کا ہاتھ  
دکھلایا ہے دکھلایا جا بجا سے سیسا جھڑ گیا ہے اور پہلی اور دوسری سطر کے دو تین حروف جھڑ گئے  
ہیں باقی اب تک بدستور قائم ہے۔ مسجد میں داخل ہونے کا راستہ ایک چوکوں ٹیڑھی  
۱۴۰۰ الف و ۱۴۰۰ الف کی ہے جس کے اوپر گنبد ہے۔ اس ٹیڑھی کے دو دروازے پرانی  
وضع کی چولوں پر تھے۔ ایک اندر وار ہے اور دوسرا باہر وار۔ اب دروازے تو  
رہے نہیں صرف چولیں باقی ہیں جو بہت قدیم ہیں جن کی بھٹی بناوٹ اور بیٹنگم کام  
سے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ دروازہ غالباً مسجد کی بنائے سے بھی پہلے کا ہے۔ مسجد کا صحن طویل میں  
ساٹھ فٹ اور عرض میں اڑھتالیس فٹ گچ کا بنا ہوا ہے جس کے چاروں طرف دالان ہیں  
جن کا کچھ بڑی بھاری چوڑی اور موٹی سلوں کا ہے جو بھٹے توڑوں پر ٹکا ہوا ہے۔  
صحن مسجد میں تین مردانی اور ایک زنانی قبریں ہیں۔ تین قبروں کے سرابنے چرخ دا  
ہیں لیکن بظاہر یہ قبریں ایسی پرانی نہیں معلوم دیتیں جیسی کہ روایت کی جاتی ہے کہ خان جہاں  
باپ اور اسی کے ہم نام اس کے بیٹے کی ہیں۔ یہ قبریں اینٹوں کی ہیں اور اینٹوں کا  
ہونا کچھ عجیب نہیں کہ خود سلطان محمد تعلق بانی خاندان تغلق کا مقبرہ بھی اینٹوں ہی کا بنا ہوا  
ہے۔ ان قبروں پر کوئی کتبہ نہیں جس کوئی ٹھیکہ راقیم کی جاسکے کہ کن کی ہیں اور کس  
زمانے کی ہیں۔ مسجد کی اصلی عمارت مغرب کے رخ پر ہے۔ جس کے تین دالان ہیں اور  
جو قریب گے ہیں ہر گہ میں پانچ پانچ در ہیں اور جنوب شمال کے دالانوں میں چار چار در  
اور مشرق کی طرف چار در اور ایک دروازہ جس میں ایک سلسلہ محرابوں اور گنبدوں کا ہے  
جو چھ دہرے اور اٹھارہ اکہرے ستونوں پر گئے ہوئے ہیں اور اسی طرح تین طرف  
دہار دو ستون ہیں۔ پندرہ گنبد تو اصل مسجد کے تہرے دالانوں پر ہیں جن میں سے  
۱۴ اب صحن مسجد میں کوئی بھی قبر نہیں ہے غدر کے بعد سب صاف کر دی گئیں۔ ۱۴

پنج کانبد اور گنبدوں سے تین فٹ اونچا ہے۔ اور اسی طرح شمال رویہ والاں پر پانچ اور جنوب رویہ والاں پر پانچ اور مشرق رویہ والاں پر چار اور صدر دروازے پر ایک سب ملا کر تیس گنبد ہیں۔ مغرب اور صدر والاں کے شمال اور جنوب یا کچھ حصے میں اور مغرب میں سلسلہ لداؤ کی گیلری ہو جس میں روشنی اور ہوا کے لیے بڑی بڑی سنگیں جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ اور اسی سلسلے میں مسجد کے چاروں کونوں پر ایک ایک حجرہ بھی ہے۔ اس چھتے کے مغرب کے رخ پر پچھیت کی طرف تین کوٹھڑیاں نکالی گئی ہیں جن میں سے بیچ کی کوٹھڑی سب سے چھوٹی ہے۔ اس رستے کے اندرونی دیوار میں اور اس میں داخل ہونے کے دروازے کے دائیں اور بائیں اوپر چڑھنے کا زینہ ہے۔ مسرت دس اینڈ کوپ نے اس عمارت کی نسبت حسب ذیل ریا رک کیا ہے۔ اس عمارت کا گاؤ دم طرز یعنی نیچے سے چڑھ اور اوپر سے پتلا اس زمانے کی قدیم عمارت کا ایک خاص طرز تھا۔ گاؤ دم ستون جو صدر دروازے کی دونوں جانب ہیں ان سے اس عمارت کا روکا باکل مصری طرز کا معلوم دیتا ہے اور یہی طرز اہل ہند کی قدیم عمارتوں میں بھی پایا جاتا ہے جس کی بابت عام خیال ہے کہ اس ملک میں مصریوں ہی سے لیا گیا ہے۔ اس عمارت کے باکل سیدھے سادے ستون اور سردل جو محرابوں کو تھامے ہوئے ہیں وہ نہایت غور سے دیکھنے کے قابل ہیں جن میں بعض جگہ ایک اور اکثر جگہ دو کھڑے پتھر یا ستون ایک تیسرے پتھر پر لگا دیا گیا ہے اور جس کے اوپر جو تھا پتھر بطور سردل کے رکھا گیا ہے۔ محرابوں اور گنبدوں کی عجیب و غریب ساخت اور وہ غیر معمولی گرفت کا مسالا جس سے بدون ٹوٹ کے یہ بھاری بھاری پتھر قائم ہیں یہ طرز بھی چودھویں صدی کے مسلمان بادشاہوں کی تعمیر کا تھا، مسجد کے موقعی حالت سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ مسجد ایک گنجان حصہ آبادی میں بنائی گئی تھی اور جہاں کے اب شہر دہلی آباد ہے یہ مقام یا تو فیروز آباد کے مضافات میں یا شہر فیروز آباد کا خود ایک جزو تھا۔ بشپ سیر اس مسجد کی نسبت لکھتے ہیں کہ کلاں مسجد ایک چھوٹی سی عمارت ہے جس میں کوئی بات بجز اس کی سادگی۔ استحکام۔ اور بڑی قدامت کے توجہ کے قابل نہیں ہے۔ طرز عمارت خاص افغانان فاتحین کا ہے جو قدیم زمانے کے مسلمانوں کی سادگی کا ایک (نمونہ) نمونہ ہے۔ یہ مسجد ملک عرب کی مسجدوں کا ایک نمونہ ہے جس کے صحن کے اطراف والاں ہیں اور جس کی چھت تمام لداؤ کے چھوٹے چھوٹے اور

نہایت مضبوط گنبدوں سے بنی ہوئی ہر جو ایک بالکل سادہ نمونہ ہے جس کی تشبیہ ہم قدیم زمانے کے تار من لوگوں کی عمارات سے دے سکتے ہیں۔ اس مسجد میں مینار نہیں ہیں۔ موزن چھت پر چڑھ کر اذان دیتا ہے فیروز شاہ تغلق نے اسے آخری حصہ عمر میں کئی ایک بڑی بھاری بھاری مسجدیں بنوا کر بڑا نام پیدا کیا ہے۔ یہ مسجدیں خانہاں وزیر اعظم اور اس کے بیٹے جو نانشہ کی بنوائی ہوئی ہیں جو خود بھی وزیر تھا اور جسے اپنے بچے کا خطاب ”خانہاں“ بھی ملا تھا۔ مسٹر ٹرملٹ لکھتے ہیں کہ ”خانہاں اور اس کے بیٹے نے بہت سی عمارتیں بنانے کی وجہ سے بہت بڑی شہرت حاصل کی جس کا مرتبہ بنا سے عمارات کے لحاظ سے بادشاہ کے بعد ہی قرار پاتا ہے۔ البتہ یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ان پست والائوں کی عمارتوں میں جن کے اوپر نصف دائرے اور چھوٹے قطر کے گنبدوں کی قطاریں ہیں اس طرح کہ ایک گنبد دوسرے بالکل چسپیدہ ہو گیا ہے اور کہیں کہیں دروازوں پر ایک بڑا گنبد بھی بنا دیا ہے کیا خوبی ہے“ یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اب جو یہ مسجدیں کالی کالی بھیانک نظر آتی ہیں ان پر اس زمانے میں رنگ کی استرکاری ہوگی جو امتداد زمانے اور موسمی اثرات سے کالی پڑ گئی۔ مسٹر اے۔ اے۔ رابرٹس لکھتے ہیں کہ عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ خانہاں اور اس کے بیٹے (جو نانشہ) نے حسب ذیل سات مسجدیں بنوائی ہیں۔

- (۱) دہلی سے آٹھ میل بجانب جنوب موضع کھڑکی میں ایک بہت بڑی مسجد۔
- (۲) موضع بیگم پور کی مسجد۔ جو موضع کھڑکی کے شمال جنوب میں کوئی دو میل کے فاصلے پر بنی ہوئی ہے۔ یہ مسجد قطب صاحب کو جاتے وقت سڑک سے کوئی پاؤں میل ہٹی ہوئی بائیں ہاتھ کی طرف دکھلائی دیتی ہے۔
- (۳) بیگم پور کے متصل کالوسراے میں ایک چھوٹی سی مسجد۔
- (۴) حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے پاس ایک مسجد جس پر سترہ گز یعنی دلی کی کالی مسجد سے سترہ برس بعد کا کتبہ لگا ہوا ہے۔
- (۵) فیروز شاہ کے کوٹلے میں ایک ٹوٹی پھوٹی مسجد۔
- (۶) لاہوری اور اجیری دروازے کے بیچ میں فصیل شہر سے ٹی ہوئی ایک مسجد
- (۷) کالی مسجد کلاں مسجد جو رکان دروازے میں ہے۔ ان ساتوں مسجدوں میں سے صرف

تین مسجدیں بڑی اور اچھی حالت میں ہیں یعنی دلی کی کالی مسجد۔ اور کھڑکی اور بیگم پور کی مسجد۔ کالی مسجد سے آگے دائیں جانب نقار چیموں کی گلی ہو۔ اس سے آگے دائیں طرف حویلی مظفر خاں کا صرف ایک پھاٹک باقی رہ گیا ہے جس سے معدوم شدہ حویلی کی رفعت و شان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ خدا کی قدرت کہ وہ حویلی نیست و نابود ہو کر اب وہاں بہت سے مکانات بن گئے اور ایک محلہ آباد ہو گیا جس میں زیادہ تر قبلی اور کام پیشہ لوگ رہتے ہیں۔ اس سے آگے نواب قطب الدین خاں کی گلی ہو۔  
**رضیہ سلطانہ بیگم اور شجاعیہ بیگم**  
 بہت لوگ ایسے تھے جن کا ہمیشہ یہ معتقد تھا کہ شجاعیہ بیگم جو قبریں کہیں ان کی کھولی تو دیکھا۔ نہ تار کفن تھا نہ عضو بدن تھا

کی قبریں اور مسجد ۳۷-۶۳۴ ۳۹-۶۱۳۳۶

**رضیہ بیگم** سلطان اتمش کی نہایت لائق اور قابل بیٹی تھی جو بچاؤ اپنی خداداد قابلیت اور ذکاوت طبعی

کے سلطنت کی اہم اور سرگرم ذمہ داریوں کے سرانجام دہی کے لیے اپنے بھائیوں سے کہیں زیادہ اہل اور موزوں تھی۔ چنانچہ اس کے باپ نے انہیں بیوہ سے اپنے حین حیات اسی کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا تھا اور اسی مطابق یہ بیگم اپنے باپ کی وفات کے بعد ۶۳۸ھ میں زیب و سرب سلطنت ہوئی۔ امرا و دارا کین سلطنت ایک عورت کی حکمرانی کے شروع سے مخالف تھے۔ وزراء نے سازشیں شروع کیں اور غوثی بھٹہ بال بکالے بھٹہ بکالے کے حاکم ملک التونیہ سے جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ امرا نے مخالفت کی اور میدان جنگ میں ہی ملکہ کو قید کر لیا اور دلی میں جھٹ معز الدین بہرام شاہ کو تخت پر بٹھلا دیا۔ اس کے بعد رضیہ بیگم نے ملک التونیہ سے نکاح کر لیا اور دود افندہ بہرام شاہ سے لڑی آخر کار ۲۵ ربیع الاول ۶۳۸ھ کو ماری گئی۔ رضیہ بیگم مسلمانوں کی پہلی اور آخری ملکہ تھی۔ اسے تخت پر بیٹھے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ عام ناراضی پھیل گئی۔ امرا نے اس کے بھائی معز الدین بہرام شاہ کو ابھارا اور بہن بھائیوں کو لڑوایا اور آخر بے چاری رضیہ کو قتل کر دیا کہ ٹھنڈک پڑی۔ منہاج السراج میں لکھا ہے کہ رضیہ بیگم ۱۲ ربیع الاول ۶۳۸ھ کو اپنے بھائی سے شکست کھا کر قصبہ کیتھل کو بھاگی۔ فوج نے ۱۳ اکتوبر ۶۳۸ھ ساتھ نہ دیا تنہا رہ گئی اور گاؤں والوں کے ہاتھ آگئی انھوں نے مار ڈالا۔ ابن بطوطہ

جب کے گا بونگی آپ یہ فرماتے ہیں کہ کسی کسان نے مار کر اپنے کھیت میں بادیا اور جب وہ ملکہ کا لباس پہننے بازار میں لایا تو پکڑا گیا۔ قاضی کے سامنے کشاں کشاں لایا گیا۔ اُس کو جرم سے اقبال تھا۔ نقشہ جہاں گارڈی تھی اُس مقام کی نشان دہی بھی کر دی۔ نقشہ وہاں سے برآمد کی گئی اور نہلا دھلا کر وہیں جلا بھی دی گئی اور قبر پر ایک چھوٹا سا مندر بنا دیا گیا جسے لوگ ایک متبرک مقام خیال کر کے زیارت کے واسطے جایا کرتے ہیں۔ یہ مقام دہلی سے ایک فرسنگ (۱/۲ میل) جہنا کے کنارے ہوئے سجان اسد کیا بے تکی اڑائی ہو جبر کا سر نہ پیر۔ ماروں گھٹنا چھوٹے آنکھ۔ ابن بطوطہ جن مقامات کو اُس نے پٹک کر بھی نہیں دیکھا محض سنی سنائی باتوں پر جو جی میں آتا ہو لکھ مارتا ہو اور ایسے ہی باد ہوائی تھے چلایا کرتا ہو۔ ابن بطوطہ کا یہ بیان سراسر بھڑکات ہو۔ کسی بادشاہ وقت کا اس کس سپرسی میں مارا جانا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ پھر صلیب کی نقشہ کو جلا نا اور جہنا کے کنارے مندر بنانا چہ معنی؟ کسی معمولی سے معمولی مسلمان کے ساتھ بھی ایسا برا سلوک نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ بادشاہ وقت اور وہ بھی سلطان التمش جیسے زبردست بادشاہ کی بیٹی۔ ۵

غیروں کو نہ ملا پاس میری قبر کے ظالم  
مڑے کو مسلمان کے جلایا نہیں کرتے  
مسٹر بگل کو بھی رضیہ بیگم کی قبر کے مقام کی نسبت شک ہو کیوں کہ ابن بطوطہ نے یہ بھی نہیں بتلایا کہ آخر مندر کس نے بنوایا۔ بہر حال سر سید نے ٹھیک ٹھیک لکھا ہو اوڑل گئی بات بھی یہی ہو کہ رضیہ بیگم کی قبر اُس کے بھائی معز الدین بہرام شاہ نے اُسی سال جب کہ وہ قتل کی گئی بنوادی۔ چنانچہ یہ قبر اب تک شہر دہلی ترکمان دروازے کے پاس بلی خانی کے محلے میں رچی سچھی کی درگاہ کے نام سے عوام میں مشہور ہو۔ اور ہر کہ اور مہ کو معلوم ہو کہ یہ کس کی قبر ہو۔ بھلا شہر سے دور جہنا کے کنارے سے رضیہ بیگم کی قبر کو کیا لاتا ہے؟ یہ قبر سنگ سرخ کے ہتھ مربع احاطے کے اندر ہے۔ قبر کے گرد ۴۸ اونچا جنکلا لگا ہوا ہو۔ دروازہ سنگ سرخ کا ہے۔ ۴۸ اونچا موجود ہو۔ اس احاطے کی مغربی دیوار سے ٹلی ہوئی ایک چھوٹی سی مسجد ہو جس کی محراب ۴۸ بلند ہے۔ ۸ چوڑی اور ۴۸ گہری ہو۔ احاطے کے شمال میں ایک سنگ سرخ کے چھوٹے برابر برابر دو ذاتی قبریں جو نے بچی کی پختہ بنی ہوئی ہیں۔ ایک قبر کے سراہے

بختہ طاق ڈیڑھ فیٹ اوچا چراغ روشن کرنے کا بری اور اسی قبر کو لوگ رضیہ بیگم کی قبر کہتے ہیں۔ دوسری قبر اس کی بہن شہینہ بیگم کی کہی جاتی ہے جس کا نام کین تاریخ میں نہیں ہے۔ یہ قبریں ۳۔ ۴ بلند چوڑے پر آٹھ آٹھ گھنٹہ لمبی ہیں۔ اسی محلے کے جنوب و مشرقی کونے میں اور دو قبریں بھی ہیں لیکن کسی کو نہیں معلوم کہ کس کی ہیں۔

## امیر خاں بازار (چتلی قبر سے تراہیم خاں تک)

ہم آدپر لکھ آئے ہیں کہ چتلی قبر سے سترک کی دو شاخیں ہو گئی ہیں ایک شاخ جو ترکمان دروازے کی طرف جاتی ہو اس کا حال تو ہم لکھ چکے اب دہلی دروازے کی طرف کی شاخ کا حال ملاحظہ ہو چتلی قبر سے آگے بڑھ کر دہلی دروازے تک امیر خاں کا بازار کہلاتا ہے۔ نواب امیر خاں عمدة الملک محمد شاہ کے دربار میں بڑا مرتبہ اور رسوخ رکھتے تھے اور قمر الدین خاں وزیر اعظم اور نواب آصف جاہ بہادر کے ٹکڑے کے امیر تھے۔ ان دونوں کی پاس خاطر سے امیر خاں کو الہ آباد کی صوبہ داری پہنچ دیا گیا۔ لیکن امیر خاں یہاں بھی کب خاموش بیٹھنے والے تھے ان کی بے چین طبیعت اور جاہ و منزلت کی بلند پروازی نے ان کو چین نہ لینے دیا انھوں نے صفدر جنگ کو گانٹھ لیا اور ان کے ذریعے اپنے حریفوں کی چال بازیوں کی تور جوڑ کرتے رہے لیکن زندگی نے وفات کی اور اپنے ہی ایک نمک حرام ملازم کے ہاتھ سے ۲۳ رذیہ ۱۱۵۹ھ کو شہید ہو گئے اور سارے منصوبے اپنے ساتھ قبر میں لے گئے۔ ۶ رجب رذیہ ۱۱۶۰ھ

## حویلی نواب بدیع حسن صاحب

نواب غلام نصیر الدین احمد خاں صاحب عرف بدیع حسن صاحب خلیفہ نواب حمزہ علی خاں صاحب آپ رؤسا شیخ پورہ برنا و اضلع میرٹھ میں سے ہیں۔ آپ کے بزرگ مناصب جلیلہ پر دکن میں رہے ہیں۔ نواب صاحب موصوفہ نہایت متقی پرہیزگار دین دار فقیر دوست رؤسا و شرفاء شہر میں سے ہیں۔ مکان کا بڑا بھاٹک ہو اور پر ایک بہت وسیع کمرہ اور اندر محل سرا ہے۔



## کلو خواص کی حویلی

پتلی قبر سے کوئی ڈھائی سو قدم کے فاصلے سے دائیں  
ہاتھ کی طرف ترا ہے جاتے ہوئے امیر خاں کے

بازار میں یہ حویلی ہے۔ پہلے بیت بڑی حویلی تھی اب  
ڈٹ ٹاٹ گئی کچھ دیواریں رہ گئی ہیں۔ جن سے اندازہ اس حویلی کی شان و شوکت کا  
کیا جاسکتا ہے۔ اب اس جگہ متفرق مکانات بن گئے ہیں۔ اسی کوپے کے سامنے  
گلی موچیاں ہیں جن کا رستہ اعظم خاں کی حویلی کو نکل جاتا ہے۔ مریچوں کی گلی سے  
آگے بڑھ کر کھاروں کی گلی ہے اور اس سے آگلی گلی مرنی پائش والے کی ہے۔

## مدرسہ ناشاہ محمد اسحق صاحب

یعنی مولانا شاہ اسحق صاحب کی والدہ کا انتقال  
ہوا۔ حضرت کو خیال ہوا بھتیجوں کے سامنے

نواسے وارث نہ ہوں گے اس لیے مولانا شاہ اسحق اور مولانا محمد یعقوب صاحبوں نے  
بھائیوں کے لیے قطعہ زمین علی حدہ خرید کر کے اُس میں عمدہ پختہ مکانات بنائے اور  
انھیں کے نام کر دیے چنانچہ مولانا صاحب چند سال ان مکانات میں رہے اُس کے  
بعد ایک بیک خانہ کعبہ کا شوق پیدا ہوا حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تمام مکان اور اثاثہ بیچ کر  
۱۲۵۶ھ میں مع اہل و عیال کے ہجرت فرما گئے۔ اب اس مدرسے میں چھوٹے چھوٹے  
مکانات بن گئے ہیں۔ چوہان کسان وغیرہ غریب لوگ رہتے ہیں۔ یہیں ایک چھوٹی ٹنسی  
مسجد آپ ہی کے نام سے مشہور ہے جس میں آپ ناز پڑھا کرتے تھے۔ اب چور کہ یہ کل  
جائداد رای بہادر لالہ شیو پر شاہ صاحب کی ہے اس لیے اس گلی پر در  
رای بہادر لالہ رام کشن واس کا تختہ لگا دیا گیا ہے۔

## سونی والوں کا محلہ

اس محلے میں دو مسجدیں ہیں (۱) جس کے متولی مولوی  
عبدالغنی ہیں شمال جنوب ۳۳ اور مشرق سے مغرب

۱۶ - ۴ ہے۔ (۲) کے متولی حاجی بلاتی ہیں۔ یہ مسجد

شمالاً جنوباً ۴ اور مشرق سے مغرب ۱۲ فٹ ہے۔ گو یہ دونوں مسجدیں سلاطین  
مغلیہ کے زمانے کی ہیں مگر ان میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں جس کا ذکر کیا جائے۔



## محکمہ سوئی والوں کا حوض

اس محلے میں سب سے بڑی چیز نواب اعظم خاں خلیفہ  
امیر خاں عمدۃ الملک کی بارہ دری تھی اب دونوں نادر حوض  
ٹوٹ ٹاٹ گیا اور اس جگہ چھوٹے چھوٹے مکانات بن گئے

ہیں۔ نواب امیر خاں کے دور دورے کا حال آپ سن چکے ہیں اُن کے بیٹے  
اعظم خاں کا کیا حشر ہوا تاریخ اور روایات دونوں اس سے ساکت ہیں۔ اس محلے  
میں حوض والی ایک مسجد بھی جس کے متولی امداد حسین ہیں۔ یہ مسجد شمالاً جنوباً ۱۴۴۴  
شرفاً غرباً ۱۴۴۴ ہے۔ یہ مسجد بھی نواب اعظم خاں کی بنائی ہوئی ہے۔ اس مسجد کے شمال میں  
جس کے سر اسنے طاق ہی مشرق والی قبر سید داؤد صاحب کی ہے جو شاہ ترکان  
بیابانی کے خلیفہ تھے۔ اور دوسری قبر کے تعویذ اور طاق پر سفیدی کی کہ پر تہ چڑھ  
گئی ہے معلوم نہیں ہو سکتا کہ اصلی حالت قبر کی کیا تھی۔

## بنگلش کا کمرہ

یہ عالی شان مکان فیض اللہ خاں بنگلش نے صرف زر خطیر بنوایا تھا  
جو جامع مسجد کے شمالی دروازے کے سامنے اس سڑک  
پر واقع ہے جو ٹیٹا محل چلی قبر۔ تراہا بیرم خاں ہوتی ہوئی دلی دروازے

کو مکمل گئی ہے۔ بنگلش دراصل ایک پہاڑ کا نام ہے جو صوبہ سرحدی شمال و مغرب میں کوہاٹ  
کے پاس ہے۔ اُس نواح سے جو لوگ دہلی میں آئے انہوں نے بنگلش کے نام سے  
شہرت پائی۔ سب سے پہلے بنگلش ہندوستان میں شاہ عالم اول کے زمانے میں آئے  
ان لوگوں کا عروج محمد شاہ کے عہد میں ہوا۔ نواب محمد خاں عصفرخاں بنگلش فرخ آباد  
آگرہ۔ اور الہ آباد کے صوبہ دار مقرر ہوئے اور یہ وہی علاقہ ہے جس پر آگے چل کر  
انہیں کے صاحبزادے نواب احمد خاں غالب جنگ خود مختار راہ حکومت کرنے لگے۔  
فیض اللہ خاں نیک نام خاں کے بیٹے تھے جو محمد خاں کی سرکاری سب سے بڑے  
پایہ کے آدمی تھے آپ میر عمارت تھے۔ رابعہ بیگم محل خاص محمد خاں کو عمارات کا  
بہت شوق تھا اس سبب فیض اللہ خاں مور و عنایت ہو گئے۔ چنانچہ انہیں کے اہتمام  
اور نگرانی میں بیگم صاحب نے کئی ایک سرائیں۔ مسجدیں۔ پل اور محلات وغیرہ بنوایا  
جن میں سے اب بھی بعض بعض موجود ہیں۔ محمد خاں کی وفات کے بعد بیگم صاحب ہی  
مالک و مختار ہیں اور کل کاروبار فیض اللہ خاں کے سپرد رہا اور فیض اللہ خاں ہی دہلی

شاہی میں بیگم صاحب کی طرف سے وکیل تھے۔ اسی سٹرک پر آگے بڑھ کر تیراہا اور مرزا خجستہ بخت کی حویلی ہو اور اُسی میں سے دائیں طرف امیر خاں کے گنج کو رستہ جاتا ہو اور بائیں طرف چیلوں کے کوچے اور کلاں محل کو۔

**رنگ محل** | قرآن مغلیہ کا۔ رنگ محل اور اُس کے قرب و جوار کی عمارتوں کی نوعیت اور شکل اب بالکل بدل گئی ہو۔ رنگ محل اور اُس کے

ساتھ کی اور عمارتیں میر خاں خان خاناں ہایوں کا برادر نسبتی اور اکبر کے رنجیت خاندان کے کسی ممبر کی بنوائی ہوئی تھیں۔ اب رنگ محل کا بہت ہی بھٹوڑا حصہ رہ گیا ہو۔ یہیں گنج میر خاں ہو جو ایک بازار ہو اس میں محلہ رکاب اور حویلی میر خاں کا محلہ ہو۔

**مرزا الہی بخش کا رنگ محل** | قرآن ہے میں یہ بھی ایک محل دور آفر مغلیہ کا بنایا ہوا ہو۔ جو اب نواب ملکہ جہاں بیگم اور نواب

بادشاہ جہاں بیگم دختر مرزا ثریا جاہ مرحوم اور مرزا الہی بخش کے پوتیوں کے قبضے میں ہو۔ یہ محل مرزا جمشید بخت کا بنوایا ہوا ہو جن کو لوگ مرزا کوڑا کہتے تھے۔ بعد میں مرزا الہی بخش نے خرید لیا جو وراثتہ شاہزادے ثریا جاہ مرزا کیو اس شاہ بہادر گورگانی کو بونچا۔ مرزا صاحب موصوف مرزا الہی بخش صاحب سدھی ہماور شاہ بادشاہ کے صاحب زادے تھے۔ گورمنٹ سے آٹھ سو روپیہ ماہانہ وظیفہ پاتے تھے اور خاندان تیموریہ کے چیف تھے۔ حکام داہل شہر آپ کا بڑا اعزاز کرتے تھے افسوس کہ وہ بھی نہ رہے اب صرف اُن کی صاحب زادیاں رہ گئی ہیں جو تباہ مغلیہ سلطنت کی یادگار ہیں۔ یہ مکان کسی زمانے میں عجیب و غریب ہو گا اب بھی اندر کا دالان بہت آراستہ ہو۔ اب اس میں ولی تحصیل کی کچھری ہو۔

**چاندنی محل** | یہ بھی مرزا ثریا جاہ کا ہو اور دور آخری مغلیہ میں محمد شاہ کے وقت میں بنایا تھا اور شاہزادہ سلیم شاہ بسیر

اکبر شاہ ثانی کے قبضے میں تھا۔ پھر مرزا گوہر شاہزادے نے اپنی بیٹی بیگم سے جو شاہزادہ سلیم شاہ کی بیوی تھیں لے لیا اور آخر کار مرزا ثریا جاہ کے قبضے میں آ گیا اُن کی وفات کے بعد اُن کی دونوں صاحب زادیاں مالک ہیں۔

واقعہ میں کسی زمانے میں عجیب و غریب مکان تھا۔ حوض فوارہ باغیچہ سب کچھ موجود تھا گویا اس کی حالت خراب ہو کر پھر بھی شاہی محل ہو اب بھی جو بات ہو لا جواب ہو۔  
مرا ہتی بھی سو من کا ہوتا ہو۔

نہ کچھ شوخی چلی باد صبا کی  
گرگڑنے میں بھی دلفاس کی بنا کی

شاہزادہ مرزا بلاتی کا مکان  
پہلے شاہزادہ امیر الملک مرزا بلاتی گورگانی کا مکان ہو جو نہایت بزرگ اور پاک طینت سرخ و مرجاں شخص میں شاہزادے بھی ہیں اور باطن میں فقیر بھی ہیں۔ سرکار عالی نظام سے وظیفہ پاتے

ہیں۔ نہ کہیں آتے نہ جاتے حییج آفت زرد گوشہ تنہائی را۔ ان کی آنکھیں دور آخر مغلیہ دیکھ چکی ہیں اب یہ زمانہ بھی دیکھ رہے ہیں۔ شاد و باید زلیستن ناشاد و باید زلیستن اصلی مصداق ہیں۔ ع جو کچھ خدا دکھاے سونا چار دیکھنا۔

رباعی

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے  
جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا  
ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے  
جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

شیش محل

دور آخری مغلیہ کا بنایا ہوا۔ خراب و خستہ حالت میں ہو۔ یہ بھی محمد شاہ کے زمانے کا بنایا ہوا ہو اور اس زمانے میں مرزا غور شید ایرانی کے قبضے میں تھا۔ بعد اس کا نیلام ہوا آٹھ مرزا خاں جاہ نے خرید لیا۔ اب اس محل کی طرف جنوبی دیوار باقی رہ گئی ہو اور حصہ ندارد ہو۔

کوچہ فولاد خاں  
کوچہ فولاد خاں سے دائیں طرف فولاد خاں کا کوچہ ہو جو بخش خاں کو قوال دہلی کی اولاد تھے۔

## کوچہ چمپلاں

کوچہ فولاد خاں میں داخل ہونے کے بعد کوئی پچاس قدم چل کر دائیں ہاتھ کو کوچہ چمپلاں ہی۔ اصل میں اس کا نام چہل کوچہ تھا کیوں کہ اس میں متعدد کوچے تھے عوام میں چیلوں کا کوچہ مشہور ہو گیا۔ گلی اولیا۔ گلی انبیا اب بھی موجود ہیں۔ یہیں خان بہادر شمس العلمار منشی محمد و کار اللہ خاں صاحب قلو آف دی الہ آباد یونیورسٹی کا مکان ہے۔ آپ حافظ شمس الرحمن کے صاحبزادے تھے جو نہایت دین دار پابند صوم صلوٰۃ تھے اور پنج وقتہ نماز جامع مسجد میں ادا کرتے تھے۔ منشی ذکار اللہ۔ مولوی نذیر احمد۔ مولوی ضیاء الدین خاں تینوں ہم جماعت تھے اور خدا کی عجیب قدرت ہے کہ یہ تینوں صاحب اپنی علمی لیاقت کی وجہ سے مشہور زمانہ ہوئے۔ جن کے حالات اپنی اپنی جگہ بیان ہوں گے یہاں منشی صاحب کا ذکر خیر وہ بھی مختصر کیا جاتا ہے۔ فن تاریخ اور ریاضی میں علی الخصوص مسلمانوں میں آپ کا جواب نہ تھا۔ آپ کی تصانیف ایک نہیں دو نہیں سینکڑوں ہیں۔ جتنی ضخیم کتابیں آپ نے تصنیف کیں اور ترجمہ کیں کسی اور نے نہیں کیں۔ مزاج میں بالکل سادگی تھی اور انکسار اس درجے تھا کہ فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ پرانی وضع کے پابند تھے۔ شام کو ٹہلنے ضرور نکلتے تھے۔ بالکل عالمانہ اور فلسفیانہ طرز تھا۔ تعصب پاس نہ پٹھکا تھا۔ چھوٹے بڑے ہر کس و ناکس سے یکشادہ پیشانی ملتے تھے اب۔ ان تینوں صاحبوں میں سے کوئی بھی نہ رہا۔ منشی صاحب نے ۷ نومبر ۱۹۷۷ء میں انتقال کیا۔ گوشم العلماء تھے مگر کہلائے ہمیشہ منشی اور یہ لفظ تھا بھی بہت موزوں تھا بڑا منشی یعنی لکھاڑ کوئی دیکھنے میں نہیں آیا۔ خدا جانے قلم تھا یا شین دماغ تھا یہ معلومات کا ایک نامحدود ذخیرہ تھا ہی ذخیرہ۔ ایسے لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں اور شاید ہوتے ہوں تو ہوتے ہوں مگر فی زمانہ مسلمانوں میں تو نہیں ہوتے اور سارا ہندوستان چھان مار دیکھیں ان جیسے نہ ملے گا۔ منشی صاحب کے مکان کے آگے کوچہ ناہر خاں ہے۔ اسی کے پاس نواب خواجہ قاسم علی خاں عرف نواب شرف الدین خاں صاحب کی حویلی کا پتلا ٹک ہے آپ نہایت لائق اور با وضع دلی کے مشہور رؤسا میں سے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد

کشمیر سے تاجرانہ دہلی آئے تھے اور دہلی میں کشمیری مال اور ریشم کی تجارت کرتے تھے اور دہلی میں رہ پڑے۔ یہ شوال ۱۲۳۱ھ کو آپ نے انتقال کیا۔ میردن ترکمان وردوارہ متصل بوچڑ خانہ چونسٹھ کھمبے میں مدفون ہوئے اس سے آگے دائیں طرف پھول کی منڈی سے رستہ نکل جاتا ہے اور بائیں طرف کالے خاں کی مسجد ہوتا ہوا فیض بازار میں جاتا ہے۔

نواب مصطفیٰ خاں کی ایک حویلی توچہ سیامیم کے پھتے میں تھی وہ تو رہی نہیں۔ مگر چیلوں کے کوپے میں ایک بڑی

## حویلی نواب مصطفیٰ خاں

بھاری حویلی نواب مصطفیٰ خاں کے نام سے مشہور ہے اس حویلی سے لگی ہوئی علی جان والوں کی ایک عالی شان عمارت ہے جس میں سے پہلے کام پڑا اور اور ہمدرد اخبار نکلتے تھے اور اب عربک سکول کی شاخ ہے۔ اس کے آگے کالے خاں کی مسجد۔ تھمن پریس۔ دفتر رسالہ خطیب و نظام الشایخ ہے۔

چیلوں کے کوپے میں ایک محلہ ہے اسی میں خواجہ میر دور کی بارہوی

## گلی راجاں

تھی۔ اس بارہ درہی تو رہی نہیں۔ خواجہ صاحب کی اولاد میں سیدنا نصیر صاحب نے احاطہ کیچینگ کر ایک مکان کی شکل کر لی اور ایک مسجد خواجہ میر دور کی بنائی ہوئی تھی جو اب بھی مگر اندسر نو تعمیر پانے سے اس کی شکل و صورت باقی نہیں رہی۔

یہ چھتہ حکیم آغا جان کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا ایک لداوی

## چھتہ حکیم آغا جان

دروازہ تھا جس کو مخدوش حالت میں ہونے سے میر فیہیلٹی ۱۲۳۱ھ میں گرا دیا۔ اس کا بھی بڑا عبرت خیز واقعہ ہے۔ چھت اس قدر مضبوط تھی کہ ٹوٹتی نہ تھی اور کدالوں کے منہ پھرے جاتے تھے۔ ہمارے ایک عزیز عبد العزیز نامی اُدھر سے گزرے کوئی دن کے دس بجے ہوں گے اُن کی جو شامت آئی سیخی میں آکر مزدوروں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے ”ارے میاں کیا تماشہ بنا رکھا ہے لاؤ مجھے کدال دو میں آغا جان کا سر توڑوں“ کدال لے اوپر چڑھ گئے ایک دو ہی کدالیں لگائی ہوں گی کہ چھتے کا ایک حصہ دھڑام سے آن پڑا عبد العزیز صاحب کا نیچے کا دھڑ اس میں میاں بے طور پھنسا کہ کسی سے بن نہ پڑا کہ انھیں نکال سکے۔ بلیاں کڑیاں سامان لاتے

میں دیر ہوئی کئی گھنٹے وہ معلق رہے یہ ہزار شکل اُن کو نکالا۔ صدر ڈاکٹر خانے میں لے گئے۔ دونوں ہانگیں چوراہو گئیں تھیں شام نہ ہونے پانی کہ دم نکل گیا۔ گئے تھے حکیم آغا جان سر قوڑے اور خود دام اہل میں گرفتار ہو گئے بزرگان دین کی بارگاہ میں سودا دینی کا خوب مزہ چکھتا۔ پہلے اس چھتے میں حکیم صاحب کے اعزہ اقرار رہتے تھے اب نہ وہ چھتہ رہا نہ وہ لیکن ایک۔ مرنے کی حیثیت ہو گئی ہے اور مختلف پیٹھ در لوگوں کے بچھوٹے چھوٹے گھر بن گئے ہیں۔

**کلا محل** شاہجہانی عمارت ہے قلعہ معلیٰ کے بننے سے پہلے بادشاہ اس میں ہی مقیم تھے۔ کسی زمانے میں بہت بڑا محل تھا۔ موجودہ محل اس کے اٹھویں حصے سے بھی کم ہے۔ نذر کے بعد لالہ چھتال صاحب نے کوڑیوں کے مول لیا۔ پہلے نارمل سکول تھا۔ پھر پاڈل سکول رہا۔ اب عیسائی لوگ رہتے ہیں۔

**ابی محل** یہیں اس نام کی ایک پرانی نگر عالی شان عمارت ابلی محل کی ہے۔ یہ مکان بہت مخدوش حالت میں تھا حال میں سلطان سنگھ صاحب رئیس دہلی نے خرید لیا ہے اور اپنے طرز پر بنوا رہے ہیں۔ اس کے آگے ایک گلی ہے جس کا نام کسٹرہ جہر پرور ہے اور آگے بڑھو تو کوچہ دھنی راے اور اُسی سے ملا ہوا محلہ تقار خانہ ہے۔

**مدرسہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب** یہ مدرسہ کسی زمانے میں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا اور بڑا دارالعلوم سمجھا جاتا تھا اور کیوں نہ تھا کہ بادشاہی دور دورہ اور شاہ عبدالعزیز صاحب جیسا نامور عالم و فاضل

اس کا اہتم۔ محمد شاہ بادشاہ نے جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث کے پرانی ولی سے جہاں اب ان بزرگواروں کے مزار ہیں شاہ جہاں آباد یعنی موجودہ دہلی میں بلا کر ایک بڑا عالی شان مکان دیا تھا۔ درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہوا۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے بعد اُن کے چاروں صاحب زادوں نے وہی مشغلہ جاری رکھا اور اس مدرسے سے تعلیم و تہیات میں وہ نام پایا کہ ہندوستان میں شہرہ ہو گیا۔ جب شاہ صاحب کے صاحب زادوں میں سے کوئی نہ رہا تو مولانا شاہ محمد اسحق صاحب نے مدرسہ کی خدمت اپنے ذمے لی۔ ۱۲۵۶ء میں آپ نے ہجرت کی تو مولانا محضوض اللہ صاحب اور مولانا محمد موسیٰ صاحب خلف حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب اسکی نگرانی فرماتے گئے۔ ان حضرات نے بھی ۱۲۵۶ء میں انتقال فرمایا تو صرف مولوی محمد منشی صاحب کے ایک صاحب زادے میاں عبدالمصاحب بہت صغر سن رہے اور ایک صاحب زادی

رہ گئیں۔ خاندان بھریں کوئی ایسا نہ رہا جو عبدالسلام صاحب کو پڑھاتا لکھاتا تھا۔ عرض یہ سلسلہ جو کئی پشت سے اس خاندان میں جاری تھا بند ہو گیا۔ غریبوں کے مکانات لوٹ گئے۔ گرا دیئے گئے کڑی تختہ تک لوگ اٹھائے گئے۔ خانہ خالی را دیوی گیر۔ ایک شریف گردی تھی کہ الہی توبہ جس کی لاہڑی اسکی بھینس جس کلب جس پر قابو چلا تا بعض ہو گیا اب متفرق لوگوں کے مکان اس جگہ بن گئے ہیں مگر محلہ شاہ عبدالعزیز صاحب مرے کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے۔ اس خاندان میں سوا سے ایک آدھ خاتون عصمت کے اور کوئی نام لیا اور پانی کا دیوا نہ رہا۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جب تک لوگ قدردان علم تھے اللہ ویسے ہی لوگوں کو پیدا بھی کرتا تھا اب جب کہ علم دین کی قدر ہی نہ رہی تو پھر ایسے لوگوں کے پیدا ہونے یا باقی رہنے کی بھی ضرورت نہ رہی۔

**کھڑکی افضل حسین خاں** یساں کھڑکی افضل حسین کی تھی جس کا رستہ پھیلی والوں میں جانتا ہے۔ اب کھڑکی تو باقی نہیں۔ یہ گلی اس نام سے

پکاری جاتی ہے۔ اور یہیں ایک چھوٹی سی گلی گوندنی والی مشہور ہے۔  
**یتیم خانہ انجنیئر الاسلام** انجنیئر مولید الاسلام اس کی کفالت کرتی ہو یہ انجنیئر سے قائم ہوئی اس کے اصل بانی جناب منشی محمد کرم اللہ خاں صاحب رئیس دہلی تھے۔ اس انجنیئر کے اغراض

مسلمانوں کے لاوارث بچوں کو پرورش کرنا اور ان کو دینی و دنیاوی و اخلاقی تعلیم دینا۔ لاوارث محتاج میت کی تجہیز و تکفین۔ ویران مسجدوں کو آبادی میں حتی الامکان سعی کرنا یہیں اس یتیم خانے میں لڑکے اور لڑکیاں پرورش پاتی ہیں اور جناب خان بہادر مولوی عبدالاحد صاحب مالک طبع مجتہبی اس کے انتظام میں کافی دل چسپی لے رہے ہیں۔

**روح اللہ خاں اور بقار اللہ خاں کے کوچے** حویلی مرزا خجستہ بخت کے سامنے روح اللہ خاں اور حویلی کے برابر ہی بقار اللہ خاں کا کوچہ ہے۔ یعنی دونوں کوچے آمنے سامنے ہیں۔ جن میں شہر کے لوگ آباد ہیں۔

**حویلی مرزا خجستہ بخت بہادر** یہ قشاہ عالم ثانی کے بیٹے اور عرش آرا مگاہ محمد اکبر شاہ ثانی کے بھائی خجستہ بخت بہادر کی حویلی ہے جس کی



تاریخ بہت خوب ہے۔ ”مکانِ نجستہ بنیاد“

## محلہ مفتیان

مفتی اکرام الدین خاں صاحب مرحوم صدر امین کے نام سے مشہور ہیں انھیں کی اولاد اس میں رہتی ہے جس میں پادہ تریابی مولوی احسان الحق اور ان کے خلف اکبر خان بہادر مولوی محمد انوار الحق صاحبان تھے۔ ان صاحبوں کا تذکرہ شیخ عبد الحق صاحب نے ضمن میں کیا ہے مولوی انوار الحق صاحب مدتوں ایکسٹ گورنر جنرل راجپوتانہ کے میرنشی رہے اور بہت نیک نامی عورت و احترام سے اس وقت داری کی خدمت کو انجام دیا۔ ذی علم۔ نہایت مقدس و محترم منکسر المزاج اور فقیر دوست بزرگ تھے بہت دنوں وکالت ریاست بھرت پور پر بھی رہے بعد خود خانہ نشین ہوئے۔ مولوی انوار الحق صاحب نے ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ یومِ پچشمہ بوقت سپہر کو انتقال فرمایا اور ۲۵ رمضان المبارک جمعہ الوداع کے مبارک دن جامع مسجد میں تاد جنازہ ہوئی جس میں ہزار ہا مخلوق شریک تھی۔ خوشانصیب کہ ایسا دن پایا۔ آپ اپنے جدا شدہ شیخ عبد الحق صاحب محدث کے مقبرے میں دفن ہوئے یہ چار بھائی تھے سب چل بسے اب ان کی اولاد دہلی جن میں کئی صاحب سربراہ اور وہ عہدہ دار ہیں۔ ۲۲ ربیع الاول کو اب تک حضرت شیخ کا عرس شریف کیا جاتا ہے۔ یہیں دانی کی مسجد پر جو کہ ذکر مسجدوں کے ضمن میں آیا ہے۔ دانی کی مسجد سے کوچہ تارا چند۔ چھتہ لال میاں۔ محلہ چوہان۔ کسٹرہ بدھان۔ راؤ۔ کوچہ جلال بخاری۔ محلہ دھوبیان۔ کسٹرہ شہاب رائے۔ گلی مالیاں۔ گلی گتا مصر۔ اور تراہے سے پھول کی منڈی جانے والے رستے میں فیض بازار تک محلہ دساں۔ کوچہ نیل کنٹھ۔ راستہ کوچہ تارا چند۔ جٹواڑہ اولیا مسجد۔ پھول کی منڈی۔ ملتے ہیں۔ اسی پھول کی منڈی میں سمیع اللہ خاں صاحب مرحوم کامکان ہے۔ جن کا ذکر مہندیوں کے ضمن میں آیا ہے۔

یہاں تین رستے ملتے ہیں اور اسی سبب تراہے کہلاتا ہے۔

## تراہے خاں

اک رستہ تو یہی سڑک ہے جو جامع مسجد سے سیدھی ولی دروازے کو چلی گئی ہے۔ ایک رستہ بائیں طرف فیض بازار کو چلا گیا ہے۔ یہ مقام بیرم خاں خاٹخاناں کے نام سے مشہور ہے جو ہمایوں بادشاہ کا بڑا درستی اور اکبر بادشاہ کا ریجنٹ تھا۔



## دائی والی مسجد

۱۰۶۳ھ  
۱۲۵۳-۵۴

یہ تین در اور ایک گنبد کی چھوٹی سی مسجد ہے جو ۳۴ × ۱۶ ہے۔ تاریخی واقعات سے غیر متعلق ہے۔ درمیانی محراب پر یہ کتبہ بہت خوش خط لگا ہوا ہے۔

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم

شکر اللہ کہ گشتِ ایں مسجد  
سالِ تاریخِ اواخر و گفت  
از شرفِ سجدہ گاہِ اہل نظر  
گشتہ آباد کعبہ دیگر

اسی سڑک پر جو دلی دروازے کو جاتی ہے یہ مقامات ہیں کوچہ ناماچند۔ لال میاں کا چھتہ۔  
کوچہ جلال بخاری۔ گلی گنماضر۔

## بھول کی منڈی | تراہہ بیرم خاں سے بھول کی منڈی

تراہہ بیرم خاں کے سامنے جو گلی جاتی ہے جہاں میں کالیک بٹا پرانا درخت ہے وہ بھول کی منڈی کہلاتی ہے۔ پہلے یہاں گل فروشوں کی منڈی تھی۔ اور گل فروشوں کی دکانیں کثرت سے تھیں۔ جس سے داغ عالم کا معطر ہوتا تھا۔ اگرچہ اب یہاں پھلار نہیں بیٹھتے مگر نام چلا جاتا ہے۔ اسی میں کوچہ سعد الدخاں۔ کوچہ نیل گنڈیہ اور اسی کے اندر ایک چھوٹی سی گلی تانت والی کہلاتی ہے۔

بھول کی منڈی میں ادیا مسجد ہے جو شمالاً جنوباً ۴۸ اور شرقاً غرباً تیرہ فیٹ ہے۔  
باقی کوئی خاص بات نہیں ہے۔

اولیاء مسجد

۱۲۶۱ھ  
۱۸۴۵-۴۶

مرے پر اپنے اور نیگے سرسید کو روتے ہیں۔  
خدا کے نیک اور مقبول بندے ایسے ہوتے ہیں  
انیسویں صدی کے مشہور مسلمان ہند میں سرسید احمد خاں  
اعظم لبیک آف انڈیا کے بعد ڈاکٹر سرسید احمد خاں  
ہمارے جہاد الدولہ عارف جنگ کے۔ سی۔ اس۔ آئی

سرسید احمد خاں مرحوم  
مغفور کا مکان

وغیرہ تھے۔ آپ کو کون نہیں جانتا آپ کی لیاقت اور وجاہت کا کوئی مسلمان ہمارے  
دیکھتے نہیں ہوا۔ مسلمانوں کے فدائی تھے۔ قوم کی بہتری کے لئے تن من و جان سب  
دفع کر دیا تھا و ناداری سرکار کے ساتھ یہ محب ملک و قوم اور صاحب تصانیف بھی تھے۔

تاریخ وفات ۱۲۱۵ هـ

تاریخ ولادت ۱۲۲۲ هـ



شبیه سرسید احمد خاں بالقابہ (مرعوم)

اولیا مسجد کے پاس اُن کا دولت خانہ ہی جواب اُن کے پوتے سید راس مسعود صاحب کے قبضے میں ہے۔ آپ کے مفصل حالات جو صاحب دیکھنا چاہیں وہ مولوی الطاف حسین حالی کی کتاب حیات جاوید دیکھیں آپ کی ولادت ۱۸۱۷ء کی ہے اور تاریخ وفات "خضر" ہے اور آپ علی گڑھ کالج کی مسجد میں مدفون ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد ملک حریک بہرائٹ میں تھے اور بنیان سلطنت اکبر ہندوستان میں آکر موردمراحم و الطاف خسروانہ ہوئے۔ عالم گیر ثانی کے زمانے میں سرسید کے دادا کو جواد الدولہ کا خطاب ہزار پیدل اور پانسو سو اسی آپ کے والد ماجد سید محقق خاں بہادر کو بھی یہی منصب شاہ عالم ثانی کے عہد میں برقرار رہا اور پھر سید علی الرحمن خیر یہ خطاب اور منصب اُترا۔ جب کہ اُن کا سن شریف انیس سال کا تھا۔ نعلیہ سلطنت کے اختراع بعد ۱۸۳۷ء میں آپ پہلے پہل دہلی کے صدر امین کے سرشتہ دام ہوئے اور درجہ بدرجہ ترقی پا کر ۱۸۵۷ء میں بجنور کے سبج مقرر ہوئے۔ انہی ایام میں غدر ہو گیا اور سرسید نے پوری وفاداری گورنمنٹ کی کی اور جتنے انگریز اور ہمیں بجنور میں تھے اپنی جان پر کھیل کر اُن کی جانیں بچائیں۔ ایک باغی نواب جس کا نام محمد خاں تھا آٹھ سو آدمیوں کی جمعیت لے کر بجنور پر چڑھا آیا۔ یہ غلام قادر رہیلے کا رشتہ دار تھا جس نے شاہ عالم ثانی کی آنکھیں نکھوڑ ڈالی تھیں۔ سرسید اچھی جان میلی پرے کر اس باغی کے پاس منتے جا پونچے اور اپنی شیریں زبانی سے اُسے شیشے میں اُتار لیا اور اجازت دلوا دی کہ انگریز میرٹھ چلے جائیں۔ باغیوں نے یہ دیکھ کر کہ سرسید انگریزوں کا دم بھرتے ہیں۔ کئی بار اُن پر حملہ کیا مگر زبردستی بچ گئے۔ دہلی میں اُن کا مکان اور اسباب لوٹ لیا اور رشتہ داروں کو قتل کر ڈالا۔ بڑی جگہوں سے سید کی جان بچی۔ آخر غدر کا منہ کالا ہوا۔ گورنمنٹ نے سرسید کو خلعت کے علاوہ دوسروں پر پیہ کی ماہوار پنشن و دلپشت تک کر دی اور پھر تو بہت سے خطابات ملے ویسے کی کونسل کے آپ ممبر ہوئے غرض دنیا کا کوئی ایسا اعزاز نہ تھا جو آپ کو نہ ملا ہو۔ سب سے بڑا اور بہتر کام علی گڑھ کا بے نظیر کالج ہے جس کی نظیر سب سے ہندوستان میں نہیں ہے جو مسلمانوں کی سلف ہلپ کی ودائی یادگار ہے۔ سید احمد خاں آپ نہیں رہے لیکن کالج قائم ہے اور اُن کا نام زندہ ہے اور زمانہ دراز تک مسلمان اُن کے احسانات کو یاد کرتے رہیں گے۔ جن کو تاہ اندیشوں نے اُن کی مخالفت کی اور اُن کے ایک کاموں میں روٹا نکھلا اور سلطان کو کافر ٹھہرایا تھا اب وہی اُس کا فر کو علیہ الرحمہ کہتے ہیں اور اُس کی

موت کو قوم کی موت سمجھتے ہیں۔ ۵۰ انچہ وانا کنڈ ناواں۔ ایک بعد از خرابی بسیار۔  
 آویا مسجد کے پاس۔ یہ مکان اول مہدی قلی خان کے

**نواب میرالدولہ کی حویلی** | تاجا جس کو نواب دبیر الدولہ نے خرید لیا تھا۔

نواب صاحب پچھلی صدی کے ایک بڑے پاس کے امیر تھے۔ آپ سرسید مرحوم  
 کے نانائے تھے۔ آپ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے سفیر ہو کر شاہ فارس کے دربار میں گئے  
 تھے اور انھوں نے اپنے اہم و مستبرک فرائض کو بہت اطمینان بخش طور پر انجام دیا۔ فارس  
 سے واپس آکر آپ آوا میں پٹنیل ہیجٹ مقرر ہوئے۔ اس کے بعد آپ اکبر شاہ ثانی کے  
 وزیر اعظم رہے۔ بالآخر بھٹی میں کسی ہنگامہ میں شہید ہوئے۔

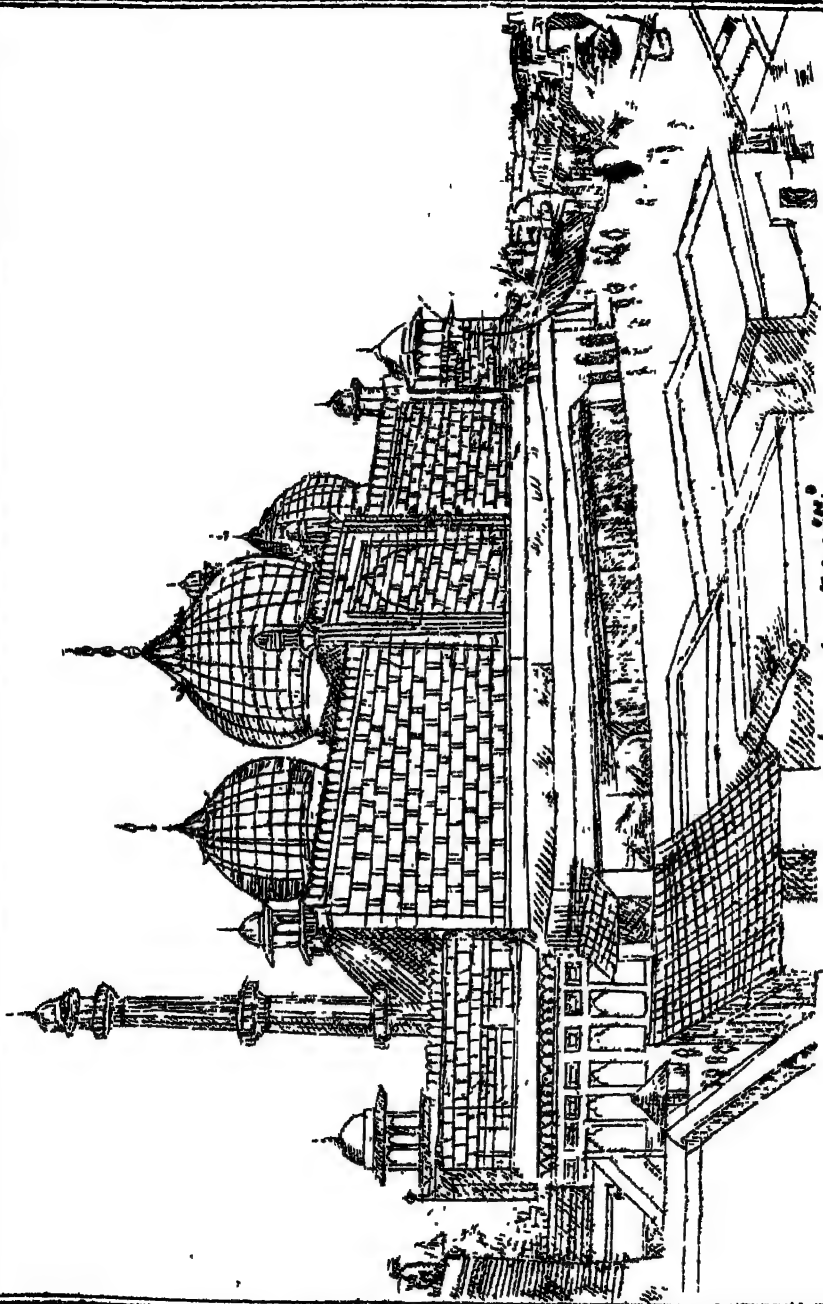
**عقب جامع مسجد از بالا سے بازار پایہ والاں منہم اسپیٹ روڈ**

**عقب جامع مسجد** | کا نظارہ بھی قابل دید ہے۔ جامع مسجد کی منظر

عمارت کی شان اور اس خانہ خدا کی عظمت دل  
 میں خود بخود موج زن ہوتی ہے۔ آسمان سے باتیں کرتی ہوئی بحیثیت کی دیوار کی  
 اونچائی سفید سفید برجوں کی گولائی۔ قطار قطار برجوں کی خوشنمائی میناروں  
 کی لمبائی ایک عجیب و غریب نظارہ ہے۔ مسجد کے نیچے موقوفہ دکانیں ہیں جن میں بیچ  
 کی منڈی ہے شمالی گوشے سے لگا ہوا ایک مزار ہے۔ دھڑکا لگ اور سر کا جدا۔  
 معلوم نہیں کس کا ہے۔ بعض لوگ صوفی سرمد کا مزار کہتے ہیں اور شرقی دروازے کے  
 سامنے والے مزار کو مصنوعی بتلاتے ہیں۔ الغیب عند اللہ۔ مگر شرقی دروازے کے

محاذی جو مزار ہو اس پر غلامین کا اثر دھام رہتا ہے ایک بڑی دیوار کی اصلیت کی جو۔  
 پایہ والوں کے بازار کی جانب ایک دو منزلہ عالی شان  
**آزیری ہندو گرلز سکول** | عمارت میں ہندو صاحبان کی لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔

تہذیب و تمدن



## رہٹ کا کنواں

بہت پرانا کنواں ہے۔ شاہ جہاں بادشاہ کے وقت میں پہاڑ تراش کر بنایا گیا تھا۔ اسی سے جامع مسجد کے حوض میں

پانی جاتا تھا۔ اس کے پاس پانی کے بڑے بڑے خزانے بنے ہوئے ہیں پہلے ان میں پانی جمع ہوتا تھا پھر جامع مسجد کے حوض میں پانی چڑھایا جاتا تھا۔ اب جامع مسجد کی آب رسانی کا سلسلہ موقوف ہو گیا چونکہ اس کنویں پر رہٹ لگا ہوا ہے لہذا اسی نام سے کنواں تو کنواں سارا محلہ موسوم ہو گیا۔

اسی محلے میں خان بہادر شمس العطار مولوی شیخ ضیاء الدین صاحب ایل ایل ڈی کا

## ڈاکٹر شیخ ضیاء الدین خاں

دولت خاں ہے۔ فنی ذکار اللہ۔ مولوی نذیر احمد مدنیہ ولی کلج کے نامی گرامی طلباء میں تھے۔ ایک ہی ساتھ پڑھے اور سب کے سب شمس العطار ہو کر چکے۔ ضیاء الدین اور مولوی نذیر احمد دونوں اپنے علمی تبحر کی وجہ سے ایل ایل ڈی بھی ہوئے شیخ صاحب کا انتقال پہلے ہوا پانی دو صاحب آگے پیچھے تھوڑے ہی فرق سے گئے شیخ صاحب داروغہ شیخ محمد بخش ساکن موضع بسنی تحصیل دہلی کے قدیم باشندے تھے آپ ان کے بچھے صاحبزادے تھے۔ داروغہ سب انسپکٹر پولیس کو کہتے ہیں فتح دہلی کے دن جب انگریزی فوج ولی میں داخل ہوئی تو وہ اپنے مکان ہی میں تھے قضاے کردگار اجل گولی کی شکل میں آئی۔ یہ خاندان گورنمنٹ کا خیر خواہ تھا۔ غدر میں دھیرج کی پھاڑی پر خبر رسانی کرتے تھے جن کے صلے میں کچھ اراضی انعام ملی ہوئی ہے۔ مولوی صاحب مولوی ملک علی نانوتوی مشہور عالم کے شاگرد تھے اور مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور سے بھی فارسی تحصیل کی تھی۔ ایام غدر میں وہ ملی کلج میں مدرس ہوئے۔ چندے نارمل سکول میں پڑھاتے رہے پھر اسی کلج میں عربی کے پروفیسر ہو گئے۔ شیخ میں کالج ڈاکٹر بلحاظ اپنی اعلیٰ قابلیت کے ایکسٹرنسٹ ہوئے اختتام مدت پر پنشن لے لی۔ بڑے بھاری ادیب وقت تھے۔ چونکہ ساری عمر شریعت تعلیم میں صرف ہوئی پڑھانے ہی کی دُسن رہی تصنیف و تالیف کوئی نہ چھوڑی کئی برس ہوئے انتقال کر گئے اور اپنے ساتھ علم کا دفتر بھی لے گئے۔ آپ کے چار صاحب زادوں میں افسوس ہے کہ کوئی بھی ایسا نہ نکلا جو باپ کے

نام کو روشن کرتا۔

## شیش محل

قدیم زمانے کی عالی شان عمارت ہوا اب اس میں فقیر چند کدازاتھ کی دکان ہو جس میں ہاتھی دانت اور سنگ مرمر وغیرہ کی نوادرات و عجائبات فروخت ہوتے ہیں۔ اسی سلسلے میں اہر کئی دکانیں اسی قسم کی ہیں۔ ان میں وہ چیزیں سجائی گئی ہیں کیوری آس سی طیر یعنی عجائبات کلائی ہیں اور ساجان انگریز ان مصنوعات اور نوادرات کو اکثر خرید کر کے ولایت بھیجتے ہیں۔

پاے والا لون کا بازار

دروازے کے سامنے۔ اس بازار میں ترہا ہاؤس کلاس میں سے خانم کے بازار اور ورہیہ کو رستہ جاتا ہے۔ خانم کا بازار تو اب رہا نہیں درہیہ البتہ موجود ہے۔ ہیز وغیرہ کے سیٹے پلنگ چھپر کھٹ چوکیاں۔ ٹنگن۔ گھڑ و نجیال مختلف قسم کا چوبی سامان ہوتا ہے۔ پاے اور صندوق بنانے والوں کی دکانیں کثرت سے ہیں اسی واسطے پاے والوں کا بازار مشہور ہو گیا۔ لالہ نرائن واسطی رہتلی کا بیچ منزلہ کوٹھا نہایت عالی شان بنا ہے۔ دیوالی دسمبر سے میں شیشے آلات وغیرہ سے سجایا جاتا ہے اور بجلی کی روشنی سے بقعہ نور بن جاتا ہے۔

سول ہسپتال صدر شفا خانہ سرکاری

۱۸۶۸ء میں بنایا گیا اور وقتاً فوقتاً نگہاظ ضرورت اور کثرت مروجہ مریضین اس میں توسیع ہوتی رہی۔ اس سے متعلق دو برینچ ڈسپنسریاں بھی ہیں ایک لال کنواں بازار میں اور دوسری صدر بازار میں۔ صدر شفا خانے میں ہر قسم کی سہولت اور آرام بیماروں کا غور رکھا گیا ہے۔ بیماروں کے لیے کشادہ اور ہوادار کمرے ان میں سجائے آہنی پلنگ اور بچھونے برابر لگے ہیں۔ یہاں کی صفائی اور حسن انتظام دیکھنے کے قابل ہے۔ اب آئی اینڈ اے ہسپتال بھی کھل گئی ہے جس میں امراض چشم و گوش و دینی کی علاج ہوتا ہے۔ مریضوں کی خوراک اور دیگر اخراجات ملا کر تخمیناً ۱۸۶۸ء کا سالانہ



خرچ میونسپل کمیٹی دیتی ہے۔ سول سرجن صاحب روزانہ مریضوں کو اکڑ دیکھتے ہیں۔ کئی تجربہ کار ڈاکٹر ہر وقت موجود رہتے ہیں۔

**لیڈی ڈفرن ہسپتال** ۱۹۰۳ء میں اسی ہسپتال میں ایک زنانی ہسپتال بھی کھولی گئی ہے۔ جبکہ سنگ بنیاد خود لارڈ ڈفرن گورنر جنرل کشور ہند ۱۸۸۳ء نے اپنے دست مبارک سے رکھا تھا۔

سرکاری شفا خانوں کے سوا دہلی میں پریلوٹ میڈیکل پریکٹس ٹرنر کی بھی کچھ کمی نہیں ان کا کاروبار بھی خوب چلتا ہے جن میں کئی مسلمان۔ ہندو اور بنگالی اور ولایت کے پاس شدہ ڈاکٹر ہیں اور بعض بعض ان میں سے ایسے مقبول نام ہیں کہ بہت لوگ ان کے زیر علاج رہتے ہیں۔

**یونانی اطباء کا مختصر تذکرہ** دہلی کے زیادہ تر یونانی علاج کے مستقذ ہیں اور میرے خیال میں انگریزی دوا خانوں سے بھی زیادہ

مرحوم یونانی حکیم صاحبوں کا ہے۔ جن میں چوٹی کے حکیموں میں تو جناب حکیم محمود خاں صاحب مرحوم و مغفور کا خاندان ہے جو محتاج کسی تعریف و تکریم کا نہیں ہندوستان کے ہر کونے سے لوگ بچے چلے آتے ہیں۔ پہلے تو اسی خاندان میں نصف درجن طب ہوتے تھے اب جناب مولوی حاجی حافظ حکیم اجل خاں صاحب نواب حاذق الملک بہادر کا نام اور کام ہے بڑا ماہر ہے اور اسی خاندان میں جناب خان بہادر حکیم احمد سعید خاں صاحب اور ان کے فرزند رشید جناب حکیم غلام کبریا خاں صاحب عرف حکیم بھورے اور جناب حکیم عہد الجید خاں صاحب مرحوم کے ہر دو صاحبزادگان کے مطب جاری ہیں سچ یہ ہے کہ یہ گھرانہ اپنی خانہ تمام آفتاب است کا پورا مصداق ہے۔ موت کے سوا سب بیماریوں کا تیر ہدف علاج اگر ہو تو اسی خاندان میں۔ پھر ہندوستانی دوا خانہ ایسا کھولا ہو اور اس کو ایسی ترقی دی ہو اور وہ وہ ادویہ طیار ہوتی ہیں کہ سارے ہندوستان میں اس کا جواب نہیں۔ خداوند تعالیٰ اس سارے خاندان کو صحیح و سلامت رکھے۔ پھر بے غرض لاطح۔ خلق متواضعہ غریب سے غریب کے گھر دوڑے جاتے ہیں۔ مریض کے ساتھ جان لڑا دیتے ہیں۔ ویسی ہی خدا نے عزت و کبر و بھنی دی ہے۔ مدد کے طبیہ



الگ جاری ہو۔ یونانی کلج جہاں رہا ہی دایوں کا مدرسہ ان سب بڑھ کر ہی غرض  
 خیر و برکت اور نفع خلایق کا سہ چشمہ کہوں تو تقیص مراتب اور کفران نعمت ہی یوں  
 کہو کہ ایک کھر تلوچ لہریں مار رہا ہی اور سب کو سیراب کر رہا ہی۔ دلی میں اور بھی کئی نامور  
 اور حاذق طبیب ہیں جن کے نام کہاں تک گنواؤں اُن میں ایک فرد فرید جناب حکیم  
 ناصر الدین خاں صاحب عرف چٹو میاں خلف الصدق جناب مرحوم و منقرض خاں  
 حکیم رضی الدین خاں متا شفا الملک ہیں جنہوں نے باوجود اس حادثہ سن  
 نورجانی اور عالم سغباب کے ایک بہترین نمونہ جو ان صلح کا دکھلایا ہی اور لوگوں کو وہ  
 صرف اپنے بے نظیر اخلاق بلکہ اپنے لا جواب علاج مناجحہ سے دوہری گراں بار منت  
 سے ممنون احسان فرمایا ہی۔ مختصر یہ کہ باپ کی شہرت اور نام کو قایم رکھنا تو خیر میں اگر  
 انہی کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ آپ کو جناب حاذق الملک بہادر کی طرح قومی کاموں میں بھی  
 شغف اور کمال و پستی ہی چنانچہ ۱۹۱۸ء کے آخر میں جو کامیاب جلسے اردو کانفرنس  
 کے ہوئے اُس کی روح رواں آپ ہی تھے۔ اسی کے ساتھ حکیم رضی الدین  
 خاں صاحب مرحوم منقرض کا کچھ تھوڑا سا حال لکھنا ضرور ہے۔ آپ ۱۲۹۸ھ میں پیدا ہوئے  
 چاندی ۱۳۱۶ھ کو (۱۸۹۸ء) سال کی عمر میں ہیضے سے انتقال فرمایا۔  
 محرم مرحوم سے سال وفات برآمد ہوتا ہے۔  
 حکیم الدین احمد خاں بہادر  
 یہ کیا معلوم تھا کہ اپنی پڑ سے گی  
 پڑ میں ایسی سخن گوئی پر پتھر  
 کہاں سے لاؤں پتھر کا کلیجہ  
 تلاش ماتوے کا ہوش کس کو  
 مگر انا تو کدہ دہستے ہیں اب بھی  
 رہے گی یاد لیکن سوگ کے ساتھ  
 حکیم صاحب مرحوم کو اُن کی وصیت کے موافق اُن کے جد بزرگوار نواب  
 عظیم الدولہ اعظم الملک بہادر حکیم غلام نجف خاں صاحب کے پائین  
 قدم شریف میں دفن کیا گیا۔

قطعہ تار سنج وفات کے چند شعر یہ ہیں۔  
 تمہارا کیوں کے جھیلیں رنج فرقت  
 تمہاری اور مجھے تار سنج نہشت  
 تمہارا میں محکاموں سال رحلت  
 کروں کس دل سے اُس میں غور و فکر  
 کہاں وہ فکر کی اس غم میں جودت  
 تمہاری تانہ رہ جائے شکایت  
 شفا الملک کی ناگاہ رحلت  
 ۱۳۲۷ھ

۱۳۲۷ھ

## کوچہ استاد حامد

عہد مغلیہ۔ یہ دروازہ اسی نام کے کوچے کا داخلی دروازہ ہے جس میں پہلے کبھی استاد حامد کا مکان تھا۔ استاد حامد وہ مشہور شخص ہے جس نے شاہ جہاں کے عہد میں بڑی بڑی عمارتیں تیار کی ہیں اور چون کہ اپنے فن میں کامل تھا اسی سبب استاد کہلاتا تھا۔ اس کوچے میں سادہ کار اور چاندی والے رہتے ہیں۔

## کوچہ استاد میرا

عہد مغلیہ۔ یہاں ایک دروازہ ہے جو استاد میرا کے نام سے مشہور ہے اور اب یہ کوچہ بھی اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ استاد میرا بھی عہد شاہ جہانی کا بڑا معمار تھا جس نے لال قلعہ وغیرہ بہت سی عمارتیں بنائی ہیں۔ اب اس میں ہندو رہتے ہیں۔

## ہاتھی والا کنواں

ستول ہسپتال کے شمالی دروازے اور درمیانی سڑکی انتہا پر اس نام کا ایک بڑا عالی شان کنواں ابھی چند سال ہوئے کہ تھا۔ لیکن چون کہ وہ بیچ سڑک میں آگیا تھا راستہ کشاؤ کرنے کے لیے پٹوا دیا گیا اور ایسا پٹوا لایا گیا کہ اب اس کا نشان تک باقی نہ رہا۔ چون کہ اس کوئیں پر چھت بھی تھی اور ایک برج سا تھا غالباً جس پر لاؤ چلانے کے جرج تھے اس کی عمارت کے بڑے ہونے کے خیال سے ہاتھی کنواں کہلاتا تھا۔

## اسپلینڈر روڈ کے مندر

اس سڑک پر پریڈ گروڈ کے مقابل ایک سلسلہ مندروں اور خوالوں کا بڑا جن کی تفصیل ہماری فرسٹ میں ملے گی یہاں صرف نام گزراے جاتے ہیں۔ راجندر جی ست ناراین داؤجی۔ نرسنگ جی۔ جگر ناتھ جی۔ گوپال جی۔

## کوچہ بلاتی بیگم

اس کوچے میں بخشی عمو جان کا عالی شان مکان ہے۔ اس کوچے کا مفصل ذکر درجہ کے بیان میں آیا ہے۔ کہ وہاں بھی یہ کوچہ نافذ ہے۔ اس میں اب ایک ہندو جینیوں کا تیم خانہ ہے۔ اس کے بعد لہسو الکی گلی ہے۔ اور پھر جنگالی ہائی سکول ملتا ہے۔

## عقب جامع مسجد یعنی چاؤڑی بازار قاضی کے حوض تک

کو چہ یار سے دیتا ہر جو واعظ تفضیل  
ایسی جنت میں نرالی وہ نضا کون سی ہے

### چاؤڑی بازار

عقب جامع مسجد سے قاضی کے حوض تک (۷۲۰) قدم لمبا اور سید ہا یہ بازار چلا گیا ہے۔ چوں کہ یہ بازار بہت چوڑا ہے دراصل اس کا نام چوڑا بازار تھا جو کثرت استعمال سے چاؤڑی بازار ہو گیا۔ یہ بازار اس سے اس تک دو منزلہ ہونے پہنچے بساطیوں - جفت فروشوں - کسبوروں - لوسیوں - کافخچیوں - رفوگروں - طوائیوں - غرض ہر قسم کی دکانیں ہیں اور کوٹھوں پر اسباب نشاط یا شاہدان بازار میں من فروشی کرتی ہیں - خوب کھانا بازار ہے - ٹھنڈے وقت یعنی مغرب سے کچھ پہلے اور بارہ بجے رات تک خوب چل پھل رہتی ہے - وہی گے اسیلے عاشق مزاج جوان دید بازی کے شوقین بن ٹھن کر خود اپنی آن بان پر مفتوں کو سے جاناں کے چکر کاٹتے رہتے ہیں - جس کو دیکھو اس کی نگاہ کو ٹھوں کی طرف ہی جچی رہتی ہے - پھول والوں کی دکانیں پھول ہیں موتیا کے گاہک کٹھا لوموتیا کا بارہ بجے رات تک برابر ہی آواز چلی آتی ہے - پھولوں کی لپٹ اور جھک سے دل و دماغ تازہ ہوتا ہے - جوڑیاں یگاڑیاں - ٹٹیں - تانگے - موٹریں بڑی رات گئے تک کھڑی رہتی ہیں - کسی طرف بٹلے پر تھاپ پڑتی ہو کہیں سے لاپٹنے کی آواز آتی ہے - چلتے ہوئے لوگ بھی کوٹھوں کے تلے ٹٹک جاتے ہیں جو اناڑی ہیں ادھر ادھر دیکھ بھال کر جھٹ اوپر چڑھ جاتے ہیں - جن کو دولت کا نشہ ہو اور کسی کا ڈر نہیں بے فکرے ہیں وہ شرم و حیا کو گھری میں چھوڑ آتے ہیں ورنہ کوٹھے پر چڑھ جاتے ہیں - ہمارے سبھی مردہ دل اگر کبھی بہ ضرورت ادھر سے گزر گئے تو آنکھیں بند ہوتی ہیں نہ کان بہرے - غ - سر و خانہ ہمسایہ حسن رہ گزرے - یہ تھا ضاع سن و سال اب اس قابل تو نہ رہے کہ بلند پروازی کریں - ہاں اتنا ضرور ہے کہ چور چوری سے گیا تو کیا بھیرا بھیری سے بھی گیا - گو گناہ میں براہ راست لوٹ نہ ہوں کہ غصمت بی بی ست نہ چاروں کو بھی کوٹھوں کی دلائی میں ہاتھ کاٹے نامہ اعمال پر سیاہی کی ایک نہ ضرور چڑھ

جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ چاؤڑی نہیں ہے پرستان یا اندر کا اکھاڑا جس کی نسبت مولناراسخ کے اس شعر پر ہمارا بھی صاد ہے۔

چاؤڑی قاف ہے یا غلہ بریں ہے راسخ  
جنگھٹے حوروں کے پیوں کے پرے ملتے ہیں

آسی کی بایں جانب چتلا دروازہ ہے کہتے ہیں کہ اس کا اصلی نام **چتلا دروازہ**

چل تن دروازہ تھا کیوں کہ یہاں چالیس تن شہید ہوئے تھے جن میں سے ایک وہ بزرگ تھے جن کی چتلا قبر مشہور ہے۔ اب کثرت استعمال سے چتلا دروازہ مشہور ہو گیا۔ اسی میں سے چوڑی والی اور جامع مسجد کو رستہ نکل جاتا ہے اور سٹے اس دروازے کے چھپنی واڑہ خور وہ پختہ دروازے کے اندر ہی گڑھیا کل محلہ ہے۔ آگے بڑھ کر چھتہ شاہ جی کا مشہور ہے۔ یہ رستہ سید بابہ محصور کی مسجد ہوتا ہوا بیچ میں دائیں بائیں ذیل کی گلیاں چھوڑتا ہوا کنارے بازار درہیہ میں جا نکلتا ہے۔ پہاڑ والی خور پہاڑ والی کلاں چھپنی واڑہ کلاں - دھرم پورہ - درہیہ والی - لالہ گرو صاری لال وکیل - چیل پوری - راکے بہادر لالہ کنیشی لال کٹھہ خوشحال راکے - کوچہ میر عاتق چاؤڑی بازار میں بایں جانب ایک بڑا محلہ ہے۔

چھتہ شاہ جی میں - دور آخر مغلیہ کا - پھاٹک اور سارے کا **شاہ جی کا مکان**

سارا چھتہ شاہ جی کا مکان کہلاتا ہے جن کا اصلی نام لڑا شادی تھا۔ آپ شاہ عالم ثانی کے زمانے میں ہندوستان میں بیٹے سے آئے تھے۔ جب مرہٹے دلی پر قابض تھے تو انہوں نے مرہٹوں سے سازش کر لی اور بادشاہ کو جو وظیفہ مرہٹے دیتے تھے انہیں کی وساطت سے ملنے لگا۔ شاہ جی اور ان کے ساتھ دو تین شخص اور جن میں سے ایک نشی بھواتی شکر تھے دلی میں مرہٹوں کی طرف سے ایجنٹ مقرر تھے۔ لڑا شادی خاں ناظم بازار بھی تھے اور جب ایک کثیر مقدار کوڑیوں کی جمع ہو گئی تو انہوں نے بحصول اجازت شاہی ”کوڑیا پل“ بنوایا۔ جس کا اب صرف نام ہی نام رہ گیا ہے۔ پل کا تو

توپہ نہیں مگر وہ سڑک جو نواری سے ملکہ کے باغ کے برابر برابر ریل کے سٹیشن کی طرف چلی گئی ہو وہ کوٹیاہل کی سڑک کہلاتی ہے۔ شاہ جی کے چھتے ہی میں عبدالصمد کا حمام ہے۔

شاہی زمانے میں یہاں ایک بڑا بڑا کا درخت تھا اور شاہی ٹولہ

شاہ بولا کا بڑا نامی ایک فقیر یہاں رہتے تھے جن کی قبر اب تک یہاں موجود ہے۔ اب وہ بڑا کا درخت تو نہیں رہا مگر قبر سلامت ہے جس پر ایک پھونٹا سانپ کا درخت سایہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے سامنے ہی گھاٹیوں کا اسٹینڈ ہے اور وہاں ہتھکڑیوں کی سڑک چلی گئی ہے اور دوسری طرف گھنٹہ گھر کے پاس چاندنی چوک میں جالی ہے۔ شاہ بولا کے بڑے کے پیچھے نامی وارٹھ کے کاغذ ہے۔ پھر اجر ٹن روڈ یعنی نئی سڑک ملتی ہے۔ آگے اسی بازار میں قاضی کے حوض تک یہ گلیاں ملتی ہیں۔ وہاں منی طرف محلہ چرخے والاں۔ نیا بازار اس میں سنگ سرخ کی ایک قدیم مسجد از سر نو درست اور آراستہ کی گئی ہے۔ پہلے یہ مسجد نواب صاحب کی مشہور تھی اب پتھر والی کہلاتی ہے۔ اس پر یہ کتبہ ہے۔

اللہ اکبر

بخشی الملک و امیر اعظم ست  
مسجد و چاہے کہ در عالم کم ست  
کعبہ ثانی و چاہے زمزم ست

آنکہ رکن الدولہ فیاض زماں  
شکر اللہ کرد در دہلی بنا  
بے تکلف گفت تاریخش نصیر

۱۳۲۸ھ

تاریخ تعمیر جدید

اس مسجد کو نواب رکن الدولہ - وزیر حضرت اکبر شاہ ثانی باہتمام شیخ پیر بخش معارف ۱۳۲۸ھ میں تعمیر کرایا تھا بعد ازاں نصیر الدین احمد خاں نصیرہ نواب مملوح نے باہتمام شیخ عبدالحق نصیرہ معارف مذکور ۱۳۳۲ھ میں از سر نو بنوایا۔

(کتبہ فیاض خاں سنگ تراش)

گلی حکیم بقا جس کا دوسرا رستہ قاضی کوٹھن پر نکلتا ہے۔ بائیں طرف گلی تاشا گلی بابو ہتھاب راہ ہے۔ گلی راجہ کمار ناتھ - کمرہ حافظہ واؤد صاحب جو نواب صاحب دو جانے کی عالی شان کوٹھی ہے۔ جس میں ایک حمام بھی ہے۔ محلہ کھاری کوٹی - راستہ

بازار چوڑی دالاں جو مٹیاخل - مہلی خانہ اور جامع مسجد امپتیلے دروازے جاکھتا ہے  
 گلی مرغس - گلی روٹا چار والی - گلی چاہ میراں والی - حکیم بقاوالی گلی اس چہ  
 مشہور ہو کہ یہاں جو حکیم رہتے تھے وہ سب آنکھوں کے علاج کے لیے مشہور  
 تھے چنانچہ حکیم حسام الدین خاں صاحب عرف حکیم منجھلے اپنے فن میں دنگاہ  
 کامل رکھتے تھے اور دور دور سے لوگ آنکھوں کے علاج کو آیا کرتے تھے۔  
 حکیم منجھلے کے بعد ان کے صاحب زادے حکیم قیام الدین خاں صاحب تھے  
 اور اب ان کے بیٹے حکیم مکرم الدین صاحب ہیں۔ اور اسی خاندان میں حکیم  
 لطیف حسین خاں صاحب تھے۔ دونوں صاحب آنکھ کے علاج میں ید طولی  
 رکھتے تھے۔ اب دونوں کا انتقال ہو گیا۔ حکیم لطیف حسین خاں صاحب علاوہ  
 ایک حافظ طبیب ہونے کے ذی علم تھے اور گورنمنٹ ہائی سکول دہلی میں عربی  
 فارسی کے مدرس تھے چنانچہ راقم نے بھی جب کہ میں اس مدرس میں پڑھتا تھا آپ  
 سے استفادہ کیا ہے۔ اسی جگہ میراں والی گلی پر اب آگے بڑھ کر قاضی کا حوض ہے۔  
 چاؤڑی کے آخری سر پر چاہ حوض قاضی گلی حکیم بقا  
 والی پر دنگ و کس کے مقابل یہ بہت بڑا برقی چھا پے خانہ ہے جس میں  
 لیتھو اور ٹیپ اردو انگریزی ہندی سب قسم کی چھپائی کا کام ہوتا ہے۔

## چاؤڑی بازار میں سے چوڑی والوں کا محلہ اٹلی کی پہاڑی تک

یہ ایک لمبی اور تنگ گلی ہے جو چاؤڑی بازار میں جامع مسجد سے آتے ہوئے بائیں  
 ہاتھ کو پھٹ جاتی ہے۔ آگے چل کر ایک سڑک داہنی طرف پھٹ گئی ہے جو بندت  
 پریم ناراین کی سڑک کہلاتی ہے جو اندور ریاست میں بہت بڑے عہدے پر تھے۔  
 اس کے آگے ایک گلی بائیں جانب شیخ منگلو کے چھتے میں سے جو داہنی جانب پڑا ہے  
 ہوتی ہوئی جامع مسجد کے سامنے جاکھتی ہے اور یہیں سے بائیں جانب ایک گلی نکل کر چنلے  
 دروازے میں ہوتی ہوئی بازار چاؤڑی میں جاکھتی ہے۔ بچے اینڈ سنز پریس کے  
 آگے داہنے ہاتھ کی طرف ایک بہت تنگ اور پیچ دار گلی محلہ بدلیاں میں جاتی ہے جو ایک طرف سڑک پٹت پریم ناراین میں  
 نکلتی ہے اور دوسری طرف بھوج پڑا ہے پر اب پھر سڑک پر گھٹے تو لکری بننے والوں کی چند دکانیں ہیں جن کے سبب سے

یہ حصہ ٹوکری والوں کا محلہ کہلانے لگا تھا اس کے یہ اٹلی کی پہاڑی ہے۔  
 اب یہاں پیسٹک اس بڑی سڑک سے ہالٹی ہو جو جامع مسجد کے منہ سے نکلتی ہے۔  
 بازار میں سے گزر کر پتلی قبر۔ بانہارا میر خاں اور تراسہ پورہ۔ دلی دروازہ سے باہر  
 جاتے ہیں۔ بازار چوڑی والوں میں یہ گلیاں ہیں۔ دالنی حوضہ گنگی گڑویا چوڑی گڑوی  
 کٹرہ دھومی مل کا غزی۔ حویلی منشی کبیر علی تحصیل دار حیرا میں زمانہ شہنشاہانہ مدرسہ  
 دانیال جناب حکیم اجل خاں صاحب حافق الملک کا ہے۔ مہنچ ہندیا جی۔ نکل غلام نجف۔  
 دالی۔ گلی میگنیز اور ایک مسجد۔ سڑک پنڈت پریم چندرین۔ گلی نرس۔ دالی۔ پچانکسی  
 شمس الدین جس میں ہے اینڈ سنز پریس ہے۔ یہیں مولوی امیر حمزہ کا مکان تھا۔ بعد بدلیاں یہیں مولوی علی گڑوی  
 راسخ مرحوم تھے۔ گلی شیخ پوشاں مسجد الف خاں روشنائی فروش۔ اٹلی کی پہاڑی  
 جہاں سید محمد سیر خوشنویس کا مکان تھا۔ اور شاہ محمد علی کا مقبرہ اور ایک برج کی مسجد  
 بائیں طرف کا رخانہ لالہ بھائیل گلزاری مل رہتے ہیں۔ حویلی ڈی بی محمد سلطان خاں صاحب  
 جس میں حکیم صاحب کا مدرسہ طبیہ ہے۔ حمام سیتل داس۔ گلی منہاریوں والی گلی جو والاں  
 اور مسجد۔ گلی حکیم جی والی جس میں حکیم علی احمد خاں صاحب دو جانے والے مطب کر رہے  
 ہیں۔ محلہ ٹوکری والاں۔ گلی مرزا ثریا جاہ۔ شاخ مدرسہ زمانہ الاسلام لائی۔

**مولوی سید امیر حمزہ مرحوم** | سید امیر علی شاہ صاحب کے فرزند تھے۔ آپ  
 عربی فارسی کے منتہی اور باایں ہمہ انگریزی بھی جانتے

تھے۔ زہد و تقویٰ اور شرافت خاندانی کے اعتبار سے  
 آپ دلی کے مشاہیر میں سے تھے۔ شعر گوئی کا بھی شوق تھا اور کلام آپ کا چوں کہ  
 درد بھرا اور تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا لوگوں کی زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ کچھ دہلی  
 ہندو کلج بین و فیس ہے مگر ازل سے ایک آزاد طبیعت لائے تھے بھلا ٹوکری کی قید  
 کب اٹھا سکتے تھے۔ گھر بیٹھے اور درس و تدریس کا مشغلہ رہا بہت سے لوگ آپ کے  
 شاگرد ہیں جو آج بڑے بڑے عہدوں پر ہیں۔ سخاوت کا لپکا تھا۔ پیسہ ہاتھ میں  
 نہ لٹاتا تھا۔ ادھر لا ادھر دیا۔ اپنے پر تکلیف اٹھاتے مگر سائل کا سوال رو نہ کرتے  
 تھے۔ مختصر یہ کہ باخدا بزرگ تھے۔ ۴۸ سال کے سن میں رحلت فرمائی۔ آپ کے  
 دو صاحب زادے ہیں بڑے صاحب مولانا سید محمد ناصر فارغ التحصیل ہیں۔



نیا عمر بچی میں جن کے کلام کی خوبی کا اندازہ ان اشعار سے ہو گا۔

نئی دامن آتش چوں دم دیدار می رقصم  
مگر دامن پریم فدویکے پیش یاری رقصم  
خوشنار تری کہ پالاش کیم صد پار سانی را  
نہ ہے تعوی کہ من با جہ دوستار می رقصم  
تو اس قائل کہ از بہر تماشا خوں می رجوی  
من آن بسیل کہ تیرہ خنجر خوشنار می رقصم  
دوست سکر صاحب زادے قاری مسید والد صاحب کم عمر اور زبرد تعلیم اور ہونہار ہیں۔

### مولوی عبدالرحمن صناعی

میں ان کا سرواں تھا۔ یہ صاحبِ خلاوہ حدیث۔ تفسیر اور فقہ کے فارسی کے اہل کمال اور شاعر بے نظیر تھے۔ شیعہ شذوی مولانا روم اور ایک ضخیم دیوان مرآت الخیال آپ کی یادگار ہے۔ عشقیہ اور نعتیہ کلام اور دو دیوانوں میں ہے۔ آپ بڑے پایہ کے واعظ بھی تھے اور مولوی عبد الرزاق صاحب اور ان کے بیٹے مولوی محمد ادریس کے بعد آپ پھلی والوں کی مسجد میں جمعہ کے جمعہ وعظ کہا کرتے تھے۔ سنتے والے کہتے ہیں کہ خوب کہتے تھے۔ آپ کے چند شعر ناظرین کی تخریج کے لئے لکھتا ہوں۔

دل نشیں ہر تیر بھو درو نہانی کی طرح  
تج قاتل حلق سے اتری ہو پانی کی طرح  
پھر جگر کی چوٹ ابھر آئی پھر اٹھا درو دل  
ابھرے جو بن کی طرح اٹھتی جوانی کی طرح



سر بہالامی کشد سوداے من  
شد قضاے لامکاں صحراے من  
من بایں دیوانگی شیداے تو  
تو بایں فدا زانگی سیلاے من



راسخ کی فاقہ مستی کو اسد کی پناہ  
کھاتا ہی سوکھے ٹکڑے بھگو کر تڑپیں  
سید محمد امیر خوش نویں کا مکان  
ایہیں سے ایک شلخ سڑک کی چوڑی  
والوں کے محلے کو پھٹ گئی ہو اسی جگہ کے  
سید محمد امیر خوش نویں کا مکان تھا جس پر نہایت خوش خط عاقبت بنجیر باو  
لکھا ہوا تھا اور اسی کے پاس بھوجلا پھاڑی کا تھانا تھا۔



## شاہ محمد علی واعظ کا مقبرہ

۱۱۳۱ھ  
۱۹-۱۸-۱۶

محلہ الہی کی پہاڑی۔ ایک برجی مسجد کے پاس  
اس مقبرے میں تین قبریں ہیں۔ دو جو برابر ہیں  
وہ ایک سنگین کھڑے کے اندر ہیں۔ ان میں  
سے ایک قبر شاہ محمد علی صاحب کی ہے اور دوسری

ان کے بھائی اسد احمد کی۔ تیسری قبر زمین کے برابر ہو گئی ہے وہ خبر نہیں کہ کس کی ہے  
غالباً شاہ صاحب ہی کے کسی معتقد کی ہوگی۔ شاہ صاحب بڑے مقدس بزرگ  
تھے جنہوں نے اپنی زندگی کا مقصد وعظ اور تلقین مذہب ہی رکھا تھا اور آپ اکثر  
گجرات میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ گجرات کے صوبہ دار چنیت سنگھ کے مظالم  
سے تنگ آکر آپ مع اپنے ساتھیوں کے دہلی چلے آئے۔ یہاں آنے کے  
بعد چنیت سنگھ کی اشتعالک سے فرخ سیر نے آپ کو قلعہ کی چوٹی مسجد میں قید کر دیا۔  
بادشاہ کو خواب میں اس حرکت نا شبہ پر عتاب ہوا اور اس سے متاثر ہو کر  
آپ کو مع آپ کے ہمراہیوں کے فوراً چھوڑ دیا۔ تب آپ جامع مسجد میں رہنے  
لگے اور وہیں درس و تدریس اور وعظ کا سلسلہ جاری رہا۔ شاہ صاحب نے  
جو عالم گیر ثانی کے مرشد بھی تھے ۱۱۳۱ھ میں انتقال کیا اور ایک برجی مسجد  
کے پاس دفن ہوئے۔

## مطبع مجتہبی دہلی

در اصل یہ مطبع منشی ممتاز علی صاحب خوش نویس کا تھا جب  
۱۲۸۰ھ میں وہ ہجرت بیت اللہ کو جانے لگے تو مولوی غلام

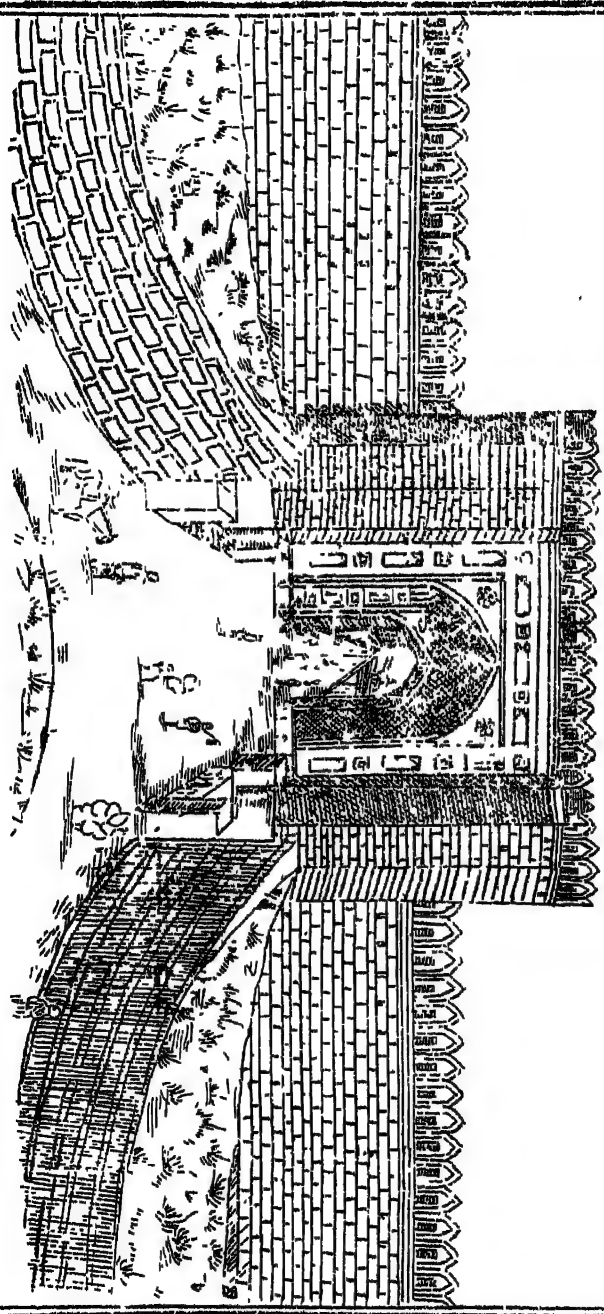
عبدالاحد صاحب نے خرید لیا۔ اس وقت مطبع کی ایک بہت معمولی حیثیت تھی۔ مولوی صاحب  
نے اپنی ذاتی قابلیت اور محنت اور صرف سے اس کو ایسی ترقی دی کہ اتنا بڑا اور کوئی مطبع اب  
دلی میں نہیں ہے۔ اس مطبع میں زیادہ تر دینیات کی کتابیں چھپتی ہیں۔ اب چھپائی کا کام کم ہوتا  
ہے۔ تھوڑے فروغی زیادہ ہے۔ مولوی صاحب رضوی سید ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت  
امام علی رضا سے ملتا ہے۔ خود بڑے نیک نفس۔ منکسر المزاج۔ ملنسار اور خلیق ہیں۔  
بریلی کالج سے ۱۸۶۹ء میں کلکتہ یونیورسٹی کا انٹرنس کا امتحان پاس کرنے کے بعد  
گورنمنٹ سکول بدایوں میں تھرو ماسٹر مقرر ہوئے۔ ۱۲۸۰ھ کو الہ آباد میں امتحانات  
دے کر درجہ اول کی سند حاصل کی اور اسی سال انہا کے رسالے پندہ جنگال ہیں

ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ پھر ۱۸۶۳ء میں اس سلسلے کو منقطع کر کے ضلع میرٹھ میں وکالت کرنے لگے۔ آخر کار وکالت چھوڑ کر وائی تشریف لائے اور مطبع کا کاروبار شروع کیا جس میں آپ کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ اپنی بیعت اور وجاہت کے بقیہ حکام میں بڑا رسوخ حاصل ہو اور بڑی عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ولی کے نہایت سربز اور وہ اشخاص میں آپ کا شمار ہو۔ قومی کاموں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں علی گڑھ کالج کے رٹسٹی ہیں۔ آنریری مجسٹریٹ ہیں۔ اسی سال آپ کو خان بہادر کا خطاب ملا۔ دہلی میں ایسا کوئی قومی جلسہ یا اہم کام نہ ہوگا جس میں آپ سب آگے نہ ہوں۔ دل کھول کر قومی کاموں میں جان و مال سے شرکت کرتے ہیں۔ جامع مسجد۔ مسجد فتح پوری۔ عربک سکول۔ یتیم خانوں وغیرہ کے ممبر ہیں۔ رات دن اسی دھن میں لگے رہتے ہیں بلکہ سچ پوچھئے تو اب مطبع کی طرف زیادہ توجہ نہیں کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بہت کچھ دیا ہو۔ بڑے صاحب جاں دہیں مسلمانوں کی فلاح اور ان کی بہبودی آپ کا نصب العین ہو اور حکام تک ان کی ضرورت پونہ جانے کے لئے آپ سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ قوم میں اگر ایسے شیلیائی اور چند لوگ ہو جائیں تو مسلمان نکتہ واد بار سے نکل جائیں۔

## قضی کے حوض سے سیتارام کا بازار تاہلی خانہ

یہ ایک معمولی بازار ہو طوائی وغیرہ متفرق دکان دار بیٹھے ہیں کوئی خاص بات اس بازار میں نہیں ہو نہ کوئی بڑی عمارت ہو البتہ ادھر ادھر دو طرفہ گلیاں نکل گئی ہیں جن کی تفصیل دواہنی طرف شیش محل یہ قدیم زمانہ کا ایک عالی شان محل ہو۔ گلی تھان سنگہ۔ کوچہ پانی رام۔ جس کے اندر سیرام میر سٹریٹ لاکا حال کا بنا ہوا عالی شان مکان ہو۔ گلی حئی بستی۔ گلی اندر والی۔ گلی ہیری والی۔ گلی لودھان۔ اہلی کا محلہ۔ کوچہ شریفیہ گلی اوگرہ۔ مکان ہندو یتیم خانہ۔ مکان حکیم قاسم علی خاں پوریئے واسے مرحوم۔ کوچہ شیدی قاسم۔ اور اس کے اندر گلی کشمیریوں۔ گلی نیلا والی۔ چاہ نورنگ رکے ہو جس میں سے اہلی کے محلے کو رستہ نکل جاتا ہو اور ایک گلی پوریئے والوں کی ہو یہاں رستہ عقب کل مسجد کو چلا گیا ہو۔ اور عقب کلان مسجد میں گلی نقارچیان کا درگاہ ہے اس کے علاوہ حوض

نقص و آگاهی در روانه



## قاضی کے حوض سے اجمیری دروازے تک

یہ بھی ایک وسیع اور کشادہ اور سید ہا بازار ہے جس میں موچی - بقال - لوہار وغیرہ بیٹھے ہیں۔ آپ مولانا کریم اللہ صاحب کے صاحبزادی

### مسجد و مدرسہ مولوی محمد یعقوب صاحب

تھے۔ مولوی کریم اللہ صاحب جامع علوم و فنون تھے خصوصاً دینیات میں دست گاہ کامل رکھتے تھے۔ بڑے متوکل اور قانع تھے باوجود عیال داری اور تامل کے دنیا کی طرف کم رجوع کرتے تھے۔ بیشتر اوقات تدریس طلباء میں مصروف رہتے تھے۔ مولوی کریم اللہ صاحب بھی اپنے باپ کی طبع خفی مذہب کے جید علماء میں سے تھے یہ بھی متوکل اور درس و تدریس کے شائق تھے۔ فتاویٰ نویسی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ جمعہ کے دن وعظ بھی فرماتے تھے۔ اب بھی مدرسہ جاری ہے۔ داہنی طرف کوچہ فتح النساءیم - حویلی رجبائیم (رضیہ بیگم) گلی شاہ تارا - کوچہ دیوان سنگھ - کوچہ مصطفیٰ بیگ - گلی ہنسی کوسے والی -

بائیں طرف کسٹرہ شیخ رانجھا - کسٹرہ فیض بخش - محلہ کروڑی - گلی لوہاراں - گلی بندوق والی - محلہ بندوق والاں - گلی کونڈے والی - گلی بیلا والی - مادھورام بدھ سنگھ لوبہیئے کا کارخانہ - (۱) کروڑی محلے میں جانے کا دروازہ ہے۔ دور آخری مغلیہ کا بنا ہوا ہے۔ یہ دراصل نواب وزیر کے گنج کا پچھلک تھا اب یہ مقام محلہ کٹوری کہلاتا ہے۔ (۲) دروازہ کوچہ رجبائیم - محمد شاہ کے زمانے کا۔ رضی النساءیم کو غالباً بگاڑ کر رجبائیم کر لیا ہے جو نواب قمر الدین خاں کی صاحبزادی تھیں یہ دروازہ بیگم صاحب کی حویلی کا تھا جو ایک جڑو تھی نواب قمر الدین خاں کے مکان کا۔ (۳) کوچہ فتح النساءیم کے سکر پر۔ محمد شاہ کے زمانے کا۔ یہ بیگم نواب قمر الدین خاں کی تیسری صاحبزادی تھی یہ دروازہ بیگم صاحب کی حویلی کا تھا جو ایک جڑو تھی نواب قمر الدین خاں کے مکان کا۔ اب وہ حویلی تو باقی نہیں مگر اس جگہ جو مکانات بن گئے ہیں وہ کوچہ انھیں کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔

اجمیری دروازہ | شہر کے جنوب و مغربی جانب کی تفصیل میں تھا۔ اب تفصیل توڑتا ٹوڑالی گئی صرف دروازہ برقرار رکھا ہے۔ جو شہر پناہ کے

دوسرے دروازوں کی طرح شان دار ہے۔ دروازے کے سامنے احاطے کی دیوار کھینچ کر  
آمدورفت کا راستہ بند کر دیا ہے اور اسی کے سامنے عریک سکول ہے۔ پہلے  
اجیری دروازے کے چاروں طرف مکان ہی مکان تھے اب جہر دیکھو صاف سپاٹ  
میدان ہے۔

قاضی کے حوض سے بازار سر کی والاں۔ لال کنواں۔ کٹمرہ پٹریاں  
سے ہوتے ہوئے نئے بانس تک

قاضی کا حوض

۱۲۶۴ھ

قاضی کے حوض کے تہا نہ کے پاس چوراہے کے نزدیک یہ  
حوض تھا جہاں اب حوض باٹ کر ترکاری کا مارکٹ بنا دیا گیا ہے۔  
یہ باؤلی کی طرح کا ایک بہت بڑا حوض تھا جسے معتبر الدولہ نے  
۱۲۶۴ھ میں بنوایا۔ اس میں نہر آتی تھی۔ نہر بند ہوئی تو حوض بے کار ہو گیا نہر کے  
ساتھ وہ بھی نہر ہو گیا۔ اس پر ایک سنگ مرمر کی تختی پر یہ قطعہ تاریخ تھا:-

آب در منبع این نہر صید کرد چوں معتبر الدولہ رواں  
ہاتفت غیب بوصف فیضش گفت تاریخ با فیض رساں

اب یہ بازار قاضی کے حوض کے نام سے مشہور ہے۔ اس مقام پر جو چوراہا ہے  
ایک سڑک جاؤڑی بازار سے آگرتی ہے جو سیدھی اجیری دروازے کو چلی  
جاتی ہے دوسری سیتا رام کے بازار سے آتی ہے اور بازار سر کی والاں لال کنوئیں  
پٹریوں کے کٹمرے سے ہوتی ہوئی نئے بانس سے نکل کر کھاری باؤلی کے  
بازار کے شارع عام میں جاگرتی ہے۔ اس بازار کے شروع سے آخر تک دہننے بائیں یہ  
گلیاں ہوتی ہیں۔

دائیں طرف گلی حکیم بقا جس کا دوسرا رخ جاؤڑی کی طرف نکلتا ہے اور رستہ چرنے والوں  
میں بھی نکلتا ہے۔ محلہ میل جہادیو جس میں چھتہ صوفی جی۔ داسی میں نشی ہلاتی داس صاحب کا  
میوہ پیس ہے اس میں سے رستہ شہر افگن خاں کی بارہ دری میں بنی ماروں میں جا نکلتا ہے  
بکرست ہال۔ گلی جاہم پوریاں۔ لال دروازہ کٹمرہ قاضی۔ حویلی میر فضل۔ دواخانہ ہم درو  
جس کے سر پرست حکیم فقار الملک مرحوم تھے۔ گلی قہم جان جس کے اندر نواب صاحب کی

حی علی۔ مکان خان بہادر ہادی حسین خاں صاحب مرحوم۔ کوٹھی نواب صاحب لوہارو۔  
 مرغ خانہ جس میں نواب احمد سعید خاں صاحب رہتے ہیں۔ اعظم کالے صاحب  
 (اس میں پنجابی رہتے ہیں) مکان نواب شجاع الدین خاں۔ کوٹھی نواب احمد سعید خاں  
 جس میں پنجابی رہتے ہیں۔ مدرسہ عنایت اللہ خاں۔ دو خانہ ہندوستانی۔ اب  
 پھر سڑک پر آئیے۔ مدرسہ میر جگدہ اب مدرسہ باقی نہیں رہی صرف نام ہی نام رہ گیا ہے  
 اور محلہ اسی نام سے مشہور ہے۔ لال کنواں برتنی ڈسپنسری۔ بازار لال کنواں۔ گلی  
 اچار دالی۔ گلی میر جگدہ۔ گلی چابک سواراں۔ کٹرہ غلام محمد خاں۔ گلی ستید زمان شاہ۔  
 کٹرہ بڑیاں میں گلی کندہ کشاں جس کے اندوار ایک بہت پرانی قبر سنگ مرمر کی ہے  
 اور ایک چوٹی کٹرہ بعد کا بنا ہوا ہے لوگ کہتے ہیں کہ پہلے اس قبر کا بہت بڑا چوڑا سنگ  
 مرمر کا تھا لوگوں نے مکان بڑھا کر سارا چوڑا داب لیا۔ اس قبر کی لوح سنگ مرمر  
 کی ہے جس پر کتبہ ہے لیکن افسوس ہے کہ پتھر ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے پڑھا نہیں جاتا نہ صاحب قبر کا  
 پورا نام باقی ہے البتہ سنہ صاف ہے۔ قبر کے تعویذ پر طغریٰ کُلُّ مَن عَلَیْہَا قَاتِلٌ کا ہے  
 جس کے نیچے کلمہ طیبہ ہے۔ باقی کتبہ یہ ہے۔

ہو اللہ

دہلی مرقد خاں خانہ احمدیہ.....

سچدار دار..... سلطان شدہ

... خدا و محمد..... تارہ پنجہ...

شد سال رحلت غلام..... و.....

قلن کا حمام۔ اب پھر بڑیوں کے کٹرہ کے کٹرہ پر آ کر نئے ہانس کی طرف چلیے  
 یہ گلیاں ملیں گی۔ گلی جانشہ کلاں جس کے اندر کوچہ نواب مرزا کا دو سرا سرا چھتے ہیں  
 سے گزرو کر گلی کلاں میں سے ہوتے ہوئے بڑیوں کے کٹرہ میں جاتا ہے۔  
 پھر نئے ہانس کی سڑک پر آئیے۔ یہاں سے بازار نیا ہانس شروع ہوتا ہے جس میں  
 گلی بتاشاں خورد ہے آگے کھاری باؤلی کا بڑا بازار ہے۔

بائیں طرف۔ منڈی نمک۔ لال مسجد۔ تھانہ حوض قاضی۔ حی علی بدل بیگ خاں۔ پھاٹک ان بیگ  
 کوچہ نور احمد خاں۔ کوچہ پنڈت جس میں گلی سوار خاں جس میں خان صاحب مولوی سید احمد صاحب

مصطفیٰ فرہنگ آصفیہ رہتے تھے۔ مسجد سوار خاں۔ گلی چاہ جگلی جو محلہ نیاریوں میں  
 جاہلکتی ہے۔ گلی حافظ عزیز الدین وکیل۔ مکان پیر جی عبدالقصد صاحب۔ مکان مولوی  
 سید عبدالرشید واسے۔ کزن پریس ہیں امراؤ مرزا صاحبت رہتے ہیں۔ محلہ  
 شاہ گنج۔ محلہ گھوسیاں شیش محل۔ گلی شاد مارا۔ (یہاں اجیری دروازے کی سڑک  
 ملتی ہے) اب پنڈت کے کوپے کے باہر پھر شارع عام پر آئیے۔ کسٹروہ بھجڑاں۔ کسٹروہ  
 آوینہ بیگ خاں جس میں جناب حکیم رضی الدین خاں صاحب شفا الملک مرحوم کا دولت خانہ  
 ہے اور سید محمد میر صاحب وکیل میرٹھ واسے بھی یہیں رہتے ہیں۔ دواخانہ ڈاکٹر غایت اللہ  
 عرف فرانس واسے۔ محلہ رود گراں اس کے اندر سید منصور علی کی قبر اور شرف الدولہ  
 کے مدرسے کا دروازہ اور مدرسہ نواب ارادت مند خاں شرف الدولہ کی قبر۔  
 احاطہ جتن صاحب۔ گلی میرمداری۔ گھٹے کاکنواں۔ مستنصر پریس جس کے آگے فراش خانے  
 کی کھڑکی ہے۔ پھر شارع عام پر دواخانہ ڈاکٹر عطارد اللہ خاں جس کے پیچھے ایک چھوٹی سی گلی نجاراں کی ہے  
 کسٹروہ شیخ چاند۔ گلی بہرام بیگ۔ کسٹروہ سپھدار خاں۔ کمرۂ زمینت محل۔ گلی مروہان  
 فراش خانہ جس کے اندر گلی سمو ساں۔ نگینہ محل جس میں مدرسہ منظر الاسلام ہے۔ گلی انہا والی۔  
 گلی راجاں۔ گلی چاہ شیریں یا کوچہ حکیم حامد خاں۔ مکان حکیم بدر الدین خاں مرحوم۔ جن کے  
 صاحب زادے حکیم شجاع الدین خاں مطب کرتے ہیں۔ چھتہ راجاں۔ کسٹروہ شہنشاہ۔  
 کسٹروہ ہندو۔ مرزا اکبر علی خاں مرحوم قرولی واسے کا مکان۔ مکان خان بہادر ڈپٹی ناصر علی  
 خاں صاحب۔ چوہیتا کا چھتہ۔ گلی امینہ بیگم۔ سنگی بیگ کا بھانگ۔ گلی خان بیگ خاں۔  
 کسٹروہ دھوبیاں۔ گلی آخونجی والی۔ فراش خانے کے باہر۔ مسجد تہور خاں کا بازار۔ گلی  
 بیلال۔ گلی سیرس والی۔ حمام عبدالرحمن۔ مسجد تہور خاں۔ گلی کناری والی۔ کوچہ سنوگی رام  
 جس میں اہل ہنود کے مندر ہیں جس کی تفصیل فہرست میں ہے۔ نہا بانس۔ کھاری باؤلی۔  
 بڑیوں کے کسٹروے میں بائیں طرف گلی کلاں۔ گلی کہاراں۔ حمام بید و زید مسجد فتح پوری  
 امپریل سڑک کش با تھ جو دلی کے تمام حماموں میں سب سے بہتر ہے۔ دروازہ جنوبی مسجد  
 فتح پوری۔

ایک پختہ عمارت کیسبرج خن کے متعلق ہے اس میں پادری صاحبان  
 لکچر دیا کرتے ہیں اور لوگوں کو متوجہ کرنے کا سہل لکھا ہے کہ انجا

بکر سٹ ہال



مفت دیکھنے کو ملتا ہے۔ ع چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دوکار کا معاملہ ہے۔

حویلی عبدالرحمن خاں دروازہ

بازار سرکی والاں میں اس عالی شان دوآد  
کی پیشانی پر سنگ مرمر کی تختی پر سیاہ  
حروف سے "حویلی عبدالرحمن خاں صاحب  
۱۲۲۱ھ  
۶۱۸-۶۰۷ھ

کندہ ہے۔ عبدالرحمن خاں عہد شاہ جانی کے ایک معزز اور متمول رئیس شاہ جان آباد  
کے تھے۔ منشی کرم الدین خاں عرف ننھے خاں صاحب اس کے مالک تھے

اب ان کا انتقال ہو گیا۔ بی بی ان کی مالک ہیں سر  
بازار لال کنواں پنڈت کے کوچے سے ذرا آگے بڑھ کر  
لال دروازہ جوں کہ اس پر برنجی کا سنخ رنگ ہو رہا ہے اس سبب لال دروازہ  
مشہور ہے۔ دراصل یہ مرزا نعل بیگ خاں کی حویلی کا دروازہ تھا۔ اب یہیں نواب  
سراج الدین خاں سائل دہلی کے مشہور شاعر کا دولت خانہ ہے۔

نواب سراج الدین خاں صاحب  
اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں دل غ  
ہندوستان میں دھوم پھاری زبان کی ہو  
سائل

آپ نواب شہاب الدین خاں صاحب مرحوم  
کے منجھلے صاحب زادے اور جناب نواب فصیح الملک نواب مرزا داغ دہلوی  
کے داماد ہیں۔ نہایت وجہ و تشکیل جن کے چہرے ہی سے آثار شرافت و نجابت  
و امارت چمکتے ہیں۔ ذی یاقوت خوش گفتار۔ ہا مذاق۔ متواضع منکسر المزاج اخلاق  
حسنہ کے پتے ہیں۔ کلام ان کا غالب اور داغ کا رنگ سیئے ہوئے ہی مستند  
اور قادر الکلام اپنے وقت کے باکال شاعر ہیں۔ کلام میں علاوہ لطف سخن کے  
ایک بڑی صفت یہ ہے کہ زبان سے نکل کر دل میں اتر جاتا ہے۔ پڑھنے کا طرز خاص  
ایسا ہے کہ جس سے اعضا مضامین رونق ہو جاتی ہے یہ طرز انداز لہجہ کچھ ایسا مقبول خاطر ہوا  
ہے کہ بہت سے لوگ اس کا تتبع کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اصل اصل ہی ہے اور  
نقل نقل ہی۔ آپ کی اہلیہ کو ریاست حیدر آباد کن سے معقول منصب ہی داغ مرحوم



و مغفور کی گودیوں میں پہلے میں شاعری ان کی میراث ہے۔ اور مجھ سے نسبت خاص یہ ہو کہ میرے قبلہ و کعبہ والد مرحوم کے عزیز تلمیذ میں چند رسائے عربی کے ان سے پرٹے ہیں اور بیشتر حضوری کا شرف حاصل کیا ہے۔ پہلے جلسوں میں اکثر آپ اپنی برجستہ نظموں سے آڈینس کی رونق بڑھاتے اور حاضرین کو محفوظ کرتے ہیں۔ آپ کا کلام سننے سے سیری نہیں ہوتی یہی دل چاہتا ہے کہ کچھ اور پڑھیں۔ آپ کے کلام کا نمونہ دینا ایک مشکل کام ہے کیوں کہ سارا کلام آراستہ اور جواہر میں تو نے کے قابل ہے جس غزل پر نظر پڑتی ہے وہی دل میں کھب جاتی ہے۔ اس لیے انتخاب کو تو میں نے چھوڑا اور آپ کے قلمی دیوان میں سے کوئی سی بھی ایک غزل کر منوشتہ پیش ہے اس سے شائقین اندازہ کر سکتے ہیں کہ سستگی زبان۔ محاورہ بندی۔ نفاذ۔ نزاکت۔ معاملہ نگاری کو نسی بات ہے جو حضرت سائل کی زبان میں نہیں ہے۔

## غزل

غیر سے روٹھے رہے تکرار ہو کر رہ گئی  
فیض یا پ زخم دا من دا ہو کر رہ گئی  
اپنے کو پے میں اٹھایا حشر عالم چھوڑ کر  
جس جگہ تھے داغ جن جا زخم تھے مانسو تھے  
قتل کی نیت میں قاتل کس لیے آیا خلل  
غیر کی گردن میں کافر کیش کی باہیں بڑیں  
پہلے تھی بھلی کی جانی اب ہو کی آہ  
آج دا عطف نے فقط ذکر قیامت ہی کیا  
شرم آتی ہے سن کر دل ہوں کو دکھ دیا  
میکھو کیوں ہجو پر شیخ کی پگڑی نہ لی  
جھٹٹا ہوتے ہی قاصد کہ گیا فرست نہیں  
ابن عمر کا فسانہ سن کے جی سا چھٹ گیا  
آپ فرماتے تھے اب ہم کریں دیکھ بھال

کر دین قسمت نے لیں بیدار ہو کر رہ گئی  
یعنی بھولوں کی چھڑی تلوا ہو کر رہ گئی  
دو قدم ہی شوخی رفتار ہو کر رہ گئی  
حسرت دل بھی وہاں آزاد ہو کر رہ گئی  
یہ بتا دے کیوں طلب تلوا ہو کر رہ گئی  
کیا اجل اس کے گلے کا بار ہو کر رہ گئی  
نام و تیغ ستم گلزار ہو کر رہ گئی  
تیری شرح کشوخی رفتار ہو کر رہ گئی  
یوں کہو دل پر خدا کی مار ہو کر رہ گئی  
جاؤ بھی تم سے ہمارے یار ہو کر رہ گئی  
عیش کی شب میری فنام تار ہو کر رہ گئی  
دل میں پیدا حسرت دیدار ہو کر رہ گئی  
دل ہی حشا طربسار ہو کر رہ گئی

تیسرے طاقت کی علامت کا فروغ دین دار میں  
 تاقیامت قتنے اٹھیں گے بڑے کوچے سے رو  
 جو رنگہیں سے اڑے بیل کے اس جھلس  
 سچہ بن کر رہ گئی زمار ہو کر رہ گئی  
 ہو گئی اور شوخی رفتار ہو کر رہ گئی  
 شاخ گل پر نقش بردوار ہو کر رہ گئی  
 ان کے تیور دیکھ کر مسائل کیا ہوتا سوال  
 بات اتنی اس قدر ہشیار ہو کر رہ گئی

**بیچا نک بدل بیگ خاں**  
 یہ حویلی بدل بیگ خاں کا ایک دروازہ لب سڑک  
 بازار سری والال ہی جو دور آخری مغلیہ کا بنایا ہوا  
 ہے۔ اب مسٹر جسٹس محمد رفیق کے قبضے میں ہے اس کے

اندرا یک وسیع اور خوش ناکش درہ چوترے پر ایک بارہ دری بنی ہوئی ہے۔  
**حویلی بدل بیگ خاں**  
 اس حویلی کا دوسرا چٹانک لب سڑک ہے جس کے  
 مالک محمد سلام اللہ خاں خلف خان بہادر  
 مولوی اکرام اللہ خاں صاحب ہیں۔ اندر بہت بڑی  
 حویلی وسیع صحن اور نہایت دل کشا ہال ہیں۔ موجودہ دروازہ حکیم احسن اللہ خاں  
 صاحب نے ۱۲۵۳ھ میں بنوایا تھا۔ جس پر یہ کتبہ ہے:-

### ہول الحکیم

نماہ بنا احسن اللہ خاں  
 کہ غالب پنی سال تاریخ او  
 سر راہ ہر انساں در و لکشا  
 رقم زد "در و لکشا جہنہ"  
 فقیر محمد امیر رضوی

یہ دروازہ حکیم احسن اللہ خاں صاحب کا بنوایا ہوا ہے جو بہادر شاہ ثانی کے عہد کے  
 طبیب شاہی تھے۔ انہوں نے یہ مکان لے کر یہ دروازہ لب سڑک بنوایا۔  
 بدل بیگ خاں جن کے نام سے حویلی مشہور ہے ان کا اصلی نام ترکی جنگ تھا  
 اوائل زمانہ شاہ عالم ثانی (۱۲۱۱-۱۲۵۳ھ) میں سمر قند سے آئے تھے اور امیر لہور  
 مرزا نجف خاں کے تحت میں رسالدار مقرر ہوئے۔ حکیم احسن اللہ خاں کے خاندان  
 والوں سے ہرات کے گورنر سے کچھ ان بن ہو گئی تھی اس لیے ہرات چھوڑ کر دہلی

آئے۔ ان کا موروثی پیشہ طبابت نہ تھا بلکہ آپ کے والد نے طبابت اختیار کی تھی۔ حکیم احسن الدین صاحب بڑے نامی گرامی اور پایہ کے آدمی تھے۔ آپ کو اکبر شاہ ثانی نے طبیب شاہی مقرر کیا اور خطاب عمدۃ الملک حاذق الزماں کا دیا بہادر شاہ ثانی کے عہد میں آپ کا مرتبہ اور رسوخ اور بڑھا اور آپ کو احترام الدولہ عمدۃ الحکماء معتد الملک حاذق الزماں ثابت جنگ کا اور خطاب ملا۔ بہادر شاہی عہد میں آپ کا وہ رسوخ اور اعتماد تھا کہ کوئی کام بدون آپ کی صلاح و مشورہ کے نہ ہوتا تھا۔ حکیم صاحب کا ایک مکان نرولی میں بھی ہے۔ دلی والا مکان دراصل نواب قمر الدین خاں کا بنایا ہوا ہے۔ اس چوٹی کا کیا ٹھکانا تھا یہاں سے اجیری دروازے تک اس کا سلسلہ چلا گیا تھا اور اتنے متعدد قطعات تھے کہ نواب صاحب کا سارا خاندان اور ختم خدم سب اسی میں رہتے تھے۔ نواب صاحب کی وفات کے بعد حویلی کے کسی بیگم نے ہو گئے جن میں کا صرف ایک قطعہ نواب بیل بیگ خاں کو ملا اور اب بھی انھیں کے نام سے مشہور ہے۔

پھر اس مکان کو حکیم احسن الدین خاں نے لیا اور حکیم صاحب نے اسی کے احاطے میں ایک حمام تیار کیا۔ حمام کے اندر ایک دیوار میں سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔

### حکیم

(۱) مرتب گشت این حمام و خواہ تعمیر فقیر حسن السد

سنگ مرمر کی تختی پر باہر کی دیوار پر یہ دو کتبہ لکھے ہیں۔  
 (۲) بدلی حسن الدین خاں بنا کر دے  
 یکے گرما بقدر سی نشین  
 بفرق باقی خود سایہ افکن  
 شدہ تعمیر این حمام حسن  
 سمت ۱۹۰۹ء ۱۸۵۲ء  
 ۱۲ ج ۱۲۹۸ء

وزیر الملک اعتماد الدولہ قمر الدین خاں کے والد کا نام اعتماد الدولہ امین خاں تھا جو مشہور میر جگہ کے بیٹے تھے۔ اعتماد الدولہ امین خاں کی وفات کے بعد نظام الملک عمدہ

جلیلہ وزارت سے سرفراز ہوئے لیکن تعلقات رو بہ زوال ہونے سے خود کش ہو گئے اور قمر الدین خاں کو محمد شاہ نے سنہ جلوس ششم میں قلعہ دار وزارت سپرد کیا چنانچہ تادم مرگ وہ اپنے عہدے پر قائم رہے آخر کار اس پر ہند پر احمد شاہ ابدلی کی لڑائی میں گولی لگ کر زندگی اور وزارت دونوں کا ساتھ ہی ساتھ خاتمہ ہوا۔

**کسٹرہ آدینہ بیگ خاں** | کسٹرہ آدینہ بیگ خاں دروازہ لال کنوئیں بازار میں دور آخر مغلیہ کا بنا ہوا ہے۔ جس کے قابض جاں حکیم ناصر الدین خاں صاحب عرف چٹو میاں

صاحب زادہ حکیم رضی الدین خاں صاحب فخار الملک مرحوم ہیں۔ اندر بہشت مکانات اور چھوٹی چھوٹی ٹینگ گلیاں ہیں۔ حکیم صاحب موصوف کا دولت خانہ شفا منزل اور مطب بھی یہیں ہے۔

**گلی قاسم جان** | دروازہ حویلی کا لے صاحب۔ دور آخر مغلیہ۔ اب کے صاحب کی حویلی تو باقی نہیں محض اسی نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ یہ دروازہ اور حویلی نواب قاسم خاں کی بنائی ہوئی تھی جن کا ذکر نواب احمد خاں کی مسجد کے ذیل میں آیا ہے۔ یہ حویلی بعد میں حاجی غلام نصیر الدین کے قبضے میں آئی جن کو لوگ میاں کا لے صاحب کہا کرتے تھے اور جو اکبر شاہ ثانی اور ان کے جانشین کے زمانے میں تھے آپ بڑے پرہیزگار اور مقدس بزرگ تھے۔

**نواب محمد سعید خاں صاحب** | آپ نواب محمد ضیاء الدین خاں صاحب بہادر سابق رئیس لوہارو کے صاحب زادے اور اور جاگیر دار لوہارو ہیں۔ نہایت پابند وضع خوش رو

اور خوش خویش ہیں۔ ہر شخص آپ کے اخلاق وسیع اور صفت انکسار کا مداح ہے۔ آپ نہایت ذکی۔ ذہین ہیں۔ ذی علم۔ خوش طبع۔ خوش مزاج۔ موزوں طبع۔ شاعر بلند خیال ایلین امیر ہیں۔ طالب تخلص کرتے ہیں۔ بڑے پرگو شاعر ہیں۔ مرزا غالب مرحوم سے تلمذ رکھتے ہیں۔ پانسو روپیہ ماہوار ریاست لوہارو سے وظیفہ پاتے ہیں۔ بلحاظ تفرغ خاندانی گورنمنٹ نے آپ کو اکسٹرا اسسٹنٹ کے عہدہ جلیہ پر مقرر کیا تھا مگر نوکری کی پابندی سے خود آزادی حاصل کر لی۔ آپ کا کلام نثر و ذیل میں درج کیا جاتا ہے

ناظرین اُس سے آپ کی قیادہ کلامی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

آلیف اللہ کا جس دم ہوا عنوان دیواں تھا  
سندو صاحب دلوں سے کہ کیا خسار جاناں تھا  
مہر اور آہنگ۔ چسپے ہیں الحمد سے شفق  
کھلی احباب پر حق کی طرف سے قیری کیتائی  
شبستان حقیقت میں جو بزم انبیا و نبی  
بھلا راہ محبت کیوں کہ چھپتا اُس آنکھ میں

نظر افروز عالم تھی ازل سے یہ غزل طالب

کہ مطلع ہر رخشاں اور مقطع ماوتاباں تھا

اگرچہ دل ہمارا آتش فرحت سے سوزاں تھا  
گھلی تھیں جب تک کہ گھیں تو یہ عالم گلستاں تھا  
لگی تھی آگ پاں۔ ہر رونگٹے میں زش و زل  
بہار آئی۔ یہ سن کر یوں ہوئی محو طرب بیل  
مصیبت کا بھی ہوتی ہی باعث پاک دامانی  
وہ سوتے بے تکلف تھے ننگہ شوق تھی بیجاں  
ہمارا جذب۔ ظاہر میں تہلے تنگ طرفی ہیں  
یہ تکتے ہم نے مضمر کیا۔ ہر اک کام کی تہ میں  
بنا ہوا آج طالب صوفی صافی۔ مگر کلک

نواب خلیف الدین خاں صاحب

تاباں

غیروں کا اختراع و تصرف غلط ہی داع  
اردو ہی وہ نہیں جو ہاری زباں نہیں  
آپ نواب شہاب الدین خاں حکمران کے خلف اور  
ضیاء الدین خاں نیر کے نیرے ہیں۔ نہایت

خوش خصال شیریں مقال۔ خوش طبع۔ خلیق۔ فن شعر میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں  
چار بیاض قلمی ضخیم مختلف اقسام کی نظموں سے ملو آپ کی یادگار ہیں۔ شاعری کا خوب  
لکھ ہو۔ فکر سخن کا یہ حال ہو کہ فی البدیہہ دس بیس شعر کہہ دینا آپ کے آگے کچھ بات نہیں

نواب حسین علی خاں مرحوم شاداں اور انور اور داغ خاں سے آپ کو تلمذ ہو۔  
اب خود استاد کی کامرتہ رکھتے ہیں۔ افسوس کہ باوجود کوشش کے بھی کلام کا  
نمونہ میسر نہ ہوا۔

**سید منصور علی کی قبر**  
محلہ رود گراں - محاذی میدان والی مسجد - ایک چھٹی  
کھڑے کے اندر تین قبریں ہیں۔ بیچ میں سید  
منصور علی کی اور ادھر ادھر آپ کے

اور بیوی کی۔

**شرف الدولہ کے مدرسے کا**

دروازہ اور مدرسہ

رود گروں کے محلہ میں ارادت اللہ خاں  
لوگ ارادت مند خاں ہیں، کچھ تھیں جن کے  
مدرسے کا ایک دروازہ اور بیوی کی ایک کوئی خاص نام  
نہیں ہے۔ یہ محمد شاہ کے عہد کے امرا میں سے  
تھے اور ان کا خطاب شرف الدولہ تھا۔ اب

نرا دروازہ ہی دروازہ باقی رہ گیا ہے۔ مدرسہ کی عمارت تباہ ہو کر اب اس محلے کا  
نام ہی محلہ مدرسہ ارادت اللہ خاں پڑ گیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی زمانے میں  
مدرسہ اس جگہ تھا۔ سلطنت محمد شاہ کے پانچویں سنہ جلوس میں نواب صاحب کو چچ  
اجیت سنگھ کی ہم پٹھیجا گیا تھا جس نے علم بغاوت بلند کر کے امیر اور سانہر پر  
قبضہ کر لیا تھا اور بڑھتے بڑھتے نارول تک آ گیا تھا۔ نواب صاحب کے ساتھ راجہ  
جو سنگھ سوانی - محمد خان نکش - گوپال سنگھ راجہ بھداور بھی تھے۔ لشکر کی تعداد  
ایک لاکھ سوار اور دو سو زنجیریل تھے۔ راجہ اجیت سنگھ کے اسے گئے ہوش  
و حواس جاتے رہے۔ سہا سیمہ ہو گیا اور سر پر پاؤں رکھ کر نارول کو قدم بھاگا  
اور گردہ پٹی کے قلعے میں جا کر پناہ لی اور چند دنوں پہیں چھپا۔ ہا پھر موقع پاسبانہ فوج  
سوار موجودہ پور چلو نہیا۔ وہاں پونچ کر اس نے صلح کا پیغام دیا اور اپنے بیٹے  
دھنوک سنگھ کو بطور یرغمال کے دہار شاہی میں بھیج دیا۔

**نواب ارادت مند خاں**  
شرف الدولہ کی قبر  
اسی جگہ دوہرے چوترے پر نواب صاحب کی  
قبر ہے۔ بیٹے کا چوترا سنگھ سبج کا ہے اور اوپر کا

سح قبر کے تعویذ کے بالکل سنگ مرمر کا ہے۔ قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ نیچے والے چوترے پر دو قبریں آپ کے اقربا میں سے کسی کی ہیں جن میں سے ایک پر ۱۱۸۸ھ کی تاریخ ہے۔  
**نواب موسیٰ خاں کی قبر**  
 (۱۱۸۸ھ)

نیچے والے چوترے پر نواب موسیٰ خاں کی قبر ہے جس پر یہ کتبہ ہے۔  
 آیا سب قرائی

ثبت

بعد میں سفر کرد انہاں نواب موسیٰ خاں سال تارینش چو جستم از خیال خویش گفت  
 بتاریخ ششم رجب ۱۱۸۸ھ ہجری از دار لال لقا ہوا بقا رحلت نمود  
 (۹ از تاریخ ششم)

احاطہ محسن صاحب کا دروازہ  
 زما لے کا بنا ہوا ہے۔ احاطہ اب نہیں رہا صرف مکانات ہیں اور یہ دروازہ باقی ہے۔ اس میں دو

دیگرہ پیشہ در رہتے ہیں۔

**لال کنواں**  
 بدل بیگ خاں کی حویلی کے آگے سنگ سرخ کا بنا ہوا ایک کنواں تھا جو اب بھی ہو مگر اب لال ہر محی کا رنگ کیا ہوا ہے اور اسی کے پاس لال کنوئیں کی بریمنج ڈسپنری (دشفا خانہ) ہے۔ یہ سارے کا سارا باغ ارا اس کنوئیں ہی کے نام سے مشہور ہو گیا۔

**کھڑک پھار خاں کا پھاٹک**  
 (۱۲۶۲ھ ۱۸۴۶ء)  
 دور آخری مغلیہ کا بنایا ہوا لال کنوئیں کے بازار میں ہے اب پٹیا لے سیٹ کے علاقے میں ہے۔ دراصل یہ دروازہ زمینیت محل کا ہے۔ اب اس کھڑکے میں مکانات ہیں اور ایک

محلے کی حیثیت رکھتا ہے۔

**زمینیت محل**  
 (۱۲۶۲ھ ۱۸۴۶ء)  
 یہ محل باہر سے تو کچھ معلوم نہیں دیتا مگر اندر کئی محل سرا میں بہت عالی شان کثودہ اور وسیع ہیں جسے کے شاہی عمارات میں ہوتی ہیں۔ لب سڑک صرف ایک دو منز لہ کمرہ ہے جو زمینیت محل کے کمرے



کے نام سے مشہور ہو۔ اس کا بڑا عالی شان پھاٹک لب سڑک ہی۔ یہ محل سارے کارامع کمرے کے پڈیا لہ سٹیسٹ کے قبضے میں ہو۔ سنا ہو کہ غدر کے بعد خیر خواہی سرکار میں ملا ہو۔ اس کے دروازے پر ایک سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ بہادر شاہ با و شاہ آخری کا طبع زاد لگا ہوا ہو۔ زمینت محل بہادر شاہ ثانی سلطنت مغلیہ کے آخر بادشاہ کی بیگم تھیں۔

کرد اسے ظفر زمینت محل تعمیر قصبے بدل۔ شد بر محل سال بتا ایں خانہ زمینت محل،  
**فراش خانہ** اندر ایک وسیع محلہ ہو جس میں مختلف محلات ہیں آخری سرے

شہر کے جنوب مغرب کی طرف فراش خانے کی کھڑکی تھی جس میں سے پہاڑ گنچ اور قدم شریف کو رستہ جاتا تھا اب یہ کھڑکی اور تفصیل سب توڑ کر میدان صاف کر دیا گیا اور ایک چرٹھی سڑک لاہوری دروازے سے اجمیری دروازے تک نکال دی۔

**قلعے کے لاہوری دروازے سے چاندنی چوک ہوتے ہوئے**

## فتح پوری کی مسجد تک

یہ ایک بازار تھا ایسا وسیع کہ حصہ جہان بھی اس کے آگے تنگ معلوم ہوتا تھا۔ اس میں ہر قسم کے سوے والوں کی دکانیں تھیں اور مال و سہا ب اور قشمتہ نادہ سے کچا کچھ بھرا ہوا تھا۔ یہ بازار قلعے کے

لاہوری دروازے سے فتح پوری کی مسجد تک تھا مگر پہلے اس کے حصوں کے نام الگ الگ تھے۔ پہلا حصہ اردو بازار کہلاتا تھا اس کے آگے تر پولیلور کو تولی بازار تھا پھر چاندنی چوک اس سے بڑھ کر بازار فتح پوری۔ غرض یہ کہ یہ بازار من اولیالی آسٹریا چالیس گز عرض تھا۔ ہیں گز ادھر ادھر میں گز ادھر اور بیچ میں ستر اسر نہر جاری تھی



اور گردنہر کے دو طرفہ درختان سایہ دار کی قطاریاں سے وہاں تک تھی اور اس بازار میں علاوہ دکانوں کے بڑے بڑے محل اور عجیب غریب عمارات تھیں۔

قلعے کے لاہوری دروازے کے پاس لالہ رام چند کی تولیت میں مندر ہے۔ جو شاہجہاں کے عہد کا جانا جاتا ہے اس شہر میں منیوں کی یہ سب قدیم مندر ہے۔ چونکہ یہ مندر بادشاہی جینی فوجی لوگوں کا تھا اس سبب اردو کا مندر کہلانے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ اورنگزیب نے

ایک مرتبہ یہاں کی نوبت بند کرا دی تھی لیکن بادجو حکم شاہی کے بھی نوبت بجائی۔ مگر کوئی شخص نوبت بجاتا ہوا نظر نہ آتا تھا۔ بادشاہ سلامت خود بہ نفس نفیس ملاحظہ کو تشریف لائے اور جب اطمینان ہو گیا کہ واقعی اس مندر میں کوئی بھی نہیں رہتا تو حکم صادر فرمایا کہ یہ نوبت بدلتی بجاکر کسی مزاحمت کی ضرورت نہیں۔ اس مندر کی بنا کی نسبت پیشہوور ہے کہ پہلے یہ لشکر کی مندر تھا اور صرف ایک راؤ فی میں کسی جینی سپاہی نے اپنی ذاتی پوجا کے لیے ایک مورت رکھ لی تھی بعد میں یہاں مندر کی عمارت بن گئی۔ بہر حال یہ مندر مقامی لوگوں کے نزدیک بڑی مقدس جگہ خیال کی جاتی ہے۔ بائیں ہاتھ کی طرف جو ایک بڑا مندر چٹا ہوا ہے وہ سنہ ۱۹۳۵ء میں سنگ مرمر کا بنایا گیا اور اس میں جو مورتیں ہیں سب زمانہ حال کی ہیں۔ ہمارے محاف میں یہاں مندر ہے جس میں تین مورتیں ہیں۔ بیچ والی مورت پارسی ہاتھ کی ہے۔ یہ سب سنہ ۱۹۳۵ء کی ہیں جو سو چار سو سال کی قدامت کی پائی جاتی ہیں۔

قلعے کے لاہوری دروازے کے پاس یہ مندر ہے جو لالہ بھولل کی سپردگی میں ہے۔ مندر کے چھانک پر دائیں بائیں یہ کتبہ ہے:-

جینی دروازہ۔ کھٹا (پنچ ناگری) اور صرتانی خط میں بھی یہی الفاظ ہیں) سید سے ہاتھ کی طرف:- انگریزی:- *Stairs and gate built by Madho Ram* *Jhanna* ترجمہ:- مادھو رام کھٹا کا بنایا ہوا دروازہ اور سیڑھیاں۔ (پنچ ناگری) یہ زمین اور دروازہ لالہ سرپولن جی کے پوتے لالہ کشن چندری کے بیٹے مادھو رام کھٹا نے بنوایا۔ یہیں ایک سطر آدھو کتبے کی بھی ہے جو اسی مضمون کا ہے۔ گیارھویں سطر صی پنچ ناگری (دائیں زمین اور دروازہ بشمیر دیال کی یاد میں بنوایا گیا سرگباں ہوئے شہر اور پنچ ناگری سنہ ۱۹۴۶ء) نویں سطر صی پنچ ناگری:- *Stairs and gate built in memory of*

ملکہ بدھ مندر باہر سے سیدنگ پک کا ہے جس پر انگریزی میں معین پٹیل دیکھائی گئی ہے۔ ۱۲

Bishambhar Dial Died on 16<sup>th</sup> August 1907

ترمہ چیمہ سیرھیاں اور دروازہ بشمبر دیال کی یادگار میں بنایا گیا جنہوں نے ۱۲ اگست ۱۹۰۷ء کو وفات پائی۔ منڈپ کے پاس کی سیرھیاں پر خط انگریزی ہے:۔ بدن موہن لال کستری ۱۹۰۷ء کے نیچے یہی نام بخط صرائی ایک سطر میں لکھا ہوا ہے اور چاروں برنجی دروازوں پر نام بشمبر دیال کانگری میں کندہ ہے۔ یہ مندر ابتداً سیندھیا ہماراج کی ملازمت میں ایک مرہٹہ برہمن آپا گنگا دھرنائی کا بنایا ہوا ہے۔ یہ مندر گوری شنکر یعنی پاروتی اور شیو کا ہواؤ انہیں دونوں کی مورتیں اس میں ہیں اور ان کے نیچے شیو کا لنگ اور پاروتی۔ گنپتی۔ ہندی۔ گروڈا کی مورتیں ہیں اور ایک طاق میں ہٹواں کی مورت ہے۔ اس مندر کے ہر جانب مختلف قسم کی شیشہ کاری کا کام ہے۔ داہنی طرف ایک چھوٹا سا مندر رادھا اور کرشن کا بنا ہوا ہے۔ بائیں جانب جناجی کا مندر ہے اور میں قریب ایک طاق میں گنپتی کی مورت رکھی ہوئی ہے۔ یہ مندر تاریخی لحاظ سے اس واسطے زیادہ دقیق ہے کہ مرہٹوں نے جو دہلی پر چند روزہ تسلط کر لیا تھا اس زمانے کی ان کی بنائی ہوئی صرف یہی ایک یادگار اس شہر میں ہے۔ یہ مندر بڑے موقع سے عمدہ مقام پر بنایا گیا ہے کیوں کہ یہ اس سڑک پر واقع ہے جو دریائے جمنا کے کشن کے گھاٹوں کو جاتی ہے۔ اس میں سارے دن مرد اور عورتیں برابر درشن کو جاتی رہتی ہیں۔ عمارت کے تین حجرے ہیں اور تینوں میں باغیچہ سنگ مرمر لگایا گیا ہے جن کے اندہ تمام سنہری قلع چڑھا ہوا ہے۔ اصلی مندر تو ایسا کچھ بڑا اور عمدہ نہ تھا مگر بعد میں اس میں بہت اضافہ اور آراستگی کی گئی ہے۔

پتھر والاں کنواں

اس مندر کے انتہائی چوک کو مڑتی ہے اور اوکھوں کے مندر کے مجاذی کرشنا تھیمپ کے پاس ایک قدیم کنواں ہے۔ اس کا پانی نہایت ہلکا اور شیریں ہونے سے

اکثر روستاے شہر یہیں کا پانی پیتے ہیں۔ ہر وقت اس پر بھیڑ لگی رہتی ہے۔ اس کے پاس ایک گھلا ہوا قطعہ اراضی ہے جس میں اکثر تماشے کی کپنیاں سرس وغیرہ آکر ٹھہرتے ہیں اور ٹینسل کانگرس کا وسیع پنڈال بھی سڑک میں یہیں بنا تھا طبیعت کا نظر اس کے متعلق غامض بھی نہیں ہوئی تھی۔ قومی جلسے پنک پارٹیز اور ایٹ ہوم وغیرہ کی تقریب اسی میدان میں ہوتی ہیں۔ جوں کہ یہ زمین میٹری حدود میں ہے اس کی

اجازت بھی دیں سے ملتی ہو۔

آمد بہار بوشد چمن و لاله زار خوش  
وقتے ست خوش بہار کہ وقت بہار خوش

بنارس کرشنا تھیٹر

کرشنا بلڈنگز

۱۹۱۱ء

یہ تھیٹر نہایت وسیع اور عالی شان دہلی لندن بینک کے

پاس ہو اور یہیں عمارت کا ایک بہت بڑا وسیع و دمنزلہ

نئی تعمیر کا خوش نامہ بلاک ہے جس میں رنگین ٹائپ ریٹر۔ لارنس اینڈ میو جینک سازاں  
وغیرہ اور کئی یورپین تجارتی دکانیں ہیں۔ کرشنا تھیٹر کی عمارت میں بڑی وسعت اور گنجائش

ہو چنانچہ حال میں مسلم لیگ کے اجلاس اسی میں ہوئے۔ میرے خیال میں پانچ ہزار  
 آدمی کی اس میں سمائی ہوا سکتی ہو کہ نیچے کی نشستوں کے علاوہ ایک کشادہ گیلری بھی

ہو۔ برقی پنکھوں اور روشنی کے علاوہ ہر طرح کا سامان آسائش ہو۔ اس سارے بلاک  
کے دو مالک ہیں بالک رام کھتری اور نول کشور صاحب وکیل۔ اس سڑک کے

بائیں جانب کوچہ چو وھری ہے جس میں مطبع قیصر ہند ہے اس کے آگے کوچہ سکھانند  
ہو۔ اور سڑک پر پیارے لال صاحب وکیل کا گانا میسر میل بک ٹوپیو کی دکان ہے

ای زرتو خدا فی دینکن بخدا  
ستار عیوبی وقاضی السحاب جاتی

شمس کی بیگم کی کوٹھی

دلی لندن بینک

شملہ الائنس بینک

پنجاب بینک کسپنی

یہ کوٹھی چاندنی چوک کے شمال میں ہو جو پہلے شمس کی  
بیگم کی کوٹھی تھی یہ ایک کوٹھی نہایت دل کشا اور فرحت

بڑی عالی شان بہت عمدہ۔ بہت اونچی کرسی دے کر  
بنائی ہو اور اس کرسی میں کمرے اور گودام اور شاگرد پیشہ

کے لئے بیوتات بنوائے ہیں اس پر یہ کوٹھی ہو کہ ایک مسجد  
اس کا رشک ارم ہو جس میں بڑے بڑے ہال اور برآمدے میں علاوہ خوبی عمارت

کے ایک وسیع اور پر فضا باغ ہو جس میں سرو کے درختوں کی خوشنمائی اور نہر کے  
زور شور سے بہنے کا عجیب طبع ہو۔ اب نہر تو نہیں رہی باغ اب تہ موجود ہو۔ اس کوٹھی میں

قدیم سے دلی لندن بنک بری ای کوٹھی کے ایک مکان متعلقہ میں سے بنک کے منیجر مسٹر بری سفرٹو  
 اُن کی میرٹھ صاحب اور لڑکیوں نے اسی ۱۸۵۶ء کو باغیوں سے سخت مقابلہ کیا جس  
 میں سارے کا سارا خاندان مارا گیا جو سب کے سب کشمیری دروازے کے پاس والے  
 گرجا میں مدفون ہیں۔ اب حال میں اس پیش کش لائیس بنک اور پنجاب بینک کمپنی بھی شامل  
 ہو گئے ہیں۔

**شمر کی بیگم** | یہ بیگم میرٹھ ضلع کے ایک مسلمان کی لڑکی تھیں جو ۱۸۵۶ء میں پیدا  
 ہوئی تھیں۔ بیگم صاحب نے ایک ستیاج والی مسٹر رین ہارڈٹ  
 (Reinhardt) سے شادی کر لی تھی جو شمر کے

نام سے مشہور رہتا تھا۔ شمر و صاحب نے جو فوج کھڑی کی تھی ۱۸۵۶ء میں اُنھوں نے  
 بادشاہ واپس کی خدمت میں پیش کر دی اور خود میرٹھ کے قریب سسر و صنتے میں  
 رہتے تھے۔ اسی سال شمر و صاحب نے آگرے میں انتقال کیا جن کی قبر وہاں تک  
 موجود ہے اور بیگم صاحب اُن کی جگہ سٹیٹ کی مالک بنیں۔ ۱۸۵۶ء میں بیگم صاحب نے  
 رومن کیتھیولک فرقہ ریمسائیٹان کا مذہب قبول کیا۔ ان کی فوج کے سر دار  
 یورپین تھے اور ۱۸۹۲-۱۸۹۳ء میں چارج طامس ان کی ملازمت میں تھے۔ ۱۸۹۳ء

میں بیگم صاحب نے پوشیدہ طور پر اپنے ایک عہدہ دار لی ویسویا ویسولٹ  
 le Vaisseau or Vaisoult سے شادی کر لی۔ یہ بڑا مذہب اور سخت گیر تھا جس  
 کے طرز عمل سے بلوہ ہو گیا۔ لی ویسویا جان بچا کر بیگم کو لے کر بھاگا لیکن دونوں  
 گرفتار ہو گئے۔ بیگم نے خیر بھونک لیا اور اُن کے کشور نے سمجھا کہ ان کا خاتمہ ہو گیا  
 تو اُس نے گولی مار کر اپنے سر کو پاش پاش کر دیا۔ بیگم کا زخم کاری نہ تھانجی گئیں۔  
 ان کو گرفتار کر کے نہ صرف معزول کیا بلکہ کئی دن تک توپ کے منہ کو باندھا رکھا۔

طامس صاحب جن سے خدر میں یہ لڑنے کی طیاریاں کر رہی تھیں اُنھوں ہی نے  
 بیگم کی جان بچائی اور پھر ان کو اپنے مرتبہ سابق پر قائم کر دیا۔ ۱۸۵۶ء میں ان کی  
 فوج نے اسامی مقام پر انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن سیندھیا کی بربادی کے  
 ساتھ اُنھوں نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ بیگم صاحب نے ۸۸ سال کی عمر میں ۱۸۹۴ء میں  
 انتقال کیا جن کی ایک عہدہ دار سسر و صنتے کا بیٹا بیگم صاحب کی

وہ مدفون ہیں بشپ ہیمبرگیم صاحبہ ۱۸۲۵ء میں ملے تھے وہ لکھتے ہیں کہ  
 یہ ایک بہت چھوٹی ٹیسی عجیب وضع قطع کی بڑا صیبا عورت تھی جس کی چمک دار  
 آنکھوں میں شرارت بھری ہوئی تھی۔ بائیں ہمہ حسن جمال کی جھلک اب بھی شکل و شمائل  
 میں موجود تھی۔ یہ ایک بڑے حوصلے اور جرأت اور بہتت کی عورت تھی اور کئی بار  
 اس نے بہ نفس نفیس فوج کی سرگردگی کی ہو۔ اس کی خیرات و مہرات کی طول طویل  
 فہرست سے اس کی دین داری کا ثبوت ملتا ہے لیکن مزاج آگ بگولا تھا ایک مرتبہ  
 دو باندیوں کو اتنے کوڑے لگوائے کہ وہ بے ہوش ہو گئیں اور اسی حالت میں  
 ان کو زندہ گڑوا دیا۔ بیگم صاحبہ کے مرنے کے بعد جاگیرات ضبط ہو کر کینہی بہادر کے  
 قبضے میں آ گئیں اور متروک و اثاث البیت جو تقریباً پچاس لاکھ روپیہ کی مالیت کا تھا  
 وہ ان کی وصیت کے بموجب بیگم صاحبہ کی آغوشی لڑکی کے شوہر کو دیا گیا۔

## تاریخ وفات

شہر و بیگم غنیہ رنیک سرشت  
 آمد ز سماندا بگو ششم ناگاہ  
 جنت بگزید کرد آں جا منزل  
 تاریخ وفات اوست دانے بر دل  
 ۱۲۵۱ھ

بیٹپٹ چرج  
 (گر جا)

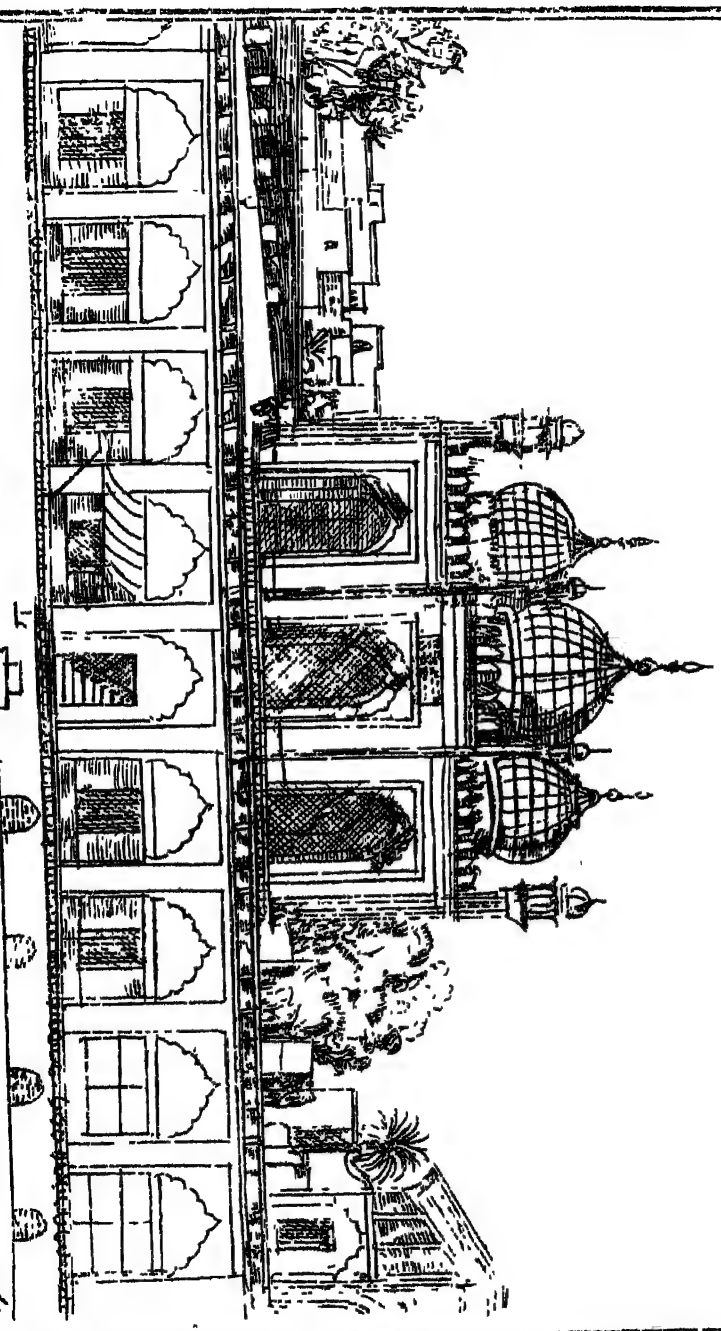
شہر و بیگم کی کوٹھی سے آگے بڑھ کر اس نام کا ایک گر جافرقہ  
 بیٹپٹ کا جو جس کی عمارت بڑے بڑے اونچے  
 کتادہ دروں کی بہت خوش نما اور خوب صورت ہے۔ یہ گر چابی

قسم ہے۔

چکا چاک فخر میدان کیں  
 بہنم فلک شد ز روئے زیریں

خونی دروازہ

بازار وریہ کلاں کے سرے پر چاندنی چوک کے طرف یہ  
 دروازہ دھڑ آخری مغلیہ کا بنا ہوا ہے۔ اب دروازہ اور محراب تو باقی نہیں صرف ادھر ادھر کے  
 دوپاکے اور ان پر دو چھوٹی چھوٹی برجیاں رہ گئی ہیں۔ خونی دروازہ اس وجہ سے  
 نام پڑا ہے کہ نادر شاہ نے جب ۱۷۳۹ء میں دہلی کو لوٹا تو اسی دروازے کے سامنے  
 باشندگان دہلی کا بڑا قتل عام ہوا۔ پہلے اس دروازے کا سامنے والا حصہ بازار کا



مکتبہ اسلامیہ دارالعلوم

لاہور

لاہوری بازار یا اردو بازار کہلاتا تھا اب سارے کا سارا چاندنی چوک ہی کہلاتا ہے یہ تفریق جاتی رہی۔ اس کے اندر بہت بڑا گرچھ بیج اور تنگ بازار اس نام کا ہے جس کا دوسرا رسول ہسپتال کے سامنے پائے والوں کے بازار میں نکلتا ہے یعنی جامع مسجد کی طرف۔ دراصل اس بازار کا نام وڑے بے ہمتا کثرت استمال سے دریمہ ہو گیا اور بازاروں کی طرح وسیع نہیں بلکہ کھنڈوں کے چوک کی طرح تنگ ہے دو گایاں شکل سے نکل سکتی ہیں۔ عموماً زر کو ب۔ گوٹے کنار ہی والے۔ جلد سائے کتب فروش۔ سادہ کار۔ صراف۔ عطیہ فروش۔ کنگھی فروش۔ سنہرے والے۔ کلا فروش۔ کھلونے والے۔ وغیرہ پیشہ وروں کی دکانیں اس کثرت سے ہیں کہ رخ جائے تنگ ست و مردان بسیار کا مقولہ یہیں صادق آتا ہے۔

گلاب گندھی مشہور عطریات الف خاں مشہور سیاحی اور واسطی قسم فروش کی دکان اسی بازار میں ہے۔ دریمہ کلاں کے اندر یہ گلیاں ہیں:-

دائیں طرف کوچہ لٹو شاہ۔ کوچہ جٹ مل۔ کنارہ بازار۔ گلی پہاڑ والی۔ کوچہ سیٹھ جس میں سے شاہ جی کے چھتے میں رستہ نکل جاتا ہے۔ کوچہ شیخ میں سرگین ایک مندر بھی ہے۔ بائیں طرف کوچہ سکھانند۔ کٹڑہ مشرغ گلی گنجس گلی گنجھڑاں والی۔ گلی سنگ تراشاں۔ بلاتی بیگم کا کوچہ۔

## مسجد شرف الدولہ

۱۱۳۵ھ  
۶۱۷-۶۱۸ھ

بازار دریمہ کلاں میں سربراہ یہ مسجد ہے جو عموماً نواب صاحب کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مسجد نہایت دل کشا اور بہت خوب صورت ہے۔ اگرچہ یہ مسجد ساری چوڑی اور اینٹ کی بنی ہوئی ہے لیکن بیچ اُس کے سنگین

ایک خاص قسم کے سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں جس میں زردی کی جھلک مارتی ہے اور اُس کی سنہری کفسوں اور پتھر کی رنگت میں ایک لطف آمیز مناسبت ہے۔ اس مسجد میں قدرت یہ ہے کہ دو منزلہ ہے۔ بیچے دکانیں ہیں اور اوپر مسجد۔ دکانوں ہی کے کرائے سے مسجد کی نگہداشت ہوتی ہے۔ متولی اس کے نواب احمد سعید خاں اور نواب احمد رشید خاں صاحبان ہیں۔ مسجد کے تین گنبد سنہری کلس کے ہیں۔ پندرہ سیر حیاں چڑھ کر صحن مسجد میں داخل ہوتے ہیں جس میں پتھر کا فرش ہے۔ مسجد کی



پیشانی یہ کتبہ ہے :-

دور زمان شہر خورشید سیر  
ناصر الدین کہ محمد شاہ است  
شرف الدولہ بنافہ مودہ  
ایں دو بیت الشرف علم و عمل  
سال تاسیخ بنا گفت خسرو  
ظہل حق ماہ زمیں شاہ زماں  
تیشخ او کھر شکن در دوران  
مسجد و مدرسہ عالی شاہ  
ہمچو سجدین فلک کردہ قرآن  
قبلہ حج ارادت کیشاں

۱۱۳۵ھ

اس مسجد کے پاس جو مدرسہ ہے اس کو بھی نواب شرف الدولہ محمد شاہی نے  
۱۱۳۵ھ میں بنایا تھا۔ نواب صاحب کا مفصل حال رود گراں کے محلے میں جہاں  
انھیں کا مدرسہ اور دروازہ ہے آیا ہے۔

کناری بازار  
یا دریبہ خورد

دریبہ کلاں میں سے گلاب گندھی کی دکان سے کوئی سو قدم  
کے فاصلے پر دائیں جانب یہ بازار ہے گویہ بھی تنگ ہو۔ مگر  
بہت آباد ہے اس میں گولے کناری والے ٹوپی فروش  
کانٹھ والے۔ اور بہت قسم کے اہل حرفہ بیٹھتے ہیں اس کے  
اندر کئی جگہ ہیں اول بائیں جانب کوچہ عالم چند پھر گلی انار جس میں دھرم پور کے  
کورستہ جاتا ہے اس سے بائیں جانب چھتہ پر تاب سنگہ ہے۔

موتی بازار

اسی میں سید سے ہاتھ کی طرف ایک پھاٹک اندر ایک گلی چلی گئی ہے  
جس کا دوسرا پھاٹک چاندنی چوک میں نکلتا ہے یہ موتی بازار کہلاتا  
ہے اس میں پہلے موتیوں کی جلا کرنے والے اور ٹیکنے ساز بھی بیٹھتے تھے اب کچھ گڑھی  
ہیں باقی کاچھیوں کی دکانیں ہیں جو سبزی ترکاری بیچتے ہیں۔

لال مسجد

دریبہ میں سر راہ سے کے موڑ پر دو چار قدم بڑھ کر بائیں طرف  
دکانوں کے ادب سے مسجد ہے۔ یہ دکانیں رہن تھیں حاجی محمد آتی صاحب  
سوداگر صدر بازار نے دکانیں چھڑائیں اور اپنے ذاتی صرفے سے  
اس مسجد کو بنوئے اور سنگین بنوایا نیچے تین دکانیں بھی بنوادیں جن کا کرایہ بارہ روپیہ  
مہینہ آتا ہے جس کی نگرانی انجمن مؤئید الاسلام کے ذمے ہے۔



کوچہ بلاتی بیگم

آٹاں مسجد سے نکل کر دائیں جانب یہ کوچہ ہو۔ غدر سے پہلے خوب آباد تھا اب وہ چیل پیل اور آبادی کی کثرت نہ رہی۔ اس کوچے میں ہندو مسلمان سب ملے جٹے رہتے ہیں۔

ہدرا الدین علی خاں  
مہرکن کی مسجد

۱۲۸۶ھ

یتاں بدر الدین علی خاں مہرکن کی ایک مسجد ہے جو حمایت ہوا درجہ ہو اس میں اُن کے صاحب زادے سعادت اللہ خاں نے ایک مختصر سا عمرانی مدرسہ بھی جاری کر رکھا ہے۔ مسجد کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے۔

برائے حضرت سبحان و رحمن  
تامی ملک خود زرعی و سکنی  
ازاں نصیف برائے دارشاہست  
بریں تقیم اگر حجت کند کس  
انہی تا بحشد این را نگہبدار  
یگوسال از سر لیسہ نقشی

شد این مسجد بنا صد شکر و احساں  
نمودم وقف آنرا از دل و جاں  
دگر بہرہ ساکیں مستحقاں  
ز حاکم منع کر دندش سلماں  
زمین و رہن غصب و جلفقصاں  
ساکیں جاسے بدر الدین علی خاں

۱۲۵۷ + ۳۰ = ۱۲۸۷ھ

گردوارہ امیر گنج  
سری گرو تیغ بہادر صاحب

۱۶۷۵ء

گودالی کے پاس (۳۱۰) برس اول کا بنا ہوا سکھوں کا مندر ہے۔ اس میں زمانہ حال کے تین گورکھی کتبے ہیں جن میں کوئی تاریخی بات نہیں۔ یہ گردوارہ گرو تیغ بہادر کی یادگار میں بنا ہے جس میں اُن کا سادہ اور سکھوں کی متبرک کتابیں گرنقہ صاحب کھی ہیں۔

ہمارا صاحب پٹیل اور راجہ صاحب جیندونا بہم

اس کے خدج کے متعلق ہیں۔ گوجی کا سر ۱۶۷۵ء پوس ۱۵۷۵ (۵) بکرم سمت ۱۷۳۲ میں ..... گیارہ بجے دن کے اورنگ زیب حکم سے قلم کیا گیا تھا۔ اور رنگ زیبے گرد صاحب کو چالیس دن تک قید کر رکھا۔ گردہ برابرادی گرنقہ سے حمد کے گیت گاتے رہے۔ آپ گردہ ہر گونہد کے

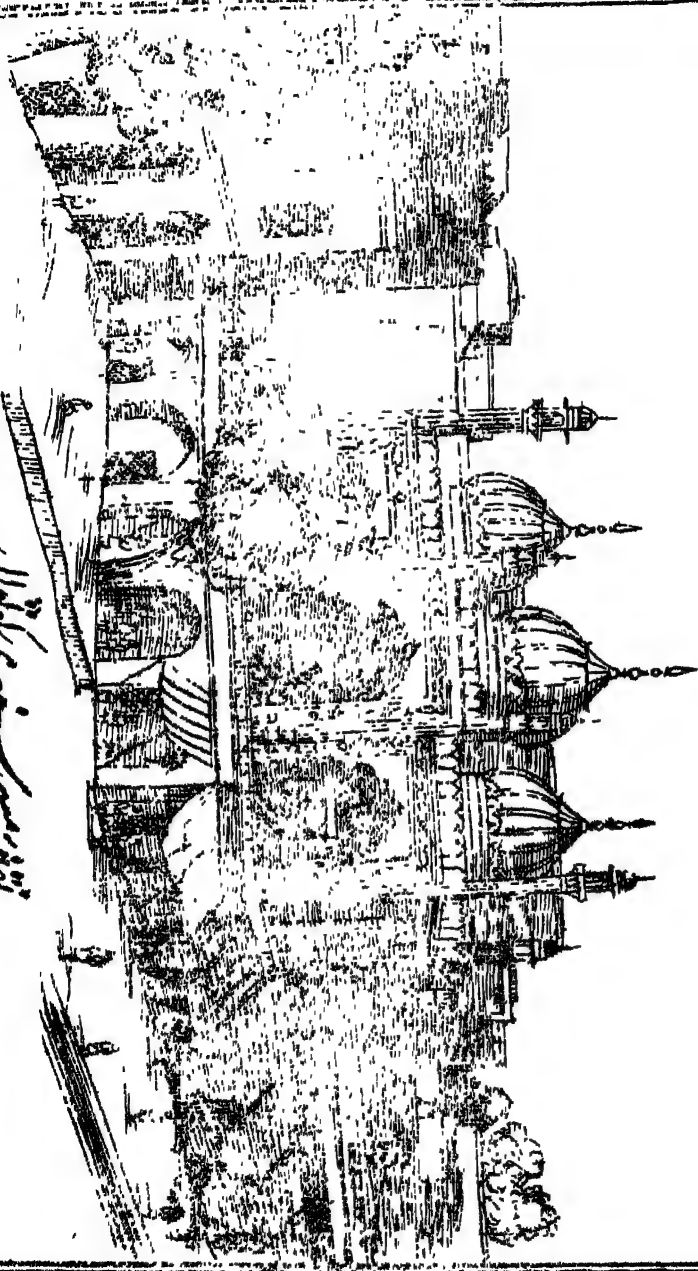
صاحب زادے اور سکھوں کے نوں گرو تھے۔ گروہرکشن کی وفات کے بعد بڑے جھگڑوں سے ان کو گدھی پر بٹھایا تھا۔ انھوں نے شہرت اور عروج میں اپنے نامور والد سے بھی زیادہ نام پایا۔ گدھی کے لیے آپ کا بالمقابل دعوے دار آپ کا بھتیجا رام تھا لیکن جب اُسے اکامیابی ہوئی تو اُس نے اپنے کامیاب حریف تیغ بہادر سے جن کا اب بڑا عروج تھا یوں بددلیا کہ بادشاہ سے جا لگائی کہ گرو صاحب کے ارادے سلطنت کے خلاف ہیں۔ بادشاہ نے تیغ بہادر کو دہلی بلوا بھیجا لیکن راجہ جی پور کی سفارش سے جان بچ گئی اور وہ پٹنہ میں جا کر بائیس چھ برس رہے۔ اس کے بعد پھر وہ پنجاب کو واپس آئے اور پھر کچھ ریشہ دوانیاں اور لوٹ مار کرنے لگے اس وجہ سے اورنگ زیب نے اُن کو گرفتار کر کے سر قلم کرا دیا۔ بڑا کادریخت جہاں سر قلم کیا گیا اسی زمانے کا ہے۔ گرو صاحب کی تصویر مندر کے اندر آویزاں ہے جہاں جہاں خون کے قطرے گرے سکھ لوگ اُس کو بہت متبرک مقام مانتے ہیں۔ ان کا سر کوئی انھیں کاچیلہ اورنگ آباد دکن لے گیا اور دھڑ موضع رکاب گنج بیرون جمیری دروازے میں مدفون ہے وہاں بھی ایک مندر بنایا ہے۔ سُنتے ہیں کہ اسی مندر کے مغربی گوشے میں ایک مسجد تھی جو غدر کے بعد منہدم کر دی گئی اور وہ جگہ مندر میں شامل کر لی گئی۔

گندم از گندم بر دید جو زو  
وز مکافات عمل غافل مشو

کو تو الی چو ترا

سنہری مسجد سے لگی ہوئی چاندنی چوک میں یہ ایک قدیم عمارت ہے جو بالعموم کو تو الی چو ترا کہلاتی ہے۔ بادشاہی زمانے میں بھی اسی عالی شان عمارت میں شہر کی کو تو الی تھی اور اب بھی اس کے اگلے حصے میں دلی کا صدر پولیس سٹیشن ہے اور یہاں جو انسپکٹر پولیس متین پودہ قدیم دستور کے موافق کو تو ال شہری کہلاتا ہے۔ اس عمارت کی اصلی حالت یہ تھی کہ یہاں ایک چوک تھا اسی گورنمنٹ اور اُس میں حوض اور اُس کے جنوب میں کو تو الی چو ترا تھا اور جانب شمال تر پولیہ تھا اور رستہ جاتا تھا اب نہ وہ چو ترا باقی ہے نہ تر پولیہ۔ کہتے ہیں کہ یہ مقام ہمیشہ آفت خیز رہا ہے ایک زمانہ تھا کہ یہاں دریا بہتا تھا اور اس مقام پر بھنور پڑتا تھا کہ ہزار ہا کشتیاں غرق ہوتی تھیں پھر ایک زمانہ آیا کہ یہاں گھنا جھگل ہو گیا اور شیروں کا سکن ہو گیا کہ کسی فقی روح کو زندہ

تقدیم مسیحی بنہری کولوالی



نہیں چھوڑتا تھا اب یہاں شہر کی کوتوالی ہی جو رڈ کو پکڑے جاتے ہیں اور طرح طرح کی عقوبتیں بٹھکتے ہیں اور اسی چبوترے سے بی ہوئی سنہری مسجد ہو۔

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیئے

بھوں پاس آنکھ قبلہ حاجات چاہیئے

اس مکان کے پچھلے حصے میں ایک مشہور عالم مولانا فخر الدین کا مکان سکونت تھا جو قطب صاحب کی درگاہ میں مدفون ہیں۔ ایام غدر میں یہ بڑا معرکہ الارامقام ہوا جو کوتوالی چبوترے کے سامنے ہی ان تین شاہزادوں کی نعشیں لٹکائی گئی تھیں جن کو غدر ۱۸۵۷ء میں ہڈ سن نے گولی کا نشانہ بنایا تھا اور یہیں برابر برابر پھانسیاں گاڑی گئیں تھیں جن پر باغیوں کو سر جان تھیا فلس مٹکا صاحب کے سامنے لٹکایا جاتا سر تھیا فلس کا عالی شان محل مع بیش بہا مال و اسباب غدر میں لوٹ لیا گیا تھا اس سبب صاحب موصوف بہت برا فرداختہ تھے۔

روشن الدولہ کی پہلی سنہری وہ بھی برہم میں بھی رنجی قتل کا ساماں درست اب رواں گردن پہ گر شمشیر اُلٹی ہو تو ہو

مسجد ۱۱۳۲ھ  
۱۷۱۹ء

جنرل کننگھم نے عمارات قدیمہ کے متعلق جو

یادداشت گورنمنٹ آف انڈیا میں بھیجی تھی اس میں اس مسجد کے لئے یہ ریمارک کیا ہے۔ بعض عمارات فی الہل ایسی شان دار اور وقیع نہیں ہیں کہ گورنمنٹ ان کی نگہداشت کرے مگر ان میں واقعات تاریخی کی ایک ایسی خصوصیت ہے کہ ان کا بقا ضروری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مثلاً شہر دہلی کے بازار چاندنی چوک میں ایک چھوٹی سی مسجد روشن الدولہ (ظفر خاں) کی ہے جسے اس نے ۱۱۳۲ھ میں بعد محمد شاہ (۱۷۰۷ء) شاہ بھیک کے لئے بنایا تھا۔ جہاں ۱۱۳۲ھ

میں شاہ نے چند گھنٹے بیٹھ کر شہر کی لوٹ اور قتل عام کا تماشہ جو اس مسجد کے اطراف میں ہو رہا تھا دیکھا تھا۔ یہ مسجد ۱۱۳۲ھ (۱۷۱۹ء) قسٹ جوڑی ہے۔ اس کا چبوترہ

لے اس واقعہ کی تاریخ ”کل مغل بے حیا“ ”ڈلی طراب شد“ ”ظلم عام“ سے نکلتی ہے۔

س زمین سے گیارہ فٹ بلندی اور لب سڑک کے قریب ہے۔ اس مسجد کا دروازہ کچھ  
 شان دار نہیں ہے بلکہ صرف ۶۶ فٹ اونچا اور ۴ فٹ لمبا ہے۔ چار اسنادی محراب کا ہے۔  
 یہاں سے آٹھ تنگ سیڑھیاں چڑھ کر صحن مسجد میں پہنچتے ہیں جہاں بھیڑ  
 پتھر کے چوکے بنچھے ہوئے ہیں صحن مسجد پچاس فٹ لمبا اور پچاس فٹ چوڑا ہے۔  
 یہ مسجد تمام سنگ بست اور پختہ ہے۔ مسجد کے تین محراب دار در ہیں۔ بیچ کی محراب  
 دس فٹ اونچی ہے اور ادھر ادھر کی محرابیں اس سے ایک ایک فٹ نیچی ہیں۔  
 بیچ کی محراب کے ادھر ادھر پتلے پتلے دو منار ہیں جن کے اوپر مشت پہلو برجیاں  
 ہیں جن کے قبتے اور کلس سنہری ہیں۔ ان مناروں کی بلندی بیس فٹ ہے۔ مسجد کی  
 دونوں جانب پچیس پچیس فٹ بلند منار ہیں جن کے اوپر چار ستونوں کی سنہری  
 برجیاں اور کلس ہیں۔ دو بلند مناروں کے جو اسب میں مسجد کی پچیسیت میں دو منار  
 ہیں گر بلندی میں کم سمجھے بن میں سے جنوبی منار کا منار ٹوٹ کر بڑا ٹکڑا ٹہری  
 ہوئی ہے شمال رخ کا اپنی حالت پر قائم ہے۔ مسجد کے والاں کے تین قطعے  
 ہیں اور تینوں والاں پر تین سنہری گنبد ہیں جن میں سے بیچ کا گنبد بہ مقابلہ  
 ادھر ادھر کے گنبدوں کے بڑا ہے۔ اس کے برج فیض بازار کی مسجد کی طرح  
 ٹوٹ گئے تھے لیکن ان دونوں مسجدوں کے برجوں کو ملا کر اس مسجد کے  
 برج پھرنے سرے سے بنادینے گئے ان پر تانبے کی چادروں کا خول  
 چڑھا کر بہت گہرا سنہرا مائع کر دیا گیا ہے جس کی چمک دمک آج تک بھی ویسی  
 کی ویسی ہی قائم ہے۔ بیچ کا گنبد مسجد کی چھت سے اٹھارہ فٹ اونچا ہے اور  
 ادھر ادھر کے گنبد پندرہ پندرہ فٹ بلند ہیں اور صحن مسجد سے ان کی بلندی  
 (۵۴) اور (۴۴) ہے۔ مسجد کی پیشانی پر لمبی ایک سطر میں سنگ مرمر کی ایک  
 چلی سی تختی پر یہ کتبہ ہے:-

یہ عہد بادشاہ ہفت کشور  
 بہ نذر شاہ ہیکہ آں قطب آفاق  
 خدایا نیست لیک از روئے احان  
 بتا بخش ز ہجرت تا قضا است

سیماں فر محمد شاہ داو  
 شدا این مسجد بہ زینت در جہاں طاق  
 بنام روشن الدولہ ظفر خاں  
 ہزار و یکصد و سی و چہار است

مسجد کے متعلق ایک چھوٹا سا مکان مدرسہ کا بھی ہے جو قدیم نہیں ہے۔ مسجد کے جنوب میں اُس کی دروازہ ہے بارہ سیڑھیاں چڑھ کر اُس کے کوٹھے پر پہنچ جاتے ہیں۔ مسجد کے داخلی دروازے پر ایک نئے پتھر پر یہ کتبہ لگا دیا ہے:-

### الوقف لایملاک

مدرسہ اسلامیہ مسجد سنہری ۱۳۱۵ھ ہجری

روحشن الدولہ اور شاہ بھیکہ دونوں کے حالات ہم سنہری مسجد واقع فیض بازار کے صحن میں لکھیں گے۔ نادر شاہ درانی نے ۱۷۳۸ء میں جوہیت ناک قتل عام دہلی میں کیا اُس کی کیفیت حسبِ ذیل ہے:- اورنگ زیب کا پوتا محمد شاہ تخت پر بیٹھا اور نواحِ رنگ و لہو و لعب میں مشغول ہو گیا۔ متاب باغ اور حیات بخش دونوں باغوں کو سجا کر طلسمات کا نمونہ کر دیا۔ نہروں میں نوارے پڑے رہتے تھے ان میں بیٹھا اور صین کرتا۔ برسات کے موسم میں قطب صاحب کے ہرے بھرے جنگل میں جا رہتا۔ حکم تھا کہ ابرسیاہ ہمارا نقیب ہے جب گر جنے کی آواز آئے فوراً کمر بندی ہو جائے کرے۔ ملک میں نظمی پھیل گئی۔ نظام الملک آصف جاہ کو انتظام کے لیے دکن سے بلایا مگر وہ سلطنت کا رنگ بدلا دیکھ کر واپس چلے گئے۔ آصف جاہ کا جانا تھا کہ نادر شاہ درانی کا بل ہوتا ہوا دہلی کے ارادے سے آگے بڑھا جب بہت ہی قریب آگیا تو شہر میں جلیلی پڑ گئی۔ بادشاہی آرام طلب فوج نے یہ دن کا ہے کو دیکھا تھا سنتے ہی سٹپٹا گئے جوں توں کر کے جنگ کا سامان فراہم کیا خدا کر کے دو ہینے میں کرناں پونچھے اور بارات کی طرح جائزے میغلوں کے شکریوں کا لباس کچھ ایسا عجیب و غریب تھا اور اُن کی شکل و شمائل بھی ایسی بد قطع تھی کہ دہلی والے اُن کا ٹھٹھا اُڑانے لگے۔ آخر نادر شاہی فوج سے مقابلہ ہوا عیش پروردہ فوجیں پریشان ہو کر بھاگیں غارت و زخمی ہوا۔ برہان الملک شجاعت کی داود سے رہا تھا اور دل کھول کر لڑ رہا تھا۔ ہاتھی پہ بیٹھا تیر پہ تیر چلا رہا تھا کہ قزلباشوں نے چاروں طرف سے آگھیرا۔ ایک نیشاپوری اُس کا ہم وطن گھوڑا دوڑا کر پونچھا اور آواز دی کہ اُمی محمد امین! دیوانہ شدہ

اب یہ مدرسہ اٹھ کر کے مسجد پانی پتیاں واقع کشمیری دروازے میں چلا گیا ہے۔ ۱۲

کہ جنگ میں کئی دہچہ اعتمادی کئی برہان الملک نے ہاتھ روک لیا اور نادر شاہ کے پاس لے گیا۔ اس جرم بخشی کر کے بہت عنایت کی اور دو کروڑ روپیہ معاف جنگ کے کو بیس لوٹ جانے پر رخصتی ہو گیا۔ برہان الملک نے نادر شاہ کو بادشاہ سے ملایا بڑا لطف سے ملاقات ہوئی۔ نادر شاہ نے لوٹ جانے کا سامان کر دیا بعض براندیشوں نے برہان الملک کی غیر خواہیوں کی اپنی طرف منسوب کر کے محمد شاہی دربار میں خطابات پاسے جس سے برہان الملک کو ہم ہی پیدا ہوئی اور اس نے نادر شاہ کو خزانے کے بے شمار جواہرات کی طمع دلائی نادر شاہ یہ سن کر شہر میں آیا اور شہر پر قبضہ کیا۔ نادر شاہ کے دہلی فتح کرنے کے بعد تیسری رات کو شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ محمد شاہ نے نادر شاہ کو قلعے میں قتل کر ڈالا۔ قزلباش جو نادر شاہ کی فوج کے لوگ تھے ان پر شہری ٹوٹ پڑے۔ رات بھر شہر میں تلوار پللی اور تین ہزار سپاہیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ آدھی رات کو یہ خبر نادر شاہ بادشاہ کو پہنچائی گئی۔ اس نے اس خبر کو بالکل غلط اور نامکن الوقوع سمجھ کر بغرض دریافت اہل حقیقت ایک سوار کو دوڑایا وہاں جا کر معلوم ہوا کہ واقعی نادر کی فوج کے چند لوگ مارے گئے۔ نادر شاہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے اپنے دو ہزار جواہریوں حکم دیا کہ قلعہ کے دروازے پر قبضہ کر لیں اور عوام الناس پر گولی چلائیں چنانچہ جو جمعیت دروازے پر تھی ماری گئی اور تھوڑے عرصے کے لئے شہر کا ہنگامہ فرد ہوا لیکن صبح ہوتے آگ پھر بھڑک اُٹھی۔ نادر شاہ تب قلعے سے سوار ہو کر روشن الدولہ کی مسجد میں گیا اور بہت سے اپنے آدمی بچشم خود قتل ہوئے دیکھے آنکھوں میں خون اُتر آیا اور اس ہنگامے کی حالت کو دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا اور اپنے ہزار چیموں اور تین ہزار فوجیوں کو جو اس وقت صبح کے سات بجے حکم دیا کہ اپنی اپنی تلواریں سونت لیں اور شہر میں جو بندی لے اسے قتل کریں کوئی بچنے نہ پائے جو شخص ملیں لے اس کا لباس زندگی قطع کریں۔ قتل۔ غارت گری۔ لوٹ مار اور اس کے ساتھ کسی طرح کا ظلم اٹھانہ رکھا ہے غرض یہ کہ کوئی شخص بچ نہ سکے سات بجے صبح سے چار بجے شام تک مسلسل قتل عام ہوتا رہا۔ مٹی کو چوں میں خون کے ندی تارے بہ گئے گھروں میں آگ لگ گئی۔ بڑے بڑے گھروں کی فریادیں آسمان تک جانے لگیں بد معاش تو شہر چھوڑ کر بھاگ گئے ساری بلا شرفائے شہر کے سر پڑی بیش حسا کی نواں شہر نے ہزاروں جانوں کے تیغ ہو جانے کی رپوٹ گزرائی۔ قتل کا بہت ناک



شہر مقامات ذیل میں آسمانی کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ شہر کے لاہوری دروازے سے پرانی عید گاہ تک جو جہاں نما کے قریب ہی۔ شمال میں پاری مسجد تک۔ جنوب میں شہر کے دہلی دروازے کے باہر جاتے مسجد اور پہاڑ گچ کے اطراف خوب گھمننا قتل ہوا اور جو لوگ زندہ بچے گئے ان کے سر جٹا کے کنارے لے جا کر اڑا دیئے گئے۔ سب سے پہلے جو ہریوں۔ صرافوں۔ ساہوکاروں اور سوداگروں کی دکانیں لوٹیں گئیں۔ درسیہ کا بازار جس میں جوہری اور تاجر کثرت سے تھے خوب دھڑی دھڑی کر کے لوٹا گیا اور اسی وجہ سے اس بازار کا مغربی دروازہ آج تک ”خونی دروازے“ کے نام سے مشہور ہے۔ خال خال امراے شہر جو ہمراہیاں نادر شاہ سے بحسن سلوک پیش آئے تھے وہ اور ان کے محدودے چند اڑوسی پڑوسی قبرلباشوں کی مدد سے اس لوٹ مار سے بال بال بچے رہے ایک بڑے خواجہ سرائے نے محمد شاہ سے تمام حال عرض کیا جب بادشاہ نے قتل عام کی خبر سنی تو اس کے ہاتھوں کے ٹوٹے اڑ گئے آبدیدہ ہوا اور یہ شعر پڑھا ہے

مددِ عبرت کشا قدرت حق را ببین۔ شامت اعمال ماصورت نادر گرفت اور پھر گھبرا کر اپنے ایک معتد کو نادر شاہ کے پاس بھیجا اور خواہاں عفو تقصیر ہوا۔ نادر شاہ کا دل کچھ نیچا اور محمد شاہ کی خاطر سے قتل سے ہاتھ روک لیا۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ دوپہر کے قریب جب عالم میں کھرام مچ گیا اور کوئی صورت امن کی نظر نہ آئی تو آصف جاہ وزیر اعظم نادر شاہ کے وزیر کی طرف دوڑے اور تلوار لگے میں ڈال سر پہنہ نادر شاہ کے پاس گئے نادر شاہ کا طیب خاص مرزا ہندی مسجد کی سیرٹیہیوں پر بیٹھا ہوا تھا کہ آصف جاہ ایک بڑی لمبی چوڑی عرضی لے کر پونچے جس میں ہم کی درخواست کی گئی تھی حکیم جی نے آصف جاہ سے کہا کہ بھلا اس طویل عرضی کا یہ کیا موقع ہے اس کے پڑے پڑے تک تو وہی کا صفایا ہو جائے گا آپ اسے مختصر کیجئے۔ آصف جاہ نے بحالت سراپائی کہا اچھا پھر آپ کو جو مناسب معلوم ہو وہی کیجئے۔ مرزا ہندی آصف جاہ کو بادشاہ کی حضوری میں لے گئے۔ آصف جاہ ترساں دلرزاں بادشاہ کے سامنے خاموش کھڑے ہو گئے ان کی حالت خود صورت سوال تھی نادر شاہ کے دل میں بھی خدا نے رحم ڈالا اور غصہ ٹھنڈا پڑا نادر شاہ نے



فرمایا سچ می خواہی؟ وزیر نے یہ شعر بڑھا سہ کسے نہند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی۔ مگر کہ زندہ کنی خلق واد باز کشی۔ نادر شاہ نے شرما کر سر جھکا لیا اور تلوار نیام میں کی اور فرمایا کہ ”بریش سفید بخشیدم“ یہ سُننے ہی ایرانی فقیر ”امان امان“ کہتے ہوئے دوڑے شہر میں امن ہو گیا۔ مورخ لکھتا ہو کہ ”فوج کے نظم و نسق کی یہ حالت تھی کہ ادھر بادشاہ کے منہ سے یہ حکم نکلا اُدھر اس سختی اور اہتمام سے قتل بند ہوا کہ جو جہاں تھا اور جس حال میں تھا وہیں اُس نے اپنا ہاتھ تھام لیا حتیٰ کہ جن لوگوں کے گلے پر تلوار رکھی تھی فوراً ہٹا لی گئی۔“ بعد اس کے محمد شاہ نے نادر شاہ کی دعوت کی کھانے کے بعد عمدۃ الملک نے چائے کی پیالی بھری مگر سوچنے لگا کہ پہلے کس کو دوں اگر اپنے بادشاہ کو دیتا ہوں تو نادر کا غصہ معلوم کہیں ایسا نہ ہو کہ سر جھٹنے کی طرح اڑا دے اور اگر نادر کو دوں تو میرے آقاے ولی نعمی کے کشیدہ غم جو ہا نے کا اندیشہ ہے۔ آخر اس کی تیزی طبع اور قناعت نے جو ہر دکھائے اور اُس نے محمد شاہ کے سونے پیالی پیش کر کے عرض کی کہ ”شاہاں بہ شاہاں می دہند“ اس لیاقت اور شجیدگی پر دونوں بادشاہ بہت مسرور ہوئے۔ لطیفہ نادر شاہ نے محمد شاہ کے دربار کی ایک لطائف نوربائی کا گانا سنا اور بہت غلطو ہوا اور بہت کچھ انعام اکرام سے سرفراز فرما کر ارشاد ہوا ”نوربائی! روے ہند را سیاہ کن بیا کہ بہ ایرانت بریم“ نوربائی سنتے ہی حیران ہو گئی اب کیا کروں میری جان کی خیر نہیں فی البدیہہ اُس نے ایک غزل شروع کی جس کے دو شعر یہ تھے :-

من شمع جاں گدازم تو صبح دل کشائی  
سوزم گرت نہ بینم میرم چرخ نمائی  
نزدیکت این پیغم دوراں چنان کہ گفتم  
نوابے صل دارم فی طاقت جبرائی  
نادر شاہ بہت خوش ہوا اور اس کا مطلب سمجھ کر اپنے ارادے سے درگزر آجائوت  
نادر شاہ بقناقرانہ اور جواہر لٹے تھے مع تخت طاؤس کے اپنے ساتھ لے گیا۔  
محمد شاہ رنگیلے ہی مشہور ہو گئے تھے پھر عیش و عشرت میں پڑ گئے اور تیس برس  
سلطنت کر کے شہلائے میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

غم زدگان را بطرب دل کشاے  
غم شدگان را بکیم۔ ہنہاے

قوارہ لارڈ نادر تھہ بروک

کو توالی کے سامنے ترا ہے پر ایک بلند اور شان دار خوش نما فوارہ لارڈ نار تھروک (۱۸۶۲-۶۶ء) کے زمانے کا بنا ہوا ہے۔ جس کے بنانے میں دس ہزار روپیہ صرف ہوا اس کے اوپر دہات کا نہایت وزنی پیالہ لگا ہوا ہے۔ پھول پتے بھی نفیس بنے ہوئے ہیں۔ تمام فوارے پر سیمنٹ کی استرکاری ہے۔ یہاں سے ایک سڑک ملکہ کے باغ کے برابر کوڑیا پل سے ہوتی ہوئی ریلوے سٹیشن کی سڑک سے جا ملی ہے اور دوسری قلعے سے سیدھی فتح پور کی مسجد کو چلی گئی ہے۔ فوارے کی سیڑھیوں سے پہر کو اکثر عیسائی اور آریالوگ غلط کہا کرتے ہیں۔ بڑا جھگڑا رہتا ہے۔

در باغ با ترانہ بیل دریں ہوا  
مستی خوش است بادہ خوش است و نما خوش

راما تھپٹر  
۱۸۹۸ء

یہیں فوارے کے مشرق میں راما تھپٹر کی نہایت خوش قطع عمارت ہے۔ اسے بہادر لالہ رام کشن داس صاحب نے بھرت کشمیر بنوایا تھا جس میں عمدہ عمدہ رنگ بنگ آمیزی کی تصویریں بھی ہیں اور برقی روشنی اور پنکھے غرض ہر قسم کا سہولت آسائش موجود ہے۔ اکثر تھپٹر کیل کپیاں اس کو کرایہ پر لے کر اس میں تماشہ کرتی ہیں۔ تماشوں کے بیٹے یہ مکان بہت موزوں ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ وسط شہر میں گنتی آبادی کے اندر ہے۔

اس میں صرف بنگالوں کے لڑکے تعلیم پاتے ہیں اس کا تعلق کلکتہ یونیورسٹی سے ہے۔ کوئی پچاس ساٹھ لڑکے ہیں اور پانچ مدرس وہ بھی بنگالی ہیں۔ اس کے باقی ڈاکٹر ہیم چندر

اندر پرست بنگالی سکول  
۱۸۹۹ء

سین تھے جو ایک بورڈ کے زیر اہتمام چلتا ہے۔ یہیں ڈاکٹر صاحب موصوف کا اسپیریل میڈیکل ہال ہے۔ جو ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں بڑی رونق پر تھا اب ان کے عزیز چلاتے ہیں مگر وہ رونق تو ان کے دم کے ساتھ تھیں سہ گئی۔

**بازار کوڑیا پل** سنگھ کے باغ کے برابر جو سڑک گئی ہو وہی بازار کوڑیا پل کہلاتا ہے جس میں بھی کثرت سے بیٹھتے ہیں۔ دائیں طرف کٹرہہ

سائستہ خاں۔ برف خانہ۔ کٹرہہ چاہ اندارا۔ کلن کی چھوٹی سڑک۔ توپ خانے کی سڑک۔ برف خانے کی سڑک ہیں اسکی وجہ تسمیہ ہم شاہ جی کے مکان کے ضمن میں لکھ آئے ہیں کہ نواب شادی خاں مہتمم تہ یازاری تھے۔ تہ یازاری کے محصول میں کوڑیاں کثرت سے جمع ہوتی تھیں۔ شاہ عالم ثانی کے عہد میں نواب صاحب نے بادشاہ سے اجازت لے کر ان کوڑیوں سے ایک پل بنایا تھا لیکن اب پل کا وجود نہیں رہا پل جا کر سارے بازار کا یہی نام پڑ گیا۔

دنیا ہم نے سرائے فانی دیکھی  
ہر چیز بیاں کی آتی جانی دیکھی

**مور سرائے**

غدر سے پہلے بیاں کا غذی محلہ تھا۔ غدر کے بعد ۱۸۶۱ء میں مہملٹن صاحب کٹرہہ نے بہ صرف ایک لاکھ پانسو سترہ روپیہ سڑک بنائی اور اجدار اس کا نام مہملٹن سڑک مشہور ہوا اس کے بعد مور صاحب انجینئر نے اس کی برجی پر مور کی تصویر لگائی لوگ مور سرائے کہنے لگے چاہے اسے مور کی شکل سے منسوب کر دیا انجینئر صاحب کے نام سے سیٹلنگ میں پہل کیٹی نے اس کو ایک لاکھ پینسٹھ ہزار میں ایسٹ انڈیا ریلوے کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس میں ریلوے کے ملازمین رہتے ہیں۔ عمارت بہت وسیع عمدہ اور بختہ ہے۔

آس کے متصل تراسے پر چنگی کی چوکی ہے جو پون ٹوٹی بھلائی ہے

**پون ٹوٹی یعنی**

چوکی کی چوکی  
ہے۔ یہاں سے ایک سڑک دریا کی طرف جاتی ہے اور صدر ڈاک خانے کے قریب ریل کے ڈاٹ واسے پل کے پاس چوراہہ مل جاتا ہے۔ چنگی کی چوکی کے سامنے شمالی جانب ریل کے کاٹ کا اور پر ج ہے۔ پل بہت

بڑا ہی ریلوے اسٹیشن کے ساری چوڑائی کو قطع کرتا ہے اس وجہ سے بہت لمبا ہے جو اُس طرف صدمہ ڈاک خانے - پکھریوں - کشمیری دروازے گندے گلی وغیرہ کے رستے پر جاکھتا ہے چنگی کے پاس ہی ملکہ کے باغ کا ایک دروازہ بھی ہے۔

مانع دقت نوردی کوئی تدبیر نہیں  
ایک چکر ہو مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

ریلوے اسٹیشن

دراصل یہ اسٹیشن ای آئی آر کا ہے۔ پہلے سندھ پنجاب دہلی ریلوے جو اب ان ڈیوڈ لہو آر کھلاتی ہے اس کا اسٹیشن ہیمپٹن روڈ پر تھا جہاں اس کا مال گودا ام ہے اور راجپوتانہ مالوہ ریلوے کا اسٹیشن موری دروازے کے پاس تھا۔ یہی تین ریلیں تھیں۔ اسٹیشن الگ الگ اور دور دور ہونے سے مسافروں کو بڑی مصیبت کا سامنا تھا۔ ساری لہیوں کا ایک جاتنٹ اسٹیشن ہو گیا۔ میرے خیال میں سوائے بھٹی کے وکٹوریہ میٹروپولیٹن اسٹیشن کے دلی سے بڑا کوئی اسٹیشن نہیں۔ ۱۹۰۳ء سے بجلی کی روشنی سے بقیہ نور بن رہا ہے۔ وسیع اور کشادہ پلیٹ فارم ہیں۔ رات دن یکساں ہے ہر وقت ٹکٹ ملتا ہے۔ مسافروں کے ٹھہرنے کے بڑے بڑے ہال ہیں۔ لمباں اسکی یوں سمجھیے کہ ڈفرن برج سے شروع ہو کر ڈاٹ کے پل تک چلی گئی ہے اور چکلان ملکہ کے باغ سے لے کر ادھر ہیمپٹن روڈ تک ہے۔ شہر میں بھی چاندنی چوک کا ہنگ آفیس ہے جس سے مسافروں کو بڑی آسائی ہے۔ پارسل بھی یہیں سے لیتے ہیں۔ اسٹیشن اس وقت ذیل کی ریلوں کا مبدا اور منتہا ہے۔ ای آئی آر یعنی پوربھین دلی سے دھر کلکتہ تک۔ ان ڈیوڈ لہو آر یعنی پنجاب لین۔ جو پہلے سندھ پنجاب دلی ریلوے کہلاتی تھی۔ ادوہر ہیلکھنڈ ریلوے کا غازی آباد مراد آباد سکشن جی آئی بی آر یعنی بمبئی لین۔ بی بی اینڈ سی آئی آر براڈ گیج یعنی چوڑی پٹری کی جو متھرا ناگدا لین کہلاتی ہے اور میٹروپولیٹن چوڑی پٹری کی جو پہلے راجپوتانہ مالوہ ریلوے کہلاتی تھی اور دہلی سے احمد آباد تک ہے۔ سدرن پنجاب ریلوے۔ ہندوستان بھر میں دلی سے

یڑا کوئی چٹکشن نہیں ہے۔ اسٹیشن کے اندر جانے کے لیے آدھ آنے کا پیٹ فام  
 ٹکٹ ہے۔ دلی کے اسٹیشن کے اندر بڑے بھاری بھاری ویٹنگ روم ہیں اور  
 ان کے علاوہ رٹائرنگ روم بھی ہیں جن میں فرسٹ سکند کلاس کے مسافر  
 شب بائیں رہ سکتے ہیں۔ یہاں کے ریفر شمنٹ روم بھی اعلیٰ پیسے پر ہیں مختلف  
 ٹکٹ سٹال جی ہیں جن میں تازہ تازہ اخبار رسالے منتخب انگریزی ناول کثرت سے  
 ملتے ہیں۔ غرض مسافروں کی دلچسپی کا کافی سامان ہے جس سے سفر جو بصورت سفر  
 کہلاتا تھا اب سفر سبیل الطھر ہو گیا۔ سب سے بڑے ندرت یہ ہے کہ مختلف پیٹ فاموں پر  
 زمین کے اندر سامانوں کے ٹھیلے پہنچانے کا نادر اسپیرٹس لگا ہوا ہے

جو بڑے صوفیہ سے بنا ہے اور جس سے سامان کے حمل و نقل میں بے انتہا سہولت  
 ہو گئی ہے۔ گھر یاں متعدد ہر ہر پیٹ فام پر لگی ہوئی ہیں جن میں بجلی کا تار لگا ہوا ہے اور  
 ان سب کا وقت اسی تار سے یکساں رہتا ہے۔ ٹکٹ ہر درجے کا ہر وقت ملتا ہے۔

شبانہ روز ٹکٹ گھر کھلا رہتا ہے جب چاہو ٹکٹ لو اور بفر اغت داپٹینان سفر کو  
 قیسائی فرتہ رومن کیتھولک کا یہ گرجا اس طرح کے  
 اخیر یہ واقع ہے جو ریلوے اسٹیشن سے منسوب ہو گیا  
 کو جاتی ہے۔ یہ عمارت نہایت خوش نما اور عالی شان ہے  
 چھبیا سٹھ ہزار روپیہ کی لاگت سے یہ گرجا بنا ہوا ہے

## گر جارج رومن کیتھولک

۱۸۶۶ء

جو طرف ایک عمدہ باغ لگا ہوا ہے اسی احاطے میں پادری صاحب کے رہنے کی کوٹھی بھی ہے  
 اس کے آگے ہی چوراہہ ہے ایک سڑک ریلوے کے ڈاٹ داپٹ کے تلے سے  
 نکل کر سیدھی دلی دروازے کی طرف گئی ہے۔ اس چوراہے کے شمالی جنوبی  
 گوشے میں ایک چھوٹے سے مثلثی ٹکڑے میں ایک مختصر باغیچہ لگا دیا ہے جس  
 کے تینوں طرف پتھر کا کھڑا ہے اور بیچ میں ایک فریزرل فوانہ لگا ہوا ہے جس کے پل کی  
 نہایت مستحکم ڈاٹ لگی ہوئی ہے پہلے یہ پل ۱۹ گز کا تھا بعد میں (۱۹) فٹ اور بڑھایا گیا  
 اور چوڑا ایسا لگایا ہے کہ معلوم نہیں دیتا۔ اس پل کا نام لو تھین برج ہے۔

شاہ آبادانی صاحب کا مزار پتھریوں کے سامنے میدان میں جانب غرب  
 ہر کے شمالی کنارے پر شاہ آبادانی علیہ الرحمہ

۱۲۰۰ء

مزار ہی۔ آپ مستند اولیاء میں سے مانے جاتے ہیں چشتیہ مجددیہ نقشبندیہ ہر سلسلہ میں آپ اجازت رکھتے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت صدیق اکبرؓ سے ملتا ہے آپ کے والد بزرگوار میاں نور جمال سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ شاہ شمس الدین علیؒ میں پیدا ہوئے سن رشد کو پونچھنے کے بعد دہلی تشریف لائے اور مولانا محمد ذکریا علیہ الرحمۃ کے مرید ہوئے جو اپنے زمانے کے عارف کامل تھے۔ مولانا کے وصال کے بعد شاہ صاحب مرجع خلافت بنے مولانا فخر الدین علیہ الرحمۃ سے صحبتیں رہیں۔ آپ نے ۶۹ سال کی عمر میں ۱۸ ربیع الثانی ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔ اب تک آپ کا عرس ہوتا ہے۔ چوں کہ آپ کا مزار فوجی حدود میں ہی اجازت لینی پڑتی ہے قلعے کے لاہوری دروازے سے نکل کر ایک رستہ تلے کے پاس شمالی جانب میں دریا کی طرف چلا جاتا ہے دوسری سڑک خندق سے ملی ہوئی جنوبی دروازے کی طرف آتی ہے۔ تیسری بیچ والی سڑک نہایت چوڑی اور وسیع سیدھی مسجد فتح پوری تک چلی گئی ہے۔ سوائے گھنٹہ گھر کے اور کوئی چیز بیچ میں حاصل نہیں ہے چاندنی چوک کا شارع عام ہی سڑکیوں کے مندر کے پاس چوراہہ پر پڑتا ہے۔ چاندنی چوک والی سڑک کو چھوڑ دیجئے ٹھنڈی سڑک کو لیجئے جو پنجکیوں سے ہوتی ہوئی کشمیری دروازے کو نکل جاتی ہے۔ یہیں پنجکیاں تھیں جو نہر کے زور سے چلتی تھیں اور دہلی میں شہر بھر کا آٹا پستاتھا۔ یہ وہی نہر تھی جو چاندنی چوک میں اسی نام سے مشہور تھی اور کہیں سعادت خاں کی نہر بن جاتی تھی۔ اب یہ پنجکیاں بے کار ہیں شہر بھر میں متعدد آٹیل انجن ہیں اور سب سے بڑھ کر کنیش فلور ملز اور کئی اور ملز۔ آٹا تو آٹا میٹم میں وہ طاقت خدا نے دی ہے منٹوں میں سارے شہر کو پیس کر دھردے۔ پرانا زمانہ گیا بادی اور آبی چکیوں کی جگہ اب بھاپ اور اس سے بڑھ کر برقی قوت وہ کام کر رہی ہے کہ انسان کی عقل و نگاہ۔ یہ زمانہ آسان پھاڑ کے تھکلی لگانے کا ہے۔ جو بات نہ ہو جائے عجب نہیں۔ اب پھر چاندنی چوک میں اسے تو بائیں جانب حویلی جنگل کشور۔ کٹھڑہ شہنشاہ۔ درمیانیہ خوردہ۔ اس سے آگے موٹی بازار کا دروازہ ہے جو درمیانیہ خوردہ میں نکل جاتا ہے اور دوسرا رستہ ایوارڈ سے ملتا ہوائی سڑک پر

جائگہ اور مالی وادے میں اسے بہادر لاء سری کشن واس صاحب ساہوکار  
جو گلو واسے مشہور ہیں غالی شان مکان ہر جو دہلی کے مشہور ساہوکار  
اور رئیس ہیں۔

سکہ مشہ کا ہوا ہر و شناس۔ اب عیار آہر و زر کھلا  
بنک آف بنگال

کشمیری دروازے پر پھر چاندنی چوک کے ایک کونے پر تھا آخر کار بینک نے  
سٹیٹ اسٹیمپرز نامہ ہاسپٹل کی عمارت خرید لی جو سنگ سرخ کی بہت  
سنگین سے منزلہ نہایت خوش نمائی ہوئی ہر ہسپتال کی عمارت مشہور میں  
یہ صرف در کثیر پادری و قسٹر صاحب کی میم کی یادگار میں بنائی گئی تھی۔ اس کا  
تعلق بھی ایس پی جی مشن سے تھا۔ اب ہسپتال شہر کے باہر تیس ہزاری  
باغ کے میدان میں چلی گئی ہے۔ شہر کی بدت یاروں کی زحمت پھر عورتوں کی  
نقل و حرکت کا کچھ لحاظ نہ کیا گیا۔ پردہ نشین عورات کے لیے ہوئی نہ ہوئی برابر ہے۔  
نامتور یاق از عراق آوردہ شود مارگزیدہ مردہ شود۔ اسی طرح چاندنی چوک میں اور  
بہت سے بنک ہیں جن میں سے بعض مشہور بنکوں کے نام یہ ہیں: چارٹرڈ بینک  
الہ آباد بینک۔ نیشنل بینک آف انڈیا۔ کمرشل بینک۔ بینک آف اپر انڈیا  
پنجاب نیشنل بینک۔ مرکینیل بینک۔

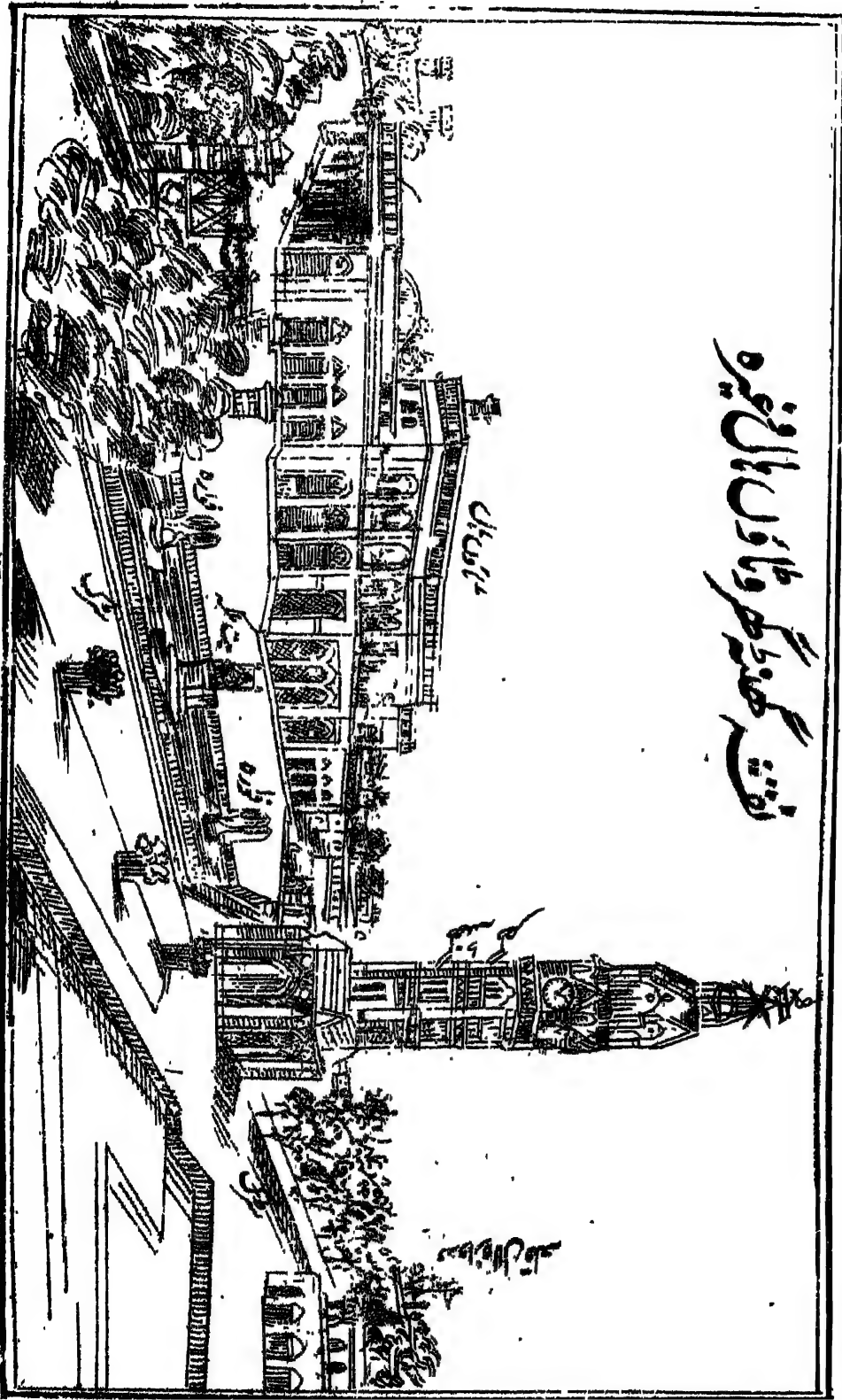
یہ وہ مقام ہے جہاں سے ستمبر ۱۹۱۲ء میں لارڈ ہارڈنگ  
کسٹمر وھولیا

بمب پھینکا گیا تھا۔ اس کے آگے بائیں جانب کسٹمر  
گوری شنکر کسٹمر نواب صاحب یعنی  
رکن الدولہ۔ داہنی طرف کو چہ سنگھیاں۔ کچا باغ۔ بائیں طرف  
کسٹمر چہاں۔

بائیں طرف یہ کسٹمر ہے جس میں کسٹمر فروشوں کی تھوک  
اشرفی کا کسٹمر  
فروشی کی دکانیں ہیں۔ اور اسی سے ملا ہوا ہے کسٹمر  
بھنگی ہے۔



# نقشہ گھنٹہ گھر و ٹاؤن ہال لاہور





## نٹوونکی کوچہ

گھنٹہ گھر سے پہلے ملکہ کے باغ کی مشہور دیوار سے ملا ہوا  
 واسنہ ہاتھ کی طرف یہ ایک بڑا محکمہ ہے جس میں اہل ہندو اور  
 مسلمان دونوں رہتے ہیں۔ مسلمانوں میں سادہ کار۔ مصور رہتے ہیں اور  
 چند کارخانے ڈھلیوں کے ہیں۔

## گھنٹہ گھر

۱۸۶۸ء

غافل تھے گھر پال یہ کرتا ہی منادی  
 گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

قلعے کے لاہوری دروازے سے لے کر فتح پور کی تک سارے سایہ دار  
 و رخت کاٹ کر میدان صاف ہو گیا ہے۔ سایہ اب نام نہیں رہا۔ گرمیوں کے  
 دنوں میں غالب کے یہ شعر بے ساختہ زبان سے نکلیں گے۔  
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار  
 آگ تاپے کہاں تک انسان دھوپ کھاؤ کہاں تک جاں دار  
 دھوپ کی تابش آگ کی گرمی وقتا رہتا عذاب الشار  
 آدمی سارے کو ترسیں گے۔

جانب سایہ شدہ مردم رھاں سایہ بد نشانی شروع و و ا ل  
 اب اس حق ہو کے میدان میں حضرت گھنٹہ گھر صاحب تن تہا ٹیٹروں ٹوٹ گھڑ  
 ہوئے حق الہ پاک ذات الہ پکار رہے ہیں۔ گھنٹہ گھر کے مشرق اور مغرب  
 میں دو چھوٹے چھوٹے سنگ مرمر کے لیوٹرے حوض کنڈالیوں کی  
 طرح کے بنے ہوئے ہیں جن پر ذیل کے کتبے اردو انگریزی میں ہیں۔  
 مشرق کی طرف۔ یہ کھیل واسطے مویشیوں کے پانی پینے کے لالہ اے  
 پرشا و صاحب آفریدی سکرٹری پنجر پول و آفریدی مجسٹریٹ دہلی نے  
 ۱۹۱۶ء میں تیار کرائی۔ مغرب کی طرف۔ یہ کھیل لالہ مدن موہن لال  
 کھتری خلیف لالہ رام چند صاحب نے ۱۹۱۶ء میں تعمیر کرائی۔ یہ گھنٹہ گھر نہایت  
 بلند اور خوب صورت مربع بنا ہے جس کے نیچے کے حصے میں چاروں طرف درمیں

اس میں تینٹا پچیس ہزار پانسو روپیہ لاگت آئی ہے۔ اس میں بہت بڑا گونجنے والا گھنٹہ لگا ہوا ہے جس کے ڈائل یعنی سوئیاں چاروں طرف ہیں۔ پاؤ آدھا پونا سب بجاتا ہے۔ گھنٹے کی قیمت پانچ ہزار اٹھارہ روپیہ ۳۴ پائی دلی آکر پڑی گونگھٹے کی آواز بند ہو اور ہوا کے سچ پر دور دور جاتی ہے مگر اتنے بڑے شہر میں صرف ایک گھنٹہ گھر سارے شہر کو چوکتا رکھنے کو بالکل ناکافی ہے۔ اس کے اوپر ایک چھلی بنی ہوئی ہے۔ جو اسات اربع تبتلی ہے۔ جہاں اب گھنٹہ گھر کسی زمانے میں یاں ایک ہشت پہلو حوض تھا جس کے پاؤں طرف سو سو گز میں منمن بازار تھا دراصل یہی چاندنی چوک تھا۔ اس چوک کے گرد نصف دائرے کی شکل میں اب بھی بزازوں کی دکانیں ہیں اور شام کو سودے والے بیٹھتے ہیں۔ جسے نہر بند ہو گئی اور بیچ کی پٹری توڑ دی گئی بازار کی رونق جاتی رہی ورنہ اس پٹری پر فٹے کے لاہوری دروازے سے لے کر فتح پوری کی مسجد تک سودے والے۔ حرکاری فروش۔ میوہ فروش۔ ٹکڑے والے شربت والے کثرت سے بیٹھتے تھے پٹری کے ٹوٹ جانے سے اُن کا خیرازہ بکھر گیا جس کے سنگ جہاں سماے چلا گیا چاندنی چوک میں جو جامعیت تھی اور زبان زد خلافت تھا کہ کھوے سے کھوا اچھلتا تھا وہ سب اب خواب خیال کی سی باتیں ہیں۔ بیچ کی چوڑی سڑک سواریوں کی آمد و رفت کے لیے بڑی دائیں بائیں دکانوں کے سامنے چوکوں کی پٹریاں بنادی ہیں وہ پیدل رہ رووں کے واسطے مخصوص ہیں۔

# نئی سڑک

## (اجر ٹن روڈ)

چاندنی چوک میں گھنٹہ گھر سے جنوب کو یہ نئی سڑک نکلی ہے جس کا انگریزی نام ایجر ٹن روڈ ہے۔ یہ بھی دلی کا پر رونق بازار ہے جو دوسری طرف شاہ جہان کے بڑے پاس جا نکلی ہے۔ اس میں - بزار - گھڑی ساز - درزی و شمال دو درخیز پیشہ وروں کی دکانیں ہیں۔ گھنٹہ گھر سے جاتے ہوئے واہنے ہاتھ کو کسٹرہ موتی نامی مسجد حوض والی۔ کوچہ خان چند گلی حاجی علی جان پوے گلی سیوالی - پائیں ہاتھ کو کسٹرہ بھنگی - کسٹرہ ہمیشی واس - گلی جو تے دالاں - مالی داڑہ - کسٹرہ غفور بخش معروف ہے کٹ پیس مار کٹ بھے عموماً کسٹرہ سٹے والاں کہتے ہیں۔ روشن پورہ جو ایک وسیع محلہ تھا جس کے بیچ میں سے نئی سڑک نکل جانے سے کچھ حصہ سڑک کے

اس طرف رہا کچھ اُس طرف محاذ میں ہو گیا۔ اور اسی میں چھتہ تن مسکھ راے  
 اور پھر چیرے خانہ ہو۔ جس میں حضرت شاہ صدر جہاں علیا الرحمہ کامرہ اریہ  
 آپ کا ور یہ خاندان کے بزرگ ہیں۔ آپ کا وصال ۱۱۵۲ھ میں ہوا۔ ۱۲۔ ۱۳ ذی قعدہ کو  
 عرس ہوتا ہے۔ روشن پورے میں لب شرک داہنی طرف بابو مدن گوپال بیرسٹر  
 کی کوٹھی ہے۔ جن کے صاحب زادے لالہ سریرام ایم اے مشہور مصنف  
 خم خانہ جاوید ایک لائق باپ کے لائق بیٹے ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر بایں  
 جانب میونسپل بورڈ سکول ہے۔ اب نئی شرک ختم ہوئی اور ہم شاہ بولا کے  
 بڑے پاس چاؤڑی بازار میں نکل آئے۔

## سیگم یا ملکہ کا باغ

۱۰۷۰ھ  
 ۱۶۵۰ء

بہاں جنس باغ نامہ پدید نہ قصر این خنیں چشم افلاک دید  
 خیاباں کنز چشم بد باو دور۔ کتاب چمن راست بین السطور  
 زہر مصرعہ شلخ گل بے رنگ۔ براؤر سر معنی رنگ نگ  
 گریبان صبر م قبا می کند  
 دلم در رو تیر حسرت ہدف  
 تمک می زند بد دل ریش سن  
 ز شبنم شد و شکر صبح آب  
 ہوارہ کند ابر یا قوت بار  
 دم روح در آستین صبا  
 یہ باغ دراصل شاہ جہاں بادشاہ کی جیتی اور تیسری صاحب زادی  
 جہاں آرا بیگم نے ۱۶۴۹ء میں بنوایا تھا جو چاندنی چوک کے بازار میں

صبا تمک غنچہ دامی کند  
 کانداز شاخ چمن بستہ صف  
 شکر خندہ غنچہ یاسمن  
 ز فیض ہوائے لطافت نقاب  
 ز خاکش اگر اوج گیر و غبار  
 ز کیفیت اعتدال ہوا

ملہ جہاں آرا بیگم شاہ جہاں بادشاہ کی بیٹی تھی اس کی ماں ممتاز محل کے نام کو تاج بی بی کے  
 روئے نے غیر فانی بنادیا ہے ۱۲ صفر ۱۱۴۱ھ بڑہ کو جب پیدا ہوئی اس کا باپ شہزادگی  
 کے عالم میں چوڑے فتح کرنے گیا تھا۔ اس تقریب پر اس کے دادا جہاں گیر بادشاہ نے  
 بہت خوشی منائی ہوش سنبھالنے پر جہاں آرا کو مذہبی تعلیم دی گئی اور اس کے بعد اس نے  
 فارسی عربی میں دست گاہ حاصل کی۔ یہ شاہزادی اپنے باپ کو بہت عزیز تھی بقیہ نوٹ میں ملاحظہ فرمائیے

گھنٹہ گھر کے سامنے ہے۔ اس باغ کی وضع قطع میں بسبب مرور زمانے کے بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا ہے۔ باغ کا طول (۹۷) اور عرض

جب اس کی ماں کا وقت آخر ہوا تو وصیت کی کہ اس کے متروکہ میں سے نصف جہاں آرا کا دیا جائے اور باقی نصف چاروں بیٹوں شجاع - مراد واراشکوہ اور رنگ زیب میں تقسیم کر دیا جائے۔ سکنہ میں شاہ جہاں نے حکم دیا کہ اس کا جشن سالگرہ منعقد کیا جائے۔ قطعہ معنی کی خاص طور پر سجادوٹ کی گئی اور دارالخلافہ میں نہایت اعلیٰ پیمانے پر طیاریاں شروع ہوئیں کہ عین سالگرہ کے دن محل میں جہاں آرا کا دامن شمع کی ٹوک سے چھو گیا جس سے تمام کپڑوں میں آگ لگ گئی اور سارا بدن جل گیا۔ شاہ جہاں نے جو سنا تو گھبرایا ہوا اندر آیا اور جہاں آرا کا سراپہ گھٹنے پر رکھ کر بہت رویا - خوشی کے ہلے کھرام بچ گیا۔ بادشاہ نے رو بلا کے سینے ساٹھ ہزار روپیہ اسی وقت خیرات کیا اور بڑے بڑے حاذق اطباء کا علاج معالجہ خاص اہتمام سے شروع ہوا۔ ایک انگریز ڈاکٹر لوٹن نامی جو اپنے فن میں کہاں رکھتا تھا سورت کے بندر میں آیا ہوا تھا بادشاہ نے اسے طلب فرمایا ہر رات ایک ہزار روپیہ کا ٹوٹا شاہزاوی کے سراپے رکھا جاتا اور صبح کو فقیروں کو بانٹ دیا جاتا۔ جہاں آرا بے چاری پورے پانچ مہینے صاحب فراش رہی اور بادشاہ متواتر خبر گیریاں رہا۔ خدا خدا کر کے شاہزاوی کو صحت ہوئی جس کی خوشی میں بادشاہ نے دو عظیم الشان جشن کیے۔ جس میں ایک کروڑ روپیے کے قریب خرچ ہوا۔ ڈاکٹر کو جس کے علاج سے غسل صحت ہوا تھا چاندی میں لٹایا گیا اور اس خدمت کے صلے میں ایک فرمان ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام مشرف صدور پایا کہ کمپنی کے جہازوں میں بلا مزاحمت امداد کوٹھیاں کھول کر تجارت کریں۔ شاہزاوی کے غسل صحت کی تہنیت میں حاجی محمد خاں قدوسی نے بادشاہ کے حضور میں ایک قصیدہ گزوانا پانچ ہزار روپیہ سرفراز ہوئے اس قصیدے کی ایک بیت یہ ہے:-

تاسرودہ از شمع چیں بے ادبی پر دانہ ز عشق شمع را سوختہ است

اگرچہ ہماں آرا نونہم کی لپی ہوئی اور لاڈلی بیٹی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شاہزاوی تھی جتنا عزت کرتی اور کھینچتی اور جتنے خرابی کے پھن اختیار کرتی کم نہ تھا اگر اچھوٹے اچھے ہی ہوتے ہیں لیکن اس میں غرور نام کو نہ تھا اور منساری اور انکساری کا خاص جوہر تھا۔ محل میں ادنیٰ اور اعلیٰ سب اس کے اخلاق حسنہ کے گردیدہ اور فنا خواں تھے۔ یہی سبب تھا قیصر نے بڑھ کر

(دہم نم) تھا۔ اس باغ کی وہ چار دیواری تو اب رہی نہیں جس میں جا بجا برج بنے ہوئے تھے۔ غدر کی ٹوٹ کھسوٹ میں ٹوٹ پھوٹ گئے۔ اب صرف چار برج رہ گئے

کہ اس نے تمام محل کے لوگوں کے دل مٹھی میں لے بیٹھے تھے۔ چھوٹے بڑے سب اس کی راہ میں آنکھوں کا فرش بچھاتے اور جہاں اس کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون بہا کر طیارے تھے۔ یہ شاہزادی پرے سر کی قیاض۔ مہال نواز۔ اور بردہا تھی۔ نفاست پسندی اور اندک مزاجی کے باوجود فضول ترک و اعتشام پسند کرتی تھی۔ طرز معاشرت اور لباس میں سادگی کا خاص طور پر لحاظ رکھتی تھی۔ جہاں آرا اس قدر مناسب لگتا تھا اسے تھی کہ اس فہم و فراست کی عورتیں اس ملک میں کم نکلیں گی۔ ہر بات کے دونوں پہلوؤں پر غور کرتی تھی اور ان سے صحیح نتیجہ نکالتی تھی اس لیے اس سے بادشاہ مزاج میں بہت و خیل تھی اور سلطنت کے اکثر اہم معاملات اس کے ہاتھ میں تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہو کہ شاہ جہاں کسی بات پر اور ننگ زینے ناراض ہو گیا اور شاہزادے کی جاگیر ضبط کر لی اور دکن کی صوبہ داری سے معزول کر دیا گیا۔ تمام امراء دربار اور بیگمات نے سفارش کی مگر شاہ جہاں کے کان پر جوں نہ پڑی۔ جہاں آرا مزاج شناس تھی موقع و محل مناسب پر اس طرح سلسلہ جنبانی کی کہ معاملہ صاف جاگیر بحال اور صوبہ داری پھر مل گئی۔ اس کی سخاوت کے بھی بہت سے قصے مشہور ہیں۔ بڑی عالی حوصلہ بلند خیال تھی۔ مذہب کی سخت پابند تھی۔ قرآن شریف کی تلاوت اور حدیث پاک کا مطالعہ کبھی نہ ہوتا۔ حد اترسی اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ پیشہزادی اپنی مادری زبان ترکی تو جانتی ہی تھی مگر عربی فارسی میں بھی ابھی دستگاہ رکھتی تھی۔ انشا پر دازی اور شعر گوئی کا بھی چسکا تھا۔ زیادہ تر فارسی اور کبھی کبھی عربی میں طبع آزمائی کرتی تھی۔ اس کا فارسی کلام فصاحت اور سلاست کا اعلیٰ نمونہ۔ یہودہ ہندوؤں سے پاک۔ مضامین اخلاق و مذہب پر ہی۔ اس کا زیادہ تر وقت پڑھنے لکھنے ہی کے مشغلے میں گزر رہا تھا۔ ایک روز شاہزادی باغ کی سیر کو گئی میر صدی طہرانی لب بام کھڑا تھا۔ بہ آواز بلند اپنا یہ مطلع پڑھا۔ مطلع برقعہ برخ افگندہ بر دنا زب غش۔ ناگہت گل بیختہ آید بر غش۔ شاہزادی سن کر سرور ہوئی اور پانسو روپیے دیئے۔ مرد احمد علی ماہر نے ایک مختصر مثنوی شاہزادی کی مدح میں لکھ کر غنایت خاں استاد کے در سے گزرائی۔ اس پر بھی پانسو روپیے انعام دیئے۔ جس کی ایک بیت یہ ہے:-

ہذات او صفات کردگار است

کہ خود پناہاں فیض آشکار است

ہیں۔ جن میں کے دو تو باغ کے احاطے کے شمالی رخ پر موجود ہیں تیسرا نیل کے کھڑے کے پاس ہی اور چوتھا اس مقام پر ہی جہاں عجائب خانے کے شیر وغیرہ رکھے جاتے تھے۔ یہ برج بیس فیٹ اونچے اور پندرہ فیٹ بلند چوبیس پر بنے ہوئے ہیں۔ شہر دہلی کی نہر جس کا ذکر علیحدہ کیا گیا ہے سارے باغ میں پھیلی ہوئی تھی جو اب بند کر دی گئی۔ اس باغ میں عجیب و غریب مکانات سیر گاہیں۔ بارہ دریاں۔ ٹیمپل بنے ہوئے تھے جن میں سے صرف ایک بارہ دری باقی رہ گئی ہے اور وہ وہی ہے جس میں حیوانات رکھے جاتے تھے اب اس عمارت کا صرف آنا حصہ دست بردمانے سے بچ رہا ہے کہ چادروں ایک کمرہ ۵۰ فٹ اور آئینس فیٹ اونچا ہے جس میں کچھ دنوں لیسریہ رکھتے تھے اب میونسپل کمیٹی کے دفاتر ہیں۔ گو اس باغ کی وہ شان اب نہیں رہی مگر پھر بھی خوش منظر مقام ہے اور شہر کے وسط میں اس سے بہتر سیر گاہ اور کوئی نہیں۔ پنانے درخت کاٹ دیئے گئے نئے نئے چمن لگے ہیں جگہ جگہ بیچیں پڑی ہیں۔ بیچوں بیچ میں ایک نہایت خوبصورت گول چبوترہ بنا ہوا ہے۔ جس کے ادھر ادھر ہری گھانسی کے تختے ہیں۔ چبوترے کے گرد پھولوں کے گھلے دھڑے ہیں بیچ میں

شاہ جہاں کی زندگی میں تخت کے نیچے میوٹوں میں کٹ چھنی اور نور یز خانہ جنگیاں ہو گئیں مگر آخر اورنگ زیب نے فتح نصیب پائی اور شاہ جہاں کچھ عزت میں بٹھائے گئے تو جہاں آرا اپنی بہن روشن آرا کے خلاف دنیاوی و دنیوی کولات مار کر اپنے لڑے باپ کا ساتھ دیا اور اس کی خدمت گزاری سے سعادت دارین حاصل کی۔ جہاں کو صوفیا گرام سے بڑی عقیدت تھی خود بھی خاندانِ چشتیہ میں مرتبی تھے۔ اس نے فارسی میں ایک کتاب تہذیب الارسال و اراغ لکھی ہے جو کہ حضرت خواجہ غریب نواز کی لاجواب الخ عمری ہے۔ ۵۰ ستمبر ۱۶۵۸ء کو جہاں نے اس جہان کو چھوڑا اور اس کا حق نامہ انہوں نے ملے ملے اسی کے تعبر کردہ مجھ میں پہر و خاک کیا گیا اور اس کا خطاب نواب جنت آباد صاحبۃ الزمانی مقرر ہوا۔ یہ مجھ رہا کہ حضرت سلطان المشائخ میں خالص سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ یہ چھوٹی سی نفیس عمارت زبان حال سے اپنی آغوش میں ابد الکا باد تک سونے والی کی نفاست مزاجی کا اعلان کر رہی ہے۔ اس وصیت کی تھی کہ میرا تین کروڑ کا اثاثہ دنگاہ شریف کے خاندانوں کو دینے دیا جائے۔ مگر ادب تک ذیبت کی کفایت شعاع طبیعت نے اس ضرر مشرعی کی بنا پر کہ وصیت ایک ثلث سے زیادہ پر ناظر نہیں ہو سکتی صرف ایک کروڑ کا اسباب دیا۔ سنگ مرمر پر خاص امی کا کھانا ہو مشعر کندہ ہے جو کہ یاس اور بے کسی کی زندہ تصویر ہے۔ بغیر سنہرے پوشیدہ نام (دیکھو مجھ جہاں آرا کا بیان)

بیچ پڑے ہیں۔ پہلے بیڈ بچنا تھا اب موقوف ہو گیا۔ یہیں ایک حوض تھا اور اسی کے پاس وہ سنگ مرمر کا حوض تھا جو اب قلعے میں ہے۔ اس حوض میں فوارہ لگا ہوا تھا اور بیچ میں سے نہر رواں تھی۔ اب تمام چھوٹی چھوٹی ٹالیاں سے پانی دوڑتا ہے جا بجا لان یعنی ہری دو بکے تختے مثل فرش ٹھلیں کے بیچتے ہوئے ہیں جن کی گھٹائیں مشین سے کتر کر ہموار کی جاتی ہے۔ ایک طرف چھوٹا سا مکان بنا ہوا ہے جس میں آنریری مجسٹریٹ کھری کرتے تھے اب خالی پڑا ہے۔ کسی زمانے میں اس مکان میں چڑیا گھر تھا۔ اس باغ کے چھ دروازے ہیں۔ ایک دروازہ ڈاکٹر بیسٹم چندر کی دکان اور فوارے کی طرف تھا وہ بند کر کے ہارڈنگ لیبریری کے سامنے لگا دیا ہے۔ دوسرا کاٹ کے پل کے سامنے تیسرا احمد پانی کی سرے کے سامنے اور نہیں ہیڈن کلب ہے اور دو دروازے چاندنی چوک میں گھنٹہ گھر کے سامنے۔ حال میں ریلوے سٹیشن کے سامنے سے ایک سڑک نکالی گئی ہے اور چوں کہ کلارک صاحب کشنر کی رائے سے نکالی گئی ہے لہذا کلارک روڈ کہلاتی ہے۔

ناصر حق شاہ فرشتہ سہت  
یاد بجان تو زحق آفسریں

قیصرہ ہند ملکہ وکٹوریہ

ملکہ کے باغ میں ٹون ہال اور گھنٹہ گھر کے بیچ میں لب سڑک چاندنی چوک ملکہ وکٹوریہ آجانی کا

آل جہانی کا مجسمہ  
۱۹۰۱ء

یہ روئیں مجسمہ جمیس کو زفر سکنر صاحب نے بنوایا ہے جو ایک میٹھی ہوئی تصویر ہے۔ جس کے چاروں طرف کتبہ بخط انگریزی دار و دناگری ہے۔

VICTORIA REGINA ET IMPE-

ATRIX Given to Delhi by  
James Cousens Skinner

Son of Major James

Skinner and grandson of Colonel

انگریزی کتبہ جنوبی رخ پر

گھنٹہ گھر کی طرف



James Skinner C. B. February A. D. 1901

(ترجمہ) ملکہ وکٹوریہ فیصلہ۔ دہلی کو عطا کیا۔ جیس کوزنر سکندر ولد میجر جیس  
سکندر و نیرہ جیس سکری۔ بی۔ فروری ۱۹۰۱ء۔

In their prosperity will be our strength, in their contentment our security and in their gratitude our best reward and may the God of all power grant to us and to those in authority under us, strength to carry out these our wishes for the good of our people.

انگریزی کتبہ شمال کی طرف

اُردو کتبہ شرق کی طرف

اُن کی مرزا کالی ہماری سلطنت کا استحکام۔  
اُن کی رضا مندی ہماری اطینان  
اُن کی احسان مندی۔ ہمارا نہایت عمدہ صلہ ہو گا خدا سے قادر مطلق۔ ہو  
اور ہمارے ماتحت حکام کو توفیق دے کہ رعایا۔ کی فائدہ رسانی کے بارے  
میں ہماری نیت ہو اُس کو پورا کریں +

یہ بت ولایت کے ایک نامور کارگر کی دستکاری کا عمدہ نمونہ ہے جس کے نصب  
کرنے میں ڈھائی ہزار روپیہ صرف ہوا۔ اس مجسمے کی دائیں بائیں طرف دو  
دل رباہمن بنے ہیں جن میں دو حوض سے نوا کے ہیں۔ ٹون ہال کے سامنے بیچھوٹا  
ٹکڑا بھی اچھی خاصی تفریح گاہ بن گیا ہے۔

دیکھتے ہیں جلوہ گلمائے رنگا رنگ ہم  
شل درگس جب تلک ہو اس چمن میں چشم دا  
آخر میں ہو گا وہی اک دن خزاں کے ہاتھ سے  
جو کہ عالم اپنا اس نشو و نما سے پہلے تھا

فیض نسیم

۶۹۱  
۹۲-۶۱۲۹۱



ہو غنیمت کوئی دم نطفہ رہ رنگ بہار  
پھر کہاں یہ گلشن اور گل اور یہ سبزہ یہ ہوا

اس نام اُس نہر کا جو شہر میں چلی تھی فیض نہر تھا لیکن یہ نہر عام طور پر سعادت خاں کی نہر کہلاتی تھی مگر کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ سعادت خاں کون صاحب تھے اور ان کے نام پر یہ نہر کیوں مشہور ہوئی۔ یہ نہر ۱۶۹۱ء - ۱۶۹۲ء میں بزمان جلال الدین فیروزہ خلجی موضع خضر آباد سے سفیدون تک جہاں شاہی شکار گاہ تھی کھولی گئی۔ ۱۶۹۹ء میں شہاب الدین خاں صوبہ وار دہلی نے اس کی مرمت کرا کے ۱۶۹۲ء - ۱۶۹۳ء میں رکھا۔ ظن غالب ہے کہ امتداد دہلی سے نام میں کچھ تغیر بدل ہو گیا ہے۔ ۱۶۹۸ء - ۱۶۹۹ء میں شاہ جہاں بادشاہ نے پھر اس کی مرمت کرائی اور سفیدون سے قلعہ معلیٰ تک اس کی توسیع کرائی۔ پھر ۱۶۹۹ء میں گورنمنٹ انگریزی کی جانب سے مرمت ہوئی اور حال میں بلحاظ حفظان صحت نہر بالکل پاٹ کر بند کر دی گئی۔

عبت دُنیا سے فانی سے مری جاں لگنا ہی  
نہیں ہے جاکچھ ساتھیاں سب چھوڑ جانا ہی  
مسافر تو رہی اولاد دُنیا سرا ہی بھول مت غافل  
سفر ملکِ مہم کا کوئی دم میں کر کے جانا ہی

جہاں آراہیم کی سرا  
۱۰۶۰ء  
۱۶۵۰ء

بیگم کے باغ کے ساتھ یہ سرا بھی بنی تھی۔ باغ تو غیر اجڑا پھڑکا موجود ہے مگر سرا کا سر سے پتہ ہی نہیں۔ ۱۵۵۰ء کے عذر کے بعد اسے گورنمنٹ نے ڈھکا۔ سارا میدان صاف کرا دیا۔ کیا کرشمہ قدرت الکی ہے۔ کوئی بناتا ہے اور کوئی ڈھاتا ہے اب سراے کی جگہ دہلی انسٹیٹیوٹ کی عمارت بنی ہوئی ہے۔ گو وہ سرا صنعتِ دُنیا سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دی گئی مگر ہم سے کچھ اُس کا حال سن لیجئے۔ اس سرا کے دو دروازے تھے۔ جنوب رخ کا دروازہ بازار چاندنی چوک کے سامنے تھا دوسرا شمال میں گویا باغ ہی کا دروازہ تھا۔ سراے کے صحن

میں دو بڑے بڑے کنوئیں اور ایک مسجد تھی۔ صحن کے چاروں طرف دو منزلہ بڑے بڑے کمرے تھے جن میں سافر کثرت آکر کرتے تھے اور پھیری دیکھو اگر کبھی کانٹننگر سامان فروخت کیا کرتے تھے۔ برنبیر نے اس سرکا کا حال یوں لکھا ہے کہ یہ کاروانسرا ایک بڑی چوکون عمارت ہے جس کے چاروں طرف دو منزلہ حجرے ہیں جن کے پیش میں برآمدے ہیں۔ یہ سرکا ممالک غیر از بکٹ غیرہ کے تجارتی فرودگاہ ہے۔ یہ لوگ سرکا کے حجروں میں آرام و آسائش بڑی حفاظت سے رہتے ہیں اور چونکہ سرکا کا دروازہ رات کو بند ہو جاتا ہے لہذا کسی قسم کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔ طاق بلند شرفک گشت جفت۔ حاصل دشد فلک اندر نہفت کنگر طاقش بزبان دراز۔ پیش فلک گفت سخنا سے راز

طنون ہال

۱۸۶۳ء

یہ بہت خوش نما اور عالی شان ہال ہے جو ۱۸۶۳ء میں بنایا گیا۔ آٹھ برس کے عرصے میں کل عمارت مع دو سڑکوں کے ~~میں~~ مکمل طیار ہوئی۔ ٹون ہال کے شمال میں بڑی بڑی مھر میں بنی ہوئی ہیں دیواروں پر بہت عمدہ کام کیا ہوا ہے۔ فرش پہلے پختہ تھا مگر ۱۹۰۳ء کے دربار میں ساڑھے چار ہزار روپیے کی لاگت سے سنگ مرمر کا فرش بنایا گیا۔ چو طرف بڑی بڑی چوکھٹوں اور گیلریوں میں بڑے بڑے نامور انگریزوں اور بعض ہندوستانیوں کی بڑی بڑی تصویریں جس میں بعض ٹیف سائٹنگ ہیں آویزاں ہیں۔ اسی ٹون ہال میں سرکاری جلسے اور ٹینگ۔ بڑے بڑے لکچر اور اجلاسیں ہوتی ہیں۔ اس کی بالائی منزل پر پہلک لیبریری تھی جو اب ہارڈنگ لیبریری میں ضم کر دی گئی اور اسی عمارت کے شمال میں ایک کمرے میں ایک مختصر ذخیرہ موجود جانوروں۔ عجیب عجیب چیزوں اور نادر تصاویر کا ہے۔

ہارڈنگ لیبریری (کتابخانہ)

۱۹۰۳ء

ملکہ کے باغ میں شرقی جانب بازار کوڑیاں کی سڑک پر نوآرے سے کچھ آگے بڑھ کے لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل (۱۹۰۵ء) کی یادگار میں ہے

لیسریری حسب تحریک جناب جمیل صاحب بہادر چیف کمنشنر صوبہ دہلی  
یہ عالی شان اور وسیع عمارت جس پر ایک گنبد ہی پر صرف ۱۰۰۰۰ روپے  
بنائی گئی ہو جس سے پہلے مستفید ہوتی ہو اور دلی جیسے شہر کے  
لیئے ایسی ہی ایک بڑی اور عمدہ لیسریری کی جو اعلیٰ پیمانے پر ہوسخت ضرورت  
بھی تھی۔

**قابل عطار کا کوچہ** | لکھ کے باغ کی مغربی دیوار سے ملا ہوا دہلی طرف  
ہو۔ اس میں ٹپنی والے پارچہ فروش اور پرانے  
رہتے ہیں۔ اس میں ایک بڑی مسجد بھی ہو۔

**کوچہ راہمان** | جو عموماً رحمن کا کوچہ کہلاتا ہو۔ اس کوچے کا دوسرا دروازہ  
جوبلی ماروں میں نکلتا ہو دور آخری مغلیہ کا بنا ہوا ہو اور اب  
حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب حافظ الملک بہادر کی ملکیت

میں ہو۔ اس محلے میں دنداس سارا اور منصور اور زیادہ تر مسلمان رہتے ہیں۔ یہ رستہ  
ایک برج کی مسجد کے پاس ہو کر بازاری ماراں میں جا نکلتا ہو۔ شروع کوچے  
پر ایک مسجد ہو۔ پہلے یہ مسجد چھوٹی تھی ۱۳۰۰ میں عفو نور بخش صاحب سوداگر  
چھترے والے نے اس کو وسعت دے کر دو منزلہ بنوایا اوپر کے درجے میں  
مدرسہ ہو چھوٹے چھوٹے لٹینے قرآن شریف پڑھتے ہیں اس مسجد کے جنوب  
میں ایک بڑا حوض سنگین بنا ہوا ہو جس کے اوپر مکانات ہیں جس میں طلباء رہتے  
ہیں۔ اس مسجد کی کفالت عفو نور بخش صاحب ہی کرتے تھے۔ اب ان کے بیٹے محمد  
فضل عظیم و محمد کریم الدین متکفل ہیں۔ اسی محلے میں مولوی جمیل الرحمن صاحب راضیہ کا  
مکان ہو جو ایک ذی علم فقیر دوست صوفی منش شخص ہیں۔ آپ سنیت سٹیٹمنٹیشن  
کالج میں عربی کے پروفیسر تھے اب اجمیر شریف میں رہنے لگے ہیں آپ مولوی  
حافظ حاجی شاہ محمد عبدالرحیم صاحب ہاوی تادری کے صاحب زادے ہیں  
جو بہت بڑے عالم اور صاحب تقویٰ تھے اور آپ نے کئی کتابیں جیستان صوفیہ  
مرآۃ القرآن قرأت و تجوید میں۔ روضۃ النعیم ترویج الایامی میں وغیرہ لکھی ہیں  
ملک ہریانہ میں آپ نے بہت کفر و بدعت کو دور کیا اور حجر ضلع رجتک پر جامع مسجد

اور مدد سے قوت الاسلام رحیمہ آپ ہی کی سعی و فہم سے قائم ہوئی۔ آپ نے ۱۲۰۵ھ میں ۵۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ قدس سرہ رحمہ اللہ عنہ۔ تاریخ وفات ہے۔ آپ درگاہ حضرت خواجہ باقی الدین آسودہ ہیں۔ یہ سڑک بائیں طرف کوچہ بیچہ بندال اور کٹرہ بنارس و اس دیا شنکر ہیں اور دہلی طرف گلی سیدانیاں۔ اس میں بھی کٹرہ فرو شوں کی تھوک فروشی کی دکانیں ہیں۔

کٹرہ حاجی قطب الدین

گھنٹہ گھر سے فتح پوری جاتے وقت بائیں ہاتھ کی طرف ایک سڑک پھلتی ہے۔ یہ بھی شہر کا ایک بازار ہے جس میں متفرق قسموں کی دکانیں ہیں۔

محلے بلی ماراں

وجہ تسمیہ اس کی کوئی تو کتاب ہے کہ پہلے یہاں دریا بہتا تھا اور بلی لگتی تھی اس واسطے بلی ماراں ہوا لیکن زیادہ تر یہ روایت دل لگتی ہے کہ اس محلے میں کثرت سے قلاح رہتے تھے ان کی وجہ سے یہ نام پڑا۔ لیکن دلی والے عوام زیادہ تر بلی ماراں کیسر الرار بولتے ہیں جو یقیناً غلط العام ہے۔ سب سے بڑے رئیس اس محلے کے ہمارے مخدوم و مکرم جناب حکیم محمد اجمل خاں نواب طاق الملک ہیں ان کا آبائی مکان جو بجائے خود ایک محلہ ہے یہیں ہے۔ نیز شمس العلماء مولوی محمد عبدالحق صاحب مرعوم مفسر تفسیر حقانی کا مکان بھی یہیں ہے۔ جو نواب صاحب لوہارو کی کوٹھی کے نام سے مشہور ہے۔ اب نواب صاحب لوہارو قاسم جان کی گلی میں رہتے ہیں۔ رئیس حال آنہیل ہنزہائیس نواب سر امیر امیر الدین احمد خاں بہادر فخر الدولہ کے۔ سی۔ آئی۔ اے ہیں۔ آپ ۱۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اس خاندان کے بانی نواب احمد بخش خاں تھے وہ مرزا عارف جان بیگ بخاری مغل کے بیٹے تھے۔ مرزا عارف جان بیگ شاہ عالم بادشاہ کے عہد سلطنت میں ہندوستان آئے اور شاہی ملازمت میں داخل ہوئے۔ ان کی شادی مرزا محمد بیگ صوبہ دار اٹک کی لڑکی سے ہوئی اور یہ بھی سنگاپور کہ وہ اپنے خسر کے قائم مقام بھی ہو گئے تھے۔ نواب احمد بخش خاں صاحب نے چند سال تک مرہٹوں کی ملازمت کرنے کے بعد راجہ صاحب لور کی

رفاقت اختیار کی۔ راجہ صاحب موصوف نے اُن کو لوہار و کا علاقہ عطا کیا اور لاہور ٹولیک کے یہاں سفیر مقرر کر کے بھیج دیا۔ نواب احمد بخش خاں کمانڈر ان چیف موصوف کے ساتھ اکثر معرکوں میں شریک رہے اور اُن کی شجاعت کا راز دانی اور اعلیٰ خدمات خصوصاً معاملہ عہد نامہ الود کے صلے میں ضلع فیروز پور میں پانچ محال کی جاگیر مع سند عطا ہوئی۔ مرزا احمد بخش خاں کو خطاب فخر الدولہ دلاور الملک رستم جنگ بھی عطا ہوا تھا۔ اُنھوں نے ۱۸۲۷ء میں انتقال کیا اور قطب مینار دہلی کے قریب مدفون ہوئے۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے نور شملع بن خاں اُن کے جانشین ہوئے مگر بد قسمتی سے فیروز پور والی جاگیر ضبط ہو گئی۔ صرف لوہار و جو راجہ صاحب الود کی طرف سے ملا تھا اس خاندان کے قبضے میں رہ گیا۔ وہ لاؤد فوت ہوئے اُن کے بعد لوہار و نواب امین الدین احمد خاں و نواب ضیاء الدین احمد کے تحت حکومت رہا۔ من بعد باہمی نا اتفاقی ہونے سے ضیاء الدین احمد خاں کو اٹھارہ ہزار روپیہ سالانہ کا گزارا دے کر گورنمنٹ نے ریاست سے سبکدوش کر دیا۔ نواب امین الدین احمد خاں ۱۸۲۷ء میں اپنے والد کے جانشین ہوئے اور ۱۸۶۹ء تک حکومت کر کے انتقال کیا جن کے بعد اُن کے بیٹے نواب علامہ الدین احمد خاں جانشین ہوئے اُن کو ۱۸۷۷ء میں ارل نار تھ بروک گورنر جنرل نے خطاب نوابی عطا کیا اور اُس کے ساتھ ہی خطابات فخر الدولہ دلاور الملک رستم جنگ بھی تسلیم کیئے گئے۔ نواب علامہ الدین خاں نے ۱۸۸۸ء میں انتقال اور ۱۸۸۵ء میں نواب امیر الدین احمد خاں مسند ریاست پر بیٹھے۔ آپ کے حسن انتظام اور اعلیٰ قابلیت کی قدردانی میں گورنمنٹ نے آپ کو ۲۲ جون ۱۸۹۷ء میں کے سی آئی ای کا خطاب مرحمت فرمایا۔ آپ نے ویسٹ بنگل کونسل اور پنجاب لیجسلیٹو کونسل کی ممبری کی کرسی کو بھی زینت دی ہے۔ آپ کا دار الحکومت لوہار و ہی مگر دہلی کے باشندے ہیں اور یہاں بھی رہتے ہیں۔ آبادی پندرہ ہزار اور محل ریاست کا (۷۲) ہزار روپیہ سالانہ ہے۔ جمال الدین اور فیض الحسن صاحبان عطاران اور ہندوستانی و واخانہ سب یہیں ہیں۔ اس محلے میں یہ گلیاں ہیں :- واہنی طرف گلی سودا گراں۔

گلی کہتے والوں - حویلی حسام الدین حیدر - کسٹروہ بجواریاں - یہیں سے قائم چان  
کی گلی کو رستہ جاتا ہے - کسٹروہ عالم بیگ - مدرسہ حنفی اہنیہ نواب صاحب  
لوہارو کی کوٹھی کے بالا خانے پر ہے - بارہ دری شیر افکن خاں - بارہ دری ابنیں  
رہی گلی اسی نام سے مشہور ہے - گلی راس بہادر شیو سکھل - گلی میران الی  
گلی لالہ دل سکھ راس خزانچی - گلی اور مسجد قطبی بیگم - نیا بازار جہاں لوہیتے بیٹھتے  
ہیں اور جو چاؤڑی بازار میں جانتا ہے - پائیں طرف - گلی ابڑو - دارالعلوم  
اسلامیہ نعمانیہ دہلی - مکان حکیم غلام رضا خاں صاحب مرحوم جہاں  
اب حکیم غلام کبریٰ خاں صاحب عرف حکیم بھورے فرزند جناب خان بہادر حکیم  
احمد سعید خاں صاحب مطب کرتے ہیں - مکان جناب حکیم محمود خاں صاحب  
مرحوم - کوچہ رانیان کا دوسرا پھاٹک - گلی بٹو خاں - پھاٹک رشید خاں  
جس میں سے مالی وارڈ اور نئی سڑک کو رستہ جاتا ہے - کسٹروہ بلاٹل - اب  
چرخے والوں کا بازار شروع ہوا - گلی اسبیاں - گلی کالیستھاں -  
محلہ چرخے والوں اس میں مکان حکیم نواب جان صاحب کا ہے - کوچہ بی بی گوہر -  
مسجد سڈو گھوسن - آگے چاؤڑی بازار -

دور آخر مغلیہ کا بنا ہوا ہے - حسام الدین حیدر  
لکھنؤ کے کوئی رئیس تھے - پھر دہلی میں  
رہنے لگے - ان کے دو بیٹے مظفر الدین  
اور نواب حسین مرزا بہادر شاہ ثانی کے عہد  
میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز تھے - نواب حسین خاں قلعے کے  
ناظر تھے -

## حویلی حسام الدین خاں حیدر کا پھاٹک

عموماً کھتری صاحبان متمول اور خوش حال لوگوں کے  
مکانات ہیں - اس میں کئی مسجد اور دو مسجدیں ہیں جن میں  
کی ایک بڑی والی مسجد کھلاتی ہے نیل کے کسٹروے کا ایک رستہ  
باغ دیوار میں نکل جاتا ہے - لالہ شیوہ شاد صاحب سی - آئی - اسی جو چھتال لالے  
مشہور ہیں ان کا ایک عالی شان مکان بھی اسی کسٹروے میں ہے - جس کے

لبے لبے کوٹھے چاندنی چوک بازار کی بہترین عمارت سمجھی جاتی ہیں اور جلسوں وغیرہ کی تقاریب میں ان پر رنگ برنگ کی بجلی کی روشنی ہوتی ہے۔ لالہ شیو پرشا و صاحب سی آئی ای دلی کے بڑے رٹو سائیں سے ہیں۔ آپ کھتری صاحبان میں سب سے معزز اور ممتاز خاندان کے ممبر ہیں یعنی راجہ بہادر لالہ رام کشن داس صاحب متونی کے جانشین ہیں۔

## کسٹرمہ ریوڑی

بائیں طرف۔ پہلے یہاں ایک بڑا محلہ تھا جس میں تارکش کثرت سے رہتے تھے۔ اب تھوڑے مکان یا رہ گئے باقی مکانات توڑ کر ایک کسٹرمہ بنا دیا ہے جو الدرد

دالوں کا کسٹرمہ کہلاتا ہے اس میں ماڑ وادی کسٹرمے والے آرٹھتوں کی دکانیں ہیں۔ کسٹرمے کے ایک کونے پر ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے جو کسٹرمہ ریوڑی کی مسجد کہلاتی ہے۔ اور اسی میں میونسپل برینچ سکول ہے۔ دہلی طرف کو چہرے مرج تھوڑے۔

## کوچہ گھاسی رام

عہد مغلیہ کا پھاٹک دہلی طرف ہے۔ جس پر اب سماء دُرگی دختر کلیان سنگھ قابض ہے۔ اس میں ہندو ہی ہندو رہتے ہیں۔ جن میں نادرہ تر کھتری ہیں۔

## حویلی حیدر قلی خاں

بائیں طرف دور آخر مغلیہ کا پھاٹک ہے۔ اب یہاں بھی محلہ بستا ہے جو اس حویلی کے نام سے مشہور ہے اور اس عالی شان دروازے کے

مالک چودھری نارین سنگھ ہیں۔ سید حسین علی صاحب سادات بارہ میں سے تھے جو محمد شاہ اور اس کے قبل کے دو بادشاہوں کے عہد کے بڑے مقتدر وزیر تھے انھوں نے حیدر قلی خاں کو محمد شاہ کے عہد میں توپ خانے کا کمانڈر مقرر کر دیا۔ حسین علی اور اس کے بھائی سید عبداللہ کی غیر محدود طاقت اور خود مختاری سے امراء کشیدہ خاطر اور بد دل تھے اور حیدر قلی بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھا۔ لوگوں کو گمان ہے کہ حسین علی کے قتل میں بھی شریک تھا۔ یہ بات صحیح ہو یا نہ ہو مگر اتنی بات تو ضرور تھی کہ یہ محلے خراسادات بارہ کی طاقت پر بد وقت آمادہ رہتا تھا اور سادات بارہ اس فکر میں لگے رہتے تھے کہ حسین علی کے قاتل سے یہ لیں۔ لیکن حیدر قلی خاں



زبردست تھا اس نے اپنی خصوصیت کا اظہار اس طرح پر کیا کہ سید عبدالود کو قید کر دیا وہ بے چارہ قید کاٹتے کاٹتے اور مصیبت جھلتے جھلتے چنہری دونوں میں قید خانے میں مر گیا۔ حیدر علی خاں بجلد اپنی خیر خواہی کے ہفت ہزاری منصب اور اسی قدر سواروں کے مرتبے پر پور پہنچے اور معز الدولہ ناصر جنگ کا خطاب پایا۔

## مسجد فتح پوری

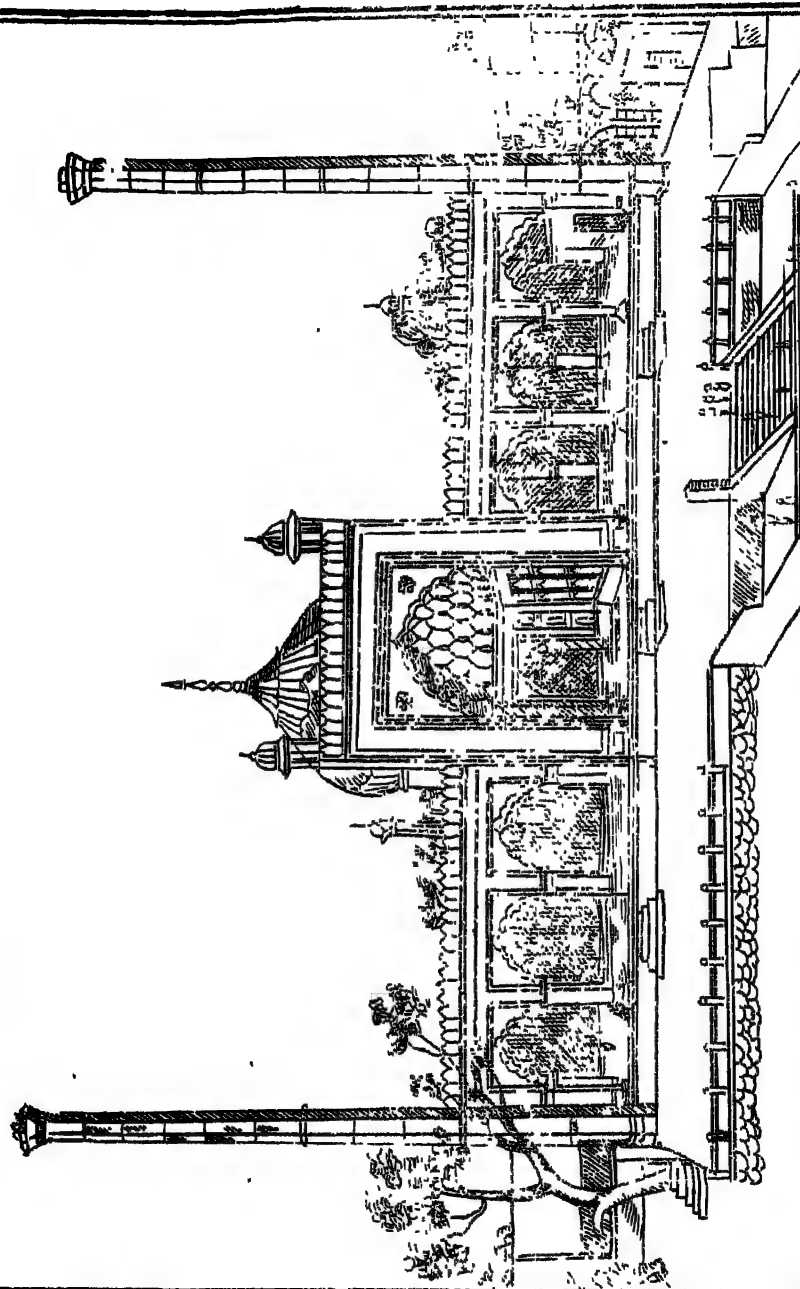
بستہ مکاں راجپوت و صفات۔ ہم زمکاں فارغ دہم از بہا  
بے ہم جاؤ بہم جاؤ بروں۔ در ہم جاؤ ز ہم جا بروں

۱۰۶۰ھ  
۱۶۵۰

چاندنی چوک کے مغربی سرے پر نواب فتح پوری محل صاحب بیگم شاہ جان شاہ کی بنوائی ہوئی نہایت عمدہ شاندار۔ خوب صورت۔ سرے پاتک سنگ سرخ کی بنی ہوئی مسجد ہے۔ سارے شہر میں ایسی ہی مسجد ایک گنبد کی ہی جس کے دونوں جانب اونچی اونچی میناریں ہیں۔ یہ عمارت نہایت مضبوط ہے جس کا بڑا بھل گنبد دور سے بہت بھلا دکھائی دیتا ہے۔ یہ مسجد پہلے زمانے میں بڑی پر رونق تھی اور جس مقام پر بنی ہے وہ بھی شہر کا مرکز تھا اب بھی اس مسجد کی حالت اچھی ہے اور اس کے گرد پیش بازار ہے جہاں ہر وقت بھڑ بھڑ لگی رہتی ہے۔ مسجد کے تین بڑے بڑے دروازے ہیں جن پر سنگ سرخ کا کنگورہ اور ادھر ادھر پر حیاں ہیں۔ ان میں سے ہم مسجد کے وسیع صحن میں داخل ہوتے ہیں جو اسی گز مربع ہے اور جس میں تمام سنگ سرخ کے چوکے بچھے ہوئے ہیں۔ شمال اور مشرق کی طرف کے دروازے تیس فیٹ اونچے اور ستائیس فیٹ چوڑے ہیں۔ جنوب کی طرف کا دروازہ ستائیس فیٹ مربع اور صرف دس فیٹ گہرا ہے۔ اس دروازے کی ڈیڑھ سی آٹھ فیٹ چوڑی اور گیارہ فیٹ اونچی ہے۔ مغرب کی طرف اصل مسجد کے دوہرے دالان ہیں جس کے دائیں بائیں بڑے بڑے کمرے ہیں۔ مسجد کی ہر جانب مسلسل دکانیں ہیں جس میں سے مشرق اور شمال کی طرف علاوہ دکانوں کے دو منزلہ بڑے بڑے شان دار کمرے بعد میں بنائے گئے ہیں جن میں مختلف تاجروں وغیرہ کے آفس رہتے ہیں اور پیش کش کر کے پر



لغتہ مسجد چوہدری



دیئے جاتے ہیں۔ صحن مسجد میں ایک بہت بڑا حوض گہرا ۶ گہرا ۶ گہرا ہے۔ حوض اور مسجد کے درمیان کا چبوترہ ۱۴۰ گہرا ہے۔ اب تو سارے صحن میں فرش ہو گیا ہے اور جتنی دکانیں مسجد کے احاطے کے اندر تھیں سب نکال کر کل حصہ مسجد میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اہل مسجد ۳۰۰۰ آدمے اور بچے چوتھے پر بنی ہوئی ہے۔ جس کے دالان ۱۴۰ گہرا ہے۔ پیش طاق یا صدر محراب بہت اونچی اور گہرا ہے اس پر بھی کنگورا اور دونوں طرف بڑی بڑی برجیاں ہیں اور اسی طرح مسجد کی پچھیت میں چار چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں۔ محراب اور برجیوں پر سنگ مرمر کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ مسجد کا ایک ہی بڑا بھاری گنبد ہے جس پر بڑی نفاس سے استرکاری کی ہوئی ہے اور سیاہ اور سفید دھاریاں پڑی ہوئی ہیں۔ اس گنبد کا کلس بھی چوڑے گچی ہی کا ہے۔ پیش طاق کے ہر دو جانب بارہ فیٹ کے فاصل سے دو دو دالان تین تین دروں کے بنگڑی دار محرابوں کے ہیں جو فیٹ اونچے اور دس فیٹ چوڑے ہیں۔ ان کی چھتوں پر بھی کنگورا ہے۔ مسجد کے دونوں مینار اسی اسی فیٹ بلند ہیں جن کی برجیاں پہلے پتھر کی کھلی ہوئی تھیں بعد میں چوڑے گچی کی بنا دی گئیں۔ مسجد کی چھت کے تینوں طرف کنگورا ہے۔ مسجد کے عقب میں چار مینار سنگ سرخ کے صرف دس دس فیٹ اونچے ہیں جن پر کنول بنے ہوئے ہیں۔ کنگورے کے نیچے چوڑا سنگی چھوڑا لیکن پیش طاق کے سامنے کبر ہونے سے نہیں ہے۔ مسجد کے پیش طاق اور نیز دوسروں کے سامنے تین تین سیرھیاں ہیں۔ تمام ستونوں کے بالائی اور زیرین حصے پر نقش و نگار کھدے ہوئے ہیں۔ مسجد کا گنبد پھیلا ہوا کوٹھی دار وضع کا ہے۔ جو پتھر اور گچ کے چار فیٹ اونچے اسطوانے پر قائم ہے۔ گنبد سنگ خارا کا جو حق ایسی استرکاری کی گئی ہے کہ دور سے سنگ مرمر کا معلوم دیتا ہے اور سیاہ اور سفید آڑی دھاریوں نے اسے اور پُر رونق کر دیا ہے۔ ممبر سنگ مرمر کا ہے جس کی چار سیرھیاں ہیں۔ اس مسجد میں بس خالص سنگ مرمر کی ہی ایک چیز ہے مسجد کے صدر دالانوں میں کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ مسجد کی دونوں جانب سنگ سرخ کے ستونوں کی قطاریں تھیں جس سے مسجد کے دو طرفہ دو حصے الگ الگ گئے ہیں۔

کچھ عرصہ ہوا کہ مسجد کی چھت کی حالت مخدوش ہو گئی تھی اس لیے پتھر کے ستونوں کی اور دو قطاریں بیچ میں بطور اڑو وارڈس کر مضبوط کر دی گئی۔ پتھر کے قدیم مستون سنگ سرخ کے ہیں اور ان کے بیچ میں یہ ستون جو لگائے گئے ہیں وہ سفیدی مائل سنگ خارا کے ہیں گو ذرا پتلے ہیں مگر شان دار ہیں ایسی طرح چھپچھپ وار کو دو سری قطار لگائی گئی ہے اور پچھت کی دیوار میں بھی اڑو وارڈس کے ستون اس خوبی سے لگائے گئے ہیں کہ کوئی بد نہائی نہیں معلوم دیتی جس طرح میسر کے پاس گہری مخراب ہے اسی طرح دونوں جانب کے قطعات میں بھی ایک ایک دیوار و درز مخراب ہے۔ مسجد کا درمیانی حصہ جو گنبد کے نیچے ہے چالیس فیٹ مربع ہے اور اس کے دونوں جانب کے حصے کچھ زیادہ لمبے ہیں مسجد کے شمال اور جنوب میں نوں طرف سے آنے والے ایک ایک دروازہ بعد میں نکالائی گئی ہے جو ۱۶ اوچا اور دس فیٹ چوڑا ہے۔ کتبہ ذیل مرتب کے بعد پیش طاق کے اوپر سنگ مرمر کی تختی پر کھدایا ہوا ہے۔

دیو چہل ایس مسجد رفعت پناہ ۱۲۸۹ھ) پشت گردوں خم پڑ تعظیم شد  
سالِ حریم از سر لوحش بگفت مسجد عالی نکو تر میم شد  
منجانب حاجی محمد تقی بایہام حاجی قطب الدین وغلام محمد طالبان و عا کے خیر  
بانیہ مسجد جزا ہا اللہ احسن الجزا سے بڑی پیش بینی کی کہ مسجد کے تینوں طرف متعدد  
دکانیں بنو ادیں جس کی مشدیہ آمدنی سے مسجد کے مصارف باحسن الوجود چلتے ہیں  
ورنہ آج اس مسجد کی حالت بھی دوسری مساجد کی طرح چندوں اور خیرات کی محتاج  
ہو جاتی۔ غدر کیا آیا تھا گویا دلی پر قہر خدا تھا یہ خانہ خدا بھی اس کی زد میں آ گیا اور  
نہ صرف دکانیں ضبط کر لی گئیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ آنتیس ہزار کو نیلام بھی ہو گئیں؟  
بھلا مسلمانوں میں اتنا دم کہاں تھا کہ لیتے لالہ چھٹا مل صاحب نے جن کا شمار  
دلی کے برٹے رئیسوں میں تھا انھوں نے جھٹ خرید لیں مسلمان منہ دیکھتے  
کے دیکھتے رہ گئے۔ تازہ تازہ غدر ہوا تھا انگریزوں کے دلوں میں بھی غصہ  
بھرا ہوا کسی نے داؤد فریاد نہ سنی۔ ۱۸۹۳ء میں انجمن راشدین صلح کل اسلامیہ  
کی طرف سے جاؤد وقفی اور تنسیخ نیلام کی درخواست دی گئی۔ حاکم وقت تھا

رحم دل اور تہربان۔ چل گئی۔ گورنمنٹ نے لالہ کو پانچ آنے سیکڑا سود کے حساب سے ایک لاکھ دس ہزار روپیہ دے کر دکانیں خریدنا چاہیں اور اس کے معاوضہ میں ایک موضع تحصیل پول میں دینا چاہا مگر لالہ صاحب نے انکار کیا۔ ۱۸۹۵ء میں اس جائیداد کا کرایہ بذریعہ تحصیل وصول ہو کر سرکار میں جمع ہونے لگا۔ ۱۸۹۵ء میں کرایہ مجتمعہ اور اس موضع کی آمدنی سے جو پچیس ہزار میں نیلام ہوا ایک لاکھ دس ہزار روپیہ اصل و سود لالہ صاحب کو دے کر باقی پندرہ سو روپیہ اور مسجد کی کل جائیداد گزاشت کر کے مسلمانوں کو بن دامن خرید لیا۔ ع۔ شکر نعمت ہمارے توفیق کہ نعمت ہمارے تو مسجد کا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد فرمایا جس کے دس ممبر مسلمان ہیں کے سربراہ اور وہ لوگ مقرر ہوئے اور نگرانی ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع کی ہے۔ حساب باقاعدہ رہنے لگا۔ اور اب تک وہی کمیٹی ہے جو مسجد کا کام نہایت حرم و احتیاط سے باحسن الوجہ چلا رہی ہے۔ ہم نے مسجد کی پہلی حالت دیکھی ہے کہ احاطے کے اندر لوہیوں کی دکانیں تھیں اور ادھنٹ گاری کا اوڑھ۔ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر غرض مسجد میں گھسنے ہی دم خفا ہوتا تھا یا اب دیکھتے ہیں کہ سارے میں بختہ فرش ہونے نئے والان بن گئے ہیں۔ جڑھر دیکھو اور دھڑھائی یا پہلے کوڑے کے ڈھیر لگے تھے یا اب غلال کو تنکا ملنا مشکل ہے۔ فرش فروش درست جھاڑو بہار بکھری ستھری۔ بجلی کی روشنی پانی کے نل۔ سرد و گرم پانی کے ستابے کورے ٹکے اور بدھنیاں دھری ہوئی۔ طہارت خانے دھلے دھلاے صاف غرض کمیٹی نے اپنے فرض کو اس خوبی سے ادا کیا کہ جس کی مثال مسلمانوں میں نہ ملے گی۔ ۱۳۳۱ھ میں تمام صحن میں چوکے بچھا دیئے گئے اور وضو کی نالیاں بختہ بنائی گئیں۔ مسجد کے اندر وار کی ساری دکانیں کرایہ داروں سے خالی کر کے اس میں لڑکے قرآن شریف پڑھتے ہیں۔ صحن مسجد میں چند قبریں ہیں جن میں حضرت نادر شاہ اور شاہ جلال صاحب کے مزار بھی ہیں۔ قبروں کے گرد تین فیڑا پچی خام دیوار کا احاطہ تھا جو از حد بدناما معلوم دیتا تھا اسے تڑا کر چار فیٹ چھ اینچ اونچی سنگ سرخ کی جالیاں لگا کر اندر فرش بھی چوکوں کا کر دیا گیا اور ایک خوشنما اور سنگین دروازہ ہے۔ ۶ اونچا لگا کر مسجد کے صحن کو دلکش بنا دیا۔ احاطے کے

اندر جو عارضی دکانیں لکڑی کے تختوں کی بنا کر اوپر حبست کی چادریں ڈال دی تھیں وہ آخور کی بھرتی سب نکال کر نیلام کر دی گئی یہ سارا کام ۳۳۲ھ تک پورا ہوا اور مسجد کی ایک شکل مکمل آئی۔ میں نہیں سمجھتا کہ شہر بھر میں اور کوئی مسجد ایسی آراستہ ہو۔ یہ تو بمبئی اور مدراس کی مسجدوں کی طرح دلہن بنی ہوئی ہے۔ ۳۳۵ھ میں شمالی رُخ پر ایک سنگ لبست دو منزلہ دالان بہ صرفہ سارٹھے چودہ ہزار اور ۳۳۶ھ میں مسجد کے مغربی شمالی کونے میں دوسرا ایک اور دالان بہ صرفہ پندرہ ہزار چار سو چار روپیئے کے بن کر طیار ہو گئے جن میں مدرسہ ہو اس کے علاوہ اور جا بجا بھت کے سلیں عذر میں گولوں کے صدمے سے بچ گئی تھیں وہ سب درست کر دی گئیں۔ یہ ساری مرمت اور کام امانی میں زیر نگرانی ممبر صاحبان ہی ہوئے ہیں اور اس خوبی سے ہوئے ہیں کہ کم خواب میں کم خواب ہی کا پیوند لگا ہی یعنی جوڑ میں جوڑ ملا دیا یہ کام چغلی نہیں کھاتا بلکہ ایسا معلوم دیتا ہے کہ یہ دالان مسجد ہی کے ساتھ کے بنے ہوئے ہیں۔ پھر کفایت ایسی کہ اس سے بڑھ کے ناممکن۔ دکاناٹ کا کرایہ پہلے ۱۵۰ روپے تھا اب ۱۰۰ روپے ہے۔ مسجد اور مدرسہ کا خرچ جاکر بھی کمیٹی کے پاس دس پانچ ہزار کی سلک ہی ہتی ہو جس کا خازن بنک بنگال ہے۔

آپ حضرت کلیم اللہ جہاں آبادی علیہ الرحمہ کے ہم عصر تھے۔ آپ کا وطن تھانیسرتھا اور سلسلہ نسب کئی واسطوں سے شیخ جلال تھانیسری علیہ الرحمہ سے ملتا ہے۔ آپ ظاہری و باطنی کمالات

مزار حضرت میراں شاہ

نالوں تخمیناً ۱۰۶۰ھ  
۱۶۰۰ھ

حاصل کر کے دہلی تشریف لائے اور عظیم مسجد فتح پوری میں ایک حجرے میں رہا کرتے تھے۔ کثرت سے لوگ آپ سے فیض یاب ہوتے تھے۔ تقریباً اسی سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا اور اسی احاطے میں آپ آسودہ ہیں۔

آپ حضرت نالوں شاہ صاحب کے خلیفہ تھے اور

مزار حضرت شاہ

جلال

آپ ہی کے حجرے میں بیٹھ کر ساری عمرِ اولیٰ اور توکل میں بسر کی پائیں ہمہ ساکین اور فقر کو آپ کی طرف سے کھانا تقسیم ہوتا تھا اور نگر جاری تھا۔ بعد وفات آپ بھی

اپنے مرشد کے پاس دفن ہوئے۔ باقی اور مزار آپ کے مریدوں اور عقیدت مندوں کے ہیں۔ آن دونوں بزرگوں کا عرس ربیع الاول کی آٹھویں شب اور نویں کو دن میں ہوتا ہے پچیس روپیہ سالانہ بابت مصارف عرس اور دو روپیہ مہوار جا رو بکشی وغیرہ مسجد فندسے دیئے جاتے ہیں۔

## عربی

آس میں چار مدفن فارسی ایک عربی اور ایک ریس قرآن کل چھ مدرس ہیں۔ ڈھائی سو روپیہ ماہانہ کا خرچ ہو۔ مذہبی تعلیم انتہائی درجے حدیث شریف اور فقہ مقبول و منقول کی ہوتی ہے۔ بیرونجات کے طلباء کثرت سے ہیں ان کے روٹی پکڑے کا کوئی سہارا نہیں۔ گھر گھر سے روٹیاں مقرر ہیں۔ مسجد فتح پوری کا صحن بہت کشادہ ہے جس میں مغرب کی طرف چھوڑ کر تین طرف حجرے بنے ہوئے ہیں۔ بازار کھاری باؤلی کی طرف شمالی دروازہ ہے اور پندرہ در کا دو مندرہ دالان ہے جس میں مدرسہ ہے اس کے محاذ میں بیڑیوں کے کسڑے کی طرف جنوبی دروازہ ہے جس کے دونوں جانب آٹھ آٹھ در کے دالان اور حجرے ہیں شرقی دروازہ چاندنی چوک کی طرف ہے جس کے اوپر سفید سنگ مرمر کی تختی پر مسجد فتح پوری لکھا ہوا ہے اس دروازے کے دونوں جانب چودہ چودہ در کے دالان ہیں صحن کے بیچ میں سنگ مرمر کا نہایت خوش نما حوض ہے اور اسی کے پاس ناں نوشاہ جلال شاہ صاحب کے مزارات ایک احاطے کے اندر ہیں۔ جنوبی دروازے کے پاس ابدار خانے اور طہارت خانے ہیں اور یہیں ایک خام کیاری اور قدیم کنواں بھی ہے صحن میں چھ بڑے بڑے درخت ہیں

## مشن روڈ

## نشتی بھوانی شکر کامکان

## نمک حرام کی حویلی

کوچہ گھاسی رام۔ دور آخر مغلیہ۔ یہ بڑی عالی شان حویلی ہے جس کے دو پھاٹک جنوب و مغرب رویہ میں مغرب کی طرف کا

پھاٹک بہت بلند اور شان دار ہے جس پر سنگین نشین بنے ہوئے ہیں۔ نشتی بھوانی شکر فوات کے کھتری تھے اور مرہٹہ گردی میں نشتی صاحب ہی

بڑے سربراہ اور دہ رئیس اور دولت مند تھے۔ منشی صاحب پہلے ریاست گوالیار میں منشی تھے۔ جب سرہٹوں نے دہلی پر تسلط کیا تو منشی جی کو ایک بڑی ذمہ داری کی خدمت پر دلی بھجوا دیا۔ لیکن منشی جی انگریزوں سے مل گئے اور سرہٹوں نے انہیں اس سازش کے الزام میں موقوف کر دیا۔ لیکن انگریزوں نے منشی جی کو پینشن دی جو ان کی اولاد پر جاری رہی۔ چوں کہ انگریزوں سے وہ مل گئے تھے مرہٹے انہیں نمک حرام کہنے لگے اور ان کا مکان نمک حرام کی حویلی مشہور کیا۔ منشی جی کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی اور انہوں نے انگریزوں سے شکایت کی جو اس زمانے میں دلی پر قابض تھے۔ چنانچہ برٹش گورنمنٹ کی طرف سے احکام جاری ہوئے اور عام منادی کی گئی کہ نہ تو کوئی منشی جی کو نمک حرام کہے نہ ان کے مکان کو نمک حرام کی حویلی۔ لیکن یہ منادی بمصدق الانسان حریص علی مانع اور رنجاک کا کام دے گئی اور ہر شخص کی زبان پر یہی چرچہ کیا۔ بھلا خلق کا خلق کوئی بند کر سکتا ہو۔

دور آخر مغلیہ۔ بازار فتح پوری۔ چھتہ بھوانی شکر۔ یہ مکان منشی جی کی پھری کا تھا یہ نہایت عمدہ شاندار دو منزلہ مکان ہے جس میں متعدد دلالان اور کمرے

پھری بھوانی شکر

ہیں۔ نشین کی طرف سے جو بڑی سڑک ملکہ کے باغ کے برابر فتح پوری کو آتی ہے اسی پر یہ حویلی ہے۔ دو منزلے کوٹھے کیے بیچ میں ایک برآمدہ نشین کی طرح کا آگے کو نکلا ہوا بہت خوش ناسنگین بنا ہوا ہے جس میں چھپکاری کا کام بھی ہے۔ اس حویلی کے دروازے میں ایک بجانب مغرب دو سراجنو بیٹے چاندنی چوک کی طرف۔ پہلا دروازہ بڑا عظیم الشان ہے اور یہی بھوانی شکر کے چھتے کا صدر دروازہ ہے۔

مسجد فتح پوری سے احمدپائی کی سرائے کو جاتے ہوئے

گندی گلی

بائیں ہاتھ کی طرف ایک بہت لمبی گلی ہے۔ یہاں غموں کھتری لوگ رہتے ہیں۔ یہ گلی جیش خاں کے پھاٹک میں جا کر

مکلتی ہے۔ اس کے بعد گلی لاہوریاں ہے۔



دھرم سالہ لالہ

کچھی ناراین

گلی باغ دیوار

اسی گلی کے مخاذ میں داہنے ہاتھ کو کچھی ناراین کا  
دھرم سالہ ہے۔ یہ صاحب آنریری مجسٹریٹ اور میونسپلٹی  
کے وائس پریذیڈنٹ تھے۔ اس دھرم سالے میں  
ہندو مسافر آ کر رہتے ہیں۔ آگے چھتہ جاں نثار خاں ہے۔  
گر جاکے سلسلے ملک کے باغ کی بھونبی دیوار سے لگی  
لگی جو گلی چلی گئی ہے وہ گلی باغ دیوار کہلاتی ہے یہ گلی  
نیل کے کسٹڑے میں چل گئی ہے۔ اس کے اندر

نہایت عالی شان دھرم سالہ چھتا مل والوں کا ہے جلالہ ماراؤ سنگھ صاحب  
نے بنوایا ہے یہ نہایت خوب صورت اور مستحکم عمارت ہے اکثر اہل ہندو بیرونجات  
سے یہاں آ کر ٹھہرتے اور آرام پاتے ہیں غریبوں کے لئے سدا برت جاری ہے  
مشن روڈ پر الیس پی جی مشن کا ایک خوش نما گرجا ہے۔ جس کا  
سنگ بنیاد بٹش صاحب کلکتہ نے ۱۸۶۵ء میں  
خود تشریف لاکر رکھا اس کی تعمیر میں سارٹھے اٹھارہ ہزار روپے  
صرف ہوئے اور ایک ہی سال میں اتنی بڑی عمارت بن کر طیار ہو گئی۔ اس پر  
ایک نہایت اونچا چوبلو منار ہے جس پر ایک بڑا گونجنے والا گھنٹہ لگا ہے۔ اسی کے  
پائس سنٹیٹ سٹیفن کا کتب خانہ بھی ہے جس میں عیسائی مذہب  
کی کتابیں فروخت ہوتی ہیں۔

جس طرح احمد پانی کی سڑک مسلمانوں کی ہے  
اسی طرح مشب سہا کے کی سڑک ہندو صاحبان  
کی ہے اور دونوں ایک دوسرے سے علی ہوتی ہیں۔

مشب سہا کی سڑک

احمد پانی کی سڑک

۱۳۰۳ھ  
۱۸۸۴ء

وہ رو ہمیشہ چاہیئے ہاند سے کمر بستہ  
دنیا وطن نہیں ہو کہ اسے پیر بستہ

یہ سڑک شیخ احمد پانی بنجانی کی بنوائی ہوئی ہے اس کا



صدر دروازہ ملکہ کے باغ کے غریبی دروازے کے سامنے ہی۔ صدر دروازہ اس کل  
۴۸ عتق میں اور گیارہ فیٹ عریض بہت بلند اور شان دار ہے جس کے اوپر کمرہ  
ہے اور دروازے کی دونوں جانب ایک ایک دروازہ ہے صدر دروازے کی پیشانی پر  
ایک سنگ مرمر کی تختی پر صرف سرائے شیخ احمد پائے کندہ ہے۔ دونوں  
سہریوں پر یہ اشعار روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں :-

**شمالی صحنہ پر**

سرائے شیخ احمد پائی از بس اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من اگر تاریخ تعمیر شہری  
خجستہ بر بنا شد بخت آباد کل شیطان الہامۃ من عین مہ تفریح سراجاں فرما  
جب یہ عمارت دلکش بن چکی اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من سال یوں لکھ لڑ سحران خرد  
یاس اسدم طبع نے مجھے کہا کل شیطان الہامۃ من عین مہ تفریح سراجاں فرما  
سرائے کے اندر غرب میں دس کوٹھڑیاں نیچے ۱۳۰۳ھ

**جنوبی صحنہ پر**

اور اسی قدر اوپر ہیں سامنے برآمدہ ہے۔ یہ برآمدہ ۰ مٹے ہوئے ہے۔ جس کی دونوں  
جانب شمال جنوب میں چھ چھ کوٹھڑیاں دو منزلیں ہیں ان کے سامنے بھی  
۵ مٹے کا برآمدہ ہے۔ صحن ۰ مٹے کا ہے۔ صدر دروازے کے دائیں طرف  
لب سڑک پانچ دکانیں اور ادپر دو بالا فاسے ہیں اور اسی طرح بائیں طرف دکانیں  
اور اوپر ایک کمرہ ہے۔ سرائے سے لگی ہوئی ایک مسجد ہے جو احمد پائی کی  
مسجد کہلاتی ہے اس کے کنوئیں پر سنگ سرخ کی تختی پر یہ کتبہ ہے۔

”مسجد و چاہ موقوفہ شیخ احمد پائی“ یہ مسجد سرائے کے ساتھ بنی تھی یہ تاریخ دوبارہ  
مرمت کی ہے۔ اب اس سرائے کے مالک

۱۳۳۶ھ

شیخ حاجی محمد یعقوب سوداگر خلیفہ شیخ احمد پائی مرحوم ہیں۔

**احمد پائی کی سرائے کے ٹکڑے پر سے کابلی دروازہ تک (کوئینز روڈ)**

دلی کی سڑکوں میں چاندنی چوک چھوڑ کر یہ بڑی کشادہ اور سیدھی سڑک چھو  
کوئینز روڈ یعنی ملکہ کی سڑک کہتے ہیں۔ ریل کے ڈاٹ واسے پل تھین برج  
سے لے کر کابلی دروازے تک تاک کی سیدھی چلی گئی ہے اور مٹھانی کے پل

سے جا ملی ہو۔ کابلی دروازہ اب نہیں رہا۔ اس طرف کا دروازہ اور فصیل دونوں میدان صاف کرنے کو توڑ دیئے گئے اب کابلی دروازے کا پتہ یہ ہو کہ لاہوری دروازے کے باہر جو نیا بازار بنا ہو اور ایک چوڑی سڑک بڑن بیچین روڈ نکل گئی ہو اس کے خاتمے پر کوئینز روڈ آکر ملتی ہو یہ دروازہ تھا۔ احمد پانی کی سرائے جسے ٹکڑ پرستے یا یوں سمجھیے کہ ملکہ کے باغ کے مغربی دروازے کے سامنے سے جہاں مشن روڈ اور کوئینز ملتی ہیں وہی طرف تو سارے میدان میں مل بھیلی ہوئی ہو اور وفرن کچھ ہو۔ بائیں طرف انٹسٹن پچر پیس ہو جس میں متقللاً ہائیسکوپ کا تماشہ ہوتا ہو۔ اس کے نہر سعادت خاں کا نام رہ گیا ہو نہر تو بند کر دی گئی۔ نہر پر کیمبرج مشن کی عالی شان کو بھٹی اور نواب وزیر کی بارہ درمی کا پھاٹک۔ مولوی حفیظ الدین خاں کی مسجد۔ آم والی مسجد اور ان کے بیچ میں نرائن داس کا مندر اور نشو الہ ہو۔ ان کے پیچھے گولہ والی مسجد یہیں پولیس سٹیشن ہو یہاں میونسپلٹی نے دو مارکٹ بنائے تھے ان میں سے ایک میں گوشت فروخت ہوتا ہو دوسرا خالی پڑا ہو۔ اور اسی کے پاس ایک گلی بٹنوں والی ہو۔

کیمبرج مشن  
۱۸۵۸ء

احمد پانی کی سرائے کے پاس تراہہ ملتا ہو۔ سٹیشن کی طرف کا راستہ چھوڑ کر شرقی رخ پر کابلی دروازے کی طرف چلیئے۔ بائیں ہاتھ کے رخ پر نہر سعادت خاں کے اس طرف کیمبرج مشن کی بڑی عالی شان سہمئی رنگ کی وسیع کو بھٹی ہو جو ۱۸۵۵ء میں قائم ہوا مگر غدر میں سب معاملہ درہم برہم ہو گیا۔ پھر ۱۸۵۸ء سے اذسر نو سلسلہ شروع ہوا۔ مشن نے یہ کو بھٹی نیلام میں کوڑیوں کے مول بارہ ہزار میں خریدی یہ کو بھٹی ادائل میں نواب بہادر جنگ کی تھی جو ضبط ہو گئی تھی۔ اس مشن کے متعلق ۱۸۵۹ء میں پادری سکٹن صاحب نے کلاں مسجد کی طرف ایک مشن کھولا جس کی شاخیں ریواڑی۔ کرنال شملہ وغیرہ مختلف مقامات میں تھیں۔ اسی کے متعلق ۱۸۶۴ء میں ایک زمانہ شفا خانہ کھولا گیا اور ۱۸۸۲ء میں شفا خانے کے نیچے چاندنی چوک میں ایک عالی شان عمارت طیار کی گئی جس میں اب تک بنگال ہو اور شفا خانہ ہمیں ہزاری کے باغ

کے میدان میں مٹھائی کے پل کے پاس ایک نئی عمارت میں جو اسی کے واسطے بنائی گئی تھی چلا گیا۔ ۱۸۸۲ء میں ہائی سکول میں جو چاندنی چوک میں تھا کالج کلاس کھولی گئی جو آگے چل کر سینٹ اسٹیفنز کالج ہو گیا اور کیمبرجی ہسٹری کے پاس اس کی عمارت ہو۔ ۱۸۸۳ء میں عیادتوں کے لیے متعدد جگہ بستیاں بنائی گئیں۔ پہلی بستی پادری لفر اے صاحب نے وریانج میں تعمیر کرائی دوسری بستی مع گرجا اور مکان کیٹیکسٹ پادری میٹ لینڈ صاحب نے اجیمیری وروانے کی طرف طیار کرائی۔ تیسری بستی سبھری منڈی میں بنی۔ اسی مشن کی میں اور نیشن ہندوستانی عورات کو گھر گھر پھر کر تعلیم دیتی ہیں۔ سینا پر ونا اور موزے گلوبند بننا اور طرح طرح کا کارٹھنا بھی سکھاتی ہیں اور مقصد اصلی اُن کا یعنی انجیل پڑھانا اُس کی بھی ترویج دیتی ہیں۔

**پھاٹک نہر سعادت خاں**  
یہ نواب وزیر کی حویلی کا صدر دروازہ ہے۔ دو کڑی مغلیہ کا بنا ہوا ہے۔ راجہ ہار شید پر شاہ سی آئی لای رئیس دہلی کی ملکیت ہے۔ یہ دروازہ دو منزلہ تھا جس کی چھت مخدوش ہونے سے آتا روی گئی۔ اس پر دو منزلہ کمرے بنے ہوئے ہیں اور اسے صاحب کی طرف سے اُن کی ترمیم و نگہداشت ہوئی ہے۔ چوں کہ نہر سعادت خاں پر واقع ہے واسطے اسی نام سے مشہور ہے اسی کے آگے انفسٹن کچھ پریس ہے جس میں روزانہ ہانسکوپ کا تماشہ دکھلایا جاتا ہے۔

**بارہ دری نواب وزیر**  
دو آخر مغلیہ پھاٹک نہر سعادت خاں کے پاس حویلی نواب وزیر کے متعلق ایک بارہ دری بھی تھی جس کے درمیانی دالان کا کچھ حصہ محراب دار

پھاٹک اور چند محلہ حجرے اب تک موجود ہیں اس کی حال میں اسے بساویہ شید پر شاہ صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ نے بڑے وسیع پیمانے پر دستبرد کرانی ہے یہ صاحب بہت برسوں تک پنجاب کے لاٹ پادری تھے پھر کلکتہ کے بشپ یعنی سائے ہندوستان کے مسٹر ایو لیٹس یعنی سب سے بڑے لاٹ پادری رہے اسی سال ایچ کے مینے میں اُن کا انتقال ہوا ہے۔

## رنگ محل شمالی و مغربی دروازے

پچھانک نہر سعادت خاں کے پاس رنگ محل کا  
شمالی دروازہ - دور آخر مغلیہ کا بنا ہوا لالہ اسیر  
وغیرہ کے قبضے میں ہے۔ یہ دروازہ دو دروں  
پر یہ دروازہ رنگ محل کا تھا جو نواب وزیر کی  
جوہلی کا زمانہ حصہ تھا۔ رنگ محل کے آثار تک بھی  
اب باقی نہیں رہے بلکہ ساری کی ساری جگہ میں مکانات بن گئے ہیں رنگ محل  
کے نام کے ساتھ جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ صرف یہ دو دروازے ہیں اور کچھ حصہ  
دیوار کا باقی رہے نام اس کا۔

دل ہی نہ رہا اس کیسی  
جوت کئی گئی غسل آرزو کی

ڈفرن برج سے موری دروازہ - پھوٹا دروازہ اور فیصلوں کے برابر

والی گلی

ڈفرن برج | لارڈ ڈفرن ۱۸۸۲ء - ۱۸۸۴ء میں گورنر جنرل رہے۔ انھیں کے  
نام پر یہ پل بنا ہے۔ کوئینز روڈ پر ایس پی جی مشن کے آگے  
داہنے ہاتھ کی طرف ایک چوڑی سڑک موری دروازے کو چلی جاتی ہے اسی  
شروع میں ایک بڑا المپائل ریلوے کی مختلف لینوں پر بنا ہوا ہے۔ پھر کوئینز روڈ  
آگے دار کا بی دروازے کو چلی جاتی ہے۔

موری دروازہ | ڈفرن برج سے اترتے ہی تراہم ملتا ہے داہنے ہاتھ کی  
طرف کی سڑک ہیمپٹن روڈ کہلاتی ہے اور بائیں ہاتھ کی  
پھولے دروازے کو چلی گئی اور ڈفرن برج پر کی سڑک سیدھی چلی گئی ہے  
جاں فیصل کا سلسلہ ٹوٹ گیا ہے وہیں موری دروازہ تھا جو رستہ کشادہ  
کھنڈے کو غدر کے بعد گرا دیا گیا۔ موری گیٹ کی سڑک پر یہ مقامات ہیں:-

ڈفرن برج سے اترتے ہی بائیں طرف دی کراؤن فلور بلڈسٹا پیسنے کی گھرنی۔ آگے بڑھ کر اسی سڑک پر راجپوتانہ ریلوے کے قدیم سٹیشن کی عمارت۔ ریل والوں کے کچھ کو اربٹ فسیل کے پاس پھوٹا دروازہ جہاں اب کوئی دروازہ نہیں صرف نام باقی ہے اور اسی نام کا ایک بورڈ لگا دیا گیا ہے اب بیرون شہر آگئے۔ اب پھر پلٹ کر ڈفرن برج کو آئیے اور موری دروازے کی طرف چلیے تو۔ داہنی طرف سٹینٹ سٹینٹز سکول انڈرنگی میں نیا دہلی رنگی لال موٹر سیکل ایجنٹ کی بڑی بھاری دکان جس میں پہلے مارٹھ بروک ہوٹل تھا۔ بائیں طرف مسجد راہے ہیل کوچہ منظر خاں۔ اونچی مسجد اور مدرسہ حمید یہ رحیم اللہ سوداگر بھی کی بنائی ہوئی کوچہ بٹلاں شیعوں کی مسجد (نواب احمد مرزا صاحب کی) کوچہ مغلاں رام پور سٹیت فیکٹری فرنیچر۔ موری دروازے کے پاس داہنی طرف فسیل کے برابر ایک لمبی سڑک چلی گئی ہے جو اس سرے پر کشمیری دروازے کے پاس جا ملتی ہے۔ اس گلی کا کوئی خاص نام نہیں اس میں بائیں ہاتھ کو تو مسلسل فسیل چلی گئی ہے داہنے ہاتھ کی طرف یہ عمارتیں ہیں۔ بھارت نیشنل کول ٹریڈنگ کمپنی ڈنلاپ ربر ٹائر کمپنی۔ خان بہادر حاجی بخش الہی صاحب سی آئی ای سوداگر اس سکرٹ سول ایجنٹ مسرز ڈبلیو۔ ڈی اور ایچ۔ اوولز و ایجنٹ پٹن کمپنی جہانگیر منڈل۔ فرحت منڈل۔ ایک معمولی سی ایڈو ہوٹل۔ نیچے بیچ میں اور کچھ کوٹھیاں بھی ہیں یہاں ایک گلی ہے جس میں دلی کے مشہور حکیم اشرف علی صاحب کا مطب تھا اب اُن کے صاحب زادے قدیر احمد صاحب مطب کرتے ہیں باپ بیٹے دونوں دہلی کے مشہور عالجین میں شمار کیے جاتے ہیں۔

## بازار کھاری باؤلی

دلی کے مشہور بازاروں میں کا ایک بازار یہ بھی ہے۔ جو انج کی بڑی بھاری منڈی ہے۔ جس میں لاکھوں روپیہ کا بیڑا ہوتا ہے۔ یہ بازار بہت کشادہ ہے جو مسجد فتح پوری کے شمالی کنارے سے شروع ہو کر لاہوری دروازے پر ختم ہوتا ہے۔

اس بازار میں زیر مسجد فتح پوری لوہیوں اور سہزی فروشوں کی دکانیں ہیں پھر  
 اناج والوں اور پنساریوں کا سلسلہ ہے۔ آب اس بازار کی سیر کیجئے۔  
 داہنی طرف۔ مزید پارچہ (ایشور بھون) اس میں آرٹھتی رہتے ہیں۔ کٹرہ  
 میدگراں۔ کٹرہ حسین بخش جس میں پنساریوں کے گودام ہیں۔ پھاٹک حبش خاں۔  
 کٹرہ تمباکو صدر دروازہ۔ کوچہ چلاں۔ کٹرہ دیاشنکر۔ کٹرہ بنسی دھڑ۔  
 لاہوری دروازہ۔

شاہ جہاں کے عہد کا بنا ہوا ہے۔ کھاری باؤلی کے  
 بازار میں ہے اس پھاٹک کے نام سے ہی محلہ مشہور  
 ہو گیا ہے۔ اب اس محلے میں پنجابی کثرت سے  
 بستے ہیں۔ یہ پھاٹک حبش خاں کا بنایا ہوا ہے جن کا اصلی نام سیدی مفتاح تھا۔ یہ شاہجہاں اور اورنگ زیب  
 کے عہد میں تھے۔ اس دروازے کی مرمت بعد میں فولاد خاں نے کی جو حبش خاں ہی کی اولاد میں  
 اور حب نادر شاہ نے دہلی پر تاخت کی تو یہی حبش خاں شہر دہلی کے کو توال تھے۔  
 سیدی مفتاح حبشی النسل تھے اور دراصل وہ نظام شاہی بادشاہان احمد نگر کے غلام تھے۔ ان کا بڑا  
 اعتماد تھا اور قلعہ اودگیر ضلع بیدر مملکت سرکار عالی نظام کے قلعہ دار بھی رہ چکے ہیں۔ سیدی مفتاح نے  
 نظام شاہیوں کی طرف سے افواج شاہجہانی کو قلعہ اودگیر میں گھسنے دیا اور خوب مقابلہ کیا آخر کار مغلوب  
 ہوا اور قلعہ حوالہ کر کے ۱۶۴۲ء میں زمرہ ملازمین شاہجہانی میں شریک ہو گیا۔ دربار  
 شاہجہانی سے حبش خاں کا خطاب۔ ۳۰ ہزاری منصب اور پندرہ سو سوار ملے۔  
 حبش خاں کے پھاٹک کے اندر بہت گنجان اور ٹھسا ٹھس آباد ہی ہے۔  
 رستہ بالکل تنگ ہے۔ دو گالیوں کا گورنا نامکن۔ گلیاں اس سے بھی زیادہ  
 سڑھی۔ بنارس کی کیفیت نظر آتی ہے۔ پھاٹک کے اندر دو طرفہ زیادہ دقت کو بول  
 اور عطاروں حلوائیوں وغیرہ کی دکانیں ہیں اور پھر اندر جا کر بڑے بڑے  
 متول پنجابیوں کے مکانات ہیں۔ دلی کی تجارت کا بڑا حصہ پنجابیوں کے  
 ہاتھ میں ہے۔ دیکھنے کو ان کی دکانیں معمولی نظر آتی ہیں مگر لاکھوں روپیوں کے  
 دارے نیارے ہوتے ہیں۔ ولایت سے براہ راست مال منگوا سکتے ہیں  
 ہول سیل اور ڈیشیل کی بڑی منڈی ہے۔ داہنی طرف بسوا بکشیج۔ کٹرہ پیراں کی

سرس والی جس میں میاں صاحب کا مکان تھا۔ گلی مولوی عبدالحکیم اسی میں  
 میاں صاحب کا مدرسہ ہے۔ مکان مولوی عبدالرشید صاحب۔ اب یہاں  
 چوراہہ ہے۔ سلسلے وار تیلیوں کا پھاٹک اور اندر اسی نام کا محنتہ اور اس کے  
 آگے بارہ دری نواب وزیر اور پھر بارہ دری کے مقابل ایک پھاٹک کے اندر  
 پنجابیوں کے مکانات ہیں۔ یہ پھاٹک ”طوطا میدا کا تیج“ کہلاتا ہے۔ یہی رستہ نہر  
 سعادت خاں کے پھاٹک کو نکل جاتا ہے۔ تیلیوں کے پھاٹک کے اندر ہی گھی کا  
 کٹڑہ ہے جس میں اب مکانات ہیں۔ بائیں طرف۔ تبا کو کا کٹڑہ۔ گلی جینگا بیگ  
 اور اسی کو دھوبیوں کا کٹڑہ بھی کہتے ہیں اور یہیں میاں صاحب کی مسجد ہے۔ اس  
 کے آگے کوچہ مولوی قاسم ہے اس میں بہت سی گلیاں ہیں۔ داہنی طرف  
 گلی محمد زکریا۔ محاسب کی مسجد۔ گلی امیر بخش۔ بائیں گیند امل۔ رنگ محل جس کی  
 اونچی اونچی دیواریں اور کچھ دالان باقی ہیں۔ بائیں جانب۔ گلی نواب محمد باقر۔ گلی  
 حاجی انعام اللہ۔ گلی راگ والوں۔ مسجد رمضان شاہ۔ چھوٹا رنگ محل۔ چھوٹا  
 چرواڑا۔ گلی چمڑے والوں۔ اب نہر سعادت خاں آگئی۔ کوٹھی ایس پی جی  
 مشن ہو سکے غرب میں ایک چھوٹی سڑک ہے جو نہر سعادت خاں کی برطانی  
 سڑک سے آن لیتی ہے۔ تیلیوں کے پھاٹک کے سامنے ایک اور چھوٹی سی  
 گلی ہے جو گندی گلی کہلاتی ہے جو مشن روڈ پر جا نکلتی ہے۔

## گلی تیلیاں

اس گلی کا دروازہ دور پہری مغلیہ بنا ہوا ہے۔ اب بہادری پورہ شاد سی۔ آئی ج  
 ای کے قبضے میں ہے۔ یہ دروازہ نہایت خوش نما بنا ہوا ہے  
 جس کے دونوں جانب پہرے والوں کی نشست

کے بیٹے جبرے بنے ہوئے ہیں۔ حویلی نواب وزیر کی وسیع عمارت کا  
 یہ بھی ایک دروازہ ہے۔ نواب وزیر کا اصلی نام معلوم نہیں ہوتا روایت یوں ہے  
 کہ نواب اودھ نے یہ حویلی کسی گویے کو دے دی تھی۔ قیاس اس بات کا  
 مقتضی ہے کہ اہل منصور صفدر جنگ نواب وزیر اودھ سے یہ حویلی بنائی ہو تو  
 کچھ دور نہیں اس قیاس کی وجہ یہ ہے کہ صفدر جنگ ہی اودھ کا پہلا گورنر تھا جسے  
 نواب وزیر کا خطاب ملا تھا مگر اس کی سکونت دہلی میں نہ تھی۔ اس دروازے کی



شان و شوکت اور جس مقام پر حویلی تھی اُس کی وسعت کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ ہونہو ایسی عمارت ایسے ہی پایہ کا ایک امیر بنا سکتا ہے۔ چوں کہ صفدر جنگ اور دوسرے اودھ کے نواب جو اُن کے بعد ہوئے کبھی دلی آئے۔ سے نہیں اور نہ اُن کو ایسی عظیم الشان حویلی کی کوئی ضرورت تھی تو یہ بہت قرین قیاس ہے کہ کسی گویئے کو بخش دی گئی ہو۔

دور آخر غلیہ۔ یہ بھی نواب وزیر کی حویلی کا ایک دور درازہ ہے جس کی چھت گر گئی ہو۔ دروازے کی دونوں جانب پہرے والوں کی نشست کی بیٹھکیں بنی ہوئی ہیں۔

گلی تسلیاں گھی کے  
کٹڑے کی طرف سے

دور آخر غلیہ۔ خراب و خستہ۔ ایک احاطے کا دور درازہ ہے جو غالباً نواب وزیر کی حویلی کا ہو گا۔ پہلے اس احاطے میں گھی کی منڈی تھی اسی سبب سے گھی کا کٹڑہ مشہور ہو گیا۔ حبش خاں کے پھانک میں سمس والی گلی کے اندر متصل مکان مولوی حفیظ اللہ خاں صاحب باغظ دہلی۔ آپ کراہیہ کے مکان میں رہتے تھے ذاتی مکان آپ کا کوئی نہ تھا۔ آپ سورج گڑھ ضلع

گلی تسلیاں گھی کے  
کٹڑے کا دہلی دروازہ

شمس العلماء مولانا شہید حسین عرف

میاں صاحب محمد دہلوی ۱۲۲۰-۱۲۲۰ھ  
۱۸۰۵-۱۸۰۵ھ

مولانا کے رہنے والے تھے اور اباں باپ دونوں طرف سید تقویٰ تھے آپ کے والد ماجد کا نام سید جواد علی تھا آپ کے بزرگ اور گنے گنے زمانے میں عمدہ تقاضا پر مامور تھے ۱۲۳۶ھ میں جو وقت مولانا شہید صاحب دہلوی اور مولانا شاہ اسماعیل صاحب شہید دہلوی پٹنہ تشریف لے گئے تو آپ وہاں موجود تھے کچھ دنوں الہ آباد میں رہ کر علم حاصل کیا بالآخر ۱۲۴۲ھ میں دہلی تشریف لائے پنجابی کٹڑے کی اونگ آبادی مسجد میں رہا کرتے تھے اور مولوی محمد عبدالخالق صاحب سے جو مولانا شاہ اسحق صاحب کے ارشد تلامذہ سے تھے چند کتب عربی پڑھیں اور اسی طرح



مولنا شاہ عہد القادر اور مولنا شاہ رفیع الدین صاحبان بن شاہ ولی اللہ صاحب سے بڑا اور کئی علماء عہد نامور سے استفادہ کیا۔ جب آپ نے تحصیل علوم سے فراغ حاصل کیا مولوی عبدالخالق صاحب (درائتہ) نے تانا مولوی عبدالقادر صاحب کے والد کے اس قدر منظور نظر ٹھہرے کہ انہوں نے اپنے استاد مولنا شاہ محمد اسحاق صاحب اور ان کے بھائی مولنا شمس الدین صاحب صاحب رحمۃ اللہ علیہما کی رائے اور مشورے سے سلسلہ میں اپنی شاہزادی نکاح آپ سے کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے مولنا شاہ محمد اسحاق صاحب علیہ الرحمۃ حدیث و تفسیر پڑھی اور قیرہ برس تک آپ کی خدمت میں رہ کر بہت سے فیوض اور برکات حاصل کیے۔ غرض آپ ایسے مرتبہ کمال کو پہنچ گئے کہ اپنے استاد علام کے سامنے فتویٰ دیتے اور فیصلے کرتے تھے اور حضرت استاد ان کو پسند کرتے اور خوش ہوتے تھے اور آخر ایسا ہوتا تھا کہ حضرت استاد الا ساتھ بعض شکل اور ادق مسائل میں آپ کا امتحان کرتے تھے اور آپ کا جواب شافی سن کر مطمئن ہو جاتے تھے ماہ شوال ۱۲۵۰ھ میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب آپ کو اجازت علوم حدیث وغیرہ سے مستند فرما کر مسند الوقت کر دیا اور اسی سنہ میں جب آپ ہند کو خیر باد کہہ کر ہاجر بیت اللہ ہونے لگے اٹاوہ اور اقلہ اور وعظ اور تذکیر اور درس و تدریس کے لیے آپ ہی کو اپنا نائب اور خلیفہ مقرر فرمایا جس منصب عالی کو آپ نے مدۃ العمر اس عمدگی اور خوبی اور نیک نامی سے نبھا کہ ہر شخص آپ کا شاخو اں رہا چنانچہ آثار الصنادید میں لکھا کہ زندۃ اہل کمال واسوۃ ارباب فضل و انضال مولوی نذیر حسین بہت صاحب استعداد ہیں خصوصاً فقہ میں ایسی استعداد کامل بھی پونچائی ہو کہ اپنے نظائر و اقران سے گورے سبقت لے گئے ہیں روایت کشی میں آج بے نظیر ہیں باوجود اس کمال اور استعداد کے مزاج میں خاکساری اور علم گویا کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا سن کے جوان اور بہ اعتبار طبیعت علم اور وضع متین کے پیر ۱۲۵۰ھ تک آپ کو فقہ وغیرہ تمامی علوم و فنون سے ایک خاص مذاق اور لگاؤ تھا لیکن اس کے بعد قرآن اور حدیث کے درس و تدریس کی محبت آپ پر ایسی غالب ہوئی کہ

آپ اس کے معذرات ہو گئے۔

انچہ خواندہ ایچہ فراموش کردہ کیم  
ایسے ہی مشتغلین بالحدیث کو اہل النبی اور اہل ملاح صوفیہ صانیہ میں اس مقام کو  
فنا فی الرسول کہتے ہیں وَلَذَعُمَا قِيلَ۔

أَهْلُ الْحَدِيثِ هَذَا أَهْلُ النَّبِيِّ فَإِنْ كَذَبُوا نَفْسَهُ أَلْفَ سَهْمٍ صَحِيحٌ  
سارے ہندوستان اور نیز ہندوستان کے باہر بھی یمن۔ بخد۔ سنوس۔ ہندس  
افغانستان۔ کشمیر۔ خراسان۔ کاشغر۔ برہما۔ چین۔ جاو راتک۔ آچکے ہزار ہا شاگرد  
پھیلے پڑے ہیں۔ آپ کا علمی بحر اور تقدس محتاج بیان نہیں۔ خاکسار کی والدہ کے  
حقیقی چچا تھے۔ عرصے سے آپ کا یہ معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد مولانا شاہ  
عبد القادر صاحب کے ترجمہ قرآن شریف کے دو تین رکوع روزانہ سب کو  
پڑھایا کرتے تھے اس کے بعد حدیث شریف کا درس ہوتا تھا۔ اس ترجمہ  
خوانی میں آپ بعض ایسے نکات قرآنی و مطالب ایاتی بیان فرماتے تھے  
کہ سامعین و حاضرین کو ایک لطف خاص حاصل ہوتا تھا جس سے طلباء بہت  
سے مطالب حل کر لیتے تھے اور بہت سے خطرات و مشکوک رفع کر لیتے  
تھے۔ دس بجے آپ مسجد سے سیدھے اپنی صاحب زادی کے گھر تشریف  
لاتے اور تحت پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے۔ کثرت اغفال علم حدیث اور  
جواب استفتا وغیرہ سے آپ کو تالیف و تصنیف کی زیادہ فرصت نہ ملی  
لہذا محض ضرورت وقتی کے لحاظ سے چند سالے آپ نے لکھے ہیں میا الحق  
واقعة الفتوى۔ واقعة الہدی۔ ثبوت الحق الحقیق۔ فلاح الولی باتباع النبی۔

ابطال عمل المولود اور ایک رسالہ عورتوں کے زیور وں کے بیان میں اور کوئی  
تصنیف و لکھنے میں نہیں آئی۔ ہاں اگر آپ کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو اس قدر  
ہیں کہ کئی جلدوں میں بھی نہ سہاتے۔ بزرگان دین کی ایک بھی علامت ہو کہ  
آپ پر کھڑا فتویٰ ہو جائے۔ یہ سلوک بھی آپ کے ساتھ ہو چکا سنو۔

لے جاتے تھے حدیث کا شمار حضرت علیؓ کے تھیں میں بڑا دردگوں انہوں نے آپ کی جہانی

صحبت نہ پائی ہو تو بھی مدحاتی فیضان سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔

میں جب آپ حج کو تشریف لے گئے تو وہاں بہت کچھ اہل عدم بھی مگر الحقیقی  
یصلیٰ اذلا یعنی سارے قباوے تارکبوت کی طرح بے بنیاد ثابت ہوئے۔  
اور آپ اس آزمائش میں بھی پڑے اترے۔ جب آپ مع اخیر والعافیۃ  
حج کر کے واپس تشریف لائے تو ریلوے سٹیشن پر غلقت کا ایسا ہجوم تھا  
کہ کم دیکھنے میں آیا ہو اور گیوں نہ ہوتا کہ یہ استقبال ایک ایسے بزرگ کا تھا  
جو کہ لاکھوں مسلمانوں کا مقتدی تھا۔ موافق و مخالف دونوں آپ کے علم فضل  
کی شہادت میں متفق اللسان تھے۔ دوست و دشمن دونوں آپ کے مناقب و  
محامد سے رطب اللسان۔ یہ جلال و اعزاز اس اخلاق کا ثمرہ تھا جو حق تعالیٰ نے  
آپ کو عطا کیا تھا اور یہ عام قبولیت اس قبولیت خداوندی کا عکس ہو جس کا حدیث  
تشریف میں ذکر وارد ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کسی بندے کو دوست بنا لیتا ہے  
تو اس سے محبت کرنے کا تمام آسمان و زمین والوں کو حکم دیتا ہے اور اس کی  
قبولیت کو عام میں پھیلا دیتا ہے۔ میں نے خود اچھی طرح میاں صاحب کو  
دیکھا ہے۔ سارے شہر میں اسی پیارے نام سے پکارے جاتے تھے۔  
باس بالکل سادہ تھا اکثر نگلی اوڑھتے تھے شہر میں پایادہ پھرتے تھے  
مگر سبحان اللہ کیا خدا داد عزت تھی کہ جد ہر سے گزر جاتے تھے لوگ کھڑے  
ہو جاتے تھے میرے دیکھتے تو قدرت خدا کا ایک جلوہ تھا ایسی عزت  
ایسی توفیر کسی بادشاہ وقت کی ہوتی ہو تو ہوتی ہو۔ بھلا ایسے شخص کو خطاب  
کی کیا ضرورت تھی مگر سرکار نے شمس العلماء کا خطاب آپ کو گھر  
بٹھے دیا۔ خطاب کی سنکر آپ نے فرمایا: ”میاں خطاب سے کیا ہوتا ہے  
ہمارے لئے پورا خطاب قرآن مجید میں حقیق مسلم موجود ہے۔ دنیاوی  
خطاب سلاطین سے ملا کر تاہیہ گویا ان کی خوشنودی کا اظہار ہی مجھے کوئی  
نذیر کے تو کیا اوشمس العلماء رکھنے تو کیا میں نہایت خوش ہوں کہ ہر ایک  
میاں صاحب کہتا ہے۔ بھائی سادات کے پیئے اس سے بڑھ کر  
پیارا لفظ نہیں اس لفظ کی برکات سے میری درویشانہ طرز میں فرق شے  
برہی خدا کا فضل ہے آپ کے ایک ہی صاحب زادے مولوی سید

شیرلیف حسین صاحب تھے جو علم و فضل اور تقویٰ میں باپ کے قدم بقدم تھے اور درس و تدریس کا سارا بار خود اٹھائے ہوئے تھے وہ باپ کی حیات میں ہی قضا کر گئے۔ اُن کے دو صاحب زادے تھے بڑے مولوی عبد السلام اور چھوٹے مولوی ابوالحسن۔ دونوں میں بلا کم و کاست میاں صاحب کے صفات حسنہ تھیں کیوں کہ خود انھیں سے تعلیم پائی تھی اور اُن ہی نے بالاپہ مولوی عبدالسلام صاحب نے سال گزشتہ فلج سے انتقال کیا اب صرف مولوی ابوالحسن صاحب باقی ہیں۔ خدا اُن کو رکھے کہ میاں صاحب کی نشانی ہیں اور انھیں سے اُن کا نام چلتا ہی مولوی ابوالحسن صاحب بھی حدیث شریف کا درس دیتے ہیں اور جس طرح میاں صاحب کے زمانے میں درس دیا تھا ویسا ہی چلا رہے ہیں۔ ابوالحسن صاحب کے سوا میاں صاحب کی ایک صاحب زادی ہیں جو تو اتر صدات سے بہت ناتواں ہیں مرض الموت میں مجھے کئی دفعہ میاں صاحب کی قدیموسی کا اتفاق ہو بجز کپڑی کے کوئی خاص مرض نہ تھا۔ پلنگ پر لیٹے رہتے تھے اور ہاتھ میں تسبیح رہتی تھی ہر وقت عالم بے خودی اور استغراق کا رہتا تھا۔ نماز کے وقت خود ہنسا ہو جاتے تھے۔ کروٹیں بدلتے اور بے چین ہو جاتے۔ اُٹھا کر سہارا دے کر بٹھا دیا نماز پڑھ لی پھر سکوں کی حالت ہو جاتی تھی۔ یہی حال تسبیح و تہلیل کا تھا اگر تسبیح ہاتھ سے چھٹ گئی تو بس بے چین ہو گئے پھر دے دی پڑھنے لگے۔ ۱۰ رجب روز دوشنبہ ۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء انتقال فرمایا اور شیدی پور رکنی کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ایسے بڑے عالم اور فاضل اجل کی وفات کے سنیکڑوں قطعات قصائد عربی و فارسی لکھے گئے ہم صرف اُن میں سے ایک دو قطعے اور چند ملف یہاں لکھتے ہیں۔

من بنی ہاشم بنی غالب  
مرقد الناس صاکی صائب  
امریا لغرض والواجب

شیخنا الامامی نذیر حسین  
زیدۃ الاتقیاء شیخ الفضل  
أخذ بالکتاب والسنة

ما حق المنکرات والبدعة      قلبہ فی الضیاع والقالب  
مظہر العلم حاجی الحرمین      دائماً خیراً سرّاً سرّاً  
قد توفی خلال شہر رجب      غاب فجداً لہدایۃ الناقب  
اختفی التوراً ظلماً للصلی      کسفت شمس دیننا الواصب  
اسئلوا اللہ اخوانی الرحمة      ثم صلبوا خبا سنا الغائب  
قلت فی عامہ باخلاصی

دخل الجنة میا نصاحب

میں رحلتہ سیدی فلذیر القمقا      عینائی دوامع ورمی قد دام  
استرخت لعمامہ بقلب حزین      قدمات محدث امام معلوم  
توفی ہادی الناس محمد حیدر      قضی غیبہ ہادی البیۃ عاید  
عامر الفاتح الحق الملتجاء بحا      رضی اللہ عنہ ما مر عیادہ

قطعة تاریخ از آغا سنجہ طہرانی

ای درینا محدث دہلی - سید قوم و عالم و فاضل - حضرت مولوی نذیر حسین -  
شد برہم وصال حق و اہل کشتی عمر گشت از طوفان - بسلامت رسید بر ساحل -  
ہم بہ منزل رساند بارے را - کہ بیک عمر بودیش حال کرد جا در حرم مقرب الہ -  
کش ہد از جان ہم زد دل مائل شد برہم وصال لم نیل - اجار شا داو نشد باطل گشت  
باشوق باقی باسر - شد چو نقش فنا از و زائل - نقش اسکان ز لوح ہستی شست  
پس بہ ہم وجوب شد قابل تا ز خود درست با خدا پیوست - آن خدا جوے عالم حاصل -  
عین معشوق گشت تا بر قاست - آنچہ می بود در میاں حاصل چشم بدو را و تعالی التہ  
جو ہر جاں شد و چکیدہ دل - بندہ خاص کبیرا امروز - شد بالطف کبیرا نائل -  
از پنج ہجرت بچوے سال وفات - سنجر ای مرد زیرک و عاقل - سال تا سرخ  
آن غبتہ خصال - مرازیں شعر می شود حاصل - مرد والا گہر نذیر حسین -  
عالم با محدث کامل -

## از مولوی سید جمیل محمد سہسوانی

کہ جس کی ذات سے روشن تھا امام علم قدس  
زمین پر تھے وہ ماہ تمام علم حدیث  
انہیں کے حصہ میں تھا فیض علم حدیث  
پلا کے کیف سے بہرہ یز تمام علم حدیث  
ہزاروں کر گئے آکر تمام علم حدیث  
ہوئے سب ان کی بدولت غلام علم حدیث  
انہیں کے دم سے تھی وہی مقام علم حدیث  
ہر اہل شیعہ میں تا احترام علم حدیث

درایغ رحلت شیخ زباں نذیر حسین  
کیا زمانے کے علم حدیث سے روشن  
ہزاروں ہند میں گزر حدیث داں لیکن  
جہاں کو مست کیا اتباع سنت کا  
حدیث پڑھنے کو آتے تھے دور دور لوگ  
نقیہ و فلسفی و منطقی زمانے کے  
انہیں کی ذات شہرت تھی اس کو شہر بشہر  
الہی ان پر ہیں قبری رحمتیں نازل

جمیل درو زباں رات دن ہر یہ تاسیخ  
جہاں سے اٹھ گیا اچھا امام علم حدیث

۱۳۲۰ھ

سر شاخیں بفتا نند گر صفار و کبار  
در حلقش فن تفسیر حیف شد بے یار  
بسانِ بیل شیدا بہ ہجر فصل بہار

سرد ہا تم شیخ جہاں نذیر حسین  
یتیم شد ز فالتش درایغ علم حدیث  
اصول فقہ فغاں می زنند و گر خم او

زشت نگہت محروں دعا نیہ تاسیخ  
بود جلیس بخاری و سلم و ہزار

۱۳۲۰ھ

آج تک دیکھی نہیں اس غم کی موت  
نائب فخر بنی آدم کی موت

جان کہو کہ کیوں نہ روئیں اہل دیں  
کون ہو جس کو نہیں سوہان روح

ورد خلعت ہریتا شیخ و کل  
موت اس عالم کی ہر عالم کی موت

بعدم فضل زابل زمانہ بروہ سبق  
لیغضرت یہیں اندگاں بشتا حق  
۱۳۲۰ھ

چو شد بجلد رواں شیخ کل نذیر حسین  
لیغضرت از پی سارِ ذیل او گفتم  
۱۳۲۰ھ

سال رحلت کہا یہ تمکین نے  
قدمات محدث امام سلام  
۱۳۲۰ھ

بجھ گیا اب چسراغ دہلی کا  
رحلت جناب سید محدث  
۱۳۲۰ھ

انتقال امام و محدث زماں  
سیدی جناب محمد نذیر حسین  
۱۳۲۰ھ

رفت ابرو اے محدث دہلوی  
محدث مکمل محقق فقیر  
۱۳۲۰ھ

مولنا سید نذیر حسین صاحب قبلہ کا بہت مختصر حال ہم نے لکھا ہے۔ گنجائش مانع طوالت ہے۔ جن صاحبوں کو اس علامہ و ہر کے مفصل حالات دیکھنے کا شوق ہو وہ احیاء بعد الممات مصنفہ فضل حسین صاحب مظفر پور صوبہ بہار ملاحظہ فرمائیں۔ یہ کتاب بڑی کاوش و تقشیر سے لکھی گئی ہے جس میں میاں صاحب کی لیف کے ہر پہلو پر عمدگی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ علاوہ اس کے ایک اور مختصر سوانح عمری حسرة العالم بوفات محدث العالم بھی ہے جس کو مولوی سید محمد عبدالرؤف صاحب نے چھپوایا ہے جو اس سے ہیں مولوی سید شریف حسین صاحب ابن مولنا کے شیخ مرحوم کے۔

مولوی حفیظ اللہ خاں صاحب  
چھانک کی سرس والی گلی میں رہتے ہیں۔

مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کے سمدھی تھے یعنی مولوی شریف حسین صاحب مرحوم کے خسر تھے۔ آپ کے والد کا نام گاماں خاں تھا۔ آپ کی ولادت کی تاریخ معلوم نہیں ۳۲ رمضان ۱۲۸۳ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کے والد ماجد مولنا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کے مرید تھے۔ آپ نے نو برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ ایک روز کسی موقع پر مولنا اسماعیل شہید دہلوی آپ کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ میاں قرآن شریف کا کوئی رکوع سناؤ۔ آپ کے والد نے کہا کہ حضور جہاں سے آپ فرمائیے میں سنائے۔ مولنا شہید نے ایک شکل رکوع جہاں بہت متشابہ تھے بتایا تو

آپ نے بالکل صحیح پڑھ کر سنایا۔ مولانا شہید خوش ہوئے اور گلے لگا کر خوب بھینچا اور دعا کی آخر نوبت یہ ایں جا رسید کہ آپ عالم جید اور ایسے نظیر واعظ ہوئے۔ آپ نے بعد حفظ قرآن مجید کے کچھ کتابیں مولوی عبدالحق صاحب خسر مولوی نذیر حسین صاحب پڑھیں۔ اور کچھ شاہ اسماعیل صاحب ہنسی سے بھی پڑھیں اور آخر میں فقہ۔ تفسیر اور حدیث شیخ اکل حضرت میاں صاحب (مولوی نذیر حسین صاحب) سے پڑھی اور سند حاصل کی۔ اس زمانے میں دہلی میں بڑے نامور واعظ دو ہی تھے احناف میں مولوی عجم الدین صاحب اور اہل حدیث میں آپ۔ آپ کا وعظ عالمانہ اور بڑا پُر تاثیر تھا یہ معلوم ہوتا تھا کہ قرآن و حدیث کا دریا بہ رہا ہی یایوں کہتے کہ سمندر میں سے ڈربے بہا کمال کے سامعین کے سامنے بکھیر رہے ہیں۔ خاکسار اپنی خوش نصیبی سے دونوں صاحبوں کی مجالس وعظ میں بارہا حاضر رہا ہوں۔ واقعی بات اور حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ دونوں صاحب اپنی اپنی جگہ لاجواب تھے۔ ان صاحبوں کی زبان میں ایک ایسا اثر تھا کہ لوگوں کے دل اپنے قابو میں کر لیتے تھے اور بھٹکے ہوؤں کو راہ راست پر لگا دیتے تھے۔ حافظ اور سلسلہ سخن کا یہ حال تھا کہ بھر متواج لہریں مار رہا ہوں۔ آمد تھی اور ود تھی۔ تقریر اور طرز بیان ایسا شستہ اور مسلسل کہ مضامین اُڈے چلے آتے تھے۔ تامل۔ غور۔ کی ضرورت نہ تھی۔ نہر مساوات خالی بہا آپ کے والد ماجد نے ایک مسجد آباد کی تھی جس کے نیچے ہنر جاری تھی اور اوپر مسجد تھی اور اُسی کے ساتھ ایک پُر فضا کمرہ بھی تھا۔ مسجد میں ایک شیریں اور ٹھنڈا کنواں تھا اس پر درختوں کا گھنسا سایہ دلی کی گرمیوں میں یہ جگہ بلا مبالغہ جنت کا ایک ٹکڑا معلوم دیتا تھا۔ ہر دو شنبہ کو صبح کو آپ کا وعظ اُسی مسجد میں ہوتا تھا۔ مسجد کھچا کچھ لوگوں سے بھر جاتی تھی۔ دربار شاہی میں بھی آپ کی بڑی توقیر و احترام تھا لال قلعے سے ہمیشہ پانچویں آپ کے لیے آیا کرتی تھی اور قلعے کے شاہی محلات میں آپ کا وعظ ہوا کرتا تھا۔ بہا و شاہ باد شاہ آپ کی بہت وقت اور تعظیم کرتے تھے اور تحفہ تجارٹ بھی بھیجا کرتے تھے اور خلا اور ملا تھا۔ آپ نے کچھ بیٹے



اور چار بیٹیاں چھوڑیں جن میں سے اب صرف دو بیٹے ہیں اور ایک بیٹی جو مولوی شریف حسین صاحب مرحوم کی زوجہ ہیں غرض آپ کا دم غنیمت تھا اور پڑا نے لوگوں کی طرح اپنی وضع کے بڑے پتے اور سادی وضع کے بزرگ تھے۔ آپ بھی میاں صاحب کے ساتھ شیدی پورے کے قبرستان میں آسودہ ہیں۔ سمدھی سمدھی دنیا میں بھی ساتھ ساتھ تھے وفات کے بعد بھی ساتھ ہیں۔ افسوس ہو کہ آپ کے صاحب زادوں میں سے کسی نے باپ کی جگہ نہ سنبھالی اور یہ فیض کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کو بند ہو گیا۔

میراث پر خواہی علم پدر آموز  
کہیں مال پر خرچ تو اس کو بدہ روز

کھاری باؤلی کے بازار کا داہنا رخ ختم ہوا۔ بائیں طرف بنگش کی سڑک۔ وہ باؤلی جس کے نام سے یہ بازار مشہور ہو۔ گلی تاشاں۔ بازار نئے بانس کا شمالی آخری سرا۔ اس کے آگے کٹڑہ فضل عظیم چھترے والے۔ لاہوری دروازہ جہاں سے فصیلوں میں رستہ جاتا ہے اور اب بیرون شہر صدر بازار وغیرہ ہی جس کا بیان علیحدہ کیا جائے گا۔

## سرا بنگش

نہرا میں داس کے قبضے میں ہے۔ اب سرا کا کام نہیں دیتی بلکہ اس میں مختلف قسم کی دکانیں۔ اناج کی آرٹھتیں لگ گئی ہیں۔ لوگوں نے مال گودام بنائے ہیں۔ اس کا دروازہ جو لب سڑک بازار کھاری باؤلی میں ہے بہت عالی شان ہے یہ دروازہ کاہے کو ہے بجائے خود ایک عمارت ہے جس کے آگے ہشت پہل صحن ہے۔ بنگش کا حال بنگش کے کمرے کے بیان میں دیکھو۔

## کھاری باؤلی

کوچہ نواب مرزا میں جو قدیم مسجد شیر شاہ کے زمانے کی بنی ہوئی ہو (۱۵۳۹-۱۵۴۰ء) اس کے احاطے کی شمالی دیوار سے ملی ہوئی یہ باؤلی تھی جو اب

۹۵۲  
۱۵۴۵ء

دہ گئی اور دکانوں میں دب گئی لیکن اُس کا پتہ اور نشان بلکہ باؤلی کی صورت بھی اب تک معلوم دیتی ہو یہ باؤلی بہت قدیم اور شاہ جہاں آبادی کی آبادی سے بہت پہلے کی ہو یعنی ۹۵۹ھ عہد اسلام شاہ بن شیر شاہ میں عماد الملک خواجہ عبدالسر نے ایک کنواں بنایا تھا چھ برس بعد یعنی ۹۵۹ھ میں اس کنوئیں کو باؤلی بنا دیا۔ جب شاہ جہاں نے شہر بنایا تو یہ باؤلی بھی شہر میں آگئی۔ اب یہاں بازار کے علاوہ بہت سے مکانات بن گئے ہیں اور یہ دلی کا ایک مشہور محلہ ہو گیا ہو۔ اس باؤلی چسپیل کتبہ ہے:

کتبہ دروازہ | لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا اللہ

کتبہ اندرونی پشانی چو کھٹ | یہ کتبہ ہمارے پڑھا نہیں جاتا؟ جو الفاظ پڑھے نہیں گئے وہ بعینہ نقل کر دیے

گئے۔ پہلے کتبے میں لاد رہی اور دوسرے میں لاؤر۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم وہ بہت شگفتے رب بعون تمام شداں باوری و چاہ در ماہ رمضان سنہ مخصد و پنجاہ و ہشت ہجری بر روح محمد مصطفیٰ رسول در گاہ حضرت الدولہ در ماہ عادل اسلام شاہ بن شیر شاہ بنا کردہ کار کردیں از جملہ بٹے خواجہ عماد الملک عرف عبدالسر لاد قریشی بندگان کن باوری آمید و ارغایت و مرحتک گرد بایں سرے بالتک۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتبہ دیوار شمالی

در عہد زمان سلطان السلاطین ابو المنظر اسلام شاہ بن شیر شاہ سلطان خلد اسر ملکہ و سلطانہ بنا کرد ایں چاہ بتوفیق بر روح رسول اللہ ملک عماد الملک عرف خواجہ عبدالسر لاد قریشی مدار الملک حضرت دہلی فی سنتہ اشٹنہ و خمین و تسعائتہ۔

گلی تماشوں (کھاں) | اس گلی کے دو سر ہیں شمالی رخ کھاری باؤلی میں ہو اور جنوبی نئے بانس میں۔ اس میں اجار والے کھانڈ والے بیٹھتے ہیں۔ چوں کہ مٹھائی کے کھلونے اگلے تماشے کثرت سے

بنتے ہیں اسی وجہ سے بتاشوں کی گلی کہلاتی ہے۔ اس میں سے اگر کھاری باؤلی کی طرف سے آئیں تو دابہنے ہاتھ کو گلی بتاشاں خورد ہو جس کا دوسرا سرانے بانس میں جاکھلا ہے اور بائیں ہاتھ کو کوچہ نواب مرزا ہی جس کا دوسرا رستہ گلی کھلاں پر سے ہوتا ہوا بڑیوں کے کھڑے میں جاکھلا ہے۔

بہ ایرو ہندی تیزی دہر بہ آپ سخن  
ز تیغ مصری گو ہر دہد ز کان بیاں

ڈپٹی نذیر احمد صاحب

بہ نشر داغ نہد بہ چین نظم حریہ  
خرد پناہ فروزانہ کہ درم آفاق  
چناں نگار سخن را بدانش آید  
بہ نظم بانج ستاند ز گفتہ سبحان  
چنین یگانہ نیا مد پس از ہزار قرل  
کہ نوک خامہ معنی رخ نگارستان

کوچہ نواب مرزا ہی میں جناب خان ہادر شمس العسما ڈاکٹر مولوی حافظ محمد نذیر احمد صاحب مرحوم و مغفور ایل ایل ڈی۔ ڈی ایل کلا دولت خانہ ہو۔ جو دلی کے مشاہیر میں سے تھے۔ آپ کے مفصل حالات جس کسی کو دیکھنا چاہے حیات النذیر ملاحظہ فرمائیں۔ مختصر یہ کہ ۲۳ رجبادی الاولیٰ ۱۲۵۲ھ میں پیدا ہوئے اصلی وطن بجنور تھا۔ بچپن سے ۲۶ دسمبر ۱۸۳۲ھ

تحصیل علم کا شوق تھا۔ پہلے جناب مولوی نصر الدین خاں خوجوی سے جو بجنور میں ڈپٹی کلکٹر تھے عربی پڑھتے تھے بعد ۱۸۳۸ھ میں دہلی آئے اور پنجابی کھڑے کی مسجد میں مولوی عبدالحق صاحب کے پاس پڑھتے رہے پھر دلی کلج میں داخل ہو کر تکمیل علوم کی۔ گجرات میں مدرس ہوئے پھر الہ آباد میں سب انسپکٹر مدارس اور کان پور ضلع میں تحصیل دار بعد دتوں ڈپٹی کلکٹر رہے اور آخر کار ریاست حیدرآباد و دکن میں کاشنر اور بورڈ آف رونیو کے عہدہ چلے گئے پش لے کر خانہ نشین ہوئے اور تیس سال برابر پنشن سے مستفید ہوتے رہے اور ۵ رجبادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ روز جمعہ کو اس جہان فانی سے ملک جاوداتی کو سد ہمارے کیا۔ ملاؤمیت کی حالت میں سب سے پہلے مجموعہ تعزیرات ہند کا ایسا بے نظیر ترجمہ کیا جو آج تک مسلم و مستند اور مروج و معمول تھا



شال العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل - ایل - ڈی ڈی - او - ایل

اسی کے صلے میں ایک طلائی گھڑی اوڈھٹی کلکٹری لی۔ سر ولیم میور صفا باقاعدہ  
 لفٹنگ گورنر ملک متحدہ آگرہ وادوہ کے عہد میں مراۃ العروس۔  
 نبات النعش۔ توبۃ النصوح۔ مہادی حکمت وغیرہ کتب  
 لکھ کر ہزار ہا روپیہ اللہ ایک بیش قیمت ٹیم میں گورنمنٹ سے انعام پایا اور علی  
 دنیا میں شہرت لازوال حاصل کی۔ خانہ نشینی کے بعد بھی کئی کتابیں مشل  
 ابن الوقت۔ محسنات۔ رویائے صادقہ۔ یامی وغیرہ کے  
 لکھیں۔ پھر اس کو چے کو چھوڑ دینیات کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوئے۔ ساہا  
 سال کی محنت شاقہ کے بعد کلام مجید کا بے نظیر اردو ترجمہ کیا جو ہندوستان  
 بھر میں مقبول خاص مقام ہوا۔ خدا کرے کہ جس کا کلام پاک ہر اُس کی بارگاہ اقدس  
 میں بھی مقبول ہو۔ المحقوق والضرائض کے تین حصے۔ اجتہاد و سب  
 نہ بھی کتابیں لکھیں۔ سر سید کے ساتھ لکچر دینے شروع کئے انجمن تہذیبیہ  
 مدرسہ طبیہ دہلی ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسوں میں جاتے  
 اور اپنے پر زور اور لا جواب بیان سے فیض عام پونہ جاتے چنانچہ جو ایس  
 لکچروں کا ضخیم مجموعہ دو جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکا ہو۔ ٹھہریٹھے شمس العلماء  
 ایل ایل ڈی۔ ڈی ایل ایل ہوئے۔ جہاں یہ سب عروج ہوا وہاں چاند کو لکھ  
 داغ بھی لگا کہ اُتھات الائمہ کا تفسیہ نامرضیہ پیش آیا جس کے سبب سے  
 اواخر عمر میں لکچر دینا بالکل ترک کر دیا۔ اُتھات الائمہ کے مندرجہ واقعات سے  
 تو کسی کو انکار ہو نہیں سکتا تھا لیکن طرز عبارت پر اعتراض تھا جس کو جاسدین  
 اور مخالفین نے نمک مرچ لگا کر میل کا بیل بنا دیا۔ کفر کا ٹھوٹی دیا۔

یک یومن با صفا وادہم کافر  
 پس درہمہ ملک یک مسلمان نبود

جو گروہ علماء کا معراج الکمال ہو۔ بڑے بڑے بزرگان دین پر کفر کے فتویٰ  
 ہوئے قید کئے گئے۔ دار پر کھینچے گئے کوڑے لگائے گئے۔ حتیٰ کہ قتل  
 کیئے گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خوارج کیا کہتے ہیں۔ حضرت ذوالنون  
 مصری۔ حسین ابن حجاج (منصور)۔ حضرت جنید بغدادی۔ حضرت امام غزالی۔

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب سرسید احمد خاں - شمس العلماء مولوی سید نذیر حسین صاحب  
محدث دہلوی - مولانا اشرف علی صاحب تھانوی - غرض اسی طرح ساتھ سے  
اوپر بزرگان اور اکابرین دین کے ناموں کی فہرست میرے پاس موجود ہے  
جو کافر اور مرتد ٹھہراے گئے تو بے چارہ نذیر احمد کس شمار قطار میں تھا۔  
اگر ان میں سے کسی ایک کا فقر (نقل کفر نباشد) کے ساتھ بھی نذیر احمد کا حشر  
ہو جائے تو یہ فتوے کفر یا ایتھما النفس المظہیۃ ارجیٰ الی ذلک و ارجیۃ  
مترضیۃ کا دخل فی حیادہ فی ذلک دخلی جنتی کافران خداوندی ہو جائے وہ علماء کا سالانہ جلسہ  
پنج سالہ میں دلی میں ہوا تھا اور جناب ذاب سران الدین خاں صاحب سائل  
نے ایک نظم لکھی تھی مگر عین وقت پر ان کو پڑھنے سے بہ حکمت علی باز رکھا گیا  
اب ہم چند بند اس کے جو امات الامہ کے متعلق ہیں لکھ دیتے ہیں بل انصاف  
ملاحظہ فرمائیں۔ میں چوں کہ مرحوم کا بیٹا ہوں ایک امر بابہ النزاع میں میرا کچھ لکھنا  
باپ کی حمایت پر محمول ہو گا حالانکہ راستی موجب رضائے خداست باپ ہو یا  
یا کوئی ہر حق بات نگلی نہیں جاسکتی لکھا لکھا لکھا لکھا لکھا۔

وسمیر میں سنا تھا ندہ بھی دلی میں آئے گا  
غرض چرچے پڑ کاؤں میں اس کی آمد  
بیان وہ عیاں یا جو تماموں کس طبع آیا  
تھی خدمت اہل یار مدعا بنی کچھ منشا  
کوئی بنیاد ڈالے گا کوئی تعمیر ڈھالے گا  
بہت سے ہتم ہتمید کے دیکھے بہت  
کیا تھا پانچ دن کھولنے دعوت کے لئے ایسا  
صراحت جو نظم و نثر میں ہو جائے گا افشا  
تمی اہل ندوہ کو توجہ چاہیئے اس پر  
مگر نہ ابتری کا مرتبہ ہو جائے گا بدتر

حسد کی آگ بھڑکی ہے جہاں آباد میں لسی  
نہ دوری آنکھ نے دیکھی کبھی ابعد میں لسی  
بیاد آفت ہوئی کوئی نہ مہری یاد میں لسی  
نہ ضد ثابت ہوئی باہم بھی فساد میں لسی

سہ (جس روح کو خدا کی طرف سے ایمان و تسلی ہو اس سے کہا جائے گا) اور روح  
مطمئن اپنے پروردگار کی طرف پہل تو اس سے راضی (ادھ) وہ تجھ سے راضی۔  
پھر (خدا اس کو حکم دے گا کہ) ہمارے (خاص) بندوں میں جاؤ وہاں ہی بہشت میں داخل ہو۔  
۱۲ ہم کو ہمارے عمل تم کو تمہارے عمل۔

فسادوں نے نفاقوں نے کمر باندھ ہی ہو غارت پر  
یہ غارت گر پڑے ہیں ڈٹ کر دیں کی عمارت پر  
فساد اب دین کے دنیا میں بھی ہو گئے برباد  
بھرا یہیے ختم میں مقتدیوں کی ٹھکانا کیا  
کہ عالم عالموں پر در سے ہیں کفر کا فتویٰ  
کسے یہ راست گو سمجھیں گے جانیں ہو جھوٹا  
اصول دین میں افراط و فرود دیں تو تھے داخل  
مگر ایجا و ذاتی نے کیئے اغراض بھی شامل  
اگرچہ ندوہ کو ایسے قضایا سے نہیں مطلب  
زبان لابی کہنے کا بھی حامل نہیں منصب  
تہا رامہ عظیم ہو تعلیم میں دیں ہو  
نصابوں میں کہیں شخص و حسد تو فتنہ و کین ہو  
نذیر احمد ایل ایڈی پر چلا ہو کفر کا خنجر  
کسی تلوار نے مفتی نے کبھی پوچھا بھی گھر جا کر  
ہر اس کا سوسو بوجھ جا ہو اس کا شوق و غل گھر گھر  
قدم کیوں دین کی حد سے نکالا آپنے باہر  
اگر سہو خطایہ ہو گئی ہو توبہ کر لیجئے  
وگرنہ بحث سے تسکین اطمینان کر دیجئے  
فقط عبدالاحد نے عافیت دوسری ہیں کیا  
ہیں تصدیق کو سچے نہیں دین انہوں نے دیں  
تبیحہ یہ ہوا وہ موجب فتنہ کتابیں ہیں  
اسی تصنیف پر بس تہمتیں تکفیر کی سب تھیں  
پھر اس پر احتیاطاً مولوی صاحب نے توبہ کی  
مگر تکفیر باقی ہی اس صورت سے جیسی تھی  
ہوا اعلان نہ اس فتوے کی صورت ان کی توبہ کا  
جو کچھ وعدہ کیا تھا اس کا ہوتا چاہیئے ایفا  
نذیر احمد کو صدمہ کیوں نہ ہو گا اس تغافل سے  
علاقہ کیا تھا ایسے کام میں نکتہ قابل سے  
اسی کے تحت میں نقصان ہوا کہ بھاری غلطی کا  
ہو دل تھا ہوا اس ایل ایل ڈی جیسے لائق کا  
کہ بالکل درس ہو موقوف ایسے مرد فائق کا  
محاذ پاس کھنا چاہیئے رسم و علائق کا  
لے مولوی عبدالاحد صاحب مالک مطیع محتسبائی۔ لے حکیم حافظ محمد جلیل خان صاحب ذوق الملک بہادر لے

کسی صورت سے یہ اکھن سلجھ چائے تو اچھا ہی

مرے نزدیک اس میں دیر جتنی ہو رہے جا رہی

شکایت کا فائدہ تاہم نہ دے سے کہنا ہے  
کھاں تک مبتلا اس بتلا میں تم کو رکھنا ہے  
عذاب اس قسم کا ازیت مردوں کو سنا ہے  
جور سوانی کا دھبہ تھا وہ دین داروں کا گناہ

کھڑی راستے میں پاؤں پر یہ اپنے ہاتھوں سے

رہے جاتے ہیں ندوے کے مطالب ایسی باتوں سے

مخالفین نے کتاب کو جلوہ دیا جب بھی کلیجے میں ٹھنڈک نہ پڑی۔ مرحوم کی  
وفات پر سارے ملک ہندوستان میں سوچ و افسوس کا اظہار کیا گیا۔ اخبار  
میں کالم کے کالم نکلے۔ انجمنوں نے جلسے کر کے تعزیت کے رزلوشن پاس  
کیئے۔ سینکڑوں تاریخیں وفات کی ہوئیں اُن میں سے صرف چند تاریخیں یہاں  
لکھی جاتی ہیں۔ آپ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں اندرون احاطہ آسودہ ہیں  
اور لوح مزار پر یہ دو تاریخیں کندہ ہیں۔

عربی

و هو المحقق للحنفي و للجللي  
وصل النذيرين يا حمد هـ العلي

۱۳۳۰ھ

فجع الوری موت الاریب الفاضل  
قال الی لا تاریخہ بید اہۃ

فارسی

بدر حمت کبریا حیاتش  
واغفر لانی سن وفاتش

۱۳۳۰ھ

علامہ دیں نذیر احمد  
خواجہ زبشیر گفتہ برخواں  
اور پندھا دے یہ ہیں :-

رفعتا ذکرک آمد وفاتش  
صو خیر ثوابا الی الی الی  
انی لکم منہ ۳۰ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ

۱۳۳۰ھ

(۱) سرایان و قلب دیں بریدہ  
(۲) سرای اصلاح قومی چیف رفتہ  
(۳) سال وفات از سروپا کتاب  
(۴) لا یوی جی اغفر

ہر چکی منزل اول ارم پاک کی طو  
کر کنی معلوم نہیں قبر نذیر احمد ہی

۱۳۳۰ھ

(۵) کرچکے نقل مکان ہوئے ہے اگر تہ خاک  
اس پر اب فاتحہ پڑھ سال نشانچہ لطیف



(۵) جب آپس تو کچھ درود پڑھ کر جائیں  
 ملحوظ رہے لطیفہ: یہ مصرعہ سال  
 (۶) لطیفہ از پی نام نشان الٰہی  
 (۷) آہ از مرگ نذیر احمد کہ او  
 بذلہ گوؤ نکتہ سخن و خوش بیاں  
 معنی قرآن بہ تفصیل نوشت  
 زیست کرتے لیکتے غفرانگاہ  
 پانزدہ روز از جمادی آخر  
 عصر این جا کرد و مغرب بجنابا  
 چوں بہ یوم جمعہ رحلت یافتہ  
 (۸) داغ دین بنی

حق پر مسلمانوں پر اس تبت کا  
 دفن یہ کہ مولوی نذیر احمد کا  
 ہمیں پس است۔ مزار نذیر احمد خان  
 نیک خصلت بود و خوش اتعالیٰ ہم  
 سربراہ آورده بہ قیل و قال ہم  
 بود آساں پیشہ اد اشکال ہم  
 در نگاہش بود قد مال ہم  
 ماند باہل جہاں خوش حال ہم  
 بہت فسخ بنگر و اعمال ہم  
 دال پر مغفور آید سال ہم  
 $\frac{1326}{13} + 1326 = 1326$   
 (طالب دلجو)

کشمیری دروازے کو تھین روڈ پر سے ریل کے ٹیلر کو تھین برج تک

شہر میں داخل ہونے کا شمالی دروازہ۔ شاہ جہاں کے  
 وقت کا بنا ہوا ہے۔ چوں کہ اس دروازے پر خدیر میں  
 بہت بڑا معرکہ رہا لہذا بطور یادگار جوں کا توں برقرار  
 رکھا ہے کیوں کہ گولوں کی مار سے فسیل اور دروازے کا کنگور اچھلتی ہو گیا ہے۔  
 یہ دروازہ دو دروں کا یعنی ڈبل ہے۔ ایک محراب میں سے لوگ داخل ہوتے ہیں  
 اور دوسری میں سے باہر نکلتے ہیں۔ یہاں ایک پتھر کی بڑی سل پر دونوں محرابوں  
 کے بیچ کے پاسکے کی دیوار پر یہ کتبہ ہے:-

On the 14<sup>th</sup> September 1857 the British force  
 stormed Delhi. It was after sunrise on Thurs-  
 day that this undermentioned party advan-  
 cing from Ludlow Castle in the face of a heavy  
 fire and crossing the bridge which had been

almost totally destroyed, lodged powder bags against and blew in the right leaf of the gate, thus opening the way for the assaulting Column.

Lieutenant Duncan Home	Bengal Engineers
" Philip Salkeld	" " Mortally wounded
Sergeant John Smith	Bengal Sappers ...
" A. B. Carmichael	and ... Killed
Corporal F. Burgess	Miners ... Killed
Bugler Hawthorne	(52 <sup>nd</sup> foot)
Subadar Toola Ram	Bengal Sappers
Jemadar Bis Ram	and
Havildar Madhoo	Miners ... Wounded
Tilok Singh	... Mortally Wounded
Sepoy Ram Keth	... .. Killed

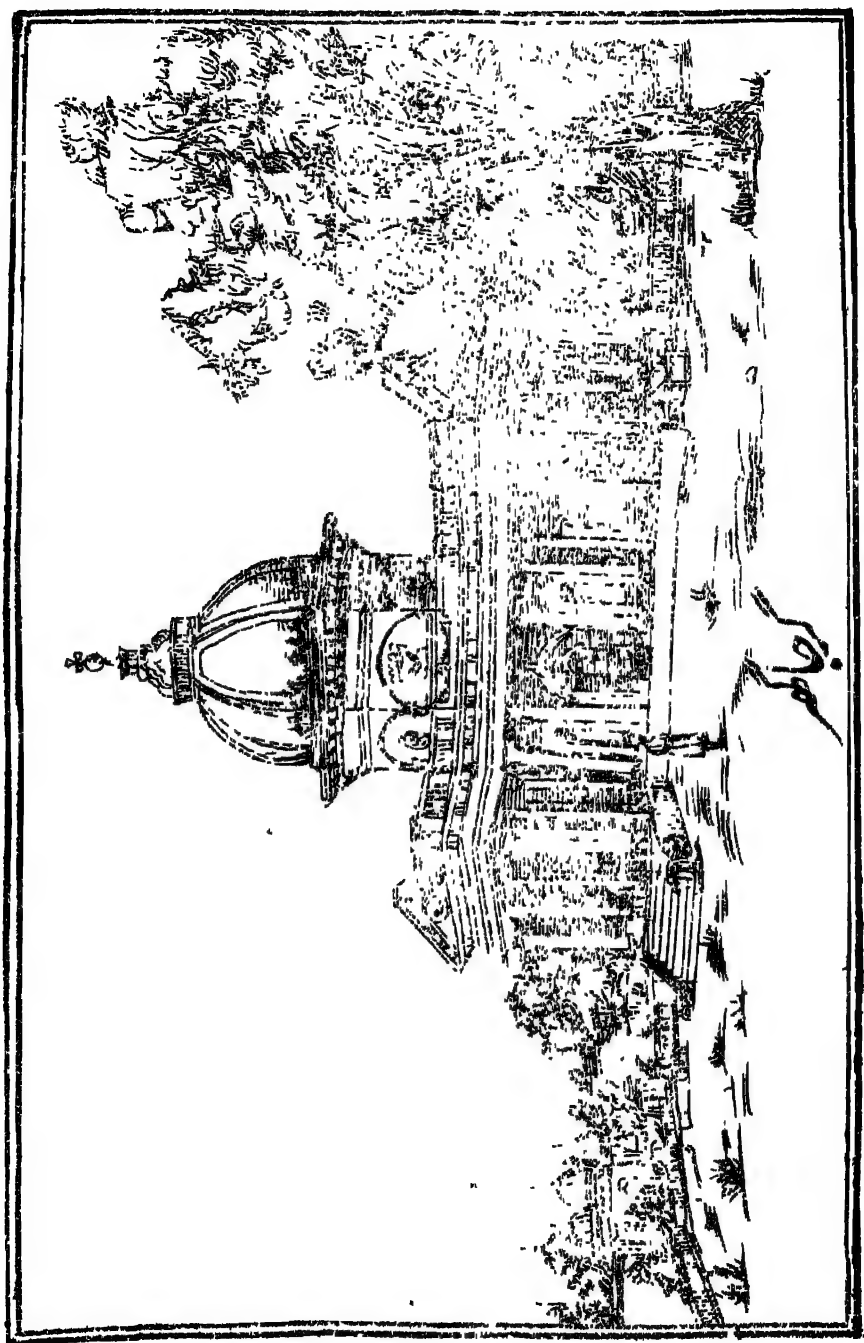
This memorial is placed here as a tribute of respect to these gallant soldiers by General Lord Napier of Magdala Colonel Royal Engineers and Commander-in-Chief in India 1876.

— 000 —

ترجمہ - ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو افواج انگریزی نے دہلی پر حملہ کیا۔ اُس دن طلوع آفتاب کے بعد مصرعہ ذیل پارٹی لڑو کیل سے ایک شدید گولہ باری کا مقابلہ کرتے ہوئے اُس پل پر سے جو بالکل برباد کر دیا تھا عبور کر کے بارود کے قبیلے دروازے کے سامنے جا کر اس کا دروازہ کا داہنا پیٹ اڑا کر حملہ آور پارٹی کے لئے رستہ کھول دیا۔

لفٹنٹ ڈنکن ہوم	انجنیر بنگال	سخت مجروح
فلپ سا نکلا	ایضاً	مقتول
سارجنٹ جان سمتھ	بنگال سپینز	مقتول
سارجنٹ اسے بی کار کایل	و	مقتول
کارپورل ایف بر جس	سپینز	مقتول
بگلر ہاتھورن	(۵۲) پیدل	زخمی
صوبیدار ٹلارم	بنگال سپینز	زخمی
جمعدار بسرام	و	زخمی
حوالدار مادھو	ہملک طے پر زخمی	مقتول
حوالدار تلوک سنگھ	مہرز	مقتول
سپاہی رام تیتھ		

یہ یادگار بطور فریضہ تعظیمی ان بہادر سپاہیوں کے جنرل لارڈ نیپیر آف  
 میگلڈالا کو تعلق دیا گیا انجنیر نو سپہ سالار افواج ہند کے ۱۸۷۶ء میں  
 نصب کی۔ کشمیری دروازے سے بائیں ہاتھ کو جو سڑک چلی گئی ہے وہ کچھ لوگوں  
 کی طرف جاتی ہے ضلع کی ساری کچھریاں اسی جگہ ہیں جن میں سے ایک وسیع  
 قطعہ گھرا ہوا ہے۔ کشمیری دروازے ایک سڑک سندھی لو تھین برج تک  
 چلی گئی ہے یہ لو تھین روڈ کہلاتی ہے اور اس پر کشمیری دروازے کے متصل دو طرف  
 یورپین سوداگروں کی بہت سی دکانیں ہیں اور جو دو بھری عمارت ہیں ان سب  
 کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ واہنی طرف۔ میوزیم آف انڈین آرٹس۔ کنگ  
 کنگ اینڈ کو۔ ریگن اینڈ کوشنگ۔ میڈم کلیر زنارہ درزی۔ دہلی موٹر اینڈ انجنیئرنگ  
 کمپنی۔ رام چندر اینڈ سنز خیاط۔ ڈاکٹر سمتھ دندان ساز۔ پیارے لال  
 اینڈ سنز موٹر انجنیئر۔ حسین بخش اینڈ کونالک الیٹریم ہوٹل دہلی و شہر  
 ایس عبد الغنی سیکل سٹور و ساز و سامان چرمی دہلی اور میرٹھ۔ الیٹوری پرنٹنگ  
 موٹر اینڈ سیکل فروشنده۔ نجارا ہٹوس۔ لک اینڈ موڈی مصور۔ گوپی ناتھ  
 غلام واسے۔ بی آر پریٹ گارج دکار خاند موٹر بائیں طرف۔ اسی بلور اینڈ کو



سے لڑنے کو کھڑے ہوئے تو سکندر صاحب ان کی توکر ہی چھوڑا لیٹ اندھا کپتی  
 کی لازمیت میں آگئے اور یہاں انھوں نے ایک رجمنٹ سواروں کی کھڑی  
 کی جو سکندر صاحب کے رسالے کے نام سے آج تک مشہور ہے۔ جب سکندر  
 یونیورسٹی لڑائی میں سخت زخمی ہوئے تو انھوں نے منہ مانی تھی چنانچہ  
 انھوں نے یہ گر جائی ۱۸۶۶ء میں بنوانا شروع کیا جو دس برس میں بن کر  
 طیار ہوا۔ اس کی تعمیر میں نوے ہزار روپیہ خرچ ہوا یہ سارے نکاح سارا روپیہ  
 جیمس سکندر صاحب نے اپنی جیب خاص سے دیا۔ لہذا ان کے ان کی اولاد سے  
 اس گرجا میں بہت کچھ صرف کیا۔ یہ عالی شان عمارت دو بنگالہ انجنیروں نے  
 عقل رسا کا نمونہ ہے۔ میجر رابرٹ سمیتھ نے بنیاد سے لے کر کمرائس تک بنایا  
 اور کپتان ڈی لوڈی ر (Captain De Bude) نے باقی  
 ماندہ کام پورا کیا۔ یہ عمارت بہت خوش قطع اور شان دار ہو گئیں کہ جس پر سنہری  
 صلیب ہے۔ کمروں میں سنگ مرمر کا فرش ہے۔ غور کی گولہ باری خاص کر اس  
 وجہ سے کہ کشمیری دروازے کے نزدیک تھا گر جا کے گنبد کو بہت صدمہ پہنچا۔  
 یہں تو کئی گولے اس پر گرے مگر ایک گولہ عین گنبد پر پڑا اور گنبد کو توڑ دیا چنانچہ  
 ۱۸۶۵ء میں اس کی درستی کرا دی گئی اور چھت میں لوہے کے گرڈر جب ہی  
 ڈالے گئے۔ غور میں گر جا کے گنبد پر بجائے کلس کے ایک بڑا بھاری  
 گولہ تانبے کے پتر کا تھا اور اس پر صلیب بنی ہوئی تھی اس کا تو گولیوں سے  
 ستھر اڑ کر دیا ناچار اسے اتارنا پڑا اور اس کی جگہ دوسرا گولہ چڑھا دیا گیا۔  
 یہ گولہ اب گر جا کے صحن میں ایک چبوترے پر بطور یادگار کے رکھ دیا گیا ہے  
 جس میں (۷۹) سوراخ گولیوں کے ہیں اور صلیب میں (۱۴) سوراخ چبوترے  
 ہوئے ہیں۔ اس چبوترے پر یہ کتبہ بنگلہ انگریزی لگا ہوا ہے :-

This Cross Ball which former  
 by crowned the adjacent church  
 remained unmoved throughout  
 the stress and storm of the siege of Delhi.

When the Church was repaired they were removed and placed here in 1883, by the Rev. H.W. Griffith, M.A. Chaplain.

(ترجمہ) یہ صلیب اور گولہ جو پہلے لمحہ گرجا کی چوٹی پر تھا۔ دہلی کے محاصرے کے سارے شدید طوفان کے زمانے میں اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ گرجا کی مرمت کے وقت ۱۸۸۳ء میں انھیں ریورنڈ۔ ایچ۔ ڈبلیو گریفیٹھ صاحب ایم۔ اے پادری نے یہاں اُتر دیا کر رکھوا دیا۔

The peal of 4 Bells in this belfry was presented to Saint James Church, Delhi, By Stanley Edgar Skinner 1st (B.Y.O.) Lancers "Skinner's Horse" and Alice Georgiana Skinner grandchildren of the late Colonel James Skinner C.B. by whom this Church was built. 1902

(ترجمہ) اس مٹی سے کے چار گھنٹے سٹینلی ایڈگار سکینر فرسٹ (ڈی۔ یو۔ او۔) لانسیرس "سکینر ہارس" اور ایلس جارجینا سکینر جو مرحوم کرنل جیمس سکینر۔ سی۔ بی۔ اس گرجا کے بانی کے پوتے (پوتیوں) نے ۱۹۰۲ء میں سینٹ جیمس گرجا واقع دہلی کو نذر دیئے۔

گرجا کے صحن میں مغرب کی طرف سڑک کے رخ پر سسٹر مسٹر فریڈرک کی قبر ۱۸۳۵ء میں قتل ہوئے۔ جن کا مفصل ذکر ہندو راؤ کے مکان کے ضمن میں آیا ہے۔ یہ قبر سنگ مرمر کی ہو جس پر دو شیر بٹھائے گئے تھے اور

قبر کے گرد آہنی کھڑا تھا یہ قبر بھی فریڈرک صاحب کے دوست کرنل سکینر صاحب نے بنوائی تھی۔ غدر میں کھڑا دھڑا سب توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا اور سنگ مرمر

کے ستون جو لیدنر مدتوں تک بکھرے پڑے تھے وہ غالباً اسی قبر کے  
رہتے ہوں گے اب اس قبر پر انگریزی کے دو کتبے حسب ذیل ہیں :-  
*Sacred to the Memory of William  
Fraser Esquire Late Commissioner and  
Agent to the Lieutenant Governor, at  
Delhi and a Local Major of Skinner's Horse,  
Cruelly murdered by an assassin  
22<sup>nd</sup> March 1835.*

تیسرا کتبہ

(ترجمہ) یادگار مقدس ولیم فریزر صاحب کشنر و ایجنٹ لفٹنٹ گورنر ہندوستان دہلی  
اور مقامی میجر سکندر ہارس کے ۲۲ مارچ ۱۸۳۵ء کو بے رحمی سے ایک  
قاتل کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے۔

*The remains interred beneath this  
Monument were once animated, by  
a brave and sincere a Soul, as was ever vouch-  
safed by his Creator. A brother in friend-  
ship, has caused it to be erected, that when  
his own frame is dust, it may remain as a  
Memorial for those who can participate  
in lamenting the sudden and melancholy  
loss of one dear to him as life.*

چوتھا کتبہ

*William Fraser. Died 22<sup>nd</sup> March 1835*

— ۰ ۰ ۰ —

(ترجمہ) اس یادگار کے نیچے اس شخص کی خاک ہو جس کے جسدِ خاکی میں خالق نے  
ایسی ایک روح و ولایت کی تھی جو شاید ہی کسی کو دی گئی ہو۔ ایک بھائی  
نے با د اسے حق دوستی یہ (یادگار) بنوائی ہو کہ جب خود اس کا اپنا جسدِ خاک

ہو جائے تو یہ ایک یادگار اُن لوگوں کے لیے باقی رہے جو ایک ایسے شخص کے اچانک اور رنج وہ نقصان میں جو اُسے جان سے بھی زیادہ عزیز تھا شرکت رکھتے ہیں۔ ولیم فریزر۔ تاریخ وفات ۲۲ مارچ ۱۸۳۵ء

**یادگار مقتولین غدر**

۱۸۵۷ء

ایک خوب صورت اور مشین صلیب بہ یادگار

مقتولین غدر گھڑی کی گئی ہے۔ اس صلیب کے چاروں طرف انگریزی۔ فارسی۔ عربی۔ ہندی میں ایک ہی کتبہ ہے جس کی نقل نیچے آتی ہے۔ اس میں مسٹر برسٹروڈ نیچر دتی بنک کے سارے کا سارا خاندان میٹھی نیند سو رہا تھا اور مسٹر کالرن بھی یہیں ہیں غرض سب پچیس نفر مظلومین مقتولین کی نہایت الم ناک یادگار ہے۔ باغیوں نے چُن چُن کر جہاں جو انگریز ملا مارا لیکن تاہم بعض رحم دل خدا کے بندے ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنی جان پر کھیل کر انگریزوں کو پناہ دی۔ مسٹر ہرن نے جو اپنی کتاب کے صفحہ ۴۴ پر لکھا ہے کہ ایک میم کو ۱۹ اگست تک چھپا رکھا اور اسی تاریخ اُسے برٹش کیمپ میں پونجا دیا یہ ذکر مسٹر لین کا ہے جن کی جان راقم کے نانا مولوی عبدالقادر صاحب نے بچائی تھی اور کئی ہینے تک اُن کو اپنے گھر میں چھپا رکھا اور اُن کے زخموں کی مرہم پٹی کی اور اپنی جان چلی پر دھڑکے ان کو انگریزی کیمپ میں پونجا دیا۔

Sacred to the Memory of (انگریزی) **صلیب پر کا کتبہ**  
those who were murdered at  
Delhi in May MDCCCLBII  
and in gratitude to GOD for the  
mercy in having spared a  
remnant of his people to erect  
the Cross. Psalm CXXXII



اس صلیبی یادگار کے نیچے چوترے کی وہ پر ایک کتبہ اُن لوگوں کے نام کا ہے جو برسفرڈ صاحب کے خاندان کے ارے گئے یعنی اُن کے صرف نام کنندہ کر دیئے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں :- جارج برسفرڈ - سارا برسفرڈ - ریڈیکٹا برسفرڈ - شارلٹ برسفرڈ - ایگنیش برسفرڈ - کیتھرین برسفرڈ - (فارسی) بیادگاری آں نصرانیاں کہ باہ مئی در سنہ یک ہزار و ہشت صد و پنجاہ و ہفت عیسوی در وہی بظلم قتل شدند و بشکرگزاری از دوقالی کہ چند از ہندوگان خود را از راہ رحم نگداشت این صلیب تیار کردند۔ زبور ۱۲۶ (عربی) هَذَا التَّذْكِرَةُ النَّصَارَى الَّذِينَ قُتِلُوا فِي شَهْرِ مِنْ سَنَةِ سَبْعٍ وَخَمْسِينَ بِأَلْفٍ وَثَمَانٍ مِائَةٍ فِي الْمَدِينَةِ هَلْ وَالشُّكْرِ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ لَنَا آيَةً قَبْلَكَ مِنْ عِبَادِهِ فَبَنَيْنَا هَذَا الصَّلِيبَ - رَبُّنَا إِلَهًا

طبرستان مشکاف کی قبر

1002

گرجا کے شمال و مشرق کے کونے میں چٹانیں  
تھیں فیلس مرٹکاف بارٹ۔ بی۔ سی۔ ایس کی  
قبر سر تا پا سنگ مرمر کی بنی ہوئی، جو سورج  
یا فیلس مرٹکاف کے والد تھے اور آخر الذکر  
ممبر ٹریٹ تھے۔ جن کی جان بڑی مشکل سے  
انھیں سنگ مرمر کا جالی دار کٹھنرا ہو۔

۱۸۲۵ء میں سرچارلس تھامپلس بیرن ٹکاف ۱۸۲۵ء میں ٹکاف میں پیدا ہوا۔ اس کی بی بی کی خدمت میں ۱۸۲۵ء میں داخل ہوئے۔ ۱۸۲۵ء اور ۱۸۲۶ء کے مقابلے میں جھنگ، ۱۸۲۵ء میں ہوئی تھی اس میں ٹکاف کے لشکر کے ساتھ یہ پولیٹیکل آفیسر تھے اور ٹکاف میں گولہ باری کے وقت تفصیل کے ٹکاف پر سب سے پہلے ہی پڑے۔ ۱۸۲۶ء میں بہاولپور کے ریڈیٹ کے دو گار تھے۔ ۱۸۲۶ء میں رنجیت سنگھ کے پاس سفیر بنا کر بھیجے گئے۔ ۱۸۲۶ء میں دلی کے ریڈیٹ رہے اور دوبارہ ۱۸۲۵ء میں پھر ریڈیٹ بنے۔ ۱۸۲۶ء میں امرتسر کے گورنر رہے ۱۸۲۶ء میں

تسایم مقام گور در جنرل :- ۳۸-۳۹ء میں لٹنٹ گور درہاک مغربی و شمالی گور درجیہ ۶۲-۱۸۳۹ء - گور در جنرل کنیڈا ۵-۱۸۳۳ء - ۱۸۳۵ء میں درہاک اور گور در گئے اور ۱۸۴۷ء میں انتقال کیا شکات صاحب کے خاندان کے تعلق رکھتے تھے۔ زیادہ سبب :- ”مستفاد ہوؤں کے ہائی انجین کے پورے مہمان“ :-

یہ وہی کٹھرا ہے جس کا ذکر قطب صاحب کی درگاہ کے بیان میں نوابان جمہور کے ضمن میں آیا ہے۔ یعنی یہ تعویذ مع کٹھرا سارے کا سارا جمہور والوں نے اپنی ہڑواؤں کے لیے خریدا تھا لیکن غدر ۱۸۵۴ء کے ہنگامے میں معاملہ کچھ ایسا رہا کہ ہم بدھم ہو کہ مسلمان کی قبر کا تعویذ ایک انگریز کی قبر پر لگا دیا گیا۔ اس پر یہ کتبہ خطا گاہ بنی ہے۔  
*Here rests the body of Sir Thomas Theophilus Metcalf Bart Bengal Civil Service. Died the 3<sup>rd</sup> of November 1853. Aged 58.*

ترجمہ یہ مرقد سہ طاس تھیافیلس مٹکاف بارٹ بنگال سول سروس کا ہے (جنہوں نے ۲۳ نومبر ۱۸۵۳ء میں بمبر ۵۸ء (سال) انتقال کیا۔  
**خاندان سکسز کی ہڑوار** | اگر جاہی کے اعلیٰ میں سکسز صاحب کے خاندان کی ہڑوار ہے۔ جس میں کئی نہایت نفیس قبریں سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہیں۔ اطراف آہنی جنگلا لگا ہوا ہے۔

اس کے اعلیٰ کی منڈیر میں یہ کتبہ ہے:  
*The Sepulchral family vault and Monument of the "Skinner Family" allotted by the Lord Bishop of Calcutta and Metropolitan in India; agreeably to his Lordship's Faculty.  
 Dated 12<sup>th</sup> March 1856.*

ترجمہ یہ ہڑوار خاندان سکسز کی کلکتہ کے لارڈ بشپ اور ٹاک ہند کے سرطوبالیشن نے حسب اقتدار حاصلہ خود ۱۲ مارچ ۱۸۵۶ء کو مقرر کی۔ کٹھرے کے پاس ایک بہت خوب صورت زمانائی قبر سنگ مرمر کی بڑی شان دار بنی ہوئی ہے۔

سردار بہو کی قبر  
یہ قبر ایلس مینی - انگلینڈر سکس کی زوجہ کی ہے جنہوں نے  
۲۳ جنوری ۱۸۸۴ء کو ۳۲ سال کی عمر میں انتقال کیا۔  
اس پر کی انگریزی اور اردو نظم بہت دل چسپ ہونے سے  
نقل کر دی گئی۔

Deeply regretted by all  
"The Lord gave and the Lord hath taken  
away, blessed be the name of God" Job. 1. 21.  
Where the silent willow weeps  
A friend, a wife, a mother sleeps  
Her infant image here below  
Sits smiling at her father's woe  
This Memorial is erected by her  
disconsolate husband 1884

ترجمہ سب کو نہایت رنج ہوا۔ "خدا ہی نے دیا اور خدا ہی نے لے لیا۔  
مبارک ہو خدا کا نام۔ جو ب (۱)۔ (۲۱) "جس مقام پر کہ خاموش و تور یک قسم  
کی جنگلی جھاڑی (رور ہی ہے۔ اس مقام پر) ایک دوست۔ ایک بیوی۔ ایک  
ماں (خواب غفلت میں) سو رہی ہے۔ اس کی چھوٹی سی شکل جو اس کے پیچھے  
ہے اپنے باپ کے غم (داندوہ) کو دیکھ (دیکھ) سکا رہی ہے۔ یہ یادگار (موت  
کے) بے قرار شوہر نے ۱۸۸۴ء میں بنوائی۔

اشعار دو  
گد بانوے اسکنر لکٹ پڑا کہ  
سردار بہو خطاب ایلس مینی  
در بہت رسوم و جنوری کی شب  
بگزیہ طسوی عیسوی بہر نجات  
صدیف کا از قضای یافت وفات  
بہرہ حمد و شتاد و حکیم از سخبات

جس نے دیکھی تیرے گدا ئی کی  
جس نے سینہ کیا نہ صاف اپنا  
اُس کو خواہش نہ باد شاہی کی  
اُس نے کیا خاک پار سائی کی

کارینگی سے درگزر مست کر اس میں جو ہو ر ضا الہی کی  
اس سے بہتر ہو سکندر تیرا نکلے دم یاد میں الہی کی  
انگریزوں کی ساری قبروں پر کتبے بالالتزام ہوتے ہیں۔ اور قبریں بھی  
اسی احاطے میں اور اس کے باہر بھی ہیں مگر چوں کہ ان میں کوئی خاص بات  
نہ تھی ہم نے ان کو چھوڑ دیا۔ سکندر صاحب کا خاندان دہلی میں الگ صاحب  
والوں کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی مستورات میں سے اکثر پیر و اسلام  
اوپا بند صوم و صلوة تھیں اور بعض تیر بٹیر کچھ ادھر کچھ ادھر غرض یہ خاندان  
عیسائیت اور اسلام کی ایک عمدہ معجون مرکب تھی۔ جن سے بہت سے  
کار خیر ہوئے۔ اب بھی اس خاندان کے چند ممبر ہیں جو پیر و اسلام ہیں۔

**ملحقہ مکانات** اگر جا کے پیچھے جو مکانات ہیں وہ سو سو سو برس کے ادھر  
کے ہیں۔ سول کورٹ کے پاس والا مکان ۱۸۵۷ء میں

سمتہ صاحب کا مکان کہلاتا تھا جس میں غالباً مسٹر جارج ہنری سمتھ کلکٹر  
کشمیر سرد شمال مغرب رہتے تھے۔ اس مکان میں کئی تہ خانے ہیں۔

سینٹ جیمس کے مینج کے پاس دہلی گزٹ چھپتا تھا جس کے ایڈیٹر مسٹر  
پلیس اور نایب ایڈیٹر مسٹر وگین مسٹر سیمر Wagentreder تھے

اور ہیں سے ڈاکیمنٹس یا انڈین پریس بھی نکلتا تھا۔ اس مکان کے  
سامنے جو کھلا ہوا ٹکڑا اسامی کا ہے وہ رزیدنسی کا باغ تھا جس میں گورنمنٹ

کلج اور اب ڈسٹرکٹ بورڈ سکول ہے۔ کشمیری دروازے سے جہاں  
نیا وہ قریب مکان ہے اس میں میجر فلڈ ایر کٹر تعلیمات عامہ رہتے تھے۔ کرنل سکندر کا

مکان وہ تھا جس میں دنوں بنگال بینک تھا۔ اب یہ مکان ای آئی آر والوں نے  
لے لیا ہے۔ اب جہاں سینٹ سیفنز کلج ہے اس کے پیچھے احمد علی خاں کا

مکان تھا جس کی جگہ اب چھوٹے چھوٹے کئی مکانات بن گئے ہیں لیکن خدر کے  
بعد کچھ دنوں یہاں فوج کی بارکیں تھیں۔ یہاں پہلے سڑک کو بہت گھاؤ دینا پڑا

تھا کہ ۱۸۵۷ء میں ہمیں کمپنی کے چیف جج کے رہنے کا مکان تھا لیکن  
ایام خد میں اس مکان میں مسٹر رابرٹس گورنمنٹ کلج کے ہیڈ ماسٹر رہتے تھے

## سینٹ سٹیفن کالج

۱۸۹۰ء

آتا بڑا شہر اور سرکاری کالج نذر وجود قدیم کالج تھا  
وہ ۱۸۷۷ء میں توڑ دیا گیا۔ ضرورت تعلیم کی مسلم  
تہی ۱۸۹۰ء میں یہ سن کالج قائم ہوا جس کا بنیادی  
پتھر سردار جان الیٹ کے قیام میں - آئی نے

رکھا اور ۱۸۹۱ء میں پنجاب کے لفٹنٹ گورنر سر جیمس لایبل صاحب بالقاب نے  
افتتاح فرمایا۔ یہ کالج ریورند آلنٹ صاحب پادری نے بڑی کوشش  
سے کئی ہزار روپیہ چندہ جمع کر کے بنوایا ہے۔ اور خوب چل رہا ہے اس کے  
متعلق بورڈنگ ہٹوس بھی ہو اور کالج کی بڑی عمارت رومنز نہایت خوش وضع  
اور سنگین کشمیری دروازے کے پاس لب سڑک ہے۔ مدتوں آلنٹ صاحب  
خود پرنسپل رہے پھر پادری ایف سی اینڈ روتھ پرنسپل رہے اب پادری  
رور صاحب ایم۔ اے پرنسپل ہے۔ اس کالج کے متعلق شہر میں کئی  
برینچ سکول ہیں جن میں کثرت سے لڑکے پڑھتے ہیں۔ مسلمانوں میں ظاہری  
ٹیم ٹام بہت ہو ان کا کوئی کالج نہیں۔

گزر طلبی سخن دریں ست

گر جاں طلبی مضائقہ نیست

جناب حکیم محمد اجل خاں صاحب حافظ الملک بہادر کچھ لوگوں کو ابھار رہے  
ہیں مگر ہنوز روز اول ہے۔

چندے کی اُس سے آرزو اتجا کروں  
یا چپ رہے کہیں اُس سے بیٹھے بجا کروں  
میں خضر تو نہیں کہ ہمیشہ جیا کروں  
محفل میں شہر و شیوے ماتم بجا کروں  
گر حال زار قوم پہ قصد بکا کروں  
تو ہو تصور واد تو کس کا گلہ کروں  
ناخن کہاں سے لاؤں کہ بھٹو داکروں

کالج ودر سے کے ہیاں کو کے فائد  
وہ یا تو چھوٹتے ہی ٹکسا جواب د  
یا وعدہ جو کہ تابقیامت و فساد ہو۔  
گر کہنے پاؤں قوم کی خانہ خرابیاں  
دیوار و در کو وجد ہو لگ جائیں بچکیاں  
ای قوم ہتری ہمت و غیرت کو کیا ہوا  
پر قوم ہا سے قوم پر مصداق مٹم و نکم  
ہندوؤں نے اپنا کالج مدتیں جوئیں کہ بنا بھی لیا اور ہم ابھی منصوبے ہی کاٹھ رہے

ہیں ہندوؤں نے یونیورسٹی بنالی اور ہم ابھی قواعد ہی بنا رہے ہیں۔ البتہ

حکیم صاحب مدوح کی آن تمک کوشش سے قروں باغ میں طبع کالج  
 بشک بھاری سکیل پر بڑی سرگرمی اور اعلیٰ پیمانے پر بن رہا ہے۔ اب رہا  
 اسلامیہ کالج اگر کبھی دیر سویر بنے گا بھی تو جناب حکیم صاحب ہی کی کوشش  
 سے بنے تو بنے ورنہ اور کسی کو نہ اس طرف توجہ ہو نہ شوق۔ حکیم صاحب تنہا  
 کیا کر سکتے ہیں۔ ایک سو راجا کیا بھاڑ کو پھوڑ سکتا ہے؟

سینٹ اسٹیفنز کالج کے صدر دروازے کے سامنے پوریچ (برآمدہ) پتہ  
 دروازہ و درمنزلہ اور بہت شان دار ہے جس کے دونوں جانب چوہیل برجیاں ہیں۔  
 اور بیچ میں ایک گھڑ پال لگی ہوئی ہے اور اس پر ایک صلیب بنی ہوئی ہے۔ اس کالج  
 کے صدر دروازے پر یہ کتبہ ہے:-

ADDIE GLORIAM

St: Stephen's College

محراب کی داہنی طرف۔ (اردو میں) اپنے سارے دل خداوند کریم پر  
 توکل کر اور اپنی سمجھ پر تکیہ مت کر اپنی ساری راہوں میں اس کا اقرار کر اور وہ تیری  
 رہنمائی کرے گا۔ محراب کی بائیں طرف خداوند کا خوف و اتارل، کاشد روع  
 ہو ان سب کی جو اس پر عمل کرتے ہیں ابھی سمجھ ہو اس کی ستائش ابد تک قائم ہے۔  
 روکار پر بائیں طرف۔ آؤ سب..... بوڑھے..... لے ہو۔ ناگری  
 کتبہ مٹ گیا۔ روکار پر داہنی طرف۔ جو ان لہنی... کس طرح... کہے

(ناگری) قیرے کلام کے مطابق پر خوب توجہ کرنے سے۔ دروازے کے بالکے پر شمال کی طرف مڑ کر تھی پتہ  
 To the glory of God and for the advance  
 ment of sound learning and religious  
 education.

St Stephen's College DELHI

This stone was laid by Sir Charles A. Elliot  
 K.C.S.I. on Friday April 11<sup>th</sup> 1890.

علم یہاں کچھ پانی چمکنے سے اڑ گیا ہے جس کے آخر کا صرف (ل) رہ گیا ہے۔ ۱۲

ترجمہ جیل و علی شانہ - تبحر علم کی ترقی اور مذہبی تعلیم کے لیے سینٹ سیٹیفرائج کالج  
 کاپسنگ (بنیاد) سہ چار س اے ایٹ کے سی ایس ای نے ربرون جیمز  
 اپیل برقی کیا۔ صوبہ سرحد کو - کہا - گر جا کے اندر ہال میں (جنوب کی طرف)  
 Jesus said. I am the light of the world  
 he that followeth me shall not walk  
 in darkness but shall have the  
 Light of Life

ترجمہ یسوع نے کہا کہ میں دنیا کی روشنی ہوں جو میری پیروی کرتا ہرودہ تاریکی میں  
 نہیں چلے گا بلکہ اُس کو زندگی کی روشنی ملے گی - ہال کے شمال کی طرف (اُردو میں)  
 یسوع نے کہا راہ اور جب وہ اپنی روح الحق آئیگی سچائی جانو گے اور  
 حق اور زندگی میں ہیں تو وہ ساری سچائی کی راہ بتائیگی سچائی تمہیں آزاد کرے گی  
 سائیں لیبارٹیری پر (سنگ مرمر کی تختی)  
 To the glory of God  
 and

For the advancement of Science  
 By

R. Humphreys Esq. J. C. S.  
 16<sup>th</sup> July 1907

ترجمہ جیل و علی شانہ - ترقی تعلیم سائیں کے لیے دیہ سنگ بنیاد ربرون جیمز  
 آئی سی ایس نے ۱۶ جولائی ۱۹۰۷ء کو - کہا -  
 کالج کے بلڈنگ سٹرک پار ایک عمدہ اور وسیع بورڈنگ ہاؤس بنانا تھا  
 جس کے دروازے کے ادھر ادھر دو برجیاں ہیں - بورڈنگ ہاؤس پر  
 سنگ مرمر کی تختی پر لکھتے ہو -

This wing of the Boarding House was projected  
 by The Reverend John W. T. Wright M. A. of the



Cambridge Mission, Professor in St. Stephen's College from 1883 and Principal from 1898 till his unexpected death, at Dalhousie Sept. 1902. It was erected in fulfilment of his purpose by his family and European friends in token of their affectionate regard.

ترجمہ۔ بورڈنگ ہوس کا یہ ضلع کیمبرج مشن کے پادری جان۔ ڈبلیو۔ ڈی رائٹ ایم۔ اے نے بڑھوایا۔ ۱۸۸۳ء میں سینٹ سٹیفنز کالج کے پروفیسر تھے اور ۱۸۹۸ء سے ان کی غیر متوقع وفات تک جو ڈالہوزی میں ستمبر ۱۹۰۲ء کو واقع ہوئی پرنسپل (بھی) رہے۔ یہ ضلع ان کے مقصود کی تکمیل کے لئے ان کے خاندان کے (لوگوں) اور یورپین اجاب نے (مرحوم کی محبت کے اظہار کی نشانی) (اس کے طور پر) بنوایا۔

کتب خانہ داراشکوہ گورنمنٹ کالج  
میونسپل بورڈ سکول

پائی اور مارا گیا۔ اس عمارت کے بڑے بڑے نہایت اعلیٰ اونچے کھلے درمیں جن کے بالائی حصے میں محنت بندی کر دی گئی تھی اس کے دروازے کے ستون پر ایک تختی پر یہ کتبہ بخط انگریزی لگا ہوا ہے:-

گورنمنٹ ہائی سکول  
سابقاً

۱۹۳۷

کتب خانہ داراشکوہ خلف شاہجاں

۱۶۳۹

مکان سکود علی مردان خاں مغل دیسراے پٹا

۱۸۰۳

سرڈیوڈ اختر لونی بارٹ کی ریزیڈنسی



گورنمنٹ کالج ۱۸۷۷-۱۸۸۰

مدرسہ ضلع ۱۸۸۶-۱۸۷۷

میونسپل بورڈ سکول ۱۸۸۶-۱۹۰۴

داراشکوہ کاتب خانہ گیا۔ علی مرداں خاں کا کچھ دخل نہ رہا۔ رزیڈنسی نہ رہی کالج کا پتہ نہیں سب جاجو کے ضلع کا مدرسہ تھا اب وہ بھی میونسپل بورڈ سکول رہ گیا۔ انٹرنس یعنی میٹرکیشن تک کی پڑھائی ہو آگے پڑھو تو مشن کالج میں جاتی یا ہندو کالج میں۔ لیکن ایک پرانا مقولہ ہے کہ ہسٹری ریڈیں اٹ سلف یعنی واقعات لٹا پڑا کرتے ہیں۔ کسے امید تھی کہ دلی یوں اُجاڑ ہو کر دارالسلطنت ہو جا گی تو کیا عجب ہو کہ دارالسلطنت کی پاس خاطر سے پھر گورنمنٹ کالج بھی بن جاتے حکام وقت کی توجہ شہر ہو۔ اگر ایک نگاہ کرم ادھر ہو جائے تو بس بیڑا پڑے گل چینی کے ہو اوروں کی طرف بلکہ شہر بھی اے ابر کرم بھر سنا کچھ تو ادھر بھی

**تار گھر** کلکتہ دروازے سے نصف میل کے قریب جو دلی کا قدیم ٹاک بنکلا تھا اور یہی نام پڑا نے لوگوں کی زبان پر اب تک چڑھا ہوا ہے اسی میں صدر تار گھر تھا۔ اسی کے سامنے ایک ستون اُن تار کے عہدہ داروں کی یادگار میں کھڑا کیا گیا ہے جو خد میں کام آئے۔ اور جس سے نیز اُن دو کم عمر سگندروں کی یاد تازہ کرنا مقصود ہے جو اُس معرکہ عظیم میں جب کہ موت سامنے کھڑی تھی ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے اور انہارے کو وہ مشہور پیغام تار برقی دوڑا دیا جس کی بدولت ملک پنجاب بال بال بچ گیا۔

**تحتی کے سامنے وار** Erected on the 19<sup>th</sup> April 1902 by the Members of the Telegraph Department to Commemorate the loyal and devoted services of the Delhi Telegraph Office Staff

on the eventful 11<sup>th</sup> May 1857. On that day two young signallers, William Brandish and J. W. Pilkington, remained on duty till ordered to leave, and by telegraphing to Amballa information of what was happening at Delhi, rendered invaluable service to the Punjab Government.

In the words of Sir Robert Montgomery:—  
"The electric telegraph has saved India".

ترجمہ ممبران محکمہ تار نے اُن خیر خواہانہ اور وفادارانہ خدمات کے انصرام کی یادگار میں بنائی جو دہلی تار برقی آفس کے سٹاٹ نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کے ہولناک دن کیں۔ اُس دن دونوں جوان سگنلر ولیم برنڈش اور جے ڈبلیو پیلکنگٹن جب تک اُن کو چلے جانے کا حکم نہیں دیا گیا اُس وقت تک وہ اپنی ڈیوٹی پر مستعد رہے۔ دہلی میں جو کچھ گزر رہا تھا ان واقعات کی اطلاع بذریعہ تار انہیں دینے سے انہوں نے پنجاب گورنمنٹ کی انمول خدمت گزاری کی۔ سربراہٹ منسٹری صاحب کے الفاظ یہ ہیں:— "تار برقی نے ہندوستان کو بچا لیا۔"

پچھلے وار | The Delhi Telegraph Office Staff  
on the 11<sup>th</sup> May 1857 consisted of the following:—  
Charles Todd, Assistant-in-Charge, Killed near Cable House, on left bank of river Jumna, on the morning of the above date, while endeavouring to restore telegraphic communication with Meerut.  
W. Brandish, Signaller, retired 1<sup>st</sup> Septem

ber 1896. J.W. Pilkington, Signaller, voluntarily returned to Telegraph Office from Staff Tower, and signalled despatch to Commander-in-Chief. Taken prisoner after doing so, but escaped. Died, Roorkee, 24<sup>th</sup> March 1867.

ترجمہ - ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو دہلی کے تار گھر میں یہ لوگ تھے :- ڈھارن شا ٹاڈ۔ اسسٹنٹ انچارج۔ جو جہان کے بائیں کنارے کیبل ہوس کے پاس اسی تاریخ صبح کو ایسی حالت میں مارے گئے کہ وہ میرٹھ سے تار گھر کا سلسلہ درست کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ ڈیلیو پورر ٹیڈش سگنلر۔ جو یکم ستمبر ۱۸۹۶ء میں پنشن لے کر سبک دوش ہوئے تھے۔ جے ڈیلیو۔ پلنگٹن سگنلر۔ جو سٹاف ٹور سے از خود تار گھر میں چلے آئے اور انھوں نے کامیوران چیف کو وہ مراسلہ تار پر روانہ کیا جس میں دہلی کے غدر کا حال تھا۔ اس کے بعد ہی ان کو رہائیوں نے پکڑ کر قید کر لیا لیکن پھر نکل بھاگے۔ رٹ کی میں ہم باپچ ۱۸۶۷ء کو وفات پائی۔

Dated 11<sup>th</sup> May 1857

We must leave office. All the bungalows are being burnt down by the sepoys of Meerut. They came in this morning. We are off, don't roll today. Mr G. Todd is dead - we think he went out this morning and has not returned yet. We heard that nine Europeans were killed. Good bye.

— ۰۰۰ —

ترجمہ مورخہ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء ہم کو آفس چھوڑنا ضرور ہے۔ میرٹھ کے سپاہی سارے ہنگلے جلا رہے ہیں۔ یہ لوگ آج صبح یہاں پہنچے۔ ہم جا رہے ہیں۔ آج گھنٹی نہ بجانا۔ ہمارا خیال ہے کہ مسٹر سی ٹاڈ مر گئے کیوں کہ آج صبح باہر گئے

غدر میں باغیوں کو یہ آسانی ایسی بڑی بڑی توہیں ہاتھ آگئیں جو کہ اپنے ساتھ کبھی نہ لاسکتے تھے۔ اب جہاں صدر ڈاک خانہ ہوا وہاں خانہ تھا جس کے پاس ہی بارود کا کوٹھا تھا اور اس میدان میں جہاں کہ بڑا آٹا مار گھر ہو یہیں توہیں رکھی جاتی تھیں۔ اس کے پیچھے اور دو چھوٹے میگزین تھے جن کو غدریں اپنی جان پر کھیل کر خود ان توہیا در انگریز سوراؤں نے اڑا کر ہلک پر اپنی جان قربان کر دی جن کی یاد گار کا کتبہ صدر دروازے پر لگا ہوا ہے۔ اب پڑانی ٹارٹ کا حصہ صرف یہی ایک دروازہ باقی رہ گیا ہے۔ یہیں دو دالان اس جگہ سے تھے جہاں کہ اب انگریزوں نے انجنیر کا آفس ہو جن میں مختلف قسم کا سٹور تھا۔ سڑک کی اس طرف جس پر پتھر کی فرشی تھی اور جس پر میگزین کی وجہ سے تھو یا چوٹ پینے کی سخت ہانفت تھی ورک شاپ تھی جس کے درپھاٹک میگزین کے احاطے کے سامنے ہی تھے۔ مکناپ کی پشت پر جو مقامات تھے وہ سارے کے سارے یار آگئے ہیں۔

On 11<sup>th</sup> May 1857

Nine resolute Englishmen | کتبہ

Lt. Geo. Dobree & Cloughby, Bengal Artillery  
In Command

Lieutenant William Raynor.

Conductor G. William Shaw.

Conductor John Scully.

Sergeant Bryan Edwards.

Lieutenant Geo. Forrest.

Conductor John Buckley.

Sub Conductor William Crow.

Sergeant Peter Stewart.

Defended the Magazine of Delhi for

more than four hours against large number of the rebels and mutineers, untill walls being scaled, and all hope of success gone, these brave men fired the Magazine. Five of the gallant band perished in the explosion, which at the same time destroyed many of the enemy.

This Tablet

Making the former entrance gate to the Magazine, is placed by the Govern-ment of India.

ترجمہ ارمی مشنہ کو۔ نوار ادے کے مستقل انگریزوں۔ لفٹنٹ جارج۔  
ڈوبری دیوبی۔ توپ خانہ جنگال۔ کی کمان میں لفٹنٹ ولیم رینار۔ کنڈ کسٹری  
ولیم شا۔ کنڈ کسٹری جان سکلی۔ سارجنٹ بریان ایڈورڈز۔ لفٹنٹ جارج سٹیف  
کنڈ کسٹری جان سکلی۔ سب کنڈ کسٹری ولیم کرو۔ سارجنٹ پیٹر سٹیوارٹ نے  
دہلی کے میگزین کو بلوائیوں اور باغیوں کے جم غفیر کے مقابلے میں چار گھنٹے  
سے اوپر سنبھالے رہے لیکن جب کہ باغی سیرھیاں لگا لگا کر دیواروں پر  
چڑھنے لگے اور اسلحہ کی اور کوئی امید باقی نہ رہی تو ان بہادروں نے میگزین پر  
بھونک دیا۔ جس دھماکے میں اس بہادر گروہ کے پانچ آدمی ہلاک ہوئے  
لیکن ساتھ ہی اس کے دشمنوں کے بھی بہت سے آدمی برباد ہوئے۔  
یہ تختی قدیم میگزین کے دروازے پر اس جگہ سرکار انگریزی نے نصب کرائی ہو۔  
صدر ڈاک خانے کے احاطے سے جانب جنوب ہوا  
انگریزوں کی سب سے پہلا اور پرانا قبرستان جو مشنہ  
میں چھوڑ دیا گیا اور نیا قبرستان تعمیر دروازے  
کے باہر بنایا گیا۔ پرانے قبرستان میں دو قبریں  
خاص ذکر کے قابل ہیں ایک طاس ٹون کی ہی جس کے

انگریزوں کی سب سے  
پرانا قبرستان

کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر صاحب نے بنوائی تھی اور اس پر ایک سائبان بھی ہے۔ دوسری لفٹ رنیا رکے چھوٹے بچے کی ہے۔ یہ وہی رنیا صاحب ہیں جو میگزین کی حفاظت میں جان پر کھیل گئے۔

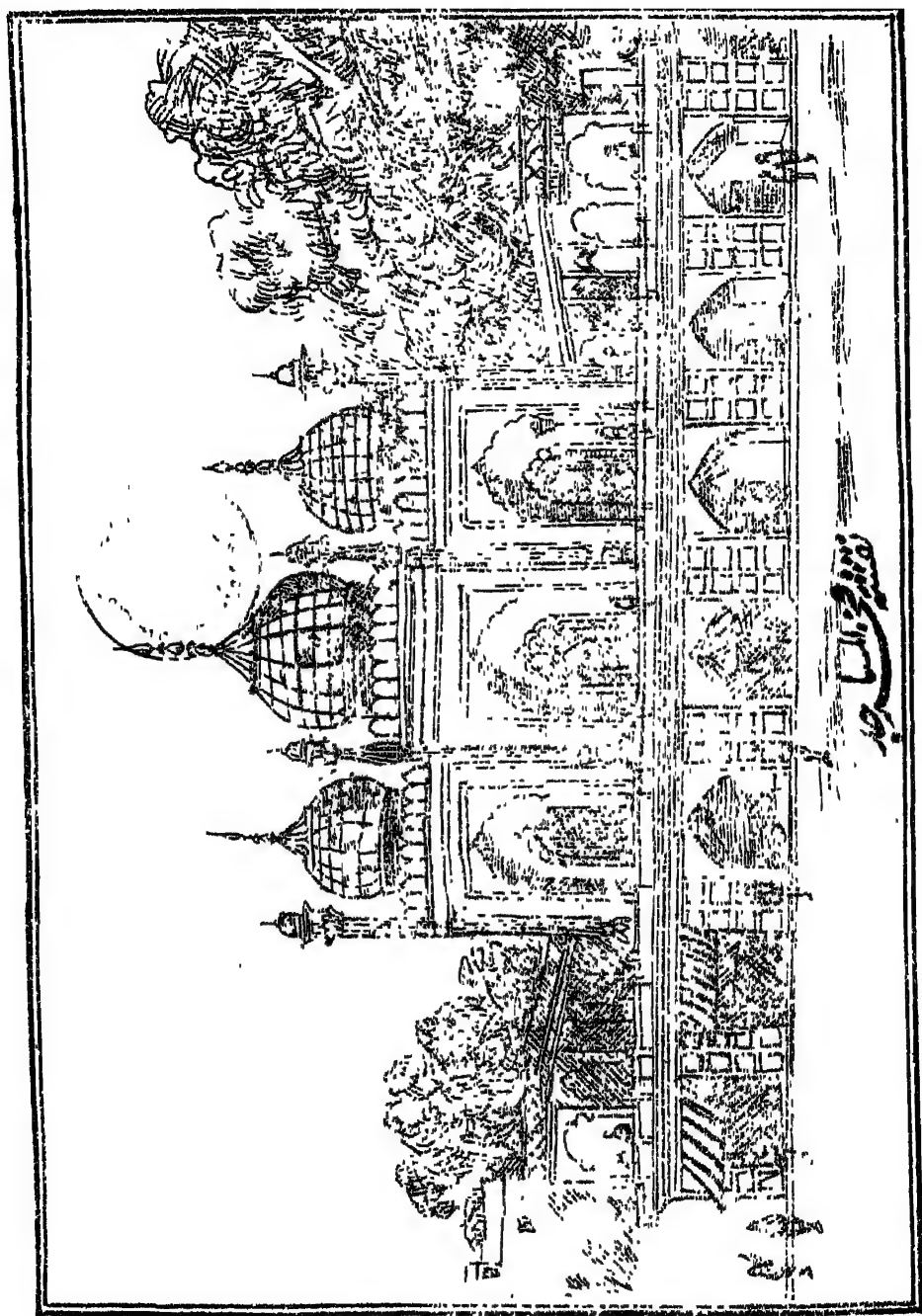
کشمیری دروازے سے سڑک نصیر گنج جو کشمیری دروازہ بازار شہر ہے

### ہیملٹن روڈ تک

اس سڑک کے ابتدائی حصے پر داہنی جانب کچھ یورپین تجارت کی دکانیں ہیں فخر الماسا ہندو کلچر - مسجد پاتی پتیاں ہیں۔ بائیں طرف نواب حامد علی خاں صاحب کا بیت بڑا بھاری امام باڑہ ہے جس میں اب محمد مصطفیٰ محمد یوسف کا گاڑی کا بیت بڑا کارخانہ ہے۔ یہ امام باڑہ شہر میں سب سے بڑا ہے۔ کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ ہر ویان سنگہ والوں کے قبضے میں کیسے آیا کرتے ہیں کہ انھوں نے پچاس ہزار کو خرید لیا۔ یہ عمارت ایسی بختہ عالی شان شاہی زمانے کی بنی ہوئی ہے اور ایسے وسیع احاطے کے اندر ہے کہ پچاس ہزار تو اس پر سے بچھا کر دیئے جائیں۔ بیچنے والوں کی خدا جانے ایسی کیا مجبوری تھی کہ کوڑیوں کے مول دے دیا۔ بڑے کشادہ کوئی ملازہ والا ان اور شہ نشین سے دریاں جو ترے ہیں کہ باید و شاید۔ ہالوں کی چھتوں پر نقاشی کا ایسا نفیس کام ہے کہ جس کا جواب نہیں یہ امام باڑہ کھنڈ کے حسین آباد کے مشہور امام باڑے کی وضع قطع کا ہے مگر اب تو بالکل ویران اور تباہ حالت میں ہے۔ اور آخر میں پولیس سٹیشن ہے۔ داہنی طرف۔ ٹامس لک اینڈ سنز سا ہوکار۔ وایجنٹ مسافران بحری و بری۔ بابل جہری۔ ہیملٹن اینڈ کو جوہری۔ یو بی اے اینڈ سنز۔ فلیس اینڈ کو۔ جاپان فین آرٹس (عجائبات) جے بی نارٹن اینڈ سنز۔ لمیٹڈ کنسلٹنگ انجینیر حفظان صحت۔ والٹر لاک اینڈ کمپنی اسلمہ سسٹمز۔ سسٹم سوکیتی مٹھائی سار۔ جس کے اوپر ڈاک خانہ اور تار گھر ہے۔ کیونٹر علی کے گھن فروشش یہ مکان فخر المساجد کا ہے جس کی بالائی منزل پر ریا بشاہ۔ وقف متعلقہ فخر المساجد (۱۳۳۳ھ) لکھا ہوا ہے۔ ہندو کلچر۔ گلی سوچی والی۔







مسجد جامع



اد پر طبع کے کلس ہیں۔ فرش اندرون دالان مسجد سنگ مرمر کا ہے اور مصلوں پر سنگ مرمر کی تحریر ہے۔ فرش زمین سے ۴۰ تا ۵۰ انچ تک دیواروں میں سنگ مرمر لگا ہوا ہے اس سے اد پر بھو را پتھر ہے۔ مسجد کی بچھیت کی دیوار میں ممبر کے پاس جو سنگ مرمر کا ہے ایک دس فیٹ اونچی دیوار دوڑ محراب ہے۔ گنبدوں کے اندر پلاستر ہے۔ مسجد کی بائیں طرف کی دیوار میں ایک دروازہ ہے اور سیدھی طرف تالا کے رہنے کی ایک کوٹھڑی ہے۔ شمع کے غدر میں چوں کہ کشمیری دروازہ بڑا معرکہ تھا اور یہ مسجد وہیں قریب میں ہے گولوں کی زد سے یہ بھی نہ بچ سکی۔ بائیں جانب کی دیوار اور اُدھر ہی کے دالان گولوں کی بھر مار سے نقصان پہنچا اور شمال مشرق کے جانب کی مینار کی بُرجی بھی شکستہ ہو گئی جسے ٹوہے کی ٹانگی لگا کر جوڑ دیا ہے۔ مسجد کا صدر دروازہ شمال و مشرق کے کونے میں ہے۔ کل آٹھ سیڑھیاں ہیں جن میں سے کچھ سیڑھیاں دروازے کی چھت کے اندر بھی آگئی ہیں۔ مسجد کے دروازے پر ”مختر المساجد“ اور بیچ کی محراب کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے :-

خان دیں بہ در شجاعت خان بخت یافت  
بارضای حق تعالیٰ از طفیل مرتضیٰ  
صدر خاتوناں کنیز فاطمہ فخر جہاں  
یادگار ش ساخت این مسجد فیصل مصطفیٰ

مسجد کے شمال میں ایک نئی عالی شان دو مندر عمارت ۱۸۷۱ء  
طرز جدید کی بنا دی ہے جس پر ”الوقف کا بینات“ لکھا ہوا ہے نیچے دکان میں علی گڑھ  
کی کھن کی دکان کیونٹر (Caventer Aligarh Diary) ہے  
جس کا ستر روپیہ بابائے کرایہ آتا ہے۔

سینٹ اسٹیفنز کالج کے مخاز میں ایک وسیع کوٹھی میں کالج  
ہو جو ہندو صاحبوں کی عالی ہمت کی زندہ یادگار ہے۔ کوٹھی کے دروازے پر  
Hindu College Established 1899.

ہندو کالج  
۱۸۹۹ء

لکھا ہوا ہے (ہندو کالج جس کی بنیاد ۱۸۹۹ء میں ہوئی) یہ مکان  
کالج کے واسطے بنایا نہیں گیا بلکہ یہ کوٹھی دراصل کرل سکندر صاحب کی حق ان سے  
الان سلطان سنگھ صاحب نے خرید کر کالج کے ہاتھ فروخت کر دی۔ اس کے

احاطے میں ایک بیس در کا نہایت نفیس بورڈنگ ہوٹس بنا ہوا ہے جس میں چار بڑے بڑے کشادہ کمرے ہیں جن میں بورڈر رہتے ہیں۔ اس کے روکار پر یہ کتبہ ہے۔  
**Sri Ram Ashram. Built by the sons of the late Diwan of Alwar 1917**  
 ترجمہ سری رام آشرم (جس کو) متوفی دیوان الور کے صاحب زادوں نے ۱۹۱۷ء میں بنوایا۔

## مسجد بانی پتیاں

۱۱۳۸ھ  
 ۶۱۷۲۵-۲۶

یہ مسجد کشمیری دروازے۔ فخر المساجد اور ہندو کلچ کے پاس نصیر گنج کی سڑک پر ہے۔ یہ مسجد پہلے ایک احاطے کے اندر تھی جس کے اندر کئی کچے مکان اسی مسجد کے متعلق تھے۔ اہل مسجد تین در کی لداؤ کی ہے۔ شمال و جنوب کے والان کراے پر چلتے تھے۔ یہ مسجد لطف اللہ خاں صادق کی بنائی ہوئی ہے چنانچہ پیش طاق پر مسجد لطف اللہ خاں صادق لکندہ ہے۔ اس مسجد کی یہ حالت جو اب ہم اوپر لکھ آئے ہیں بالکل نہیں رہی بلکہ نہایت وسیع اور شان دار دو منزلہ دو مزارعہ عمارت صحن مسجد کے گرد بن گئی ہیں اور ابھی تعمیر جاری ہے مولوی محمد امین الدین صاحب جنہوں نے تن من دھن سب خدا کی راہ میں لگا دیا ہے چندے سے بنوا رہے ہیں۔ میں مسجد کو دیکھ کر حیرت میں رہ گیا کہ الہ اکبر دہلی میں بھی ایسی بھرے۔ اس کا بہت بڑا عالی شان دروازہ جس پر سہ دری کا ہنگل ہے دیکھ کر ہی دل باغ باغ ہو جاتا ہے اندر جاؤ تو کچھ عجیب نظر رہا ہے یہ دروازہ دھرا ہے بیرونی دروازے اور اندرونی دروازے کے بیچ میں لداؤی ڈیوڑھی ہے جس کے داہنے بائیں ایک ایک سہ دری ہے۔ اندر ابھی پرانی مسجد اصلی حالت میں کھڑی ہے جو بالکل معمولی ہے پیش طاق کے اوپر ادھر دو در ہیں چھت سپاٹ لداؤ کی اوپر کنگو را اور دونوں طرف چھوٹی چھوٹی چناریں ہیں۔ اسے ابھی بانٹھ نہیں لگایا ابھی شمالی اور چند والان دو منزلہ بنے ہوئے ہیں۔ شمال کی طرف والان میں دو منزلہ مساجد حجرے طلباء کے رہنے کے ہیں جس کے دونوں طرف زمینے اور سہ منزلہ پر ایک تین در کا کمرہ بنا ہوا ہے اور اسی طرح کا



## دہلی طرف پاکھے پر

تاریخ آغاز قیام مدرسہ امینیہ عربیہ دہلی

نہادہ طرح باغ علم و عرفان  
بنا شد مدرسہ اخلاص عنوان  
سن تاسیس ادجستند یاراں  
کہ تا رہ بخش بگو گلزار رضواں  
۱۳۱۵ھ

امین الدین بزمین فضل بڑداں  
بڑمڈیں مسجدے فرخندہ جاے  
چوں شد مہمور گنج و علم و حکمت  
رسید المام حق بکفایت اللہ

## بائیں طرف پاکھے پر

تاریخ تعمیر جدید مدرسہ امینیہ عربیہ دہلی

عطا فرمود حق از روئے احساں  
مثال گنبد خضر اش بنیاں  
لوحہ اللہ وقفست این دبستان  
بخواں در حق طلب کن امن بایاں

سپس این نغز و فرخندہ مقاش  
ببذل ہمت اہل کرم شد  
قبولش کن خداوند ابرحمت  
بارخش نغزین علم و گیاست  
۱۳۲۷ھ

## مدرسہ امینیہ

اس مدرسہ کو مولوی محمد امین الدین صاحب (اورنگ آباد کن) نے  
چندے سے سنہری مسجد واقع چاندنی چوک میں جاری کیا۔

مولوی محمد امین الدین صاحب کن سے ۱۳۰۸ھ میں دیوبند آئے اور وہاں فارغ التحصیل  
ہو کر ۱۳۱۱ھ میں دہلی آئے اور ۱۳۱۲ھ میں اس مدرسہ کو کھولا۔ اس مدرسہ میں علوم دینیہ  
اور جملہ علوم دنیویہ کی تکمیل نصاب نظامیہ کے موافق کی جاتی ہے۔ عربی علم ادب۔ حدیث شریف  
تفسیر فقہ وغیرہ سب مضامین داخل کورس میں علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ حصول معاش  
کی غرض سے پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات مولوی فاضل و نشی فاضل وغیرہ کے لئے بھی طلباء طلبات  
کئے جاتے ہیں۔ یہاں کے طلباء زبان عربی کی نوشت و خواند اور تقریر پر بخوبی قادر ہوتے ہیں۔ مولوی تاج محمد  
صاحب مرحوم بھی یہاں کے بعض طلباء کو علم ادب پڑھانے کے لئے خاص طور پر کچھ وقت دیا کرتے تھے۔  
اس مدرسہ کے طلباء گورنمنٹ کے مدارس میں بھی لئے جاتے ہیں۔ اس مدرسہ کے  
صدر مدرس مفتی مولوی کفایت اللہ صاحب شاہجہاں پوری تعلیم یافتہ  
دیوبند ایک بڑے محدث فقیہ اور ادیب ہیں اور آپ کے علاوہ اور

کئی تنخواہ یاب اور بلا تنخواہ کے علمائے جید زمرہ مدرسین میں شامل ہیں۔ جو صاحب تنخواہ پاتے ہیں وہ براہ نام صرف حقیقی ضرورتوں کے بقدر لے لیتے ہیں۔ ورنہ ان صاحبوں کے علمی تہجد اور خدمات کے اعتبار سے کہنا بڑا سہجہ ہے کہ ع - ذرخ بالا کن کہ اردانی ہنوز۔ طلباء کی کثرت کی وجہ سے یہ مدرسہ تین سال ہوئے کہ بسنہری مسجد واقع چاندنی چوک سے مسجد پانی پتیاں میں منتقل کیا گیا اب صرف تعلیم قرآن کا مدرسہ بسنہری مسجد میں رہ گیا ہے اس مسجد کی تولیت بھی مولوی امین الدین صاحب کے سپرد ہے۔ مدرسہ کا حساب کتاب بالکل باقاعدہ اور اعلیٰ ان بخش حالت میں ہے۔ سالانہ رپورٹیں شایع ہوتی ہیں۔ تعداد طلباء ۱۷۶۱ برسے رپورٹ ۱۳۳۵ھ میں عربی خواں (۱۲۹۵) فارسی خواں (۲۶) قرآن خواں (۲۱) طلباء مختلف دیار و اصناف کے ہیں۔ آمدنی چندے کی گھنٹی بڑھتی رہتی ہے جس کا اوسط پانسو روپیہ ماہانہ ہے اور خرچ بھی اسی کے لگ بھگ ہے۔ یہاں سارے ملک ہند سے فقیہ آتے رہتے ہیں اور ان کے جوابات باقاعدہ لکھے جاتے ہیں۔ عمارت کی مدد ہے اس پر ایک تیس ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہے اور کام برابر جاری ہے۔ سر سید احمد خاں نے آگرہ علی گڑھ کالج کے لئے لاکھوں روپیہ چندہ جمع کیا تو ان کی وجاہت کو اس میں بڑا دخل تھا مگر یہاں محمد امین بے چارے کو کون جانتا ہے اور ان کا احتیاء دباؤ کسی پر کیا پڑ سکتا ہے۔ نہ یہاں دینے سے کوئی دنیا میں نام آدری ہے نہ سر سید کی خوشنودی سے پیش قرار نوکری یا خطاب مل سکتا ہے یہاں کا دینا تو بس خالصاً لوجہ اللہ ہے۔ ایسی حالت میں ایک بالکل معمولی شخص کا اس قدر رقم خطیر جمع کر لینا بجز تائید غیبی کے قوت بشری سے خارج ہے یہیں ہم اس سے ہم کو یہ سبق بھی ملتا ہے کہ سچی سچی عیشہ مشکور ہوتی ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُعَالِي الْاَلْمَعُوْر۔ لیس لَوْ تَسَاوٰ اَلَا مَسْعٰی۔

## ہیملٹن روڈ

جولو تھین برج سے شروع ہو کر ریلوے لین کے برابر برابر ڈفرن برج کی سڑک سے تقاطع کرتی ہوئی پھوٹے دروازے میں سے شہر کے باہر نکل گئی ہے۔ اس سڑک کے بائیں جانب تو ریلوے سٹیشن کے حدود کی

شمالی اونچی دیوار اس سرے سے اس سرے تک چلی گئی ہو۔ ایک جگہ اوور برج ہو اور دوسری جگہ مسندہ پنجاب دہلی ریلوے کے قدیم سٹیشن کی عمارت ہو جس میں اب گڈز سٹنڈ۔ یعنی مال گودام ہو۔ داہنی طرف :- نواب سلطان مژرا کی مسجد (شیعان) گلی کچنی۔ مسجد علی احمد شاہ۔ چھوٹی مسجد نمبر ۱۱، لب سڑک جس پر دھواں لگتی مسجد حنفیہ لکھا ہوا ہے۔ چھوٹا بازار جس کے اندر گلی دھوبی واڑہ۔ مسجد نشی قادر بخش اس کے سامنے کی گلی مندر بابو پر بھو دیاں جو کشمیری دروازہ بازار کے تھانے کے سامنے نکلتی ہو۔ مسجد عبد العزیز شاہ معروف بہ شاہ جی۔

زمانہ پیرسری سکول میونسپل بورڈ۔ ست گھرا۔ کھڑکی ابراہیم علی خاں۔ گلی حاجی محمد اشرف۔ اب پھر سڑک پر آئے۔ گلی نعل بنداں۔ زینت باڑی کشمیری دروازہ بازار اور سٹیشن روڈ کے جکشن سے تازینت باڑی گورا بازار کہلاتا ہے کہ کسی زمانے میں اسی نواح میں گوروں کی فوج رہتی تھی۔ مسجد آسیہ بیگم اور مدرسہ مولوی عبدالرب صاحب۔ گند دالہ۔ جس میں گلی قلعی گردالی اور اسی نام کی ایک مسجد۔ مسجد خضر بنگلہ سید فیروز۔ کوٹھی جیمس سکندر صاحب۔ گلی رہاں۔ گلی باغ بھکاری۔ امام باڑہ۔ درگاہ پنجہ۔ مسجد کھجور والی (شیعان) جس پر مسئلہ کندہ ہو۔ مسجد خضر بنگلہ سے ایک گلی موری دروازے کی سڑک سے جا ملتی ہو اس میں یہ گلیاں ہیں۔ گلی بڑوالی۔ گلی کلیان سنگہ۔ گلی دھوبیان۔ گلی سوئی والاں۔ واڑہ والاں۔ سینٹ سٹیفنز مشن سکول جس کا ذکر موری گیٹ پر بھی آیا ہے۔

## درگاہ پنجہ شریف

گند دالہ۔ گلی پنجہ۔ دروازہ مغلیہ۔ اس درگاہ کا ایک بڑا احاطہ ہو۔ احاطے کے اندر مسجد اور ایک دالان ہو جس

میں حضرت علی رضا کا پنجہ اور کچھ تبرکات ہیں۔ اس

احاطے میں بہت سی قبریں ہیں جس میں سے صرف دو خاص طور پر تذکرے کے قابل ہیں۔

درگاہ میں دالان کے پاس مشرق کی طرف۔ قبر کے

تعمید پر یہ کتبہ ہے :-

دیا خضر

میرزا محمد کی قبر

۱۲۳۵ھ  
۱۸۱۹ء - ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آں مرزا محمد داں حاوی علوم  
جامی دین و مید در تن دین محمدی  
از نطق روح پر در انقاس و جان فزا  
در شیونش بگریه بگو و امحدا  
داسے افسوس محمد سفر از دار فنا کرد

(۲) ابوالقاسم کی قبر  
۱۲۲۷ھ  
۱۳-۱۸۱۲ء

دَر گاہ کے دالان کے سامنے - قبر کا تعویذ زمین  
کے برابر ہو گیا ہے جس پر یہ کتبہ ہے :-

ابوالقاسم محمد شفیع یوم صاحبش ۱۲۲۷ھ

کھڑکی ابراہیم علی خاں - عمد مغلیہ - سنگین احاطے

کے اندر ایک سنگ مرمر کی قبر ہے جس کے گرد

آیت الکرسی لکھی ہوئی ہے - دوسری چوڑے پچی کی ہے

پتہ نہیں چلتا کہ یہ قبریں کن کی ہیں - ایک بڑا کوئی اتنی برس کی عمر کا

کہتا تھا کہ اُس نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ سنگ مرمر والی قبر

حاجی عطار الدہکی ہے اور دوسری اُن کی بی بی کی ہے -



# فہرست ان مسجدوں کی جن کا ذکر اس کتاب میں نہیں کیا

سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۱)	آخوند جی	فراش خانہ	پہلے یہ مسجد ۱۱۰۵ھ میں بنی تھی و دوبارہ ۱۲۰۸ھ میں بنی۔ ۱۶۹۳-۹۴
(۲)	آسیہ بیگم کی مسجد	ہیمیلٹن روڈ	۱۳۰۴ھ میں مسجد لب سڑک بہت خوش نما بنی ہوئی ہو جو دلی کے بہت بڑے مشہور واعظ مولوی عبدالرب صاحب کی بنوائی ہوئی ہو اور انھیں کا ایک مدرسہ عربی علوم دینیہ کا بھی ہے۔ انھیں مولوی صاحب نے سہارنپور کی مشہور جامع مسجد بنوائی تھی۔ یہ مسجد درہل مولوی صاحب نے اپنی بیٹی آسیہ بیگم کے نام پر بنائی تھی کہ وہ جواں مریں مولوی صاحب کے بعد ان کے صاحب زادے مولوی محمد ادریس صاحب نے تکمیل کرائی مسجد الان والہ لداؤ کی ہو۔ پانچ درہیں۔ من میں چوکے پنچھ میں من کے آخری حصے پر ایک نفیس حوض اور کنواں ہے۔ چاروں طرف طلباء کے بیٹے حجرے اور دالان بنے ہوئے ہیں چھت پر بھی دو کمرے ہیں۔ مدرسہ خوب چل رہا ہے۔ یہ حوض اور کنواں میری والدہ اور بڑی بہن مرحومہ کے زر عطیہ سے بنا ہے۔ مسجد بہت اچھی حالت میں ہے۔ چندے سے مدرسہ چلتا ہے۔ مولوی عبدالرب صاحب میرے نانا مولوی عبدالقادر صاحب کے حقیقی برادر کہیں تھے۔ پیش طاق پر یہ کتبہ ہے جو بعد میں لگا گیا ہے ہوا الباقی



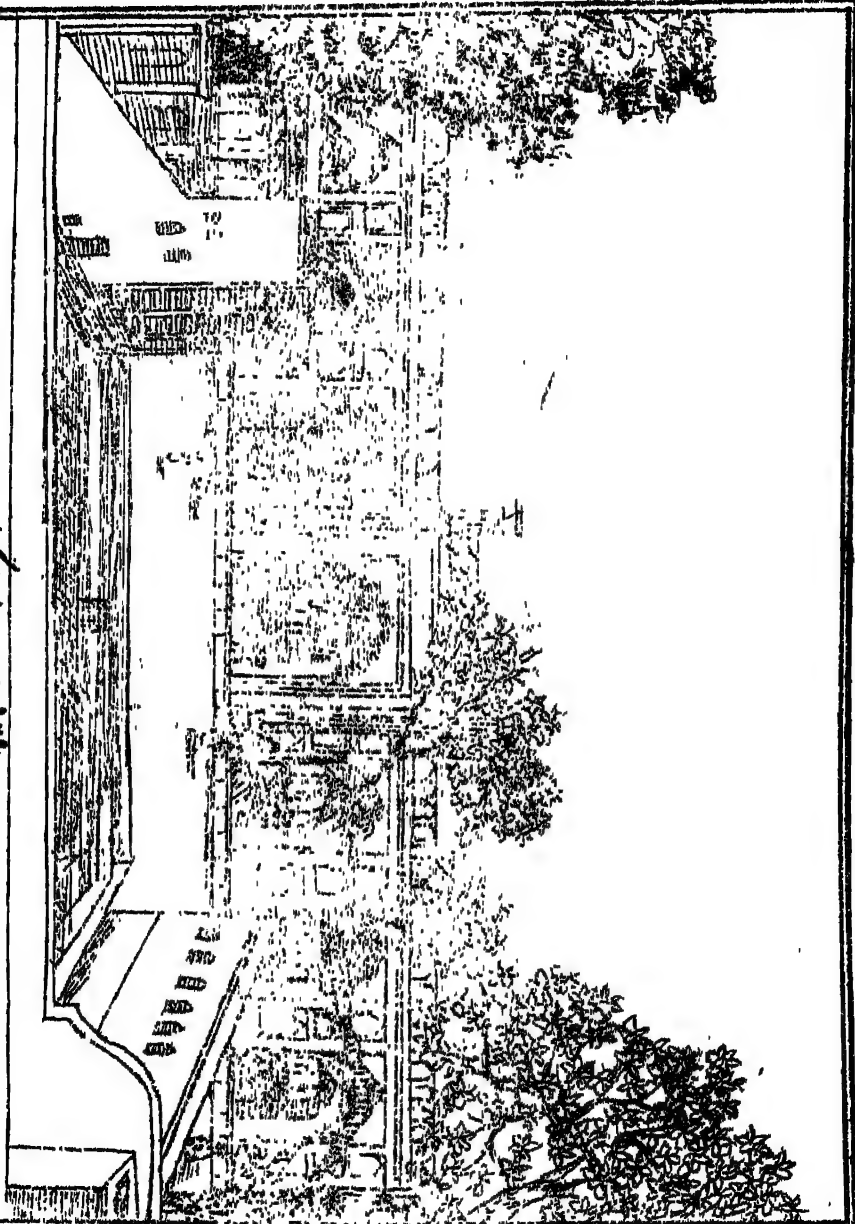
نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۳)	آقامیتا	کوچہ چیلان	مسجد آسیہ بیگم حنفیہ
(۴)	آم والی مسجد	کابلی دروازہ	تعمیر شدہ باہتمام مولوی محمد ادریس صاحب مرحوم ابن مولانا مولوی محمد عبد الرتب صاحب سال تعمیر ۱۲۸۳ھ شمال جنوب۔ جہم۔ مشرق مغرب ۱۱۔ ۹ ہنر سعادت خاں پر پولیس کے تھانے کے پاس مسجد حاجی محمد عبدالغنی صاحب مینوسپل کشن دہلی کے والد حاجی قطب الدین صاحب کی بنوائی ہوئی ہے اس کے معن میں پہلے آم کا درخت تھا جس سے اس کا نام ایک آم والی مسجد پڑ گیا۔ مسجد کے پرانے طرز کو چھوڑ کر نئے طرز کی مسجد نہایت خوش نایختہ اور عمدہ بنی ہوئی ہے۔ جس میں بجلی کی روشنی پانی کا نل سب کچھ ہے۔ چھوٹی ٹسی جگہ میں بڑی معقول تراش خراش کی ہے اہل مسجد کا صرف ایک دالان ناکرہ لداؤ کا ہے جس میں تین چوٹی دروازے لگے ہوئے ہیں۔ معن میں کوئی فرش ہے۔ داہنی طرف تین دروازے سڑک کی طرف ہیں ان میں بھی کواڑوں کی جوڑیاں جوڑی ہوئی ہیں۔ بائیں طرف تین درک خوش نما دالان اس کے دو مندرجے پر ایک اور کمرہ۔ مسجد کے دالان کی چھت کے چاروں کونوں پر چار نازک چھوٹے چھوٹے مینار۔ چھت کے گرد نہایت خوشنما و دھرا کٹھرا۔ سانسے دار ہزار خانہ غسل خانہ وغیرہ اس کے اوپر بھی کمرے بنے ہوئے ہیں صدر دروازہ نئے طرز کا نہایت ہی نفیس جس کے محاذ اور دھڑیں

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			<p>بائیں نشیمن بنے ہوئے۔ دروازے کے ادھر ادھر ایک چھوٹی مینار۔ دروازے کا ڈیزین لاجواب ہی۔ میں نے زمانہ حال کی کسی مسجد کو ایسا خوش نما اور آراستہ نہیں دیکھا۔ جو نماز پڑھتا ہو اس کا بھی دل چپک کہ دو رکعت یہاں پڑھ لے۔ صدر دروازے کی ڈیوڑھی میں ایک طرف مستقف کنواں۔ سرک پر سے چھ سیرھا چوڑا کر صحن مسجد میں داخل ہوتے ہیں۔ صدر دروازہ کی پیشانی پر بہت اونچا یہ کتبہ ہی:- ما شاء اللہ لا قوة الا باللہ مسجد کے باہر پھوڑا سا کھلا میدان ہو اس میں ایک بہت پرانا بڑا کا درخت پھیلا ہوا ہے۔</p>
(۵)	اعلیٰ کی پہاڑی	اعلیٰ کی پہاڑی	اسی مسجد کے نام سے محلہ مشہور ہو گیا ہے۔ قدیم۔ چھوٹی معمولی
(۶)	اعلیٰ والی (۱)	رود گراں	معمولی ترمیم شدہ۔ کتبے سے جو پیش طاق پر ہے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۶۷-۱۳۱۳ھ میں از سر نو بنی ہو۔
(۷)	ایضاً (۲)	مسجد تنور خاں	قدیم۔ معمولی نئے سرے سے بنی ہوئی۔
(۸)	ایضاً (۳)	بٹی ماراں	قدیم۔ مولوی سلیم الدین خاں کی بنائی ہوئی۔ شمال سے جنوب ۳۵-۹-۱۰-۱۱-۱۲-۱۳-۱۴-۱۵-۱۶-۱۷-۱۸-۱۹-۲۰-۲۱-۲۲-۲۳-۲۴-۲۵-۲۶-۲۷-۲۸-۲۹-۳۰-۳۱-۳۲-۳۳-۳۴-۳۵-۳۶-۳۷-۳۸-۳۹-۴۰-۴۱-۴۲-۴۳-۴۴-۴۵-۴۶-۴۷-۴۸-۴۹-۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۵۴-۵۵-۵۶-۵۷-۵۸-۵۹-۶۰-۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۱۰)	ایضاً	کوچہ رائگان	اولاد برگزیدہ بھلی ہاشمیت اس سیدہ کھالچہ میرا بود سال بنا دو چو طلب کردم از خود گفتا گو کہ مسجد خیر النساء بود اسی نام کی یہ ایک مسجد چھوٹی ٹسی کوچہ رائگان بازار چاندنی چوک میں بھی ہے۔
(۱۱)	اوپنچی	کوچہ سعدالغیاں	قدیم۔ تیس فیٹ مربع۔
(۱۲)	ایضاً	گلی سرخ پوشاں	قدیم۔ چھوٹی۔ شاہ سرخ پوش کی بنائی ہوئی ہے اور اسی نام سے یہ گلی مشہور ہو گئی۔ اس مسجد کی دستی حال بڑی ہے۔
(۱۳)	ایضاً	اجیری دروازہ۔	قدیم۔ نو سیرٹھیاں چڑھ کر مسجد میں داخل ہوتے ہیں۔
(۱۴)	ایضاً	محلہ تلی ماراں	نوابشاہ لوہارو کی کوٹھی کے پاس ۱۲۲۶ھ ۱۸۱۲ء میں طاق پر یہ کتبہ ہے:
(۱۵)	ایضاً	کوچہ رائگان	چوں مسجد لفریب دیکھ پوسیع تیار شد از فضل کریم مطلق باتلف بہ نشاط سال تاجین گفت بنیاد نہادہ اسکرخانہ حق یہ مسجد تین گنبد اور محراب داروروں کی ہے۔ بالائی منزل پر مسجد ہے اور نیچے پانچ دکانیں۔
(۱۶)	ایک برجی۔	اٹلی کی پہاڑی۔	۱۲۶۱ھ مختصر۔ دو منزلہ۔ اوپر مسجد۔ نیچے ایک دکان پیش طاق پر خانہ خدا ۱۲۶۱ھ۔ یہی تاریخ ہے۔ اس مسجد کا کوئی برج نہیں۔ بہت چھوٹی ہے لیکن چوں اس کے قریب میں گنبد شاہ محمد علی واعظ کا ہے شاید اسی محاط سے ایک برجی کھلانے لگی۔
(۱۷)	ایضاً	کوچہ رائگان	آقا غنہ کے زمانے کی۔ شمال سے جنوب ۱۰۰۔ مشرق سے مغرب ۴۰۔ ۱۔
(۱۸)	ایضاً	پھانک جہن خاں	عہد تغلق۔ بیچ میں ایک گنبد ہے اور ادھر ادھر لدا کی چھت ہے۔

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۱۹)	ایضاً	پٹے والوں	قدیم - مختصر - افضل یار خاں متولی -
(۲۰)	بانجھی والی	"	"
(۲۱)	بدالدین مہرکن	دریہ کلاں	۱۲۶۹ھ - ۱۳۹۹ھ - یہ چھوٹی طوسی دو منزلہ مسجد بدالدین مشہور مہرکن کی بنوائی ہوئی ہے جس میں سڑک پر سے دس بیڑھیاں چڑھ کے جانا ہوتا ہے۔ مغرب جانب کی دیوار کے بیرونی حصے پر سیاہ زمین پر سفید حرفوں میں یہ کتبہ ہے :- چو آفتاب دشمن توحید و اکمال بنو دین محمد علی غفرہ کمال او عابدان دہر چو اینک گاہ نو بینید در رکوع دلائد چو نال
(۲۲)	بڑوالی	چھتہ پر پتہ سنگ	بنو مسکین الدین علی خاں دنیا کردا میں تعمیر بہر خاق رب العلام از سر برکات آفتابان یزین گفت حبیب فیض الہی مسجد نیکو بنا ۱۰۶۱ھ - چھوٹی - دروازے پر بھی الفنی ۱۰۶۱ھ - سلسلہ ہجری لکھا ہوا ہے -
(۲۳)	ایضاً	گندمانالہ	دروازے سے لگا ہوا ایک درخت ہے - درخت کی جڑ میں ایک منڈا پنا ہوا ہے جو کسی سید کا تھان ہو جس کی پرستش اہل ہنود کرتے ہیں -
(۲۴)	بڑی مسجد	کوچہ میر عاشق	قدیم - حافظ نور الدین متولی -
(۲۵)	برطیہ والی	چٹا دروازہ	یہ قدیم مسجد کسی برٹھیا کی بنائی ہوئی ہے جس کا نام معلوم نہیں
(۲۶)	ایضاً	موری دروازہ	" " " " اس کے تین در ہیں بیچ کے در کو تین چھوٹی گھراؤں میں تقسیم کر دیا ہے -
		محلہ ٹوڈ والوں	

نقشه مسجد خانی کرمه



نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۲۷)	بھٹیاری والی	چھتہ لال میاں	قدیم۔ شمال سے جنوب ۴۰۔ مشرق سے مغرب ۱۲۔ ۸۔
(۲۸)	بیری والی	محلہ چوہان عقب کل مسجد	قدیم۔ ۲۵۔ ۸۔ ۱۸۔ ۱۲ حاجی قبتہ کی بنائی ہوئی ہے جو صحن مسجد میں دفن ہیں۔
(۲۹)	پلاؤ والی	قبرستان۔	قدیم۔ صحن میں پلاؤ کا درخت ہے جس کے پتے بخار کا مہرب علاج ہے۔ میر سینڈ کی مسجد بھی اس کو کہتے ہیں۔ غالباً انھیں کی بنائی ہوئی ہوگی۔
(۳۰)	پنجابیاں	بلی ماراں۔	حسام الدین حیدر کی حویلی کے پاس۔ قدیم۔ معمولی۔
(۳۱)	پنجابی کٹرہ۔	ریکوشیشن اسی کی۔	پنجابی کٹرہ ایک محلہ تھا جس میں پنجابی (مسلمان) رہتے تھے۔ اس کٹرہ میں ایک مسجد بھی مصفا اور دل رہا سنگ سرخ کی نہایت خوش وضع اور خوب صورت تھی جس میں مولوی عبدالحق صاحب راقم کے نام مولوی عبد القادر صاحب کے والد اور مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی (مولوی عبدالحق صاحب کے داماد) درس و تدریس فرماتے تھے اور دن رات قال لٹہ وقال لٹہ رسول کا ذکر رہتا تھا۔ اس مسجد میں مکانات دل چسپ اور ایک بہت پاکیزہ حوض تھا۔ اس مسجد کا صحن پہلے بہت کسج تھا لیکن لوگوں نے اپنے اپنے مکان بڑا کر بہت سی زمین صحن مسجد کی وہالی لیکن پھر بھی دلی کی بہترین مساجد میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ یہ مسجد نواب اورنگ آبادی بیگم صاحب نے جو اورنگ زیب بادشاہ کی محل تھیں اسی بادشاہ دیں پناہ کے عہد میں بنوائی تھی۔

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			اور اپنے اعمال نیک کی یادگار چھوڑا تھا۔ یہ مسجد ریل میں لگ گئی اور اس کا نشان تک باقی نہ رہا۔ یہ مسجد اس جگہ تھی جہاں کہ ولی کا بڑا ریلوے سٹیشن ہے۔ میرے نانا صاحب کو جو اس مسجد کے امام تھے ان کی حیات تک گورنمنٹ سے پندرہ روپیہ ماہوار پیش نامی کی ملتی رہی مگر عمارت مسجد کا کچھ معاوضہ نہ ملا کہ وہ شاہی عمارت تھی۔
(۳۲)	پھول والاں	دریہ کلاں	قدیم۔ اوپر مسجد۔ پچھتے تین دکانیں۔
(۳۳)	پیر جی	بارہ درہی شیرنگن	قدیم۔ جناب حکیم محمود خاں صاحب (جو حکیم اجل خاں صاحب کے والد تھے) کے بزرگوں کی بنوائی ہوئی ہے۔ شیرانگن خاں کی بارہ درہی جس پر سے محلہ مشہور ہے ڈھادی گئی اور وہاں اور مکانات بن گئے۔ تاریخ میں کئی شیرانگن خاں ہیں یہ عزت الدولہ صفر جنگ تھے جو محمد شاہ کے زمانے میں تھے جن کا مقبرہ مشہور ہے۔
(۳۴)	پیل والی	گنج امیر خاں	قدیم۔ نواب اعظم خاں کے مکان کے عقب میں شمال سے جنوب بہم۔ مشرق سے مغرب ۱۸۔
(۳۵)	ایضاً	کوچہ شریف بگ	قدیم۔ معمولی۔
(۳۶)	ایضاً	کوچہ رایتان	قدیم۔ شمال سے جنوب بہم۔ ۹۔ مشرق سے مغرب ۲۳۔ ۹۔ صحن وسیع اور ایک حوض۔
(۳۷)	تور خاں	تور خاں کی مسجد متصل نیا پانس	۲۸۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			ہزار ویکھو چل بود دو تائیں بنائیں بسی خان عالی شان مرتب شد بنو بستی (بچے کے دروازے پر) مسجد حنفیہ
(۳۸)	تکیے والی	گندانا لہ	دہلی پر آمد نارا دت بنفین شام کو سحر خانہ انصاف نداد اور بیافین پیر یہ دوسرا کتبہ زمان حال کا ہے اور مسجد کا پر آمد بھی جدید ہے۔ تھور خاں مجدد شاہ کے زمانے میں شاہجہاں پور کے زمیندار تھے۔ ان کے بعد سلسلہ جلوس محمد شاہی میں ان کے برادر لسبتی محمد فضل خاں زمیندار ہوئے۔ معمولی مرتبت شدہ۔
(۳۹)	جامن والی	متصل کلاں محل	قدیم۔ از سر نو تعمیر شدہ۔ پہلے حکیم مینا نامی کسی صاحب نے بنائی تھی۔
(۴۰)	جوتے والاں	چوڑی والاں	قدیم۔ حال میں درست کر کے توسیع کی گئی ہے۔ اس مسجد میں عرضہ بجلی کی روشنی بھی ہے۔ جوتے والوں نے خوب بناسنوار کے رکھا ہے اور جا بجا کلام مجید کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔
(۴۱)	چاندی والاں	رہٹ کا کنواں	قدیم۔ معمولی۔
(۴۲)	چند گھوسی	محلو گھوسیاں عقب کلاں مسجد۔	قدیم۔ چھوٹی۔ چند گھوسی نے اس کو درست کرایا اس لیے اس کا نام پڑ گیا۔
(۴۳)	چربی	ہتتاب باغ	ہتتاب باغ سے آگے نکل کر دو مکان شہزی مطبخ کے تھے جو چھوٹا خاصہ اور بڑا خاصہ کہلاتے تھے اس کے پاس ایک مسجد تھی چربی احمد شاہ نے ۱۱۶۴ھ میں بنوائی تھی باغ کے ساتھ وہ مسجد بھی صاف ہو گئی۔ جب مسجد ہی نہیں رہی تو ہم اس کی نوعیت کیا لکھ



نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			جنوب مشرق کے کونے میں ایک حوض قلعین کا مشیعہ لوگوں کا ہے۔ یہ مسجد اعتماد الدولہ حامد علی خاں صاحب وزیر اعظم بہادر شاہ ثانی کی بنائی ہوئی ہے۔ پیش طاق پر غالب کا یہ قطعہ کندہ ہے۔ اعتماد الدولہ کو انفرادی طور پر ہست درپیش کفش قلم و خدیہ دیدہ و در حامد علی خاں کو صفا بیند اسرار ازل را در ضمیر ساخت و در دہلی ہایوں مسجد (تا) شود طاعتگاہ بنا و پیر غالب اس طوبی نشین عندلیب زود باندا از سخن مسیحی صغیر شد نظیر کعبہ در عالم پیدا سال تعمیرش بود کہمہ نظیر ۱۲۵۲ھ باہتمام مولوی تیغ علی ۱۲۵۴ھ تقدیم - مختصر۔
(۵۱)	حکیم جی	میٹھے کنوئیں کی گلی فراراش خانہ۔	تقدیم - یہ مسجد اہتمام علی خاں کو قوال برادر فولا دھا کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس کا چوترا بھرتی میں آگیا ہے۔ اہتمام خاں شاہ جہاں کے دربار کا ایک امیر تھا۔ پہلے وہ بارہ ہزاری منصبدار اور پانسو سواروں کی افسر تھا بعد میں دو ہزار دو صدی اور آٹھ سو سوار ملے اور دو دفعہ کو قوالی کی خدمت میں اس کا انتقال ۱۰۵۶ھ میں ہوا۔ ۱۲۶۱ھ ۱۲۶۱ھ - یہ مسجد دو منزلہ ہے اور پرگنہ مسجد کے نیچے پانچ دکانیں - صحن کے شمالی سرے پر چودسیرٹھیوں کا زینہ ہے۔ یہ جناب حکیم حافظ
(۵۲)	حکیم آغا خان	چھتہ آغا خان کوچہ فولا دھا پھول کی منڈی	
(۵۳)	حکیم شریف خاں	بلی ماراں	

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			<p>محمد اجمل خاں صاحب نواب حاذق الملک بہادر کے دادا صاحب کی بنائی ہوئی ہے۔ حکیم شریف خاں سپہ حکیم اکمل خاں دہلی کے مشہور طبیب تھے جن کو سلاطین مغلیہ کی جانب سے علاوہ جاگیر کے اشرف الحکماء کا خطاب بھی تھا۔ حکیم شریف خاں صاحب ایک خاندانی طبیب تھے جن کا وقار و رسوم و اعتماد دربار شاہی اور پبلک میں یکساں تھا۔ بانی خاندان وسط ایشیا کے سہمنے والے تھے اور کاخ غفر سے بابر بادشاہ کے ساتھ ہندوستان میں آئے تھے۔ اکبر کے زمانے میں آپ آگرے میں مقیم تھے جہاں آپ کے ابا و اجداد کی علمیت اور تقدس کا بڑا شہرہ تھا۔ حکیم محمد فاضل خاں صاحب نے بڑا نام پایا۔ اور نگ زیب کے عہد میں حکیم واصل خاں صاحب دہلی تشریف لائے جن کے صاحبزادگان حکیم اکمل خاں اور حکیم اجمل خاں سہ ہزار مہی منصب اور دو لاکھ محاصلی جاگیر رکھتے تھے۔ اور اکمل خاں صاحب کو اکمل المحققین الملک کا خطاب تھا۔ اس مسجد کے پیش طاق پر یہ کتبہ ہے:- شکر خدا سبحی محمد شریف خاں برخاست چون ندا مودن خطیب عقل شد طرح مسجد کے بود کعبہ صفا گفتا بجوے سال و از خانہ خدا ۱۱۶۲ھ</p>
(۵۴)	حکیم مہر علی شاہ کچا باغ		<p>قدیم۔ مہر علی شاہ کی بنائی ہوئی ہے۔ صحن مسجد میں کئی قبریں انھیں کے خاندان کے لوگوں کی ہیں جن میں سے ایک قبر شاہ عبداللطیف کی ہے جو مہر علی شاہ کے مرشد تھے اس کا کتبہ اب قبر سے علیحدہ ایک چھوٹے سے احاطے میں رکھا ہوا ہے۔ ہو اللطیف الخبایں</p>
(۵۵)	حام والی چڑھی والاں		<p>چرفت از جہاں شاہ عبداللطیف تاریخ اس گفت بافت ز آہ علیم سلیم لطیف غمیر قدیم۔ مختصر۔</p>

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۵۶)	حوض الی	اجڑن بوڈنی ٹرک	اسی نام کی ایک مسجد محلہ حوض سوئی دالاں میں ہے جس کا ذکر سید داؤد کی قبر کے ضمن میں آچکا ہے۔ یہ مسجد بھی قدیم ہے۔ شمال سے جنوب۔ ۱۱۔ ۹۔ مشرق سے مغرب ۱۴۔ ۱۔ جس میں ایک سیج صحن اور حوض بھی ہے۔
(۵۷)	خلیفہ جی	کوچہ چاند خاں	حال میں ترمیم ہوئی ہے۔ شمال سے جنوب ۱۲۔ ۱۱۔ مشرق سے مغرب ۱۶۔ ۹۔
(۵۸)	خواجہ تراب (طرب)	بازار ستارام	۱۰۶۳ھ اس مسجد کا انتظام مسجد فتح پوری کی کمیٹی کے سپرد ہے۔ مسجد شمال سے جنوب ۱۶۔ ۱۱۔ اور مشرق سے مغرب ۱۳۔ ۹۔ ہے۔
			یہ مسجد نہایت مستحکم از سر تا پا سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ صحن اس کا نہایت وسیع ہے جس کے ایک حصے میں سنگ سرخ کا فرش ہے۔ اس کے تین گنبد ہیں۔ پیش طاق کے کتبے میں جن دکانوں کے وقف کرنے کا ذکر ہے وہ دکانیں مسجد کے شمال میں اب بھی موجود ہیں مگر عرصہ ہوا کہ مسجد سے ان کا تعلق باقی نہ رہا۔
			دو سال ۲۶ جلوس حضرت ظل اللہ شاہ جہاں بادشاہ غازی صاحبقران ثانی کے موافق ۱۲۳۲ھ ہجری باقی میں مسجد وچاہ خواجہ طرب توفیق اتمام میں معبد شریف یافتہ وجہ محصول شش دوکان متعلقہ آئرا برک انیکہ در اوقات خمسہ باقامت امر اقامت واذان قیام نمایند وقف گردانید
(۵۹)	خواجہ میر درد	کوچہ فواد خاں انرون بارہ درسی	یہ مسجد خواجہ میر درد کی بنائی ہوئی ہے جو ایک مشہور

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۶۰)	خوجن صاحب	پنڈت کا کوچہ گلی عزیز الدین	شاعر تھے۔ (۷۷۴) برس ہوئے کہ از سر نو تعمیر ہوئی ۱۱۶۵ھ - ۱۲۵۱ء شمال سے جنوب ۳۶ - ۹ - مشرق سے مغرب ۱۲ - ۴ - بیرونی دروازے کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے :- محبوب علی کا بزرگ ہر دوسرا ہے کسے کہ خاک و شریعت کا بزرگ چراغ و مسجد و محراب و منبر ابوبکر و عمر عثمان و حیدر بنائے مسجد مرزا محمد جان برکی دہسہ کھزار و شصت و پنج ہجری محمد شاہ کے زمانے کی یہ ایک چھوٹی سی مسجد تین گنبدوں اور تین دروں کی ہے۔ صحن میں سنگ سنگ کافر شہ ہے۔ جس کے جنوب و مشرق کے کونے میں ایک بہشت پہلو حوض ہے۔ ایک چھوٹا سا داخلی دروازہ شمال کی طرف ہے۔ اس کے بعد ایک لمبی سی ڈیوڑھی ہے۔ صحن کے مغرب میں دو قبریں ہیں۔ اس قبر پر دو اذدہ اماموں کے نام اور "تحریر شعبان ۱۵ مقدس ما..." کندہ ہے۔ دو اذدہ اماموں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کی یہ قبر ہے وہ شیعہ مذہب تھے۔ کتبہ نام نام اور ناقص ہو سٹ گیا ہے برابر پڑھا نہیں جاتا۔ ۱۵۰۰ جلوس محمد شاہی ہو گا۔ احمد حسین دندان ساز متولی مسجد کی وجہ تسمیہ کے واقعے کے یوں ناقل ہیں کہ وقت بنائے شاہجہاں آباد امر اور درباریوں اور عہدہ داروں مکانات بنانے کو زمینات دی گئی تھیں دو بھائی انور اور منور کے نام کے شاہجہاں بادشاہ کے آہن گر تھے ان کو بھی جامع مسجد کے پاس ایک ٹکڑا زمین کا ملا تھا جو استاد حامد مشہور میر عمارت شاہ جہانی کے پاس تھا چنانچہ کوچہ استاد حامد موجود ہے۔ محمد شاہ کے عہد میں محمد علی عرف نظر محمد جو انھیں دونوں بھائیوں کی اولاد میں تھا وہ ہولی کے جھگڑے میں خب کرن داس جو ہری کے ہاتھ سے مارا گیا۔ شب کران نے خود یا اس کے لوگوں میں سے کسی نے ہولی کا رنگ نظر محمد پر ڈال دیا تھا۔ ہات
(۶۱)	خوں بہا	مالی واڑہ	

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			<p>برہتے برہتے برہتے گئی اور نظر محمد کی جان گئی۔ اس تصور میں جوہری کا مکان ضبط کر کے نظر محمد کے لوگوں کو دے دیا گیا۔ اس مکان کے ایک حصے میں تو یہ مسجد بنی اور دوسرے میں امام بارگاہ اب وہ امام بارگاہ تو رہا نہیں مسجد البتہ موجود ہے۔ جس قبر پر کتبہ ہے وہ نظر محمد کی کہی جاتی ہے لیکن ہم کداس دایت کے قبول کرنے میں کہ نظر محمد مارا گیا ذرا احتمال اس وجہ سے ہے کہ نظر محمد کے قتل کے ساتھ ہی اس قدر جلد مکان کا ضبط ہونا اور مسجد اور امام بارگاہ بن جانا اور پھر اُس میں نظر محمد کا دفن بھی ہو جانا قرن قیاس نہیں ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ نظر محمد اس ہنگامے میں زخمی ہوا ہو اور اُسے جوہری کا مکان مل گیا ہو اور اُنکی جگہ مسجد بن گئی ہو جب وہ مرا ہو۔</p>
(۶۲)	درگاہ والی مسجد اور صدر جہاں کی چھتہ تنہا رکھے	چیمبر خانہ متصل	<p>قدیم۔ معمولی۔ اسی کے پاس درگاہ کے پنجتہ احاطے میں صدر جہاں کی سنگ مرمر کی قبر ہو۔ صدر جہاں اکثر قاضیوں کا خطاب ہوتا ہے نہ قبر پر کوئی کتبہ ہے۔ نہ کسی کے نسبانی ان بزرگ کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے۔</p>
(۶۳)	دھوبیان	دلی دروازہ شہر	<p>قدیم۔ شمال سے جنوب ۴۴۔ ۴۵۔ مشرق سے مغرب ۴۴۔ معمولی۔</p>
(۶۴)	راجاں	چھتہ پتہ تاب سنگ گلی پیل والی	<p>۱۰۶۱ھ اندرون مسجد دروازے پر کمرہ طیبہ ۱۶۵۱ء سنہ کھدا ہوا ہے۔ بیرونی دروازے پر چوپیل والی گلی کی طرف ہے اور جس کے سامنے کنواں ہے اُس</p>

کتابت	نقشہ	نام مسجد	شان سلسلہ
کنوئیں کے متعلق یہ کتبہ ہے: چاہ مسجد راجاں شمسہ پجری قدیم سہہ برجی -	موری دروازہ کوچہ مسطر نیاں	ساکیل	(۶۵)
قدیم - معمولی -	نئی سڑک دیانی دارہ	رحیم علی وکیل	(۶۶)
۱۶۱۲ھ - یہ مسجد سڑک سے بلند ہے۔ اس کی چھت مسطح ہے اور گنبد نہیں ہیں۔ پانچ در کی مسجد ہے۔ کتبہ کا ایک پتھر بیاں خالی و صراہوا ہے۔ یعنی کہیں نصب نہیں ہے۔ اس پر علاوہ آیات قرآنی کے یہ کتبہ ہے:-	کوچہ مولوی قاسم	رمضان شاہ	(۶۷)
دربانیا امیر النساء زوجہ نواب یعقوب علی خاں مرحوم خوشدین نواب منصور خاں ۱۲۱۶ھ			
نہ کوئی امیر النساء کو جانتا ہے نہ یعقوب علی خاں کو مگر منصور خاں البتہ شاہ عالم ثانی کے درباریوں میں ایک صاحب تھے۔ جن کا اصلی نام صفدر خاں تھا جو دیار مشرق سے کم سنی میں شاہ عالم کے ساتھ آئے تھے۔ صفدر خاں بڑا متمول ہو گیا تھا اور جب وقت غلام قادر نے شاہ عالم کو کھول کیا تو صفدر نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں ہارے اور بادشاہ کا ساتھ دیا مگر اس کی کچھ جلی نہیں۔ دیکھو لال مسجد نمبر (۲)			
قدیم - یہ مسجد نرسعدت خاں کے سیدھے کنارے پڑی ہوئی ہے۔ بلا گنبد تین در کے دہرے دالان ہیں صحن کے مشرق میں ایک حجرہ ہے جس کے پاس	لال کنوں محلہ سرکی مالہ نرسعدت خاں مخاوی کٹرہ ناراین داس	رنڈی کی مسجد ساریان	(۶۸)

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۶۹)	سبز	کٹرہ آدینہ بیگ خاں	<p>دروازے کے سامنے ایک محراب ہو جس میں سے پہلے زمین کے اندر اندر نہر تک رستہ تھا لوگ اُس میں سے جا کر وضو کر لیتے تھے۔ اب نہر بند ہو گئی یہ رستہ بھی بے کار ہو۔</p> <p>۱۱۹۲ھ - ۸۲۰ - ۸۲۱ھ - دو منزلہ - اوپر مسجد جس میں سڑک پر سے دس سیڑھیاں چڑھ کر داخل ہوتے ہیں۔ نیچے چار دکانیں ہیں۔ پیش طاق پر یہ کتبہ ہو :-</p> <p>آدینہ بیگ کہ بہت خان عالی شان بکار نیک خدا بس کہ داد و تقاضا بنا خود چربخ ارم یکے مسجد چنانکہ کعبہ زشتن سز و تعریفش خط کتابتہ اور ابیں کہ میگوید دنیا بخاندین است سالانہ بخش تاریخ میں آدینہ بیگ خاں کے نام کا ایک ہتھی شخص گزرا ہو جس کی وفات ۱۱۹۲ھ - ۸۲۰ - ۸۲۱ھ میں ہوئی۔</p> <p>اگر اسی آدینہ بیگ سے یہاں مراد ہو تو ضرور ہو کہ مسجد پہلے بنی اور کتبہ بہت دنوں بعد لگا یا گیا ہو گا۔ آدینہ بیگ آربن نسل کا تھا۔ اس کے باپ کا نام چٹو تھا جو لاہور کے پاس موضع شرق پور میں رہتا تھا۔ آدینہ بیگ نے مغلوں میں پرورش پائی اور بڑا قابل محاسب تھا۔ اُس کی ملازمت کی ابتدا موضع کنک کی محصول داری سے ہوئی جو لدھیانے کے پاس ہے۔ اس کم تر خدمت سے وہ بڑھتے بڑھتے خدمت جلیلہ صوبہ داری سلطان پور پر پہنچا۔ اس کے بعد وہ ملک دواب (جاندھر) کا صوبہ دار ہوا جس کا انتظام اُس نے بڑی خوبی سے کیا۔ نہایت ہوشیار۔ زیرک اور امور سلطنت کا ماہر تھا اور ہمیشہ لاہور کے گورنروں کا مورد خیالات رہتا تھا۔ ابدالی سرداروں کی دشمنی سے اپنی قوت اور وقار میں انحطاط دیکھ کر اس نے اپنی مدد کو مرہٹوں کو بلوایا چنانچہ اُن کی مدد سے سرسید اور لاہور کا کل خستہ کر لیا لیکن افسوس کہ وہ اپنی فتوحات سے کچھ منتفع نہ ہو سکا اور زمان قریب میں انحراف</p>

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۷۰)	سدھو گھوسن	چرخے والاں	سہ سٹوپس عالم گیر ثانی میں انتقال کر گیا۔ فرحت الزاظرین میں اس کا خطاب ”بہرام جنگ لکھا ہوا“ ۱۲۵۳ھ - ۱۸۳۷ء - یہ مسجد دو مندرلہ تین گنبد اور تین دروں کی ہے۔ اوپر مسجد نیچے چار دکانیں ہیں۔ پیش طاق پر یہ کتبہ ہے:- مسجد و مدرسہ پچاھ و مکان سکین ہمہ ہاوقف خدا و عاجزہ سدھو گھوسن دارت ہر مشک کس نشو و غیر خدا گر شود روز جزا دست من از تے دای من الحجۃ النبوی ۱۲۵۳ھ
(۷۱)	سرکی والاں	لاٹل بیگشاں کی حویلی کے پھاٹک کے پاس	۱۲۷۰ھ - دو مندرلہ۔ اوپر مسجد۔ نیچے دکانیں۔ ۱۸۵۳ء - شمال سے جنوب ۳۳ سم۔ مشرق سے مغرب ۲۵۔ تین گنبد اور تین در و صحن۔ سڑک پر سے گیا رہ سیرٹھیاں چڑھ کر صحن مسجد میں داخل ہوئے ہیں قدیم۔ مختصر۔ قدیم۔ مختصر۔ مولوی ثناء اللہ کی بوائی ہوئی ہے۔ مولوی صاحب کا عرف سٹوچی تھا۔
(۷۲)	سڑک والی	روکشن پورہ	۱۲۰۹ھ - دروازہ پر مسجد علی محمد خاں ۱۸۹۴ء - حنفی۔ لکھا ہوا ہے۔ قدیم۔ معمولی۔
(۷۳)	سٹوچی	بازار لال کنواں	قدیم۔ شمال سے جنوب ۲۸۔ مشرق سے مغرب ۲۰۔ ۹۔
(۷۴)	سوار خاں	کوچہ پنڈت - گلی سوار خاں	قدیم۔ سڑک پر سے ایک تنگ بنے میں سے پانچ سیرٹھیاں چڑھ کے اوپر جانا ہوتا ہے۔ گنبد دار مسجد ہے۔ جنوب مشرق کے کونے میں ایک چھوٹا سا حوض ہے
(۷۵)	شہرت والی	چیرہ خانہ میٹوالی گلی	
(۷۶)	شیش محل	حویلی میر خاں - محلہ تیلیاں	
(۷۷)	شیعوں کی مسجد	موری دروازہ	



نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کینیت
(۷۸)	صوفی جی -	پنچنوں کی گلی کشمیری دروازہ	جو قلعین کہلاتا ہے۔ ۱۲۳۹ھ - آیات کلام اللہ کے ساتھ یہ تاریخ لکھی ہوئی ہے اور کچھ حال اس کا معلوم نہیں۔
(۷۹)	غازی الدین کی مسجد	نہر پچھلک نہر سعادت خاں کے محاذی	۱۱۶۲ھ - دراصل یہ مسجد غازی الدین خاں کی بنائی ہوئی ہے لیکن چوں کہ دہلی کے ایک بڑے مولوی حفیظ اللہ خاں صاحب اس مسجد میں بالائزمام دعوت لکھاتے تھے لہذا اب انھیں کی مسجد مشہور ہے۔ اس کے تین چھوٹے چھوٹے دروازے صحن کی شمالی دیوار میں ہیں۔ صحن کے جنوب اور مشرق کی طرف حجرے بنے ہوئے ہیں جن میں سے مشرقی رخ کے دو مندرجہ ہیں۔ مسجد کے تین گنبد اور تین در ہیں۔ بانی مسجد غازی الدین خاں کا اصل نام احمد بیگ عرف کوکا تھا جو معز الدین جہاں دار بادشاہ (۱۲۱۳-۱۲۱۷ھ) کا رضاعی بھائی تھا اور اسی کا ملازم بھی تھا اے گے چل کر کچھ سو مرزا جی کی وجہ سے شاہزادہ عظیم شاہ کا سلسلہ ملازمت اختیار کر لیا۔ عظیم شاہ نے اسے اپنے بیٹے فرخ سیر کے ساتھ بنگالے بھیج دیا۔ جہاں شاہ کی وفات وفات کے بعد فرخ سیر تخت سلطنت کا دعویٰ دار ہوا اور احمد بیگ کو غازی الدین خاں خطاب دے کر جنگ کی طیاری کرنے کا حکم دیا۔ جب فرخ سیر نے اپنے چچا جہاں دار شاہ پر فتح پائی تو احمد بیگ کو شش ہزاری منصب پانچ ہزار سوار اور غالب جنگ کا خطاب ملا۔ سید حسین علی اور بہار کے سید عبد اللہ شروع شروع دونوں سے مخالفت رہی انھوں نے احمد بیگ اور فرخ سیر دونوں کو قید کر دیا۔ بعد میں بزبان سلطنت محمد شاہ - قطب الملک سید عبد اللہ کچھرا احمد بیگ سے دوستی گمانھ لی اور بادشاہ کے خلاف سید عبد اللہ سے جا ملا۔ لیکن آخر کا محمد شاہ نے احمد بیگ کی خطاؤں پر عفو کا پردہ ڈال کر اس کا منصب غیرہ بحال کر کے اس کو اس کے پہلے مرتبے پر قائم کر دیا۔ اس مسجد کے پیش طاق ہے۔ یہ کتبہ ہے

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۸۰)	غلام علی چشتی	گلی سنگھی والی عقیب کلاں مسجد	ان فیضیات خدا و مصطفیٰ و پادشاہ غازی الدین خان دہلی و دین نہیں کروا حیا مسجد برود ہنرا ز بہر خلق ہر ستون پایہ اش چون ستر اسکندریہ آپ ہنرا ز خاک روی ہو ادر گیش روح پر شد چو آب نضر و درویش ہر دافش چو چشم مست غیاثی بخت ہر تون پایہ اش چون ستر اسکندریہ بے شک بے شبہ گیر دو دو عاشق تجا ہر کہ مال دہر بزم طاق محرابش حبیب سال تار بخش نغم از فضل حق گفتا کہ مسجد احمد بنا از رحمت للعالمین ۱۱۹۵ھ اس کا حال صدر محراب کے قریب آگے کتب سے واضح ہو گا۔
(۸۱)	فرینچاس	کوچہ قابل عطار کے پاس	”مسجد مولوی محمد اسد ساکن دہلی بمساحت زمین مسجد رح چاہ غلام چشتی یکصد و چہل و چار ذرعہ ہماری دود و صد و ذرعہ زمین قبرستان ملوکہ مرزا لالہ بیگ لد محمد بیگ بنام مسجد مندرجہ بالا کہ اجارہ غلام چشتی بفاصلہ جانب مشرق بست و ہشت قدم واقع است ۱۱۹۵ھ بھری ببیل اسد وقف کردہ مشدک
(۸۲)	قاضی کے حوض والی	قاضی کا حوض	قدیم۔ پنجابی کھتری فرینچاس کہلاتے ہیں جو نو مسلم ہیں مگر اب بھی ذات کی پابندی کرتے ہیں اور اپنی برادری کے باہر شادی نہیں کرتے۔ ۱۱۹۵ھ۔ ۱۲۱۸ھ۔ شمال سے جنوب ۹۴۔ مشرق سے مغرب ۴۲۔ بہت قدیم کہی جاتی ہے لیکن مفتی کریم جانب نے اسے نو بنوایا اور توسیع بھی کی۔ مسجد کے جنوب مشرق کے کونے میں ایک مکان ہے جس کے دروازے پر ”بارغ نبی السلام“ لکھا ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کسی زمانے میں بارغ بھی تھا عجیب نہیں کہ اسی بارغ کی جگہ یہ مکان بنا ہوا اور بارغ کا کتبہ اس مکان کے دروازے پر لگا دیا ہو گا۔

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۸۳)	غلام نبی کی مسجد	موری دروازہ محلہ ڈور والاں	یہ مسجد از سر نو بنائی گئی ہے اور توسیع بھی ہوئی ہے۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔
(۸۴)	قاضی زادوں کی	فیض بازار	یہ وہی روشن الدار کی سنہری مسجد ہے جس کا ذکر علیحدہ آچکا ہے
(۸۵)	قبروں والی	گلی شاہ تارا	۸۷۱ھ - ۱۲۰۱ھ - شمال سے جنوب ۴۰ - ۶۰ - مشرق سے مغرب ۱۴ - ۱۰ - تین گنبد - تین در - صحن میں دو طرفہ دالان دھڑے - پیش طاق پر ایک سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ ہے۔
			یہ پانندہ خاں لبرنگ خطاب رفت بردار فاسے بقا سب رابعہ بیگم الملش ایں بنا نمود ہچو قطب فلک ارض خیر بجا مسجد ہی کے صحن میں پانندہ خاں کی قبر سنگ مرمر کی ہو جس پر یہ کتبہ ہے۔
			پانندہ خاں شرف دہر کدالتش موصوف باد صاف صن بدکامی خانی کہ بندی سنو ندر نعیش بگداشت پیرغ بریں سلاہی خیمہ بید سر کردہ کہ میدا خویش امروز بمغفور بی فرواش گوہی از بحر نراخت بدر جرد جہاں را بگداشت در امواج بکشتی ہای تا بچ چہستم "خیرت ہو یک کالی حشرش بحسین ابن علی باداہی قدیم - معمولی -
(۸۶)	تضابن	متصل ہلی دروازہ جاٹ واڑہ چیمہ لال میاں متصل فیصل	
(۸۷)	قطب الدین خاں نواب مولوی	بلبل خانہ	۱۱۴۸ھ - ۱۷۳۶ھ - اس مسجد میں گنبد نہیں ہیں صرف برجیاں ہیں۔ مسجد دہرے والاںوں کی ہے اندر کے دالان کے در چوبی میں باہر کے سنگین۔ اندر کے دالان میں منبر کے پاس کی محراب پر یہ کتبہ ہے "رحمہم اللہ تعالیٰ مسجد ملت خفیہ"

نشان مسجد	اسم مسجد	محلہ	کیسیت
			<p>دالانوں کے ہر دو جانب ایک حجرہ ہو۔ اس مسجد میں ایک تہ خانہ بھی ہو۔ مسجد کے عقب میں کابین ہیں۔ پہلے اس میں مدرسے کا مکان بھی تھا جو شکستہ ہو گیا۔ مسجد کی پچھت کی دیوار میں کتبہ لگا ہوا ہو مسجد المعروف بہ نواب قطب الدین خاں مرحوم اور ایک پتھر سخن مسجد میں رکھا ہوا ہو جس پر یہ کتبہ ہو سالہ مکان بزرگ ساختہ بازیو دیں مدرسہ مسجد کے کردہ بنائے حسین</p> <p>شاہ حسین نواب صاحب کے استادوں میں تھے غالباً نواب صاحب نے اس مسجد کی ترمیم کرائی ہوگی جو آپ کے نام سے مشہور ہو۔ شاہ حسین صاحب کی قبر سخن مسجد میں تھی جس کے اطراف سنگ سرخ کی جالیاں تھیں وہ حال میں صاف کر دی گئی نواب قطب الدین خاں شہرہ آفاق ہیں فقہ و حدیث مولانا شاہ اہل حق تھے حاصل کی۔ بڑے صاحب تقویٰ اور متشرع تھے۔ وضع و لباس بالکل سادہ مثل اپنے استاد مولانا شاہ اہل حق کے تھا۔ اخلاق و علم علا و فضل و کمال علمی کے ایسا تھا کہ اوروں میں کم پایا گیا۔ فقہ اور حدیث کے بڑے جید عالم تھے تقویٰ اور ورع کا تو حساب نہیں۔ آپ کے اجداد و الاتبار عالی خاندان والا دودمان ہمیشہ پیشگاہ سلطنت سے مناسب ملید رکھتے تھے۔ زمانہ میں بھی آپ کو تقرب سلطانی سے وہ عزت و جاہ حاصل تھا جیسا کہ آپ کے علم و فضل کے شایاں تھا۔ چوتھے دن آپ استاد کی پیروی اور خلق کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اکثر رسائل عام فہم زبان اردو میں لکھے جن سے خلق اللہ کو بڑا فائدہ پہنچا۔ مشاہدہ شریف کا ترجمہ زبان اردو میں بہت سنا اور شہستہ کیا ہو۔ آپ ہجرت کر کے بیت المقدس گئے تھے اور وہیں اپنے رحلت فرمائی۔ آپ کے صاحبزادے نصیر الدین خاں بھی گزر گئے اولاد خیرہ باقی نہ رہی۔ نواب صاحب کی دو پوتیاں تھیں جن میں سے بڑی خاکسار کی خوشامتنی نے حال میں انتقال کیا چھوٹی مرنے پر بیگ و داد و بیگ متولیان مسجد کی والدہ بقید حیات ہیں۔ ان کی دین داری پابندی صوم و صلوة سے کچھ اندازہ نواب قطب الدین خاں کے تقدس کیا جاسکتا ہو کہ تیسری پشت تک تقویٰ و ورع کا یہ حال باقی ہو۔ مسجد ملی ہوئی نواب قطب الدین خاں کی حویلی ہو اور یہ گلی بھی نواب صاحبی کے نام سے مشہور ہو۔</p>

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۸۸)	قلندر بیگ	محلہ قبرستان ترکان دروازہ	زمانہ نامعلوم - اس میں اس قدر روہل اسب مواہو کی بچھلی حالت معلوم نہیں ہو سکتی۔ تیجوری طول ۳۹ × ۹ عرض ۲۲ × ۱۰ چوکھٹیں لگا کر کواڑ چڑھا کر کرہ نما کر دیا ہے۔ شمال کی طرف ایک حجرہ بھی ہے۔ سپاٹ چمت کڑیوں اور شہتیروں کی ہے۔ نہ بینار - چاروں کونوں پر چار برجیاں اور پیش طاق کے ادھر ادھر ایک ایک برجی اسی طرح کل چھ برجیاں ہیں جو کے نیچے ہوئے ہیں جس کا طول عرض - ۱۵ - ۶ × ۷ سم ۵ اور جنوب میں حجرے صحن میں ہشت پہل حوض اور ایک کنواں ہے اب تونل سے پانی آتا ہے۔ صدر دروازہ مشرق میں بہت بڑا عالی شان ہے دوسرا اس سے چھوٹا شمال میں ہے۔ شرقی دروازے کی پیشانی پر یہ کتبہ ہر المستعان متولیان مسجد محمد احمد و محمد اکرام ابنان محمد اسماعیل جوہری ۱۳۳۰ھ دوسرا کتبہ شمالی دیوار کے باہر درباریہ لگا ہوا ہے:- تعمیر مسجد بہت نام خاص محمد اسماعیل جوہری متولی مسجد ۱۳۳۰ھ مسجد کے جنوب رخ کو مسجد کے متعلق ایک مکان ہے جس میں لڑکیوں کا مدرسہ ہے جس کے پیش والان پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:- الوقف لایملاک یہ مکان متعلق مسجد ہے متولی محمد اسماعیل جوہری ۱۳۳۲ھ مسجد کے شمال میں ایک مکان مدرسہ کا ہے جس پر یہ کتبہ ہے:- الوقف لایملاک ۱۳۲۸ھ ایک والان پر یہ کتبہ ہے:- یہ کتبہ خاں سار بشیر الدین حسن دتیس پریسیڈنٹ مینسٹری نے اپنی لاگت بنا کر مدرسہ نجمن محمد سی کے نام واسطے تعلیم طلباء وقف کیا ۱۳۳۳ھ اس کے علاوہ ایک

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			کمرہ اور ۳۳۳ کمرہ کا بنا ہوا ہے اس پر بھی مندرجہ بالا کتبہ ہے۔
(۸۹)	کالے خاں	کوچہ چیلان	قدیم۔ شمال سے جنوب ۱۲۔ ۸۔ مشرق سے مغرب ۱۲۔ ۸۔ معمولی۔
(۹۰)	کپتان دالی	بامہ در شہر فگن کا	قدیم۔ مختصر اور معمولی۔
(۹۱)	نکیتے والی	تی ہلاں گلی نکیتے والی	ایضاً۔
(۹۲)	کرودا	گلی تقاسم جان	۱۲۲۳ء۔ ایک چھوٹی سی مسجد تین گنبدوں کی ایک اونچے چوڑے پر بنی ہوئی ہے جس کے تین دریں۔ یہ مسجد محمد خاں کی بنائی ہوئی ہے جو بزبان اکبر شاہ ثانی کروڑا یعنی وصول کنندہ حصول کی خدمت پر مامور تھے اس کے پیش طاق پر یہ کتبہ ہے جس میں بتائید جناب کبریٰ خوش مرتب گشت این طاعت مسکا مصرع تاسیخ اس ہانف گفت کردہ کاین مسجد محمد خاں بنی ۱۲۲۳ء
(۹۳)	کریم بخش استا	موجلا ہائی گلی ہوئی	قدیم مختصر معمولی۔
(۹۴)	کوکہ والان	گلی شاہ تارا	قدیم۔ مختصر شاہ تارا جس کا کوچہ مشہور ہے نواب قمر الدین خاں کی صاحب زادی تھیں۔ یہیں نواب صاحب مکان تھا جس میں وہ بھی رہتی تھیں۔ چنانچہ مسجد کے پاس اب تک ایک پھانک کا نشان موجود ہے جو غالباً نواب کے محل ہی کا ہوگا۔ یہ مسجد کوسلے والوں کی بنائی ہوئی ہے۔
(۹۵)	کمار والی	کوچہ چیلان متصل گلی اولیاء	قدیم۔ کوئی صاحب رحیم اللہ خاں تھے ان کی بنوائی ہوئی ہے۔ معلوم نہیں کمار والی کیوں نام پڑ گیا شمال سے جنوب ۱۲۔ ۸۔ مشرق سے مغرب ۱۲۔ ۸۔

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۹۶)	کھاری ہاؤلی	کوچہ نواب مرزا	شیر شاہ کے زمانے کی۔ شمال سے جنوب۔ مشرق سے مغرب ۴۴۔ ۸۔ تین گنبد تین در۔ پست اور بھاری محرابیں۔ عمارت کا طرز افغانہ کا سا ہے پس شیر شاہ یا اس کے کسی جانشین کے زمانے کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے تحت بھی دکانیں ہیں۔ اس کی مرمت۔ فرش پختہ۔ غسل خانہ حمام راقم کی والدہ صغیہ بیگم مرحومہ نے بنوایا ہے۔ مسجد میں ایک کھاری کنواں بھی ہے۔ قدیم۔ متولی انجمن اسلام شمال سے جنوب ۴۴۔ ۹۔ مشرق سے مغرب ۴۴۔ ۸۔ مسجد کے دروازے پر کتبہ ہے:- ”این ہر شش دو کا ہا مع چاہ و بالا خانہ وقف مسجد“ قدیم۔ مختصر۔ ان دونوں مسجدوں کے صحن میں کھجور کا درخت ہونے سے یہ نام پڑا۔ پیش طاق پر یہ کتبہ جدید لگا ہوا ہے: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ مسجد حنفیہ از سرفروں گئی یہ مسجد ہ گاہ سبکی بن آئی تنہاے دلی شاہ و ظہر ہو کے سینے اس کا سال ”کیا حسین و شہنا مسجد“ زمانہ نامعلوم۔ حال میں ترمیم ہوئی ہے۔ تین در کی لداؤ کی آہی گرڈ پر پڑے ہوئے۔ سامنے برآمدہ۔ محاذ میں دالان۔ دور آخر مغلیہ۔ معمولی۔
(۹۷)	کھجور والی	ہنگش کے کمرے کے پاس	
(۹۸)	ایضاً	کھجور کی مسجد	
(۹۹)	گڈریا	محلہ گڈریا متصل نوکمان دروازہ	
(۱۰۰)	گڈریاں۔	جٹاڑہ قریب قلی سٹاڈ	

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۱۰۱)	گرہہ کپتان	بھوجلا پھاڑی	۱۲۳۵ھ - ۱۸۱۹ء - شمال سے جنوب ۲۳ - مشرق سے مغرب ۱۷ - ۱۷ - یہ گرہہ کپتان کون صاحب تھے کچھ پتہ نہیں چلتا - مسجد کے دروازے پر یہ کتبہ ہے - اللہ بابائی محمد امیر الدین گدبہ کپتان ۱۲۳۵ھ مرت کنندہ میاں سراج الدین ۱۲۲۳ھ
(۱۰۲)	گولروالی	فراش خانہ	قدیم - مختصر - دو منزلہ اوپر اکبرے دالان کی ساتھ چوبی سائبان - چھت لداؤ کی گرد آہنی پرٹے ہوئے - صحن میں چوکے بچے ہوئے - گنبد ندارد مسجد کے دو طرفہ ایک ایک چھوٹی برجی ہے - مسجد کے نیچے تین دکانیں - سوکھا سیڑھیوں کا زمین ہے - اس کی تعمیر از سر نو ۱۳۱۵ھ - ۱۶۹۷ء میں ہوئی ہے سنگ باہی کی تختی پر نہایت غرض خط پیش طاق پر یہ کتبہ ہے - وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَزِيدَ كُودَ فِيهَا اسْمُهُ وَمَعِيَ فِي خِرَابِهَا - وَاللَّاتُ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خُنُوعًا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۱۳۱۵ھ ہجری
(۱۰۳)	گوندنی والی	متصل کلان محل - گوندنی والی	قدیم حال میں درستی ہوئی ہے شمال سے جنوب ۱۳ - ۱۳ - مشرق سے مغرب ۱۲ - ۱۲ -
(۱۰۴)	ایضاً	فراش خانہ	قدیم - معمولی -



نشان	نام	محلہ	کیفیت
۱۰	لال مسجد	بازار سرکی دالان	۱۲۳۸ء یہ مسجد متراپا سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ قریب قاضی شمال سے جنوب ۴۰۰۔ مشرق سے مغرب ۱۴۰۔
دوسرے خانہ اوپر سچر نیچے دوکانیں ایک مکان جس میں لکڑی کا کارخانہ تین گنبد تین درے لب سڑک (دھ) سیڑھیوں کا رینہ پیش طاق اور محرابوں پر نفیس نقش و نگار سب سے پہلے محراب میں چوکور کافرش ہے۔ بیچ کا گنبد بڑا دھڑا دھڑا گنبدیاں اور پیش طاق پر دونوں جانب چھوٹی چھوٹی سٹاروں پر چوڑی برجیاں۔ یہ مسجد ایک طوائف مبارک کی بنائی ہوئی ہے جو کسی انگریز کی وارستہ تھی۔ اسی نے یہ مسجد اور ایک پاس والا مکان جو اسے قاضی کے حوض پولیس سٹیشن کے قریب ہے بنوایا تھا۔ رنڈی کی مسجد ہونے سے پہلے اس میں نماز نہ ہوتی تھی اب جب اسے مرمت ہوئی نماز ہونے لگی۔ پیش طاق پر سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ ہے۔			
مبارک بیگم ایں سچر بنا کر د کہ ہر شد بر تراز چرخ مقوس کم از بیت المقدس نیت شانش			
”گو“ ایں ثانی بیت مقدس“			
لب سڑک مسجد کا بڑا دروازہ جس میں لکڑی کا کارخانہ ہے اور ادھر ادھر اس سے چھوٹے دروازے ہیں ان کی محرابوں کی پیشانی پر یہ کتبے ہیں:-			
طہ پنج کے در پر۔ الحمد للہ کہ ایں سجد مع عمارات تعلقہ آل در ۱۳۱۶ء بعہد سچر دیوس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر دہلی سرکار دو لہار بہ انجن سوید الاسلام دھلے مفوض کشت و مرمت و درستی آل بصرف و دہنار روپیہ عطیہ شیخ بخش الہی صاحب سوڈا گزیر انتہام انجن موصوف لعل آمد۔			
(۲) (دہلی طرف)۔ ومن اظلم من منع مساجد اللہ ان یدک فیہا اسمہ و سغی فی خرابہا اولئک ما کان لہم ان یدخلوها الا خائفین			
کتبہ سیلا حمد			
(۳) بایں طرف۔ انہا یعمرو مساجد اللہ من آمن باللہ والیومرا لا خروا قام الصلوۃ و اتی الزکوۃ ولم یخشی الا اللہ قصۃ اولئک ان یکونوا من المہتدین			
امام جامع مسجد دھلے			

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۱۰۶)	لال مسجد	بازار لال کنواں	قدیم۔ دو منزلیہ۔ اوپر مسجد نیچے دکانیں۔ کوئی خاص بات نہیں۔
(۱۰۷)	لطف اللہ	x	دیکھو مسجد پانی تیان
(۱۰۸)	مبارک بیگم	x	دیکھو لال مسجد نمبر (۱)
(۱۰۹)	محبوب علی مولوی	چھتہ شیخ منگلو زیر جامع مسجد	قدیم۔ شمال سے جنوب ۴۸۔ مشرق سے مغرب ۱۳۔ ۶ محبوب علی دلی کے ایک شہور مولوی تھے جو مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے شاگرد تھے
(۱۱۰)	مختب	پچانک حبش خاں کوچہ مولوی قائم	۱۱۳۶ء - ۱۲۴۳ء - ۱۲۴۴ء یہ مسجد بہت وسیع صحن کی ہر جس کے مشرق رو پر طلباء کے حجرے ہیں جس میں مدرسہ ہے۔ صحن میں ایک بڑا حوض بھی ہے۔ تین گنبد تین درے۔ ابو سعید کی بنائی ہوئی ہر جو زمان شاہی میں دہلی کے مختب تھے۔ ان کے مورث اعلیٰ محمد اتقی چلیپی شاہجہاں کے عہد میں فارس سے آئے تھے اور آتے ہی مورد عنایات شاہی ہو گئے ان کے صاحبزادے کو صدر مختب کی خدمت موردی طور پر دی گئی کہ انھیں کے خاندان کے لوگ اس خدمت پر مقرر کئے جائیں گے۔ پیش طاق پر یہ کتبہ ہے۔
	در زمانہ داور عالم پنا ہے داور س		بادشاہ دیں محمد شاہ فاری جم ششم
	سند آراے شریعت میر عدل احتساب		ناصر اعلام دیں دہادوم دیروہ ششم
	کردہ در دلی بنائے مسجد گردوں شکوہ		کز تماشایش نگہ شد ناظر بیت الحرم
	چوں صفحا طر صاحب لال شخصس وسیع		گنبدش چوں گنبد گردوں نقشش یک قلم
	از پئے تاریخ آتاش سردش غیب گفت		دیکھتہ ثانی بنائے ابو سعید باکرم
(۱۱۱)	مزار غر انبرگ	فراس خانہ پیل کے پاس	قدیم۔ معمولی
(۱۱۲)	مزار نعل بیگ خاں	لال کازہ۔ بازار لال کنواں	قدیم۔ معمولی
(۱۱۳)	منشی شیر علی	کوچہ سر بلند خاں	۱۰۹۱ء - ۱۱۹۸ء تین در کی بہت مختصر مسجد جس کے پیش طاق پر کلمہ طیبہ اور ۱۰۹۱ء لکھا ہوا ہے منشی شیر علی کا پس

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۱۱۴)	مچھیوں کی مسجد	متصل جمیری دروازہ	نام ہی نام رہ گیا اور کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ۱۱۱۰ھ - ۹۹ھ - ۱۶۹۸ھ - شمال سے جنوب ۳۵ - ۹ - مشرق سے مغرب ۱۲ - ۹ - اونچے پر بنی ہوئی ہے سیڑھیاں چڑھ کر مسجد میں پونہچتے ہیں۔ تین گنبد تین درصحن میں سنگ باسی کے چوکوں کا فرش اور حوض شمال میں محراب دار دروازہ جس کی پیشانی پر سنگ مرمر کی تختی پر سیاہ حروف میں یہ کتبہ ہے:- حزدا، مسجد کہ شد ز شرف سجده گاہے گرد و شاہنشاہ شد بنائش بعد عالمگیر بفضیل نبی رسول اللہ گفت تایخ ایں حرم ہاتف "گرد کعبہ بنا خلیل اللہ"
(۱۱۵)	مولوی محمد باقر	کشمیری دروازہ پنچے کی گلی	۱۲۷۱ھ - ۵۵ھ - ۱۸۵۴ھ - یہ مسجد امامیہ لوگوں کی ہے۔ دھیرے والاں ہیں۔ اندر کے والاں میں پانچ دریں اور باہر والے میں صرف تین۔ صحن مسجد میں ایک چھوٹا سا حوض ہے جسے "قلتین" کہتے ہیں۔ داخلی دروازے کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے:- ہو العلی الاعلی
(۱۱۶)	مولوی عطاء اللہ	کشمیری دروازہ کھڑکی بابا ایم علی خان	مسجد شیعیاں اہلبیت طاہرین ۱۲۷۱ھ قدیم۔ یہ مسجد اور ایک مقبرہ جس کا ذکر علیحدہ آئے گا اور کچھ کوٹھڑیاں ایک ہی پختہ احاطے میں ہیں۔ مسجد سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے کوٹھے پر طلائی عربی کے رہنے کا کمرہ ہے۔ یہ مولوی عطاء اللہ کی بنائی ہوئی ہے جو عہد مغلیہ میں کسی بڑی خدمت پر تھے۔
(۱۱۷)	سومستان	گلی دوکان بکلاں	۱۲۷۶ھ - ۹۲ھ - ۱۶۹۱ھ - تین در کی مختصر پیش طاق پر یہ کتبہ ہے:-

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۱۱۸)	سیاں جی صاحب	پنڈت کا کوچہ	۱۲۰۶ء عجمی ”مسجد حنفیہ منان متعلقہ مسجد“ دگر زمین اور دوکان مع چوڑا اصلی مسجد شاہجہاں کے زمانے کی تھی بعد میں آخری منقلبیہ عہد میں بنی۔ اصلی مسجد دھنس گئی ہر آبی پر دوبارہ مسجد بنادی ہے۔
(۱۱۹)	سیاں صاحب	پھانک حشر خاں دھوبی کا کٹرہ	اورنگ زیب کے زمانے کی۔ آبادی بگیم صاحب محل اورنگ زیب نے ابتداء سنگ سرخ کی بنوائی تھی۔ دوبارہ تعمیر کی گئی ہے۔ چوں کہ سو۔ نو نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اس میں پڑھاتے تھے اور ان کو لوگ بالعموم سیاں صاحب کہتے تھے مخمس کے نام سے مشہور ہو گئی ہے۔
(۱۲۰)	سیدان والی	محلہ رودگراں	قدیم۔ معمولی۔ احاطہ مسجد میں سید یاقوت شاہ کی قبر ہے جن کے لئے یہ چھوٹی سی مسجد بنائی گئی تھی۔
(۱۲۱)	فیض سلسلہ	بازار لال کنواں نویلی میر افضل	۱۲۲۱ء عجمی۔ یہ مسجد دیکھوں نے مرزا مجتو کی معرفت بنوائی تھی۔ اس کے کتبے کا پتھر مسجد کے ایک حجرے میں رکھا ہوا ہے۔
(۱۲۲)	سیرمداری	فراش خانہ۔ گلی سیرمداری	بعون اللہ تعالیٰ اس مسجد لواحد اثبات بی بی صاحبہ والدہ شیخ علی احمد مرحوم سجادہ نشین فتحپور و خانم صاحبہ والدہ مرزا رحیم بیگ خاں باہتمام مرزا مجتو در شہر جب ۱۲۲۱ء عجمی تیار شد۔ قدیم۔ معمولی۔
(۱۲۳)	بنی بخش	ولی دروازہ	یہ مسجد پہلے اُس جگہ تھی جہاں کہ اب چنگی کی چوکی ہے حالیہ مقام پر از سر نو بنی بخش ستے بنوائی

نشان	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۱۲۴)	نقیب الدیاء	عقب کلاں مسجد	جس کے پیش طاق پر یہ کتبہ ہے:- ”نبی بخش سقائی بانی مسجد“
(۱۳۵)	نواب احمد سعید خاں	گلو تاق سم جان متصل جوبلی کالے صاب	قدیم۔ معمولی نقیب الاولیاء کی بنوائی ہوئی ہے۔ ۱۱۶۲ھ۔ دو منزلی۔ اوپر مسجد۔ نیچے چار دکانیں جو شمالی خراب کے پاس ہیں۔ قاسم خاں کی بنائی ہوئی ہے جن کا خطاب سہراب جنگ تھا۔ انھیں کے نام پر قاسم کی گلی مشہور ہے۔ قاسم خان کے باپ عبدالرحمن بخارا سے آئے تھے اور شاہ عالم ثانی کے زمانے میں نایب وزیر تھے جن کی حسن خدمات کی جسد میں سہراب جنگ کا خطاب اور شمس آباد و دھ جاگیر ملی تھی۔ نواب احمد سعید خاں صاحب جن کے نام سے یہ مسجد مشہور ہے ان کا ذکر گلی قاسم جان میں ملاحظہ ہو۔

فہرست ان مسجدوں کی جن کا کوئی خاص نام نہیں اور جن کا ذکر  
اس کتاب میں جداگانہ طور پر نہیں کیا گیا

نمبر	محلہ	مختصر
۱	فیض بازار اور دیا گنج کی شیریں جہاں تھی میں	عبد مظہر۔ معمولی کہتے ہیں گلو تبا کو دوش کی بنائی ہوئی ہے۔

نقشہ حال	محل	نمبر
عہد مغلیہ شمال سے جنوب ۲۶۔ مشرق سے مغرب ۱۱۔	محلہ رکاب	(۳)
ایضاً۔ ۲۶۔ ۱۱۔ کہتے ہیں کہ مفتی میرال کی بنوائی ہوئی ہے جو بڑے شہور اور ذی علم شخص تھے۔ ان کا اصلی نام رحمت علی خاں تھا جن کا خطاب سراج العلماء اور ضیاء الفقہ تھا۔	کوئچہ چیلان	(۳)
عہد مغلیہ شمال سے جنوب ۳۱۔ ۱۶۔ مشرق سے مغرب ۱۱۔ پیر جی حسن عسکری کی بنائی ہوئی کہتے ہیں۔	پھول کی منڈی کوئچہ خاں	(۴)
عہد مغلیہ متصل گرجا۔ ۲۰۔ ۱۱۔ ۱۶۔	پھول کی منڈی کوئچہ کھنڈی راؤ	(۵)
عہد مغلیہ نواب صاحب پاؤدی کے مکان کے پاس۔ ایک بڑی مسجد صحن و سیچ اور تین گنبد جس کے مشرقی کونے میں حوض ہے۔ اونچے پر بنی ہوئی ہے دروازہ مشرق کی طرف ہے جس کی دونوں جانب دس دس سیر میوں کا دھڑا زینہ ہے۔	ایضاً۔ نقار خانہ	(۶)
عہد مغلیہ مختصر۔ دہلہ اول میں آغا جان نے بنائی تھی بعد میں قریب الانہدام ہونے سے حال میں مرمت ہوئی ہے۔	ایضاً۔ کھڑکی یا چوٹی خانہ	(۷)
بہت قدیم مسجد مگر از سر نو بنائی گئی ہے۔	دورال خاں	(۸)
عہد مغلیہ شمال سے جنوب ۲۶۔ ۱۱۔ مشرق سے مغرب ۱۱۔	محلہ گرہیا یا چوٹی احمد علی خاں	(۸)
بہت قدیم مگر حال میں ترمیم ہوئی ہے اور پیش طاق پر صرف کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔	زیر جامع مسجد	(۹)
بہت قدیم مگر حال میں ترمیم ہوئی ہے اور پیش طاق پر صرف کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔	کمرہ گوگل شاہ	(۹)
بہت قدیم مگر حال میں ترمیم ہوئی ہے اور پیش طاق پر صرف کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔	سوہیوں کی گلی محل	(۱۰)
بہت قدیم مگر حال میں ترمیم ہوئی ہے اور پیش طاق پر صرف کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔	جامع مسجد سے جو سڑک	(۱۱)
بہت قدیم مگر حال میں ترمیم ہوئی ہے اور پیش طاق پر صرف کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔	دلی دروازے کو جاتی ہے	(۱۱)

صفحہ	محل	مختصر
(۱۲)	ایضاً	ایضاً احمد علیہ اور مختصر مگر بعد میں مولوی محمد انیس صاحب نے درست کرائی۔
(۱۳)	ترکمان دروازہ	دروازے کے پاس ہی۔ ۱۰۸۷ء۔ تین گنبد تین در۔ جنوب میں ایک حجرہ۔ یہ سجد صالح بہادر کی بنائی ہوئی جو جلوس عالمگیر میں بجائے خانزادہاں کے جاندہر کے فوجدار مقدر ہوئے تھے پیش طاق پر یہ کتبہ ہے:- بسم اللہ الرحمن الرحیم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بنائے سجد صالح بہادر بن حسین سلطان بدور ۱۹ عالمگیر ۱۰۸۷ء
(۱۴)	بھولا پھاڑی۔ گلی راجی داس	قدیم۔ مختصر۔
(۱۵)	ایضاً	" " "
(۱۶)	انڈھیری گلی	" " "
(۱۷)	گلی شعلیاں	" " "
		شاہجہاں کے عہد کی ہے جس کی از سر نو ترمیم ہوئی ہے۔ پیش طاق پر کلمہ طیبہ اور ۱۲۲۹ء کسندہ ہے مگر لوگ کہتے ہیں کہ یہ سرنہ بنا کا ہے نہ ترمیم کا۔ یہ پتھر کہیں اور کا ہے۔ کلمہ منقوش ہونے سے یہاں نصب کر دیا گیا۔
(۱۸)	چٹا دروازہ۔ شاہ بولا کا پٹر	قدیم۔ حاجی علی جان والوں کے خاندان کے کسی صاحب کی بنوائی ہوئی ہے۔
(۱۹)	گلی مرغاب۔ کوچہ میر عاشق	قدیم معمولی۔
(۲۰)	بیلی خانہ	قدیم۔ مختصر محمد شفیق صاحب کی بنوائی ہوئی ہے جو سید حسن رسول نامہ کے عزیزوں میں سے تھے
(۲۱)	محلہ ندے والاں	قدیم۔ معمولی۔

نمبر سلسلہ	محل	مختصر حال
(۳۸)	بازار لال کنواں - گلی	دوسری جگہ جار ہے مسجد گرگرا کر ڈھیر ہو گئی۔ زمانہ نامعلوم - مختصر -
(۳۹)	قاسم جان در غایت اسد متصل حوض قاضی	عہد مغلیہ - مختصر حکیم بقار اسد کی بنائی ہوئی - دو منزلہ - ادپر مسجد نیچے دوکانیں - دس سیڑھیوں کا زینہ ہو - - - - - - معمولی - پھر سے بنی ہوئی -
(۴۰)	کوچہ نیچہ بندان - چاندنی چوک	- - - - -
(۴۱)	چیمہ خانہ فرحتیہ مدر کپال	- - - - -
(۴۲)	چیمہ خانہ	- - - - - متولی عبدالرزاق -
(۴۳)	"	- - - - - دو منزلہ - ادپر مسجد - نیچے دوکانیں -
(۴۴)	"	- - - - - متولی عبدالرشید - اونچے پر بنی ہوئی - نوٹریہ صبا
		چڑھ کر جانا ہوتا ہے -
(۴۵)	دھرم پورہ چھپتہ شاہی	شاہ بولا کے بڑے پاس - قدیم - معمولی -
(۴۶)	دیہ کاں مشورع کا لٹہ	عہد مغلیہ - تین گنبد - تین در -
(۴۷)	- - - کنجوں کی گلی -	- - - شکستہ - اہل اثنا عشریہ کی مسجد ہے - یہ مسجد اونچے پر بنی ہوئی ہے - دراصل دو دالان کی مسجد تھی - اندرونی دالان سرک سے ملا ہوا تھا جس کے نیچے دوکانیں تھیں - یہ دالان اور دوکانیں تو متولیوں نے فروخت کر دیں - رہا اگلا دالان اُس میں بھی اب گودام ہے - غرض مسجد کا صرف نام رہ گیا ہے -
(۴۸)	کوچہ استاد حامد	عہد مغلیہ - استاد حامد کا جو کوچہ ہے اُس کے چھانک پر بنی ہوئی
(۴۹)	کوٹیاں پل سیرا توپ خانہ	عہد مغلیہ - اب بس جگہ سرائے ہے پہلے یہاں توپ خانہ تھا - مسجد توپ خانہ اُٹھنے سے پہلے کی ہے - بعد میں توپ خانہ جا کر اُس جگہ سرائے بن گئی -



نمبر سلسلہ	محل	مختصر حال
(۵۰)	چاندنی چوک - گلشن بانی	عہد مغلیہ - مختصر - یہ مسجد بانی گیم وچہ الہی بخش صاحب بانی ہوئی ہے
(۵۱)	نٹووں کا کوچہ	امام بارے کے پاس ۱۱۶۶ھ - مختصر جو چہرے بٹی ہو - پیش شاق - آیات کو امام مجاہد کے علاوہ یہ کہہ ہے رفیقین اقدس الموصوفہ احمد بنات تیار عالم نامہ بعد سعد احمد شاہ - نوازہ - سعید - اسٹی بامش سروش غیبی گفت از روایات - قادی کعبہ عالی بنامہ عہد مغلیہ - متولی فہیم - تین گنبد - تین دروازے - سب سرگرم - تیرہ - پڑھائی زمین - اوپر مسجد - پینچے تین دکائیں -
(۵۲)	نیل کا کٹڑہ	
(۵۳)	گلشن تلیا	
(۵۴)	کشمیری دروازہ چابی گنج	" - یہ مسجد دو منزلیہ ہوا اوپر مسجد - نیچے تین دکائیں - تین گنبد - تین دروازے - درمیان پر پڑھ کر مسجد میں جاتے ہیں - یہ مسجد عاشورہ کی خانم کی بنوائی ہوئی ہے
(۵۵)	ایضاً گندہ نالہ کچنیوں کی گلی	۱۰۱۵ھ - بانی علی احمد شاہ - مختصر جس کے بیس کے درپر یہ کتبہ ہے -
(۱)	امام بارے - نٹووں کا کوچہ	بعد نور الدین جہانگیر بن شاہ اکر - بعد الدعلی احمد شاہ اس بقعہ را بانی ہاں بانی شدہ در فکر تاسیخ بنائے رفیقین حق نہ آمد نہ باشد کہہ ثانی امام بارے دور آخری مغلیہ - تہہ - والان تین دروں کے ہیں - امام بارے کا ایک بڑا احاطہ ہے لیکن بہت روستی میں میں ہے - امام بارے ہی میں متولی محمد عسکری صاحب رہتے ہیں جن کے آبا و اجداد کا یہ امام بارے بنایا ہوا ہے سلا صوبہ تونسی پرانا نہیں جاتا - ۱۱

مختصر حال

محس

نمبر سلسلہ

(۲) امام باڑہ موری وردانہ نواب احمد مرزا صاحب کے امام باڑہ شہر ہری - دو بڑی اور دو چھوٹی دارا  
 جس میں کئی دالان تین تین دالانوں کے ہیں۔ اندر کے دالان میں نین قبریں ہیں ایک تو بانی کی اور دوسری ان کی بیویوں کی۔ علاوہ اس کے باہر کے دالان اور احاطے میں متعدد قبریں انھیں کے خاندان کے لوگوں کی ہیں۔ یہیں ایک چھوٹی سی قبر محمد حسین خاں کے انگوٹھے کی جو بانی کے دادا تھے۔ محمد حسین صاحب کا انگوٹھا کسی لڑائی میں کٹ گیا تھا۔ جسے انھوں نے خود یہاں لا کر دفن کر دیا۔ یہ امام باڑہ سیف الدورہ سید رشتی خاں باور نہایت جنگ کا بنایا ہوا ہے جو شاہ عالم ثانی کے ورہ۔ یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے وکیل تھے۔ چنانچہ نواب سید احمد مرزا صاحب کے پاس سید رضی خاں کی مہرج میں سیف الدولہ اور صلابت جنگ کے خطابات کندہ ہیں۔ ۱۲۰۶ھ ۱۲۰۷ھ کی موجود ہے۔

فہرست اہل مہنود کے شوالوں کی جن کا ذکر اس کتاب میں جدا گانہ طور پر نہیں کیا گیا

۱۔ دلی کے شہر کے مندروں میں عموماً پانچ چھ مورتیں برابر آٹھ سائے ہوتی ہیں بعض جگہ آٹھ بڑے الگ الگ طاق بھی ہیں ہوتے ہذا سنا معلوم ہوتا ہے کچھ تو شیخ ہندوؤں کے عبادت خانوں کی کر دی جاے شوالہ اس تمام کو کہتے ہیں جہاں شیو کی پوجا ہے مقدم مرج ہو۔ جیسا کہ ہر دیو اس کوشاے کے کہتے سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں شیو کا ٹکڑا اور بارتی کی مورت کا استحباب کیا گیا تھا اور اسی سبب وہ شوالہ یعنی شیو کی جگہ کہتا ہے۔ بعض مندروں میں طاووس ہیں اور بھی کئی کئی نہیں ہوتی ہیں اس لیے غیر قوم دانوں کو اس کا امتیاز مشکل ہے کہ یہ تمام شوالہ کیسی اور دیو کا مندر۔ دلی میں وہ مندر ایسے بھی ہیں جو دوسرے دیو کے نام پر بنائے گئے ہیں اس لیے ان کو شوالہ نہیں کہا جاسکتا۔ مندروں کے علاوہ دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ اور کثرت سے شیو ہی کی پوجا ہوتی چلی آئی بلکہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ شیو کے مقابلے میں دوسرے دیو نہایت کم پوجے جاتے ہیں۔ ۱۲

نشان سلسلہ	نام شوالہ	محلہ	کیفیت
(۱)	امر سنگہ	محلہ کچا باغ - کوچہ مہاجنی	بن کر ۳۸ سال ہوئے - قابض مال بہادر سنگہ کے دادا امر سنگہ کا بنایا ہوا ہے - اس میں شیو کا لنگ اور دو مورتیں پاربتی کی ایک گنپتی ایک کرتیکا سوامی اور ایک نندی کی ہیں - سیدھے ہاتھ کی طرف اور ایک بھوٹا سا مندر ہنومت کا ہے -
(۲)	باباجی	چتہ شاہی محلہ پھپھی دارہ کلاں	ہسٹو دو مغلیہ - یہاں پہلے قدیم شوالہ تھا جو گر گیا ۸ سکی جگہ ۲۸ - برس ہوئے کہ کلکتہ کے لالہ لاتا پرشاد نے یہ غارت بنوائی - جس میں دو لنگ شیو کے جو دونوں اچل یعنی ناقابل نقل مکان ہیں - انھیں کے پاس پاربتی - گنپتی کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں سیدھی طرف دور کا - بھیرو - گنگا - ہنومت کے بت ہیں - سالانہ تقریب سنبھی کی اسون کے ہینے میں ہوتی ہے - تین چار دن تک مورتوں کو باجے گا جے کے ساتھ گشت کرایا جاتا ہے -
(۳)	بڑا شوالہ	نیل کا کٹرہ	کوئی سو برس اول کا - اسے بہادر لالہ شیو پرشاد سی آئی - اسی کے دادا کا بنایا ہوا ہے - جس ۱۶۳۳ - ۱۶۳۴ - ۱۶۳۵ - اسے بہادر صاحب چٹھئی پشت میں ہیں - شوالے میں شیو کا لنگ - پاربتی - گنپتی - کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں - طاق ہیں ہنومان ہیں - ان کے علاوہ اور دو مورتیں ایک راوہا کی دوسری کشن کی ہیں جو کوئی آٹھ برس ہوئے کے بٹھائی گئی ہیں -

نشان سلسلہ	نام شوالہ	محلہ	کیفیت
(۴)	بڑ والا	ایضاً	کوئی دو سو برس کا پرانا۔ در پھوٹے چھوٹے مندر شیوکے ہیں ان دونوں میں شیوکا لنگ پاربتی گنتی اور نندی کا مور تیں ہیں۔ ان میں سے بڑے مندر میں کرینکا سوامی کی مورت بھی ہے سیدھی طرف کے طاق میں ہنومت کی مورت سیندور سے رنگی ہوئی ہے۔ کنجی مل جوہری نے ۱۸ سال ہوئے کہ مرمت کرا دی تھی۔ مندر میں بڑ کا درخت ہے اسی وجہ سے بڑ والا مشہور ہے۔
(۵)	پیل ہادیو	پیل ہادیو	ماگھ سنہ پنچمی بکرم سنہ ۱۸۶۶ء مندر کی بیرونی دیوار ہر ایک پنج سطری کتبہ بخط دیوناگری ہے جو صاف پڑھا نہیں جاتا ہے ہم بحسنہ نقل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ حال کا بھی ایک سہ سطری کتبہ اسی مضمون کا ہے۔

(۱) ॥ हिमांशु संमितसः ॥ यो विक्रमस्य

(۲) प्रभो ॥ तिथौ स-

(۳) मस्थापयत् ॥ १॥ वृद्धौ (۱)

(۴) ॥ पंचानन लक्ष्मण हर हरेश्वर

(۵) ॥ सलम्बोदरः ॥ शुभमस्तु १८६६

آخری سطر میں اس کے بانی چھی رام اور سمت ہے۔

یہ مندر لمبود را چھی رام کا بنایا ہوا ہے۔ اس میں

شیوکا لنگ گنتی۔ پاربتی۔ نندی۔ ہنومت

اور بھیرو کی مورتیں ہیں۔ شیوک کی مورت بہت

خوب صورت ہے جو چور سے لائی گئی تھی۔

نشان سلسلہ	نام شوالا	محلہ	کیفیت
(۶)	توپ خانے والا	دھرم پورہ بھوت والی گلی	دور آخر مغلیہ چچی لال قابض حال کے دادا لال دیو کی نندن کا بنایا ہوا ہے۔ وہ توپ خانے کے بہم رسانی سامان کے ٹھیکے دار تھے اور ایام قدر میں انھوں نے برٹش گورنریٹ کو بحالت محاصرہ شہر فراہمی سامان میں ٹی دوی تھی۔
(۷)	چندی مصر	دھرم پورہ	کوئی دوسو برس پہلے کا۔ پھولن جی کا بستہ کا بنایا ہوا۔ اس میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گپتی۔ کرتیکا سوامی۔ اور نندی کی مورتیں ہیں طاقوں میں ہنومت اور بھیرو کی مورتیں ہیں۔ مندر کے احاطے میں ایک نقش تپسہ کی کسی عمارت کا دھردیا ہے۔
(۸)	چودھری ہمت سنگھ	کھجور کی مسجد	دور آخر مغلیہ۔ ہمت سنگھ کے باپ لالہ موئی لال نے بنایا تھا جو سارٹھے پانچ فیٹ مربع ہی۔ اس میں پاربتی۔ گپتی۔ برمھ دیو۔ نندی اور ہنومت کی مورتیں اور شیو کا لنگ ہے۔
(۹)	دھوی لکھتا	نیل کا کٹڑہ گلی گھنیشور مادپو	ستر برس پہلے کا۔ مندر میں شیو کا لنگ اور پاربتی۔ گپتی۔ سورج ناراین۔ کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں۔
(۱۰)	راگھو مصر	پیل مادپو	دوسو برس پہلے کا۔ شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گپتی۔ کرتیکا سوامی کی مورتیں۔
(۱۱)	رنگی مصر	نیل کا کٹڑہ۔ نئی بستی	۱۸۹۱ء یہ مندر چھنگا مصر کا بنایا ہوا ہے اور مرمت۔ ۱۹۲۲ء نئی مصر نے کی ہے۔ شیو کا لنگ۔ گپتی اور نندی کی مورتیں ہیں اور طاق میں ہنومت

نشان سلسلہ	نام شوالہ	محلہ	کیفیت
(۱۲)	ساول جی	مالیواڑہ بھونچ پورہ	ادور درگا کی مورتیں ہیں۔
(۱۳)	سانندو دیا	مالیواڑہ پتلی گلی	دور آفر مغلیہ۔ سیوکا لنگ۔ گپتی کی دو مورتیں اور اور ایک ایک مورت۔ پارہتی۔ کرتیکا سوانی اور نندی کی اساڑھ سڑی ۱۳ بکرم سمت ۱۹۰۹ء مند کی بیرونی دیوار پر بخت دیوانگری یہ کتبہ ہے اور نیچے اس کے اردو کی ایک سطر ہے۔ شوالہ سری ہماراج پنڈت کنھیا لال جی کاسری سمت ۱۱۹۰۹ء ساڑھ ششکلا ۱۳
			شوالہ سری ہماراج پنڈت کنھیا لال جی کا سمت ۹۰۹ اساڑھ سڑی تیج۔ مندر کے اندر بخت ناگری ستہ سطر کا یہ لمبا کتبہ ہے جس کی عبارت بخندہ نقل کی جاتی ہے۔

(۱) سری ایسوتھا شوالے - (۲) سری من ہماراج پنڈت  
کنھیا لال جی کا پتا ہماراج سالگ رام جی وکر پارام جی کے کی سمت ۱۸۹۶ء  
میں برشا سے مکان اُن کا گر پڑا تھا سمت ۱۸۹۸ء میں اسی جگہ کی چوٹری دیوار کچی۔  
(۲) کچھو اکبر سری ہما دیو جی کو ستھیا پرت کیا اور دیوان خانہ اپنے واسطے بنوایا  
سمت ۱۹۰۷ء - (۵) ایک اسی طور ہا سمت ۱۹۰۸ء میں شوالا بنا شروع ہوا تیج  
نگہبانی ہماراج جوالی (۶) سمجھ جی کے - سمت ۱۹۰۹ء میں بن کے تیار ہو گیا اور تپشامتی  
اساڑھ ششکلا تیج کو بڑ (۷) (۵) دھوم سے سالگرام جی نے کری کس واسطے پنڈت جی  
ہماراج کا شہر پریمار تھا اور - (۸) ایک جہینے دس دن بعد پرثشا کے  
کیلاش باسی ہو گئے سمت ۱۹۱۱ء میں غدر ہوا سمت ۱۹۱۵ء - (۹) و ۱۶ میں نے

نمبر سلسلہ	نام سوال	محلہ	کیفیت
			<p>س۔ ٹرک نکالی دیوان خانہ سڑک میں آگیا دام اُس کے سرکار سے سالگزام - (۱۰) جی ہماراج کو لے اُنہوں نے دیوار سڑک کی طرف بنوائی اور زمین دہالی سبجانی سے مو (۱۱) ل لے کر تہ خانہ بنوایا اور اُس کے اوپر چار دیواری کھڑی کر دیا کر چھوڑ دیا تھا۔ (۱۲) سمیت ۱۹۲۸ میں دوکان کی صورت زمین وغیرہ دین مٹھن لال نے بنوایا نول میٹری سے۔ سمیت ۱۹۴۰ (۱۳) میں دوسرا کے بازو نل فہوارے کا آکر بھیروجی کا وچھت تدری بنوائی و مرمت شکست - (۱۴) ریخت کی پی داس کر داتا رہتا ہی کُل نویں اسباب اسی دین نے چڑھایا ہی سمیت ۱۹۱۹ - (۱۵) ہماراج سالگزام جی شیو لوک باس ہوے بعد اُن کے ہر طور کی سیوا یہی چر نورگی کر رہا - (۱۶) ہی - یہ دیکھتا آگیاں انکول سری شیوجی ہماراج کے دین پنڈت مٹھن لال راے بہادر پنشنر (۱۷) نے کھدوائی ہو اور جو کسی کے نام کو مٹاتا ہی بھگوت ہماراج اُس کے سات کل کے نام کو مٹا دیتے ہیں۔</p> <p>سمیت ۱۹۴۵ - اسارٹھ - شیکلا ۱۳ سنیوار</p> <p>راے بہادر مٹھن لال - سداوندید حال نگران شوالے کے تاہ تھے جنہوں نے یکتبہ کھدوایا - مندر کے اندر لنگ - پاربتی - گپتی - برمھ دیو اور نندی کی مورتیاں ہیں - طاق میں سیدھی طرف لالہ بھیرو - ہنومت اور کالی دیوی کی مورتیاں ہیں</p>
(۱۴)	سرون	کوچہ گھاسی رام	<p>دور آخر مغلیہ - ایک مورت بھیرو کی سیندور میں لپٹی ہوئی باہر سے ہی نظر آتی ہے - مندر کے اندر ہما دیو اور پاربتی کی سنگ مرمر کی مورتیاں میل پر بیٹھی ہوئی بنی ہوئی ہیں - قدیم مندر بہت چھوٹا تھا - یہ نئی عمارت گھڑے ہوئے پتھروں کی</p>

نمبر سرائے	نام شوالہ	محلہ	کیفیت
(۱۵)	کالی پرشاد	گندی گلی	سرس ۱۹۶۹ میں بنی ہو۔ مندر کے متصل ایک دو مندر لہ کرہ پجاریوں کے بیٹے بنا ہوا ہو۔ سو برس پہلے کا۔ کالی پرشاد کے پردادا چٹا مصر کا بنایا ہوا ہو بعض کہتے ہیں کہ نانک چند گوسائیں کا بنایا ہوا ہو لیکن اب اس کی پجاریں مسماۃ پردو ہو چکی ہیں کالی پرشاد کی رٹکی ہو۔ مندر میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گپنتی اور نندی کی سنگ مرمر کی مورتیں ہیں طاق میں ہنومت کی مورت ہو۔
(۱۶)	گورکھ ناتھ	نیل کا کٹرہ۔ گلی وھو بیاں	مندر کے بعد بنایا ہو۔ للٹا بی بی اور دھوتی کا بنایا ہوا ہو۔ گورکھ ناتھ دھوتی کا شوہر اور للٹا کا خسر تھا جس کے نام سے مندر مشہور ہو۔ مندر میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گپنتی۔ کریم کا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں۔ واہنی اور بائیں طرف ہنومت کی مورتیں ہیں۔ دور آخر مغلیہ۔ سیڑھیوں پر یہ کتبہ بخط ناگری ہے۔
(۱۷)	گوری شنکر	کھاری بادلی	سری گیش نام یہ شوالہ پنڈت گوری شنکر کا ہو متی پیا کہ ۱۳۵۷ سن ۱۹۵۶
(۱۸)	گوا	نئی سڑک گلی پھرو	کھو کی نے جوایا ہو تو یہ مندر پھانا مگر از سر نو سمت ۱۹۵۶ میں بنایا ہو۔ اس میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گپنتی اور نندی کی مورتیں ہیں اور طاق میں ہنومت کی مورت ہو
			نئی سڑک گلی پھرو تقریباً سو سال کا۔ شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گپنتی برہم دیو کی مورتیں مندر میں ہیں ایک عورت نے جس کا نام محلہ بلی وارہ



نمبر سلسلہ	نام شہاد	محلہ	کیفیت
(۱۹)	گھاسی رام	پہتہ شاہ جی - نائی واہ	گوما تھا بنایا ہے - (۶۹) برس کا - گھاسی رام کھٹری کا بنایا ہوا ہے - اس کے آباد اجداد میں سے جٹھال محمد شاہ کا لازم تھا - چوں کہ غدر میں گھاسی رام نے باغیوں کے ساتھ دیا تھا یہ مندر ضبط ہو گیا - شیو کا لنگ - ننڈی مورت کے علاوہ طاق میں پاروتی اور گنپتی کی مورتیں بھی ہیں - آس مندر کے لنگ کو بہت قدیم بتاتے ہیں یعنی اس زمانے کا ہے جب کہ سو بھاری سمھتیا اور پدم پُران لکھی گئی ہیں - جہاں ہوا دھیا پنڈت بانے کے
(۲۰)	گھنٹیسو مہادیو گھنٹیسو مہادیو	نیل کا کٹڑہ - گلی	اور دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ سو بھاری سمھتیا اور پدم پُران میں جو کاسی کا ذکر آیا ہے وہ ہونہ منیل کا کٹڑہ ہی ہے کیوں کہ کاسی کو اس میں دیا پورہ بھی لکھا ہے اور گھنٹیسو مہاراج کو دوسو سور لکھا ہے - علاوہ برین نیل کے کٹڑے ہی کا نام دیا پورہ ہونے کا ثبوت اس مکان کے قبائے سے بھی ملتا ہے جس میں کہ پنڈت جی موصوف رہتے ہیں - چنانچہ کار و فیض دربار کی قدیم تاریخ اندر پرست کے صفحہ (۱۸) میں بھی پنڈت جی نے یہی لکھا ہے لیکن بائیں ہمہ یقینی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نیل کا کٹڑہ ہی دیا پورہ ہی یعنی کاسی اور دیا پورہ دونوں ایک ہی مقام کے نام ہیں - کیونکہ کاسی (بنارس) کو بھی دیا پورہ کہتے ہیں - اس سے قیاس ہوتا ہے کہ دیا پورہ نام کے دو مقام رہے ہوں نیل کے کٹڑے کے مندر کا نام دوسو مہادیو کوئی یقینی ثبوت اس امر کا نہیں ہے - ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ ایک ہی نام اور ایک ہی روایت کی بنا پر کسی کسی مختلف مقامات میں دوسو مہادیو کے مندر کے نام لکھے گئے ہیں اور قول فیصل کے لئے ابھی حاکم منتظرہ باقی ہے - اگر دلی میں کوئی کتبہ یا نکل آئے جس میں کاسی کا نام درج ہو تب البتہ کہا جاسکتا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں کتبہ جگہ کاسی کا ذکر آیا ہے اس سے نیل کا کٹڑہ ہی مراد ہے - لیکن تب بھی قول مرجع ہی ہوگا کہ کاسی بنارس ہی مراد ہے - چوں کہ اس مندر میں گھنٹے کثرت سے ہیں اس لئے گھنٹیسو کہلاتا ہے -

نمبر سلسلہ	نام شوالہ	محلہ	کیفیت
(۲۱)	لالہ بنی پھل	چیرہ خانہ	دور آخر مغلیہ - مختصر - جر میں شیو کا لنگ - پاربتی گنیش - کرٹیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں -
(۲۲)	لالہ شام لال	کناری بازار چیل پوری	تخمیناً ۷۳ سال کا - اسے شام لال کا بتایا ہوا ہے - مندر میں شیو کا لنگ - پاربتی - درگا - گنپتی - کرٹیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں - پاربتی اور درگا سے مراد واحد ہے - لیکن درگا کو سمجھا جاتا ہے کہ اس نے رکشس ہی پاسوں مارا ہے اور پاربتی صرف شیو کی بی بی ہی اور اسی واسطے دوجہ اگانہ مورتیں ہیں -
(۲۳)	لالہ فتح سنگہ	بلی ماراں - کوچہ بی بی گوہر	دور آخر مغلیہ - شیو کا لنگ - پاربتی - گنپتی - نندی - ہنومت - ٹھا کر جی (دکشن) کی مورتیں ہیں - یہ مندر لالہ فتح سنگہ کا بنوایا ہوا ہے -
(۲۴)	کشتی زارین	ایضاً	دور آخر مغلیہ - شیو کا لنگ - پاربتی - گنپتی - نندی - ہنومت کی مورتیں ہیں بانی کا نام دای ہی جو شوالے کا نام ہے -
(۲۵)	مانک پودو شوبھا	نیل کا کٹرہ	دکرم سمست ۱۹۰۲ - سکے ۱۷۹ مانکہ سنگھلا بچھی - ہفتہ - اس مندر میں یہ کتبہ خط ناگری ہے - (۱) سری گنیش نسکار سمست ۱۹۰۲ - شا کے ۱۷۹ مانکہ سنگھلا بچھی شتی دے وشویشہ ۱۰ تھ مانک چند نے شیو ستھاپن کیا - تھریس ہیں داہنے ہاتھ کی طرف یہ دوسرا کتبہ ناگری کا ہے - (۲) یہ چتر لال مانک چند جی کا -

نمبر سلسلہ	نام سوال	محلہ	کیفیت
(۲۶)	ٹاپک	چھتہ پتہ پتہ گلی	(۲) سمت ۱۹۰۲ میں - (۳) لالہ ویشو ناتھ مانک چند شیو ستھاپن کیا یہ مندر ویشو ناتھ اور مانک چند دو صاحبوں نے جو ذات کے کھتری تھے بنوایا ہے۔ مندر میں شیو کا لنگ - پاربتی - گیتی - کرٹیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں۔ خاق میں دایہ طرف منوت اور بائیں طرف انان پران کی مورتیں ہیں۔ (۱۲۸) برس پیشتر کا۔ اس مندر کی کوئی اٹھائیس برس ہوئے کہ کسی حجام نے مرمت کرائی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ حجام کی بیوی گنڈ وانیہ نے مرمت کی تھی اور اسی وجہ سے نایک کا شوالہ کہلاتا ہو۔ اس میں پاربتی - گیتی اور نندی کی مورتیں ہیں اور طاق میں منوت کا ثبت ہے۔ دور آخر مغلیہ - ایک پختہ احاطے میں منڈوے کے اندر ہے۔ دسویں سرناتھ کا بنایا ہوا ہے۔ معمولی بکرم سمت ۱۹۰۵ء جمعہ مانگھ ششکلا (۶)۔ دروازے پر ایک چھ سطر کا کتبہ بخط ناگری لگا ہوا ہے :-
(۲۷)	دسویں سرناتھ	گندی گلی	
(۲۸)	ہر دیو اس	پہلے کی گلی معدی ہاراں - پاسیوں کی گلی	

समिन्ते हायने स्वस्मिन्सप्त वाङ्क निशाकरैः

माघे शुक्ले घटोत्सवे दशैषष्ठ्यां भृगोर्द्विने २

वलदेवस्तुतो यस्य हस्तेवस्तथा परः

श्री मन्महेशदासेन स्थापितो गिरिजापिथो २

सं० १६०७ मा० शु० ६५०

شیر سلسلہ	نام شوال	محلہ	کیفیت
			<p>یہ مندر پدین ناراین دہلی کے دادا جس کا سرکا          بنوایا ہوا ہے۔ جو مورتیں اس مندر میں ہیں ان کی          صراحت کہتے ہیں موجود ہے۔ اس مورت شیو کی ہے          باقی اور ۲۰ تیں بھی ہیں۔ لگا کے سامنے ایک چھٹی سی          مورت نندی کا ہے۔ دائیں طرف اشٹ بھج اور بائیں          طرف گنپتی اور برہم دیو کی مورتیں ہیں اور دروازے          کے سامنے ہی ہنومت کا بت ہے۔ پاربتی شیو کی          بی بی ہے۔ بیل اس کی سواری کا ہے اور گنپتی اس کا          بیٹا ہے۔ برہم دیو بھی انھیں کے متعلقین میں سے          ہے۔ لیکن ہنومت کا اس سے کوئی تعلق نہیں          ملتا ہے کہ یہ مورت بعد کے زمانے میں رکھ دی          گئی ہو۔</p>

## فہرست شوالوں کی جن کا کوئی خاص نام نہیں ہے

شیر سلسلہ	محلہ	کیفیت
(۱)	کوچہ شیر عاشق گلی مرغاب	۱۸۵۰ء - بابو ہنسی دھرقا بس ہیں۔ معمولی -
(۲)	محلہ بادیاں کوچہ سرہند غا	دور آخری مغلیہ۔ معمولی۔ اس میں دو لنگ ہیں اور پاربتی - گنپتی۔ برہم دیو کی اور نندی کی مورتیں ہیں۔
(۳)	بازار سیٹارہ کوچہ شریفیگ	ایضاً۔ اس میں پاربتی۔ کریم کا سوامی گیش اور نندی کی مورتوں کے علاوہ شیو کا ایک بڑا لنگ بھی ہے۔ سامنے وارطاق ہیں

نمبر سلسلہ	محلہ	کیفیت
(۴)	اٹلی محلہ گلی کشمیر پور	رام سیتا۔ لکشمین کی مورتیں سنگ مرمر کی ہیں۔ اور ایک دوسرے طاق میں بھیروں کی مورت سینہ در لگی ہوئی ہے۔ ایضاً۔ اس میں پاربتی۔ گنگا۔ کرتیکا سوامی۔ نندی کی مورتیں اور شیو کا لنگ ہے۔
(۵)	اٹلی محلہ کچھ پانی آم	دور آخر مغلیہ۔ یہ مثلاً صرف ایک چھوٹا سا منڈوا مکان مسکونہ کے بیچ میں ہے۔ اس کی تعمیر از سر نو ہوئی ہے۔ اس میں پاربتی۔ گپتی۔ کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں۔
(۶)	جٹوارٹھ یا کوٹڈے والا	ایضاً خستہ حالت میں ہے۔ پندرہ بیس برس ہوئے کہ لنگ بھی کوئی اٹھا لے گیا۔ چند ٹوٹے پھوٹے ستون ادھر ادھر بکھرے پڑے ہیں۔ لیکن شوالے کے حدود ابھی برقرار ہیں۔
(۷)	نیابانس کوچہ سنجولی رام	ایضاً ہرجی مل کھتری نے بنایا تھا۔ اس میں پاربتی۔ گپتی اور کرتیکا سوامی کی مورتیں ہیں۔ سلمنے ہی ایک چھوٹا سا مندر ٹھاکر گی کتھیا جی یا کتن کا ہے۔ سیدھی طرف اور ایک چھوٹا سا مندر گنگا کا ہے اور بائیں طرف منومت کا۔
(۸)	نیابانس	عہد شاہجہانی۔ یہ مثلاً کوئی معقول عبادت گاہ ہو کیوں کہ بہت گھنٹے لگے ہوئے ہیں۔ نیامندپ ۸۸۳ء میں بنایا جس پر دیوناگری انگریزی۔ اردو میں یہی سنہ لکھا ہوا ہے۔ اس میں چھوٹی چھوٹی مورتیں پاربتی۔ گپتی۔ برہم دیو اور نندی کی ہیں اور شیو کا لنگ بھی ہے۔
(۹)	بٹی ماراں۔ کوچہ بی بی گوہر	دور آخر مغلیہ۔ لالہ متلال کا بنایا ہوا ہے جس میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ ہنمت اور بھیروں کے بت ہیں۔
(۱۰)	ایضاً گلی دل سکھرا	اشی نوتے برہم کا۔ شوالے میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گپتی۔

نمبر سلسلہ	محلہ	کیفیت
(۱۱)	گلی حکیم بقا قریب محض قاضی	برمھ دیو۔ کرتیکا سوامی بہومت اور مشن کے چرن پڑ کے ہیں۔ یہیں ایک چھوٹا سا مندر بٹھا کر جی (کشن) کا ہی جس میں رادھا اور کشن کی مورتیں ہیں یہ شوالا لالہ گئی رام صاحب کا بنایا ہوا ہے جلالہ دل سکھ راس کے باپ اور مسٹر فریڈر ریزنڈنٹ دہلی کے خزانچی تھے۔
(۱۲)	کھجور کی مسجد	ڈیڑھ سو سے دو سو برس پہلے کا۔ معمولی شیو کا لنگ۔ پاربتی گپتی۔ نندی اور بہومت کے بت اس میں ہیں۔ یہ شوالا ایک مکان مسکونہ کے اوپر بطور ایک پیولین بنایا ہوا ہے۔
(۱۳)	دھرم پورہ۔ گلی پٹوالی خور	ایک سو پندرہ برس پہلے کا۔ راج نرائن لال بہی سٹراٹ لالہ داداشی جیون لال نے موجودہ شوالا لے کر اور کچھ جائیداد کے ساتھ ہی ۱۱ برس پہلے خرید لیا تھا۔ شوالا ۱۶۔ ۱۷ مربع فوٹ لیکن اس کی تعمیر کا سال معلوم نہیں ہوتا۔ شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گپتی اور نندی کی مورتیں اس میں ہیں۔
(۱۴)	کوٹیا پگل۔ انڈرا کنواں	دو سو آخر مغلیہ۔ بہادر سنگھ کی بہن جوڑ دیوی نے غدر سے کچھ برس پہلے بنایا تھا۔ یہ شوالا ایک اونچے مقام پر گنبد دار ہے داخلی دروازہ سے درمیانی سے ہی جس کے آگے ایک سنگ سحر کا چبوترہ ہے جس پر تیرہ سیڑھیاں چڑھ کے جاتے ہیں۔ اس میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گنیش اور کرتیکا سوامی کی مورتیں ہیں۔ پاربتی کی مورت بہت خوب صورت بنی ہوئی ہے۔ طاق میں گنیش کی ایک صورت رکھی ہوئی ہے۔
		دو سو برس کا۔ اس کی مرمت ہنر رانج داس نے کرائی تھی۔ اس میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گپتی اور نندی کی مورتیں ہیں

نمبر سلسلہ	محلہ	کیفیت
(۱۵)	نٹوں کا کوچہ	اور طاق میں ہنومت کا بت ہے۔ ایک دوسرے چھوٹے سے مندر میں ہنومت کا ایک اور بت اور وٹکیش اور کرن کے برنجی بت ہیں۔ مندر کے پاس ہی اندرا کنواں ہے جس کے نام سے محلہ مشہور ہو گیا ہے۔ یہ کنواں بہت پرانا عہد مغلیہ سے پہلے کا بنجاروں کا بنایا ہوا کہا جاتا ہے۔ کوڑیا پل کی وجہ تسمیہ کا یہاں شاہ جی کے مکان کے تحت میں ملے گا۔
(۱۶)	نیل کا کسٹرہ دھویوں کی گلی	آخرو درہ مغلیہ۔ معمولی۔ کوئی کہتا ہے چندے سے بنا ہے کوئی کہتا ہے ہنسال کا بنایا ہوا ہے۔ اس میں سیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گپنتی۔ کرتیکا سوامی۔ نندی اور ہنومت کے بت ہیں۔ (۱۳۳) برس پہلے کا۔ بعض کہتے ہیں کہ غدر سے کچھ ہی پہلے بنا ہے گنگا مصر (بھٹا مصر) کا بنا ہوا ہے جس کی چھٹی پشت میں قابض حال گوکل چند ہیں۔ اس میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گپنتی۔ کرتیکا سوامی اور نندی کے بت ہیں۔ سیدھی طرف طاق میں ہنومت کا بت ہے اور بائیں طرف سیو۔ پاربتی اور گپنتی کی مورتیں ہیں۔
(۱۷)	کشمیری دروازہ گندہ ناکہ چنچیلوں	قریب ۹۳۔ برس پہلے کا۔ اجمودھیا پر شاد کھتری اور ٹھا کوہاں بقال کا بنایا ہوا۔ قابض حال کھتری امراد سنگھ ان کی چوتھی پشت میں ہیں۔ اس میں دو چھوٹے چھوٹے مندر ہیں ایک شیو کا اور دوسرا ہنومت کا۔ شیو کے مندر میں شیو کی مورت پاربتی اس کی گود میں بیٹھی ہے اور پاربتی کی ایک علیحدہ مورت بھی ہے اس کے علاوہ گنیش۔ کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں۔ ہنومت کے مندر میں ہنومت کی مورت سیندور میں رنگی ہوئی ہے اور اس کے علاوہ اور کئی چھوٹی چھوٹی برنجی مورتیں ہیں۔ اس شوالے میں اندر باہر کوئی تیس گھنٹے لٹک رہے ہیں۔
(۱۸)	کی گلی۔	

نمبر سلسلہ	محلہ	کیفیت
(۱۹)	چوڑی والاں گلی کشمیریاں	کوئی سو برس اول کا۔ اس کے دروازے پر زانہ حال کا ایک کتبہ لگا ہوا ہے جس پر ناگری میں :- ”پنڈت بسن ناراین ہکر“ کھدا ہوا ہے۔ اس شوالے میں شیو کا ٹنگ۔ پارہتی اور مندی کی مورتیں ہیں۔
(۲۰)	کھاری باؤلی۔ گلی تاشاں خورہ	پچاگن کرشنا (۵)، جمہرات سمت ۱۹۰۷ء۔ دروازے پر ذیل کا کتبہ سنسکرت میں کندہ ہے :-
<p>श्री शः पायात् ॥ १ ॥ कपूजाति राजन्य वंशे (वंशे) जातस्य धोमतः ॥      श्रीमद्विजय रामस्य पत्नी कुर्या (कुर्या) पतिव्रता ॥ २ ॥ धर्महि भर्तृन्निधनादनन्तर      रम्बितं (वितं) तदीयम्विनियोजितं तथा ॥ नृत्नालये श्रेष्ठतरे सुखप्रदे कार्यो प्राति      ष्ठा मय काथ धूर्जटे ॥ ३ ॥ चिन्तयन्त्यन पत्येत्यं स्वर्गता देवयोगतः ॥ अवाशि      ष्ठेन रिकथेन तस्यास्तु वचनादपि ॥ ४ ॥ मुन्याका शाङ्क गोत्राभिर्मिते वैक्रमहायने      कालगुमासित पञ्चम्या (स्यां) कृष्णपूर्णिमासरे (पुरुषासरे) ॥ ५ ॥ सं १९०७ फा ० ५ ३ ०      جس کا مطلب یہ ہے۔ مقدس شیو محافظ رہے۔ چوں کہ میں وفادار اور باعصمت ہوئی ہو اور      دانش مند و جوارام کی ہوں اور فرقہ کپور چھتریوں میں پیدا ہوئی ہوں۔ مجھ کو چاہیے کہ میرے      شوہر کی وفات کے بعد اس کی تمام دولت امور مذہبی (یا خیرات) میں خرچ کروں      مزید براں (انتھا) اور (تتھا) یہ بھی چاہیے کہ شیو کا ٹنگ اس با موقع اور عمدہ نئے مندر      میں بٹھاؤں۔ جب وہ (عورت) اس خیال میں تھی وہ مر گئی (بہشت کو چلی گئی)۔ بد قسمتی سے      لا ولد مری)۔ اس کی دولت سے جو باقی رہی اس کے سب سے چھوٹے دانش مند و      جیٹھ مل نے اس (متوفیہ) کی زبانی ہدایت کے موافق اس نے شیو جوارام کا ٹنگ جو      وجوہ نام کے نام سے موسوم تھا، برہمنوں کے ہاتھوں سے سمت بکر می ۱۹۰۷ء میں      جمہرات کے دن پانچویں سدی فالگن جب کہ چاند کا قرآن جمع انجم سے تھا اور اس پر تو شستری      رجسٹراں بلج رہا تھا سمت ۱۹۰۷ء فالگن کری ۵۵۔ جمہرات کے دن۔ مبارک باد</p>		



# اُن مندوں کی فہرست جن کا ذکر اس کتاب میں نہیں آیا۔

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۱)	اماہیسور	انی محلہ گلی بسوا	تختہ (۸۸) برس پہلے کا۔ ممولی۔ مندر میں جہادیت پارتی، گنپتی۔ کرتیکا سوامی۔ نندی اور ہنوت کی مورتیں ہیں۔ بائیں طرف ہنوت کا ایک ادبیت سیندور ملا ہوا ہے۔
(۲)	بابا جی رام	چھتر پرتاب سنگھ گلی پیل والی	تختہ دو سو برس سے ادپر کا۔ دو مندر ملے ہوئے ہیں۔ ایک شیو کا ہر جس میں پارتی۔ گنپتی۔ کرتیکا سوامی اور نندی کے بت، علاوہ شیو کے لنگ کے ہیں اور دوسرے مندر میں رادہا اور کشن کے بت ہیں
(۳)	بابو گلاب اس	گلی کدار ناتھ	دور آ خر مغلیہ۔ راجہ کدار ناتھ کا بنایا ہوا ہے چنانچہ انھیں کے نام سے یہ گلی مشہور ہو گئی ہے۔ کدار ناتھ کے والد کے متعلق ایک دلچسپ قصہ بیان کیا جاتا ہے جس میں ان کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شروع شروع میں قلعے میں پرل چنے بیپار سے اس نے اس میں تختہ ملی پہ۔ ایک نامان شاہزادہ کمران تھا اور کدار ناتھ کے ماتحت اور نائب سلطنت تھے (۱۵) ان مامو صاحب نے شاہزادہ فرہ دینے کا ارادہ کیا جس کی خبر کدار ناتھ کے والد کو گلی انھوں نے فوراً شاہزادے کی والدہ کو خبر کی وہ بے چاری دار کی ماری شاہزادہ کو لے آ کرے بھگ گئی شاہزادے نے بجلد اس خیر خواہی کے جس سے اس کی جان بال بال بچ گئی چنے فروش کے بیٹے کو مرزا راجہ کدار ناتھ کا خطا دیا۔ اس میں رام سیتا پچھن کی مورتیں ہیں سامنے ایک بت

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۴)	بڑا مندر - لاڈلا بڑا مندر	نیل کا کتہہ - گھٹے پٹسو - جہاد پور	ہنہ ان کا اور سیو کا لنگ - تقریباً سمٹ بکرا جیت - نول گنو سوامی پر دیو مانجی کا بنایا ہوا - انھوں ہی سے رادھا اور کشن کی مورتیں بنی گئیں - چوراکہ نول گنو سوامی لاڈلی بی راڈھا کی پوجا - کے بہت مقدس تھے ۱۵۱۹ء سے مندر لاڈلی بڑا مندر مشہور ہو گیا - اس میں دو مورتیں ہیں ایک رادھا کی دوسری کشن کی - رادھا کی مورت برنجی ہو اور کشن کی سنگ سیاہ کی - داہنی طرف ایک چھوٹے سے مندر میں ہنسی کی تقریبی مورت ہے -
(۵)	بھیر دی	کو پٹے گھاسی رام	دور آخر مغلیہ - ایک پتھر سینہ دور ملا ہوا باہر ہی سے نظر آتا ہے جو بھیر و کہلاتا ہے - مندر کے اندر جہاد پور پارتی - کی مورتیں سنگس مرمر کی ہیں جو بیل پر بٹھی ہوئی ہیں - قدیم مندر چھوٹا سا تھا - نیا مندر گھڑے ہے - پتھروں کا سمٹ ۱۵۶۹ء میں بنایا - مندر سے ملا ہوا دو منزلہ کوٹھڑی پوجا کی کے رہنے کی ہے - تختیٹا سو سال کا - معمولی - ایک پتھر پر سینہ دور لگا ہوا جو بھیر و کہلاتا ہے -
(۶)	بھیر و	نیا بانس	دور آخری مغلیہ - اسی کو سدی گو سائیں کا مندر بھی کہتے ہیں - دروازے پر خط دیوناگری "سری کشوری مندر کنڈی نیچے مندر ہو اور رہنے کا مکان دور آخری مغلیہ - دو چھوٹے چھوٹے مندر ملے ہوئے ہیں - (۱) رادھا کشن کا - (۲) ہشیو کا - پہلے میں رادھا کشن کی مورتیں ہیں اور دوسرے میں بربتی -
(۷)	توپ خانے والا	دھرم پورہ	
(۸)	چھپر والا	چھپری واڑہ کلاب	

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۹)	جھجر والا	چاندنی چوک	گہنتی - کرتیکا سوامی اور مندی کی - سیدھے طرف کے دو طاقوں میں لنگا اور ہنومان کی صورتیں ہیں - سوا سو برس کا - بانی ہر دیو جی - چوں کہ یہ مجھ پر کاہنے والا تھا اس واسطے یہی نام پڑ گیا - قابض حال ہر دیو جی اُن کی چھٹی پشت میں ہے - ایک مندر میں نورادہا کی سنگ ہرمر کی صورت ہے اور کشن کی سنگ سیاہ کی اور دوسرے مندر میں جو شوالہ و شیکا لنگ پارتی - گہنتی - کرتیکا سوامی اور مندی کی صورتیں ہیں اور طاق میں ہنومان کا بت ہے -
(۱۰)	جوہری والا	الی وارہ	تھینڈا دو سو سال کا - داہنی طرف بھیرو کا بت ہے - بیچ میں سنجو (ترتھن کر سوم) ہادی داہنی طرف اور بھو کی بائیں جانب نیلی ناتھ بایسویں ترتھن کر کی صورت ہے
<p>اُس کی بائیں جانب اور ہماری سیدھی طرف دیل ناتھ تیرھویں ترتھن کر کی صورت ہے - ہماری بائیں جانب اور بھو کی داہنی طرف نیلی ناتھ اکیسویں ترتھن کر کی صورت ہے جس کے سیدھے طرف اور ہمارے بائیں طرف پارسنا تھ تیسویں ترتھن کر کی صورت ہے - مندرانہ پر کی منزل پر آٹھ - ۹ لمبا اور ۲ - ۳ چوڑا ہے اور کہا جاتا ہے کہ شاہجہاں کے زمانے کا جینیوں کا بنایا ہوا ہے لیکن اب کوئی پچاس برس ہوئے کہ دوبارہ بنا ہے - مندر کے اندرونی تمام حصے پر سنسری تمع کیا ہوا ہے - چالیس برس ہوئے کہ یہ ساری ہر استگی ہوئی ہے -</p>			
(۱۱)	جوہری والا	جیل پوری	قمر پٹا سو برس پہلے کا - بیچ والی صورت سوتلی کی ہے جو پانچویں ترتھن کر ہے، دھرادھر کی دونوں صورتیں آدی ناتھ کی ہیں - ہمارے داہنے اور بائیں ہاتھ کو اہیت ناتھ کی صورتیں ہیں جو دوسرا ترتھن کر ہے - ہمارے



نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۱۶)	جینیوں کا مندر	کھجور کی مسجد	کے بیل بوٹے ہیں اور چھت رنگین ہے۔ کہا جاتا ہے قلعے کے پاس جب جینیوں کا مندر بنا تو جین مت والوں میں کچھ جھگڑا ہو گیا اور دو فرقے ہو گئے ایک نے تو وہی قدیم مندر قلعے کے پاس والا سنبھالا اور دوسرے فرقے نے اپنا مندر الگ بنالیا۔
(۱۷)	ایضاً	بڑا اور بیہ سیٹھ کا کوچہ	۱۷۶۱ء میں پہلے کا۔ ایک شخص آیال نامی نے جو محمد شاہ بادشاہ کی کسریٹ میں ملازم تھا وہ جب معتب ہوا تو اس ڈر سے کہ کہیں گھر نہ ضبط ہو جائے اس نے اپنے سارے گھر کو ایک مورت بٹھلا کر مندر مشہور کر دیا یہ جینیوں کے دیگا مہر فرقے کا تیسرا مندر دلی میں ہے ۱۸۳۳ء سنٹی ناتھ کی مورت کے چوتھے پر ۱۹۲۳ء اور آدی ناتھ کا سو مت ۱۹۲۹ء۔
(۱۸)	ایضاً	ایضاً	دیس سو ۳ کندہ ہے۔ اس مندر کے دروازوں پر بیتل جڑا ہوا ہے۔ اس کی تعمیر چھ برس میں ہوئی۔ مندر کے اندر چوتھے پر آدی ناتھ کی مورت ہے ہمارے بائیں ہاتھ کو دو مورتیں چندرا پر بھو کی ہیں۔ مندر کے تین طرف دالان ہیں۔ مندر اور دالانوں کے ستون سنگ مرمر کے ہیں۔ ہماری سید ہی طرف کے طاق میں پچکاری کا کام ہے۔
			۱۸۳۵ء۔ چندرا پر بھو کی سنگ مرمر کی ایک مورت پر سیم ۱۹۳۵ء سو۔ دوسرے پر سمت ۱۵۴۹ء درش دیا کھ سدی ۵۔ تیسری پر ۱۸۹۳ء پھاگن سد گیارہ۔ کندہ ہے۔ اس میں تین مورتیں

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۱۹)	چرنداسی	بلی ماراں گلگی داساں	چندر ابر بھو کی ہیں دو سنگ مرمر کی ایک برنجی بت چاندی کے تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ اندراجی صراف نے ایک دزدانی (کابلی) سے اپنی جائیداد مال اسباب فروخت کر کے پانسو روپے کو لی اور یہی سب بڑی مورت ہو جس پر سمت ۴۹۵ اکندہ ہو تھینا ڈھائی سو برس لزل کا۔ اس میں رادھا اور کشن کی موتیں ہیں۔ یہ مندر چرنداسی فرستے کا ہو جن کا موجد چرن داس تھا جو دراصل بھارگو نات کا تھا۔ چرنداسیوں نے ذات کی تفریق کو بالکل اٹھا دیا ہے اور انتیاجیوں کے سوا سب اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ لوگ بشنی سادھو ہیں۔ وید کو مانتے ہیں۔ یہ کسی دوسرے فرقے کو برا نہیں کہتے۔ چرنداس نادر شاہ سے ملا تھا نادر شاہ نے اُسے قید کر دیا۔ اس فرقے کے لوگ اپنے مرشد کے کمالات بہت کچھ اور بڑے و فوق سے بیان کرتے ہیں کہ گو کہ نادر شاہ نے چرنداس کے بیڑیاں ڈلوادی تھیں مگر وہ اپنی کرامت سے دو بجے رات کے بیڑیوں سمیت جیل خانے سے نکل نادر شاہ کے خواب میں اس طرح چا پو پہنچے کہ کسی کو خبر بھی ہوئی نادر شاہ متحیر ہوا اور ان کی کرامت دیکھ کر معاف کر دیا اور نہایت مہربانی سمیت اس نے لگا۔ محمد شاہ بھی چرن داس کی تعظیم کرتا تھا اور شاہ عالم ثانی نے چار موضع مشاہد پور ضلع گڑگانوہ میں۔ گاؤ دی ضلع میرٹھ میں۔ ناگلا ضلع بلند شہر میں۔ گنگو تار یا ست پٹیا لے میں۔ اس فرقے کو جاگیر دیئے تھے جو اب تک بحال و ہر قرار میں (۹)۔ چرنداسی شادی نہیں کرتے۔ چیلوں کو مہینی کر لیتے ہیں۔ چرن داس نے سمت ۱۱۰۰ء میں سوا سو سال کی عمر میں انتقال کیا۔ دور آخر مغلیہ۔ اس میں دو لنگ ہیں اور پارہتی۔ گنپتی۔ برمجہ دیو ندی کی مورتیں ہیں۔
(۲۰)	چو دھاری	محلہ بدلیاں	

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۲۱)	چھوٹا مندر بھانو ٹھار جی کا مندر	نیل کا کسٹروہ	تقریباً یک سو سو ستمت ۱۸۰۰ اس میں دو مورتیں ہیں۔ ایک رادھا کی ایک کرشنا کی۔ یہ مورتیں بیچ رسی ہیں۔ کرشنا کی مورت رادھا کی مورت سے زیادہ کالی ہے۔ یہ مندر راجہ مرلی دھر گنوسوئی کا بنایا ہوا ہے۔ مندر ۲۰ - ۳۰ - ۴۰ - ۵۰ - ۶۰ - ۷۰ - ۸۰ - ۹۰ - ۱۰۰ کمار جی جن کے نام سے یہ مندر مشہور ہے راجہ مرلی دھر کے بیٹے تھے۔ یہ مندر دراصل کسی بڑے آدمی کا مکان معلوم دیتا ہے۔ ایک چھوٹے سے دروازے کے آگے صحن ہے۔ آدھے صحن میں چوڑا ہے۔ مندر لاکر نین بیچ درے والاں ہیں ایک کے پیچھے ایک۔ فرش سنگ سیاہ اور سنگ مرمر کا ہے۔ دالانوں میں آئینے بندی کا کام ہے۔
(۲۲)	حکیم اجیت سنگھ جیون سنگھ کا مندر	مالی واڑہ - چھتہ دن گوپال	تقریباً سو برس اول کا۔ حکیم اجیت سنگھ کی لڑکی تھانی کا بنایا ہوا ہے۔ مندر ۴۰ - ۵۰ - ۶۰ - ۷۰ - ۸۰ - ۹۰ - ۱۰۰ جیون سنگھ حکیم جی کا داماد تھا۔ کچھ قابض حال چوتھی پشت میں ہے۔ عمارت کے دو حصے ہیں۔ ہمارے سامنے وار رادھا اور کشن کا مندر ہے اور دائیں طرف شوالا ہے جس میں پاربتی۔ گنتی۔ کرٹیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں۔
(۲۳)	دیوان سنگھ اجڑن روڈنی سرک	گنگا پتھن لال	یہ مندر دیوان ایلو والیہ کا بنوایا ہوا ہے اس میں رادھا کشن۔ ہنومان کی مورتیں ہیں اور ایک شوالا بھی ہے جس میں پاربتی۔ گنتی۔ کرٹیکا سوامی۔ نندی اور بھیڑی کی مورتیں ہیں

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۲۴)	راجہ جی	پمپل ہادیو	کوئی مسو برس اول کا۔ راجہ جی سکھ راے کا بنایا ہوا جو اکبر شاہ ثانی کے عہد میں وزیر تھے۔ اسی کے ساتھ ایک چھوٹا سا مندر کشن کا بھی ہے۔ جس میں رادہ کشن کی مورتیں ہیں۔ شوالا بھی ہے جس میں پاربتی۔ گنیش۔ برہمہ دیو اور ہنومان کی مورتیں لگ تھیں دو سو برس کا کہتے ہیں کوئی ایک سا دھو تھا جو ہر وقت رام رام کہتا تھا اور اسی مندر میں رہتا تھا اس سے یہ نام پڑا۔ دوسری روایت وجہ تسمیہ کے متعلق یہ ہے چند بار وادیوں نے مل کر یہ مندر بنایا تھا اور کسی ایک شخص کے نام وہ موسوم نہیں کیا جاسکتا تھا اس وجہ سے رام کا مندر نام رکھا گیا کہ رام ہی کی مورت اس میں ہے۔ لیکن پہلی روایت ہی زیادہ قرین قیاس ہے کیوں کہ رام کا مندر نہیں کہلاتا بلکہ رام رام کا مندر۔ اس میں تین مورتیں ہیں۔ رام کی مورت سنگ سیاہ کی بیج میں ہے اور دہنی طرف لکشمی اور بائیں طرف سیتا۔ لکشمی اور سیتا کی مورتیں سنگ مرمر کی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹا سا مندر ہنومان کا بھی ہے۔
(۲۵)	رام رام	مادھو داس کا بیچہ	ڈیڑھ سو برس اول کا۔ سیرٹھو کے اوپناگری میں یہ کتبہ پانچ سطروں کا ہے۔
(۲۶)	سیتل پوری	چتہ پرتاب سنگ یا گلی میں والی	(۱) سری سیتل پوری دربار پڑانا اس کے۔ (۲) مالک پاتل پنچ ہیں برہمن اور۔ (۳) مینا مہی یوگ تھوک چرنے۔ (۴) نیا بنوا دیا پنچا تی ہنیو۔ (۵) کی نے سمت ۱۹۴۰۔



نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۲۷)	شادی رام	چاوڑی بازار کوچہ دیا رام	مند رکا بالائی حصہ تیرہ فیٹ مربع ہو چکے پر جاری کے رسنے کی کوٹھڑی ہو جو پچایت کی منڈلی کے کام بھی آتی ہو۔
(۲۸)	صاحب سنگہ	چھپی واڑا کھلاں	دور آخر منلیہ۔ بانی شادی رام۔ بائیں طرف ٹھاکر جی یعنی کشن کا مندر ہو جس میں حسب معمول رادھا اور کشن کی مورتیں ہیں۔ سیدھی طرف ایک چھوٹا سا مندر ہنومان کا ہو۔ اس مندر میں ایک شو الابھی ہو جس میں پاربتی۔ گنپتی۔ کرٹیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں۔ احاطے کے اندر ایک دھرم سالہ بھی ہو جس میں خاص دلوں میں کثرت سے برہمنوں کو کھانا کھلایا جاتا ہو۔
(۲۹)	تقوی راج	اٹلی محلہ۔ کوچہ پاتی رام	دور آخر منلیہ۔ قابض حال اندر نرائین۔ جن کے والدہ رائے بہادر صاحب سنگہ نے تھینا نام برس ہوئے کہ اس مندر کی مرمت کرائی تھی۔ مندر ۴۹۔ ۴۸۔ ۴۷۔ ۴۶۔ ۴۵۔ ۴۴۔ ۴۳۔ ۴۲۔ ۴۱۔ ۴۰۔ ۳۹۔ ۳۸۔ ۳۷۔ ۳۶۔ ۳۵۔ ۳۴۔ ۳۳۔ ۳۲۔ ۳۱۔ ۳۰۔ ۲۹۔ ۲۸۔ ۲۷۔ ۲۶۔ ۲۵۔ ۲۴۔ ۲۳۔ ۲۲۔ ۲۱۔ ۲۰۔ ۱۹۔ ۱۸۔ ۱۷۔ ۱۶۔ ۱۵۔ ۱۴۔ ۱۳۔ ۱۲۔ ۱۱۔ ۱۰۔ ۹۔ ۸۔ ۷۔ ۶۔ ۵۔ ۴۔ ۳۔ ۲۔ ۱۔ میں میں رادھا اور کشن۔ پاربتی۔ گنپتی۔ کرٹیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں اور دوسریں شیو کی مورت ہو اور طاق میں ہنومان ہو۔
			تھینا کوئی ڈھائی سو برس اول کا۔ تقوی راج کے بنایا ہوا جس کی مرمت سمت ۱۹۱۱ء مطابق ۱۸۷۲ء میں ہوئی۔ کنوئیں میں کتبہ خط نسخ کا ہو جسے محکمہ آثار قدیمہ کے ماہر فن بھی اب تک نہیں پڑھ سکے مکن ہو کہ اس سے کچھ اور زیادہ پتہ چلتا۔ اس کے

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۲۳)	کالیسور ناٹھ	بازار سیتا رام	پاس جو کنواں ہے وہ بنجاروں کا کنواں کہلاتا ہے۔ اصل مندر میں رام سیتا اور لکشمی کی مورتیں ہیں۔ ان کے سامنے ایک لنگ ہے اور پاربتی گپتی۔ کرتیکا سوامی اور گپتی کی مورتیں ہیں۔ داہنی طرف ہنومان اور بائیں طرف بھیرو کے بت ہیں۔ سوا سو سے ڈیڑھ سو برس اول دور آخر مغلیہ کا گو یہ ایک چھوٹا سا مندر ہے لیکن لوگ بہت کثرت سے آتے جاتے رہتے ہیں۔ کالیسور ناٹھ بھی شیو ہی کا ایک نام ہے۔ لوگوں کی سنت مرادیں بہت آتی ہیں۔ ایک سو چار تو گھنٹے لنگے ہوے ہیں۔ عام عقیدہ یہ ہے کہ یہاں آکر منت ماننے سے بانجھ عورتوں کے بچہ ہو جاتا ہے۔ اس میں پاربتی گپتی۔ برہمہ دیو۔ کرتیکا سوامی اور نندی کی برنجی مورتیں ہیں۔ سیدھے ہاتھ کی طرف طاق میں بھیرو اور بائیں طرف ہنومان کے بت ہیں۔
(۳۱)	کیسرن	چوک شاہ مبارک الی محلہ	دور آخر مغلیہ۔ اس پر زمانہ رحال کا کتبہ شش سطری ناگری میں دروازے پر یہ لگا ہوا ہے:- (۱) سری۔ (۲) مندر۔ (۳) سوامی دین دیال جی ہمارا جہ کا۔ (۴) پنچا پتی کیسروں کا بتا۔ (۵) سمت۔ (۶) ششتم مندر سوامی دین دیال کے نام پر بنا ہے۔ اس میں کوئی بت نہیں۔ اس میں ہر اتوار اور پیر کو چرائی جلا کر پوجا کی جاتی ہے۔ اس کی مرمت ۱۹۳۳ء میں کی گئی

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۳۲)	کشمیریوں	بازار سیتا رام	دور آخر مغلیہ - مندر میں پاروتی - کرتیکا سوامی -
(۳۳)	گجراتی	کوچہ شریف بیگ دریہ کلاں لوٹ شاہ کا کوچہ	ہندی - رام - سیتا اور کچھن کی مورتیں اور سیو کا لنگ ۱۱۷۳ھ - ۱۱۷۹ھ - اس میں شیو کا لنگ - پاربتی اور ہندی کی مورتیں ہیں - طاق میں ایک دوسری مورت گنتی کی ہے - قبائے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مندر بنانے کے لئے یہ زمین ۱۱۷۳ھ میں خرید کر ایک چھوٹا سا مندر مٹھن لال نگر نے بنوا دیا ہے -
(۳۴)	گلاب راجہ	چاندنی چوک کوچہ سکھانند	مغلیہ زمانے کا - لالہ الیشری پر شاد سرکاری خزانچی - یہ مندر دو منزلہ لالہ گلاب رائے کا بنایا ہوا ہے - اوپر مندر ہو نیچے انھیں کے لوگ رہتے ہیں - لالہ گلاب رائے کے باب سہارن سنگ تھے جنھوں نے سہارن پور بسایا تھا اور جن کو اکبر بادشاہ نے ایک جاگیر بھی دی تھی - اس خاندان کے سب سے پہلے شخص گلاب رائے دلی آئے اور یہاں آکر ایک مہاجنی کو بھٹی کھولی - گلاب رائے کی زندگی تک کاروبار خوب چلا بعد ازاں کے بیٹے نے دکان کا نام گلاب رائے مہر چند رکھا چنانچہ یہ قدیم دکان اب بھی موجود ہے - چھٹی پشت میں سالگ رام نے بادشاہی نوکری چھوڑ دی اور ۱۸۲۵ء میں گورمنٹ نے ان کو اپنا خزانچی مقرر کیا - انھوں نے غدر میں گورمنٹ کی بڑی خیر خواہی کی - اس مندر میں بشمول چند پر بھو آٹھویں تر تھن کر - پارمناتھ تیسویں تر تھنکر اور جمادیرا چوبیسویں تر تھن کر کے کوئی تیس مورتیں ہیں -
(۳۵)	گنڈو	نیا بانس - کوچہ سبھ گرام	کوئی تراسی برس پہلے کا - دور آخر مغلیہ - اوپر مندر پر نیچے چار دکانیں ہیں - تیرہ سیڑھیاں پرڑھ کر اوپر جاتے ہیں گنڈو کسی ہندوئی

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
			عورت کا بنایا ہوا ہے۔ مندر میں رادہا کا بت سنگ سیاہ کا ہے اور کٹن کا سنگ مرمر کا۔ اسی احاطے میں شوالا بھی ہے جس میں پارہتی۔ گنیش۔ برمجہ دیو اور نندی کی مورتیں ہیں۔ سیدھے ہاتھ کی طرف کے طاق میں بھیروا اور ہنومان سیندور میں پٹھے ہوئے ہیں بائیں طرف کے طاق میں گورکھ کی مورت ہے۔
(۳۶)	مادھوداس	باغیچہ مادھوداس	یہ مندر ساڑھے تین سو برس پیشتر کا کہا جاتا ہے۔ اس مندر میں چرن پڑکے (نقش قدم) ہیں جن پر نخبط ناگری یہ کتبہ ہے :- (۱) یہ چرن پڑکا سری ہننت راکھو داس جی ہے۔ (۲) سموت ۱۴۵۹ ساون ووی ۲۰ ناوس میگل وار۔ یہاں بالا دیو داس کا چرن پڑکا بھی ہے جس پر یہ کتبہ ناگری میں ہے :- جیٹ متی ۱۵۳۹ سموت سری پندرہ سو سال پہلے مندر میں ایک تختی پر یہ کتبہ ناگری اردو انگریزی میں ہے :- مادھوداس کی باغیچہ - (۲) پُرتم رُمی سندر یہ دھرتی - (۳) تہیا آیت جاسے نہیں برتی۔

## کیفیت

محلہ

نام مندر

نشان  
سلسلہ

ترجمہ مادھو داس کی باغیچہ - یہ زمین بہت باری  
اور اچھی ہے جس کی عظمت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا

(یعنی اس کا جواب نہیں ہے) اور حیطہ بیان سے خارج ہے۔

ایک سفید سنگ مرمر کی تختی پر ناگری میں یہ کندہ ہے۔

(۱) داس مندر ام پتھر والا دلی (۲) سمیت ۱۹۲۹۔ اور ایک تختی پر  
ست نرائن کے مندر پر ایک کتبہ حال کے مہنت نے لگایا ہے جس میں کوئی تاریخی  
دل چسپی نہیں لہذا نقل نہیں کیا گیا۔ یہ مندر مادھو داس کا ہے جو بھٹی سادھو تھے۔  
کہا جاتا ہے کہ اکبر شاہ ایک مرتبہ مادھو داس کے پاس آیا اور دیکھا کہ بہت سی چکیاں  
خود بخود چل رہی ہیں۔ بادشاہ یہ کراست دیکھ کر تعجب ہوا اور چاہا کہ کچھ دے لیکن سادھو نے  
کہا کہ مجھے بس آپ کی ہر بانی کافی ہے۔ ہندوستان میں ہر سادھو سے کچھ نہ کچھ  
کراست منسوب کر دی جاتی ہے یہ بھی اُسی قبیل کی ہے۔ اس مندر کے صحن میں اور  
کئی مندر ہیں۔ (۱) رام کا ہے جس میں رام کی مورت بیٹھ رہی ہے۔ پھمن کی سیٹھی  
طرف اور سیتا کی بائیں طرف۔ رام کی مورت سنگ سیاہ کی ہے باقی دونوں سنگ  
مرمر کی۔ (۲) رام کے مندر کے سامنے رامیسور ہما دیو کا مندر ہے جس میں پاربتی  
گنپتی اور ہندی کی مورتوں کے علاوہ سیو کا لنگ بھی ہے۔ (۳) مہنت مادھو داس  
کی گدی ہے جس میں دیو جی یعنی بالارام کا مندر بھی ہے۔ اس میں بالارام اور ریوتی کی  
مورتیں ہیں۔ ریوتی کی مورت قابل دید اور ایسی خوب صورت ہے کہ دلی میں اور سب  
کوئی مورت اس کے مقابلے کی نہیں ہے۔ (۴) جمنابی کا مندر۔ (۵) ست نرائن  
مندرجس میں سنگ مرمر کا عمدہ تراشا ہوا مہنت ہے اور اسی پر زمانہ حال کا وہ کتبہ ہے  
جس کا ذکر اوپر آچکا ہے (۶) گنگا کا مندر جس میں سنگ مرمر کی مورت ہے۔ (۷)  
راوہا اور کشن کا مندر جس میں سنگ سیاہ کی مورتیں ہیں۔ (۸) لکشمی اور نرائی کا  
مندرجس میں کی دونوں مورتیں سنگ مرمر کی ہیں۔ (۹) ہری ناتھ کا مندر۔  
اس کے علاوہ ایک بہت کدرا ناتھ کا ہے۔ تین گنپتی کے اور ایک پاربتی کا۔

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۳۷)	نارائن گھنٹری	کوچہ گھاسی رام	تخمیناً (۶۳) برس اول کا۔ لالہ کچھن داس نے چند سال ہوئے کہ درست کرایا ہو۔ اس میں شیو کا لنگ۔ پارہتی۔ گنپتی۔ برہمہ دیو اور نند کی بت ہیں تخمیناً (۹۳) برس اول کا۔ اس میں رادھا اور کشن کی مورتیں ہیں اول الذکر سنگ مرمر کی ہو اور ثانی الذکر سنگ سیاہ کی۔ موہن لال بانی مشہور کوٹا اور شاعر تھا۔ قابض حال شیو شنکر اس کی جوتھی پشت میں ہو۔
(۳۸)	موہن لال گسپیں	چاندنی چوک کوچہ مسکھانند	
(۳۹)	نارائن داس	ڈفرن بیچ کے پاس	تخمیناً (۳۷) سال اول کا۔ قابض حال لالہ رام ناتھ کے دادا نارائن داس کا بنایا ہوا ہو۔ بائیں طرف ہندوان کا مندر ہو۔ اس کی بائیں جانب گنیش کا بت اور رادھا اور کشن کی برنجی مورتیں ہیں۔ نیچے طاق میں ایک طرف گنیش کی مورت اور شیو کا لنگ ہو۔ اسی کے پاس چھوٹی چھوٹی مورتیں پارہتی۔ گنیش اور نندی کی ہیں مندر کے سامنے ایک شوالا بھی ہو جس میں دھرم سالہ ہو۔ اس لنگ کا نام نرالیوڑی سمیٹا ۱۸۶۲ء لالہ ہر سکھ راے نے پانچ لاکھ ۱۸۸۵ء کے صرف سے سات برس میں بنوایا ہو۔ ممکن ہو کہ مندر کی لاگت میں تھوڑا بہت کچھ مبالغہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ بہت روپیہ لگا ہو لالہ ہر سکھ راے راجہ صاحب بھرت پور کے کوٹہ لڑتے تھے۔ چھوڑے کے بیج میں آدی ناتھ پہلے ترہن کر کی مورت ہو۔ اس کے نیچے دو راہ
(۴۰)	نارائن	چیل پوری	

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
			<p>رربان، ہیں۔ واسٹے اور بائیں ایک ایک طاق ہی اُس میں بہت سی مورتیں ہیں۔ بائیں طرف ایک چھوٹے سے مندر میں تین سو مورتیں ہیں جنہیں کا بہت عمدہ بنا ہوا ہے۔ اس کے سامنے کی ڈیوڑھی اور تینوں والان جس کے ستون سنگ مرمر کے ہیں لچاٹا کاریگری کے دیکھنے کے قابل ہیں۔ سنگ مرمر کا کام اور چھوٹے چھوٹے ستونوں پر جو پھولوں کے ہار لپیٹے ہیں بڑی محنت اور نفاست کا کام ہے۔ تیرہ سیڑھیاں چڑھ کر پہنچتے ہیں۔ صدر دروازہ جس میں سے مندر میں جاتے ہیں برنجی ہے۔ یہ مندر جنیوں کے دیگا مہر فرتے کا ہے</p>
(۴۱)	ہنومان جی	پشیل ہادیو	<p>دور آخر مغلیہ۔ مختصر۔ حال میں ست ہوا ہے۔ اس میں ہنومان کی مورت سیو کا لنگ اور ایک بیل ہے۔</p>

### فہرست - وہ مندر جن کا کوئی خاص نام نہیں ہے

نشان سلسلہ	محلہ	کیفیت
(۱)	گلی مرغان	بہکل ابتر حالت میں گر پڑا کھنڈر۔
(۲)	الی محلہ کوچہ چرمل	مختصر۔ قابض حال بشبھر ناتھ کے والد اسرن لال کا بنایا ہوا ہے۔
(۳)	چاندنی چوکہ کوچہ سکھانند	تھمٹا سوا سو برس اول کا۔ اس میں چاندی بھو اور پار سناٹھ کی مورتیں ہیں۔ جنیوں کے دیگا مہر فرتے کے ایک شخص صاحب سنگ کا بنایا ہوا ہے۔ اس فرتے کی مورتوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ باکل برہنہ ہوتی ہیں۔
(۴)	مالی واڑہ۔ بیدوارہ	تھمٹا پونے دو سو برس اول کا۔ بالا خانے پر جنیوں یعنی سراوگیوں کا ایک عمدہ ساخت کا مندر ہے بیچ میں چند راہر بھوکا بت ہے اور اُس سے ذرا اوپر مہا بیر کا۔ اس کی بائیں طرف بہو بل کی بت ہے اور چھوٹی چھوٹی دو یاد ہانی مورتیں اور ہیں۔ یہ مندر پنچا تہی ہے۔

## عجائب خانہ آثار قدیمہ واقع ممتاز محل اندرون قلعہ

دہلی میں چالیس برس تک میونسپل کی طرف سے  
ٹون ہال میں عجائب خانہ رہا۔ کہتے ہیں کہ ۱۸۶۹ء  
میں مسٹر ایف۔ ایچ۔ کوپر ڈپٹی کمشنر وقت نے  
اس کی بنا ڈالی تھی۔ شروع شروع تو مقامی عہدہ

داروں نے بڑی توجہ کی۔ وافر خد سے جمع ہوئے اور سامان بھی مختلف اقسام کا  
جمع کیا گیا لیکن شروع ہی سے اس کی کل بگڑی ہوئی تھی۔ کچھ چیزیں تو عجائبات  
سے جمع کی گئیں اور کچھ فضول بھرتی کی تھیں۔ نہ کوئی باقاعدہ کیورٹیر تھا نہ کافی  
سرہانہ۔ چنانچہ ۱۸۸۸ء کے کیٹالاک (فہرست) کے دیکھنے سے اس اندھیر  
کھاتے کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ بودھ زمانے کے نفیس تراش کے بتوں کے  
پہلو بہ پہلو جو پورے زمانہ حال کی ساخت کی شوخ رنگ کی مورتیں رکھی ہوئی  
تھیں۔ یہیں جانوروں کی بھس بھری ہوئی بھڑی کھالیں۔ ملکی ساخت کی نادرا اشیار  
کے ساتھ مٹی کے کھلونے جو عجائب خانے سے زیادہ بچوں کے گھرنندوں  
سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے سجائے گئے تھے۔ غرض ایک عجب  
طوفان بے تمیزی برپا تھا۔ ۱۹۰۱ء میں ایک ماہر علوم طبیعی کے سیاح نے  
لارڈ کرزن کو عجائب گھر کی غیر منتظم اور گڈ بڈ حالت کی طرف توجہ دلائی کہ وہاں کی  
تنظیم بالکل بے سرپرستی تھی۔ لاٹ صاحب نے اس معاملہ کو محکمہ آثار قدیمہ کے  
سرپرست اور کچھ ہدایات بھی دیں۔ پھر حال عجائب خانے کو تشو و زواید اور غیر ضروری  
اشیاء سے پاک کیا گیا۔ بالآخر ڈاکٹر وگل کی رپورٹ بابت ۱۹۰۲ء سے یہ قرار پایا کہ  
قلعہ کے نوبت خانے (نقار خانے) میں ایک تاریخی عجائب خانہ قائم کیا جائے  
جس میں قلعہ معلیٰ کے متعلق زمانہ قدیم کے تاریخی نوادر جمع کئے جائیں لیکن اس وقت  
حکام مقامی نے اس کی مخالفت کی۔ ۱۹۰۲ء میں سر جان مارشل محکمہ آثار قدیمہ  
کے ڈائریکٹر ہوئے اور انہوں نے پھر اس بات پر زور دیا۔ لارڈ کرزن نے  
سر جان کی تحریک سے اتفاق فرمایا لیکن پھر بھی اس کا ردوائی نے ۱۹۰۳ء  
تک کوئی عملی صورت اختیار نہ کی کیوں کہ اُس وقت تک نوبت خانہ فوجی عہدہ داروں  
کے مصرف میں تھا اور نہ اس نے عجائب گھر کو توڑ کر ایک نئی عمارت کی تلاش تھی۔



خدا خدا کر کے سنہ ۱۹۱۹ء میں پُرانے عجائب گھر کو جو دہلی جیسے شہر پر ایک بدناما  
 داغ تھا بند کیا گیا۔ بہت سی چیزیں مع بدھ زمانے کے بتوں کے مجسموں کے  
 لاہور کے عجائب خانے کو دے دی گئیں۔ اندور کھیرا ضلع باند شہر کے بہت سے  
 پتھر کے تراشیدہ ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے لکھنؤ کے عجائب خانے میں بھیج دیئے  
 گئے اور تین گھڑے ہوئے بت جینیوں کے زمانے کے جو غائب تھے اسے  
 لاے گئے تھے اب بھی میونسپل میوزیم میں رکھے ہیں۔ جنوری ۱۹۰۹ء سے  
 آثار قدیمہ کا عجائب خانہ نوبت خانے میں کھولا گیا اور بہت سی نوادہ اشیاء جمع  
 کی گئیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے اشیاء سے نادرہ اور قدیم خریدنے کے لئے  
 نہایت کشادہ دلی سے سرمایہ وافر سے امداد دی گئی اور سالانہ پانسو روپیہ سے  
 گرانٹ کی رقم بڑھا کر ہزار روپیہ کر دی گئی۔ اب چون کہ دلی دارالسلطنت ہو گیا  
 ہوا امید کی جاتی ہے کہ عجائب خانہ ہر اعتبار سے بہت کچھ ترقی کرے گا۔ ابھی  
 اس امر کا تصفیہ نہیں ہوا ہے کہ میوزیم کی مستقل عمارت علیحدہ بننے کی یا متداخل ہی میں  
 رہے گا یا کہیں اور جائے گا۔ باقی حال موجودہ عمارت میں زمانے کی وہ نوادہ  
 اشیاء سجائی جائیں گی جن کو قلعہ شاہجہانی سے خاص تعلق ہو جہاں لوگ قلعہ  
 محلات شاہی اور باغات کو دیکھ کر محذور ہوں تو خیر (تا تو ہو کہ وہ عجائب خانے میں  
 قدیم زمانے کی ان عجیب غریب خوب صورت اشیاء کو دیکھ کر اور زیادہ لطیف  
 اٹھائیں۔ تاریخ ہند اور آثار قدیمہ کے دلدادوں کے لئے اس قسم کا عجائب خانہ  
 گو وہ مختصر ہی کیوں نہ ہو لیکن جب کہ وہ عین اُسی عمارت میں ہو جس نے عہد مغلیہ کا  
 عروج۔ بہترین اس کا تنزل اور آخر کار وہ سنسنی خیز واقعات جن سے برٹش  
 گورنمنٹ کا نیر اقبال چمکا زمانے کا سارا آثار چڑھاؤ دیکھا ہو۔ یہ سب باتیں ایک  
 آثار قدیمہ کے متلاشی سکار کے لئے کچھ کم قابل قدر نہ ہوں گی۔ شایقین آثار قدیمہ  
 ہر اسے مرتعوں اور تصاویر سے اپنے ذہن میں ان لوگوں کا نقشہ جاسکتے ہیں  
 جن کی صورتیں صفحہ قرطاس پر منقوش ہیں اور جو جیسا کہ تم خود شام کے وقت جناب کی  
 ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کا مزہ لیتے تھے یا یوں سمجھو کہ شہنشاہ ذی جا  
 امرا و درباریوں کے مقرر اور زندہ دل جھرمٹ کے بیچوں بیچ میں جیسے چاند کے

گرد تارے، اُن باغوں کی روشنیوں پر خراماں خراماں گل گشت فرما رہے ہیں جن باغوں کی قدیم موقعی حدود مع عمارات قدیمہ بتلانے کے لیے ہم نے اب نشان اندازی بھی کر دی ہے۔ اس عجائب گھر کے اکثر نوادرات دربار تاجپوشی میں مستعار دی گئیں تھیں جن کا ذکر مسطرے پنی طامنہ سی ایس نے اپنے خاص کیٹالاک میں کیا ہے۔

ممتاز محل جس میں اب عجائب خانہ ہے یہ زمانہ محل شاہی تھا لیکن ۱۶۵۷ء میں جب انگریزوں نے قلعے پر قبضہ کر لیا تو وہ فوجی اغراض کے لیے لے لیا گیا اور چند روز پیشتر تک سار جنٹوں کا میس تھا۔ ۱۹۰۲ء میں حدود آثار قدیمہ میں جو ترمیمات تجویز کی گئیں تھیں اُن کی تکمیل اکتوبر ۱۹۱۱ء تک نہیں ہوئی اُسی میں ہزار سر لوئیس ڈین صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر پنجاب کے ایما کے موافق یہ محل آثار قدیمہ کے عجائب خانے کے واسطے منتخب کیا گیا تھا۔ اس کی دیواروں کی کئی کئی تھیں چونے کی چڑھی ہوئی تھیں اُن کو جب گھر چرایا گیا تو اندر سے اُن تمام نقاشیوں کے نشانات نمودار ہوئے جو سفیدی سے ڈھک گئے تھے چنانچہ اب بھی درمیانی ہال اور شرقی جانب کے بیچ کے کمرے میں نقش و نگار نظر آتے ہیں۔ قلعہ دہلی کا پرانا نقش جو دریا کے رخ سے بنایا گیا ہے اور جو عجائب خانے میں محفوظ ہے اُس کے دیکھنے سے ممتاز محل کی سابقہ اور اصلی حالت معلوم ہوتی ہے کہ اس کے چاروں کونوں پر پھتریاں تھیں جن پر سنہرے کلس چڑھے ہوئے تھے۔ انتخاب از دیباچہ کیٹالاک مرتبہ مسٹر کارڈن سینڈرسن سوپرینڈنٹ محمدن و برٹش مانیوفکس حلقہ شمالی اگرہ و اعزازی کیورٹیر عجائب خانہ آثار قدیمہ دہلی مطبوعہ ۱۹۱۳ء) جن صاحبوں کو اس عجائب خانے کی موجودات سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق ہو ان کے لیے سب سے بہتر تو یہ ہے کہ وہ ہیشم خود دیکھیں ورنہ ممکن نہ ہو تو اس کی فہرست منگوالیں جو صرف سات آنے میں ملتی ہیں لیکن فہرست سے وہ لطف نہ آئے گا جو دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس عجائب خانے میں جدا جدا حصے ہیں پہلا حصہ - تراشیدہ بت - ستون - تختیاں - کتبے -

(۱) مسلمانوں کے عہد سے پہلے (۲) پٹھانوں کے عہد کے (۱۵۰۰-۱۶۰۰ء)

(۳) دور مغلیہ (۱۵۵۷ء - ۱۷۰۷ء) فرنیچر کرسیاں وغیرہ متفرق اشیاء  
(۵) اسلحہ (۶) موہپروانگشتیاں - (۷) فرامین (۸) تصاویر اور مرتقے  
(۹) نوٹوگراف (۱۰) نقشے (۱۱) خدو کی ہنگی چیزیں -

**کچھ متفرق کتبہ** (۱) نقار خانے کی دیوار میں یہ کتبہ جو سنگ سُرخ کا  
ہے۔ نصب کر دیا گیا ہے جو ۶ - ۸ لمبا اور ۸ - ۸ چوڑا ہے۔ اس کے حروف جا بجا سے  
سے شائع ہو گئے ہیں بریں ہم جہاں تک پڑھا جاسکتا ہے وہ یہ ہے:-

السلطان المعظم شہنشاہ العظم (مالک رقاب الامم) سلطان السلاطین  
العالم (الشمس) الدین والدین غیاث الاسلام والدم (سلمین) ذوالامان  
لاہل اکریہ (مان) وراث (ملک) سلیمان ابی المظفر یلمتش السلطا۔  
یہ پتھر اوکھلے میں ملا تھا۔ (۲) موضع اڑچنی میں جو قطب صاحب کے قریب ہے  
ایک کتبہ دس فیٹ لمبا و فیٹ چوڑا ملا تھا جس پر (۲۸) سطریں بخط نستعلیق ۱۱۲۷ھ  
۱۶۱۵ء تک جو فرخ سیر کی پنچہ مبارک رسول مقبول کے متعلق کندہ ہیں یہ بھی  
نقار خانے کی دیوار میں لگا دیا گیا ہے۔ جس کا مفصل ذکر ہم نے قطب صاحب  
کے بیان میں کیا ہے۔ (۳) یہ کتبہ سنگ مرمر کی تختی پر ہے جو موضع حوض خاص  
میں ایک کوئٹس میں ملا تھا اور اب عجائب خانے میں ہے۔

تاریخ چاہ خاص - بنا فرمود چاہی چھوڑ مزم - سکندر شاہ لودی شاہ عالم  
خلیفہ بن خلیفہ شاہ عادل  
وہی اندر وہ است کو گشت شیریں  
دراں دم بود عامل بیگخانی  
ز رجب یازدہ بودت ماہے  
سندہ مخلصہ و گریہ پا نرہ و ہم

(۴) یہ کتبہ قصبہ مہرولی میں ملا تھا جواب عجائب خانے میں ہے۔ (۱۵۹۷ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فان لم یسال الا انسان تقضب  
و وعدت ان یحبیب السائلینا  
دعا تلت ر بناحق المبینا  
واسال جاجتی بات مستعینا

اور ہمارے سامان آسائش میں آسمان زمین کا فرق ہو۔ جن لوگوں کو نئی روشنی نے منور نہیں کیا یعنی وہ یورپین طرز پر نہیں رہتے ان کے ہاں فریجیہ اٹھاؤ چیزوں کی یورپ کی طرح کثرت نہیں ہوتی کیوں کہ اس میں خشک نہیں کہ ہندوستان جیسے گرم ملک میں کمروں کو فریجیہ سے کچا کچھ بھر دینے کی جگہ اسی طرز میں کچھ راحت ہو۔ دور مغلیہ کے زمانے کے ان مرقعوں سے جن میں کمروں کا اندرونی نقشہ دکھایا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب خانہ عموماً مسند تکیہ لگا کر تخت یا چوکی پر نشست رکھتے تھے۔ جس کے گرد فواکہات اور مٹھائی کی کشتیاں حقہ اور کہیں تلوار۔ خنجر پیش قبضہ کنار وغیرہ ہتھیار بھی فوری ضرورتوں کے لحاظ سے پاس ہی دھرے رہتے تھے۔ ایک چھوٹی سی تلوار جو ظفر تکیہ یا پتی عصا کہلاتا تھا اس کا رواج زیادہ تھا جس کا دستہ بیاکھی کی طرح کا ہوتا تھا اور اسی برٹیکا دے کر بیٹھا کرتے تھے۔ برنیر نے اُمراے وقت کے مکانات مسکونہ کا بیان حسب ذیل کیا ہے اور بادشاہوں کے محلات کا بھی یہی طرز تھا لیکن یہ بات محتاج بیان نہیں کہ بادشاہ بادشاہی تھی ان کے مکانات کی آراستگی اور ان کے متول و احتشام کا کیا پوچھنا۔

## دور مغلیہ کے مکانات

## کی حالت اندر سے

”ایک اچھے گھر کے اندر ہمیشہ چار اینچ موٹی درسی کافرش رہتا تھا جس پر گرمیوں میں سفید براق سی چاندنی بھی رہتی تھی اور جاڑوں میں ریشمین قالین۔ کمرے کے صدر میں ایک یادو پھول دار مغزق ریشمین کارچوبی کام کی مسندیں لگی رہتی ہیں۔ جس پر صاحبانہ یا جو کوئی معزز آجائے بیٹھتے ہیں۔ ہر مسند پر ایک بڑا گاؤ تکیہ اسی قسم کا سہارا لگا کر بیٹھنے کے لیے ہوتا ہے اور اس کے علاوہ اور تکیے بھی دوسرے لوگوں کے لیے گرد میں لگے رہتے ہیں۔ چھت سے پانچ چھ فیٹ نیچے دیواروں پر مختلف قسم کے (دھوٹے پائے) طاق رہتے ہیں جن میں تہری گلدان اور گھلے سجے رہتے ہیں۔ چھت نقشین پائع کاہی کی ہوتی ہے لیکن انسان یا حیوان کی کوئی تصویر نہیں ہوتی کیوں کہ قصا ویرکار کھنا مذہباً مسلمانوں میں منع ہے۔“

بڑی بڑی عمارات اور محلات شاہی کی حالت محمد صالح مورخ ہم عصر شاہ جہاں

عجائب خانہ نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۸ء میں بھی تبصرہ لکھا ہے۔ ذیل کے بیان کا ماحضہ وہی رپورٹ ہے۔ ان ہاتھیوں اور ان پر کے مجسموں کے متعلق یہ خیال کہ وہ گوالیار سے آگرہ اور پھر آگرے سے دلی لائے گئے بہت آسانی سے بے بنیاد ثابت ہو سکتا ہے۔ زیادہ تر قرین قیاس یہ ہے کہ ان پر کے مجسمے کسی خاص شخص کے مجسمے نہ تھے بلکہ محض معمولی تھے اور اسی طرح ہاتھی بھی معمولی جنگلی ہاتھی تھے۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ مجسمے دور مغلیہ کے بنے ہوئے ہیں لیکن ہاتھی البتہ اپنی طرز ساخت میں بالکل ان مجسموں سے جدا ہیں۔ ان ہاتھیوں کا تذکرہ پہلے پہل برنیر نے کیا ہے جس کی تائید چند سال بعد ایم ڈی تھیونیاٹ سلیح نے بھی کی ہے۔ آگے چل کر ایشیا ٹاک ریسرچرز صفحہ ۲۹ ۱۸۵۹ء میں بیان کیا گیا ہے کہ اورنگ زیب کے حکم سے ان ہاتھیوں کو نکال دیا گیا اور اسی روایت کو مع شبہی زاید سرسید نے بھی نقل کیا ہے کہ بادشاہ نے مذہبی خیال سے ان کے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ پھر ان ہاتھیوں کی کچھ خبر نہ ملی تا آنکہ ۱۸۶۳ء میں قلعہ ہی میں ان ہاتھیوں کے (۱۲۵) ٹکڑے گڑے ہوئے ٹکڑے ۱۸۶۶ء میں انھیں ٹکڑوں کو بہ مشکل جوڑ جاڑ کے ایک ہاتھی ملکہ کے باغ میں کھڑا کیا گیا تھا۔ ۱۸۹۲ء میں اسی ہاتھی کو چاندنی چوک کے قریب استاد کیا گیا اور دس برس بعد ایک تیسری جگہ لٹن ہال کے سامنے نصب کیا گیا۔ ۱۹۰۳ء میں موجودہ مقام پر یہ ہاتھی کھڑے کیئے گئے لیکن وقت پیش آئی کہ اس قدر شکستہ اور خستہ حالت میں تھے کہ ان کے اہلی ٹکڑے کام میں نہ آ سکتے تھے اس لیے ایک ایسے یورپین صنایع کے سپرد یہ کام کیا گیا جو کہ ہندوستانی طرز میں جہارت کامل رکھتا تھا۔ اس طرح اس کی نگرانی میں ہندوستانی لوگوں نے جو ٹکڑے کارآمد تھے جوڑ جاڑ کر یہ ہاتھی بنا کر کھڑے کیئے۔ یہی بات کہ یہ ہاتھی بادشاہی زمانے میں کہاں کھڑے تھے اس میں پس دیش کی کوئی وجہ ہی نہ تھی اور ہاری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مسئلہ پر کیوں بحث پھڑی اور شک شبہ کا کیا محل تھا۔ برنیر نے ہاتھیوں کا ذکر کرتے ہوئے صاف لکھا ہے کہ اس دروازے سے قلعے میں داخل ہونے کے بعد ایک لمبی اور کشادہ گلی مٹی ہے جس کے بچوں بیچ

شہروں سے بھی مشابہت ہو۔ غرض یہ کہ روم اور دہلی کی مشابہت بڑی حیرت  
 خیز ہے۔ علاوہ ازیں ساری دنیا کا کوئی شہر بھی واقعات تاریخی کے لحاظ سے دہلی  
 کی ہمسری نہیں کر سکتا اور شہر ونیس کی طرح دہلی کا بھی چہ چہ بلکہ ہر پتھر  
 اپنی ایک جداگانہ تاریخ سے وابستہ ہے۔ دہلی دنیا کے سب سے قدیم شہروں میں کا  
 ایک شہر ہے اور اس کو ملک ہندوستان کی پالیٹکس سے زمانے گزر گئے کہ تعلق  
 رہا ہے اور سنہ ۱۵۰۰ ق۔ م سے تو اس کی تاریخ بالکل صحیح وصاف موجود ہے۔

دہلی کے تاریخی واقعات ایسے ہی مشہور ہیں جیسے کہ نیوا۔ بیدیلان کے ہیں۔  
 اس کے ساتھ اُجڑی ہوئی بستی کے عظیم الشان قلعوں۔ عالی شان محلوں۔  
 بھاری بھاری کھنڈوں۔ شان دار مندروں اور شوالوں۔ مسجدوں کا۔ دریائے  
 جمنہ اور پہاڑی کے بیچ والی پٹی پر بارہ سے لے کر پندرہ میل تک سلسلہ  
 چلا گیا ہے۔ عالی شان عمارات آثار قدیمہ کے لحاظ سے کسی طرح روم۔ ایتھنز۔  
 قاہرہ۔ ونیس اور قسطنطنیہ سے کم تر درجے پر نہیں ہے دہلی کا دیکھنا کوئی منہ کا  
 نوالا نہیں کہ آدمی ایک دن میں دیکھ سکے اس میں آگرے اور بنارس سے بھی  
 زیادہ مقامات دیکھنے کے قابل ہیں اور دہلی یقیناً سارے ہندوستان میں  
 سب سے بڑھ کر تاریخی اور نہایت دل سپر شہر ہے۔ اس میں کسی کلام ہو سکتا ہے  
 کہ جس دہلی میں ہم بستے ہیں یہ بالنسبتہ زمانہ حال کی آباد شدہ ہو لیکن شاہان  
 مغلیہ کے دور دورہ۔ شان شوکت۔ وید بہ اور جبروت کے آوازے شہر کی  
 تفصیل سے اب بھی ٹکرا رہے ہیں۔ مسٹر جی ڈبلیو فارسٹ نے اپنی کتاب  
*India of the Mughals* (ہندوستان کے تمام  
 شہروں کی ملکہ ہے۔ اپنا را محاورا یہ ہے کہ سارے شہروں کی ناک ہی گو اس سے  
 بارہا لوٹا لٹا اور فوج کھسوت کرنا کل ننکا کر دیا لیکن اس شہر کی قدرتی اور موقعی  
 بے نظیر دل چسپی کو جو اتنی بڑی سلطنت کا دارالسلطنت تھا کون مٹا سکتا تھا۔  
 اس کی سرنگھٹ تفصیلات پر کھڑے ہو کر ذرا چاروں طرف ایک نگاہ تو دوڑاؤ۔  
 تمہاری نظر کے سامنے ایک وسیع میدان بھوری زمین کا ہے جس میں جا بجا کھدکے  
 کھودے نالے۔ ٹیلے۔ دو بے جن میں جا بجا درخت بھی کھڑے ہیں اور

آخر کار بہاری نگاہ پہاڑوں کے ایک لمبے سلسلے پر جس پر درخت کا نام نہیں  
دور سے نار نار بجی اور ارغوانی دھندلاہٹ کے افق پر ختم ہوگی۔ اسی وسیع سپاہ  
اور چٹیل میدان میں بہت سی بچی بچی یادگاریں ہیں۔ بڑی بڑی عالی عمارتوں کے  
پس ماندہ حصے۔ بڑے بڑے سوراوٹوں۔ بڑے بڑے بزرگوں کے مقابر۔  
جن کو دیکھ کر دم جیسے شاہی شہر سے بھی زیادہ شان و عظمت کا منتظر پیش نظر  
ہوتا ہے۔ دلی صرف ایک شہر ہی کی یادگار نہیں بلکہ وہ یکے بعد دیگرے کئی  
قوموں کی نشانی ہے۔ لیٹیم اور کپینیا کے میدانوں میں لاطینوں کے آنے سے بھی  
آٹھ صدی پہلے آرمینوں کے ایک گروہ نے اس ملک کے قدیم باشندوں کے  
ایک گروہ کو بدر کر کے دریا سے جہنا کے کنارے شہر اندر پرست کی بنیاد ڈالی  
پھر دہشی مسلمانوں کا دور دورہ آیا جس نے ہندوؤں کی سویلینزیشن کی وصول  
بکھیر دی اور دھوئیں اڑا دیئے۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں دلی سات سوئس  
سے دہادہ تک سلج دہانی رہا لیکن اب اس زمانے کی آبادی اور جلوس کے مقامات کا  
صحیح صحیح تعین نہیں کیا جاسکتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ دلی کی ساری بستیاں دریائے  
جنا سے مغرب کی کنارے کے وسیع پر (جو چھتیس مربع میل تک پھیلا ہوا ہے) کسی نہ کسی جگہ ہیں۔  
لیکن یکے بعد دیگرے سب شہر اُجڑتے گئے ایک کو چھوڑا دوسرا بنایا تا اس کہ موجودہ دلی  
بھی جہنا کے کنارے ہی غالباً کسی پرانے شہر کی جگہ پر بسائی گئی۔ یونانی مورخین نے جنھوں نے سکندر اعظم  
کی جنگوں کا ذکر کیا ہے یا چینی ستیاہوں نے جو چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان آئے تھے دلی کا  
کہیں ذکر نہیں کیا۔ جس سے اس خیال کو تقویت ہوتی ہے کہ مابھارت کے ہندو  
راجاؤں کا شہر ضرور اُس زمانے میں ویران تھا اور یہ چور وایت ہے کہ دلی آٹھ  
صدی تک ویران رہ کر پھر آباد ہوئی بے بنیاد نہیں معلوم دیتی۔ تمار بچی تسلیم  
حالات کو بغور دیکھنے سے یہ بات قطعی طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ اب بعد کے اُن کل شہروں  
جو دلی کے نام سے مشہور ہیں یکے بعد دیگرے چھوڑنے پڑے یہاں تک کہ  
شاہ جہاں نے قلعہ اور جامع مسجد بنا کر موجودہ دہلی کی نال گارڈی۔ یہ بات توجہ کے  
قابل بھی ہے کہ غزنوی حملہ آوروں کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد گیارھویں  
صدی کے وسط میں دلی خوب آباد تھی پھر کیا وجہ ہے کہ دلی کی سرزمین پر کئی کئی شہر بھی



اور اُجڑ بھی گئے۔ اس کی کئی توہمیں کی گئیں ہیں لیکن واقعات سے خود صحیح نتیجہ نکالا جاسکتا ہے۔ اکبر بادشاہ نے فتح پور سیکری کو کیوں چھوڑا تھا خود ابو الفضل نے اس کی وجہ پانی کی خرابی اور اسی وجہ سے آب و ہوا کے نامورستی بتلائی ہے گرم ملکوں میں ضروریات زندگی میں سب سے زیادہ آب تازہ کی افراط ہی جہاں کہ موسم بارش کے اوّل کے مہینوں میں غضب کی گرمی اور آفتاب کی تمازت ہوئی ہے گرد و نوح کے میلوں وسیع ریتیلے میدانوں پر کی جھلستی ہوئی گرم ہوا اور آندھیوں کا گرد و غبار لاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے سارے بڑے بڑے شہر بڑے بڑے دریاؤں کے کنارے آباد کیے گئے ہیں۔ اور اسی وجہ سے جہاں دریاؤں کا سنگم ہوتا ہے وہ مقام بہت بڑا خیال کیا جاسکتا ہے۔ دہلی۔ ممبھرا۔ قنوج۔ پریاگ (الہ آباد)۔ اجودھیا (فیض آباد)۔ کاسی (بنارس)۔ یہ سب شہر بڑے بڑے دریاؤں پر واقع ہیں جس خطہ پر لائانی قطب مینار کھڑی ہے یہ سب پُرانی دہلی کی نشانی ہے۔ لوہے کی لاٹ کے کتبے کے موافق سب سے پہلا شہر گیارھویں صدی کے وسط میں راجہ انگ پال نے بنایا تھا جس کا خاندان تقریباً ایک صدی تک حکم رانا رہا۔ پھر چوہان راجپوتوں کا دور دورہ رہ کر تھوار خاندان کا نمبر آیا بارھویں صدی کے بیچ میں دہلی کا راجہ وسال پو تھا جو پرتھی راج دہلی کے راجہ کانانا تھا۔ پھر مسلمانوں کے حملے شروع ہوئے اور اگرچہ ایک عرصے تک پرتھی راج افغانوں کی مداخلت کو قوت سے روکے رہا لیکن آخر کار افغانہ کا غلبہ ہوا اور شہر اُن کے قبضے میں آگیا۔ مسلمانوں کا سب سے پہلا بادشاہ قطب الدین ایک تھا۔ اُس وقت سے لے کر لارڈ لیک کے فتح تک (ستمبر ۱۸۵۸ء) دہلی میں مسلمانوں کی حکومت رہی اور یہی ایشیا کا سب سے بڑا شہر تھا۔

شاہ جہاں آباد کی کاغذ بلدیہ شمالی ۳۹ س ۴۸ - ۴۸  
اور طول بلد شرقی ۷۱ ع ۲۰ - ۵۴ ق ۴۸ - سطح سمندر سے ۶۰

مرفوع ہے۔ یہ شہر جہنا کے مغربی کنارے پر آباد ہوا ہے اس کا

۵۰-۲۱۳ میں ہوا ہے اور شہر سے لے کر ۵۰۰ تک جتنے شہر و ریا



جمنائے کنارے اور پھاڑی کے درمیان فی لمبے وسیع میدان میں یکے بعد دیگرے آباد کیئے گئے شاہ جہاں آباد اُن شہروں میں کاسیے آخری اور سب سے زیادہ شمال رخ کو ہٹا ہوا شہر ہے۔

۱۹۱۱ء کی پچھلی مردم شماری کے رو سے شہر دہلی

کی آبادی (۲۲۲۸۵۷) نفوس ہیں اور تعداد اکٹہ کی اس

وقت (۳۹۸۹۷) برییاں کی آبادی ہندو۔ مسلمان۔ جین۔

سکھوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔ مسٹر فین شا کہتے ہیں کہ

مردم شماری

خانہ شماری

۱۹۱۱ء

شاہ جہاں آباد کا شہر بدر و برج سے جو جنوب و مشرق کے

کونے میں ہے دریا سے جمنائے کنارے کے واسطے کنارے اور کوہ اراولی کی

شمالی شخ کے بیچ میں ایک لمبی پٹی زمین کی سوا دو میل تک چلی گئی ہے اس پر آباد ہے۔

شہر کے روکار کا ایک بڑا حصہ قلعے کی فصیل سے رکا ہوا ہے یہ قلعہ ۵۶-۶۲۸

میں شاہ جہاں نے بنایا تھا جو سب سے بڑا باقی عمارات گزر رہا ہے۔ دریا کی طرف قلعے کے

بھاری اور شان دار سنگ سُرخی کی فصیل۔ برج۔ برجیاں۔ کنگرے۔ دروازے

جب نظر کے سامنے آتے ہیں تو آدمی ہک دھک رہ جاتا ہے۔ فصیل قلعے کے

اندر کار قبہ طول میں ایک تہ ارگزار عرض میں پانسو گز ہے جس میں بادجو دیکھ انگریزوں نے

فوجی ضروریات اور بارگوں کے لئے گنجائش نکالنے کے واسطے بہت کچھ توڑ

پھوڑ کیا اور متعدد عمارات صفحہ رہستی سے مٹا دیں لیکن پھر بھی بہت مہلات اور

عمارات تہایت خوب صورت اور قابل دید موجود ہیں۔ فصیل کا شمالی حصہ جو غدر شاہ

کے سب سے مشہور ہو گیا بدر و برج سے لے کر شاہ برج تک جو زیادہ تر

موری برج کے نام سے مشہور ہے مین جو تھائی میل تک چلا گیا ہے۔ موری برج سے

اجمیری دروازے تک فصیل کا مغربی ضلع سوا میل کا ہے اور جنوبی فصیل کے ولزلی

برج تک بھی یہی فصل ہے اس طرح شہر کا کل محاط سوا تین میل ہے۔ فصیل کے شمالی

حصے میں ہی کشمیری دروازہ ہے جو غدر میں بڑے معرکے کا مقام رہا ہے۔ مغربی فصیل میں

کابلی دروازہ۔ لاہوری دروازہ۔ فرانس خانے کی کھڑکی اور اجمیری دروازہ تھے

جس میں سے اب سوائے اجمیری دروازے کے کوئی باقی نہیں رہا۔ جنوبی فصیل میں

ترکمان اور دلی دروازے ہیں۔ دریا کی طرف خیراتی اور راج گھاٹ کلکتہ اور  
نکبہ و دروازے ہیں۔ جن میں کلکتہ دروازہ اب نہیں رہا کیلا گھاٹ اور  
بدر و دروازہ دونوں بند کر دیئے گئے ان دروازوں سے سٹریٹک میں  
بڑی چپقلش تھی راستہ کشادہ کرنے کو گرا دیئے گئے فصیل شہر جس کا دور  
چھ میل کا تھا اور گرد خندق تھی جا بجاسے صاف کر دی گئی اب جو دروازے رہ گئے  
ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ گرا رہے جانے والے ہیں البتہ ایک کشمیری دروازہ اپنی  
حالت پر رہے گا وہ بطور یادگار غدر محفوظ کیا گیا ہے۔ چاندنی چوک کے بازار نے  
شہر کو دو غیر مساوی حصوں میں تقسیم کر دیا ہے جو قلعہ کے لاہوری دروازے  
سے فتح پوری کی مسجد تک ایک میل سے کچھ اوپر ہی اوپر سیدنا چلا گیا ہے۔ قلعہ  
کے لاہوری دروازے کا فصل جتنا کشمیری دروازے سے ہے اتنا ہی قریب  
قریب دہلی اور اجمیری دروازوں سے بھی ہے۔ شہر میں یوں تو جا بجا متعدد دھمکیں  
ہیں لیکن شہر کے مشرقی حصے میں ایک بڑی سڑک شارع عام کشمیری دروازے  
سے دلی دروازے تک نکالی گئی ہے جو پرانے میگزین پر سے قلعے کے  
سامنے سے ہوتی ہوئی جامع مسجد کو سیدھے ہاتھ کی طرف چھوڑتی ہوئی دھڑ  
دلی دروازے تک چلی گئی ہے۔ شہر کے مغربی حصے میں ایک اور سڑک  
بازار لال کنواں اور سرکی والال کی چڑی کی قاضی کے حوض پر اکر تین  
شاخیں ہو گئیں ہیں۔ مغرب کی طرف اجمیری دروازے کو ایک سڑک چلی  
گئی ہے جنوب میں سیتارام کے بازار سے ہوتی ہوئی ترکمان دروازے  
کو اور مشرق میں چاؤڑی بازار سے جامع مسجد تک۔ ایک اور بڑی سڑک  
اجرٹن روڈ (نئی سڑک) گھنٹہ گھر کے سامنے سے نکل کر جس کی بلندی ۴۴ فٹ  
شاہ بولا کے بڑے چاؤڑی بازار میں ہوتی ہے۔ شہر کے جنوب و مشرقی کونے  
میں فصیل اور فیض بازار کے بیچ میں دریا گنج ہے جس میں نیٹو فوج کی ایک  
رجمنٹ سوار و پیدل کی رہتی تھی۔ باقی دو کھنیاں برٹش القنطری اور ایک کمپنی  
رائل گھبرینڈن کی قلعے میں رہتی ہے۔ شہر کے لاہوری دروازے کے  
باہر مغربی جانب فصیل شہر کے شمالی حصے میں صدر بازار ہے جس کے

شیخہ قدم شریف اور عید گاہ - کشن گنج - پہاڑ گنج -

مغربی نہر جہنا اور پہاڑی کا جنوبی سراہی - پہاڑی کے سر کے نصف میل  
مغرب کی طرف سبزی منڈی اور باغ روشن آراہی اور یہی چیزیں اس  
طرف دیکھنے کے قابل ہیں - شہر کی شمالی فصیل کے باہر - کشمیری اور موری  
دروازے کے باہر سول سٹیشن ہے - جس کے جنوبی جانب شہر میں گرواگر  
توپ خانہ پڑا ہوا تھا - یہیں قبرستان - نکلسن کا باغ اور قدسیہ باغ  
ہیں جن کی مغربی حد راج (پہاڑی) اور مشرق میں جہنا ہے - پہاڑی سے آگے  
بڑھ کر پرائی چھاؤنی ہو جو غدر میں برباد ہو گئی اور یہیں جون سے ستمبر تک  
انگریزی فوج شہر کا محاصرہ کیے پڑی رہی - اسی جگہ مغرب رخ پر نجف گڑھ  
کی جھیل سے جو نہر نکالی ہو وہ ہے جس کے اوپر شہر کا فوجی قبرستان ہے -  
نہر کے پرے بڑی سڑک کے شمال میں باوری کا وہ میدان ہے جہاں کہ  
شہر میں امپیریل ایسبلج (رشاہی دربار) ہوا تھا اور یہیں اس سے  
بھی بڑھ کر یکم جنوری ۱۹۴۷ء کو دربار تاج پوشی ہوا تھا - یہ مقام کشمیری دروازے  
سے ساڑھے تین میل اور پہاڑی سے ڈیڑھ میل ہے - اسی بڑی سڑک سے ڈھائی  
میل اوپر دار جہاں باوری کے میدان کی طرف رستہ مڑتا ہے باولی کی سڑک کے  
میدان جنگ کے مغرب میں کچھ چیدہ چیدہ درخت شا لا مار کے مشہور  
باغ کے رہ گئے ہیں - دہلی دروازے سے نصف میل پر دریا گنج کی چھاؤنی  
کے جنوب و مشرق کے کونے میں فیروز شاہ کے کوٹے کا کھنڈر ہے جس  
میں فیروز شاہ نے بودھ لوگوں کی پتھر کی لاٹ کھڑی کی ہے جو اب تک موجود ہے  
اس کے جنوب میں ایک میل کے پرانا قلعہ یا اندر پت ہے - اندر پت کے  
جنوب رخ پر دو میل پر ہمایوں بادشاہ کا مقبرہ ہے - جس کے گرد اور بھی  
کئی عمارتیں ہیں اس طرح شہر کے جنوب کی طرف دریا کے کنارے تک کی قابل  
دید عمارتیں ختم ہوئیں - یہاں سے مغرب کی طرف پلو تو پہلے حضرت شاہ  
نظام الدین اولیا کی درگاہ بائیں طرف نظر آئے گی - وہاں سے ڈھائی میل جنوب  
کی طرف مبارک پور ہے جس کے شمال میں لودھیوں کے مقبرے ہیں -

لودھیوں کے مقبروں سے نصف میل آگے نواب صفدر جنگ کا مقبرہ ہے جو اجیری دروازے کی سڑک سے چھ میل ہے۔ یہاں سے قطب منار اور پرانی دہلی جنوب کی طرف پانچ میل ہے۔ صفدر جنگ کے مقبرے سے اسی سڑک پر ڈیڑھ میل پر مغرب کی طرف فیروز شاہ کا مقبرہ ہے اور مشرق کی طرف بیگم پور کی مسجد اور کئی اور عمارتیں مٹی میں۔ پرانی دہلی میں قطب منار کے پتھور کا مشہور مسجد قوت الاسلام۔ علانی دروازہ سلطان پتھش کی قبر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ شریف یہ سب مقامات قابل دید ہیں۔ ماسوا اس کے قلعے کی بھاری اور پرانی فصیل اور کئی عمارتیں دیکھنے کے قابل ہیں۔ قطب صاحب سے پانچ میل بجانب مغرب شہر تغلق آباد کا عالی شان قلعہ اور فصیل اور تغلق شاہ کا مقبرہ ہے۔ ان سب تاریخی مقامات کے علاوہ وہ میدان جنگ جہنا کے بائیں کنارے دلی سے پانچ چھ میل کے قریب ہے جہاں لارڈ لیک نے ۱۱ ستمبر ۱۸۵۷ء کو بڑی بھاری لڑائی لڑی تھی۔

”والی کوٹ ایک آف ڈی اینڈ سواری“ ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا اور چودہ برس کی عمر میں گارڈز (فون) میں داخل ہوا۔ جرمنی، امریکہ اور فلپین میں کام کیے اور جب اوکس فیلڈ میں پہنچا تو اسی کی کمان سنبھالی۔ اس کی غیر معمولی سختی اور نظم کی تمکات کی سبب اس میں ہندوستان میں کمانڈر ان چیف (سپہ سالار) ہو کر آیا اور شمالی حصہ ہند میں اسے سرحدوں کی زبردست طاقت کا قلع قمع کرنے میں بڑا نام پایا ۱۸۵۷ء میں سینڈھیا سے جڑواں ہوئی وہ لارڈ ولزلی کے ایجنٹ بن گئے تھے تاکہ فرانسیسیوں کے جنرل ایم پرتون (M. Perton) نے جو دنیا جہنا کے کنارے ایک سٹیٹ قائم کیا تھا اس کا قلعہ فتح ہو۔ ایم پرتون ایک فرانسیسی سیاح تھا جو بڑے مشہور ڈی بوٹن (De Boigne) کی جگہ سینڈھیا کے باقاعدہ فوج میں مقرر ہوا تھا اس نے ملک دواہ پر قبضہ کر کے اپنا مستقر علی گڑھ مقرر کیا تھا اور شاہ عالم بادشاہ کی مدد سے ایک خود مختار رئیس بن گیا تھا۔ اور خفیہ طور پر بونا پارٹ سے مراسلت بھی رکھتا تھا لہذا لارڈ ولزلی نے جاہک اس کا سننے کو نکال دیا جاے۔ علی گڑھ میں شکست پانے کے بعد ایم پرتون نے اپنے آپ کو انگریزوں کے سپرد کر دیا۔ تب بورڈ کو ان (Bourquignon) نے کمان لی لیکن ۱۱ ستمبر ۱۸۵۷ء کو لارڈ لیک نے اسے دلی کی لڑائی میں شکست دی جو ہندوستان کے مقرب کے محاذ کے میدان میں ہوئی تھی۔ بڑی فتح سواری مقام پر یکم نومبر کو ہوئی۔ جب سینڈھیا سے صلح ہوئی تو لارڈ لیک نے راجہ ملکر نے جنگ چھیڑ دی اور اس کے ساتھ بھرت پور کا راجہ بھی شریک ہو گیا۔ لارڈ لیک نے ڈیوک پر گور باری شروع کی مگر بھرت پور کے چار حملوں میں ناکام رہا۔ لیکن راجہ نے اس لوٹ پر صلح کی خواہش کی۔ مگر لغات پنجاب کی طرف چلا کر بحیثیت سنگھ سے مدد لی لیکن دریائے بیاس کے کنارے ہی من سمجھتا ہو گیا اور ملکر آگے نہ بڑھا۔ ایک ستمبر ۱۸۵۷ء میں پیر پٹن لارڈ بنایا گیا اور ۱۸ ستمبر میں وفات پائی ۱۲۴

## صنعت و حرفت

دلی کی صنعت و دستکاری مختلف اقسام کی ہے۔ زیورات سادہ کاری۔ جواڑو۔ کندن۔ ڈائمنڈ کٹ۔ ظروف برنجی اور تانبے کے۔ ہاتھی دانت پر قلمی تصاویر۔ مٹی کے برتن۔ سلسلہ ستارے کا کام۔ زردوزی۔ تصویر سازی۔ جوتیاں۔ ٹوپیاں۔ سوون کاری۔ کامدانی۔ رفوگری۔ ملمع سازی۔ وغیرہ وغیرہ۔ صد ہا برس سے دہلی کے زیورات۔ سادہ کاری اور جواڑو کا شہرہ ہو لیکن اب یہ صنعت و کاریگری بہ مقابلہ عہد مغلیہ کے بوجہ قدر دان نہ ہونے کے رد بہ انحطاط ہے۔ ہاتھی دانت پر چھوٹی چھوٹی تصویریں بنانا جو رہا باریک اور کاریگری کا کام ہے وہ صرف ایک دو خاندانوں میں باقی رہ گیا ہے۔ زمانہ حال میں لکسٹ اور اسی قسم کی دوسری اشیاء ہاتھی دانت کی بہت نفاست سے طیار کی گئیں ہیں ایک بڑی ندرت اس کام میں یہ ہے کہ اوقلیدس کی شکلیں جچی تلی بنائی جاتی ہیں۔ برتن نقلی چینی کے بنائے جاتے ہیں جو بہت نفیس ہوتے ہیں یہ سبز بھی دوہای ایک گھرانوں میں باقی رہ گیا ہے۔ زردوزی سلسلہ ستارے کا کام بہت کثرت سے اور انواع و اقسام کا نہایت عمدہ ہوتا ہے جس کی بڑی بڑی دکانیں چاندنی چوک میں ہیں۔ اگرچہ اب پزیرین خراش تراش کو وضع قطع میں زیادہ دخل ہے لیکن پھر بھی قدیم طرز کے نمونے بھی میسر آ سکتے ہیں۔ بہر حال یہ کام بڑی ترقی پر ہے۔ تار کشی یعنی سونے چاندی کے تار کھینچنے کے کام میں بہت سے لوگوں کو روزی ملتی ہے ان لوگوں کو کندہ کش کہتے ہیں میونسپلٹی نے ایک ورک شاپ بڑے پیمانے پر کھولی ہے جس میں ان کی نگرانی میں سونا چاندی گداخت کیا جاتا ہے۔ اس ورک شاپ کا ایسا اعتبار اور بھروسہ سارے ملک میں ہے کہ اس کا مارک دیکھنے کے بعد اس کے خالص ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ اس خدمت کے معاوضہ میں اس ورک شاپ کو یعنی میونسپلٹی کو پچیس ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی ہے۔ زمانہ حال میں کئی لمیں اور کارخانجات کھلنے سے شہر کی بڑی ترقی ہوئی ہے۔ یہ کارخانے پارچہ بانی اور دوسرے اقسام برف۔ کشید خراب وغیرہ کے ہیں جو سٹیم کی طاقت سے چلتے ہیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں دہلی کلا تھ اینڈ جنرل ملز۔ ہومان اینڈ ہادیوسٹنگ اینڈ ویونگ ملز۔ کٹن کاٹن

سپنگ مل۔ جنہا کاٹن سپنگ مل۔ آٹا پیسنے کے یہ کارخانے۔ ناردرن انڈیا فلور مل۔  
 گنیش فلور مل۔ جان فلور مل۔ تین شکر بنانے کے کارخانے۔ تین کارخانے  
 روئی کے بننے نکلنے کے۔ ہندو بکٹ فیکٹری۔ اور بہت سے چھوٹے  
 موٹے مطابع۔ لوہیوں کے کارخانے جس میں ہر قسم کا کام بنتا اور ٹھہلتا ہی اور  
 جو برقی قوت سے چلتے ہیں اس طرح اس وقت کوئی چالیس کارخانے جاری  
 ہیں جن میں ہزار ہا آدمی پرورش پاتے ہیں :- دکن نہ صرف ایک بڑا بھاری تجارت کا  
 ہڈ بلکہ خود اس شہر میں صد ہا قسم کی چیزیں بنتی ہیں۔ سب سے پہلے تجارت اور حرفت کو  
 اکبر بادشاہ نے ترقی دی۔ اُس نے سارے ہندوستان۔ فارس حتیٰ کہ یورپ تک  
 سے چُن چُن کر کار یگروں کو سمیٹا۔ سر جارج برڈ وڈ اپنی کتاب انڈسٹریل ریش  
 آف انڈیا میں لکھتے ہیں کہ اُمراء۔ روساء اور سرداروں کی توجہ اور شوق اور ہندو  
 یافتہ لوگوں کی خوش مذاقی کا سبب تھا کہ ہندوستان کی صنعت و حرفت اس اعلیٰ  
 درجے کی تکمیل کو پہنچی۔ آئین اکبری (۱۶۰۵-۱۵۵۶) میں ابو الفضل نے لکھا ہے کہ  
 شاہان مغلیہ اپنے محلوں میں ہر فن و کمال کے چندہ کاری گر ہندوستان میں  
 ہر خطے کے رکھا کرتے تھے ۱۱ کہتے ہیں کہ اکبر بادشاہ کو خود نقاشی اور مصوری کا  
 بڑا شوق تھا اور اُس نے بہت سے کار یگر اور ملازموں کو اس لیے جمع کیا تھا کہ  
 کہ اُن میں آپس میں منافست لاگ ڈال دیا جائے اور ایک کو دیکھ کر دوسرا سبقت  
 لے جانے کی کوشش کرے اور اس طرح صنعت اور حرفت کو ترقی ہو۔ بادشاہ ہفتہ میں  
 ایک بار بنفس نفیس ہر کار یگر کے کام کو ملاحظہ فرماتا تھا اور اُن کے کام کے اعتبار سے  
 اُن کو سرمایہ کی امداد دی جاتی تھی اور لحاظ اُن کی کارگزاری اور دست کاری کے  
 اُن کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جاتا تھا۔ سلاح خانے میں بھی بادشاہ خود جا کر قسم قسم کے  
 ہتھیاروں کی ساخت کو ملاحظہ فرماتے تھے جو تمام تر انہیں کارخانوں میں تیار کیے  
 جاتے تھے۔ شاہی لباس خانے کے کارخانے میں ہر ملک کے بننے والے  
 زردوز۔ کارچوب والے موجود تھے اور جو کچھ وہ بناتے تھے بڑی حفاظت سے  
 تو شیک خانوں میں رکھا جاتا تھا اور یہی چیزیں خلعتوں اور انعاموں میں دی جاتی تھیں  
 چون کہ بادشاہ خاص طور پر اس طرف متوجہ تھا لگ بھی آسے وہ نئی نئی ایجادیں کرتے

رہتے تھے اور جب دیکھو ایک نئی طرز نکالتے اور ہر چیز کو درجہ کمال پر پہنچاتے تھے۔ فارس یورپ اور چین کے ساختہ پارچہ جات ان کو دکھلا کر ان کا شوق تیز کیا جاتا تھا۔ بادشاہ کو ادنیٰ اور پستینے اشیاء کا بہت شوق تھا بالخصوص شال بہت مطبوع خاطر تھے۔ آئین اکبری میں ان تمام مختلف اشیاء کی فہرست دی گئی ہے جو محلات شاہی میں طیار کی جاتی تھیں جن کی تفریق بجا ظناً تاسیخ طیاسی۔ قیمت رنگ اور وزن کے کی گئی ہے۔ اکبر بادشاہ کے ہاں جوہری۔ سنار۔ جڑیے۔ سیم ہتیا نگینہ ساز۔ حکاک۔ جوہر تراش۔ مہر کن وغیرہ وغیرہ ہر قسم کے کاریگر کثرت موجود رہتے تھے۔

سرجان چارڈن نے ۱۶۶۲ء میں بلاد مشرق کی سیاحت کی اور وہ اپنے روزنامہ سیاحت رجمنل ڈی وائچ۔ لنڈن ۱۶۸۶ء۔ ایمسٹرڈم ۱۶۸۷ء میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ اور امرا۔ فارس سب کاریگروں کو اپنے اپنے کارخانوں میں رکھتے تھے۔ سرجان نے ان کارخانوں کا مقابلہ گریٹ ڈیوک آف فلارنس اور لاور کی گیلریوں سے کیا ہے۔ یہ لوگ اپنے کارخانوں میں عمدہ اور نامی کاری گروں کو (بڑی بڑی) تنخواہیں اور روزینے دے کر رکھتے ہیں اور مال مسالاسب اپنی طرف سے دیتے ہیں جو کام عمدہ اور نفیس اور لائق پسند بناؤ ان کی حوصلہ افزائی کو انعام اکرام دینے کے علاوہ ان کے مشاہروں میں توقیر کی جاتی تھی۔ ان لوگوں کی ملازمتیں موروثی اور نسلاً بعد نسل تھیں چنانچہ اب بھی ریاستوں میں یہی دستور ہے کہ باپ کی نوکری بیٹا پاتا ہے۔ لنڈن کے انڈین میوزیم رجائب خانے میں ایک بہت بڑا پیالہ اُس زمانے کا بنا ہوا تھا جس پر حکاکوں کی تین پشتوں کو یکے بعد دیگرے کام کرتے گور سکے۔ اس سے اندازہ ان لوگوں کی دیدہ ریزی کا کیا جاسکتا ہے۔ اور صرف یہی طرز عمل ہے جس کی بدولت صنعت و حققت میں ترقی ہوتی چلی جاتی ہے چنانچہ اب بھی مختلف قسم کی صنعتیں خصوصاً شال ہانی وغیرہ کنتیمیر۔ جو پور حیدر آباد دکن ریاستوں کے کارخانوں میں قائم و برقرار ہیں دلی میں چمڑے کی تجارت بھی بہت ہے۔ یہاں کی جو تیاں سارے ہندوستان میں مشہور ہیں بڑی خوبصورت نازک اور نفیس ہوتی ہیں۔ سادہ کے علاوہ طرح طرح کے بیش قیمت سلسلہ ستارے۔ سپاٹ کام کی دیکھنے کے قابل ہوتی ہیں سادہ اور جڑاؤز پورٹ



ٹنگے - بھومر - ہار - بالیاں - منہسے - آدیرے - سسہار - بھلیاں - بھلنیاں -  
 جھنگے کے ہاسے - ست لڑا - ہار - ہنسل - گلوبند چپا کلی - دھنگرگی - بیکل - نادعلی -  
 مگر چو دانیاں - مگر مرکیاں - جھیلے یعنی سہار - کڑے پھڑے - جوڑیاں - پچھے جھانجن - پازیب  
 بٹن - انگوٹھی - پچھے - چٹکی چھٹے - جوڑ - جوشن - نونگے - بھونج بند - تعویذ - ہزاروں  
 قسم کے زیورات خالص سونے کے یا جڑاؤ یا مینا کاری کام کے غرض سینکڑوں  
 قسم کے زیور بنتے ہیں - یہاں کے سنار اور سادہ کار اور جڑ نیسے بہتر سے  
 بہتر کام بناتے ہیں جس کی نقل یورپ میں بھی شاید ہی ہو سکے - ایک بڑی دستکاری  
 ہاتھی دانت کی تختیوں پر تصویر سازی کی ہے - ان چھوٹے چھوٹے ٹنگڑوں پر  
 کیسی باریکی اور نفاست کی قلم سے تصویر شخصی اور عمارات کی ہو ہو اُتارتے ہیں کہ  
 بیان نہیں کیا جاسکتا - گویہ تصاویر فوٹو گراف پر سے لی جاتی ہیں مگر ان کے بنانے  
 کی بڑی ندرت ہے - اگرچہ تصاویر بیش قیمت ہوتی ہیں مگر دیساہی کام بھی ہے اور یورپ  
 تک اس دست کاری نے نام پایا ہے اور یہاں کے مصوروں کو کئی تحفے  
 نمائشوں میں ملے ہیں - غرض یہ کہ دہلی ہر قسم کی صنعت و حرفت کا معدن ہے اور  
 یہاں ہزاروں روپیہ روزانہ کا بیوپا ہوتا رہتا ہے -

## تجارت

دہلی تجارت کی بڑی بھاری منڈی ہے - چوں کہ یہاں مختلف  
 ریلوے لائنیں آگئی ہیں لہذا یہاں کے لیے میدان تجارت  
 چاروں طرف کھلا ہوا ہے - دہلی میں زیادہ بیوپار کلکتہ اور بمبئی سے ہے اور ولایت سے  
 راست بھی مال کی درآمد ہے - یہاں کی اشیاء درآمدیہ ہیں :- ادویہ - روئی  
 ریشم - غلہ - اجناس روغن دار - گھی - دھات - نمک - سینگ - چمڑا اور ہمد  
 قسم کے پارچہ جات جو یورپ سے آتے ہیں - برآمد کی اشیاء بھی قریب قریب  
 یہیں ہیں اسوائے ان کے تاکو - شکر - تیل - زیورات سنہری اور روپہلی گونا گویں  
 دہلی کے تجارت کا بیویار ساری دنیا سے ہے ہندوستان ہی میں سندھ - کابل  
 اور - بیکانیر - جی پور - دو آب پنجاب سے زیادہ تر داد و ستد ہے - دہلی میں متعدد  
 یورپین بینک ہیں جن کا ذکر بنکوں کے ضمن میں آیا ہے - ہندوستان کے کل برٹش  
 برٹش بینکوں کی شاخیں یہاں ہیں اور بہت سے روئی اور غلے کے سودا گروں





اور چھ بریچ سکول۔ سینٹ شیفرنز ہائی سکول اور اُس کی دوہرنچیں۔ اینگلو عربک سکول اور اُس کی تین شاخیں ہیں ایک سنسکرت ہائی سکول ہے۔ پنجابی سکول۔ مسلم سکول۔ اور کئی پریوٹ سکول ہیں۔ اسی طرح کئی زنانہ سکول ہیں۔ کوئین سیریز ہائی سکول۔ زنانہ مشن سکول۔ انڈر پوسٹہ گرلز سکول۔ اور کئی برتھیں ہیں۔ نارمل سکول بھی ہے۔ مدرسہ طبیبہ۔ اور اس کے متعلق طبیبہ زنانہ سکول ہے۔ شہر کے باہر لیڈی ہار ڈانگ ٹیکل کالج کی عالی شان عمارت ہے جو برے پانے پر زنانہ ٹیکل کالج جو جس میں تمام یورپین سٹاٹ ہے۔ فردل باغ میں طبیبہ اور ایو رویدک کالج کی عالی شان عمارت زیر اہتمام جناب حکیم اجل خاں صاحب حاذق الملک بن رہی ہے جس میں طب یونانی و انگریزی و ویدک کی تعلیم ہوگی۔ سب سے بڑی ہوٹل میڈنر ہوٹل ہے جو بیرون کشمیری ہوا۔ سول سٹیشن میں لڈ لوکیل کے پاس ہے۔ دہلی کی ہوٹلوں میں یہ سب بہتر ہے۔ انتظام اور مکانات سب اعلیٰ درجے کا ہے۔ موری دروازے کے باہر لارینز ہوٹل ہے اور البین۔

ہوٹلیں۔ سرائیں  
اور مسافر خانے

وڈ لینڈ۔ سیسل کئی ایک ہوٹلیں ہیں۔ دو چھوٹے رسٹ ہوٹس قطب میں ہیں۔ ادھم خاں کے مقبرے میں جو رسٹ ہوٹس ہے اُس میں اُترنے کے لیے صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر دہلی کی اجازت حاصل کرتی ضرور ہے۔ ریلوے سٹیشن کے پاس بڑی بھاری احمد پائی کی سرائے ہے۔ ریلوے سٹیشن سے کوئی پاؤ میل پر چھتال والوں کا ایک بڑا دھرم سالہ اہل ہنود کے واسطے ہے۔ اب دلی میں کوئی ڈاک بنگلہ نہیں ہے البتہ ریلوے سٹیشن میں رٹائرنگ رومز ہیں۔ جو لوگ ریل کی گڑبڑ اور ہر دم کے شور و غل سے نہ گھبراتے ہوں وہ ان میں ٹھہر سکتے ہیں۔

ڈہلی الکٹرک ٹریکویز  
اینڈ لائٹنگ کمپنی

دہلی میں برقی قوت سے شہر کے کل بڑی بڑی شاہ راہوں پر ٹریکویز چلنے لگی ہے اور اسی طرح ساری سڑکوں پر برقی روشنی ہوتی ہے جس سے سارا شہر رات کے وقت جگمگا اٹھتا ہے مکانوں میں بھی کثرت بجلی کی روشنی اور برقی پنکھے لپے گئے ہیں۔ دلی کی قیامت کی گرمی

اور کونیں یہ پنکھے جنت کی ہو اکھلاتے ہیں۔ بجلی کا بڑا کارخانہ پور ہوس۔ جی۔ آئی۔ پی ریلوے صدر سٹیشن کے عقب میں وہ بہت اونچا بسا ہی جہاں سے چو طرف برقی قوت پھیلائی جاتی ہے اور جو شبانہ روز بلا توقف سائے ہر وقت اپنے کام میں لگا رہتا ہے۔

غیروں کا اختراع و تصرف غلط ہے داغ

اردو ہی وہ نہیں جو ہماری زبان نہیں

زبان

جو زبان ہم تم بولتے ہیں وہ اردو کہلاتی ہے۔ تمام ہندوستان کی لنگو افریقا اردو ہی ہے۔ اس میں بھی دلی اور پھر لکھنؤ کی اردو منتخب ہے اور لال تلے کی اردو سب سے زیادہ مستند اور شستہ اور نصیح اور بامحاورہ سمجھی جاتی ہے۔ شاہان مغلیہ کی زبان بھی اردو ہی تھی اور انھیں کی گودوں میں یہ زبان پئی اور پرورش پائی۔ دہلی آج بڑا لکھنؤ بسا اردو کی نئی تو ملی دہن کو اہل لکھنؤ نے آغوش محبت میں لیا اور خوب بناؤ سنگھار سے سنوارا۔ اس اعتبار سے دلی میں اردو کی تال گرہی ہے اور لوگ دہلی والوں کی زبان سے ہر موقع محل پر سند پکڑتے ہیں چنانچہ داغ صاحب کا شعر ہم نے اوپر لکھ دیا ہے۔

ذکر متناہین کرام و علمائے عظام و دیگر بزرگان دہلی

خوش دل و خوش خوے چو اہل ہشت  
رقہ چو جاں در تن مردم درون  
وادمہ در موے خنکافی سر  
داغچہ تلخہ بند بان قلم  
زابل سخن خود کہ شمار دہ چند

مردم او جملہ فرشتہ سرشت  
ہر ہمہ نزدیک دل و گرم خوں  
ہر سر مو بر تن ایشان ہنر  
وز قلم ہر چہ بر آرد قلم  
بیشتر از علم و ہنر بہر مند

لے بیشتر ذکر احوال بزرگان دین و علمائے و شاہیر وقت کا اپنے اپنے موقع سر  
اس کتاب میں آچکا ہے۔ جن صاحبوں کا ذکر رہ گیا تھا وہ اس قصبے میں  
درج کیا جاتا ہے۔ ۱۲

خداوند تعالیٰ نے اس خطہ زمین کو کچھ عجیب و غریب خاصیت عطا فرمائی ہے کہ سلطنتوں کے عروج و زوال و معرکہ ہائے جنگ و جدال کے قطع نظر یہ سرزمین بڑی مرموز و فیضی رہی ہے۔ یہاں کی خاک سے بڑے بڑے نامور علماء اور حکماء غرض ہر طبقہ کے بہترین لوگوں کا یہ معدن رہا ہے اور یہیں وہ سب سرمایہ ناز و افتخار آسودہ ہیں۔ ان سب حالات کے لیے ایک جداگانہ کتاب درکار ہے۔ یہاں علی سبیل الاختصار مقحوطے سے ارباب کمال ظاہری و باطنی حال لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:-

### حضرت مولانا ابو سعید

حضرت شاہ غلام علی صاحب کے خلیفہ اعظم تھے آپ کے

انتقال کے بعد ہی سجادہ نشین ہوئے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں تھے جو حضرت شاہ صاحب کے پیران پیر تھے اور واقع میں حضرت شاہ صاحب بھی آپ کو ویسا ہی سمجھتے تھے اور نہایت تعظیم و تکریم فرماتے تھے۔ علاوہ علو نسب کے صفات ذاتی اور کمالات ظاہری اور باطنی ایسے تھے کہ جن کا حد و حساب نہیں۔ حافظ کلام اللہ اور عاشق رسول اللہ علوم دینی آپ کو بہت مستحضر تھے اور دن رات انھیں کے درس میں گزارتے تھے۔ علم قرأت میں یکتاے روزگار تھے۔ کلام اللہ ایسی خوش آواز اور کمال قرأت سے بڑھتے کہ لوگ دور دور سے سننے آتے۔ پہلے پہل تو آپ نے مولانا شاہ درگاہی صاحب علیہ الرحمۃ سے کہ بڑے اولیاء وقت سے تھے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی تھی اور نسبت باطن نجوی حاصل کر کے پیری و مریہ کی اجازت لی تھی۔ لیکن اپنے خاندان کی نسبت نے زور کیا اور طریقہ نقشبندیہ کی طرف کھینچا تو آپ نے دوبارہ حضرت شاہ غلام علی صاحب سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کی اور از سر نو تمام مقامات کو حاصل کیا۔ آپ کی شکل و شمایل بہت نورانی تھی بے اختیار آپ کی صحبت میں حاضر رہنے کو دل چاہتا اور جب تک بیٹھتے و سوسہ شیطانی ایکٹ نہ تھا اوقات آپ کی بعینہ حضرت شاہ صاحب کی اوقات تھی صرف خالص اللہ مشق و خلوص کلمہ خاں صاحب سے کی اور کلام اللہ لکھ کر وقف کیے اگرچہ تعلقات ظاہری مثل ذن و فرزند آپ کے حضرت شاہ صاحب کی نسبت زائد تھے لیکن وہی بی تعلقی

مہل تھی۔ باہمہ ادیبے ہمہ سے بھی کچھ زیادہ قسم رکھتا تھا۔ اتباع سنت نبوی صلعم بدرجہ کمال تھا۔ کوئی بات خلاف سنت نہ کرتے اور ہر دم پر وہی سنت ہی خیال رکھتے۔ اخلاق محمدی اس وسعت سے تھا کہ ہر شخص ملنے والا یہی جانتا تھا کہ جیسی عنایت اور شفقت آپ کو میرے حال پر ہو اُس سے سوادو سر پر نہیں۔ حقیقت میں تو واضح کو بدرجہ کمال پہنچایا تھا اور سخاوت کو حد سے زیادہ اختیار کیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو ابوسعید سے فخر ہے۔ میں نے اگر نقیری کی تو کیا کہ کسی کا کچھ غم نہیں رکھتا۔ ابوسعید کو دیکھو کہ باوصف علائق دنیاوی کے کیا اپنے معبود کی عبادت میں مصروف ہو کہ گویا مطلق کچھ تعلق ہی نہیں رکھتا۔ آپ کی صحبت سے ہر شخص کو ایک فیض ملتا اور اجماع خاطر اور توجہ الی اللہ حاصل ہوتا۔ بعد انتقال شاہ صاحب کے آپ اُن کی جگہ مسند ارشاد پر بیٹھے اور سالہا سال لوگوں کو آپ کے فیض صحبت سے علوم راتب اور کمال داراج حاصل ہوئے کہ اسی شمار میں آپ کو غلبہ محبت حضرت رسالت بنا ہی کا ہوا اور آپ زیارت حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ بروقت مراجعت لٹناک میں آپ نے انتقال کیا۔ آپ کے لاشہ مبارک کو دلی میں لاکر خانقاہ میں حضرت شاہ صاحب کے پہلو میں دفن کیا۔ ولادت آپ کی ۱۱۹۶ھ میں ہوئی اور یہ مصرع تارخ ولادت پر ص - حافظ و عالم و ولی یا دا۔ وفات آپ کی ۱۲۵۵ھ میں عید کے دن ہفتہ کو ہوئی اور ینسرا اللہ مضجعه آپ کی وفات کی تاریخ ہو اور یہ قطعہ تاریخ وفات میں ہے۔ قطعہ۔

امام و مرشد شاہ ابوسعید بعد فطر چو شد واصل جناب خدا  
دے شکستہ و نہوم گفت تاریخش ستون محکم دین بنی فسادہ زپا

مولنا شاہ احمد سعید صاحب | آپ شاہ ابوسعید صاحب کے بڑے بیٹے اور جانشین - والد ماجد کی طرح حافظ کلام اللہ و مطیع سنت رسول اللہ - اپنے پیروں کی طرح سلسلہ ارشاد تلقین و استغراق جاری رہا۔ علم حدیث و فقہ و تفسیر میں بدرجہ کمال تھا۔ دن رات مشغلہ درس و تدریس ہی کا تھا۔ مسائل دینی آپ کے فیض سے حل ہوتے تھے اور فتوے شرع شریف آپ کی

مہرے سبیل کیے جاتے تھے۔ ولادت آپ کی ۱۲۸۳ھ میں ہوئی اور مظہرینروا  
اُس کی تاریخ ہو۔ آپ نے شاہ غلام علی صاحب سے بیعت کی تھی اور اپنے والد  
ماجد سے بہت فیض حاصل کیا تھا۔

**مولانا شاہ عبدالغنی صاحب** آپ بھی جناب شاہ ابوسعید صاحب کے فرزند ہیں  
اور حقیقت میں فخر خاندان تھے۔ آپ کا

طوبی جدا تھا اور رنگ ڈھنگ ہی نرالا۔ آپ بھی حافظ کلام الہی اور محدث تھے  
آپ کی ولادت ۲۵ شعبان ۱۲۲۳ھ میں بروز شنبہ عشا کے وقت ہوئی۔  
خورد سال ہی میں شاہ غلام علی صاحب آپ کو توجہ دیا کرتے تھے۔ جب بڑا  
ہوئے اپنے والد ماجد سے بیعت کی اور طرح طرح کا فیض حاصل کیا بعد اُن کے  
انتقال کے مرزا شاہ غفور بیگ صاحب سے کہ بڑے خلفائے حضرت شاہ  
غلام علی صاحب تھے اور قوت نسبت بدرجہ کمال رکھتے تھے ہزار در ہزار  
فیض حاصل کیے۔ اوقات آپ کی بہت خوب مسجد میں بیٹھے رہنا اور طریقہ محمدی کو  
برتا بس ہی آپ کا مقصود اصلی تھا۔ اس تقویٰ اور ورع کو خیال فرمائیے کہ  
صرف اس خیال سے کہ ہندوستان میں جو طریق بیع و شرا بعض بعض نواک و غیرہ کا  
جاری ہوا روئے شرع شریف کے درست نہیں اُن چیزوں کے مزے  
تک سے آپ واقف نہ تھے۔ فنا فی السنۃ محو فی الشریعت اور شہسوار  
میدان طریقت اگر پوچھو تو دراصل آپ تھے۔ جو شخص دنی و دنی باتوں میں لیا  
محتاج ہو تو اسی پر سے اندازہ کیجئے کہ بڑی بڑی باتوں میں کیا درجہ احتیاط اور کیا رتبہ  
اتقا کا ہو گا۔

**حاجی غلام الدین احمد صاحب** آپ شاہ آفاق صاحب کے خلیفہ اور سجادے تھے۔  
آپ اپنے مرشد کی طرح بڑے بزرگ تھے۔ تمام عمر

فقیری میں بسر کی دنیا و دنیا سے خبر نہ رکھی۔ آپ کا نسب خواجہ یوسف ہمدانی سے  
مٹا ہی۔ توکل علی اللہ اور عشق رسول اللہ ہر وقت آپ کے برتاؤ میں ہو۔ عالم جوانی  
میں فریضہ حج ادا کیا۔ اور آخر عمر نوے سال میں آپ بصرات سے معذور ہو گئے  
تھے اور پاؤں سے اٹھ نہیں سکتے تھے طاقت نے جواب دے دیا تھا۔

مگر ہر دشمن شعل جاری اور سوم و صلوة قائم سبحان اللہ کیا لوگ تھے کہ کسی حالت میں اپنے معبود کی یاد سے ایک لمحہ غافل نہیں۔

**مولانا فخر الدین علیہ الرحمۃ** آپ کے والد بزرگوار مولانا نظام الحق والملتہ والدین ساکن موضع کمرون من مضافات لکھنؤ تھے نسب

آپ کا حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی تک پونہچا ہوا اور والدہ ماجدہ آپ کی زبده اولاد حضرت مخدوم سید محمد گیسو دراز سے ہیں۔ اگرچہ مولانا جناب موصوف کا اورنگ آباد دکن ہی لیکن دہلی میں مدۃ العمر تشریف فرما رہے۔ والد ماجد حضرت مرحوم مغفور کے اوائل حال میں اورنگ آباد سے دہلی میں وارد ہوئے۔ اگرچہ اول میں فقط تحصیل علوم رسمی مد نظر تھی لیکن چوں کہ مشیت ایزدی یہ تھی کہ آپ کے خاندان سے لوگوں کو فیض پہنچے اس لیے حضرت شیخ کلیم اللہ جان آبادی کی خدمت میں جن کا سلسلہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی تک پونہچا ہوا فائز ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور بعد اکتساب علوم ظاہری و معنوی خلافت سے سرفراز ہوئے اور آخر الامر اورنگ آباد میں اودھوتکی اور سالہا سال خلق کو فیض یاب کر کے سلامۃ اللہ میں فانی ہوئے۔ مولانا نے اپنے والد ماجد سے تحصیل علوم ظاہری و باطنی کے بعد خلافت پائی اور بعد اُس کے چند روزوں میں نظام الدولہ ناصر جنگ اور بہت یار خاں کی سرکار میں لبر کی۔ بعد چندے وہاں سے اجیر شریف آئے اور چندے حضرت خواجہ صاحب کے آستانہ پر حاضر رہے اور بعد سلامۃ اللہ میں دہلی آئے۔ یہاں بھی آپ سے بہت لوگوں کو فیض پہنچا۔ جتنے امراتہ والاقتدار اور سلطان عہد تھے آپ کی بیعت سے مشرف ہو کر آپ سے فیض یاب ہوتے تھے۔ لیکن حضرت باجوہ اس ہجوم ارباب دنیا کے ہر ادنیٰ کے ساتھ وہ فتنہ محمدی خراج کرتے کہ اُس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ آپ بالکل سادی وضع رہتے اور لباس درویشانہ اور جوتہ اور عمامہ فقیرانہ کے چند اہم مقید نہ ہوتے کتاب نظام العقائد اور سالہ مرجیہ اور فخر الحسن حضرت کی تالیفات سے ہیں۔ اُن کا دیکھنا آپ کی ہمارست علمی بدلیل قاطع و برہان ساطع ہے۔ سن شریف (۱۱۹۹ھ) تک پونہچا اور ۱۱۹۹ھ میں علم بقا کو راہی ہوئے۔ منور شہید دو جہانی آپ کی رحلت کی تاریخ ہے۔ مزار آپ کا متصل دروازہ چار دیواری مرقد مبارک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے واقع ہے۔

## حضرت مولانا قطب الدین صاحب

حضرت موصوف کے فرزند ارجمند ہیں اور سفر تہذیبی  
وقات کے بوسند خلافت پر متمکن رہے۔ آپ

تعریف یہی کافی ہو کہ ایسے چین کے نوہال اور ایسے نوہال کے مخرج تھے۔  
ہل وفرے را کہ بینی حاصل یکا ہاند  
۱۴۰۰ محرم الحرام ۱۲۸۵ھ میں آپ کا وصال ہوا اور جو حضرت شاہ قطب صاحب  
میں آسودہ ہیں۔

## حاجی غلام نصیر الدین

حضرت مولانا قطب الدین صاحب کے فرزند ارجمند ہیں  
آپ نہایت متواضع۔ منکسر المزاج اور مسکین تھے۔

## عرف کالے صاحب

کسی دم وظیفہ وظائف سے خالی نہ رہتے تھے۔ بات  
بھی کم کرتے تھے۔ جب کوئی بوجھ تو ناچار جواب دینا ہی پڑتا تھا۔ اگرچہ اس وقت  
ظاہر میں زبان شغل سے باز رہتی تھی لیکن دل اسی طرح مشغول حق رہتا تھا۔ بہادر شاہ  
بادشاہ اور جمیع امرا بے عظام آپ کے نہایت معتقد تھے۔ جس مجلس میں آپ تشریف  
لے جاتے تھے ہر شخص بے اختیار دوڑتا اور قدموں پر گرنا اور اپنی سعادت ابدی  
سمجھتا تھا۔ آپ پر شوق الہی غالب ہوا تو اپنے دادا صاحب سے فیض حاصل کرنے کو  
دل چاہا اگرچہ وہ فیض سینہ بسینہ آپ نے اپنے والد مرحوم سے پایا تھا لیکن یہ شوق ایسا ہی  
اور یہ نعمت وہ ہو کہ طالب اس کی بس نہیں کرتا جتنا دیتے جاؤ اتنا ہی اور مانگتا ہی آپ نے  
سفر اختیار کیا اور زیارت عزمین شریف سے مشرف ہوئے اور پاک پٹن شریف  
تشریف لے گئے اور شاہ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہتے ہیں کہ شاہ  
سلیمان صاحب اس بات کو نہایت غنیمت سمجھے اور ان کے قدم مہینت  
لزوم سے بہت فخر کیا۔ چند مدت آپ وہاں رہے اور جو کچھ فیض اور برکات  
اپنے دادا کے تھے ان کی پھر تجدید کی اور رخصت ہو کر دہلی تشریف لائے اور  
یہیں انتقال کیا۔

## خواجہ محمد نصیر صاحب

آپ کے صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ حیطہ تقریر  
سے باہر ہیں۔ آپ نواسے تھے خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ

کے جو بڑے نامی گرامی مشائخ تھے اور ان کا نام نام عالم میں مشہور ہو۔ ولادت



آپ کی سالانہ میں ہوئی۔ آپ نے چھٹ پنے ہی میں خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ سے بیعت کی تھی۔ آپ دس ہی برس کے تھے کہ خواجہ صاحب نے انتقال کیا آپ کو اکثر علوم خصوصاً ریاضیات میں بڑا دخل تھا۔ علم موسیقی بھی خوب جانتے تھے کہ بڑے بڑے استاد بھی آپ کے سامنے کان پڑتے اور خاک چاٹ کر نام لیتے تھے۔ علم حساب اس سے بھی زیادہ جانتے تھے۔ چنانچہ ان دونوں فنوں میں آپ کی تصنیفات کے رسالے موجود ہیں۔ یہ توصفات ظاہری تھے کمالات باطنی میں ان سے بھی کہیں رتبہ بڑھا ہوا تھا۔ وہ مقام ہی اور تھا۔ کمالات باطنی خواجہ میر اثر سے کہ خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی تھے حاصل کیے۔ جب خواجہ میر اثر کا انتقال ہوا تو خواجہ میر صاحب کے فرزند سجادہ نشین ہوئے جب ان کا بھی انتقال ہو گیا تو آپ سجادہ ہوئے۔ ہر مہینے کی دوسری اور چوبیسویں کو مجلس بین نوازی کی آپ کے روبرو ہوا کرتی تھی۔ آپ کو صبر میں درجہ کمال تھا اور دنیا سے مطلق لگاؤ نہ تھا۔ آپ بڑے عالی خاندان تھے۔ نسب خواجہ میر درد کا نواب ظفر خاں چانگیری تک پہنچتا ہے ان کے پوتے خواجہ محمد ناصر صاحب منصب داران شاہی میں سے تھے کہ یکا یک خدا طلبی کا شوق ہوا اور شیخ سعدی المعروف بہ شاہ گلشن صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دست تک فیض حاصل کیا اور اس دنیا سے دوں کو چھوڑ چھوڑ کر بموجب ہدایت شاہ گلشن صاحب کے خواجہ محمد زبیر صاحب سے بیعت کی اور بہت جلد اور مجاہدہ کیے اور قطب وقت ہوئے کہ اب تک یہ سلسلہ بہ سلسلہ چلا آتا ہے۔ والد ماجد آپ کے میر کلو صاحب اکبر آبادی بہت صحیح النسب سادات سے تھے اور نسبت دادادی کی خواجہ میر درد سے رکھتے تھے اور بیعت بھی انہیں سے کی تھی۔

۲۱ شوال ۱۲۶۱ھ کو آپ نے وفات پائی۔ کبھی کبھی آپ شعر بھی کہا کرتے تھے اور ربخ تخلص کرتے تھے۔

اولاد حضرت خواجہ مودود حسینی علیہ الرحمۃ سے تھے۔ آپ کا عرف ”خواجہ کھاری والا“ تھا۔ بہ سبب حسن اوقات و کثرت طاعات کے معتقات روزگار سے تھے۔ آپ کو خلق

حضرت شاہ غیاث الدین

قدس سرہ

مجسم کہنا چاہیے۔ آپ کے اوصاف و اطوار خلق محمدی کے مصداق تھے۔ رات دن اور ادو وظائف میں مصروف رہتے تھے۔ بڑے بزرگ تھے ہزاروں ہی آپ سے مستفید ہوتے تھے۔

**مولانا محمد حیات** | آپ پنجاب کے رہنے والے تھے اُسی نواح میں تحصیل علوم سے فراغ حاصل کر کے چند مختلف مقامات ہند

میں طالب علمی کی اور اسی سلسلے میں دہلی تشریف لائے۔ ابتداً شاہ سید صابر علی معروف بہ صابر بخش صحر کی خانقاہ میں فروکش ہو کر درس علوم معقول و منقول میں مصروف رہے۔ چونکہ آپ کے علم و فضل کا شہرہ دور دور تھا طلباء مختلف دیار و امصار کے حاضر ہو کر دولتِ علم سے مالا مال ہوتے۔ از بس کہ آپ کی طبیعت میں ترک غالب تھا آپ پاک پٹن تشریف لے گئے اور حضرت سلیمان صاحب کی خدمت سے مشرف ہوئے وہاں سے بعد تصفیہ قلب و تزکیہ نفس پھر دہلی آئے ان دنوں شاہ صابر بخش صاحب کا وصال ہو چکا تھا خانقاہ میں نہ رہ کر ایک مسجد میں کہ قریب قلعے کے تھی رہنے لگے۔ آپ کی وجہ سے وہ مسجد ایسی آباد ہوئی کہ ساری خلقت وہیں ڈٹی پڑتی تھی۔ آثار الصنادید میں اُس وقت آپ کا سن شریف ستر سال کا لکھا ہوا ہے۔

**حضرت سید احمد صاحب** | آپ سادات عظام و مشایخ کرام سے تھے۔

آپ کا وطن بریلی تھا۔ حصول علم کا شوق آپ کے دہلی پہنچ لایا اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر مسجد اکبر آبادی میں رہنے لگے اور علم صرف و نحو میں فی الجملہ سواد حاصل کیا۔ از بس کہ ذوق و رویشی اور مسکینی طینت میں تھی اکثر خدمت مسجد اور اُن درویشوں اصحاب کی جو دور و دراز سے حصول علم باطنی کے لئے مولانا عبدالقادر صاحب کی خدمت میں آتے تھے مصروف رہتے اور اپنی اوقات کو طاعات و عبادات میں بدرجہ غایت مصروف کیا تھا۔ اکثر مولانا سے مغفور فرماتے تھے کہ اس بزرگ کے احوال سے آثار کمال ظاہر ہوتے ہیں اور مادہ اس سعادت منش کا ترقی مدارج علیا کے قابل نظر آتا ہے۔ آپ نے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سے بیعت کی بعد آپ چندے ٹونک کی طرف

نواب امیر خاں کی رفاقت میں رہے از بس کہ شجاعت اور جواں مردی سادات  
 صحیح النسب کا جو ہر ہی اُس اثنار میں ترددات عظیمہ آپ کے ظہور میں آئے۔ پھر آپ  
 ترک دنیا فرما کر دہلی تشریف لائے اور مسجد اکبر آبادی میں رہنے لگے۔ اس اثنار  
 میں مولوی عبدالقادر صاحب کا انتقال ہو چکا تھا اور مولوی محمد اسماعیل مع قایم مقام  
 علوم رسمی کی درس و تدریس میں مصروف تھے اور اہل باطن کی طرف چنداں مٹفت  
 نہ ہوتے تھے اس وجہ سے طالبان فیض باطنی کا ہجوم آپ کے پاس رہنے لگا۔ پھر  
 آپ نے حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا اور اپنے ساتھ قریب ایک ہزار آدمیوں  
 کے لے گئے جن کے ماحتاج اور خرچ کے آپ خود متکفل رہے اور اداس  
 فریفتہ جج کے بعد پھر ہندوستان آئے۔ آپ چونکہ ترویج رسوم شرعیہ اور امر بالمعروف  
 بہت کرتے تھے اور منہیات کا رواج آپ کی وجہ سے بالکل اٹھ گیا تھا۔ طرفہ یکہ  
 کھلتے میں جب تک آپ رہے شراب مطلق بکنے نہ پائی اور کلال خالص بند  
 رہے اور اُس نواح میں آپ کے مریدوں کی اکثریت لاکھوں سے بھی بڑھ گئی اور  
 آپ کے اکثر خلفاء کو قطب اوتاد کا مرتبہ حاصل ہوا اور جوں کہ از روئے کشف باطن آپ کے  
 معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کو مع اکثر مومنین پاک اعتقاد کے سعادت شہادت ہونے  
 والی ہو مولانا شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحی کو اجازت ہوئی کہ اطراف ہندوستان  
 میں وعظ کہو اور پیشتر جاو اور فضیلت شہادت بیان کرو ہر چند یہ اس کا منشا نہ جا  
 تھے اور پل نہ لے گئے کہ اس ارشاد کا کیا سبب ہو لیکن جو کہ مرید باخلاص سر مو  
 تجاود نہ کیا اور فرمان بجالاے۔ ان سے لکھو کھا مردم شاہ راہ ہدایت پر آئے  
 اور شوق ماہو حق دل میں جم گیا اور چہاد کی افضالیست ذہنوں میں بیٹھ گئی اور خود بخود  
 چاہنے لگے کہ اگر جان و مال راہ الہی میں صرف ہو تو عین سعادت ہو۔ بعد بہت کے  
 ان بزرگوں کو حضرت نے لکھا کہ اب ہمارے پاس چلے آؤ۔ یہ تو جاں نثار تھے ہی  
 بجز حکم کے مشتاقین وعظ کو نیم جاں چھوڑ کر حاضر خدمت ہو گئے اور حضرت  
 ان کو لے کر کوہستان کی طرف چلے گئے اور یہ ہنوز اس کے منشا سے واقف  
 نہیں۔ جب پنج تار پونچے قوم افغان یا آں کہ بڑے وحشی اور تند خود ہوتے ہیں  
 حضرت کے ایسے معتقد ہوئے کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت امامت کی کی اور عہد

کیا کہ اگر حضرت چہاد کریں تو ہم سرفروشی کو حاضر ہیں۔ آپ نے سکھوں سے کہا کیا چنانچہ افغانہ کے سوا کوئی ایک لاکھ آدمی ہندوستان کے جمع ہوئے اور خطبہ آپ کے نام کا پڑھا گیا۔ دور دور امامت کی شہرت ہوئی۔ چند منزل تک عسرجو اسلام میں ایک قسم کا خراج ہو آپ کے پاس آنے لگا۔ پشاور اور بعض اور مقامات سکھوں کی عمل داری سے نکل کر غازیان اسلام کے قبض و تصرف میں آگئے۔ سکھوں پر باوجود اس شان و شوکت و شان ظاہری کے آپ کا ایسا دبدبہ اور رعب دل پر چھا گیا کہ ملک دینے پر راضی ہوئے سچ ہو۔ ع۔ ہمیت حق ست اس از خلق نیست۔ لیکن حضرت کو چوں کہ اشاعت اور ترویج اسلام مرکوز خاطر تھی قبول نہ کی۔ کئی سال تک سلسلہ یوں ہی چلتا رہا۔ مولوی عبدالحی صاحب نے بیماری سے انتقال کیا۔ بعد اس کے قوم افغانہ جو بندہ نر اور بڑے لالچی ہیں سکھوں کی اغوا سے آپ سے منحرف ہو گئے اور عین معرکہ جنگ میں آپ سے دغا کی۔ از بس کہ مشیت الہی مقتضی اس کی تھی کہ آپ کا مرتبہ درجہ شہادت سے بلند کیا جائے بالاکوٹ کے قریب آپ نے مع مولانا شاہ اسماعیل صاحب اور بہت سے مسلمانوں کے شہادت پائی۔

### رسول شاہیوں کا بیان

رسول شاہ صاحب کا سلسلہ خانوادہ سہوردیہ میں ہوا اور حضرت شیخ شہاب الدین سہوردی تک پہنچا تو آپ پر جذب بہت غالب تھا اور ہیبت کو ہستان الوریں پھرا کرتے تھے۔ دوسرے تیسرے دن آکر کوئی ٹکڑا ٹیڑا مل گیا تو منہ میں ڈال لیا ورنہ اس کی بھی پروا نہ تھی اور حسب طرح کہ اہل جذب کا دستور ہی اسی طرح اپنے معبود کی عبادت میں مصروف رہتے اور دنیا و مافیہا سے خبر نہ رکھتے۔ کثرت جذب اس قدر تھی کہ تکالیف ضروریہ ان پر سے ساقط ہو گئیں تھیں۔ لباس کی بھی کچھ قید نہ تھی۔ کوئی چھڑا سر پہ باندھ لیا باندھ لیا ورنہ یہ بھی نہیں اسی طرح کبھی لنگوٹ کس لیا ورنہ یہ بھی نہیں غرض کہ عالم جذب میں رہتے اور صد ہا کرامات اور خرق عادات آپ سے صادر ہوتے۔ آپ سادات بہادر پور مضافات الوریہ سے تھے اصلی نام آپ کا سید عبد الرسول تھا وہاں کے لوگ بہت معتقد تھے۔ راجہ الوریہ بھی آپ کا معتقد تھا نشود نا اپنی ریاست کا آپ ہی کی ذات فیض آیات سے سمجھتا تھا۔ آپ کو ابتدا ہی سے ایک جذب تھا۔ بارہ برس کی

عمر میں شاہ نعمت اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک دم میں جذب الی اللہ حاصل ہوا۔ شگل اور پہاڑوں میں نکل گئے اور شبانہ روز یاد الہی میں بسر کی۔ بعد وفات تک یہ رسول شاہیوں میں بمقام اور آپ کو دفن کیا بعد بسبب ایک حادثہ کے آپ کی ہڈیاں اکھاڑ کر فیروز پور جھر کے میں مدفون کیا۔

**مولوی شاہ حنیف صنا** پہلی نام آپ کا مظفر حسین ہے۔ وطن میرٹھ۔ آپ ایک زیر دست عالم خاندانی امیر تھے۔ نسب آپ کا نواب

خیر اندیش خاں اور نواب فرحت اندیش خاں تک پہنچتا ہے۔ ہمیشہ درس و تدریس میں مصروف رہتے اور مسجد میں بیٹھے رہتے کہ یکایک رسول شاہ صاحب کا ایک فقیر پہنچا اور آپ سے کہا چلو رسول شاہ بلا تے ہیں آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ فوراً ساتھ ہو بیئے۔ وہاں پہنچتے ہی آپ پر بھی اپنے پیر کی سی حالت جذبہ طاری ہو گئی اور اسی عالم جذب میں بسر کی اور صد ہا کرامات اور خرق عادات آپ سے ظاہر ہوئیں اور اپنے پیر کی طرح پہلے الود بعد فیروز پور جھر کے میں مدفون ہوئے۔ کبھی کبھی آپ عالم جذب میں شعر بھی کہتے تھے۔ ایک مثنوی گمان جو سر بطریق تصوف اور ایک شرح گلستاں آپ کی یادگار ہے۔ چند شعر آپ کے تمبر کا درج ہیں:-

(۱) دل بے خطرہ منظر ذات ست  
بھر بے موج عین مرآت ست  
(۲) خدا را چہ جوئی تو خود را بچو  
جو خود را بیا بی توئی جملہ اد  
(۳) تو بین خود را سر مو یک نفس  
تا بدانی خالق خود ہر نفس  
(۴) گر نبودے خود مقیم اندر بدن  
کر شدے قایم ز خود دیوار تن  
(۵) گر نبودے باغباں در بلع تن  
کر شدے رونق بہار این حین

**شاہ حسین صنا** آپ کا اصلی نام خواجہ نجیب الدین احمد ہے۔ آپ خواجہ فیض بہدانی کی اولاد سے ہیں۔ اچھا رہ برس کی عمر سے فقیری

اور خاکساری اختیار کی۔ بعد فراغ علوم تصوف میں بڑی دست گاہ حاصل کی۔ نصوحی لکھنؤ وغیرہ کتب مشکلم تصوف خوب پڑھاتے تھے۔ دنیا سے مطلق لگاؤ نہ تھا۔ اخلاق و خاکساری بدرجہ کمال تھی۔ گوشہ نشینی و زاویہ گزینی حد سے سوا تھی۔ محبت عوام الناس بہت ناپسند فرماتے تھے اور ہمیشہ تنہا بیٹھے رہتے تھے۔ تمام عمر خاک بدن سے

لی اور اینٹ سہا ہننے رکھی اور زمین پر یا پتھر پر پڑے رہتے۔ میں برس تک  
اور میں اپنے پیر مولوی محمد ضیف کی خدمت میں رہے اُن کی وفات کے بعد سجادہ  
نشین ہوئے اور پھر دلی تشریف لے آئے اور چالیس برس تک ایک ہی حجرے  
میں بیٹھے رہے۔ بعد اس کے اور کے راجہ بنے سنگھ نے بڑی تمنا اور کازرو  
سے آپ کو بلوایا کہ پھر آکر اسی تکبے میں رہیں۔ اگرچہ آپ کو اُس زمانے  
میں بسبب حقوق امراض متعددہ ہوش و حواس ظاہری نہ تھے لیکن آپ کے  
مرید آپ کو اُسی حال میں وہاں لے گئے اور چند مدت بعد وہیں آپ نے  
۱۸ محرم ۱۲۵۹ھ میں جمعرات کے دن انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ  
کی ذات بھی منتقات روزگار سے تھی اور بیسوں خرق عادات آپ سے ظہور میں  
آئیں۔ آپ حقیقت میں خاتم سلسلہ رسول شاہیہ ہوئے۔ آپ کی ذات فیض  
آیات سے اس سلسلے کی رونق تازہ ہو گئی تھی۔ خلفا آپ کے بلاوہ دور دراز میں گئے  
میں چنانچہ تہمت اور سرانذیب اور مشہد وغیرہ بلاد میں رسول شاہی فقیر موجود ہیں  
کبھی کبھی آپ شعر بھی فرماتے تھے۔ مثلاً بن موسیٰ آپ کی طبع زاد ہے۔ اشعار فارسی  
مراجہ دیدن دیدار و جہ المکارے نیست در دنیا

شفاعت را بجز ذات رسول اللہ بارے نیست و عجبی

خویش را خود عیاں فرمودہ	صورتے از جسم و جاں نمودہ
محل نفس واحد فرمودہ	واحد فی کل نفس بودہ
اگر بخت گوی دل یک زمانہ بنشین	درون کعبہ دل صورت خدا بینی
نسبت طاعت بخود عصیاں بود	نسبت عصیاں بخود عرفاں بود
چوں بہر صورت بہ بینی یا را	خود بخود واقف شدی اسرار را
خویش تن را نیست دانستن بود حق بود	از وجودش بہت دانستن شہود حق بود
عین ذات تو بود وحدت وجود	این صفات تو بود وحدت شہود
تغیر و حشت نیست کثرت را وجود	غیر کثرت نیست وحدت را شہود

دین علی شاہ صا | کاتبان علی حدہ آپکا ہو۔

## خاتم صاحب

ایک باخدا عورت تھیں۔ نہایت صاف باطن۔ بٹی ماروں کے قریب شیرازنگن خاں کی حویلی میں رہتی تھیں۔ ہر چند جذب مزاج پر غالب تھا لیکن نہ اس قدر کہ خود رفتگی کی نوبت پہنچے۔ بیشتر لوگ آپ کے پاس آتے اور جو آپ کہہ دیتیں وہی ہوتا۔

## بائی جی

ایک عورت تھیں بالکمال شہر شاہ جہاں آباد کے باہر پُرانی عید گاہ کے قریب ایک پھیر میں تمام عمر بسر کر دی معلوم نہیں کہ اصلی نام کیا تھا مگر لوگ بائی جی، بائی جی ہی پکارتے تھے۔ اٹھارے کلام میں اکثر آیات قرآنی فرماتی رہتی تھیں خصوصاً انا اعطینا کا بہت ورد تھا اور صاحب کرامت تھیں جو کہتیں وہی ہوتا۔

## حاجی غلام علی نقیب الاولیاء

زمان شاہی میں نقیب الاولیاء کا بہت معززہ عمدہ تھا۔ خبر گیری تمام فقیروں اور گوشہ نشینوں کی اور ان لوگوں کا وظیفہ وغیرہ سب اس سے متعلق تھا۔ اگرچہ دور آخر مغلیہ میں وہ بات نہ رہی تھی گزنام چلا جاتا تھا۔ غرض کہ خواجہ غلام علی اسی عہد سے پر مامور رہتے اور نہایت صاحب کمال آدمی تھے صاحب نسبت اور عشق رسول مقبول میں چورہ نماز وظیفہ کے سخت پابند۔ محبت فقراء و درویشوں سے فیض یاب۔ اسی شوق میں زیارت حرم شریفین کی اور ہمیشہ روضہ منورہ رسول مقبول کی یاد میں رویا کرتے تھے آپ حضرت خواجہ ناصر الدین عبدالمداحر کی اولاد میں سے تھے جن کی تعریف میں مولانا جامی فرماتے ہیں ۵

چو فقر اند لباس شاہی آس

بتد ہیر عید الہی آس

آپ کے بزرگ محمد شاہ کے وقت میں ہندوستان میں آئے اور پہلے یہ عہدہ خواجہ رفیع الدین صاحب کو ملا پھر خواجہ محمد مراد ان کے بھانجے کو ان کے بعد خواجہ غلام علی صاحب کو۔ غلام علی کا بیٹا ولادت ہوا اور یہ سچے ہوئے علی امام سنّت و منہم غلام علی کا خرم کارہ ارذیٰ حجہ سلاستہ میں ذفات پائی اور ترکمان دروازے کے باہر چونسٹھ کھیمے میں مدفون ہوئے۔



## اطبار و حکماء

حکیم حسن اللہ خاں صاحب کا ذکر علیحدہ آچکا ہے۔

## حکیم غلام نجف خاں صاحب

آپ بن حانظ محمد مسیح الدین شیخ پوری ساکن شیخوپورہ

کہ بدایوں کے مضافات سے ہے۔ اصل میں

شیخ فاروقی ہیں اور بسبب عنایت سرکار شاہی کے

خطاب خانی سے سرفراز ہوئے۔ جد ششیں ان کے شیخ فرید المصطفیٰ صاحب

امراے طویل الشان عہد جہاں گیری شاہ جہاں سے تھے کہ منصب پنج ہزاری

ذات و پنج ہزاری سوار سے سرفراز تھے۔ بوجہ آپ کی خواہش کے جاگیر بادشاہ

نے چار ہزار بیگہ ارضی موضع مولیا میں سے آبادی و سکونت کے واسطے

مرحمت فرمائی۔ اس سرزمین میں ایک قلعے کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام جاگیر

کے نام پر شیخوپورہ رکھا کیوں کہ ایام شاہزادگی میں جاگیر کا نام مرزا شیخوپورہ

تھا۔ والد شیخ فرید صاحب کے نواب قطب الدین خاں بنیرہ حضرت سلیم حشتی

فتح پور سیکری کی اولاد میں سے ہیں۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں صوبہ دار صوبہ بہار اور جاگیر

کے عہد میں منصب پنج ہزاری ذات و سوار و خلعت خاصہ و شمشیر و اسب خاصہ

باز بن مرصع اور عنایات شاہانہ سے سرفراز ہو کر دارالملک بنگالہ اور اوڈیسہ

کی صوبہ داری سے کہ پچاس ہزار سوار کی جاکے تھے مامور ہوئے۔ حکیم غلام نجف خاں صاحب

اپنے خالو میر سید علی صاحب کے ساتھ پانچ سال کی عمر میں دہلی آئے۔ میر صاحب

گورنمنٹ انگریزی میں تحصیل دار رہے آخر کار نواب گورنر جنرل بہادر کے میرنشی

ہوئے۔ از بس کہ فن طب اشرف فنون ہو حکیم صادق علی خاں صاحب دلیہ اعظم الحکماء

حکیم شریف خاں سے تحصیل کی اور مشق نسخہ نویسی و علاج معالجہ خاؤن الملک حکیم

حسن اللہ خاں کی خدمت میں بہم پونچائی چون کہ ان کو حکیم حسن اللہ خاں سے

قربت قریبہ بھی تھی ان کی تعلیم میں کمال کوشش کی یہاں تک کہ یہ شہر کے مشاہیر

اطباء سے ہوئے اور حضور بادشاہ سراج الدین بہادر شاہ سے خطاب عضد الدولہ

اعتماد الملک حکیم غلام نجف خاں بہادر پایا پھر بعد سرکار کپنی بہادر سے عہدہ طبابت



نامور رہے۔ قدرت الہی سے ایسا دست شفا پایا تھا کہ وہ امراض جن کو لادوا اور لا علاج کہتے تھے آپ کی ادنیٰ توجہ سے رائل ہو جاتے تھے۔ جناب شہنشاہ الملک حکیم رضی الدین خاں صاحب آپ کے پوتے تھے جنہوں نے طبابت میں بڑا نام پایا اور اب ان کے صاحب زادے حکیم ناصر الدین خاں صاحب عرف چنویا قدم بقدم اپنے والد ماجد و جد امجد کے دہلی کے چوٹی کے طبیبوں میں ہیں۔ آپ کا مطلب بھی صبح سے شام تک بیماروں سے بھرا رہتا ہے۔ علاوہ شہر کے لوگوں کے دور دور سے لوگ آتے ہیں اور صحت پا کر اپنے وطنوں کو جاتے ہیں۔

**حکیم صادق علی خاں صاحب**  
**و دیگر اطباءے نامی گرامی**

حکیم صادق علی خاں صاحب سرمد حکماری حکیم شریف خاں کے صاحبزادے تھے اور اپنے والد ماجد کی طرح فن طبابت میں یکتا سے روزگار تھے جن کی قدامت کا شہرہ دور دور بلاد و امصار میں تھا۔

اسی طرح حکیم امام الدین خاں صاحب بڑے نباض تھے۔ ان کے بزرگوں کو سرکار شاہی سے مناصب جلیلہ اور مراتب بلند عطا ہوتے رہے اور یہ خود بھی حضرت جہان نانی کی طرف سے عہدہ طبابت پر مامور تھے۔ حکیم غلام حیدر خاں صاحب ارشد تلامزہ حکیم شریف خاں سے تھے اساتذہ کرام اشل مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب و مولوی رفیع الدین و مولوی عبدالقادر صاحب ارفع السد در جاتہم سے سالہا استفادہ کیا اور انواع و اقسام کے فیوض حاصل کیئے شفا کے کامل ان کے دست حق پرست میں ودیعت تھی۔ حکیم نصر الدین خاں آپ بھی حکماری حکیم شریف خاں کے شاگرد تھے۔ پہلے نواب فیض محمد خاں رئیس مجھڑی سرکاری میں طبیب تھے۔ بعد اس کے اور معزز عہدوں پر رہے پھر بہ نظر قدامت نواب عبدالرحمن خاں رئیس مجھڑی کے ہاں مامور رہے۔ حکیم فتح الدین خاں برادر کبیر حکیم نصر الدین خاں نواب اکبر علی خاں رئیس پاٹودی کی سرکاری میں عہدہ طبابت پر مامور تھے جس حکیم پیر بخش خاں حضرت بادشاہ خلد آرام گاہ محمد اکبر شاہ کی پیشگاہ سے بچھڑا حکیم دوراں مخاطب تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد کا وطن تھا فیسر تھا لیکن خود ان کا مولد اور مسکن شاہ جہاں آباد تھا۔ تحصیل علم طب حکیم نصر الدین خاں صاحب سے

اور مشق تسخیر نگاری و معالجہ مرصا حکیم احسن الدخاں کی خدمت میں کی اور اس فن میں دست گاہ کامل بہم پہنچائی۔ ایک عرصہ تک نواب بہادر جنگ رئیس بہادر گڈھ کی سرکار میں طبیب رہے حکیم حسین بخش خاں یہ بھی تھانہ سر کے رہنے والے تھے۔ جمیع فنون و علوم مثل معقول و منقول و حکمت و ہندو ہنیتات میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ پہلے رئیس جھجر کے ہاں طبیب تھے بعد حضور سراج الدین بہادر شاہ میں اور صاحب عالم مرزا فخر الدین بہادر کی سرکار میں عہدہ طبابت پر رہے۔ ان کے علاوہ حکیم غلام حسن خاں حکیم محمد یوسف خاں حکیم عبد الحکیم معروف بہ ابو خاں سب بڑے بڑے حکیم گذرے ہیں۔ زماںہ مال کے نامی گرامی حکیموں میں صبیح بڑا ہوا مرتبہ جناب حکیم محمود خاں صاحب کا تھا جن کے فرزند اکبر حکیم محمد عبد المجید خاں صاحب حاذق الملک حکیم محمد واصل خاں صاحب دو ذوں صاحب کمال تھے۔ حکیم حسام الدین خاں صاحب عرف حکیم منجھلے حکیم بدر الدین خاں صاحب حکیم غلام رضا خاں صاحب حکیم اشرف اعلیٰ صاحب۔ یہ سب صاحب بھی دہلی کے بڑے نامی گرامی اطباء تھے۔ اب جو موجود ہیں ان کا ذکر اپنی اپنی جگہ آچکا ہے۔

### مجدد و بول کا بیان

**سید عسکری صاحب** سید حسن رسول نام کے نواسوں میں ہیں پہلے سپاہی پیشہ تھے اور نوکری چاکری کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کا گورالہ کی طرف ہوا اور آپ مولوی محمد ضیعت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ شعر بڑھا ہے

مستم چناں بکن کہ ندانم زبے خودی  
در عرصہ خیال کہ آمد کد نام رفت

یہ سن کر آپ نے ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہا کہ جاؤ اپنے نانا کی قبر پر جا بیٹھو۔ اس وقت سے ایک جذب غالب ہوا اور بالکل مست الست ہو گئے سر سید بنے خود دیکھا ہو کہ آپ حضرت سید حسن رسول نام کے مزار کے پاس زنجیروں سے

جکڑے ہوئے بیٹھے رہتے تھے۔ مجال نہ تھی کہ کوئی آپ کی طرف بگاہ بھر کے دیکھ سکے۔ آثار الصنادید لکھنے سے پہلے ہی آپ کا انتقال ہو چکا تھا۔

**میر قطبی صاحب** سادات کہا میں سے تھے۔ ادائل حال میں مصروف عبادت رہتے تھے اور چوں کہ ہمیشہ سے سلوک پر جذب غالب تھا

رفتہ رفتہ نوبت از خود رفتگی کی پونہچی اور ترک لباس کر کے ستر عورت سے بھی فارغ ہو گئے۔ اکثر اوقات خرق عادات و کرامات جلی آپ سے سرزد ہوئیں عرصہ ہوا کہ انتقال کر گئے۔

**شاہ عبد النبی صاحب** کلاس دہر سے تھے۔ ادائل حال میں رہنے کا کوئی مقام مقرر نہ تھا جہاں جگہ ملی پڑ رہے کبھی کسی کو نے میں کبھی دیوا

کے سایہ میں بسر کرتے۔ جب تک مولانا شاہ عبدالقادر صاحب زندہ رہے اکبر آبادی مسجد میں رہتے تھے۔ رات کسی کو نے میں پڑ جاتے اور صبح سے شام تک مسجد کے سامنے نہر کے ایک منبع پندر بیٹھے رہتے برسوں اسی طرح گزار دیتے۔ وہیں اہل حاجت آپ کی خدمت میں پونہچتے۔ مولوی عبدالقادر

صاحب بھی طالبان با اخلاص کے سامنے اکثر آپ کی تعریف بیان فرماتے۔ جب مولوی صاحب بیمار ہوئے اور صاحب فراموش ہوئے جبکہ نوبت نفس واپس کی پونہچی یہ بزرگ اپنا بستر کندھے پر ڈال کسی طرف کو چلے گئے چوں کہ یہ امر خلاف عادت تھا لوگ اس حرکت سے تعجب ہوئے۔ آپ کے پاس جا کر دیکھا تو

کلمات تاسف آپ کی زبان پر جاری تھے اور یہ کہتے تھے کہ اب قدردان ہمارا دنیا سے چلا گیا ہم یہاں رہ کر کیا کریں گے اور اس طرح چلے گئے کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ کدھر گئے کچھ دیر کے بعد مولانا کا انتقال ہوا چوں کہ وہ کبھی مسجد کے اندر نہیں جاتے تھے اور باہر سر راہ بیٹھے رہتے تھے۔ مولانا کے انتقال پر آگاہ ہو جانا

آپ کا کشف تھا۔ تھوڑے دنوں پھر آکر جامع مسجد کے ایک حجرے میں بیٹھ گئے۔ کرامتیں آپ کی اکثر مشاہدہ ہوئی ہیں اور باوجود غلبہ جذب کے نماز کی طرف بھی اکثر مصروف رہتے تھے لیکن پانداوقات مینہ کے نہ تھے اور اکثر ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے قرآن مجید لکھا کرتے تھے اور کسی سہ بات نہ کرتے

کی گئی اور انعامی اشتہار دیئے گئے مگر ایسے ظالم نے دہایا تھا کہ پھر پتہ نہ لگا  
کچھ اشعار اس گم شدہ دیوان کے کچھ اس کے بعد کے نواب سراج الدین صاحب  
سائل (آپ کے داماد) کے پاس محفوظ ہیں ممکن ہو کہ صاحب موصوف  
اسے ملک کے سامنے پیش کریں۔ آپ کی شعر گوئی کا بھی ایک خاص  
ڈھنگ تھا یعنی جب شعر کہا احباب اور شاگردوں کے مجمع میں کہا۔ فکر شعر  
کے بیئے خواہ مخواہ تخلیق کی ضرورت نہ تھی۔ آپ شعر کہتے تھے اور کوئی  
شاگرد لکھتا جاتا تھا۔ جب کہنے بیٹھتے تھے تو ایک دریا اُمنڈاتا تھا چنانچہ  
شنوی فریاد داغ صرف دو دن کی فکر کا نتیجہ ہی۔ طبیعت اس قدر منجھ گئی  
تھی کہ ذرا غور و فکر کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ دس پندرہ منٹ میں پوری  
غزل کہہ دیتے تھے۔ تمام ہندوستان میں آپ کے بے شمار  
شاگرد ہیں۔ ڈاک پر جو غزلیں آتی تھیں کبھی خود دیکھتے کبھی سن کر اصلاح  
دیتے جو شاگرد سامنے ہوتا اس سے خود پڑھ واکر سنتے۔ حیدر آباد پونہ  
سے قبل رام پور میں آپ نے علم اُستادی بلند کیا جس کا پھر یر اجمام  
ہندوستان میں لہرا رہا تھا۔ آپ کو خانی اور بہادری کا خطاب و دربار  
شاہجی تھا۔ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ کو پیشگاہ اعلیٰ حضرت سے ”بلبل ہندوستان  
جہاں اُستاد بیر الدولہ فصیح الملک نواب ناظم جنگ بہادر ملا نگر فصیح الملک بہادر  
داغ دہلوی سے مخاطب کئے جاتے تھے۔ باوجود اس قدر اعزاز و احتشام  
کے غرور۔ تکبر۔ یا نخوت آپ کو چھو تک نہیں گئی تھی۔ بڑے ذی خلق منکر المزاج  
متواضع اور ملنسار تھے۔ خوش گو اور خوش گفتار ایسے تھے کہ آپ کے پاس سے  
اُٹھنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ لوگوں کا بڑا جگھٹا لگا رہتا تھا جو آتا شگفتہ خاطر ہو کر جاتا  
چھوٹے بڑے امیر غریب سب کے اُگے نہچھ جاتے تھے۔ فرخ دل۔ فرخ  
حوصلہ۔ سیر چشم۔ غیر سب صفیں خداداد تھیں۔ گانا بھی شوق سے سنتے  
تھے۔ آپ کی شاگردی پندرہ برس کی عمر میں ہوئی تھی۔ آپ کی اہلیہ نے  
۱۳۱۵ھ میں حیدر آباد میں وفات پائی۔ اولاد میں صرف ایک صاحب نادہ  
ہیں جو ساکن صاحب کی اہلیہ ہیں اور جن کو بھی حیدر آباد سے چار سو روپیہ ماہانہ

کہ دارالسلطنت کو لوٹ لیا اور یہ بربادی اور غارت گری ایسی سخت ہوئی کہ پھر دلی کو کبھی پنپنا نصیب نہ ہوا اسی بنا پر قمر خدا نادر شاہ کی شکل میں شل بلائے آسمانی نازل ہوا۔ بے گناہ اہل شہر کے سر بچنے کی طرح اڑنے لگے ہر گلی کوچے میں نادریوں کی خورین تلواروں نے قیامت پھا کر دی خدا کی بے گناہ مخلوق ایک ایسی کثیر تعداد میں قتل کی گئی کہ شاہ راہوں کے رستے کشتوں کے پشتوں سے اٹ گئے۔ اس عظیم الشان واقعہ کے بعد نادر شاہ اسی کروڑ کا مال و اسباب لوٹ کھسوٹ کر پلٹا۔ دلی والوں کو یہ سارا خمیازہ محمد شاہ رنیکیلے کی بدولت بھگتنا پڑا۔ نواب قدسیہ بیگم کی طبیعت نہایت موزوں تھی وہ شاعرہ بھی تھی اور رعنائی تخلص کرتی تھی۔ اس کا ایک یہ شعر مشہور ہے۔

ہم جانتے تھے آنکھ لگی دل کو شکھ ہوا  
کم بخت کیسی آنکھ لگی اور دکھ ہوا

عام طور پر یہ بات زبان زد خلافت ہو کہ بیگم صاحب کو یہ باغ بنانا یا مل گیا تھا جس کو انھوں نے اپنے شوق اور سلیقے سے خوب بنایا سنوارا۔ عالی شان عمارتیں بنوا کر کھڑی کر دیں۔ متعدد ذرائع آب رسانی بنوائے جن کے میوے کے نشانات اب بھی نظر آتے ہیں۔ اب یہ باغ نہیں رہا بلکہ بمقابلہ حالت مابقی کے جنگل کہا جائے تو بجا ہو۔ نہ کوئی بڑی عمارت باقی رہی نہ چمن۔ اب نہ کوئی محل ہو نہ بارہ دری۔ یاں جا بجا عمارات شکستہ کے بے کے ٹیلے دیکھ لو جن سے سمجھ لو کہ یہاں محل تھا وہاں بارہ دری تھی۔ پچھلی شان و شوکت۔ عظمت اور آراستگی کی یادگار۔ مشیت نمونہ از خردارے سب جاہ کے ایک صدر دروازہ اور دوبارہ دریاں۔ تین ٹکڑے دیواروں کے وہ بھی متفرق چند گری پڑی کو ٹھڑیاں زمانے کی برباد اور فنا کن رفتار مقابلہ کر رہی ہیں اور اپنا نمونہ دکھلا کر یاد دلارہی ہیں کہ اسی جنگل میں منگل تھا۔ یہیں سبترہ لہلہاتا تھا۔ یہیں نہیں دوڑتی تھیں۔ یہیں فوارے چھوٹتے تھے۔ یہیں جلسے اور جشن ہوتے تھے۔ آج جن کو تم لمبے کاڑھیر کہتے ہو یہی عالی شان محلات نفیس ساز و سامان سے آراستہ تھے۔ انھیں میں بادشاہ بیگمات۔ شہزادے شہزادیاں۔ لوڑیاں۔ باندیاں۔ قلمافنیاں۔ آڑ دا بیگنیاں۔ گاڑ دنیں۔ خواجہ

روز رحلت کہ از صفر یک بود  
گفت رضوان پیر و درویش را  
خانہ پر شد از مشین و فریاد  
مسکن این بکاخ جنت باد

(۱) قطب دہلی کے کنارے (۱) شیخ المشائخ میاں شیر علی صاحب الحسن گڈی  
رحمت الدریاہ وصال تاریخ ۲۵ سال ۶۰۰ ہجری نبوی مرحمت مرقد ہذا تاریخ  
ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ ہجری نبوی ۲۴ جنوری ۱۹۱۹ء خادم پیر جی مہر علی شاہ  
حسن گڈی - (۲) بسم اللہ - آستانہ قطب الاعظم محبوب عالم معدن بخود و اکرام  
مختون فیض اتم شیخ المشائخ حضرت پیر جی امیر علی شاہ صاحب عامل و کامل اولیاء  
قادری احسن گڈی ہی رحمۃ اللہ علیہ کہ خلافت از غوث دوران قطب مان قطب الاقطاب  
حضرت سید شاہ طحہ قطب الدین مخدوم جہان بینی قادری الکوٹا نوی رحمۃ اللہ علیہ  
تاریخ وصال ۲۵ ربیع یوم پنجشنبہ ۱۳۷۸ھ ہجری نبوی عمر ہشتاد و ہفت سال  
سال بود نور الدمر قدہ - مرقد ہذا مجد فقیر مہر علی عنقر لہ - مرقد شریف کی تعمیر  
تاریخ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ نبوی خادم پیر جی فقیر مہر علی ولد میاں پیر جی مہربان علی  
صاحب ساکن قصبہ حسن گڈہ ضلع ریتک۔

شب دروز جذب کی حالت میں رہتے تھے۔ اکثر موتیا کھان  
کی طرف پھرا کرتے تھے اور وہیں کسی گوشے میں پڑ رہتے  
تھے۔ پھر قدم شریف کے نواح میں ایک گنبد میں رہنے لگے۔ بسبب کمال از خودی  
کے ہر منہ مطلق رہتے تھے اور ہجوم خلائی کے وقت کلمات بے صرفہ دہن بہت  
جاری رہتے تھے لیکن اہل حاجات جب اُن کلمات کی طرف توجہ کرتے تھے تو وہ بابت  
جو اہل ظاہر کے نزدیک طائل اور بے محل ہیں بعینہ اُن سب کے مطالب اور حاجات کا  
جواب ہوتی تھیں اور طرفہ یہ کہ سوالات مختلف کا جواب اُنھیں باتوں سے ہر ایک کو  
حاصل ہو جاتا تھا اور اکثر اوقات خوارق عادات آپ سے ظاہر ہوتی تھیں۔ یہاں  
ایک مسجد بے چھت کی ہر محض چبوترہ بنا ہوا ہوا اسی کے صحن میں آپ کا پختہ مزار ہو  
صحن پر بخط عربی ”وین علی شاہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ“ لکھا ہوا ہے۔ چوتھے کے  
بیچے تہ خانہ ہو جس کے اندر کئی پختہ قبریں ہیں۔ گنبد کا پتہ نہیں چلتا کہ کس کا ہو مگر طرز  
عمارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم ہو اس میں بھی دو قبریں ہیں۔ بجانب مشرق

اور جس جگہ تھا وہ جگہ بھی دروازے کی بیشانی پر موجود ہو۔

سیوستان (سیوان) ملتان تک دس دن کا  
رستہ جو اور ملتان سے دو روز انٹارفا دہلی تک  
پچاس دن کا۔ جو خبر اخبار نویس بادشاہ کو لکھتے  
ہیں وہ اس کے پاس بآگ کے ذریعے سے

ڈاک کا انتظام کو س منارے  
اور سرایتیں

پانچ دن میں پونج جاتی ہو۔ ڈاک کو اس ملک میں برید کہتے تھے۔ برید عربی میں  
قاصد اور بارہ میل کے فاصلے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں ڈاک چوکی کو جسے  
دکن میں ٹپہ کہتے ہیں۔ اسی کو ترکی میں الارغ اور فارسی میں چپار کہتے ہیں۔  
ڈاک دو قسم کی ہوتی تھی ایک گھوڑے کی دوسری پیادوں کی۔ گھوڑے کی ڈاک  
اولاق کہلاتی تھی۔ ہر چار کوس پر گھوڑا بٹاتا تھا یہ گھوڑے بادشاہ کی طرف سے  
رہتے تھے۔ پیدوں کی ڈاک سایہ انتظام تھا کہ ایک میل میں جس کو وہ کروہ کہتے تھے

سلاہ فرشتے نے محمد بن قاسم ثقفی کے ذکر میں لکھا ہے۔ مجھے از قنبر ان شہر میرا گرفتہ متوجہ بلدہ  
سیوستان کہ دریں عصر بہ سیوان شہرت دارد و دروگرہ بدینہ سیواں اب کراچی کے ضلع میں ایک  
تعلقہ ہو۔ کراچی سے (۱۹۰) میل۔ پانچ ہزار کے قریب آبادی ہو۔ شہباز قنبر کی مشہور خانقاہ  
بھی اسی شہر میں ہے جو ۷۵۰ سالہ ہے۔ جی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس شہر کا تعلق سکندر اعظم کا بنایا  
ہوا ہے۔ شہر کے قریب ایک جھیل منچھر نام کی ہے جس کا پانی برسات میں ۲۰-۱۰ میل پھیل جاتا ہے۔

ابوالفضل نے لکھا ہے کہ دیک سیواں ہزار گ کو لاہور دروازہ دروازہ راہ انرا منچھر گویہ بندہ فرزند آپ  
زینہا ساختہ بر سفے ماہی گیراں بسری بر بندہ ۱۲ سہ کردہ اور کوس ایک ہی بات ہے۔ کوس کی درازی ہندوستان  
کے مختلف حصوں میں مختلف تھی اور اب بھی مختلف ہے۔ شمالی ہندوستان اور پنجاب کوس انگریزی سواہیل کا ہوتا تھا  
لگھا کے کنارے جو ملک واقع تھے ان کا کوس ۱۲۰ انگریزی میل ہوتا تھا اور ہندیل کھنڈ اور دکن میں چار میل کا  
کوس ہوتا تھا۔ ابن بطوطہ دہلی میں ۷۳۰ھ میں آیا تھا یعنی محمد بن تغلق کے عہد میں اور اس کا ہم عصر مارکو پولو  
فاصلے کی تعداد منزلوں میں لکھتے ہیں لیکن منزل کی کوئی معیار نہیں۔ دولت آباد کا فاصلہ دہلی سے آٹھ سو میل یعنی  
جس کو چالیس دن کا فاصلہ لکھا ہے اس شرح سے بیس میل یعنی (۱۵) کوس کی ایک منزل ہوتی جو بہت موزوں ہو۔ لیکن ملتان دہلی سے  
پانچ سو میل زیادہ نہیں اس کو ابن بطوطہ نے پچاس دن کا رستہ لکھا ہے۔ سیواں ملتان تک ۸۰ میل ہے تقریباً اسی قدر جس  
دہلی سے ملتان لیکن اس کو دس دن کا رستہ لکھا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ دیار پر چلنے والی کشتی اس عرصے میں پونج جا بظاہر ان  
فاصلوں کے لکھنے میں ابن بطوطہ سے بہرہ ہوا ہو۔ ۱۲



پڑا ہائیں جاتا ہو گا اس میں بھی کہیں کہیں حروف جھڑ گئے ہیں کیوں کہ چونے کے  
 اُبھرے ہوئے حروف بہ نسبت پتھر میں کھدے ہوؤں کے بہت کم پائدار  
 ہوتے ہیں۔ بہر حال پوری سورت منقوش تھی۔ تھوڑا سا حصہ شروع کا اور تھوڑا سا  
 آخر کا ضائع ہو گیا ہے۔ دروازے کی دونوں جانب پینے کے کام کے طفرے میں  
 کلمہ طیبہ منقوش ہے اور اسی طرح چاروں دروازوں پر ہے۔ چوترا گنبد کا پختہ اور مہلت پہلے  
 جس کا ایک ضلع ہم آگاہی اور تین فیٹ اونچا ہے۔ احاطے میں بہت سی قبریں ہیں چنانچہ  
 اب بھی دو تو تیز سنگ مرمر کے اکھڑے پڑے ہیں ایک پر صرف یا کھی یا قیٹی مرکا  
 طفری ہے باقی سادہ دوسرے پر کُٹل من عیثکافان کا طفری ہے اور گرد پوری  
 یسین شریف بہ خط نسخ کندہ ہے۔ احاطے کا صدر دروازہ بجانب مغرب ہے جس کے  
 اوپر سے دری ہونے کے علاوہ اندر چھتے کے دونوں جانب بغلی سہ دیاں ہیں اور  
 سلنے بھی دروازے کے دو طرفہ سے دری اور اسی میں اوپر چڑھنے کا زینہ بھی  
 ہے جس کی انیس سیڑھیاں ہیں صدر دروازے کے باہر دو دور کی صحنچیاں بھی  
 ہیں۔ احاطے کے کونے پر دو برجیاں مہلت دری سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہیں  
 سید عابد کے مقبرے سے تھوڑی ہی دور جنوب کی طرف  
**ایک نامعلوم گنبد** ایک چھوٹا سا گنبد کھڑا ہے جس کی چاروں چوکھٹیں لوگ اکھاڑ  
 لے گئے ہیں نہ فرش باقی ہے نہ قبر۔ اندر کا پلاستر بالکل جھڑ گیا ہے۔ گنبد کا قبة درست  
 حالت میں ہے۔ خدا معلوم کس کا ہے۔

ریلوے لین کی داہنی جانب بالکل فسنگ سے لی ہوئی ٹیلیگراف  
**منڈی مسجد** پول نمبر ۱۱۴ کے بیچ میں ایک قدیم مگر شکستہ مسجد ہے چوں کہ اس کے  
 مینار نہیں اور نہ گنبد ہیں بلکہ اوپر سے چھت سپاٹ ہے اس وجہ  
 سے لوگ منڈی مسجد کہتے گئے ہیں۔ اس کے تین در ہیں۔ پتھر چونے کی  
 بنی ہوئی ہے۔ اندر باہر سے پلاستر جھڑ کر خالی چھتر نکل آئے  
 ہیں گو اوپر سے چھت ہوا ہے مگر اندر گنبد بنائے ہیں بیچ کا بڑا  
 ادھر اوپر کے چھوٹے۔ صحن مسجد ریلوے لین میں آگیا  
 داہنی طرف کا در قائم ہے۔ بیچ کے در کے گنبد میں سوراخ پڑ گیا ہے۔ بائیں



تین میں صدر دروازہ پہنچاں کی طرف ہی ہم ہی دروازہ شام عام پر اور درست حالت میں ہی لیکن سرائے بڑی اور رہنے والے معدودے چند اور پرچہ آن کر جنگل میں کہ چو طرف آبادی کا نام نہیں چور چکار کے ڈر سے عارضی طور پر لوگوں نے چن یا جنوب کا دروازہ پورا کر گیا اور شمال کا آدھا گرا ہوا اب لے مے کے ایک دروازہ مشرق کا رہ گیا ہے وہ بھی گرا پڑا ہوا اب اسی میں آمد و رفت ہو چاروں کونوں پر چار نصف دائرے کی شکل کے حجرے ہیں۔ باقی چو طرف وسیع محکم اور پختہ چونے اور پتھر کی ساخت کے حجرے ہیں۔ پیرا اندر سے تیسہ مربع ہی بیچ میں ایک مسجد تھی جو بالکل منہدم ہو گئی ایک ٹکڑا دیوار کا کھڑا ہے اور باقی سب کھڑے اب یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ مسجد تھی ہاں جنہوں نے دیکھا ہے وہ مسجد بتلاتے ہیں اور قبلہ رو دیوار کے حصے سے بھی ایسا ہی معلوم دیتا ہے اور قدیم زمانے کی سرائوں کے بیچ میں مسجد ہو ابھی کرتی تھی۔ چاروں دروازوں کے بغلی میں دونوں طرف اوپر چڑھنے کی سیڑھیاں ہیں۔ گرد (۱۱) کو ٹھڑیاں ہیں جن میں سے بہت سی گر گئیں بہت سی کھڑی ہیں یہ کو ٹھڑیاں ۳۳ مربع ہیں کو ٹھڑیوں کی چھت پر سے کنگرے کی اونچان ہے۔

ایک معلوم منہدم گنبد کے عظیم گنج کی سرائے کے شرقی دروازے کا کلاس گر گیا ہے۔ بہت خستہ و خراب حالت میں ہے۔ چاروں چو کھٹیں لوگ اگھاڑ لے گئے۔ گنبد بھاری تھانے جا سکے در نہ اسے بھی لے جاتے۔ یہ گنبد پتھر چونے کا پختہ بنا ہوا ہے اور چودہ فیٹ مربع۔ چار طرف چار دروازے اندر سے چورس مگر باہر سے ہشت پہل ہے۔ بھلا جب گنبد کی ایسی تباہ حالت ہو تو قبر کا کیا ٹھکانا اور آگے بڑھئے تو ایک عجیب ہیبت ناک دس قبروں والا منہدم گنبد نظر رہا ہوا ایک پختہ مہم مربع

کر سی دار چوبترا ہے جس پر دس قبریں پختہ بنی ہوئی ہیں ایک قبر کے تعویذ پر کلمہ لکھا ہوا ہے۔ باقی سادی ہیں۔ تین طرف تو کوئی دیوار نہیں مگر مغرب کی طرف ایک دیوار کھڑی ہے جس کے اوپر کا حصہ اور چھت گر گئی ہے صرف اجار تک کی دیوار باقی ہے۔ اس میں تین زمین دونوں طاق بنے ہوئے ہیں ایک گر گیا دو باقی ہیں

رشا دہلی نمایاں ہیں۔ گو وہ ہمارے ہی جو کچھ پہلے تھی مگر اس ویرانے کے  
 مقابلے میں تو یہ بھی بسا خفیت ہو۔ اور نگاہ کا من چلا کر نا عاقبت اندیش فرزندِ نرسا  
 محمد اعظم شاہ جو آگرے میں اپنے بھائی سے جنگ کرنے میں ہار گیا۔ اور نہایت  
 پرتاجاں دار شاہ۔ فرخ میر جس کو اس کے وزیر اعظم نے زہر دیا تھا۔ شمس الدین ابوبکر کا  
 نوجوان عنفوان شباب کے دو گل ہاے نایاب رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ جو  
 باری باری سے صرف تین تین جینے تک دہلی کے تخت پر رونق افروز رہے  
 اور سب سے آخر عالم گیر ثانی جو اپنے وزیر اعظم عماد الملک کی اشتعالک سے مارا گیا۔  
 علاوہ ان کے دوسرے شاہزادے اور شاہزادیاں اور بیگمات اور ان کے  
 حوالی موالی جن کے نام نامی اور اسمائے گرامی سے کتب اسخ منور ہیں سب کے  
 سب اپنے اپنے نامدار آقاؤں کے ساتھ ملے جلے میٹھی نیند سو رہے ہیں۔  
 اللہ کیا کیا لوگ تھے کہ جب تک جینے رفاقت کا دم بھرتے رہے اور جب مر گئے  
 تو بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ اسی مقبرے میں متعلیہ خاندان کے آخری شاہنشاہ ابو ظفر  
 محمد سراج الدین بہادر شاہ برادریہ نے ۱۸۵۷ء کے فدر میں قلعہ چھوڑ کر پناہ لی  
 تھی اور یہیں سے ان کو گو رمنٹ برطانیہ نے گرفتار کر کے رنگون کو جلا وطن کیا  
 یہی وہ عبرت ناک مقام اور غم ناک خطہ ہے جہاں بادشاہ کے نور نظر اور سخت جگر شاہزادگان  
 مرزا مغل۔ مرزا خضر سلطان اور مرزا ابوبکر کے سر کاٹ لیے گئے۔ جہاں کے کنارے  
 ایک بہت بڑے احاطے کے اندر یہ مقبرہ واقع ہے جس میں داخل ہونے کے  
 دو عظیم الشان سربلک گنبد دار دروازے ایک مغرب میں دوسرا جنوب میں ایسے  
 پریشان اور نفیس بنا کے ہیں کہ جن سے مقبرے کی مالیشان عمارت کو چار چاند لگ  
 سکتے ہیں۔ مغربی دروازے میں بہت اچھے اچھے مختصر مکانات بنے ہوئے ہیں  
 کہ لطافت اور دل کشائی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ دروازے میں ہر مکان میں  
 جانے کا جدا راستہ ہے اور خوب صورت سیرطھیاں بنی ہوئی ہیں جنوبی دروازے  
 میں اگرچہ مکانات نہیں ہیں لیکن دروازے کے گرد و روں کے بننے اور چوبڑے  
 کے ہونے سے عجب نمودار شان نکل آئی ہے۔ یہ دروازے بھی گویا بہشت کے دروازے  
 ہیں اور سنگ سرخ رخام کے بنے ہوئے ہیں لیکن سنگ رخام ایسا خوش رنگ و دھوا

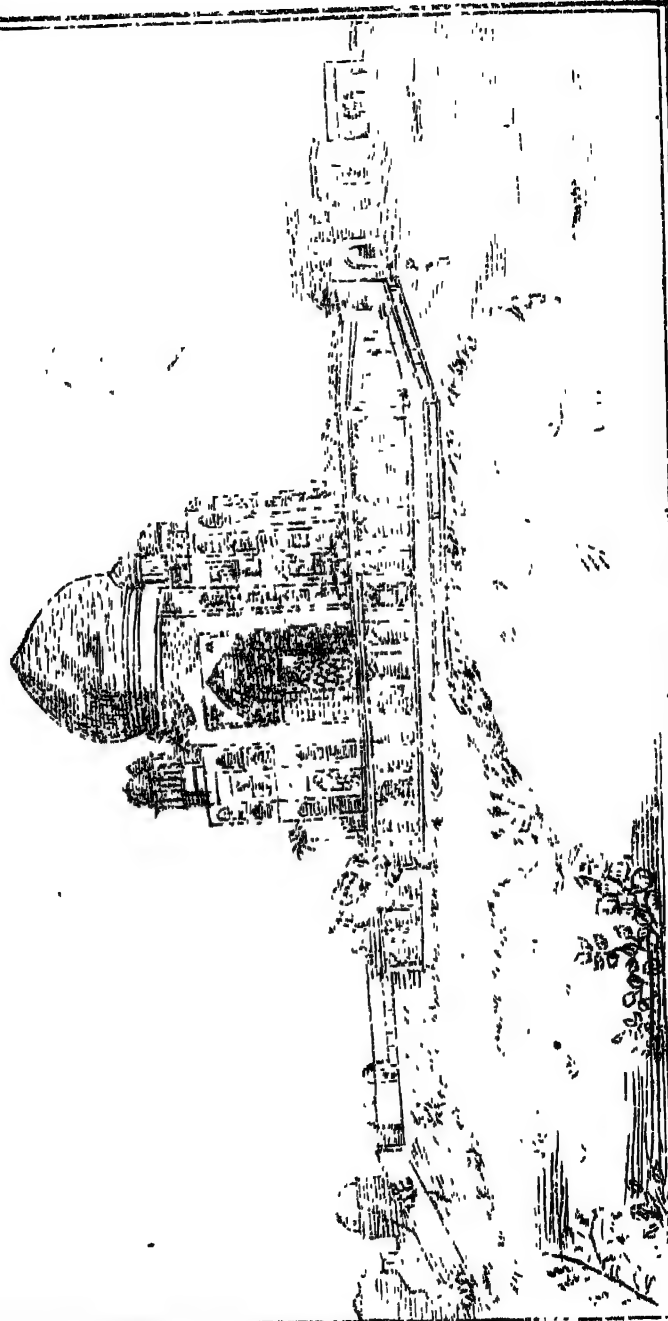
اور چار چھوٹے ہیں اور قطر ۴۲ ہے۔ چوتھے کے اوپر سے گنبد کی اونچائی  
ستر فیٹ ہے جس پر سنگ سرخ کا چھ فیٹ اونچا کلس ہے۔ گنبد کے چوڑے  
چار ضلعوں میں چار گہری نوکدار دیوار دوڑھرا ہیں جن میں ایک ایک  
دروازہ اور دروازوں سے کوئی تین فیٹ اوپر وار کو ایک ایک چھوٹی سی  
کھڑکی ہے۔ محرابوں دیواروں اور پیشانی پر انواع و اقسام کے نقش و نگار  
اور بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ گنبد کے اسطوانے کے اوپر سب طرف  
پست محرابیں ہیں۔ اب اس گنبد میں مولیشی باندھے جاتے ہیں جو بڑی  
عبرت کا مقام ہے۔ اس قابل قدر عمارت کی حالت خستہ و زار دیکھ کر دل پر  
سانپ لوٹ جاتا ہے۔ کس شوق سے بنایا ہوگا اور کس طرح ناقدر دانی کے  
ہاتھوں مسما رہا ہو۔

مقبرہ عبدالرحیم خاں خانانا  
۱۰۳۶ھ  
۱۶۲۶ء

المخاطب بہ خان خاناں۔ اُس بیرم خاں کا بیٹا ہے جو ہایوں بادشاہ کا مصاحب  
دوست اور جنرل تھا۔ عبدالرحیم خاں کی ماں جمال خاں میوات کے ایک  
رہیں کی لڑکی حسن خاں میواتی کی بھتیجی تھی بڑی بہن بادشاہ کے محل میں تھی  
چھوٹی وزیر کی حرم سرا میں۔ خالو بادشاہ نے خود عبدالرحیم نام رکھا۔ مبارک  
مولود کی ولادت خالص لاہور میں ہوئی۔ دربار اکبری میں عبدالرحیم خاں کی  
بڑی وقعت تھی اور موردمر احم خسروانہ تھا۔ بڑے بڑے عہدوں پر مامور  
دسرفراز ہوا۔ اسی نے گجرات کے نہایت خطرناک بلوے کو فرو کیا۔ سندھ کا  
ملک فتح کیا اور تا اختتام زمان سلطنت اکبر ملک دکن کا بھی انتظام کرتا رہا۔  
جہانگیر کے زمانے میں بمبھداتی ہر کماے راز و اسے اس کے نیر اقبال  
میں زوال آیا۔ جہانگیر کے بیٹے شاہزادہ خورم سے اس کے تعلقات

۱۰ جہانی لوگ خان خاناں کے شکل بقا کا صحیح تلفظ نہیں کر سکتے وہ اپنی بولی میں اسے ٹھنکھٹا گنبد کہتے ہیں۔ ۱۲

نقشه مسجد شاه خانیان



اچھے نہ تھے کچھ نبھہ نہ سکی۔ کبھی ایک طرف جھک جاتا کبھی دوسری طرف۔  
 مہابت خاں نے عبدالرحیم خاں کو قید کیا اور بادشاہ کے حکم سے  
 دہلی اور پھر لاہور بھیج دیا۔ لاہور میں وہ ایسا بیمار ہوا کہ دہلی میں اخیر وقت آیا اور  
 آتے ہی ۱۶۲۶ء میں مر گیا۔ مسٹر آرسکن (Ersckine) لکھتا ہے کہ  
 ”عبدالرحیم کے حالات اور واقعات ایسے ہیں کہ اگر لکھتے جائیں تو گویا سلطنت  
 مغلیہ کی نصف صدی کی تاریخ ہو۔ اس کے علم و فضل۔ دانشمندی۔ فراست۔ بہادری  
 اور فیاضی کا بڑا شہرہ تھا۔ گنبد نچتہ چھر چوڑے سے بنا ہوا ہے جو چودہ فیٹ بلند اور  
 ۱۶۶ مربع اور چالیس فٹ چوڑے چوڑے پر بنا ہوا ہے۔ چوڑے کی چاروں  
 سترہ سترہ محرابیں ہیں جن میں سے چودہ تو دیوار دوز ہیں اور باقی میں سے محروں  
 میں جانے کا راستہ ہے۔ چوڑے کے جنوب رخ (۱۴) سیڑھیاں ہیں۔ اور  
 کچھ ٹوٹ گئی ہیں۔ گنبد ہشت بہل ہے جس کے چار ضلعے بسے اور چار کوتاہ ہیں قطر  
 ۱۴۰ ہے۔ کوتاہ ضلعوں میں ایک کے اوپر ایک دو محرابیں ہیں جو اسے ہیں۔  
 غلام گردشوں کے جو درمیانی حجرے کے اطراف ہیں چھت بھی کوتاہ ضلعوں پر ہے  
 اس پر ایک برج ہے۔ طویل اضلاع کی طرف بڑی بڑی دیوار دوز ڈھری محرابیں  
 ہیں اندروالی چھوٹی محرابوں میں سنگین جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ انھیں میں سے  
 ایک محراب میں سے گنبد میں جانے کا دروازہ ہے۔ چوڑے پر سے گنبد کی  
 چھت ۷۴ اونچی ہے اور چھت سے گنبد کی چوٹی ۴۳ اور زیادہ ہے۔ اب گنبد  
 گاؤں والوں کے قبضے میں ہے اور ملحقہ کھیتوں کے غلے کا انبار خانہ ہے۔ ضلع  
 کی وزارت کے زمانے میں اس کا نام سنگ مرمر اکھڑ دالیا گیا اور وہ گنبد جو  
 اس قدر اہتمام سے بنایا گیا اور سر سے پاتک آراستہ تھا تنگ بچا کر دیا گیا۔  
 گنبد اور دیواروں کے بیش قیمت چھر تو سب نثار دیں اب خالی دیواریں  
 کھڑی ہیں جن پر گھانٹس اور جھاڑیاں لگ آئی ہیں۔ جب سارے گنبد کی  
 یہ گت بنی ہے تو قبر کا پتہ کہاں اس کا سنگ مرمر کا تعویذ نثار دیو اب قبر کا  
 نشان صرف ایک مٹی کا ڈھیر سمجھ لو اور بس۔ ہم کو اس گنبد کی نہایت بدرونی  
 اور خستہ حالت دیکھ کر سخت ملال ہوا کس اہتمام سے اور کس نفاست سے

بنایا گیا اور کیوں کر پامال ہوا۔ اس کے بیچ میں ایک بڑا گنبد ہی اور چاروں کونوں پر چار نفیس بہشت پہلو برجیاں سنگ سرخ کی ہیں۔ یہ مقبرہ اس سڑک کے کنارے ہی جو دہلی سے ہو ڈل۔ پول۔ فرید آباد کو جاتی ہے۔ ہائیوں کے مقبرے کے قریب ہی مغرب و جنوب کے کونے میں ہی گنبد پر ضرور سنگ مرمر کی سلیں ہیں۔ وہ اس بے دردی سے نکالی گئی ہیں کہ سارا پلاستر تک اکھڑ گیا وہ تو یہ کہو کہ کچھ مال مسالا ہی اس بلا کا مستحکم ہے جو گنبد اب بھی کھڑا ہے ورنہ کبھی کا بیٹھ گیا ہوتا۔ جب سے ہننا کا نالہ نکلا ہے اور بھی اٹھیکہ داروں نے ہاتھ صاف کیا اور عمدہ نفیس چھتر مال مفت دل بے رحم سمجھ کر اکھاڑ لے گئے کہ دیواروں کی پھلیں کی پھلیں کھو ڈالیں۔ تمام روکار کی پتھر کی سلیں کچھ پہلے نکالی گئیں رہی پہلی ب لوگ لے گئے کیوں کہ کوئی پر سان حال نہیں۔ گھاؤں والوں نے جا بجا پکا پکا کر کالا کر دیا اور اس طرح اس قابل قدر عمارت کی مٹی پلید کی ہے کہ کہا نہیں جاسکتا اس کا صدر دروازہ سڑک کے جانب ہے۔ یعنی مشرق رو ہے۔ بیچ میں بڑی اونچی محراب ۱۴ بلندی اور ۲۸ چوڑی ہے اور دواہنے بائیں طرف کی محرابیں بلندی میں صدر محراب سے کم ۱۲۔ ۱۴ چوڑی ہیں۔ علاوہ سنگ سرخ کے چوترے کے جس کا ذکر آیا نیچے ایک سنگ رخام کا چوترہ بھی ہے جو ۱۴۔ ۱۵ اونچائی پہلے چوترے پر اب صرف ربل سٹون دین گھڑے پتھر دے کا فرش ہے۔ مغرب کی طرف باہر وار محراب میں ایک قبر بھی ہے۔ شمال کی محراب میں بھی اسی طرح کی ایک قبر تھی جو کسی نے کھود کر پھینک دی۔ یہ گنبد ۱۴ منزلہ ہے۔ پہلی منزل کی نو سیڑھیاں ہیں۔ دوسری منزل کی سیڑھیاں لڑ گئی ہیں اندازے سے (۱۵) سیڑھیاں رہی ہوں گی۔ تیسری منزل کی (۱۶) سیڑھیاں ہیں۔ گنبد کے اندر اب صرف چوڑے کا ایک ڈھیر ہے اسے قبر سمجھ لو یا ر لوگ اس کا تعویذ تو تو پتھر تک بھی اکھاڑ لے گئے۔ فرش تو رہا ہی نہیں۔ گنبد کے اندر بہت سے کتبات بخط طغریٰ محرابوں پر بستے مگر سب جو نے میں منقش تھے بہت سے نو پلاستر کے ساتھ جھڑ گئے جو بیچ رہے ہیں وہ ایسے کج لپیٹ کے ہیں کہ کسی طرح پڑھے نہیں جاسکتے۔ مغرب کی جانب کی محراب کی دونوں طرف

کلمہ طیبہ کا طغری عجیب خوش وضع اور خوش خط ہے۔ یہ خط کو فی سے ملتا جلتا ہے مگر نئی روش ہے۔ اسی محراب کے اندر وارجانب شمال و جنوب دو طرف قلعہ ہوا تھا طغری ہے مشرق میں قلعہ اعدہ اور مغرب میں قلعہ اعدہ برب الفلق۔ جنوبی محراب پر یا مالت یا حافظ کا سیہ ہا اٹھا طغری ادھر سے بھی پڑھ لو ادھر سے بھی۔ محراب کی دونوں طرف یہی طغری ہے۔ اسی طرف چھوٹی طغری پر کل من علیہا فان تا والا کرام۔ یہی کتبے چاروں طرف ایک کے جواب میں ایک موجود ہیں۔ لیکن اصل کتبہ جس سے معلوم ہو سکے کہ کس کا گنبد ہے اور کب بنا ہے رہا ضرور ہو گا مگر اب نہیں ہے جب ساری سلیں سنگ مرمر کی چٹن جن کر لے گئے تو یہ ظالموں کے ہاتھ سے کیسے بچ سکتا تھا۔ یہ گنبد ایسا خراب و خستہ ہو گیا ہے کہ مرمت کے قابل بھی نہ رہا۔ ہزاروں روپیہ جب خرچ کیا جائے تو کچھ سنبھل سکتا ہے۔ اب بھی جا بجا سنگ سرخ کی مصفا سلیں ستون پتھر کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں۔ جس کا جی چاہتا ہے اٹھا لے جاتا ہے۔ غالباً اس کی ایسی خستہ حالت ہے کہ وجہ سے گورنمنٹ نے اسے عمارت محفوظ میں نہیں لیا۔ بہر حال موجودہ حالت میں بھی اس عالی شان عمارت کو دیکھ کر ہم اپنے ذہن میں اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب کبھی اپنی اصلی حالت میں ہو گا تو کیسا رہا ہو گا۔ چوں کہ عبد الرحیم خاں خانہ بان دور اکبری کا ایک رکن رکین تھا لہذا اس کے دل چسپ حالات ہم ذرا تفصیل سے بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مولانا آزاد سے بہتر کون لکھ سکتا ہے لہذا اسی کی نقل علی سبیل الاختصار پیش کی جاتی ہے جس میں اظہار واقعات کے علاوہ زبان کا بھی وہ مزہ ہے کہ سبحان اسد۔ ۱۹۶۷ء میں میرم خاں کا بڑا پاپا اتہال کی جوانی میں لہلہا رہا تھا۔ تیموں کی ہم مارلی تھی۔ اکبر فکرا کھیلنے لاہور کو چلے آتے تھے۔ جو نغمہ بلبل کے سروں میں کسی نے آواز دی کہ بڑا پاپے کے باغ میں رنگین پھول مبارک ہو۔ فتح کی خوشی میں یہ خوش خبری نیک شگون معلوم ہوئی۔ اس لیے بادشاہ نے جشن کیا۔ وزیر نے خزانے لٹائے اور اپنے بیگانوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ یہ پھول قریب تین سال کے



ناز و نعمت کی ہوا میں اقبال کی شبنم سے شاداب تھا۔ دفعۃً خزاں کی نحوست ایسی بگولا بن کر پھٹی کہ اُس کے گلبن کو جڑ سے اُکھیر کر پھینک دیا اور گھاس بھوس کی طرح مدت تک رواں دواں کرتی رہی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کا ٹھکانا بھی کہیں لگے گا یا نہیں۔ ہم کاغذوں کے دیکھنے والے ترس کھاتے ہیں وائے بر حال اُس کے رشتہ داروں اور ہوا خواہ نمک خواروں کے۔ جب اُس کی اور اپنی حالت کو یاد کرتے ہوں گے تو چھاتی پر سانپ لوٹ جاتے ہوں گے۔ کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا مگر حق یہ ہے کہ ایسے ہی اوسپنے سے گرتے ہیں جب اس قدر اوسپنے پونہ پختے ہیں کہ دیکھنے والے تعجب کرتے ہیں۔ یہ تارہ کہاں سے نکل آیا۔ خدا تر نوالہ دے خواہ سو کھا ٹکڑا۔ باپ کا ہاتھ بچوں کے رزق کا چچہ بلکہ اُن کی قسمت کا پیمانہ ہوتا ہے۔ جب بیرم خان کے اقبال نے منہ پھیرا اور اکبر رقیبوں کی باتوں میں آکر دہلی آن بیٹھا۔ بیرم خان اگرے میں رہ گئے۔ یہیں سے نحوست کا آغاز سمجھنا چاہیئے۔ حال یہ تھا کہ رفیق ساتھ چھوڑ کر دہلی چلے جاتے ہیں۔ عرضیاں جاتی ہیں تو اُسٹے جواب آتے ہیں۔ عرض معروض کے لیئے وکیل پونہ پختا ہو تو قید۔ دربار کے طور بے طور۔ خیر آتی ہو تو وحشت ناک بچہ معصوم ان رازوں کو سمجھتا ہو گا مگر اتنا تو ضرور دیکھتا ہو گا کہ باپ کی مجلس میں رونق نہیں۔ وہ امرار اور درباروں کی بھیڑ بھاڑ کیا ہو گئی۔ باپ کس فکر میں ہو کہ میری طرف نہیں دیکھتا۔ بیرم خان بے چارہ کیا کرے کبھی بنگالے کا ارادہ کرتا ہے۔ کبھی گجرات کا کہ جج کو چلا جائے اور حصر رستہ نہیں پاتا۔ راجپوتانے کا رخ کرتا ہے۔ چند روز اور حصر اُدھر پھرتا ہے۔ آخر پنجاب کو آتا ہے۔ کچا ساتھ اپنے حال کو شبھا لے کے عیال و اطفال کو۔ آخر حرم صرا اور جواہر خانہ تو شے خانہ وغیرہ بہت سے لوازمات اور اسباب کو بٹھنڈے میں چھوڑا اور آپ پنجاب میں آیا۔ بٹھنڈے کا کام اپنا نمک پروردہ۔ خاک سے اٹھایا ہوا ہاتھوں کا پالا ہوا۔ چھوٹے سے بڑا کر کے حکومت تک پہنچایا ہوا اُس نے مال و عیال کو ضبط کر کے رواد دربار کر دیا۔ دہلی میں آکر سب قید۔ اسباب خزاں نے میں داخل وہ تین چار برس کا



بچہ روز کی پریشانی اور بے سروسامانی اور گھر والوں کی سرگردانی۔ روز نئے شہر نئے جنگل دیکھ کر حیران ہوتا ہوگا کہ یہ کیا عالم ہو رہا ہے۔ میری ہوا خوری کی سواریوں اور سب کی دل داریوں میں کیوں فرق آگیا۔ جو لوگ ہاتھوں کی جگہ آنکھوں پر لیتے تھے وہ کیا ہو گئے۔ اس حالت کی تصویر سے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں کہ باپ دربار سے رخصت ہو کر رج کو چلا۔ گجرات پٹن پر ڈیرے ہیں ابھی سورج جھلکتا ہی شام قریب ہی خیال یہ کہ اب خانخانان آتا ہے خبر آئی کہ وہ تو مارا گیا۔ اُس کے مرتے ہی فوج میں تلاطم مچ گیا۔ بل کی بل میں گھر بار افغانوں نے لوٹ لیا۔ کوئی گھڑی سیئے جاتا ہی کوئی صندوقچہ کسی نے مسند تکسیٹ لی کوئی بچھونا لے چلا۔ اُس بے کس مردے کے کپڑے ہلک اتار لیئے۔ لاش بے جان کو کفن کون لے کہ اپنی ہی جان کا ہوش نہیں۔ وہ تین برس کی جان کیا کرتا ہوگا۔ سہم کر رہ جاتا ہوگا ماں کی گود میں دبا جاتا ہوگا ڈرتا ہوگا اتنا کے پاس چھپ جاتا ہوگا۔ افسوس وہ بچاریاں کہاں چھپا لیں کہ آپ ہی چھپنے کو جگہ نہیں۔ الہی تیری پناہ۔ عجیب وقت ہوگا۔ شام غریباں اسی شام کو کہتے ہیں۔ رات قیامت کی رات گزری دن ہوا تو روزِ محشر۔ محمد امین دیوانہ اور زنبور وغیرہ لشکروں کے لڑنے والے تھے۔ اس وقت کچھ نہ بن آتی تھی۔ پھر بھی ہزار رحمت ہو کہ لئے قافلے کو سمیٹا اور احمد آباد کو اڑے جاتے ہیں۔ موقع پاتے ہیں تو پٹ کر ایک ہاتھ مار جاتے ہیں۔ اس وقت ان پاشکستہ عورتوں کو جن میں سلیمہ سلطان بیگم اور یہ تین برس کا بچہ بھی شامل ہوئے مکلنا غنیمت ہو۔ لٹیرے اب بھی دست بردار نہیں ہوئے نیچے نیچے لوٹتے مارے چلے آتے ہیں۔ معصوم بچہ سہا ہوا دھوا دھوا دیکھتا ہی اور رہ جاتا ہی۔ کون دلا سے اور دے تو ہوتا کیا ہی۔ الہی وہ وقت تو دشمن ہی کو نصیب کیجو۔ ان مصیبت زدوں نے لڑتے مرتے احمد آباد میں جا کر موم لیا۔ کئی دن میں گئے ہوئے حواس ٹھکانے آئے۔ صلاح ہوئی کہ دربار کے سوا پناہ نہیں ہو۔ پھر چلنا چاہیئے۔ چنانچہ چار ہینے کے بعد ضروری سامان ہم پونجا کر روانہ ہوئے۔ یہاں بھی خبر بونچ گئی تھی چغتائی دریا دلی اور اکبری عفو و کرم کے

دریا میں لہرائی۔ ان کے بیٹے فرمان بھیجا۔ خان خاناں کے مرنے کا بیخ و مالہ اور ان کی تباہی کا افسوس تھا۔ ساتھ ہی بڑے دلا سے اور دلداری کے ساتھ لکھا کہ عید الرحیم کو تسلی دو اور بڑی خبرداری اور ہوشیاری سے لے کر دربار میں حاضر ہو۔ یہ اطمینان کا تعویذ انھیں جالور میں ملا۔ بڑا سہارا ہو گیا۔ بندھ گئی اور حضور میں پونہچے۔ اس لڑے قاتلے کے واسطے وہ وقت عجیب مایوسی اور حیرانی کا عالم ہو گا جب کہ بابا زنبور سب تباہی زدوں کو لے کر آگرے میں پونہچے ہوں گے۔ عورتوں کو محل میں اتارا ہو گا۔ اس قہیم بچے کو جس کا باپ ایک دن دربار کا مالک تھا۔ بادشاہ کے سامنے لا کر چھوڑ دیا ہو گا۔ اندر شکستہ پاعورتوں کے دل دھکڑ دھکڑ باہر اس کے قدیمی نمک خوار دعائیں کرتے ہوں گے کہ ابھی باپ کی خدمتوں کو پیش نظر لائیو۔ چغتائی سلسلے میں ان چند بادشاہوں کا حال خطا بخشی کے معاملے میں قابل تعریف ہو۔ دشمن بھی سامنے آتا تھا تو آنکھ جھک جاتی تھی۔ بلکہ اس کی جگہ خود شرمندہ ہو جاتے تھے۔ خطا کا ذکر نہ تھا۔ بھلا یہ تو بچہ معصوم تھا وہ بھی بیرم کا بیٹا جس وقت سامنے لائے۔ اکبر کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے گود میں اٹھا لیا۔ اس کے بیٹے وظیفے اور تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں اور کہا کہ اس کے سامنے کوئی خان بابا کا ذکر نہ کیا کرو۔ بچہ ہی دل کڑھے گا بابا زنبور نے رد کر کہا حضور یہ بار بار پونہچتے ہیں راتوں کو چونک اٹھتے ہیں کہ کہاں گئے۔ اب تک میں نہیں آئے۔ اکبر نے کہا کہہ دیا کرو کہ رنج کو گئے ہیں۔ خاندان خدا میں پونہچ گئے۔ بچہ ہی باتوں میں پہلا لیا کرو۔ دیکھو اسے ہر طرح خوش رکھو۔ اسے یہ نہ معلوم ہو کہ خان بابا سر پر نہیں۔ بابا زنبور یہ ہمارا بیٹا ہو۔ اسے ہمارے پیش نظر رکھا کرو۔ ۹۶۹ھ میں یہ واجب الرحم بچہ دربار اکبری میں پونہچا تھا۔ اس کے باپ کے جانی دشمن اب ارکان دولت تھے۔ وہ یا ان کے خوشامدی ہر وقت حضور میں رہتے تھے۔ اکثر ایسے تذکرے کرتے تھے۔ جن سے بیرم خاں کی باتیں اکبر کو یاد آجائیں۔ اور اس کی طرف سے کھٹک جائے۔ اکثر ان میں سے کھلم کھلا سمجھاتے تھے لیکن اکبر کی نیک نیتی اور اس لڑکے کا اقبال تھا۔

کچھ بھی نہ ہوتا تھا۔ بلکہ غیروں کے دل میں اُن باتوں سے رنج پیدا ہوتا تھا۔ اکبر اُسے مرزا خاں کہا کرتا تھا۔ ہونہار لڑکا اکبری سایہ میں بچہ پانے لگا اور بڑا ہو کر ایسا نکلا کہ مورخ اُس کی یاقوت علی کی گواہی دیتے ہیں۔ بلکہ علمیت سے زیادہ تیزی فکر اور قوت حافظے کی تعریف لکھتے ہیں علوم و فنون کی کیفیت اور اثنائے تحصیل اور تحصیل کی شرح کسی نے نہیں کھولی۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے ابتدائے عمر کو اور امیر زادوں کی طرح کھیل کود میں برباد نہیں کیا کیوں کہ جب وہ بڑا ہوا تو علماء کا قدردان تھا۔ اہل تصنیف اور شعر اور کو عزیز رکھتا تھا۔ خود بھی شاعر تھا۔ زبان عربی سے واقف تھا اور بے تکلف بولتا تھا۔ زبان ترکی اور فارسی جو اُس کے باپ دادا کی میراث تھی اُسے جانے نہ دیا۔ حاضر جواب۔ لطیف گو۔ بذلہ سنخ۔ بلبہ ہزار داستان قلعہ سنسکرت میں بھی اچھی لیاقت حاصل کی تھی۔ فن جنگ میں اعلیٰ درجے کی لیاقت رکھتا تھا اس کے باپ کے چند وفادار جانثار ساتھ تھے۔ جو محبت کی زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے اور اپنی قسمتوں کو اس ہونہار باقبال کے ہاتھ بیچے بیٹھے تھے۔ اس اُمید پر کہ اس کے ہاں مینہ برے گا تو پارے گھر میں بھی پرنا لے گریں گے۔ حرم سرا میں کچھ شریف زادیاں اور پرستاریں تھیں جو وفاداری کے ساتھ بے کسی اور بے بسی کی چادروں میں لپٹی بیٹھی تھیں۔

حسرت و ارمان۔ امید و ناامیدی اُن کے خیالوں میں ایک طلسمات بناتی تھی۔ ایک بگاڑتی تھی۔ بادشاہی دربار خدائی عجائب خانہ تھا۔ امیر اور سردار کہ وہاں سے جواہر کی پتلیاں بن کر نکلتے تھے۔ اس کے رفیق دیکھتے تھے اور رہ جاتے تھے۔ دل میں کہتے تھے کہ ایک دن اس کا باپ جس کو چاہتا تھا اُسے جواہرات اور موتیوں میں چھپا دیتا تھا کاش بیٹا ویسے انعاموں میں ہی شامل ہو جائے اُس میں سب قدرت ہو وہ چاہے تو پھر ہی تماشا دکھائے۔ دن۔ رات۔ صبح شام۔ آدمی رات آسمان کی طرف ہاتھ تھمتے خدا کی طرف دھیان تھے۔ دل آمین آمین کہہ رہے تھے۔ مرزا خاں نہایت حسین تھا۔ باہر نکلتا تھا اور سستے کے لوگ دیکھتے رہ جاتے تھے۔ نادان خواہ مخواہ

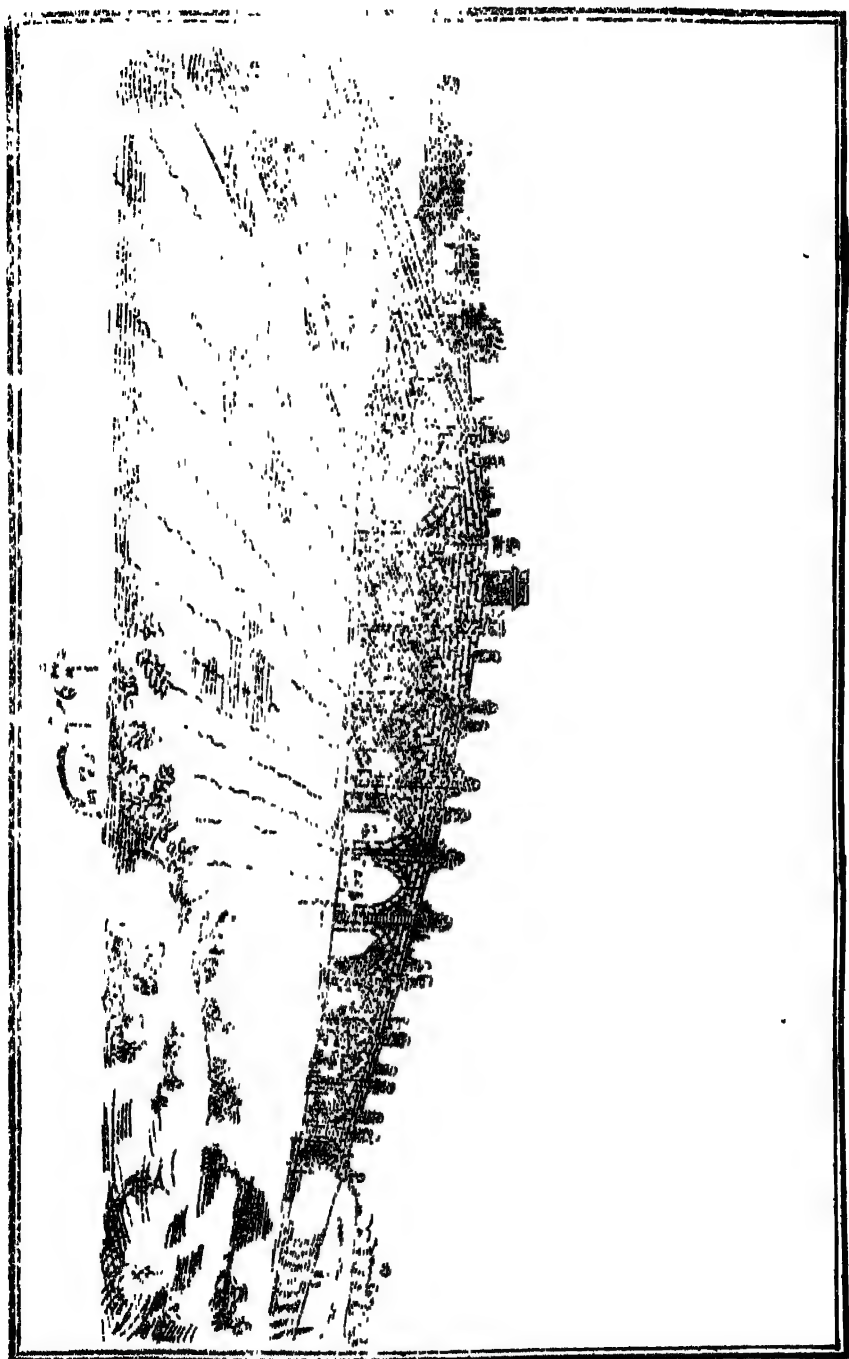
پوچھتے تھے کہ یہ کون خان زادہ ہو..... اکبر خوب جانتا تھا کہ ماہم خیل والے  
 امرا اور دربار کے کون کون سے سردار ہیں جو اس سے اور اس کے باپ سے  
 ذاتی عناد رکھتے ہیں اس واسطے ماہ بانو بیگم خان اعظم مرزا عزیز کو کلکٹا شہر کی  
 بہن سے مرزا خاں کی شادی کر دی تاکہ اس کی حمایت کے لیے بھی دربار  
 میں تائید پھیلے۔ ۱۵۷۳ء میں اس کے میدان خوش نصیبی میں ایک مبارک  
 شکون کا جلوہ نظر آیا۔ اکبر خان زماں کی مہم پر تھا اس لیے عفو تقصیر کے لیے  
 التجا کی اور پنجاب سے خبر پوچھی تھی کہ محمد حچیم مرزا کابل سے فوج لے کر  
 آیا۔ لاہور تک پہنچ گیا ہو۔ اکبر نے خان زماں کی خطا معاف کر کے ملک  
 اس کا برقرار رکھا اور پنجاب کے بندوبست کے لیے چلا۔ مرزا خاں کو خلعت  
 اور منصب عطا کر کے منعم خاں خطاب دیا (حالاں کہ منعم خاں زندہ موجود) اور  
 چند امرا صاحب تدبیر کے ساتھ آگرے کو رخصت کیا کہ دار السلطنت کے  
 انتظام اور حفاظت میں سرگرم رہیں۔ خان خاناں کا خطاب بھی خوب ملا باپ  
 اور بیٹے میں کچھ دور کافرق نہیں۔ اس کے ستارہ طلوع یا جو ہر مردانگی کی جگہ  
 تیرہویں صدی میں ہر خاص و عام کو نظر آئی جب کہ ۱۵۷۳ء میں خان اعظم  
 مرزا عزیز کو کہ احمد آباد گجرات میں محصور ہوا اور اکبر دو مہینے کی منزلیں سات دن  
 میں طو کر کے گجرات پر جا کھڑا ہوا۔ بڑے بڑے کنبہ عمل سردار رہ گئے۔  
 تیرہ برس کے لڑکے کی کیا بساط ہونی تھی۔ وہ قدم بقدم بادشاہ کے ہم رکاب  
 اس کے دل کا جوش اور بہادری کی انگ دیکھ کر اکبر نے اسے تائب  
 لشکر میں قائم کیا جو عمدہ سپہ سالاروں کی جگہ ہو۔ اب وہ اس قابل ہوا کہ ہر وقت  
 دربار میں رہنے لگا اور کاروبار حضور کا سرانجام کرنے لگا۔ اکثر کاموں کے لیے  
 بادشاہ کی زبان پر اسی کا نام آنے لگا ۱۵۷۳ء میں احمد آباد کی حکومت مرزا خاں کو دی  
 گئی۔ اس وقت اس کی عمر انیس بیس برس کی ہو گئی۔ اکبر نے چار امیر تجربہ کار  
 اس کے ساتھ کیے اور سمجھا دیا کہ خفوان شباب ہو اور اول خدمت ہو جو  
 کام کرنا وزیر خاں کی صلاح سے کرنا۔ میر علاء الدولہ قزوینی کو مانی پیا کداس  
 کو کہ حساب دانی میں فرد تھا دیوانی سید منظر بارہا کو بخشی گری فوج پر معزز کیا

مرنے سے ۹۹۸ء میں پھر قبضے میں آیا۔ احمد آباد گجرات کے عوض جو پور رعیت  
 ہوا۔ ۹۹۹ء میں بادشاہ نے ملتان اور بھکر کو خان خانان کی جاگیر کیا۔  
 اور ٹھٹھے اور قندھار کی جہم پر بھیجنا قرار پایا اکبر نے دیکھا کہ شہزادگان صفوی جو  
 سلطنت ایران کی طرف سے حاکم ہیں وہ شاہ سے آزر دہ ہیں۔ اور آپس میں  
 لڑ رہے ہیں اور رعایا اور مصر جمع ہو۔ بیرم خاں نے مدت تک وہاں حکومت  
 کی پھر خاں خانان ملتان کے رستے فوج لے کر جائیں۔ انھوں نے کچھ تو اس  
 سبب کہ وہاں کے معاملات جیسے اب دیکھتے ہو اس وقت اس سے بھی  
 زیادہ پیچیدہ اور خطرناک تھے وہ سرے بند دستانی لوگ برخانی ملکوں کے  
 سفر سے بہت ڈرتے ہیں اور یہاں کی فوج میں زیادہ تر ہندوستانی ہوتے  
 ہیں۔ غرض کچھ اپنی رائے سے کچھ رفیقوں کی صلاح سے عرض کی کہ پہلے  
 ٹھٹھے کا ملک میری جاگیر میں کر دیا جائے پھر قندھار پر فوج لے کر جاؤ گی  
 وہ جانتا تھا کہ گجرات کے جنگل میں نقارے بجاتے پھرے یہ اور بات  
 قندھار شہد کا چھٹا ہو اور ایران تو ران ہر ایک کا اس پر دانت جو دو  
 شیروں کے منہ سے شکار چھٹنا اور سامنے بیٹھ کے کھانا کچھ بچوں کا گھیل  
 نہیں۔ انھوں نے پھر کہا کہ قندھار فقط نام کا میٹھا ہو۔ ملک بھوکا ہو۔ حاصل خاک  
 نہیں بلکہ خرچ ہیں کہ جن کا کچھ حساب نہیں اور میرے پاس اس وقت کچھ  
 نہیں میں بھوکا سپاہ بھوکا خالی کیسہ لے کر جاؤں گا تو کروں گا کیا؟ جب ملتان  
 سے بھکر اور ٹھٹھے تک تمام ملک سندھ میں اکبری نقارہ بجے گا۔ ہندو کا  
 کنارہ اکبری تصرف میں ہو گا تو قندھار خود بخود ہاتھ آ جائے گا۔ بہر حال  
 قندھار کو روانہ ہوئے رستے میں مرزا جانی حاکم ٹھٹھے سے بڑھ بیٹھ ہوئی  
 مرزا جانی کے ایلیچی حاضر ہوئے۔ ملتان سے اٹھتے ہی بلوچوں کے سرداروں  
 نے حاضر ہو کر عہد و پیمان تازہ کیئے۔ قلعہ سیوان کے نیچے سے نکل کر  
 لی کوٹہ لیا اور کبھی سندھ کی ہاتھ آ گئی۔ سپہ سالار نے قلعہ سیوان کا  
 محاصرہ کر لیا اور فتح کر لیا۔ یہ قلعہ ایک پہاڑی پر بنا ہوا ہو۔ چالیس گز خندق  
 سات گز کی مضبوط فصیل۔ گویا لوسہ کی دیوار تھی۔ آٹھ کوس لمبا چھ کوس چوڑا

”مرحمت خدا کہ مرا ہٹا گئی اگر شغال می گفتی زبانت کہ می گرفت ہا۔ سناتے تھے کہ  
 جتن نوروزی میں خان خانان اُسے لے کر حاضر ہوئے وہ کورنش اور آداب  
 زمیں بوس بجالایا۔ تین ہزاری منصب اور ٹھٹھے کا ملک عنایت ہوا اور  
 اس قدر عنایتیں فرمائیں کہ اُسے اُمید بھی نہ تھی۔ اکبر کو دریائی قوت بڑھانے  
 پر ادخیال تھا۔ چنانچہ اس موقع پر تمام علاقہ اُس کا اُسی کو دے دیا مگر  
 بند گاہ خالصہ ہو گئے۔ سناتے تھے کہ خان خانان کو پھر دکن کا سفر پیش آیا۔ اکبر کو  
 ملک و دکن کا خیال اور خان اعظم کی ناکامی کا حال بھولانہ تھا۔ جو سفارتیں گئی تھیں  
 وہ بھی ناکام رہیں۔ فیضی بھی برہان الملک کے دربار سے کامیاب نہ آیا تھا کہ  
 برہان الملک فرماں روا اے احمد نگر مر گیا۔ ملک تو مدت سے تہ و بالا ہو رہا تھا۔  
 اب معلوم ہوا کہ تیرہ چودہ برس کا لڑکا تخت نشین ہوا اور تختہ حیات اُس کا  
 بھی کنارہ عدم پر لگا چاہتا ہی۔ اکبر نے شاہزادہ مراد کو لشکر عظیم کے ساتھ  
 دکن پر روانہ کیا۔ امراے عادل شاہ فوج لے کر آئے کہ ملک کا انتظام کریں۔  
 ابراہیم لشکر لے کر مقابلے کو گیا۔ احمد نگر سے چالیس کوں پر دو نو فوجوں کا مقابلہ  
 ہوا۔ ابراہیم نے لگے پر تیر کھا کر جان دی۔ سبھان السکر کل بھائی کو اندھا کر کے  
 ہوش کی آنکھوں میں سرمہ دیا تھا۔ آج خود دنیا سے آنکھیں بند کر لیں۔ ملک میں  
 طوائف الملوک کی ہو کر عجب ہل چل پڑ گئی میاں منجھو نے مراد کو عرض بھیجی کہ یہ ملک  
 لاوارث ہو گیا۔ مملکت برباد ہو رہی ہے حضور تشریف لائیں تو خانہ زاد خدمت کو  
 حاضر ہیں۔ اکبر کو جب یہ خبر پہنچی تو خان خانان کو روانگی کا حکم دیا اور شاہزادے کو  
 لکھا کہ تیار ہو مگر خان خانان کے پوسنچنے تک حملے میں داخل نہ کرو اور احمد نگر میں  
 جا پڑو۔ خان خانان برہان پور کے پاس پہنچا تو راجی علی خان حاکم خانہ میں سے  
 ملاقات ہو گئی انھوں نے اُسے بھی رفاقت پر آمادہ کیا۔ اتنے میں شاہزادے کا  
 فرمان آیا کہ ہم خراب سوتی ہو جلد حاضر ہو۔ صادق محمد خاں وغیرہ سرداران ہماری  
 شاہزادہ خان خانان کی آمد سن کر اس خیال سے کہ وہ آگیا تو ہم بالائے طاق  
 اور اس کی روشنی سے شاہزادے کا چراغ بھی ہم ہو جائے گا۔ انھوں نے  
 چھوٹک دیا کہ اس کے آنے سے حضور کے اختیارات میں فرق آئے گا

اور اب جو فتح ہوگی اُس کے نام ہوگی۔ خان خاناں نے لکھا کہ راجی علی خاں  
آئے کہ حاضر ہوا اور فدوی چلا آیا تو اس مصلحت میں خلل آجائے گا۔ شہزادے  
کے دل میں کہہ دیتا تو یہی جاتی تھی اب بہت بڑھ گئی۔ خان خاناں کو  
پل کی خبر ملتی تھی۔ اپنا لشکر۔ فیل خانہ۔ توپ خانہ وغیرہ اکثر امراء کو  
بھیجے چھوڑا۔ آپ راجی علی خاں کو ساتھ لے کر دوڑے۔ شہزادہ میں ہزار  
لشکر لے کر آگے بڑھ چکا تھا۔ اُنھوں نے مارا مارا احمد نگر سے تیس کوں پر  
جالیا۔ لگائے والوں نے ایسی نہ لگائی تھی جو بجھ بھی سکے پہلے دن تو سلامتی  
نصیب نہ ہوا۔ خان خاناں حیران کہ ہزار کارسازوں سے میں ایسے شخص کو ساتھ  
لایا جس کی رفاقت فتح و اقبال کی فوج ہی۔ یہ حسن خدمت کا انعام ملا۔ دوسرے دن  
ملازمت ہوئی تو شہزادہ تیوری چڑھائے منہ بنائے۔ یہ بھی خان خاناں سے  
رخصت ہو کر اپنے خیموں میں آئے مگر بہت رنجیدہ اور متفکر۔ اُس وقت  
سب کی آنکھیں کھلیں اور جس طرح ہوا صفائی ہو گئی۔ مگر اس سے یہ قاعدہ معلوم  
ہو گیا کہ ایک بالیافت اور باسامان شخص جو سب کچھ کر سکتا ہو وہ ماتحت ہو کر  
کچھ نہیں کر سکتا بلکہ کام خراب ہوتا ہو اور وہ خود بھی خراب ہوتا ہو۔ اب ادھر کا حال  
سنو کہ چاند بی بی بہان الملک کی حقیقی بہن۔ حسین نظام شاہ کی بیٹی۔ علی عادل شاہ  
کی بی بی علاوہ عظمت خاندانی اور عظمت ذاتی کے اپنی عقل و تدبیر اور سخاوت و  
شجاعت۔ قدردانی۔ کمال پروری کے جواہرات کی جڑاؤ تھی اس واسطے  
نادرتہ الزمانی کہلاتی تھی اور وہی ملک کی وارث رہی تھی۔ جب اُس نے دیکھا  
کہ ملک چلا اور خاندان کا نام ملتا ہو تو چہرے کی نقاب سے ہمت کی کمر باندھ کر  
کھڑی ہو گئی اور امراء کو بلا کر تسلی اور دلا سے کے ساتھ سمجھایا وہ بھی اکبری لشکر کی  
دربار کی طرح لہڑا دیکھ کر اپنے اور ملک کے انجام کو سوچے۔ جو عرفیاں شہزادے کا دل  
اس کے خان خاناں کو بھیجی تھیں اُن پر بہت پچھتائے۔ سب نے مل کر صورت  
کی صلاح پیش کی کہ چاند بی بی قلعہ احمد نگر میں سلطنت کی وارث بن کر تخت پر  
بیٹھیں یہم نہ تک ادا کریں اور جہاں تک ہو سکے احمد نگر کو بچائیں۔ اس شاہنشاہ  
بگم نے بنگال کا سامان جمع کرنا شروع کیا۔ احمد نگر کو مضبوطی اور مورچہ بندی کی







میں دعا کی اور جناب رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ سے آپ کی دعا قبول کی اور اُس مرتبے کو زندہ کر دیا اور اُس مرتبے کو اُس کی ماں سے ملا یا اور جلوہ اُولیاء اُمّیّی کا ثبیا بنی اسرائیل کا دکھایا۔ ۵۵

فیض روح القدس اربازند و فرمایہ دیگر اہم بکنندہ انچہ مسیحامی کرد جب سے آپ کا لقب محی العظام اور راجہ ہارگوڑ یعنی ہڈیوں کے زندہ کرنے والے اور ہڈیوں کے بادشاہ پڑ گیا۔ آپ کے کمالات ظاہری و باطنی غایت شہرت سے محتاج بیان نہیں۔ آپ کا وصال ۷۲ صفر ۱۱۳۷ھ کو ہوا اور اِس مقام پر امانت الہی کو سونپا۔ معتقدین خاص نے ایک گچتی چار دیواری مزار مبارک کے گرد بنادی ہے۔ اگرچہ مکان عمدہ نہیں مگر فیض سے ملبوس ہے۔

دنیا پلیسٹ در گرد روز آخرت  
دور سے ممکن مقام کہ بل جا رفتن است

بارہ پلہ  
۱۰۲۱ھ  
۱۶۱۳

پہلے ہایوں کے مقبرے کے جنوبی دروازے کے جنوب و مشرقی رخ پر تھوڑے ہی فاصل سے واقع ہے جس کو عہد اکبری و جہانگیری کے ایک بڑے نامی گرامی خواجہ سرا مہربان آغا عرف آغا مان المخاطب آغائی آغایان نے جہانگیر بادشاہ کی سلطنت کے زمانے میں بنوایا تھا اور انھوں نے عرب سراے کا شرف و دروازہ بھی بنوایا ہے۔ ان صاحب کو خاندان تیموریہ سے موروثی بندگی تھی۔ جس زمانے میں شاہزادہ جہانگیر کی شادی ہوئی اکبر بادشاہ نے اُن کی خدمات اپنی بیٹی شاہزادہ خاتم یعنی جہانگیر کی بہن سے لی تھیں اور جہانگیر کے محل کی خدمات سپرد کردی تھیں اور اس سبب سے جہانگیری ان کی نہایت تعظیم و توقیر کو ملحوظ رکھتا تھا اور یہ بھی ہر دم اور ہر خطہ جہانگیر کی حضوری میں ہار یا ب رہا کرتے تھے اور بیچ بیچ جہانگیر کے فدائی اور خیر خواہ مخلص تھے۔

سالہ جلوس جہانگیری میں انھوں نے بوجہ تہنوت سن خانہ نشینی اختیار کی اور دلی میں رہنے لگے۔ جہانگیر نے بہت خوشی اور خاطر داری سے ان کی پیشین کی درخواست قبول کی اور سید ہود حاکم دہلی کو بہت تاکید کی کہ ہمیشہ ان کی خوشی اور

خاطر داری کا پورا خیال رکھیں اور ان کو کسی قسم کا سرج یا تکلیف نہ پہنچے۔ خانہ  
ہونے کے بعد انھوں نے یہ پل ۱۶۱۲ء میں بنوایا۔ جنرل کننگھم اس تارخ کو  
اس وجہ سے صحیح نہیں سمجھتے کہ میر شیر پنج نے اسی پل کو ۱۶۱۱ء میں  
دیکھا تھا۔ لیکن یہ اس وجہ سے بے محل ہو کہ خود پل پر تارخ کا کتبہ لگا ہوا  
ہی۔ ممکن ہو کہ ۱۶۱۲ء کی مطابق ۱۶۱۱ء سے ہو پس پنج کا کہنا بھی  
ٹھیک ہو۔ اغلب ہو کہ اس نے اواخر ۱۶۱۱ء میں اس پل کو دیکھا ہو گا چنانچہ  
ہو گا ۱۶۱۲ء اور ۱۶۱۳ء کا۔ یہ بڑا بھاری پل گیارہ دروں کا سنگ بست  
اور پختہ چونسے اور سنگ خارا کا بنا ہوا ہو اور بقول ڈی لاسٹ کے جہاں کی ایک  
شاخ (یعنی نالے) پر بنا ہوا ہو۔ ۱۶۲۹ء میں مقبرے اور پل کے درمیان ایک شاخ  
سڑک تھی جس کے دونوں طرف بڑے بڑے سایہ دار درخت لگے  
ہوے تھے۔ نام تو اس کا بارہ پلہ مشہور ہو مگر در گیارہ ہی ہیں۔ کننگھم کو  
انگریز ہیں ان کو شک پڑ گیا اور یہ وجہ اختراع کی کہ دراصل اس کا نام ”بڑا پل“ تھا۔  
لیکن بگلر صاحب کا لکھنا بالکل فرین قیاس ہو کہ مانا کہ در گیارہ ہوں مگر ستون تو  
بارہ ہی ہیں اور اسی کا نام سے صحیح نام بارہ پلہ ہو۔ سیدھی بات چھوڑ کر خواہ مخواہ  
ایک تیسری وجہ اور گھڑی گئی کہ اہل دیہات نالے کو بارہ کہتے ہیں اس پر  
سے یہ نام پڑا۔ میری رائے ناقص میں سیدھی بات دی ہو کہ بارہ ستون  
ہونے سے بارہ پلہ مشہور ہو گیا ہو۔ پل کی لمبائی ۳۶۱ اور چوڑائی ۷ فٹ ہو اور  
انتہائی بلندی ۳۹ فٹ کے دونوں سروں پر بڑے بھاری پستے ہیں۔ دروں  
کی منڈیر پر دونوں طرف دس دس فیٹ اونچے مینار ہیں۔ شمال سرخ کے  
دوسرے در پر جو سب سے بلند حصہ پل کا ہو اس پر سنگ سرخ کی مہ اونچی  
۷ چوڑی تختی پر ذیل کا کتبہ ہو۔ جس کے اشعار گو لطافت سے خالی اور نہایت  
بے آب ہیں مگر ان کے معنوں سے آغا صاحب کی اس عقیدت اور اخلاص کا  
بخوبی پتہ چلتا ہو جو ان کو جہانگیر کے ساتھ تھا۔

اللہ اکبر

از جہانگیر شاہ اکبر شاہ  
۳۰ مکہ عدش صباست عالم کل

دوستانہ را چہ ہد ہد است افسر  
ہند را در زمان سلطنتش  
ہوستانیت حضرت دہلی  
سال ہفتہ ز چہ سلطنتش  
مخلص خاص مہربان آغا  
کرد تعمیر این پل ز شفقت  
سال تاسیخ از فلک جستم  
گفت بر وار خامہ و بولیں

دشمنان را بان فاختہ غل  
عبدہ می نوید اسطبل  
ہوے از گل گرفتہ رنگ از گل  
کہ تالہ ز چہر گل مہبل  
خادم قصر شاہ و محرم گل  
کہ شد دوستگیر شازہ سربل  
گشت رویش زخمی کل گل  
بستہ از راہ مہربانی پل

**اوکھلا گھاٹ** | اس نام کا گاؤں اور ریلوے سٹیشن دہلی سے چھ میل پر ہے۔ نہر چمن دلی آگرہ کینال اس مقام سے دو میل کے کاٹی گئی ہے۔ اس مقام پر دریا سے جہنا کے بچوں بیچ میں ایک عظیم الشان بند باندھا گیا ہے جس کی وجہ سے موسم گرما میں جہنا کا سارا پانی نہر میں چلا جاتا ہے۔ جہاں اس کا ہیڈ ورک یعنی فیج ہو وہاں ایک چھوٹا سا پارک بنا دیا ہے اور وہاں ایک دو فوش ناٹنگلے بھی بنے ہوئے ہیں۔ یہ فیج سٹیشن کے مشرق کے دو میل کے فاصل سے ہے جو ایک بڑی سیرگاہ ہے اور اکثر لوگ تفریحاً جایا کرتے ہیں۔ دولت خاں لودھی نے ایک ہی سال سلطنت کی تھی کہ خضر خاں نے جو خاندان سادات کا سب سے پہلا بادشاہ تھا اسے مغلوب کیا اور اسے لے گیا تھا کہ خضر خاں اپنے کو تیمور کا باج گزار سمجھتا تھا اور بلا کسی تحریک کے سمرقند کو خراج بھیجا کرتا تھا۔ اس نے سلطنت میں ایک قلعہ بنایا تھا جس کا نام خضر آباد رکھا لیکن اب اس کا کہیں نشان بھی باقی نہیں رہا مگر اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہیں نہ کہیں اسی اوکھلے کے پاس تھا۔ خضر خاں نے سات برس سلطنت کی اس کے عہد میں کوئی خاص بات قابل تذکرہ واقع نہیں ہوئی۔ خضر خاں نے سلطنت میں انتقال کیا۔ اس کا مقبرہ اوکھلے میں ہی تھا لیکن جب یہ نہر نکالی گئی تو وہ بھی اس کی رو میں آ گیا یعنی اسے گردا دیا گیا۔ اوکھلے کے سٹیشن کے پاس ہی کالکاجی کا مندر ہے جہاں ہر سال بہت سے جانتی جمع ہوتی ہیں۔

ریلوے لین سے مغرب کی طرف چند میل کے فاصلے پر ایک وسیع میدان میں قطب مینار کھڑی ہوئی صاف دکھائی دیتی ہو جس کے اطراف محلات اور مقابر کے وہ کھنڈر ہیں جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ہندوستان ساری دنیا میں بھی ایسا دل چپ مقام نہیں ہے۔

پٹ پٹ گنج  
دہلی شہر کے جنوب و مشرق میں دریائے جمنا کے مشرقی کنارے پر دہلی کی اُس مشہور لڑائی کا میدان ہے جہاں ۱۱ ستمبر ۱۸۵۷ء میں لارڈ لیک اور مرہٹوں سے بڑی

بھاری لڑائی ہوئی تھی یہ گاؤں اب بالکل اُجاڑ ہے۔ مسٹر فین شانے اپنی کتاب میں اس جنگ کا حال حسب ذیل لکھا ہے:۔ میدان کارزار کا بہترین نظارہ اُس ایٹوں کے پڑاؤ سے ہوتا ہے جو پٹ پٹ گنج کی لہتی کے شمال مغرب میں ہے۔ مرہٹوں کی فوج کو ٹلے سے لے کر غازی پور تک جو ایک لمبی اور اونچی پٹی پر پڑی ہوئی تھی جس کی دونوں طرف دلدل تھی جس کے آگے سوار پرٹے ہوئے تھے اور سامنے دار توپ خانہ لگا ہوا تھا اور سارے کا سارا پرٹاؤ جنگل کی اونچی گھانسی میں چھپا ہوا تھا۔ اب جلے کا اگر کچھ موقع تھا تو سامنے ہی کے رخ پر تھا۔ ۷ ستمبر کو لارڈ لیک اپنی فوج لے کر علی گڑھ سے چلے اور میدان جنگ سے دو میل جنوب میں جو دہلی سے چھ میل ہو گیا رہیں تاریخ گیارہ بجے دن کے پونچھے۔ مرہٹوں کی فوج چھ ہزار سوار ملا کر انیس ہزار اور چھوٹی بڑی ستر توپیں تھیں انگریزوں کا لشکر کل ساڑھے چار ہزار تھا اور کچھ سوار اور ہلکی سفری توپیں تھیں۔ غرض یہ کہ اس جنگ میں انگریزوں کے ۱۱ آدمی کام آئے اور ۲۹۸ زخمی ہوئے غنیم کے تین ہزار آدمی مارے گئے اور ساری توپیں اُن کی چھین لی گئیں۔ ۱۴ ستمبر کو انگریزی فوج فتح یاب ہو کر جمنا پار ہو کر دہلی میں داخل ہوئی اور ۱۶ لارڈ لیک دیوان خاص میں نابینا اور ضعیف بادشاہ شاہ عالم کے حضور میں باریا پ ہوئے۔ جس جگہ یہ لڑائی ہوئی وہاں ایک ستون اسلحہ فتحیابی کی یادگار بن گیا ہے جس پر مار کوئٹس آف ولزلی گورنر جنرل

ہند کے یہ الفاظ بجنسہ کندہ ہیں :-

The Governor General in Council  
sincerely laments the loss of Major  
Middleton, 3<sup>rd</sup> Regiment Native Cavalry;  
Captain MacGregor, Persian Interpreter; Lieut-  
enant Hill, 2<sup>nd</sup> Battalion 12<sup>th</sup> Native Infantry; Cor-  
net Languire 27<sup>th</sup> Dragoons; Quartermaster Richardson,  
27<sup>th</sup> Dragoons, and of the brave soldiers who fell in the  
exemplary execution of deliberate valour and dis-  
ciplined spirit of the battle of Delhi. The names of  
those brave men will be commemorated with the  
glorious events of the day on which they fell, and  
will be honoured and revered while  
the fame of that signal victory shall  
endure.

گورنر جنرل باجلاس کونسل میجر ڈیلٹن تیسری رجمنٹ نیٹیو کیولری - کپتان  
میک گریگور مترجم فارسی - لفٹنٹ ہل دوسری پلٹن بارہوین نیٹیو انفنٹری -  
لفٹنٹ پرسٹن دوسری پلٹن تیرھویں نیٹیو انفنٹری - کارنٹ سین کو ایئر سٹاف  
ڈریگوز - کوارٹر ماسٹر چرچر ڈسن سٹامیسویں ڈریگوز اور ان بہادر سپاہیوں  
کی وفات پر مخلصانہ رنج و اندوہ کا اظہار فرماتے ہیں جنہوں نے دہلی کی لڑائی  
میں شجاعت (اور جوانمردی) اور باقاعدہ ولولے کو قابل تقلید پیرایہ میں نصرام  
دیا - ان بہادر لوگوں کے نام اس شان و اردن کے واقعات کی یادگار  
رہیں گے جس دن کہ وہ کام آئے - ان کے (ناموں) کی عزت اور توقیر

اس وقت تک قائم رہے گی جب تک کہ اس بے نظیر فتح کا شہر و باقی ہے۔

حصار سے چوگردون گرداں بلند  
کہ رفت ز بر حبش بود بہرہ مند  
دہ قلعہ دارش بگردوں جواب  
کند دیدہ بانی او آفتاب  
ازاں قلعہ نگشتہ صورت پذیر  
شدہ شیشہ آسماں دیو گیر

قلعہ کلوکھری۔ کلوکھری کی بستی

قصر معترزی یا نیا شہر  
۶۸۵  
۱۲۸۶  
۶۸۸  
۱۲۸۹

کہ سرکوب گردوں بود بھج او  
فلک رانانہ و مارخ بلند

نیاید سر او گردون فرو  
شدہ تازہ و صفش دلم بہرہ مند

۶۸۵  
۱۲۸۶  
۶۸۸  
۱۲۸۹  
میں موضع کلوکھری میں بلبن کے پوتے سلطان کی قباد نے یہ قلعہ  
بنوایا تھا جس کا اب نشان تک بھی باقی نہیں ہے مگر جہاں تاپوں کا مقبرہ ہے وہیں  
یہ قلعہ بھی تھا۔ طبقات ناصری سے جو بزمان شاہ بلبن لکھی گئی تھی واضح ہے کہ  
کی قباد نے اپنے عہد میں کلوکھری کو بڑی رونق دی۔ یہاں جہنا کے کنارے  
عمدہ عمدہ نفیس باغات لگاے اور خود بھی اسی بستی میں رہتے لگا۔ لامحالہ تمام  
ارکان دولت اور امراء کو بھی یہیں رہنا پڑا اور ان سبھوں نے اپنی اپنی حیثیت  
اور شان کے موافق متعدد محلات اور مکانات طیار کر اے۔ (از تاریخ  
فیروز شاہی)۔ کی قباد کے زمانے کے اول سے بھی کلوکھری ایک مشہور  
مقام اور اقامت گاہ شاہی تھا۔ کتاب مذکورہ بالا ہی میں لکھا ہے کہ جب ملک کو خاں  
مغلوں کے ایچی کو دو بار شاہی میں باریا بکھا گیا تو کو شک سبز سے شہر کلوکھری  
کے جدید دار السلطنت تک سارے رستے دو طرفہ فوج کھڑی تھی۔ ایچی  
کے استقبال کو بلبن کا وزیر بڑی شان و شوکت اور تزک و اعتشام سے دتی  
شہر سے بکھلا جس کے جلوس میں پچاس ہزار سوار دو لاکھ پیدل اور دو ہزار  
چنگی و خجیر فیل تھے۔ اس وقت قبل و ذبت نقارے کی صدا۔ ٹونکے کی  
گونج۔ نظیری و شہنائی کی دل کش آواز۔ ہاتھیوں کی درق برق جھولیں کی  
چمکھارنا اور گھنٹوں کی آواز۔ گھوڑوں کی ٹکلیل ٹاپیں مارنا اور ہنہانا۔ ہتیاروں کی

جھلاہٹ اور چاک دمک۔ گولوں کی دندناہٹ۔ بانوں کی شامیں شامیں۔ غرض یہ کہ ایک عجیب ہنگامہ تھا۔ جس نے مغلوں کے سفیر کے دل پر سلاطین ہند کی عظمت و جبروت کا سکہ بٹھا دیا اور یہ بات سچ ہو گئی کہ سلاطین بادشاہی بنی کنند بلکہ خدائی تک جب سفیر اس کو وافر سے لایا گیا اور دہلی میں حاضر ہوا تو شاہزادگان والاتبار اور امراے ذی وقار۔ راجہ ہماراجہ کا ہجوم دیکھ کر اور بھی دنگ رہ گیا۔ کیتباد کو فارچ ہو گیا۔ اس سبب سے امرا نے اس کے بیٹے کیورٹ کو تخت پر بٹھایا مگر امراے غلجی نے مخالفت کی اور کیورٹ کو بہار پور میں پکڑ لے گئے اور کیتباد کا قلعہ کلوکھری میں لائیں ہی لائیں ماز کو دم کالیاں رکھیا کی عام رخصتا مندی سے ۶۸۹ھ جلال الدین خلجی تخت نشین ہوا۔ دہلی نہ جا کر جلال الدین نے کیتباد کے قلعے کی تکمیل کی اور کلوکھری کو اپنا دار السلطنت قرار دے کر وہیں رہنے لگا۔ چند ہی سال کے عرصے میں ”کلوکھری“ نئے شہر کے نام سے مشہور ہو گیا اور راجہ پتھور کا قلعہ ”پرائی دلی“ کہلانے لگا۔ جلال الدین خلجی کے محل کو سرسید نے ”کوشک لعل“ یا نیا شہر لکھا ہے لیکن تاریخ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ کہ دلی کو کبھی نیا شہر کہا گیا ہو۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ”جلال جلال الدین خلجی نے ایک محل اپنے نام سے بنایا تھا“ لیکن کسی اور مورخ نے کہیں اس بات کو نہیں لکھا۔ کوشک لعل کا نشان تو صفحہ ہستی سے مٹ ہی گیا اب تو صرف نام ہی نام رہ گیا ہے۔ سرسید لکھتے ہیں کہ ”جلال الدین خلجی نے ایک محل بنوایا تھا جس کا نام کوشک سبر تھا جو کوشک لعل سے ملا ہی ہوا تھا“ لیکن کوشک لعل کی نسبت سرسید ہی نے خود لکھا ہے کہ اس میں جلال الدین کے بیٹے کی تخت نشینی ہوئی تھی اور وہ محل راجہ پتھور کے قلعے میں تھا اس لیے یہاں کچھ غلط بحث ہو گیا ہے۔ بہر حال کوشک لعل کی تعمیر ۶۸۹ھ میں ہونا یقینی امر ہے البتہ تعین مقام بہم ہو۔

کوشک لعل تعمیر کردہ  
جلال الدین خلجی  
۶۸۸ھ  
۶۸۹ھ



# خضر آباد اور خضر کی گمٹی

۸۲۱ھ - ۸۲۲ھ  
۱۸۱۸ء - ۱۸۱۹ء

حال دنیا را چہ پر سیدم ز یک فرزاد  
گفت یا غولیت یا دیویت یا دیوانہ  
یا مثال تودہ بر نیست در فصل بہار  
ایسج عاقل در چنین جا کس از دختہ

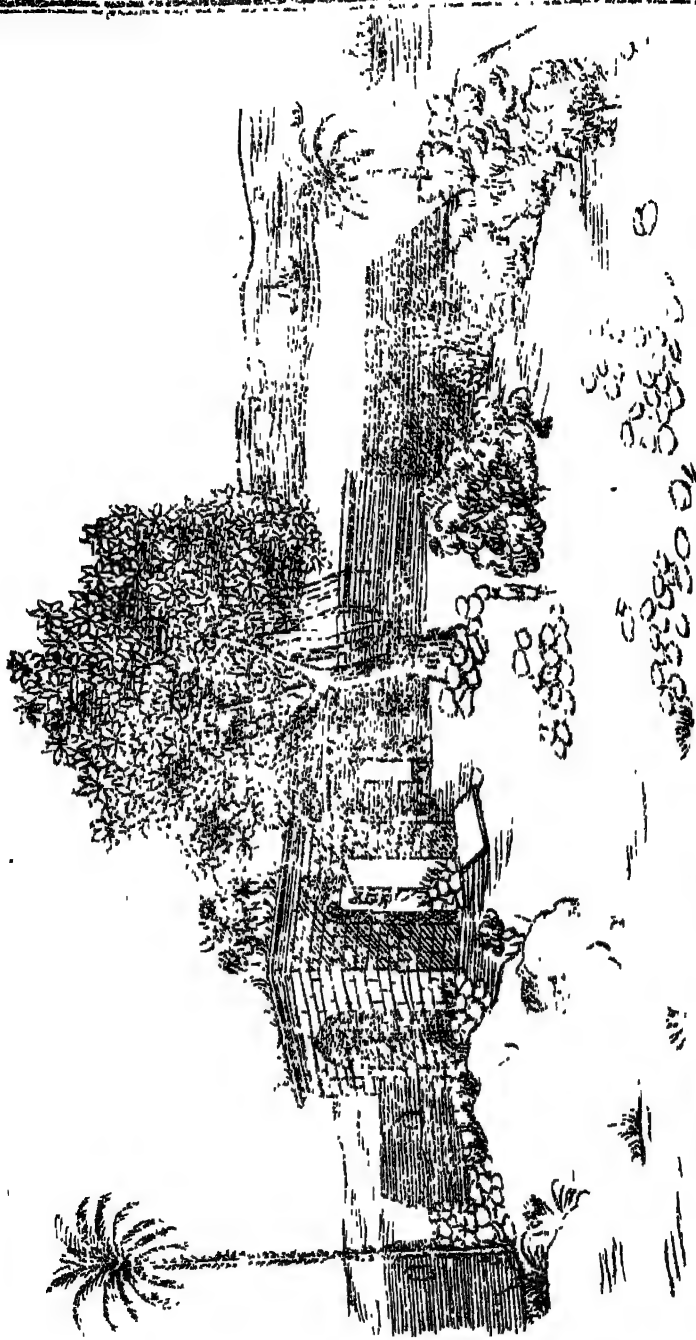
خضر خاں خاندان سادات کا پہلا بادشاہ تھا (۱۸۱۸-۱۸۱۹ء) یہ خاندان ان تمام  
سلاطین میں جنہوں نے تخت دہلی پر حکمرانی کی ہو سب سے زیادہ کم زور تھا۔  
خضر خاں نے بھی دریائے جمنائے کنارے کلوکھری سے جنوب مشرق کی  
طرف ایک میل بہت کر موضع اوکھلے کی سرحد میں اپنے نام سے ایک شہر  
بسایا تھا۔ یہ شہر ہمایوں کے مقبرے سے دو میل ادھر دار ہی تھا۔ اس قہر کا  
اب کہیں وجود بھی نہیں رہا اور اسی وجہ سے اس صحیح تعین مقام بھی مشکل ہو اور  
وہی بات ہوئی کہ

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت رفت منزل بدیگرے پرداخت

اغلب ہو اور نیز سرسید کی رائے بھی یہی ہو کہ خضر خاں کا بسایا ہوا شہر موضع  
خضر آباد کے قریب تھا۔ خضر آباد جمنائے کنارے موضع اوکھلے کے قریب  
شہر دہلی سے آٹھ میل بجانب جنوب ہو۔ ۸۲۲ھ میں خضر خاں نے انتقال کیا  
اس کے لڑکے اور جانشین ابوالفتح مبارک شاہ نے اپنے باپ کا گنبد بنوایا جو عموماً  
خضر کی گمٹی کے نام سے مشہور ہو۔ گنبد میں جو قبر ہو اسے خضر خاں کی  
قبر کہنا محض روایت پر مبنی ہو کیوں کہ کوئی کتبہ نہیں مگر جب کہ گنبد خضر خاں کے  
نام سے مشہور ہو تو قرینہ غالب یہی ہو کہ قبر بھی اسی کی ہوگی اور اسی سبب  
سرسید نے بھی اس قبر کو خضر خاں ہی کی لکھا ہو۔ گنبد کے احاطے کا جو تھائی حصہ  
نوسار ہو گیا اب اسی ٹوٹے پھوٹے احاطے کے اندر ایک معمولی سا گنبد کھڑا ہو  
جس کے چار طرف چار دروازے ہیں اور یہی خضر خاں کا مدفن کہلاتا ہو۔ اس  
گنبد سے تھوڑی ہی دور اور ایک چھوٹا سا برج ہو خدا جانے وہ کس کا ہو۔

کالکاجی یا کالکادیوی کا مندر | از یک چراغ کعبہ دیت خانہ روشن

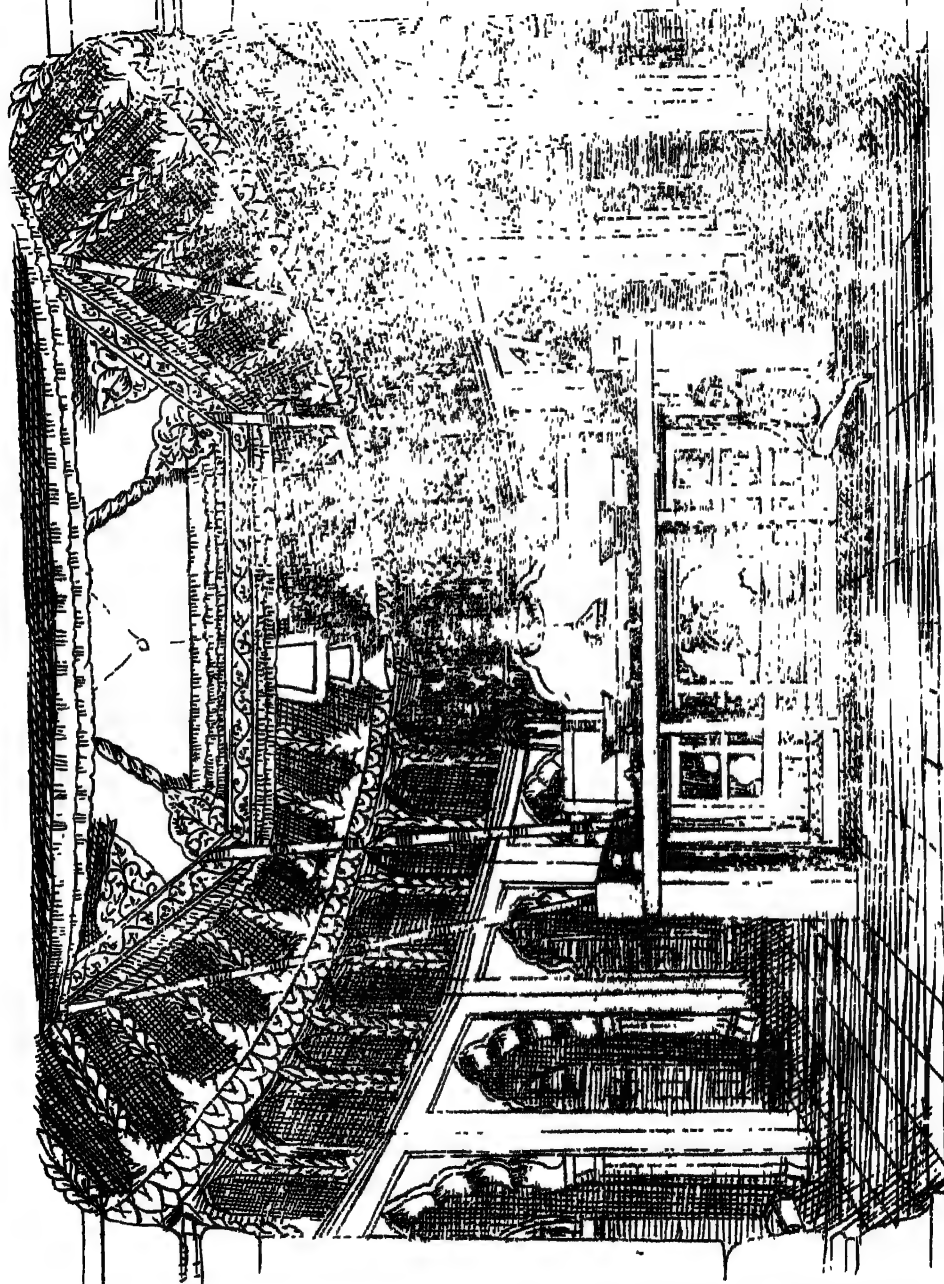




باب اول  
 در بیان  
 کلیات

(۱) در بیان

(۲)



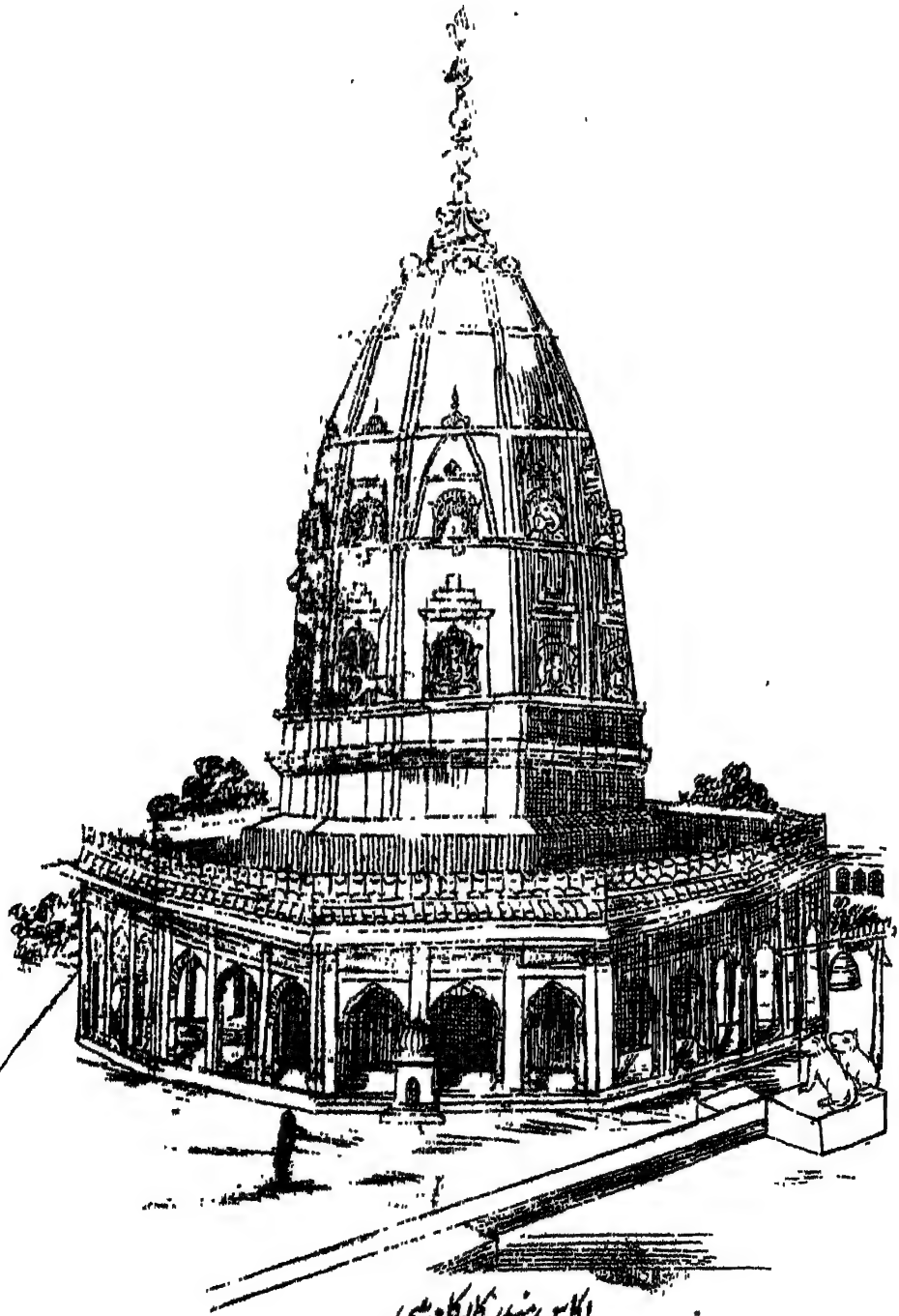
یہ مندر موضع بہار پور کی سرحد میں دلی سے نویں تعلق آباد کی سڑک پر ہے۔ اہل ہندو کے مذہب میں کالی دیوی کی پوجا سرفہرست ہے۔ ہزاروں برس گزرے کہ دور اکشش (دیویا جن) تھے انھوں نے اس دستانے کے دیوتاؤں کو بہت ستایا تھا۔ آخر دیوتا چار ہو کر برہما ایک فریادے گئے۔ برہمہ نے کہا مجھ سے تمہاری رچھیا (مداوا) نہیں ہو سکنے کی تم مہامائی یعنی پاربتی کا استت (پوجا) کرو وہ تمہاری سہا تیار دادرسی کرے گی۔ جب ان دیوتاؤں نے مہامائی کی پوجا پاٹ کی تو مہامائی کے منہ سے ایک دیوی پیدا ہوئی جس کا نام کوشکی تھا۔ مہامائی کے حکم سے کوشکی دیوی نے ان دونوں کو شمشیر سے قتل کیا۔ ان کا خون زمین پر گرنا ہی تھا کہ ایک ایک بوند سے ایک ایک راکشش پیدا ہو گیا۔ اس طرح ہزاروں راکشش ہو گئے۔ کوشکی ان کو مارنے مارنے ہلکان ہو گئی۔ جوں جوں مارتی جاتی تھی دلوں دلوں ہزاروں پیدا ہوتے جاتے تھے۔ پاربتی کو اپنی لڑکی کی حالت پر بہت ترس آیا۔ اس وقت پاربتی کی بھوؤں سے کالی دیوی پیدا ہوئی جس کا ایک ہونٹ زمین سے لگا ہوا تھا اور دوسرا آسمان میں تھا اور اتنا بڑا منہ بھاڑ سے بیٹھی بہتی تھی۔ اب ایک سے دو ہوئے۔ کوشکی جس کو مارتی تھی اس کا لہو زمین پر گرنے نہ دیتی تھی اور غریب کی بچل جاتی تھی۔ اس طرح ان راکششوں کا شر دنیا سے رفع ہوا۔ اس بات کو پانچ ہزار برس کا عرصہ ہوا کہ کالی دیوی نے اس پہاڑ پر جہاں اب مندر ہے اپنا استھان کیا۔ جب پانڈوؤں کو اس کرامت کی خبر ہوئی تب ہی سے پوجا پندریچینٹ کا سلسلہ جاری ہے۔ بارہ پہر اس مندر میں گھی کا چراغ جلتا رہتا ہے جسے دیوی جی کی جوت کہتے ہیں۔ غرض اب یہ مقام اہل ہندو کی بڑی بھاری اور متبرک پرستش گاہ ہے۔ عام خیال ہے کہ اس دیول کا بڑا حصہ سیکھڑ میں بتا لیکن مہاکالی کی پوجا تو راجہ پتھورا کے زمانے سے چلی آتی ہے۔ ہمارا راجہ سندھیانے موضع بہار پور اس مندر کے سینے وقت کر دیا تھا۔ پھر سو روپے سال نقد ملا کیئے اب سب کچھ بند ہے۔ یہاں کے پوجاری کچھ کھیتی سے اور زیادہ تر جڑا ہوسے اور لوگوں کے دان پین سے بسر اوقات کرتے ہیں۔ ہر منگل کو

سہفتے وار یہاں میلہ لگتا ہے اور ہر پہینے کی اسٹمپی کو بہت لوگ جاستے اور پوجا پتری کرتے ہیں۔ چیت اور اسوج کی اسٹمپی کو بڑا بھاری میلہ ہوتا ہے جس میں شہر کے اور اطراف کے دیہات کے لوگ کثرت سے جمع ہوتے ہیں۔ یہ میلہ چھ ماہی کا کہلاتا ہے۔ اس مقام پر لوگوں کو پانی کی بڑی تکلیف ہے ایک ہی کنواں ہے جس میں گھٹنے گھٹنے پانی رہتا ہے اور بچا نوے ہاتھ رسی جاتی ہے۔ کسی شخص نے دو تالاب بنائے تھے وہ پھوٹے پڑے ہیں ان میں پانی نہیں ٹھہرتا۔

**مورت مندر** اس مندر میں کسی کی مورت نہیں ہے ایک گول مول تھہر جیسے ہادیو کا پنڈت عہرا ہے اور اسی کو کالی کا استھان کہا جاتا ہے جو کثرت استعمال سے کالنگا ہی مشہور ہو گیا۔ پہلے اس مقام پر کوئی عمارت نہ تھی کالی کا استھان ہونے کے کئی ہزار برس بعد کسی معتقد نے جس کا نام تحقیق نہیں یہاں ایک بارہ در کا لدا دی دالان بنوایا تھا اور سمست ۱۸۲۱ء میں گانگہ نے سنگ سرخ اور سنگ مرمر کا چھ فٹ اونچا کٹھن بنوایا جس کے بیچوں میں بند رکھا ہوا ہے۔ اس کٹھن کے بائیں طرف اردو اور ناگری میں یہ دو کتبے لگے ہوئے ہیں :-

### سری درگاسنگہ پر سوار سمست ۱۸۲۱ء فصلی

واضح ہو کہ کالی دیوی ہی کا نام درگاجی ہے جو ہمیشہ شیر پر سوار رہتی ہے۔ اس مندر کے پوجاری دو دو وقت پوجا کرتے ہیں اور گیارہ بجے پیر روز دیوی جی کو بھونگ لگاتے ہیں یعنی ہر روز مٹھائی کا ناشتہ رکھا جاتا ہے۔ اسی پنڈت کو جو دیوی جی کی مورت سمجھی جاتی ہے بہت بھاری کپڑے پہنا رکھے ہیں اور دیوی کی مورت پر کھواب بکاپر وہ اور غلاف پڑا رہتا ہے اور رات کو آرام کرنے کے لیے ایک بہت خوب صورت چھوٹی سی پٹنگڑی بنا رکھی ہے رات کے وقت اس پٹنگڑی کو کس کسانیکہ وکیہ لگا کٹھن کے اندر دیوی جی کے آگے لگا دیتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ دیوی جی اس پر شکھ فرماتی ہیں۔ جس کی مراد آتی ہے وہ شامیانہ پنکھا چھتر چڑھاتا ہے۔ چنانچہ متعدد چھتر۔ شامیانے اور پنکھے چڑھے ہوئے ہیں۔



اکاس مندر کاشی

**اکاس مندر** اس مندر کی رونق اور شان بڑھانے کو یہاں کے پوجاریوں نے چاہا کہ کوئی شخص اس لداؤ پر برج بنوا دے کسی شخص کی

ہمت نہ بڑی آخر کار پانڈوں نے یہ تدبیر کی کہ دیوی جی سے حکم لیا جائے جس کے نام کا حکم نکلے وہ مندر کا اکاس جسے گوہر م بھی کہتے ہیں یعنی بلند مخروطی تہ بنوا دے اس نیت سے شہر کے جتنے ہندو امیر درہیں تھے سب کے نام کی چٹھیاں دیوی جی کے سامنے ڈالی گئیں اتفاق سے مرزا کدو ارنا تھے کے نام چٹھی نکلی یہ خطابی راجہ تھے مگر دراصل قوم کے بنیئے تھے اور اکبر شاہ ثانی کے عہد میں نظارت کی پیشکاری کا عہدہ رکھتے تھے اور مرزا راجہ کا اُن کو خطاب تھا۔ راجہ صاحب نے جب سنا کہ دیوی جی کا یہ حکم ہو تو فوراً اکاس بنوا دیا۔ یہ اکاس دو تہی کہار کی معرفت بنا ہوا اور اس کے گرد غلام گردش سنگین ستونوں کی بھی بنوائی۔ اندر کے لداؤ میں بارہ دروازے ہیں اور باہر کے ہر ضلع میں تین تین درہیں۔ راجہ صاحب نے اس تعمیر میں سات آٹھ ہزار روپیئے صرف کیئے پچاس برس کے اندر ہی اندر دلی کے مہاجنوں اور بانیوں نے اس مندر کو بڑی رونق دی ہو اور اس مندر کے آس پاس میلے میں جلانے والوں کے اترنے کے لئے کئی ایک مکان بنوا دیئے ہیں جن سے بہت رونق بڑھ گئی ہو۔ چوں کہ مذہباً اس بات کا اعتقاد ہو کہ دیوی جی سنگھ یعنی شیر پر سوار ہو کر یہاں تشریف لائی ہیں اس واسطے مندر کے آگے دو مور تین شیروں کی سنگ سرخ کی بنا کر بٹھا دی ہیں اور اُن کی بھی پوجا ہوتی ہو۔ ان شیروں کے سروں پر ایک بڑا گھنٹہ لٹکا ہوا ہو جسے پوجا کے وقت بجا کر رتے ہیں اور ”دیوی مائی کی جو“ کہہ کر پکارتے ہیں۔ انھیں شیروں کے پاس سنگ سرخ کا ایک بڑا ترسول نامستون کھڑا ہو۔ یہیں سنگ مرمر میں چرنوں (قدموں) کا نشان کھدایا ہوا ہو۔

**نیلا برنج یا سیدوں کا مقبرہ** بعض لوگ اسے نیلا برنج کہتے ہیں۔ یہ مقبرہ جو راجہ کے وسط میں ایک وسیع

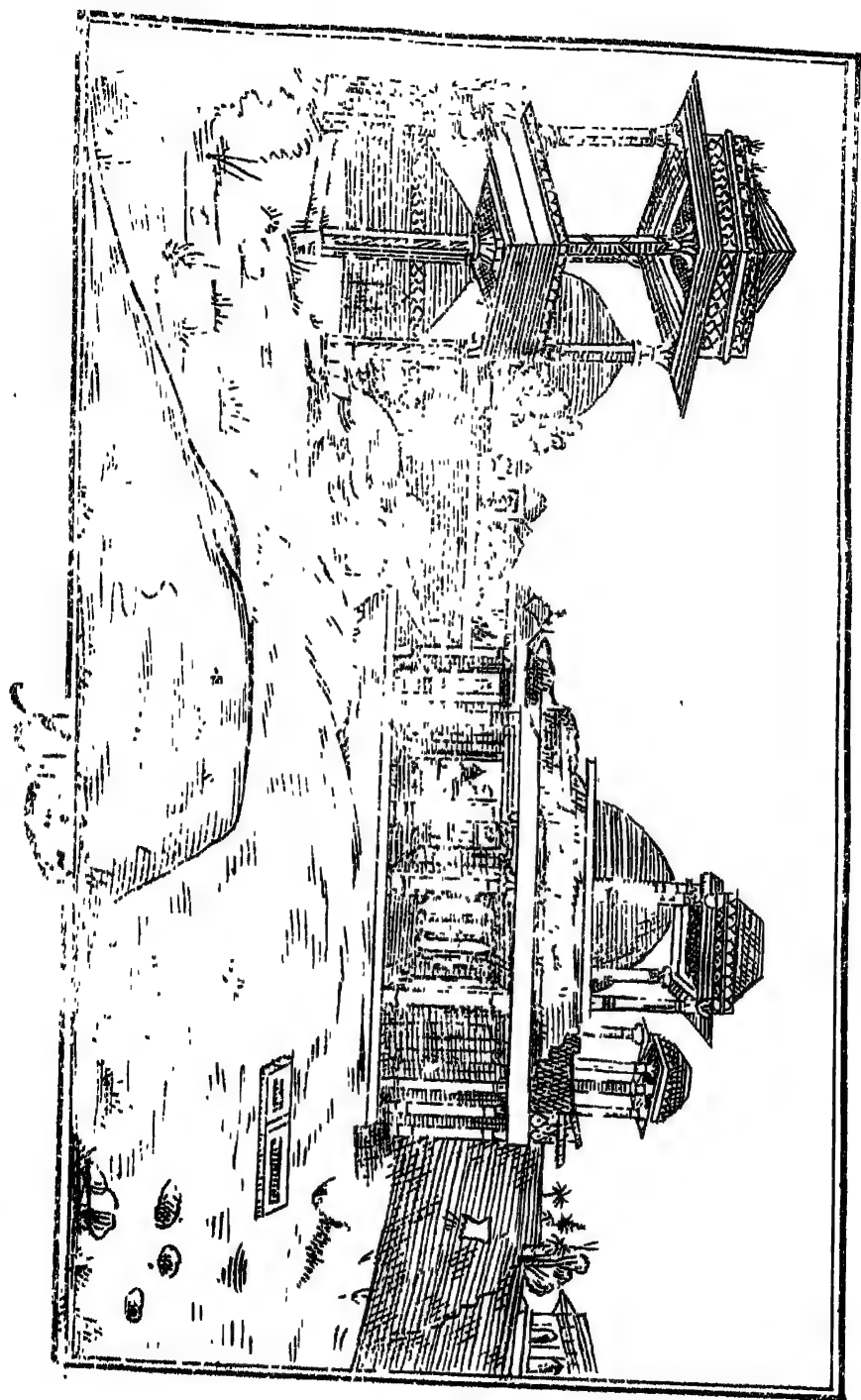
**یا چورستہ گنبد** فہنگ کے اندر ہو۔ جہاں ہمایوں کے

مقبرے اور صفدر جنگ کے مقبرے کو اور دہلی سے متھر کو سڑک جاتی ہے۔ گویہ مقبرہ بہت عالی شان اور چینی کے کام کا ہے مگر کچھ ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ کس کا ہے بعض لوگ سیدوں کا کہتے ہیں جن کا زمانہ ۱۷۷۰ء سے ۱۷۸۰ء تک رہا۔ بعض نرائیلا برج کہتے ہیں اس میں پہلے پولیس کی چوکی تھی اب اسی کے پاس چوکی جداگانہ بن گئی ہے اور مقبرہ خالی کر لیا گیا۔ اس کے گرد ایک وسیع ہشت پہل بختہ چوڑا ہے جس کا ہر ضلع ۲۴۔ ۲۵ لمبا ہے اور چوڑا ۲۴۔ ۲۵ اونچا۔ اور مقبرے کے گرد ۱۹۔ ۲۰ پھیلا ہوا ہے۔ چار سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتے ہیں۔ گنبد نہایت خوش نما اور سڈول بنا ہوا ہے جس کے اوپر اور چاروں طرف روکار پر اور اندر وار کثرت سے چینی کا کام رنگ برنگ کا نیلا۔ سرخ۔ سفید گلکاری کا ہے۔ بہت جھڑ گیا پھر بھی بہت کچھ باقی ہے۔ اندر وار سفید پلاستر کر دینے سے پہلا کام باقی نہیں رہا۔ باہر وار بھی جا بجا سے پلاستر جھڑ گیا ہے۔ صدر محراب کے دو طرفہ چینی پر سبز۔ نیلا۔ سفید۔ زرد کام میں کلمہ کا طغریٰ ہے۔ جس کی چوڑائی ۱۷۔ ۱۸۔ اونچائی ۲۷ اور مقبرے کی بلندی ۲۴ ہے۔ اوپر بھی چار طاقچہ ناکھڑکیاں ہیں۔ قبر خام ہو صرف چونا پھیر دیا ہے۔ اور اندر کا فرش بھی بچا ہے۔ زینہ مشرق کی جانب ہے جس میں ۲۴ سیڑھیاں ہیں۔ چوڑے پر متعدد قبریں ہیں اور گردنیم کے درخت لگے ہوئے ہیں جو قدیم نہیں ہیں۔

دہلی سے جو سڑک آتی ہے جہاں یہ ہمایوں صفدر جنگ ایک چھوٹی سی مسجد روڑے سے ملتی ہے اور چوراہہ ہو جاتا ہے اس کو منے پر سیدوں کے مقبرے کے سامنے ایک چھوٹی سی

تین گنبدوں اور تین دروں کی بختہ مسجد دہلی کی سڑک سے لگی ہوئی بائیں طرف ہے۔ اس مسجد میں کوئی خاص بات تذکرے قابل نہیں ہے اس کا کوئی خاص نام ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے قریب ہمایوں کے مقبرے سے جو سڑک صفدر جنگ کے مقبرے کو جاتی ہے چوراہے

بارہ کھمبا متصل درگاہ  
حضرت نظام الدین





ذرا ہٹ کے یہ ایک پرانی عمارت ہو جس کے بیچ میں ایک بڑا گنبد ہو اور چاروں  
 کونوں پر چار گنبد یاں ہیں۔ یہ عمارت پہلے مربع دو فیٹ کر سی دار چوبہ طرح پر  
 بنی ہوئی ہو۔ جس کے گرد ایک چوڑا توڑے دار چھجہ ہو۔ جس کے ہر چار  
 طرف تین تین بڑی محرابیں تھیں۔ ان چوڑی ہیں اور ایک ایک محراب پہنے  
 بائیں کونے پر تھیں۔ ان عریض ہیں۔ غلام گردش تھیں۔ ان چوڑی ہو غلام گردش  
 چھوڑ کر اندر وار اصلی عمارت میں چاروں طرف تین تین در ہیں اور اسی وجہ سے  
 بارہ کھمبا مشہور ہو یہ حصہ تیسرا۔ ان مربع ہو۔ اور اسی پر بڑا گنبد ہو۔ غلام گردش  
 ہر چار طرف قلمدان نالداؤ کی چھت اور کونوں پر ایک ایک گنبدی ہو۔ ستون  
 سب سنگ خارا کے ہیں۔ عمارت پتھر چوڑے کی ہو۔ گنبد کے اندر  
 چھت پر کسی زمانے میں چینی کا کام تھا جس کے نشان اب بھی باقی ہیں۔  
 بیچ میں دو قبروں کے نشان ہیں جو زمین کے برابر ہو گئی ہیں۔ فرش پہلے  
 گچ کا تھا اب گچ اڑ کر صرف روڑی رہ گئی ہو۔ سر سید نے آثار الصنادید  
 میں لعل محل کے ضمن میں اس کا ذکر کیا ہو اور لکھا ہو کہ بہت ناقص ہو اور  
 دیکھنے کے قابل نہیں مگر دراصل لحاظ استحکام بہت درست حالت میں ہو  
 سارا کام پتھر کا ہو کہیں سے ذرا بھی نہیں گرا۔ اس میں ایک عرصے تک مسجد تھا  
 اب خالی ہو۔ گورنمنٹ کی طرف سے نگہداشت ہوتی ہو۔ نہیں معلوم ہوتا کہ کس  
 مقبرہ تھا۔ دنیاوی نام و نمود پر لوگ مرتے ہیں اور حال یہ ہو کہ جن عمارتوں پر  
 ہزار ہا روپیہ خرچ ہوا اور جو صد ہا سال سے زمانے کے فنا کن ہاتھوں کا مقابلہ  
 کر رہی ہیں پھر بھی کوئی نہیں جانتا کہ اس کا بانی کون تھا۔ طرز عمارت تھلار ہو کہ یہ  
 عمارت پٹھانوں کے وقت کی ہو۔ (۱۵۲۶-۱۵۵۱ء)۔

فیض اللہ خان بنگش کے مقبرے کے ڈھیمے | بارہ کھمبے کے پاس ہی فیض اللہ خان

بالکل ناقص بنا تھا چنانچہ گر پڑا اور سڑک ہالوں صغیر جنگ کے کنارے  
 درگاہ شریف کے سامنے جو ڈھیمے پڑے ہیں وہ اسی کے ہیں۔

لال محل | اب اس محل کا صرف نام ہی باقی رہ گیا ہو ورنہ سوائے

کھنڈر کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ نظام الدین کی بستی کے پاس کسی زمانے میں یہ محل تھا جہاں اب بہت سے ایسے کھنڈر ہیں کہ جن کے تاریخی حالات صحیح طور پر کچھ معلوم نہیں ہوتے۔ مسٹر کیسل کی یہ رائے محض عام رائے پر مبنی ہے کہ ”شاہانِ غلجی نے اس نام کا محل بنوایا تھا اور ظن غالب ہے کہ علاء الدین غلجی کا بنایا ہوا ہے۔“ اب محل کا تو کہیں پتہ نہیں۔ ساٹھ ستر برس کے اول تو کچھ تھا۔ غلجی وہ رہا سہا بھی مٹ مٹا گیا۔ شہر میں بہت سی نئی عمارات بننے لگیں۔ سنگ سرخ کی مانگ کثرت سے ہونے لگی۔ ال مفت دل بے رحم۔ بے رحم گاؤں والوں کو غیبی خزانہ ہاتھ آیا۔ ڈھسڑی دھسڑی کر کے لوٹا اور من مانے پتھر اکھاڑا اکھاڑ کر لے گئے اور ایک لوٹ بچا دی۔ اب جو کچھ ان لٹیریوں سے بچ رہا ہے وہ صرف ایک گنبد دار حجرہ ہے۔ جس کے چاروں طرف چار چار ستونوں کی برجیاں تھیں۔ اس کے علاوہ ایک بڑا دو منزلہ دالان محل کے وسیع عمارات کے حصہ زیرین میں رہ گیا ہے۔ کچھ شکستہ محرابیں چا بجا کھڑی ہیں۔ جن کی تراش خراش پکار رہی ہے کہ علاء الدین کے زمانے کی ہیں۔ دالان کی بالائی منزل تمام تر سنگ سرخ کی ہے اور اسی وجہ سے ”لال محل“ نام رکھا تھا۔ بالائی منزل بالکل کھلے ہوئے دروازے کا ایک وسیع ہال ہے جس کی شکل بہت سی چھوٹی چھوٹی برجیوں کی سی ہے جن کی چتیں سطحی ڈھلواں ہیں جو گنبد کے اطراف تھیں۔ چوٹی پر پونچ کر مکان کی شکل بیضوی ہو گئی ہے۔ عمارت کا طرز اس کے نقش و نگار اور نگل کاری سب قطب صاحب کے ”علائ دروازے“ سے ملتی جلتی ہے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ دونوں عمارتیں قریب قریب ایک ہی زمانے کی بنی ہوئی ہوں گی اور یہی بڑی وجہ ہے کہ اس خیال کی بجائے ہم اس عمارت کو علاء الدین غلجی سے منسوب کرتے ہیں۔ اکبر یا چانگیر کے عہد میں اس محل میں کچھ کچھ ترمیم بھی کی گئی تھیں لیکن اس بات کا پتہ چلا کہ زمانہ مابعد میں کیا کیا رد و بدل ہوئے ہیں کیونکہ اس عمارت ہی کی وہ حیثیت نہ رہی جو پہلے تھی اور اب تو بالکل ایک تباہ حالت میں ہے۔ یہ محل کو شک لال بھی کہلاتا ہے اور بارہ کھمبے کے پاس ہے۔ پہلے کیسا تھا ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ موجودہ حالت یہ ہے کہ ایک مختصر سی عمارت ستر پانچ سرخ کی مٹی رہ گئی ہے جس کے بیچ میں ایک پست اور پھیلا ہوا گنبد ہے اور چاروں طرف دو منزلہ سے ڈھکیچے حجرے اور تہ خانہ ہے۔ تمام ستون سنگ سرخ کے ہیں غریب لوگ ستے وغیرہ رہتے ہیں

جنھوں نے خوب پیٹ بھر کے بھاڑا اور خراب کیا ہو۔ قرینہ دال ہو کہ لال محل کا یہ کوئی بچا کچھا حصہ رہ گیا ہو۔ اس کو اس عالی شان محل کا ایک نمونہ سمجھئے اور اسی پر سے اس کی سابقہ حالت کا بھلی تصور اپنے ذہن میں کر لیجئے۔ لال محل کے دروازے کا حصہ جو اب باقی ہو وہ یہ ہو کہ صرف ایک چوبیل پھتری بُرجی ہو۔ اہم مربع شمال رو یہ کھڑی ہو۔ چار ستون سنگ خارا کے ہیں چھت میں پتھر کی سلوں کا پٹاؤ کر کے اس کے اوپر سنگ سرخ کی ایک خوش قطع بُرجی بنادی ہو یہ دروازہ ڈیوڑھی دار تھا۔

**ایک نامعلوم گنبد** لال محل سے ملا ہوا ہو ایک چھوٹا سا گنبد دروازے کے کھڑا ہو جس پر رنگ کا کھنکھابا اب بھی کہیں کہیں اس کام کی سرخی نظر آتی ہو۔ محراب کے دو طرفہ کلمہ طیبہ کا طعنی ہو۔

ستے رہتے ہیں جنھوں نے اندر سے سارا گوبر سے لپ ڈالا ہو اور اس لپائی کی ایسی تہ پر نہ چڑھ گئی ہیں کہ جیسے چاندبر میں چھپ جاتا ہو۔ اہلی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی۔ دروازہ صرف ایک ہی مشرق رو ہے جو اسے بھی چن کر چھوٹا کر دیا ہو۔ اندر پکا پکا کر گنبد کی چھت کو آبنوس کی چھت بنا دیا ہو۔ اندر تین قبریں ہیں جن کا صرف نشان رہ گیا ہو۔ بسنے والوں نے اپنے آرام کے بیٹے قبروں کو توڑ پھوڑ کر سطح ہموار کر لی ہو کیوں کہ تہر کا آرام و سائش میں خلل نہ آتا تھا۔

**حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین** تنظیم نظام ملت دیں، کا قبا کمال شد رخ او اولیا محبوب الہی قدس سرہ العزیز کے حالات و زہید و زبلی معروضہ یا و گارایت ذات نسخہ او

آپ شہر دہلی کے لقب سے نامور اور بابر امت اہل اللہ میں جس کا شہرہ چاروں عالم میں ہو اور بادشاہ کے آنا زمانہ گزرا مگر آج بھی لوگوں کو آپ کی ذات اقدس سے وہی عقیدت ہو جو پہلے تھی۔ آپ کا نام نامی واسم گرامی محمد بن احمد بن علی بنجاری ہو اور سلطان المشائخ۔ نظام الدین اولیا اور محبوب الہی کے لقب سے مشہور ہیں۔ دلی والے عموماً سلطان جی ہی کے مختصر پیارے لقب سے پکارتے ہیں۔ آپ کے دادا صاحب کا نام خواجہ علی بنجاری اور نانا صاحب کا نام خواجہ عرب ہو۔ یہ دونوں بزرگوار نہایت متقی پرہیزگار صاحب علم و حلم و کرم و اخلاق حسنہ و اوصاف مرضیہ تھے اور علما و اس کے دنیاوی ثروت و حشمیت سے بھی مالا مال تھے اور یہ دونوں بزرگوار چچا زاد بھائی تھے اور آپس میں غایت درجہ کی محبت تھی چنانچہ اسی قرابت اور محبت کے باعث جو سید علی کے صاحبزادے خواجہ سید احمد حضرت کے والدین

جو ماوراء وادی تھے) کی نسبت حضرت خواجہ سید عرب (آپ کے نانا) کی صاحبزادی  
 حضرت بی بی زینحاسے قرار پائی اور نکاح منعقد ہوا۔ آپ کا سلسلہ حضرت امیر المومنین امام حسین  
 بن علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے آپ طرفین سے صحیح النسب سید حسنی تھے۔  
 وطن اصلی آپ کا شہر بخارا تھا متوطن شہر غزنیں کے تھے۔ اور آپ کے آبا و اجداد  
 آخر بحسب مشیت الہی حضرت سید علی اور سید عرب بخارا منتہی ہجرت کر کے  
 مع اپنے اہل و عیال کے ملک ہندوستان کے شہر لاہور میں تشریف لائے  
 اور چند روز بعد وہاں سے بدایوں آئے جو اُس زمانے میں نہایت با عظمت  
 اور مرکز علمائے اسلام و صوفیائے کرام تھا اور یہیں کی سکونت اختیار کی حضرت  
 خواجہ سید احمد برٹے عالم متحر اور فاضل اجل اور نہایت صاحب امانت رہا  
 تھے۔ بادشاہ وقت نے آپ کی کرامت اور بزرگی اور علم و دیانت کا شہرہ  
 سنا اور آپ کو شہر بدایوں کی تضارعت پیش کی مگر چون کہ امور دنیاوی کی طرف  
 آپ کا میلان خاطر نہ تھا اور خلوت اور گوشہ نشینی پسند طبع تھی آپ نے تضارعت  
 قبول نہ فرمایا بادشاہ کے تقاضے سے مجبوراً چند روز کے واسطے یہ خدمت  
 قبول کی بعد ازاں کنارہ کشی اختیار کی اور بالکل گوشہ نشین ہو کر تلقین و ہدایات عامہ  
 خلافت میں مصروف ہو گئے۔ ۵۵۰ ہجری چھ سالہ میں آپ نے داعی اجل کو  
 لبیک کہا اور بدایوں میں لب تالاب ساغر مدفون ہوئے۔ مزار پاک آپ کا زیارت  
 خاص و عام و حاجت ردا سے خلق ہے۔ حضرت سلطان المشائخ کی ولادت ۸۷۲  
 صفر المظفر ۱۱۳۲ھ روز آخری چار شنبہ وقت صبح صادق ہو۔ آپ کا سن شریف  
 پانچ ہی سال کا تھا جب یتیم ہو گئے۔ بادشاہ وقت نے بیپاس ادب حضرت  
 کے والد ماجد کے آپ پر مناصب آبائی بحال و برقرار رکھے اور ایک عالم وقت کو  
 آپ کا نائب مقرر کیا۔ سلطان المشائخ اگرچہ اُن دنوں کم سن تھے مگر بحکم مَنْ  
 سَعَدَ سَعَدَانِي بَطْنِي اَمِيْلُ اُس عہد سے انکار اور کراہت کرتے تھے جب  
 آپ پڑھنے کے لائق ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو مکتب میں  
 بٹھا دیا آپ نے تھوڑے ہی عرصے میں قرآن شریف حفظ کر لیا بارہ  
 سال کی عمر تھی کہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے اوصاف سن کر آپ بہت

گر ویدہ ہو گئے اور تحصیل علوم میں مصروف و منہمک رہے مگر شیخ کا خیال نگار کا  
مولانا علامہ الدین علیہ الرحمہ اصولی بدایونی سے قدوری تمام کی اس کے بعد  
مع اپنی والدہ اور ہمیشہ کے بغرض حصول علم دہلی تشریف لائے شمس الملک  
سے جو صدر ولایت مانے جاتے تھے اور بسا بزرگ تھے۔ مقامات حریری  
جو علم ادب کی ایک نہایت مستند اور بیخ کتاب ہی پڑھی۔ اور چودہ سال کی عمر  
میں علوم عقلی و نقلی کے حصول سے فراغ حاصل کیا۔ آپ پڑے ذہین اور  
تیز طبع اور دانش مند تھے کہ علماء نے آپ کو مولانا نظام الدین تاج محل  
شکن خطاب دیا۔ علم تفاسیر و احادیث و ہیئت و ہندسہ و فقہ و اصول میں متنگاہ  
کامل حاصل کی اور علم حدیث مولانا کمال الدین سے جو اس زمانے کے بڑے  
محدث تھے حاصل کیا۔ رات دن علم کا ہی مشغلہ رہتا تھا۔ شیخ نجیب الدین  
متوکل سے صحبتیں رہتیں اس کے بعد ابو دھن تشریف لے گئے شیخ فرید الدین  
گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے قرآن شریف کے چھ پاروں کی تجوید کی  
عوارف کے چھ باب سناے اور سند لی۔ تہذیبی الشکور سالی وغیرہ پڑھیں  
پھر بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت کی والدہ ماجدہ نے بھی تھوڑے  
عرصے کے بعد ۳۰ رجمادی الاولیٰ (سنہ نامعلوم) میں بمقام دہلی انتقال کیا  
اور حضرت شیخ نجیب الدین متوکل برادر حقیقی حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر  
رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں جس مکان میں کہ رہتی تھیں مدفون ہوئیں اور  
یہیں حضرت بی بی نور اور بی بی حور و خیران حضرت شیخ شہاب الدین  
عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا مکان تھا یہ دونوں بیبیاں بھی یہیں مدفون ہیں  
چنانچہ عام طور پر بی بی نور ہی کا آستانہ مشہور ہے جو حضرت قطب صاحب کی دکان  
سے ایک میل ورے اس سڑک پر واقع ہے جو دہلی سے مہرولی کو جاتی ہے۔  
یہ آستانہ موضع آدمہ چینی میں واقع ہے جو جاٹوں کی بستی ہے اور مسلمانوں کا نام یہاں  
نہیں ہے بہ شکل تمام جاٹوں کے دخل سے ان آستانوں و نیز آستانہ شیخ  
نجیب الدین متوکل کو ایک بڑے احاطے میں محصور کر دیا گیا جس میں ایک  
قدیم مختصر سے قناتی مسجد اور ہاؤلی بھی ہے۔ حضرت کی والدہ ماجدہ کو اپنے شوہر کی

وفات کا حال عالم روایا سے معلوم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ہر وقت مغموم رہتی تھیں اور اُن کی اطاعت اور ناز برداری کا بڑا اہتمام فرماتی تھیں اور کھانے پینے کی ہر ایک چیز جو حضرت کے مرغوب طبع ہوتی آپ کو کھلاتیں پلاتیں۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب آپ کی والدہ ماجدہ کی وفات کا وقت آیا تو چند روز آپ بیمار رہیں۔ کھانا پینا یک نخت چھوڑ دیا۔ اور ہر وقت آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دسیا اُٹا چلا آتا تھا ہمہ وقت اشکبار رہتی تھیں۔ مرض الموت میں میں چاند رات کو ماہ نو کے سلام کو حاضر ہوا اور حسب عادت قدمبو سی کی تو میری طرف بچشم پر خم متوجہ ہوئیں اور کہا کہ ”آج چاند رات ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ ”جی ہاں“ کہنے لگیں کہ ”اگلے مہینے کی چاند رات کو کس کے پاس آؤ گے اور تمہیں پیار کی نظر سے دیکھنے والا کون رہے گا؟“ یہ سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ والدہ صاحبہ کی وفات کا زمانہ قریب آ گیا۔ میرے دل پر سخت چوٹ لگی اور اس صدمے سے میری حالت متغیر ہو گئی اور ذرا تھارور و رکے عرض کی کہ ”ای محرومہ جہاں! مجھ غریب بے چارے کو کس پر چھوڑ چلیں؟“ فرمایا کہ ”اس کا جواب میں تم کو کل صبح دوں گی اب رات کو تو تم شیخ نجیب الدین متوکل کے مکان میں جا کر سو ہو، چنانچہ اُن کے ارشاد کے موافق میں وہاں جا کر لیٹا مگر نیند کسے آ سکتی تھی ساری رات تڑپ تڑپ کر گزار دی۔ صبح ہوتے ہی خادمہ بلا نے آئی۔ اس نے کہا کہ رات کو جلدہ اچھٹی رہیں۔ میں جا کر پیروں میں گرا اور بے اختیار رو کر عرض کی کہ ”میری خوشی تو آپ کی سلامتی میں ہے“ فرمایا کہ ”تم کو یاد ہو کہ تم نے مجھ سے ایک بات کہی تھی اور میں نے کہا تھا کہ تم کو کل جواب دوں گی۔“ میں نے عرض کی کہ ”جی ہاں۔ یاد کیوں نہیں“ فرمایا ”اپنا ہونا ہاتھ لاؤ۔ میں نے ہاتھ پھیلا دیا آپ نے داسٹے ہاتھ میں میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا ”خدا دے! میں اس غریب بے چارے کو تیرے سپرد کرتی ہوں اور یہی ایک کلمہ فرما کر جان بحق تسلیم ہوئیں۔ مجھے اُن کی اس دعا سے ایسی تسکین ہوئی کہ اگر وہ میرے واسطے ایک مکان موتیوں سے بھرا ہوا چھوڑ جائیں جسے بھی یہ اطمینان طلب حاصل نہ ہوتا۔ غرض یہی میں آپ بعد سلطان خیاث الدین بلبن بدایوں

سولہ سال کی عمر میں تشریف لا کر شیخ نجیب الدین متوکل کے ہمسایہ میں فرشتہ ہوئے جو جن اتفاق سے شیخ شیوخ العالم کے بھائی تھے۔ اور تعلیم و تعلم کا مشغلہ رہا۔ مولانا شمس الملک و مولانا امین الدین محدث کی صحبتوں سے فیض اٹھایا اور اسی مشغلے میں تین چار سال گزر گئے ایک روز صبح کے وقت آپ جامع مسجد دہلی میں تشریف لے گئے اور موزن نے منارہ اذان پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی اَلْكَافِرَانِ لِلَّذَيْنِ اٰمَنُوْا اَنْ يَّخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (کیا مومنوں کے واسطے وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ان کے دل ذکر الہی کے واسطے جھک جائیں) اس آیت کو سنتے ہی آپ کی حالت متغیر ہو گئی اور تمام امور دنیاوی سے دست کش ہو کر ہمہ تن توجہ الی اللہ ہو گئے۔ ہر طرف سے انوار الہی کی تجلیاں آپ پر ہونے لگیں اور بیعت کی خواہش ہونے لگی۔ اُس وقت دہلی میں شیخ نجیب الدین متوکل سے بڑھ کر کوئی بزرگ نہ تھا آپ نے اُن سے مرید ہونے کی درخواست کی انہوں نے فرمایا کہ اس زمانے میں دو بزرگ معتقد اے عصر ہیں ایک حضرت شیخ بہا الدین ذکریا ملتانی دوسرے قطب العالم حضرت شیخ فرید الحق والدین مسود گنج شکر اجدہنی (پاک پٹن شریف) ان دونوں میں سے جس کے چاہو مرید ہو جاؤ۔ آپ کو اس قدر شوق کا غلبہ تھا کہ دوسرے ہی دن بغیر زاد راہ آپ اجدہن کو روانہ ہوئے بسبب آپ قبضہ سرسہ میں پوسٹچے تو وہاں دور راستہ بچھوٹے ہیں ایک ملتان کو اور دوسرا اجدہن کو آپ تین دن وہاں اس راہ میں مقیم رہے کہ کدھر جاؤں تیسری شب کو آپ کو بشارت ہوئی اور آپ اجدہن کی طرف چلے چنانچہ آپ ۱۵ رجب المرجب ۱۰۵۵ھ کو اجدہن پوسٹچے اور بعد نماز ظہر آپ حضرت شیخ شیوخ العالم کے حضور میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے آپ کی صورت دیکھتے ہی چند قدم استقبال فرمایا اور سلام میں سبقت کی اور السلام علیکم کہہ کر یہ شعر پڑھا:

اے آتش فراق دہا کباب کردہ سیلاب اشتیاق تہا نہا خراب کردہ  
آپ نے حضرت شیخ سے بیس سال کی عمر میں سلسلہ خاندان چشتیہ میں بیعت کی۔ حضرت نے آپ کے واسطے چار پائی بچھانے کا حکم دیا۔ آپ نے



مترک ادب سے تامل کیا کہ بڑے بڑے حافظان کلام ربانی و عاشقان  
 و رگاہ رحمانی تو خاک پر سوئیں تو مجھ کو چار پائی پر کس طرح آرام آسے گا یہ خبر  
 مولنا بدر الدین اسحاق کو پہنچی تو انھوں نے مجھے کہلا بھیجا کہ اپنا کہا کرو گے  
 پاشیخ کا فرمودہ بجالاؤ گے۔ میں نے کہا کہ میں تو شیخ کا تابع فرمان ہوں اور میں  
 چار پائی کو آٹا لٹا بچھا کر اس طرح کہ بان زمین سے لگ گئی سو گیا جس سے تعمیل فرمان  
 اور شیخ کا ادب دونوں باتیں حاصل ہوئیں۔ حضرت سلطان المشائخ چاہتے تھے  
 کہ چند دن آپ کی خدمت میں حاضر رہیں مگر آپ کے ہاں عسرت بہت تھی دو دو  
 تین تین دن بلاغذا کے صاف گزر جاتے تھے۔ مولنا بدر الدین اسحاق جنگل سے  
 لکڑیاں لاتے اور شیخ جمال الدین ہانسوی کریل کے پھل جن کو ٹینیٹی کہتے ہیں  
 اور سرکہ میں اس کا اچار پڑتا ہی لاتے اور مولنا حسام الدین کا بیلی پانی لاکر باد پچی  
 خانے کے برتن وصول کرتے اور حضرت محبوب الہی ان ٹینیٹیوں کو ابال کر کچکول  
 میں نکالتے اور اس طرح کا کھانا ہوتا اس پر بھی بعض اوقات نمک میسر نہ ہوتا۔ خانہ  
 کے نزدیک بقال کی ایک دکان تھی حضرت محبوب الہی نے ایک دفعہ اس سے  
 ایک درم کا نمک سے کرکھانے میں ڈال دیا۔ جب حضرت شیخ شیوخ العالم  
 نے نعمہ اٹھایا تو ہاتھ میں لرزہ پیدا ہوا اور نوالہ جوں کا توں ڈال دیا اور پوچھا کہ  
 نمک کس نے ڈالا ہے اور کہاں سے آیا تھا حضرت محبوب الہی فوراً سمجھ گئے  
 کہ قرض کا نمک یہ رنگ لایا ہے میں نے صاف صاف عرض کر دیا فرمایا کہ درویش  
 فاتے سے مر جاتے ہیں مگر لذت نفس کے واسطے قرض نہیں لیتے کیوں کہ  
 قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہی دونوں کا ساتھ نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہی کہ قرض  
 ادا نہ ہوا اور گردن پر رہ جائے پھر وہ پیالے سامنے سے اٹھو ادھیئے اور کہا کہ  
 فقیروں کو دے دو۔ میں وقت ضرورت قرض لے لیا کرتا تھا تب سے توبہ کی  
 کہ کیسی بھی ضرورت ہو قرض نہ لوں گا۔ اس وقت شیخ شیوخ العالم ایک کبیل پر  
 تشریف رکھتے تھے وہ مکمل مجھ کو عنایت فرمایا اور دعا فرمائی کہ انشاء اللہ رحم کو  
 قرض لینے کی ضرورت نہ ہوگی پھر جب سلطان المشائخ رخصت ہونے لگے  
 تو آپ نے چند نصیحتیں فرمائیں کہ اپنے دشمنوں کو جس طرح ہو سکے خوش کرنا



اور جس کسی سے قرض لیا ہو اُس کے ادا کرنے میں سعی کرنا خداوند تمہارا آسان فرمایا ہے۔ آپ شیخ کی حیات میں تین مرتبہ حاضر خدمت ہوئے اور سات مرتبہ بعد وصال شیخ کے وصال کے وقت آپ وہاں موجود نہ تھے اسی طرح شیخ فرید الدین گنج شکر بھی اپنے پیر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کے وصال کے وقت موجود نہ تھے اور وہ اپنے پیر خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمہ کے وصال کے وقت موجود نہ تھے۔ حضرت محبوب الہی نے تمام عمر میں مخصوص اپنی ادقات کے لئے کوئی مکان حاصل نہ کیا۔ بدایوں سے آکر پہلے آپ میاں بازار کی سرائے میں جسے نمک کی سرائے بھی کہتے تھے فروکش ہوئے اپنی والدہ اور بہن کو یہاں بٹھیرا کر آپ اس کے قریب ہی بارگاہ قواس میں جو سرائے کے سامنے ہی تھی رہنے لگے۔ امیر خسرو کا مکان بھی اسی محلے میں تھا۔ پھر چند روز کے بعد رات عرض کے بال بچے چلے جانے سے وہ مکان خالی ہوا چوں کہ رات مذکور امیر خسرو کے رشتے کا نانا ہوتا تھا آپ امیر خسرو کے ذریعہ سے اُس مکان میں جا رہے یہ مکان قلعے کے برج کے متصل مندر دروازے اور پل سے ایسا ملا ہوا تھا کہ قلعے کا ایک برج اس مکان کے اندر آگیا تھا۔ اس مکان کی عمارت نہایت وسیع و بلند تھی۔ سید محمد کرمانی صاحب سیرالا و لیاء کے جد بزرگوار جب اجداد دھن سے مع اہل و عیال کے تشریف لائے تو وہ بھی آپ کے ساتھ اسی مکان میں رہے۔ اس مکان کی تین منزلیں تھیں۔ نیچے کی منزل میں سید محمد کرمانی کے اہل و عیال رہتے تھے۔ درمیانی منزل میں حضرت محبوب الہی اور اوپر کی منزل آپ کے احباب کے واسطے تھی اور وہیں کھانا بھی پکاتا تھا۔ صاحب سیرالا و لیاء کے والد کہتے ہیں کہ اُن دنوں سوائے میرے کہ میں کم عمر تھا اور ایک حضرت کے زیرِ فرید غلام بشار نام کے اور کوئی خادم آپ کے پاس نہ تھا۔ کھانا پکانے کی خدمت میری والدہ کے سپرد تھی اجداد حضرت محبوب الہی کے پیر بہن تھیں اور میرے باپ کھانا کھلاتے تھے اور باقی خدمات جیسے وضو کرانا اور بیت الاخلاص ڈھیلے رکھنا وغیرہ میں انجام دیتا تھا۔

دو برس کے بعد رات عرصہ کے بال بچے واپس آ گئے اُس نے سخت  
تقاضا کر کے مکان خالی کرالیا حضرت کو اتنی مہلت بھی نہ دی کہ دوسرا مکان مل جاتا  
آپ کے پاس سوائے کتابوں کے اور کوئی سامان نہ تھا وہ میں نے اپنے  
سسر پر لیں اور چھپر دار کی مسجد میں جو سراج بہتال کے گھر کھائے تھے لے گیا۔  
حضرت نے شب اسی مسجد میں کائی اور سید محمد کرمانی کے اہل و عیال مسجد کی بلینز  
میں پڑے رہے۔ قدرت خدا کی دیکھئے کہ اسی رات رات کے مکان کو  
آگ لگی اور اہل بھلا کر زمین مسکے، ابر ہو گیا۔ دوسرے دن سید کا غدی سنہ جو حضرت  
شیخ صدر الدین کے مرید تھے یہ ابر تو رانا اور حضرت کو بڑی خبر و اطلاع کے ساتھ  
اپنے مکان میں لے گئے اور کوٹھے پر ایک وسیع و خوش نام کرد بنا ہوا تھا اُس  
میں اتارا اور سید محمد کرمانی کے واسطے دوسرا مکان خالی کروا دیا آپ ایک مہینے  
اس مکان میں رہے اور پھر یہاں سے اٹھ کر سرے رکاب دار میں جو پل قیصر  
کے پاس ہو قیام کیا۔ اس سرے کے کونے میں ایک محفوظ مکان تھا جس میں آپ  
رہتے تھے اور حضرت کرمانی کے اہل و عیال بھی اُسی سرے کے ایک حجرے  
میں بسر کرتے تھے۔ پھر ایک مدت کے بعد یہاں سے بھی اٹھ کر محمد بیوہ فروش  
کی دکانوں کے پاس شادی گلابی کے مکان میں جا رہے مگر شمس الدین شریدار کے  
اقربا نے جو حضرت کے مرید و معتقد تھے آپ کو یہاں نہ رہنے دیا اور بڑے  
اسرار سے شمس الدین کے مکان میں لے گئے اور اس مکان میں بہ متعلقہ  
دوسرے مکانوں کے آپ کو نیا دو آرام ملا اکثر احباب جو اوجو دھن سے  
آتے اسی مکان میں اترتے۔ اسی محلے میں ایک بزرگ صاحب نعمت خواجہ  
محمد تعلین دوز بھی رہتے تھے ہمیشہ ان کی انگلیاں چرے کے رنگ سے  
رنگین رہتیں ایک دفعہ انھوں نے حضرت کی مع چند احباب کے دعوت کی۔  
کچھ چڑھی پکائی تھی اُس میں اتفاقاً نمک تیز ہو گیا لوگوں نے مذاق اڑانا شروع کیا  
آپ نے فرمایا ”یارو کچھ نہ کھوان عزیز کے گھر میں قدرے نمک تھا وہی انھوں  
نے پکا کر تمہارے آگے رکھ دیا“ آپ جس جس مکان میں رہے کرمانی صاحب  
کے اہل و عیال آپ کے ساتھ رہے۔ ابتدائے زمانہ قیام دہلی میں آپ کا ارادہ

شہر میں رہنے کا مطلق نہ تھا چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ قلعہ خاں کے حوض پر ایک دن آپ نے ایک درویش صاحب حال کو ذکر و اذکار میں مشغول پایا۔ نو دیک جا کر پوچھا کہ کیا آپ اسی شہر کے رہنے والے ہیں انھوں نے کہا ”ہاں“ پھر آپ نے کہا کہ ”کیا آپ اپنی خوشی سے یہاں رہتے ہیں؟“ انھوں نے کہا گوں ایسا شخص جو اس شہر اور ایسے ازدحام میں خوشی سے سکونت اختیار کرے پھر ان درویش نے کہا کہ ایک دفعہ میں نے دروازہ کمال کے باہر نظیرہ شہیدا میں جو لب خندق واقع ہو ایک سبز رنگ ماسک کمال کو دیکھا جنھوں نے فرمایا کہ اگر تو اپنا ایمان سلامت رکھنا اور خدا کی عبادت چاہتا ہو تو اس شہر سے باہر چلا جا کیونکہ یہاں فسق و فجور بکثرت ہو گیا ہوگا حضرت نے اسی وقت سے شہر سے باہر چلے جانے کا قصد کیا مگر کچھ نہ کچھ موانع ایسے پیش آتے رہے کہ پچیس برس گزر گئے اور یہ فحوائے ”تَقِیْتُ الْمَاءَ آتَمْتُ مِنَ تِیْنِ الْحُلْیَلِ“ (پانی راکب و رانہ) کی قید لوہے کی قید سے سخت تر ہوتی ہی۔ اُس درویش کا یہ کلام سن کر شہر چھوڑنے کا ارادہ منہم کر لیا کبھی دل کہتا تھا کہ بیٹھالی چلا جاؤں کہ ترک (امیر خسرو) بھی وہیں ہیں اور کبھی ارادہ کرتا تھا کہ بسنا لے چلا جاؤں کہ یہ موضع شہر سے کسی قدر نزدیک ہو الغرض بسنا لے گیا اور تین دن وہاں رہا بھی مگر کسی مکان کا بندوبست نہ ہونے سے مجبور اُدا لیں آیا اور اسی تزدو میں تھا کہ ایک دن حوض رانی کے پاس ایک باغ میں جا نکلا جس کو جسرتہ کا باغ کہتے ہیں میں نے وہاں وضو کر کے دو گانہ ناز ادا کیا اور مناجات میں مشغول ہوا کہ ”خداوند! میں اپنے اختیار سے کہیں رہنا نہیں چاہتا جس جگہ میرے دین و دنیا کی خیریت ہو وہیں مجھ کو رکھ“ اسی دعا میں مشغول تھا کہ یکایک آواز غیبی آئی کہ ”تیری جگہ غیاث پور ہو۔“ میں نے نہ کبھی غیاث پور کا نام سنا نہ دیکھا تھا حیران ہوا کہ یہ مقام کس جگہ ہو۔ میں وہاں سے اپنے ایک دوست نیشاپوری کے مکان پر آیا جو نقیب کہلاتا تھا تاکہ اُن سے غیاث پور کا پتہ لگاؤں وہ گھر پر نہ تھے دریافت سے معلوم ہوا کہ وہ غیاث پور گئے ہیں اُن کے آنے کے بعد میں اُن کے ساتھ غیاث پور گیا یہ موضع کچھ آباد نہ تھا نہ کوئی اس کو جانتا تھا۔ بالآخر میں ہمیں رہنے لگا یہاں تک کہ سلطان معز الدین کی قیادت

دریا سے جون (جہنا) کے موضع کیلو کھٹری (کیلو گڈھی) میں محل اور شہر جامع مسجد کی بنیاد ڈالی تو امرار و رؤسا سے نہر کی آمدورفت اس طرف بہ کثرت ہو گئی اور مخلوقات کی مزاحمت و کثرت حاضری سے سیری اوقات میں خلل آنے لگا اس وجہ سے پھر میرا ارادہ یہاں سے چلے جانے کا ہوا اور یہ ارادہ کر لیا کہ وہاں لوگوں کی آمدورفت کم ہو اسی اتنا رہیں ایک نوجوان صاحب جمال نحیف و ناتوان جس کے چہرے سے اتنا رکمال نمایاں تھے والد اعلم مردان غیب سے تھا یا کون تھا میرے پاس آکر بیٹھ گیا اور یہ ابیات پڑھیں ۵

آں روز کہ رہ شدی نئی دانستی کہ انگشت نامے عالمے خواہد شد  
امردن کہ زلفت دل خلقے بر بود در گوشہ نشست نئی دار و سود  
اور پھر کہنے لگا کہ اول تو آدمی مشہور نہ ہو اور جب خدا اسے شہرت دے تو پھر ایسی بات نہ کرے جس سے کل قیامت کے روز خدا کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے واد یہ کیا قوت اور کیا حوصلہ ہو کہ خلق سے جدا ہو کر گوشہ خلوت ڈھونڈ لے  
پھر میں اور مشغول بحق ہوں یعنی یہ کوئی قوت و حوصلہ نہیں ہو بلکہ قوت اور حوصلہ اس کا نام ہو کہ باوجود خلقت کے ہیجوم کے مشغول بحق ہوں۔ یہ سن کر حضرت نے اپنا ارادہ نقل مکان کا فسخ کیا۔ آپ کا وہ مکان جو غیاث پور میں دریا سے جہنا کے کنارے تھا اب تک اچھی حالت میں موجود ہے جو مقبرہ ہمایوں کے احاطے کی جنوب و مغربی دیوار سے ملا ہوا ہے۔ یہ مکان سفال پوش تھا اور آپ کے مریدین و احقین بھی وہیں رہتے تھے اب اگرچہ اس کا بہت حصہ منہدم ہو گیا ہے مگر خاص حضرت کے تشریف رکھنے کا مکان اور کتب خانہ اور خلوت کا حجرہ جس میں آپ کا وصال ہوا اور یہیں آپ کو غسل میت بھی دیا گیا قائم ہو جس کی کچھ مرمت بھی کرا دی گئی ہے۔

**خانقاہ کی تعمیر** | بہر چند بہت سے امرار اور رؤسا نے خانقاہ بنانے کی اجازت چاہی مگر آپ ہمیشہ منع فرما دیتے تھے یہاں تک

کہ ایک دن عماد الملک ضیاء الدین وکیل نے جو آپ کے مریدان خاص میں سے تھے خلوت میں عرض کی کہ میری تمنا یہ ہے کہ جناب کے لئے اس جگہ خانقاہ تعمیر کرائوں حضرت نے اجازت دی تب انھوں نے خواجہ اقبال ملازم اور

سید حسن سے جو سید محمد کرمانی کے فرزند کلاں تھے اور بہت پیش پیش تھے سفارش کرائی اور نہایت عاجزی اور منت سے خواستگاری کی تو حضرت نے فرمایا کہ ”اے ضیاء الدین اس میں ایک راز ہی جس سبب سے میں اجازت تعمیر خانقاہ کی نہیں دیتا اور یہ ہو کہ جو کوئی اس زمین پر عمارت بنائے گا زندہ نہ رہے۔“ ضیاء الدین نے یہ سن کر زمین خدمت کو بوسہ دیا اور کہا کہ ”مجھ کو بہ مقابلہ حضور کے آرام و سائش کے اپنی زندگی عزیز نہیں ہو۔ میں اگر زندہ نہ رہا تو کچھ ہرج نہیں ذاتِ ابہر کات حضرت کو خداوند عالم دیر گاہ مسلمانوں کے سروں پر سایہ نکلن رکھے تا فلاح کونین و سعادت دارین ہم سب کو نصیب ہو۔ تعمیر خانقاہ کی اجازت مجھ کو ضرور ملنی چاہیے“ ناچار آپ نے فرمایا ”خیر جب تم اپنی موت خود اختیار کرتے ہو تو تم جانو لیکن یہ ضرور ہو جو کچھ عمارت خانقاہ کے متعلق تم بنانی چاہو وہ سب ایک مہینے میں طیار ہو جائے۔“ ضیاء الدین نے ایسا ہی کیا اور اس عرصے میں آپ موضع کیلو کھری میں جامع مسجد کے قریب رہنے لگے ہر شب جمعہ کو نماز جمعہ کے واسطے آپ تشریف لے جایا کرتے تھے باقی تمام ہفتہ یہیں گزارتے الغرض جب ضیاء الدین کار تعمیر سے فارغ ہوئے تو پارسوا شرفی لگا کر مجلس سماع کا سامان ہیا کیا اور اسی روز حضرت مع اپنے دوستوں اور معتقدین کے خانقاہ میں تشریف لائے اور اسی روز ضیاء الدین کو سماع میں ایسا وجد و ذوق حاصل ہوا کہ حضرت کے زانو پر سر رکھ کر رحمت حق سے وصل ہوئے۔

دم آخر ترے زانو پر جو اپنا سر ہو خوش نصیبی میں ہمارا نہ کوئی ہم سر ہو جب آپ غیاث پور میں رہتے تھے تو فقر فاقے سے از حد تکلیف تھی تین چار فاقوں کے بعد آپ کے ہمراہی شہر میں زنبیل گردانی (دگداگری) کرتے تھے اور جو کچھ روٹی ٹکڑے مل جاتے تھے وہ دسترخوان پر لار رکھتے تھے ایک دن ایک فقیر آن نکلا اور خیال کر کے کہ کھانا کھانے کے بعد یہ ٹکڑے میٹیر سے بیچ رہے ہیں سب سمیٹ ساٹ چلتا ہوا۔ حضرت نے اس کی اس حرکت پر تبسم فرمایا اور کہا کہ ”ہنوز ہم کو بھوکا ہی رکھنا منظور ہو“ الغرض آپ کے

تمام ہمراہی بہت تنگ حال تھے آخر سلطان جلال الدین خلجی کو خبر پہنچی اس نے کچھ تحائف آپ کی خدمت میں گزرا سنے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر مرضی مبارک ہو تو خدمت خانقاہ کے لیے کچھ دیہات نذر کروں تاکہ آپ بہ فراغت عیادت الہی میں مصروف و مشغول رہیں آپ نے بادشاہ کی اس درخواست کو قبول فرمایا خدام نے سن کر تعجب کیا اور عرض کیا کہ حضور ان دیہات کی آمدنی سے پانی بھی نہ پیئیں مگر ہم خدام کی حالت خستہ و تباہ ہو حضرت خاموش رہے اور کہا کہ بیش ازین نیست کہ یہ لوگ تنگ ہو کر چلے جائیں گے تو چلے جائیں مجھ کو کچھ فکر نہیں مگر باں خاص خاص اجاب سے اس باب میں مشورہ ضرور ہو تاکہ ان کا بھی امتحان ہو جائے کہ قبول دنیا کی بابت کیا رائے ہو چنانچہ سید محمد کرمانی اور دیگر مخلصان سے مشورہ کیا کہ دیہات قبول کرنا چاہیئے یا نہیں سب نے بالاتفاق نفی میں جواب دیا آپ ان کی سیر چشمی اور استغناء سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ عوام کی رائے سے مجھے کچھ سروکار نہیں البتہ تم لوگوں کا مجھے خیال تھا سو الحمد للہ کہ تم لوگ نہایت قدم نکلے اور دین کے کام میں میرے مددگار ہو اور دوستوں کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ آپ جب اجودھن چلے گئے تو آپ کے کپڑے بہت میلے اور پھٹے ہوئے تھے بی بی رانی زوجہ سید محمد کرمانی نے آپ سے کہا کہ یہ کپڑے مجھے اتار دو تو میں ان کو دھو کر پیوند لگا دوں۔ آپ نے اسے شرم کے کپڑے نہ اتارے جب انھوں نے بہت اصرار کیا اور سید محمد کرمانی کی لگی دی کہ اسے باندھ لیجئے تب آپ نے مجبور ہو کر کپڑے اتارے۔ اس نیک بخت بیوی نے کپڑوں کو دھو کر کرتے میں گریبان کے پاس سید محمد کرمانی کی دستار میں سے کپڑے لے کر پیوند لگایا اور آپ نے بڑے شکر سے اسے لے لیا اور آخر عمر تک ان کا سلوک یاد رکھا اور سید محمد کرمانی پر بے حد عنایت فرماتے رہے۔ حضرت خود فرماتے تھے کہ میں شہر دہلی کے دروازے کے پاس رہتا تھا تو نہایت حیران و پریشان تھا کہ میں بے چارہ کہاں اور معرفت الہی کہاں۔ میں اس لائق نہیں ہوں کہ اس نعمت سے عزت پاؤں آخر حضرت شیخ رساں کے

روشنے میں چلے گئی کی کہ مقبولان بارگاہ الہی میں میرا بھی شمار ہو۔ روشنے میں  
 اہلی کا ایک خشک درخت تھا اس چلے میں وہ ہرا ہو گیا۔ میں نے شیخ کے مزار  
 کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کی کہ یا شیخ ان چالیس دنوں میں درخت کی حالت  
 پلٹ گئی مگر میری حالت میں کچھ بھی فرق نہ ہوا یہ کہہ کر میں نے گھر کی راہ لی  
 راہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ افتاب خیزاں چلے آ رہے ہیں میں نے  
 جانا کہ کوئی مست ہیں میں کتر کر ہٹ گیا وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور جہر  
 میں تھا اُدھر ہی آئے اور مجھ سے بغل گیر ہوئے۔ اُن کے بدن سے  
 مجھے عطر و عنبر کی خوشبو آنے لگی اور میں سمجھ گیا کہ ہونہ ہو یہ شیخ رہاں ہیں۔  
 اُنھوں نے فرمایا کہ ”ای صوفی تھارے سینے سے محبت باہی تعالیٰ  
 کی خوش بو آتی ہے اور یہ کہتے ہی میری نظر سے غایب ہو گئے۔ میں سمجھ گیا  
 کہ انشاء اللہ تعالیٰ ضرور محبت و معرفت الہی مجھ کو حاصل ہوگی کیوں کہ شیخ نے  
 میرے حق میں ایسا ہی فرمایا ہے۔ ایک دفعہ ایک کیمیا گر آپ کی خدمت  
 میں ایسے زمانے میں آیا کہ فقر و فاقے کا اشتداد تھا اُس نے کہا میں  
 صنعت ذہبی یعنی سونا بنانا جانتا ہوں اگر حکم ہو تو بنا دوں تاکہ یہ صنعت برفع ہو  
 آپ بہتسم ہوئے اور فرمایا کہ ”ای عزیز مجھے اُس سے کام ہو نہ ذہب سے۔  
 ذہابی الی اللہ یعنی میرا جانا خدا کی طرف ہے اور اس کے سوا باقی ہوس ہے۔“  
 آپ جب خستہ حالی میں اجود صحن گئے تو آپ کے کپڑے بہت فرسودہ  
 تھے آپ کے ایک دوست نے یہ حال دیکھ کر کہا کہ ”مولانا آپ کا کیا  
 حال ہو گیا اگر اتنی مدت آپ دہلی میں تعلیم و تعلم کرتے تو مجتہد زمانہ ہو جاتے  
 اور مال و متاع بے حساب ہوتا ہو جاتا۔ آپ نے کچھ جواب نہ دیا اور مغرت  
 کر کے اپنی راہ لی۔ حضرت شیخ الشیوخ نے آپ سے پوچھا کہ ”اگر تمہارا  
 کوئی دوست تمہاری یہ حالت دیکھ کر پوچھ بیٹھے تم کیا جواب دو گے“  
 آپ نے فرمایا کہ ”جو حضرت کا ارشاد ہو، حضرت شیخ الشیوخ نے فرمایا۔  
 نہ ہر ہی تو میرا راہ نہیں گزرتا۔“  
 اس سعادت بادا مرا نگوں ساری  
 حضرت نے ایک خوان کھانے کا مجھے دیا کہ لویہ اپنے دوست کے پاس



لے جاؤ۔ وہ سرائے میں اترے تھے میں خوان لے کر پوچھا۔ انہوں نے دیکھتے ہی پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ میں نے کہا میرے شیخ نے آپ کے لئے کھانا بھجوا دیا اور بات تم سے ہے۔ بہت لمبی تھی آپ نے نور باطن سے معلوم کر لی پھر میں نے وہ بیٹہ جو آپ کو بھی گئی پڑھی۔ یہ سنتے ہی وہ شیخ کی خدمت میں سر اخلاص کے بل آئے اور قدموں کی کر کے بیعت و ارادت سے مشرف ہوئے حضرت شیخ مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلی قدس سرہ سے منقول ہے کہ حضرت محبوب الہی صائم الدیر تھے اور ناز جمعہ کے واسطے غیاث پور سے جامع کیلکھڑ میں جو سلطان محمد بن بک قبیلہ نے بنائی تھی اور خادمہ پرست ایک کو رکھا تھا پیرا جاپا کرتے تھے اگر سیوس کے تھے دن اور لوچل رہی آپ حضرت نور الدین ملک یار پتہ ان کے مزار کے قریب سے گزرے تو آپ کو کثرت تمازت آفتاب سے چکر آ گیا۔ کیوں کہ آپ روز سے بھی تھے یہ عجوبہ ہی وہیں ایک کان پر ملک گئے اور دل میں خیال آیا کہ اگر کوئی ساری جوتی تو کیا اچھا ہوتا سعا آپ نے یہ بیٹ پڑھی۔

ما قدم از سر کنیم در طلب ستار  
راہ بجائے نیرہ ہر کہ با قدم رفت  
اور اس خطرے کے تو یہ کی۔ دوسرے دن حضرت نور الدین ملک یار پتہ کے ایک مرید نے رات کو اپنے مرشد کو خواب میں دیکھا اور ان کے ایام کے موافق ایک گھوڑی نذر دینے کو لائے مگر آپ نے نہ لی دوسرے دن پھر وہ تشریف لائے اور کہا کہ ”میرے مرشد کا تاکید ہے کہ یہ گھوڑی آپ کی نذر نہ کروں آپ نے فرمایا کہ تمہارے شیخ کا حکم ہے اگر میرے شیخ کا چھ کو حکم ہو تو میں قبول کروں“ تیسرے دن پھر وہ گھوڑی لے کر آئے کیوں کہ ان کے مرشد نے کہا تھا کہ سہ بارہ پھر سے جاؤ وہ ضرور قبول کر لیں گے کہ ان کے شیخ نے بھی ان کو اشارہ کر دیا ہے۔ آپ نے اس دفعہ گھوڑی لے لی فرماتے ہیں کہ اُس دن سے میرے اطمینان میں گھوڑیوں کی کمی نہیں رہی اور پھر میں نے وہ گھوڑی اپنے بھانجے خواجہ محمد کو دے دی۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ ابتدائی زمانہ قیام غیاث میں آپ بہت تنگ دست تھے فاقے پر فاقے ہوتے تھے۔ سب سے



پہلے دو شخصوں نے آپ سے خلافت حاصل کی ایک مولانا برہان الدین غریب جن کے نام پر شہر برہان پور آباد ہے اور جن کا مزار مبارک ملک دکن میں بھام خلد آباد ہے اور دوسرے مولانا کمال الدین یعقوب جن کا مزار ملک گجرات میں شہر پٹن میں حوض شمس لنگ کے نزدیک ہے۔ الغرض یہ دونوں صاحب مجاہدہ و ریاضت میں مشغول تھے کہ برابر کڑا کے گزر گئے کچھ نہ ملا۔ حضرت کے پڑوس میں ایک ضعیفہ رہتی تھی جو حضرت سے بہت ارادت رکھتی تھی اور چربخاکات کر گزارا کرتی اور نان جو بے نمک کھاتی۔ یہ بڑا ہیادہ سیر آٹا جو کا آپ کی خدمت میں لائی آپ نے مولانا کمال الدین سے کہا کہ اس آٹے میں پانی ڈال کر چھٹے پر چڑھا دو شاید کسی جہان کو پہنچ جائے۔ ہنڈیا جو سٹھے پر کھد بد پکے ہی تھی کہ ایک فقیر کمل پوش آیا اور کہا کہ کچھ حاضر ہو تو لاؤ آپ وہ پکتی ہوئی ہنڈیا خود آتار کر لائے۔ فقیر نے ویسی ہی گرم گرم کھالی اور ہنڈیا آپ پکڑے کھڑے رہے چلتے وقت فقیر نے ہنڈیا کو پھینک دیا جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور کہا کہ ”شیخ فرید نے تم کو نعمت باطنی عنایت کی ہے اس لیے میں نے تمہارے فقر ظاہری کی ہانڈی کو توڑ دیا اور اسی وقت وہ فقیر چل دیا۔ پھر اس کے بعد سے حضرت کی خدمت میں اس قدر فتوحات غیبی اور نذر و نیاز اور شکر اے کی آمد شروع ہوئی کہ حد حساب اور ضبط تقریر سے باہر ہے۔

**آپ کا بذل ایشار** حضرت کے در اقدس پر ہر روز اس قدر فتوحات پہنچتی تھیں کہ جس کا شمار و حساب نہیں لیکن شام تک حضرت سب خرچ کرا دیتے۔ حضرت کا عجب تصرف تھا کہ ہر وقت لینے والوں اور حاجت مندوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ خانقاہ میں لگے رہتے۔ جس روز نقد آتی اور خرچ نہ ہوتی تو خاطر عاطر کو قرار نہ آتا اور بار بار دریافت فرماتے کہ کچھ باقی تو نہیں رہا؟ آپ ہر جمعہ کو خانقاہ کے تمام حجروں میں جھاڑو دلواسنے اور تمام مال و اسباب ہر قسم کا فقرار پر تقسیم کر کے تب جمعے کی نماز کو تشریف لے جاتے۔ اگر کسی بادشاہ کے آنے کی خبر سنتے تو فرماتے ”آہ یہ لوگ کیوں آتے ہیں۔ نہیں چاہتے کہ فقیر آرام سے بیٹھے“ جب آپ کسی کو کچھ

مرحمت فرماتے تو یہ نہ کہتے کہ اتنا دو بلکہ خواجہ اقبال کو ارشاد کرتے کہ ان کو کچھ دے دو اور خواجہ اقبال تھیلی میں ہاتھ ڈال کر ایک مٹھی بھر سکے۔ یہ دیکھتے اس نے کچھ بھی آجائے لینے والے کی تقدیر۔ اُس میں روپیہ ہوا یا شرفیاں۔ یہ تو آپ کی عام داد و دہش کا حال تھا اور جس پر ناخن بخشش فرماتے تو اُس کو مالامال اور فکر دنیا سے مطمئن کر دیتے۔ آج اس کے موافق پر بلا امتیاز نیک و بد شخص کو کھانا اور نقد دی جاتی۔ ابض کو ایک وقت کا کھانا اور ایک روپیہ نقد اور بعض کو اس سے دو چن۔ ملتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ عرس میں خواجہ اقبال (آپ کے خادم خاص) بہتم لنگر خانہ نے خواجہ ابو کے ہاتھ (جو ان کے پیش دست تھے) ایک ناشہ عورت کو ایک وقت کا کھانا اور ایک روپیہ نقد بھیجا۔ اُن کو اُس کا معمول دونوں وقت کا کھانا اور دو روپیہ نقد تھے وہ عورت خواجہ ابو سے لڑنے لگی خواجہ ابو بہ شکل بچھا چھوڑا کر اسے اور خواجہ اقبال سے یہ ماجری کہہ رہے تھے کہ حضرت بالا خانے پر تھے اُن کی آواز سن کر فرمانے لگے کہ ”ابو کیا کہتے ہیں؟“ خواجہ اقبال نے جوابات بھی بلا کم و کاست گوش گزار کر دی۔ آپ مسکرا کر اور فرمایا کہ ”اس عورت کو ایک وقت کا کھانا اور ایک روپیہ اور بھجوا دو کہ وہ سبے چاری غریب ہو۔“ تاسیخ مندی میں لکھا ہے کہ تین ہزار علماء اور فضلاء ملاوہ طالب العلوم اور حفاظ کے اور دوسو وال جو حضرت کے مریدین اور معتقدین میں سے تھے ہمیشہ آپ اُن کے متکفل تھے اور دوسرے لوگوں کا تو کچھ شمار ہی نہ تھا۔ ایک دفعہ حاسدوں نے قطب الدین کے سامنے آپ کی شکایت کی اور بادشاہ کو بہت بھڑکایا کہ حضرت نظام الدین اولیاء آپ کو بہت برا بھلا کہتے ہیں اُن کو ایسا نہ چاہیے کہ فقیر ہو کر سلطان کی غیبت کریں اور پھر امراء نے سلطانی جو اُن کی خدمت میں جاتے ہیں ان تمام باتوں کو سنتے ہیں آخر یہ لوگ جو کچھ نذر و نیاز لے جاتے ہیں وہ بھی تو دراصل سلطانی ہی ہے۔ الغرض اس قسم کی باتیں کر کے بادشاہ کو آپ کی طرف سے بالکل براہم کر دیا اور بادشاہ نے حکم دے دیا کہ خبردار آج سے ہمارے لشکر میں سے کوئی شخص اُن کے پاس نہ جائے نہ ایک جہ اُن کو نذر دے۔ میں دیکھوں تو کہ پھر یہ چل پھل کیسے رہتی ہو اور کہاں سے لنگر جاری رہتا ہو۔ جب آپ نے یہ سنا

تو دسترخوان اور لنگر کو دوچند کر دیا اور ایک تعویذ لکھ کر خواجہ اقبال کو دیا کہ اس کو ایک طاق میں رکھ دو اور جس چیز کی ضرورت ہو بسہم بعد کر کے طاق میں ہاتھ ڈالنا اور نکال لینا۔ جب باہ شاہ نے یہ واقعہ سنا نہایت متعجب اور سخت شرمندہ ہوا۔ حضرت کی خانقاہ کے قریب ایک عورت کنوئیں سے پانی بھرتی تھی۔ آپ نے فرمایا ”اے ماورہربان! تم دریا کے کنارے پر کنوئیں سے پانی کھینچنے کی زحمت کیوں اٹھاتی ہو۔ دریا میں سے بھر لو نا“ عورت نے عرض کی کہ میرا خاوند بہت غریب آدمی ہے اور گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں۔ چوں کہ دریا کا پانی بھوک لگاتا ہے اس واسطے ہم کنوئیں کا پانی پیتے ہیں اور اسی پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ عورت کی یہ بات سنتے ہی آپ زار زار رونے لگے اور خواجہ اقبال سے کہا کہ اس عورت کے گھر میں جو کچھ خرچ ہو اس کو پہنچا دیا کرو تاکہ یہ کنوئیں کا پانی نہ پیئیں۔ خواجہ اقبال نے اُن کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ ایک فصد گرمیوں کے دنوں میں غیاث پور میں آگ لگ گئی اور بہت لوگوں کے مکانات جل کر بہت کچھ سامان و اسباب کا نقصان ہوا۔ آپ یہ تباہی دیکھ کر بہت روتے۔ جب آگ بجھ گئی تو آپ نے خواجہ اقبال سے کہا کہ جس قدر مکانات جل گئے ہیں ان سب کو جا کر گنو اور ہر گھر میں دو خوان کھانا اور دو شٹے پانی کے اور دو اشرفیاں پہنچا دو اور ہر ایک کی تسلی اور تشفی کرو چنانچہ اقبال نے اسی اس خدمت کو انجام دیا۔ اُس زمانے میں دوسرے میں بہت بڑا چھپر بتا تھا اور دو خوان کھانا سارے گھر کو کافی ہوتا۔ ایک روز آپ نے خواجہ اقبال کو آواز دی معلوم ہوا کہ وہ بزازوں کو اسباب دے رہے ہیں آپ فوراً اُٹھ کر خواجہ اقبال کے پاس پہنچے اور کہا کہ ”اقبال! تم نے تو خوب دکان لگائی ہے سن کر اقبال بہت شرمندہ ہوئے۔ پھر حضرت نے تمام بقالوں کو ایک ایک کپڑا بانٹ دیا اور جو کچھ رہ گیا وہ فقرا کو دے دیا۔ آئیک سوداگر مکتان کو جا رہا تھا راستے میں اُس غریب کو لٹیروں نے لوٹ لیا وہ بہت تباہ حال ہو کر مکتان میں حضرت شیخ صدر الدین بن شیخ بہا الدین ذکر یا ملتانی کے پاس گیا اور کہا کہ میں دہلی جانا چاہتا ہوں آپ کی بڑی ہربانی ہوگی اگر ایک رقعہ سفارشی حضرت محبوب الہی کی خدمت

میں لکھ دیں۔ آپ نے لکھ دیا وہ رقعہ وہ سوداگر لے کر دہلی آیا اور آپ کی خدمت میں پیش کر دیا آپ نے خواجہ اقبال سے فرما دیا کہ کل صبح سے چاشت کے وقت تک جو کچھ آئے ان کو دے دینا چنانچہ دو سیرے دن اس شخص کو چاشت کے وقت تک بارہ ہزار کی معتدبر رقم ملی اور یہ شخص مالالال ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔

## لنگر

آپ کا دسترخوان اور لنگر بہت وسیع تھا سینکڑوں بلکہ ہزار ہا آدمی روزانہ کھاتے پیتے تھے۔ ایک روز حضرت بابا صاحب کے ہاں فاقہ تھا۔ آپ نے حضرت محبوب الہی سے فرمایا کہ با نظام کچھ چیز بچا کر لاؤ میں کھاؤں گا۔ حضرت اسی وقت بازار گئے اور اپنی دستار ایک دکان میں گرور رکھ کر تھوڑا سا لوہیالاے اور اُسے اُبال کر تھوڑا نمک ڈال کر حضرت بابا صاحب کی خدمت میں پیش کیا آپ نے اپنے رفقا کے ساتھ تناول فرمایا کہ تم نے لویا تو خوب پکایا اور نمک بھی خوب ڈالا خدا کرے کہ منوں نمک روڑا نہ تمہارے باورچی خانے میں خرچ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت بابا صاحب کی دعا قبول فرمائی کہ آپ کا لنگر بہت بڑے پیمانے پر ہمیشہ جاری رہا اور دین و دنیا کی دولت اور حشمت خداوند تعالیٰ نے آپ کو ایسی دی کہ کسی دوسرے ولی کو نصیب نہ ہوئی۔ آپ دفعہ آپ حجرے میں قیلو فرما رہے تھے کہ خالقہ میں کوئی فقیر آیا اُس وقت کچھ موجود نہ تھا اُسے خالی ہاتھ واپس کر دیا اُسی وقت آپ نے خواب میں حضرت بابا صاحب کو دیکھا فرما رہے ہیں کہ اگر گھر میں کوئی چیز نہ ہو تو نہ سہی مگر جو کوئی آن نکلتے تو اُس کی کچھ نہ کچھ خدمت کرنی چاہیے اگر تمہارے گھر میں کچھ نہ ہو پھر بھی تا بہ امکان آنے والوں کے ساتھ حسن خلق سے توفیق آئیں یہ کہاں کا دستور ہو کہ سائل کو ایسی خستہ دلی کی حالت میں سوکھاڑا دیا۔ آپ جب بیدار ہوئے تو پوچھا کہ کیا کوئی درویش آیا تھا؟ جب معلوم ہوا کہ ہاں ایک شخص آیا تھا تو آپ نے غلام کو بہت سزائش کی اور کہا کہ خبردار آئندہ ایسی حرکت کبھی بھول کر بھی نہ کرنا اور پھر جب کبھی آپ قیلو لے سے بیدار ہوتے تو دو باتیں ضرور پوچھتے ایک تو یہ کہ سایہ ڈھل گیا ہو

یا نہیں اور دوسرے یہ کہ کوئی جہان آیا ہی نہیں اور جس قدر جہان جمع ہوتے  
بعد نماز ظہر سب کو بلا تے اور نہایت ملاطفت اور شفقت سے آپ اُن سے  
پیش آتے۔

دنیا اور اہل دنیا سے نفرت  
اور شاہان وقت کو آپ کی  
تمنا سے زیارت

در حجرہ نقر بادشاہے در عالم دل جہاں پناہ  
شاہنشہ بے سر پر تلے تاج شاہانش بخاک کھنچ  
باجو داس قدر فتوحات و نذر و نیاز کے حضرت  
ہمہ تن یا ممولی میں مصروف رستے تھے  
اور دنیا اور اہل دنیا سے ہلک لگ تھک تھے۔

جس وقت کچھ زیادہ آجاتا تو آپ بہت روتے اور بار بار فرماتے کہ اے بھی تم  
نے تقسیم بھی کر دیا یا نہیں اور جب تک وہ تقسیم نہ ہو جاتا آپ کو سپین نہ پڑتا۔  
خداوند تعالیٰ نے آپ کو بڑا مرتبہ اور بڑی شہرت اور بڑی بزرگی دی تھی اکثر  
امراء و علماء اور سلاطین آپ کے حلقہ گوش تھے۔

قبیلہ خسروان رو سے نہیں سرور اں خاک گشتہ در رو تو  
در گہ تست آسمان دگر ماہ و خورشید پاسبانش نگر

بعض حاسدین کو آپ کا عروج دین و دنیا از حد ناگوار تھا اور ہر طرح آپ کی ایذا دہی  
میں سرگرم تھے چنانچہ سلطان علاء الدین خلجی کے خدا بٹنے کیا کیا کان بھرے  
اور آپ کے وسیع دسترخوان اور آؤ بھگت اور مربع خلایق ہونے سے اندیشہ  
تنتقیص مراتب شاہی کا پیش کیا۔ کہ یہ تہامی مقربان شاہی امراء و ملازمین رعایا برایا  
سب آپ کے غلام اور مرید ہو گئے ہیں اور آج اُن کی حالت یہ ہو کہ ۵

متابع اند تراچوں سپہر خور و بزرگ مسخر اند تراچوں زمانہ پیر و جواں

پہلے تو بادشاہ نے سن کر ٹال دیا مگر آخر کار کب تک علی التواتر شکایات پیش ہونے  
لگیں تو بادشاہ کے دل میں بھی خطرہ گزرا کہ حضرت کا اس قدر عروج امیر سلطنت  
میں ضرور رختہ اندازی کرے گا۔ لہذا اُس نے حضرت کی خدمت میں ایک معروضہ  
لکھا اور خضر خاں کے ذریعے سے پیش کیا جو بادشاہ کا نہایت پیارا بیٹا اور  
حضرت کا مرید تھا۔ اور جس میں بڑی بات یہ تھی کہ آپ مجھ کو امور اہم و سترگ سلطنت

میں صلاح و مشورے سے مستفید فرمائیں جس سے نثار آپ کا عند یہ لینا تھا کہ آیا واقعی آپ دنیاوی عروج کے خواہاں ہیں یا نہیں۔ آپ نے خط کو بغور ملاحظہ فرمایا اور ارباب مجلس سے مخاطب ہو کر ارشاد کیا کہ میں فاحشہ پڑھتا ہوں۔ میں بے چارہ فقیر مجھ کو سلطنت نے اُسور سے کیا سروکار۔ میں بیرون شہر ایک کونے میں پڑا ہوا بادشاہ اور جملہ مسلمانوں کی دعا گوئی میں مشغول ہوں اس پر بھی مجھے ستاتے ہیں اگر بادشاہ کو میری یہ بات ناگوار ہو اور میرا یہاں رہنا پسند نہ کرتا ہو تو مجھ سے کہہ دے کہ میں یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں اَرْضِ خُصِّ اللہِ وَاسِعَۃٌ رِخْدَا کی زمین کشادہ ہے حضرت انہوں نے یہ جواب بادشاہ کو پونچایا تب اُس کا خارشہ آپ کے بتدریج امور سلطنت میں داخل ہونے کا جاتا رہا۔ اس کے بعد بادشاہ نادیم ہوا اور کلمات معذرت کے ساتھ اپنے حاضر ہونے کی اجازت چاہی آپ نے فرمایا کہ آنے کی کیا ضرورت ہے میں غائبانہ دعا گو ہوں اور جو افریقیت دعا میں ہوتا ہے وہ سانسے کی دعا میں نہیں ہوتا لیکن بادشاہ نے نہ مانا اور پھر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ در فقیر کے گھر کے دو دروازے ہیں بادشاہ ایک دروازے سے آئیں گے فقیر دوسرے دروازے سے نکل جائے گا جب کسی طرح حضرت نے اجازت دی تو مجبوراً بادشاہ نے بلا اطلاع جانے کا مصمم قصد کیا اور امیر خسرو سے جو حضرت کے مصحف بردار تھے اس ارادے کا تذکرہ کیا۔ امیر خسرو سخت متفکر ہوئے کہ اگر حضرت کو خبر نہ کروں تو وہ ناراض ہو جائیں گے اور اگر خبر کروں تو بادشاہ خفا ہو جائے گا لیکن آپ نے بان پر تعمیل کر یہ بات حضرت کے گوش گزار کر دی کہ کل بادشاہ آپ کی خدمت میں تشریف لائے والے ہیں آپ یہ سنتے ہی سخت احوال پوچھ گئے۔ بادشاہ نے یہ سنا اور امیر خسرو سے کہا ”واہ خوب! تم نے میرا راز فاش کر دیا۔ اور تمہاری وجہ سے میں حضرت کی قدم بوسی کی سعادت سے محروم رہا“ امیر خسرو نے نہایت دلیری اور آزادی سے عرض کی کہ حضور کی ناراضگی سے صرف جان کا خوف تھا لیکن حضرت شیخ کی ناراضگی سے ایمان جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ بادشاہ ایک مرد سنجیدہ اور دانا تھا اس پر جب جواب سے بہت خوش ہوا۔ اور معاف فرمادیا۔ ایک روز سلطان قطب الدین

خلجی خانقاہ کے پاس سے گزرا دیکھا کہ خلقت کا ہجوم ہی بوجھا کہ یہ کیا مقام ہو لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت محبوب الہی کی خانقاہ ہے۔ بادشاہ ان کا مرجع خلایق ہونا اور نزاک و احتشام دیکھ کر برآشفقت ہوا اور حکم دیا کہ ان سے کہہ دو کہ میرے شہر سے چلے جائیں یا کوئی کرامت دکھائیں چنانچہ اسی روز بادشاہ کے پیٹھ میں ایسی شدت کا درد اٹھا کہ ترپٹنے لگا۔ علاج معالجہ سے کچھ نفع نہ ہوا سمجھا سو ادبی کا نتیجہ ہی فوراً آپ نے معتد خاص کو دوڑایا آپ نے فرمایا کہ بندہ نظام کارخانہ قدرت میں کیا دخل ہے؟ بادشاہ کی حالت قریب بہ ہلاکت پہنچ گئی اس کی ماں گریاں و نالاں خانقاہ میں حاضر ہوئی آپ سے بہت منت و زاری کی آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارا بیٹا ولی کی سلطنت میرے نام لکھ دے تو مع گزاشت کے قارورہ لیتی آئے۔ حقوقی دیر میں بادشاہ کی والدہ گزاشت سلطنت اور قارورہ لے کر در دولت پر حاضر ہوئی اور بہت روئی پیٹی۔ آپ نے بادشاہ کی گزاشت لے کر پیشاب میں ڈال دی اور فرمایا کہ فقیروں کے مزہ دیک سلطنت کی قوت اس پیشاب جتنی بھی نہیں ہے۔ اور آپ نے دعا فرمائی بادشاہ اچھا ہو گیا۔ حضرت مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے منقول ہے کہ جب حضرت محبوب الہی سماع سنتے تو امیر خسرو اور امیر حسن مع دایں طرف اور خواجہ بشیر آپ کے درخیز غلام آپ کی بائیں طرف بیٹھتے۔ خواجہ بشیر خود بڑے خوش گلوں تھے اور امیر خسرو اور امیر حسن فن موسیقی میں عظیم المثال تھے اور دو سو قوال بھی ملازم تھے۔ جب مجلس شروع ہوتی تو پہلے امیر خسرو غزل شروع کرتے اور جل شعر پر حضرت کو کیف ہوتا تو اسی شعر کی تکرار کرتے۔ سلطان علاء الدین خلجی نے اپنے معتد خاص قنبر بیگ کے جو حضرت کے مریدان خاص سے تھے کہہ رکھا تھا کہ جس شعر پر آپ کو وجد ہو وہ مجھے بھی سنانا چنانچہ آپ کو حدیقہ حکیم ثنائی کے ان اشعار پر ایک مرتبہ وجد ہوا:-

ورنمودی بروپند بسوز

پیش نما جال جاں افروز

داں سپند تو چیت ہستی تو

آں جال تو چیت مستی تو

قنبر بیگ نے یہ دونوں شعر لکھ کر بارگاہ سلطانی میں گزرائے۔ بادشاہ ان کو



پڑھتا جاتا تھا اور آنکھوں سے ملتا جاتا تھا۔ قبر بیگ نے عرض کی کہ خانہ زاد کو تعجب ہو کہ حضور پر نور کو حضرت کی خدمت اقدس میں اتنی تو عقیدت ہو اور پھر آپ کبھی خدمت اقدس میں حاضر نہیں ہوئے۔ بادشاہ نے کہا: ”او قبر بیگ! کیا کہوں۔ ہوں تو میں بادشاہ مگر سرتاپا مکروہات دنیا میں لودہ کیا منہ لے کر حضرت کے سامنے جاؤں۔ مجھے شرم آتی ہو کہ ایسی ذات آپ کی خدمت میں کیوں کر جاؤں۔ تم میرے دونوں لڑکوں خضر خاں و رشاد خاں کو لے جاؤ اور دونوں کو حضرت کا سرید کرادو اور دو لاکھ روپیہ نذرانہ اور شکرانہ آپ کے قدموں میں رکھ دینا۔“ قبر خاں نے ایسا ہی کیا اور دونوں صاحبزاد بیعت دارادت شیخ سے مشرف ہوئے۔ جناب خسرو خاں سلطان قطب الدین خلجی اور اس کی اولاد وغیرہ کو قتل کر کے دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور قطب الدین کی بیوی سے شادی بھی کر لی تو اس نے تمام علماء و مشائخین دہلی کی خدمت میں بہت ہدیئے اور تحفے بھیجے جن کو بہت سے حضرات نے قبول کیا اور بہت سوں نے روئے چنانچہ سید عمار الدین اور شیخ وحید الدین خلیفہ حضرت بابا صاحب اور شیخ عثمان سیاح خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح نے قبول نہ کیا اور بن لوگوں نے قبول کیا تھا ان میں سے اکثروں کو بطور امانت رکھ چھوٹا کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ خسرو خاں کی سلطنت قائم رہنے والی نہیں۔

خسرو خاں نے حضرت محبوب الہی کی خدمت میں پانچ لاکھ نذر گدائی تھی آپ نے لے کر فقراء و مساکین میں تقسیم کر دی۔ اس کے چار بیٹے کے بعد غازی الملک نے دیپال پور سے خسرو خاں پر فوج کشی کی اور اس کو قتل کر کے خود دہلی کا بادشاہ بنا اور غیاث الدین تغلق اپنا نام رکھا اور خزانہ کی موجودات لی تو خسرو خاں نے جس قدر روپیہ درویشوں کو دیا تھا واپس طلب کیا جنھوں نے امانت رکھا تھا چھپاتے دے دیا حضرت محبوب الہی نے جواب دیا کہ وہ بیت المال تھا میں نے مستحقوں کو پونہچا دیا اور میں اس میں سے ایک جہ بھی اپنے خرچ میں نہیں لایا۔ بادشاہ یہ جواب سن کر خاموش ہو گیا۔ حضرت محبوب الہی خود ارشاد فرماتے تھے کہ ہر روز آخر شب میں ایک سیت عالم غیب سے میرے دل میں اتنا کی جاتی ہو



جس کو بار بار پڑھ کر میں لطف حاصل کیا کرتا ہوں۔

چند اہل بنشینم کہ برآید نفس صبح  
کائنات بدل می رسد از دوست پیا  
آج کی شب یہ دیتیں میرے دل میں آئیں اور میں انہیں پڑھتا رہا۔

در نہانیم عذر را بپذیر  
ای بسا آرزو کہ خاک شدہ  
گر با نایم زندہ بردوزیم  
دامنے کو فراق چاک شدہ

بعض اوقات حضرت خود بھی فکر شعر فرماتے تھے چنانچہ یہ آپ ہی کا کلام ہے۔  
از تو تواند بریدن کس بہ آسانی مرا  
گر نہ می داند کسے آخر تو می دانی مرا

آپ کی عظمت شان اور بزرگی

اور جلال اس درجے تھا کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ کے چہرہ مبارک پر نگاہ ڈال سکتا  
کیوں کہ حق تعالیٰ کی تجلی آپ کے چہرے پر تو فلک تھی اور جو کچھ آپ فرماتے  
لوگ اُس کو زمیں بوس ہر کہ قبول کرتے۔

خوابا بادہ خوردن من جرعه خوار ایشاں

ہر برہ کہ خوردہ سر بر زمیں نہادہ

آپ رات کے وقت حجرے میں تنہا رہتے اور دروازہ اندر سے بند کر لیتے  
تھے صبح کو جس کی نظر آپ کے چہرہ انور پر پڑتی ایسا معلوم دیتا کہ مست و مخمور ہیں  
تمام رات کی بیداری سے آپ کی آنکھیں سرخ رہتی تھیں۔ چنانچہ امیر خسرو فرماتے ہیں

تو شبانہ می نامی بسر کہ بودی اشب

کہ ہنوز چشم مست اثر خار دارد

مولانا نجیب الدین کو تو الٰہ منہ سے روایت ہو کہ ایک دفعہ میں آپ کی خدمت  
میں حاضر تھا کہ مجھ کو عود کی خوشبو آئی مگر وہاں کہیں عود کا پتہ نہ تھا میں نے خیال کیا  
کہ شاید حجرے میں عود جلتا ہو گا اتنے میں خادم نے کسی ضرورت سے دروازہ  
کھولا میں نے بغور دیکھا وہاں بھی کہیں عود نہ تھا۔ حضرت نے مجھے مخاطب  
ہو کر فرمایا کہ ”مولانا یہ عود کی خوشبو نہیں ہو یہ کسی اور چیز کی خوشبو ہو۔“ حضرت  
امیر سن فرماتے ہیں :-

عطار گو بہ بند و کاں را کہ من ز دوست بوسے کشیدہ ام کہ پشائے عجیب نیست  
 اسی طرح حضرت نے ایک کتک قاضی محمد الدین کا شانہ کو دیا تھا جو برسوں رہا اور بارہا  
 دُعا مگر اس کی خوشبو نہ گئی۔ آخر حضرت سے عرض کیا آپ نے چشم پر آب فرمایا  
 قاضی صاحب یہ بوسے محبت ہو جس کو حجاب باری تعالیٰ کی ذوات میں رکھا گیا ہو۔  
 چنانچہ سعدی فرماتے ہیں :-

ایں بوسے نہ بوسے بوستانِ ست  
 ایں بوسے زکوے دوستانِ ست  
 سیرالاولیاء میں مذکور ہے کہ آپ کی ذات مبارک بالکل آپ کے دل کی تابع تھی  
 اور دل روح مطہر کا متابع اور روح مطہر نے اپنے کمال سے قلب کو جذب کیا  
 اور قلب نے قالب کو اپنے رنگ میں رنگ لیا جس کا نتیجہ ہوا کہ آپ ہمہ تن  
 روح مجسم تھے۔ امیر خسرو کیا خوب فرماتے ہیں :-

وجہ و خواجہ نہ از آب گل گشتہ مرتب  
 کہ جانِ خضر و مسیحا ہم شدہ است کسب  
**کشف کرامت**

مولانا ضیاء الدین سنائی سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ  
 سلطان علاء الدین محمد نے اپنے ملازم قنبر بیگ کے  
 ذریعے سے حضرت کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اُس نے اپنے بھائی الغ خاں کے  
 ساتھ از بکل کی جانب لشکر روانہ کیا تھا جو جنوب کی طرف ایک ملک ہو۔ مدت ہوئی  
 کہ وہاں سے کچھ خبر نہیں آئی جس کی وجہ سے مجھے سخت تردد ہو آپ دعا فرمایا  
 کہ یہ مشکل حل ہو۔ آپ نے تھوڑی دیر مراقبہ فرما کر ارشاد فرمایا: ”خدمت سلطانی  
 میں میری طرف سے دعا و سلام کے بعد کہنا کہ اَللّٰہُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اور ہم دردی ہو  
 سو میں بھی اسی میں مشغول ہوں اں اشارہ الکل بوقت چاشت تم کو از بکل کے  
 نفع ہونے کی خوش خبری پہنچے گی اور تھوڑے ہی دنوں میں تمہارا بھائی بھی  
 مع لشکر کے مع انخیر واپس آجائے گا۔ بادشاہ یہ خبر سن کر بہت خوش ہوا دوسرے  
 ہی دن ناقہ سوار مع عراق و بشارت فتح خدمت سلطانی میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے  
 اسی وقت پانسوا شرفیاں نذرانہ بھیجا۔ اُس وقت آپ کے پاس خراسان کا  
 ایک درویش اسفندار بیٹھا ہوا تھا۔ اشرفیوں کو دیکھ کر کہہا۔  
 ”یہ شیخ الہدایا مشترک“۔ یعنی اس دہیئے میں میری بھی شرکت ہو۔ شیخ نے جواب دیا۔

”تہا خوشترک“ یعنی تنہائی خوش تر و بہتر تر۔ در دیش یہ جواب سن کر افسردہ ہوا اور اٹھ کر چلنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ ان اشرفیوں کو کیوں چھوڑ چلے میرا مطلب یہ تھا کہ یہ تنہا تمہاری ہی ہیں اور کسی کی ان میں شرکت نہیں ہو اور وہ ساری کی ساری اشرفیاں آپ نے درویش کو دے دیں۔ بوجہ بہت تھا درویش اٹھانہ سکا تو آپ نے اپنے خادم کو کہا کہ تم ہاتھ لگاؤ اور ان کے ٹھکانے پر پونچا دو۔ قصبہ سرساوے میں ایک مولوی صاحب کے گھر میں آگ لگ گئی اور تمام مال و املاک مع فرمان الماک کے جل کر خاک تر ہو گیا۔ وہ بے چارے دہلی آئے اور یہ مشکل تمام نقل فرمان کی حاصل کی اتفاق سے یہ فرمان بھی ان کی بغل سے کہیں نکل پڑا۔ ہر چند تلاش کیا مگر کہیں پتہ نہ چلا آخر کار روتا پیٹتا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی مصیبت کا حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا اتم حضرت جناب بابا صاحب کے نام کی نیاز مانو اور کیا اچھا ہو کہ تم بازار سے حلوا بھی لے آؤ اور نیاز دلاؤ مولوی صاحب اُسی وقت خانقاہ کے دروازے پر جو حلوائی تھا اُس کی دکان پر گئے اور حلوا خریدا۔ حلوائی تول تلا کر کاغذ کو پھاڑا اس میں پھینکا چاہتا تھا۔ مولوی صاحب نے دیکھا تو وہ کاغذ حسن اتفاق سے اُنھیں کلا فرمان تھا جھٹ اُس کے ہاتھ سے لے لیا اور حلوے سمیت خوشی خوشی حضرت کے پاس آئے اور حاضرین مجلس اس کرامت کے اظہار سے زمین بوس ہوئے۔ آپ کے مریدوں میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ مرید کیا ہو اور پیری کیا۔ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ ایک روز پھر وہی مرید حاضر ہوا تو آپ نے اُسے کہا کہ تو بچیاں کو چلا جا۔ اُس نے کچھ پوچھا بچیاں نہیں اور بچیاں کے رخ پر سید ہا ہو لیا اور دہلی سے چلتے چلتے لاہور جا پونچا۔ وہاں کا حاکم حضرت کا معتقد تھا اس شخص کو آپ کا مرید سن کر سزا اشرفیاں اسے دیں کہ حضرت کو میری طرف سے نذر دینا۔ پلٹتے وقت اُن کو ایک فاحشہ عورت سے تعلق ہو گیا۔ دام عشق میں ایسے پھنسے کہ سو روپیہ اُس کی نذر کیئے۔ اُس عورت سے لوٹ ہونا چاہتے تھے کہ غیب سے ایک ایسا طمانچہ ان کے منہ پر لگا کہ چونک پڑے اور فوراً اپنے کیئے پر ناوم و شرمسار ہوئے اور توبہ کی۔ زن فاحشہ نے پوچھا کہ کیوں غیر

تمھاری یہ کیا حالت ہے۔ اُنھوں نے حضرت کا حوالہ دیا وہ عورت آپ کا نام سن کر اور حالت تصرف دیکھ کر تائب ہو گئی اور اپنا مال و اسباب سب بیچ بیچ کر ان کے ساتھ ہوئی اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر برید ہوئی۔ آپ نے ان دونوں کا کھلج کر دیا اور وہ سودا شریاں بھی انھیں اُنودے دیں اور فرمایا کہ تم نے جو سوال کیا تھا کہ مریدی اور پیری کیا ہے تو آج اس کا جواب سنو۔ مریدی یہ تھی کہ تم میرے کسے پر چلے گئے مجھ سے یہ نہ پوچھا کہ کہاں جاؤں اور کیوں کر جاؤں اور نہ زادراستے کی فکر کی اور پیری یہ تھی کہ میں نے مجھ کو اس کا رنا شاستہ سے باز رکھا اور اس عورت کو تیرے واسطے حلال کر دیا۔ شیخ مبارک گوپاموی جو آپ کے بڑے معتقد تھے قاتل ہیں کہ جب کبھی وہ گو۔ سو سے سلطان علاء الدین بلجی کی خدمت میں جاتے تو ایک پیش قیمت خلعت ملتا تھا اب کی دفعہ جو آیا تو خلاف معمول سابقہ ایک نہایت معمولی خلعت ملا جس سے مجھے بہت رنج ہوا۔ آپ نے فرمایا:۔ تحفہ شاہ بس عزیز بود گرچہ دنیا یا پیشینز بود

اس بیت کے سنتے ہی میرا دل باغ باغ ہو گیا اور تمام رنج و فکر دور ہو گیا۔ ایک دفعہ حضرت امیر حسن مغموم تھے آپ نے اُن کی حالت کو نظر ثانی سے دیکھ کر یہ حکایت فرمائی۔ کہ کسی شہر میں ایک برہمن بہت مالدار تھا کسی خطا پر عالم شہر نے اُس کا مال و اسباب ضبط کر کے شہر بدر کر دیا۔ اُس کے کسی دوست نے پوچھا۔ پنڈت جی کہو کیا حال ہے؟۔ اُس نے کہا بھگوان کی دیا سے رہنی خوشی ہو دوست نے کہا۔ اچھے کیا خاک ہو تمھارا سارا مال و اسباب تو ضبط ہو گیا اور گھر سے لے گھر ہو گئے۔ برہمن نے کہا کہ اس میں کچھ ہرج نہیں میرا جنیو تو میرے پاس ہے۔ اس کے بعد آپ حضرت امیر حسن کی طرف مخاطب ہوئے کہ ان کو بھی حاکم شہر سے ایذا پہنچی تھی اور مطلب اس حکایت کا یہ تھا کہ اگر سارا جہان بھی جانا رہے تو کچھ پروا نہیں خداوند تعالیٰ کی محبت برقرار رہنی چاہیئے۔ ۷۵

گر خدا داری زغم آزاد شو از خیال مہیش و کم آزاد شو

آپ کے مریدوں میں سے ایک بہت مالدار سوداگر تھے مگر اولاد نہ تھی۔ آپ کی دعا سے اُن کو لڑکا پیدا ہوا جسے وہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے

بچے کو نہایت شفقت سے اپنی گود میں لیا اور اپنے پیراہن کا ایک ٹکڑا دیا کہ اس کا کرتہ اسے پہناؤ اور حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس بچے کی تعلیم و تلقین تمہارے ذمے ہو اور اس کو تم اپنا خلیفہ اعظم بنانا چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور خلافت پیران چشت سے مشرف فرمایا ان صاحبزادے کا نام شیخ صدر الدین حکیم تھا اور طبیب و لہا مشہور تھے اور ان بہت سے لوگوں نے فیض پایا۔ آپ کا مزار حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے روضۂ منور کے پاس ہی ہے۔ روایت ہے کہ سلطنت بہمنیہ کا باقی علاء الدین حسن تھا جو ایک برہمن منجم گانگو نامی کا ملازم تھا اور برہمن شاہزادہ محمد تغلق کا مقرب تھا علاء الدین بہت غریب آدمی تھا برہمن نے اس کی فلاکت پر ترس کھا کر اسے حوالی دہلی میں ایک کھیت اور دو بیل دلا دیئے تاکہ وہ اپنا پیٹ پال سکے۔ ہل جو تلتے جو تلتے اسے ایک طرف اشرفیوں سے بھرا ہوا ملا۔ اس نے اسے ویسے ہی چادر میں لپیٹ لیا اور رات کو برہمن کے پاس لے گیا۔ برہمن نے اس غریب آدمی کی دیانت اور امانت پر آفریں کہی اور شاہزادہ سے نوکر کیا شاہزادے نے اپنے باپ غیاث الدین تغلق سے عرض کیا بادشاہ نے قدروانی فرما کر امیران صددہ کے درمے میں اسے داخل کر لیا۔ برہمن نے جو ایک نعل علاء الدین کا دانچہ کھینچا تو کہا کہ تو آگے چل کر بادشاہ ہوگا اس وقت مجھے نہ بھول جانا اسی وجہ سے علاء الدین نے گانگوئی کا لقب اختیار کیا۔ شاہزادہ محمد تغلق حضرت نظام الدین اولیاء کا بڑا معتقد تھا اور اکثر جایا کرتا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے کشف سے فرمایا تھا کہ تو بادشاہ ہوگا۔ ایک دن شاہزادہ حضرت کی دعوت میں گیا تھا۔ جب سترخان بڑھ گیا اور شاہزادہ چلا گیا تو علاء الدین وہاں پر پہنچا ابھی اس کے آنے کی اطلاع بھی آپ کو نہیں کی گئی تھی۔ حضرت نے اپنے کشف سے معلوم کیا اور فرمایا مہسلطانی نے رفت و سلطانی آدک اور آپ نے خادم سے کہا کہ ایک شخص جس کے چہرے سے آثار شرافت و نجابت ظاہر ہیں دروازے کے باہر کھڑا ہو بلا لاؤ خادم نے باہر جا کر دیکھا تو وہاں ایک شخص زدہ حال کھڑا تھا وہ سمجھا کہ یہ کوئی اور ہوگا آکر عرض کی کہ جیسا حضور نے فرمایا ایسا تو کوئی شخص باہر نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا

اچھی طرح دیکھو ضرور ہو گا۔ خادم پھر گیا اور کہا کہ ایک مہول شخص بیٹھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے ہی بلا لاؤ وہ گو بظاہر حقیر ہے مگر بہ معنی بادشاہ ہے۔ اس کو دیکھ کر آپ نے بہت التفات فرمایا اور مستفسر حال رہے۔ دسترخوان تو اٹھ ہی گیا تھا۔ حضرت نے صرف ایک نان اپنے افطار کے واسطے حجرے کے طاقے میں رکھ چھوڑی تھی اس کو اپنی انگلی کی پور پر رکھ کر علاء الدین کو دی اور فرمایا کہ لو یہ چتر شاہی ہو جو دت دراز اجڑت دیر پا کے بعد تجھ کو ایک ملک دکن میں نصیب ہو گا۔ آگے قصہ طول ہے غایت مافی الباب یہ کہ آپ کی پیش گوئی سن و عن پوری ہوئی اور علاء الدین بادشاہ ہو گیا۔

**آپ کے اخلاق حمیدہ**  
**اور اوصاف پسندیدہ**  
 آپ علاوہ صائم الدھر کے کتنی نماز اور کتنی تسبیح پڑھتے تھے اس کا اندازہ تو مشکل ہے مگر اس میں ذرا شک نہیں کہ آپ کی تمام عمر عزیز اشغال طینی و تزکیہ نفس میں صرف ہوئی۔ علاوہ اس کے آپ کو حسن خلق اور تالیف قلوب کا بڑا خیال تھا اور ع دل پرست آدمی کہ حج اکبر است پر پورا پورا عمل تھا آپ کی زندگی اصول یہ تھا کہ جہاں تک ہو سکے خلق خدا کو آرام و راحت پہنچائی جائے۔ نہ می کوش کہ راحتے بجائے برسد یادست شکستہ بنانے پسند

یہ بھی آپ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن تالیف قلوب اور راحت رسانی خلائی سے بڑھ کر قیمتی کوئی فعل نہ ہو گا۔ آپ اکثر رو بہ قبلہ استجاوہ پر ذکر اذکار میں مشغول بیٹھے رہتے مَتَوَجِّهًا إِلَى اللَّهِ سَكَنًا يَنْظُرُ إِلَيْكَ یعنی خدا کی طرف اس محبت سے متوجہ رہتے تھے کہ گویا خدا کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ مختلف اقسام اور مختلف خیالات لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے تو ان کے علم و مرتبے کے موافق بمصدقات تکلموا الناس علی قدر عقولہم گفتگو فرماتے اور جو شخص جس فن کا مذاق رکھتا اسی میں نہایت لطف و مہربانی سے گفتگو کرتے اور ہر طرح اس کی دل جوئی فرماتے کسی قسم کا بھی آدمی ہو جو آپ سے ملتا فوراً آپ اس کے دل پر قبضہ کر لیتے اور وہ آپ کی خوبیوں اور حسن اخلاق کا گرویدہ ہو جاتا۔ اگرچہ

آپ بظاہر لوگوں کی طرف توجہ فرماتے لیکن درحقیقت باطن میں حق تعالیٰ کی جناب میں متوجہ رہتے۔ ۷

إِنِّي جَعَلْتُكَ فِي الْفَوَادِ مُحِي لَيْثِي  
وَجَبْتُ جَنَّتِي مِنْ أَرَادَ جَلَّتِي  
فَأَجْسَدُ مَنِّي لِلْجَلِيسِ مَوَافِي  
وَجَبْتُ قَلْبِي فِي الْفَوَادِ أَلَيْسِي

یعنی میں نے تجھے دل میں اپنا مخاطب قرار دیا ہے کہ تو مجھ سے باتیں کیے جاتا ہے اور جو شخص میرے ساتھ بیٹھنے کا ارادہ کرتا ہے اس کو میرا جسم دوست رکھتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میرا جسم تو ہم نشین کے واسطے انسیت پیدا کرنے والا ہے اور میرے دل کا دوست دل میں میرا انیس ہے۔ ۷

ہرگز وجود حاضر و غایب شنیدہ  
من دہیان جمع دولم جائے دیگر است

آنے جانے والے خود غریب الوطن اور مسافر ہوتے یا شہر والے غرض جو کوئی آپ کے پاس حاضر ہوتا آپ کسی کو کبھی خالی ہاتھ نہ جانے دیتے کچھ نہ کچھ ضرور دیتے کبھی کپڑا کبھی نقدی یا اور کوئی چیز جو آپ کے پاس موجود ہوتی بے تکلف دے دیتے تو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا خواہ کوئی سا بھی وقت ہوتا کسی زحمت انتظار مطلق نہ ہوتی اور فوراً ہار یا ب ہو جاتا۔ ایک روز خواجہ عطار اللہ کے بھائی جو حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے نواسے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علم و دوات کا غذا لاکر سامنے رکھا کہ فلاں رئیس کے نام سفارشی رقعہ لکھ دیجئے تاکہ وہ میرے ساتھ کچھ ہلوک کرے۔ آپ نے کہا میری اس رئیس سے شناسائی نہیں اور بغیر تعارف کے رقعہ کیسے لکھا جاسکتا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ شخص آپ کو سخت مسرت اور برا بھلا کہنے لگا کہ تم ہمارے جذبے کے مرید ہو اور ہمارے خاندان کے صدقے سے یہ نعمت اور دولت تم کو نصیب ہوئی تم کو ایسا کفران نہ چاہیے کہ میرے واسطے ایک رقعہ بھی نہیں لکھا جاتا یہ کیا شیخی بنا رکھی ہے اور اپنے تئیں مشہور کر رکھا ہے یہ کہہ کر دوات کو زمین پر دے مارا اور چلنے لگا۔ حضرت



اسی وقت اُس کا دامن پکڑ لیا اور فرمایا ”مکدر کیوں جاتے ہو صفائی کرتے جاؤ“ پھر  
کچھ روپیے اُن کو دے دیئے جو وہ لے کر ہنسی خوشی چلتا ہوا۔ آندریٹ میں جو غیاث الدین  
کے قریب ہی واقع ہوا ایک شخص چھوڑتا تھا جو آپ سے خواہ مخواہ کا عبادت گاہی  
رکھتا تھا اور ہمیشہ آپ کی بدگوئی کرتا اور آپ کی ایذا دہی کے درپے رہتا۔ جب شخص  
مر گیا تو حضرت اُس کے جنازے پر تشریف لے گئے اور بعد دفن اُس کی قبر  
پاس دو گانہ پڑھ کر دعا کی کہ ”اس شخص نے جو کچھ مجھ کو کہا ہو اور میرے ساتھ کیا ہو  
میں نے اُس کو بخش دیا۔ اب تو میرے سبب سے اس کو عذاب نہ فرمائیے۔“

حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی سے منقول ہے کہ ایک مجلس میں بہت سے  
صوفیائے کرام جمع تھے ایک صوفی نے کہا کہ حضرت سلطان المشائخ عجائب الدین  
باطن رکھتے ہیں۔ اہل وعیال وغیرہ کا ان کو کچھ غم نہیں۔ دنیا دین دونوں حاصل  
ہیں۔ دنیاوی اقبال ایسا ہو کہ ہزار ہا آدمی پرورش پاتے ہیں۔ غم کبھی ان کے  
پاس پھٹکتا بھی نہیں۔ آپ کو بھی اس گفتگو کی خبر ہوئی آپ نے شیخ شرف الدین  
کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”جو شیخ و غم گھڑی گھڑی مجھ کو بوہنچتا ہو شاید ہی کسی کو  
بوہنچتا ہو کیوں کہ جو شخص میرے پاس آکر اپنا درد دل بیان کرتا ہو تو میرے قلب کے  
بے حد صدمہ ہوتا ہو۔ وہ شخص نہایت سخت دل ہو جس کے دل پر اُس کے  
بھائی بندوں کے درد کا اثر نہ ہو۔ اور نیز بحکم اَلْمُخْلِصُونَ عَلَى خَطِئِهِ عَظِيمٌ۔“

جان لینا چاہیے کس عروج و یگانہ روی میں بود حیرانی۔ ایک مرتبہ باعث خانے میں  
ایک شخص کو جس کے پاس چھری تھی پکڑ لیا۔ فوراً حضرت تشریف لائے اور فرمایا  
کہ ”دیکھو! خبردار۔ اس کو کچھ ایذا نہ پہنچے۔“ پھر اُسے اپنے سامنے بلو کر بے دلیا  
کہ وہ کسی کو ایذا نہ دے گا۔ آپ نے اُسے کچھ خرچ دلا کر رخصت کیا۔ اور  
ارشاد فرمایا کہ ”جفا پر تحمل کرنا اور معاف کر دینا بہت بہتر ہے اور یہ دو چیزیں بھی پڑھیں۔“

ہر کہ مارا رنجہ دار در آتش بسیار باد      دانکہ مار خوار در دایہ داد اریار باد  
ہر کہ ادھارے ہند در راہن از دمنی      ہر گے کو باغ عمرش بشکند بے خار باد  
پھر فرمایا کہ اگر کوئی تمھارے راستے میں کانٹے رکھے تو کیا تم بھی کانٹے ہی  
بکھو گے۔ یہ تو عوام کا دستور ہی مگر درویشوں کا یہ قاعدہ نہیں۔ درویش خوش خلقوں کے



ساتھ بھی خوش خلق ہیں اور بد خلقوں کے ساتھ بھی خوش خلق ہیں۔ پھر اسی مضمون کے متعلق یہ رباعی پڑھی۔ ۵

گیرم کہ نماز پاسے بسیار کنی  
تا دل نہ کنی ز غصہ و کینہ تہی

وز روزہ دہر بے شمار کنی  
صد من گل بر سر یک خار کنی

پھر حضرت نے علم و تحمل کی فضیلت میں یہ بیت فرمائی۔ ۵

زہر بادے چو گاہے گرنہ لرزی  
اگر کوہی بکا ہے مے نیرزی

بعض حاضرین نے عرض کی کہ بعض لوگ آپ کو علی الاعلان برا بھلا کہتے ہیں جس کے سن کر ہم تاب نہیں لا سکتے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان سب کو معاف کر دیا تم بھی معاف کرو اور پھر اس قسم کی گفتگو میرے سامنے نہ کرنا۔ دیکھو چھو ہمیشہ مجھے برا کہا کرتا تھا اور میری برائی اکی کو شش کرتا۔ برا کہنا تو آسان ہی مگر برائی چاہنی بہت بد تر ہے۔ جب وہ مر گیا تو میں نے اُس کی قبر پر جا کر دعاے مغفرت کی۔ فرمایا جب دو آدمیوں میں عداوت ہو تو ہم کو اپنا باطن پاک رکھنا چاہیے جب تک باطن عداوت سے پاک ہو گا تو دوسرے کی طرف سے آزار خود بخود کم ہو گا فرمایا کسی کے برا کہنے سے رنج نہ کرنا چاہیے کیوں کہ صوفی کا مال وقف ہے اور خون اُس کا سبب ہے۔ پھر جب یہ بات ہو تو پھر برا کہنے سے کیا بچ کرنا۔ فرمایا کہ ایک دفعہ لوگوں نے مجھ کو نہایت سخت سست اور برا بھلا کہا۔ میں خاموش سنتا رہا۔ جب کہتے کہتے تھک گئے تو کہنے لگے کہ واقعی آپ ہی کا علم ہے۔ فرمایا مخلوق کا مخلوق کے ساتھ معاملتیں قسم کا ہی۔ ایک تو شخص ہو جس سے کسی کو نفع ہو نہ چاہتا ہو نہ نقصان۔ تو شخص مثل جاوات کے ہو اور ایک وہ شخص ہے جس سے لوگوں کو نفع ہو نہ چاہتا ہو اور نقصان نہیں ہو نہ چاہتا یہ پہلے سے بہتر ہے اور اس سے بھی بہتر تیسرا شخص جو لوگوں کو نفع ہو نہ چاہتا ہو اور جب کوئی اُس کے ساتھ برائی کرتا ہو تو وہ

بد نہ نہیں لیتا یہ کام صدیقوں کا ہے۔ فرمایا تہدے سے جو فعل سرزد ہوتا ہو نہ چاہتا یا برابر اس کا خالق خداوند تعالیٰ ہے۔ جو کچھ ہو نہ چاہتا اُسی کی طرف سے ہو نہ چاہتا ہے۔ پھر کسی سے کیا رنج کرنا۔ اسی کے متعلق یہ حکایت بھی بیان فرمائی کہ ایک مرجہ حضرت خواجہ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ راستے میں جلد ہے تھے کہ ایک جاہل نے پیچھے سے آن کر آپ کے سر پر ایک تھپڑ مار دیا۔ آپ نے سڑ کر اُس کی طرف

دیکھا۔ اُس نے کہا میری طرف کیا دیکھتے ہو تمہارا ہی قول ہی کہ جو کچھ ہوتا ہو خدا کی طرف سے ہوتا ہو۔ آپ نے فرمایا ہاں بات تو یہی ہی مگر میں دیکھتا ہوں کہ کام خدا نے کس پخت کے نام نام زد کیا ہو۔ آپ ایک مرتبہ ایک فقیر نے آکر آپ کو جو نہ کہنا تھا سو کہا۔ آپ بالکل خاموش رہے۔ جب وہ خوب کہ سن چکا تو آپ نے اُسے کچھ دیا اور وہ رخصت ہوا تب آپ نے فرمایا کہ بہت سے لوگ میرے واسطے تحفے اور ہدیئے لاتے ہیں کوئی شخص ایسا بھی ہونا چاہیئے تاکہ ان کا بدلہ ہو جائے۔ ایک دفعہ خواجہ اقبال نے ایک خراسان کے کوہ جس پر کچھ روپیہ باقی تھا پادبجولاں کر دیا۔ بسبب خوف و دہشت کے حضرت سے کوئی عرض نہ کر سکا۔ ایک روز وہ کسی نہ کسی طرح خالقہ کے دروازے پر پہنچا مگر دربان نے گھسنے نہ دیا۔ اُس کی زنجیروں کی آواز آپ نے سنی۔ اور کہا کہ کون شخص ہے اُسے اندر بلا لو۔ وہ اندر آتے ہی آپ کے قدموں پر گر پڑا اور اپنا حال عرض کیا۔ آپ نے خواجہ اقبال کو بلایا اور کہا کہ یہ کام تم نے ناستا کیا خدا کا مال۔ خدا کا ملک خدا کے بندے۔ کچھ تم نے کھایا کچھ اور بندوں نے کھایا اور کچھ اس غریب نے کھایا۔ پھر یہ کیا بات ہو کہ تم نے اس کے ہیریاں ڈال دیں۔ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔ اور فوراً لوہار کو بلا اُس کی ہیریاں کٹوا دیں۔

آپ حضرت بابا صاحب سے بیعت منسوب کر کے سلطان غیاث الدین بلبن دہلی میں تشریف لائے

احوال ہفت

شاہاں

جو ۶۶۲ھ میں تخت نشین ہوا تھا اور بس کا

اصلی نام الخ خاں تھا۔ یہ بادشاہ نہایت عادل

و منصف مزاج غریب پرور اور نیکو نواز تھا حضرت کا ہی بڑا ہمتی تھا اور ہمیشہ نذر و نیاز گزارا کرتا تھا۔ اُس کے دو بیٹے

تھے۔ ایک خان شہید اور دوسرا ناصر الدین محمود۔ خان شہید کو سلطان نے اپنا دلی جہد کر کے ملتان اور پنجاب کا حاکم مقرر کیا تھا اور امیر خسرو بھی انھیں کے ساتھ ملتان گئے تھے۔ جب خان شہید مغلوں کی جنگ میں شہید ہوئے تو امیر خسرو کو بھی مغلوں نے گرفتار کر لیا جو کسی تدبیر سے رہائی پا کر دہلی آئے۔

غیاث الدین بلبن کو لایق ولی عہد کی شہادت کا ایسا صدمہ ہوا کہ اسی رنج میں تین بیٹوں  
 برس سلطنت کر کے ۶۸۵ھ میں انتقال کیا۔ اس کے بعد خلافت وصیت  
 بعض وزراء نے بادشاہ کے پوتے معز الدین کیتباد کو سترہ سال کی عمر میں  
 تخت نشین کر دیا۔ یہ نوجوان اگرچہ حسن صورت رکھتا تھا مگر حسن سیرت سے معرتھا  
 عیاشی اور شراب خواری میں سلطنت کو بہاد کیا لیکن بائیں ہمہ فقرا سے حسن عقیدت  
 رکھتا تھا اور حضرت سلطان الشجاع کا بے حد گرویدہ تھا۔ اور اسی کے عہد میں  
 حضرت کی خانقاہ غیاث پور میں تعمیر ہوئی اور اسی نے موضع کیلو کھڑی میں اپنے  
 رہنے کے واسطے محلات و مکانات بنوائے اور ایک نیا شہر آباد کیا۔ آخر کار  
 کثرت شراب نوشی مفلوج ہو گیا اور سلطان جلال الدین خلجی کیتباد کو قتل کرا کے  
 محل کیلو کھڑی میں تخت نشین ہوا۔ حضرت امیر خسرو نے مثنوی قران السعدین  
 کیتباد ہی کے نام سے معنون کی۔ سلطان جلال الدین نے ازسر نو قصر کیلو کھڑی  
 کو تعمیر کرایا اور نہایت بادقت اور بلند حصار سے شہر کی رونق اور حفاظت و بالا  
 کی بجائے بادشاہ ۷۱۲ھ رمضان المبارک ۶۹۵ھ میں بقیام گڑھ ہانک پور اپنے بیٹے  
 اور داماد علاء الدین خلجی کے ہاتھ کشتی میں شہید ہوا۔ اب علاء الدین خلجی تخت  
 نشین ہوا۔ یہ بادشاہ اگرچہ زیادہ ذی علم نہ تھا مگر بڑا عقل مند اور فہیم تھا اور  
 عقل ہی کے زور سے اس نے مالک دور و دراز کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس  
 نے بارہا حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا مگر آپ نے اجادت نہ دی۔ اس  
 کے دونوں بیٹے خضر خاں اور شادی خاں کے مرید تھے اور خضر خاں ہی نے وہ  
 عالی شان گنبد تعمیر کرایا تھا جو اب آستانہ شریف کی مسجد کا کام دے رہا ہے الغرض  
 سلطان علاء الدین خلجی نے بیس سال کی سلطنت کے بعد استقامت میں ۷۱۲ھ میں انتقال  
 کیا۔ اس کے بعد اس کا فرزند قطب الدین اپنے تینوں بھائیوں خضر خاں شادی  
 اور نہاب الدین کو قتل کر کے تخت پر بیٹھا اور چوں کہ خضر خاں اور شادی خاں  
 حضرت محبوب الہی کے متعقدین میں سے تھے اس سبب سے اس کو حضرت  
 سے سخت پر خاش تھی اور اسی ضد پر یہ ضیاء الدین رومی کا مرید بنا اور حضرت  
 محبوب الہی سے طرح طرح پر دشمنی ظاہر کرنی اور ایذا دینی شروع کی۔ ایک سال و

شیخ ضیاء الدین کے روستے میں حضرت سے اس کا آئنا سامنا ہوا مگر نہ اس نے  
 حضرت سے ملاقات کی اور نہ آپ کے سلام کا جواب دیا۔ یہ بادشاہ آخر کار  
 خسرو خاں کے ہاتھ سے قتل ہوا اور یہ واقعہ یوں ہوا کہ سب قطب الدین خلجی نے  
 نئی جامع مسجد بنوائی تو کل علماء اور فضلاء کو نماز جمعہ ادا کرنے پر حکم دیا چنانچہ سب تعمیل  
 حاضر ہوئے مگر حضرت نہ گئے اور جواب دیا کہ جامع کیلو کھڑی قدیم اور ہم سے قریب  
 اور زیادہ حق دار ہے ہم دوسری مسجد میں نہیں جاسکتے۔ بادشاہ اس جواب سے سخت  
 ناراض ہوا پھر حکم دیا کہ تمام علماء و مشائخین ماہ نو کے سلام کو حاضر ہوا کریں چنانچہ سب  
 جلتے اور آپ اپنے بدلے خواجہ اقبال کو بھیج دیتے۔ دشمنوں نے بادشاہ کو خبر کایا اور بزور آپ کے  
 بلائے پر آواہ کیا اور بادشاہ نے بھی برائے شفتہ ہو کر حکم دیا کہ اگر شیخ نظم الدین آئندہ ماہ نو کی ہنیت کو  
 حاضر نہ ہوں تو میں بزور ان کو حاضر کرانوں گا۔ غلصوں نے یہ خبر حضرت کے گوش گزار کی  
 آپ سن کر خاموش ہو گئے اور سیدھے اپنی والدہ صاحبہ مزار پر جا کر عرض کی کہ اگر بادشاہ میری بے رحمی کی  
 تو غرہ ماہ آئندہ کو میں آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوں گا کیوں کہ آپ معمولاً اپنی تاریخ  
 اپنی والدہ صاحبہ کے مزار پر جایا کرتے تھے۔ پھر آپ خانقاہ میں تشریف آئے  
 اور بہ اطمینان تمام سارا ہینا گزار دیا۔ جب چاند رات آئی تو لوگوں نے یاد دلایا۔ آپ نے  
 فرمایا کہ میں نہ جاؤں گا یہ سن کر خدام متفکر ہوئے حضرت نے فرمایا۔ ”تم کچھ اندیشہ  
 نہ کرو میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک بھار نے مجھ پر حملہ کیا میں نے اس کے دونوں  
 سینگ پکڑ کر اس زور سے دے مارا کہ وہ مر گیا پس مجھ کو یقین ہے کہ میں انشاء اللہ بادشاہ  
 غالب آؤں گا اور وہ میری ایذا دہی کی سزا پائے گا۔ الغرض جب آدمی رات گئی  
 تو آپ خانقاہ کی چھت پر ٹھٹھتے جاتے تھے اور یہ بیت پڑھتے جاتے تھے۔ ۵  
 اسی رو بہک چراغ نشستی بجا خوش  
 باشیر پنچہ کردی دودیدی سزائے خویش  
 اور اسی وقت خسرو خاں نے قطب الدین مبارک خلجی کا سر کاٹ کر (سلسلہ) محل  
 کے نیچے پھینک دیا اور خود ناصر الدین خسرو خاں کے لقب سے بادشاہ بن بیٹھا  
 اور قطب الدین کی منگو سے شادی بھی کر لی آخر یہ ہمک مرام بہت جلد اپنے  
 کیفر کردار کو پہنچا اپنی سلطان غیاث الدین تغلق کے ہاتھ سے چھ مہینے کے بعد  
 قتل ہوا اور سلسلہ میں آخر اندک گرفت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ بھی حضرت کے خلاف تھا

کہ خسرو خاں نے جو نذرانہ فقرار کو تقسیم کیا تھا سب نے واپس کر دیا مگر اپنے چوں کہ تقسیم کر چکے تھے واپس نہ دیا اس سے بادشاہ کے دل میں گرہ پڑ گئی اور لوگوں نے موقع پا کر اور کان بھرے۔ آخر اس نے مکھنوتی سے دلی میں واپس آئے ہوئے کہا کہ ”میں دہلی پر پہنچ کر اس فقیر کو شہر بدر کروں گا“ آپ نے سنا اور فرمایا ”ہنو دلی دور است“ جب بادشاہ دلی کے قریب پہنچ گیا تو اس کے بیٹے محمد تغلق نے حکم دیا کہ موضع افغان پور میں جو تغلق آباد سے صرف چار میل ہی ایک مختصر فاصلہ تھا۔ کیا جائے تاکہ بادشاہ وہاں ایک دن قیام فرمائیں اور دوسرے دن باکو کبہ شاہی تغلق آباد میں تشریف لاکر تخت شاہی پر جلوس فرمائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بادشاہ اس محل میں ٹھہرا۔ امراء و اہل بیت کو حاضر ہوئے۔ خاصے کے بعد جب امراء باہر آئے تو یکایک اس مکان کی چھت پر بجلی گری بعض کہتے ہیں کہ شاہزادہ محمد کی سازش سے وہ مکان گرایا گیا بہر حال کچھ بھی سبب ہوا ہو بادشاہ مع چھ سات دیگر ہمراہیوں کے شہید ہوئے۔ ملک عدم کو روانہ ہوا اور آپ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ آپ کے کمالات ظاہری و باطنی خوارق عادات بے شمار ہیں۔ چنانچہ اسی طرح جلال الدین فیروز شاہ خلجی کی وفات جو مانک پور میں ۶۹۵ھ میں ہوئی تھی اور شاہ جہاں جب کہ وہ کشتی میں سے اترتا تھا ملک علاء الدین نے دغا سے تلوار سے قتل کیا۔ بادشاہ کی موت کا صحیح وقت بھی آپ کو کشف و کرامت سے معلوم ہو گیا تھا۔ اور اسی طرح ۱۱۱۹ھ میں بہمد علاء الدین خلجی جب منگولوں نے دلی پر حملہ کیا تو آپ کی ایک ادنیٰ کرامت یہ تھی کہ صرف آپ کی دعا ہی سے آئی اوائی فوج خیر و بخود پلٹ گئی۔ سلطان محمد ثالث بن تغلق اپنے باپ کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ اوائل زمانہ سلطنت میں بہت نیک اور عادل تھا اور حضرت کا بڑا احترام کرتا تھا چنانچہ اسی نے سب سے پہلے آپ کے مزار پر قبہ بنوایا مگر افسوس ہو کہ جس سال یہ تخت نشین ہوا ۱۲۱۹ھ اسی سال حضرت کا وصال ہو گیا۔

آں دوست خذارد و نہادند

گر یا جگر ز میں کشادند

**وفات**

جب عمر شریف زیادہ ہوئی اور ضعیفی آگئی تو آپ کی خوراک بالکل تھک گئی کھانا آتا تو آپ ایک یا ادھی روٹی اٹھا لیتے اور ہری ترکاری مثل کریلے

وغیرہ سے لوش فرماتے اور احباب سے کہتے کہ یہ چیز چکھو بڑے مزے کی ہر  
مغرب کی نماز کے بعد آپ بالا خانے پر چلے جاتے اور وہیں آپ کے پاس  
آپ کے رفقاء بھی چلے جاتے۔ خادم انواع و اقسام کے میوہ جات اور مٹھائیاں  
پیش کرتے وہ سب اوروں کو کھلا دیتے اور آپ نہ کھاتے۔ عشاء کے وقت  
پھر نیچے اتر کر باجماعت نماز پڑھتے اور پھر اوپر چلے جاتے۔ خاص خاص لوگ  
اس وقت بھی حاضر ہوتے۔ امیر خسرو قصص و حکایات لطائف و ظرائف بیان  
کرتے اور آپ سن کر داد دیتے اور سر ہلاتے چنانچہ امیر خسرو کہتے ہیں یہ  
نخست خسرو سکین ازیں ہوس شہبا کہ دیدہ بر کف پائیت ہند بخواب رود

اور خود حضرت تبلیغ خوانی میں مصروف رہتے تھے۔ زبان سے سب کی دلچسپی  
اور خاطر داری فرماتے اور ہر ایک کے حال کی پرسش فرماتے۔ اور دل میں  
خدا کو یاد کرتے رہتے۔ سبحان اللہ کیسی متبرک محبت تھی۔ طَلَبُ بَنِي كَاغِيْنِ قِيَمِ اَنْتَ  
بِكَيْفِيَّتِهِ فَيُفِيَّتُ مِنْ نِعْمَةٍ مِنْ وَجْهِكَ الْحَسَنِ یعنی اُس قوم کی آنکھوں کو خوشی اور  
سبار کی موج میں تو بہو اور وہ تیرے خوب صورت چہرے کے دیدار سے  
مستفید ہوتے ہیں۔ جب مجلس برخواست ہوتی خواجہ اقبال چند آفتابے باقی  
بھر کے رکھ دیتے اور حضرت حجرے کا دروازہ بند کر کے یا دعویٰ میں تمام شب  
مشغول رہتے اور نہ معلوم کہ کیا کیا راز و نیاز ہوتا تھا چنانچہ بارہا یہ بیت ارشاد فرمائی کہ  
عشق کہ از تو دارم ای شمع چگل  
دل داند و من دانم و من دانم و دل

اور اکثر اوقات یہ قطعہ بھی پڑھا کرتے تھے۔ قطعہ

تنہا منم و شب و چراغی  
مونس شدہ تا بگاہ روزم  
گاہ از قف سینہ بر فردزم  
گاہش ز آہ سر و بکشم

اور یہ بیت بھی زبان پر جاری رہتی تھی۔ ۵

شہاسن و شمع و رگدازیم  
ایں ست کہ سوز من نہاں است

جب سحری کا وقت آتا خادم آن کر دستک دیتے حضرت دروازہ کھول دیتے۔  
خادم کھانا سامنے رکھ دیتے آپ چند تہے کھا کر فرماتے کہ باقی بچوں کے  
تاشتے کے واسطے رکھ دو۔ حضرت کے خادم عبدالرحیم جن کے متعلق یہ خدمت تھی

بیان کرتے ہیں کہ جب میں کھانا لے جاتا تو اکثر آپ نہ کھاتے اور اگر کھاتے بھی تو بہت کم۔ ایک روز میں نے عرض کی کہ حضور اگر کھانا نہ کھائیں گے تو آپ کا کیا حال ہوگا۔ حضرت زار و قطار رونے لگے اور فرمایا کہ اے عبد الرحیم جس وقت میں کھانا چاہتا ہوں یا پانی پیتا ہوں تو مجھ کو غبار کا حال زار یاد آتا ہے کہ بہت سے مساکین درویش مسجدوں کے کونوں اور دکانوں میں بھوکے پیاسے پڑے ہوں گے تو اب تم ہی بتاؤ کہ کس طرح کوئی چیز میرے حلق سے اترے۔ صبح کو جب آپ باہر تشریف لاتے تو آپ کی آنکھیں شب بیداری سے سرخ رہتی تھیں اور عالم غار کا نظر آتا تھا۔ ۵

شکار چشم تو جاناہیک بار  
اسیر زلف تو دلہا بہر تار  
خیال زلف تو خواب ز سر ہر  
دو چشم مست تو خون دلم خورد  
جمعہ کے دن آپ کا مزاج جاوہ اعتدال سے منحرف ہوا اور نور تجلی سے سینہ بھار  
آپ کا روشن ہو گیا۔ نماز میں سجدے کی حالت میں پڑے رہتے پھر اسی عالم محویت  
میں مکان میں تشریف لائے اور گریہ وزاری زیادہ فرمانے لگے اور جب ہوش  
آتا فرماتے آج جمعہ کا روز ہے ضرور دوست کا وعدہ دوست کو یاد آتا ہے اور ہا بار  
پوچھتے تھے کہ میں نے نماز پڑھ لی یا نہیں۔ خدام عرض کرتے آپ نے  
نماز پڑھ لی ہو آپ فرماتے اور پڑھ لوں خبر نہیں کہ پھر بھی نماز پڑھنی نصیب  
ہوگی یا نہیں۔ عرض جب تک نہ ہو ہے نماز کو کمر سے کر رہا ہوں اور یہ مصرعہ اکثر فرماتے  
میں - می رویم و می رویم و می رویم۔ بعد ازاں آپ نے اپنے سب رفقاء و خدام  
اور اعزہ کو جمع کر کے اقبال غلام کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ تم سب کو اب ہنا کہ اگر کسی قسم کی کوئی چیز  
گھر میں رکھ چھوڑے گا تو قیامت کے روز اس کی جواب دہی اس کے ذمے  
رہے گی۔ اقبال نے عرض کیا کہ میں کوئی چیز باقی نہ رکھوں گا سب فقرا کو بھی  
تقسیم کر دیتا ہوں اور سارا سامان تقسیم کر کے حضرت کو خبر دی کہ سوائے نفلے کے  
جو نفلہ خانے کا روزانہ خرچ ہو سب بانٹ دیا۔ آپ سن کر منغض ہوئے اور کہا  
کہ اس مردہ ریگ کو کیوں رکھ چھوڑا ہے۔ اقبال نے کہا کہ میں نے سوائے اس  
نفلے کے کچھ نہیں رکھا اور یہ بھی اس خیال سے لگا رکھا ہے کہ مخلوق خدا کو دکھائی



آپ نے کہا کہ مخلوق خدا کو بلاؤ اور سب کو بلا کر فرمایا کہ اس غلے کو لوٹ لو اور اس جگہ بھاڑ دو دے دو۔ تھوڑی دیر میں سارا غلہ ٹٹ کر بھاڑ مل گئی۔ بعد سب خدام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ کے بعد ہمارا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں تم کو اس قدر ملے گا جو تمہاری ضروریات کو کافی ہوگا۔ پھر رفقاء و معتقدین کے اصرار سے مولانا شمس الدین نے پوچھا کہ آپ کے حلیے میں لوگوں نے بڑی بڑی پر تکلف عمارتیں بنوائی ہیں اور سب کی تمنا یہی ہے کہ آپ ہماری عمارت میں آسودہ ہوں پس حضرت کا کیا منشاء ہے۔ آپ نے فرمایا مولانا مجھے کسی عمارت میں دفن نہ کرنا۔ مجھے صحرائیں دفن کرنا چنانچہ بعد وفات ایسا ہی کیا گیا۔ بعد میں سلطان محمد تغلق نے آپ کا روضہ منورہ نہایت مکلف بنوایا اور اس کے بعد سے آستانہ پاک کی خدمت ہر ایک شاہ و امیر نے اپنی سعادت دارین تصور کر کے کچھ نہ کچھ توسیع کی۔ وفات سے چالیس دن پہلے آپ نے کھانا بالکل ترک فرمادیا تھا یہاں تک کہ کھانے کی خوشبو بھی نہ سونگھتے تھے اور ہر وقت آپ کے آنسو جاری رہتے تھے۔

گر نہ بنی گریہ زار مندانے فرق کرد  
کاب چشم است این کہ پیش می دودیا آب جو

اسی اثنا میں مبارک تھوڑا شور بالا سے۔ پوچھا کیا ہے۔ انہوں نے کہا تھوڑا سا شور ہو آپ نوش فرمائیں۔ کہا۔ دریا میں بھینک دو۔ پھر انہوں نے کہا کہ آپ نے کئی کئی دن سے غذا ترک فرمادی ہے آپ کا کیا حال ہوگا۔ فرمایا۔ اے سید! جس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاق ہوں اسے طعام دنیا سے کیا کام۔ حالت مرض میں آپ نے بات چیت بھی بالکل ترک کر دی تھی۔ بوقت وفات آپ نے اپنے کپڑوں کا بقیہ مٹکایا اور ایک مصلیٰ خاص اور دستار اور پیرہن مولانا برہان الدین غریب کو عطا فرما کر دکن کی طرف رخصت کیا اور ایک دستار اور مصلیٰ اور پیرہن مولانا شمس الدین بھلی کو عطا فرمایا۔ اُن دن حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی بھی خدمت میں حاضر تھے مگر اُن کے واسطے کچھ ارشاد نہ کیا جس سے تمام حاضرین حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ باوجود اس قدر عنایت کے ان کو کچھ نہ دیا۔ آخر وفات سے ایک دن اُن کو طلب فرمایا اور عصا اور مصلیٰ اور حلیہ اور کاسہ جو بین اور جو تبرکات حضرت بابا صاحب سے پائے تھے سب اُن کو عمت



کیئے اور ارشاد کیا کہ تم کو دہلی میں رہ کر لوگوں کی جفا و قضا ٹھانی چاہیئے۔ ابتدا سے  
ماہ ذی الحجہ ۱۰۷۷ھ میں آپ کی علالت شروع ہوئی اور چار مہینے چند دن بیمار رہ کر  
نسکایت جس بول سے بالا فرما رہے تھے اثنائی ۱۰۷۷ھ بدھ کے دن طلوع آفتاب  
کے وقت ۸۹ برس کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ امیر خسرو فرماتے ہیں یہ  
ربیع دوم و ہمدردہ زمرہ درابر رفت آں نہ زمانہ چوں شمار بست داد و پنج مقصد را  
خرو نے یہ تاریخ کہی ہو :-

انتظام زمان و اہل زمین	شیخ عالی نسب نظام الدین
چار شنبہ بجلد نقل نمود	ہمد ہم از ربیع ثانی بود
نود و چار سال عمرش بود	کاں زماں شد بہ حضرت معبود
ترجیل آں ستودہ خصال	ز و خرو و مزبدہ بہشت رقم
مرقد او بہ شہر دہلی نال	فیض بخش بطفل و پیر و جواں

جنازہ مبارک کی نماز شیخ الاسلام حضرت رکن الدین نے پڑھائی جو بہار الدین نوکریا  
لمتانی کے نواسے تھے اور بعد نماز کے فرمایا کہ اسی واسطے چار سال سے  
مجھے دلی میں رکھا تھا کہ یثرب مجھے حاصل ہو۔ جب جنازہ مبارک کو دفن کے  
واسطے چلے تو قوال یہ غزل گارہے تھے۔

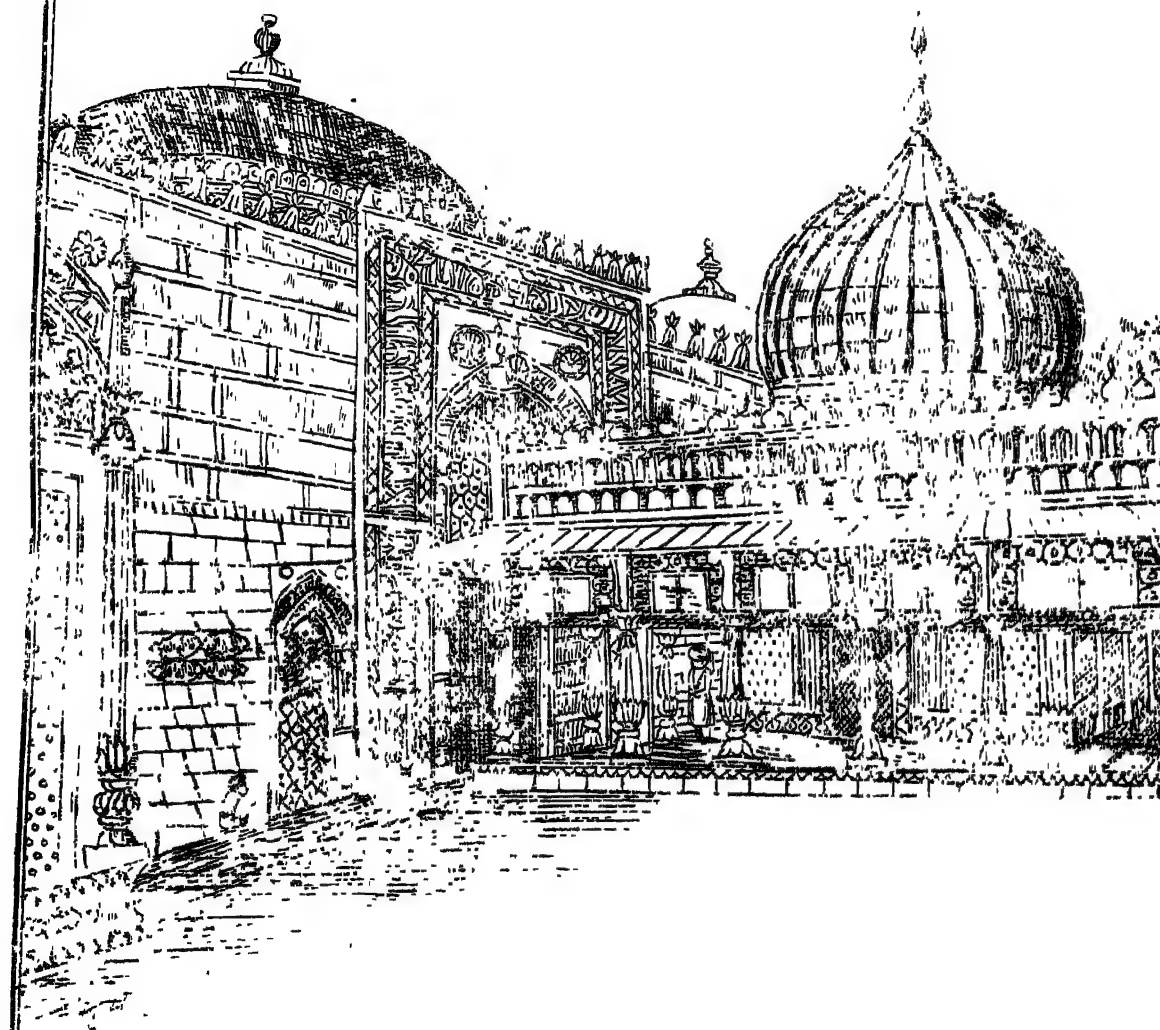
سر و سیمینا بصحرای روی	نیک بد عہدی کہ بے مامی روی
ای تماشا گاہ عالم روئے تو	تو کجا بہر تماشہ فی روی

حال اور وجد جنازہ مبارک پر غالب ہوا اور جسم اقدس جنبش میں آیا۔ مولانا رکن  
نے فوراً سماع بند کر دیا اور بعض کتب میں مذکور ہے کہ حضرت جنازہ سے ہاتھ  
باہر نکال کر فرمایا من غی روم۔ اسی وقت حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی نے  
عرض کیا ”شینخا شینخا باش دست درکش قدم سید در میان ست“ اگر اسی وقت حضرت  
نے ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ کو نماز طہر کے وقت غیاث پور میں دفن کیا گیا۔

ماہ درابر احتجاب نمود	عاشقاں را بدیں عذاب نمود
پردہ از زلف بست بر رخ خود	در دو حیرت بدیں خراب نمود

آپ خاندان چشتیہ سے تھے جس خاندان سے حضرت خواجہ خواجگان معین الدین

حن منجری امیری خشتی ہیں اور حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین خجندیہ کا کی  
 اوشی خشتی جن کے نام نامی سے سارا قبضہ ہر ولی قطب صاحب کہلاتا ہے ان کے  
 خلیفہ اور خواجہ قطب الدین صاحب کے خلیفہ حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الدین  
 گنج شکر عرف بابا صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جن کا مزار پاک پٹن میں ہے اور انھیں سے  
 آپ کو بیعت تھی لیکن جو شہرت آپ کو نصیب ہوئی وہ کم تر کسی کو ملی۔ آپ بڑے  
 عابد و زاہد۔ متورع۔ متواضع۔ باکمال اور صفات برگزیدہ کا مجموعہ تھے۔ آپ بڑے  
 ذی علم اور صاحب کمال تھے۔ غرض کہ آپ ہمہ اوست و ہمہ ازوست اور مرجع  
 عام و خاص وقت تھے۔ آپ کے ارشد مریدان میں سید مخدوم شیخ نصیر الدین محمود  
 جو عموماً چراغ دہلوی کے نام سے مشہور ہیں اور مشہور شاعر امیر خسرو تھے۔  
 حضرت جب تک زندہ رہے آپ کے در اقدس پر خلافت کا اثر و عام نگار ہوتا  
 تھا اور آپ کے وصال کے بعد بھی تا ایں دم آپ کا مزار مبارک ہمیشہ انوار الہی  
 و منبع فیض نامتناہی قبلہ عالم و عالمیاں اور خاک و راقدس تریاق پیاراں ہو۔  
 ذاتے کہ در لطافت طبع و کرامت شمس  
 دور دور مقامات بلا و دامصارتے لوگ جوق جوق اگر زیارت سے مشرف ہوتے  
 اور اپنی جھولیاں مقاصد اور مرادوں سے بھر بھر کے لے جاتے ہیں  
 خاک و رت کہ سرمہ اہل نظر شد است بہر شفاے دلماتریاق اعظم است  
**آستانہ شریف** اسکان و بند و دوترسا و گبر ز خاک و رت جملہ افسر کنند  
 چو کا فور و صندل ازاں خاک پاک بچشم اندر آرنند و دایر کنند  
 حضرت موضع غیاث پور میں جواب نظام الدین ہی کے نام سے مشہور ہے اور  
 دہلی سے تین میل کے فاصلے پر جی آئی بی ریلوے کا اسٹیشن ہے یا رانی چبوترے  
 کے پاس آسودہ ہیں۔ یہ چبوترہ اکثر حضرت کے قدوم ہیمنت لزوم سے  
 مشرف ہوتا تھا اور یہیں اکثر آپ تشریف رکھا کرتے تھے اور یہیں اپنے حلقے کے  
 لوگوں کو وعظ اور پند و نصائح فرماتے تھے۔ یہیں امیر خسرو بھی دفن ہیں اور  
 یہیں آپ کے زیر سایہ سلاطین دہلی کی قبریں بھی ہیں۔ یہاں ہمہ وقت قرآن فی  
 ہوتی رہتی ہے۔ ایک بہت بلند اور منگ بست شمالی دروازہ لب سڑک



درگاه شرفیه نظام الدین اولیاء

واقع ہو۔ یہ دروازہ اُس فصیل کے اندر واقع ہو جو تمام بستی کے اطراف ہو اور اسی دروازے پر نہایت جلی قلم سے سنہری حرفوں میں یہ مصرع مرقوم ہو۔  
 شاہاں چہ عجب گر بنوا زندگدار۔ اب اس دروازے کے ہر دو جانب کے حجروں میں مدرسہ ہو۔ نظام الدین کی بستی میں داخل ہوتے وقت بائیں طرف چونسٹھ کھجے کی عمارت ہو اور ذرا آگے بڑھ کر اسی رخ پر اکبر ثانی کی ملکہ شاہزادیوں اور دیگر محلات کی قبریں ہیں۔ بائیں جانب ایک چھوٹا سا دروازہ ہو جہاں جوتیاں اُتاری جاتی ہیں اور اسی دروازے کے کونے میں ایک بہت پرانا اعلیٰ کا درخت کوئی پانسو برس کا ہو۔ اس دروازے کے سامنے ساٹھ فٹ مربع صحن ہو دروازے کی بائیں طرف شربت خانہ ہو یعنی سنگ مرمر کا ایک بہت بڑا پیالہ ہو جس کو منت مراد والے وودھ یا شربت یا طوے سے بھرتے ہیں۔ اور یہیں ایک حجرے میں مدرسہ ہو اور کسی کا ایک مزار بھی ہو اور داہنی طرف حضرت امیر خسرو کا مزار ہو۔ اس صحن کے شمال میں ایک اور احاطہ ہو جس میں سنگ مرمر کا فرش ہو اور اسی میں حضرت نظام الدین اولیاء کا مزار مبارک ہو۔ یہ احاطہ ۱۹ فٹ گول میں اور ۸ فٹ گول عرض میں ہو اور اسی احاطے میں چار آرابیگم مسجد اور مرزا چانگیر کی قبور ہیں اور ایک مسجد بھی ہو جس کا نام ”جامعت خانہ“ مشہور ہو۔  
 درگاہ شریف سے اندر داخل ہونے کا ایک چھوٹا سا دروازہ شمالی رخ پر ہو جس سے کوئی بیس گز کے فاصلے پر آپ کے مزار شریف کا قبہ ہو جو تیس فٹ مربع ہو اور جس کے چاروں طرف پانچ پانچ محرابیں ہیں جن کے سنگ مرمر کے بیس ستون ہیں اور جو نسبت درمی کھلتی ہو اور جس کے چاروں طرف چھ فٹ چوڑا برآمدہ ہو۔ حضرت کے مزار کے حجرے کے اطراف سنگ مرمر کی لپا میں جن کے گرد سنگ سرخ کا حاشیہ لگا ہوا ہو اور اندر سے حجرہ شریف اٹھارہ فٹ مربع ہو۔ اس حجرے اور برآمدے کا سا مار فرش سنگ مرمر کا ہو۔ دروں اور کھڑکیوں پر سرخ بانات کے پردے پڑے رہتے ہیں۔ آپ کا گنبد کمر کی شکل کا سنگ مرمر کا ہو جس پر سنگ موسیٰ کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں اور اوپر سنہری کلس چڑھا ہوا ہو۔ اور حجرے کے چاروں کونوں پر نہایت خوبصورت

چھوٹی چھوٹی سنگ مرمر کی برجیاں ہیں جن کے کلس بھی سنگ مرمر ہی کے ہیں۔  
 ابر عیلا آسمان ہوتا ہو تو حجرے میں ذرا اندھیرا ہو جاتا ہو اور دیواریں اور قبر شریف  
 صاف نہیں معلوم دیتی۔ مزار کے سر پہننے کی دیوار میں تین جالیاں سنگ مرمر  
 کی ہیں۔ بیچ والی بڑی ہو اور ادھر ادھر کی اس سے چھوٹی۔ مغرب رو دیوار  
 میں ایک طاق ہو جس پر سنہری کام ہو۔ طاق کے دونوں طرف جالیوں میں سے  
 روشنی اور ہوا داخل ہوتی ہو۔ مشرق کی طرف بھی اسی قسم کی تین جالیاں ہیں۔  
 جنوبی دیوار کے بیچ میں داخلی دروازہ ہو جس کے دونوں جانب سنگ مرمر  
 کی جالیاں ہیں۔ قبر شریف پر ہمیشہ شامیاز تارہتا ہو۔ مورچھل شتر مرغ کے  
 انڈے اور قلمی ٹکٹے رہتے ہیں۔ قبر شریف کے اطراف ایک سنگ مرمر کا  
 کٹھرا دو فٹ اونچا ہو۔ جو اب سرخو رشید جاہ بہادر مرحوم رئیس اعظم حیدر آباد  
 دکن نے لگایا جس پر یہ عبارت تاریخ کندہ ہو۔ درگزر ایندہ غلامان غلام فردی  
 محی الدین بہادر شمس الامراء امیر کبیر خورشید جاہ بخت ویکم ماہ منظر المنظر مستلہ ہجری  
 چھپر کھٹ کے ستون دس فٹ اونچے ہیں اور چھتری دس فٹ لمبی چار فٹ  
 چوڑی ہو جو تین کپڑے کی ہو۔ قبر کے سر پہننے ایک کھلا ہوا قرآن شریف  
 رعل پر رکھا رہتا ہو جس کے پیچھے ایک تختی سنگ مرمر کی ہو جس پر سیپ  
 کے سنہری حرفوں میں آیات قرآنی کندہ ہیں۔ حجرے کے اندرونی ستون  
 سنگ سرخ کے ہیں اور جالیوں کے اندر وار بھی سنہری کام ہو۔ ابتدا مزار شریف  
 ایک جالی دار چار دیواری کے اندر تھا۔ جس پر سلطان محمد بن تغلق نے سب سے  
 پہلے گنبد بنوایا تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہو کہ فیروز شاہ  
 تغلق نے حجرے کے اندرونی حصے کی درستی اور آراستگی کے علاوہ گنبد اور  
 جالیوں کی بھی مرمت کرائی اور صندل کے کواڑ چڑھاوا۔ حجرے کے  
 چاروں کونوں پر سونے کے کٹورے آویزاں کیئے اور جماعت خانے کی  
 سربلک عمارت بھی بنوائی۔ درگاہ کا تمام فرش سنگ مرمر کا محمد شاہ باو شاہ کا  
 بنوایا ہوا ہو چنانچہ محاذی درگاہ شریف فرش کی ایک سل پر ۱۳۹۱ھ کندہ ہو۔  
 ۹۶۶ھ میں سید فرید خاں نے سنگ مرمر کی لوح نصب کی جس پر یہ قلمی کندہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شکر کہ در روضہ حضرت غوث الانام  
مہر نسب را شرف پنج شرف را شہاب  
بانی او ہاشمی ساعی او ہاشمی  
از پی تاریخ آں چوں متفکر شدم  
روسے بدر گاہ او آفریدون بصدق  
از پی تعمیر شد خان فلک احتشام  
سید عالی نسب میر فلک احترام  
آنکہ بدور این شاہ ہست سخن را نظام  
کلب خور و زور قم قبد گہ خاص عام  
شاید از لطافت پیر کار تو گرد و نظام

کاتب حسین احمد چشتی

نور الدین جہاں گیر بادشاہ کے عہد سلطنت میں نواب فرید خاں الخاطب ترضی الخاں  
نے جن کا فرید آباد بسایا ہوا ہے وہاں اس عہد میں مزار مبارک پر سیپ سے بچھیکاری  
کام کا بہت نفیس اور نہایت عمدہ و بیش قیمت صندل کی لکڑی کا چھپر کھٹ  
چڑھایا۔ جس میں سیپ کا ایسا نفیس ہار یک اور نازک اعلیٰ درجے کا کام کیا ہوا  
کہ دیکھ کر عقل دنگ ہو جاتی ہے کہ کن ہاتھوں نے اور کس محنت سے بنایا ہو گا جو  
قدرت انہی او صنایع بے بدل کا ایک نہ ہو اس چھپر کھٹ کے اطراف سیپ کی بچھیکاری یا شعار نقوش میں

شیخ دہلی نظام را و فرید  
یک فریش مقام فانی داد  
ترضی خاں فراز مرقد او  
ابر فیروزی از جہاں برقا  
بر جہاں کعبہ مرلج او  
عرشہ مرقد مبارک او  
عرش درپا چار قائمہ اش  
ہر کہ رخ از مقام او نماید  
نما کہ او در سجد او آورد  
فک او متعاش اربابی  
سال تاریخ این نہا جستم  
قدر بانی او رفیع کناد  
کار دنیا و دین حیا کرد  
یک فریش مقام حیا کرد  
قبہ چوں سپہر بر پا کرد  
و تیکدانہ در صدف جا کرد  
چادر از چار حد واکرود  
برز میں کار عرش اعلیٰ کرد  
چار تکیہ بے محابا کرد  
پشت بر کعبہ معلّا کرد  
رخ چو آئینہ مصفا کرد  
دینواں کرد جد سجا کرد  
قبہ عقل شیخ الثا کرد  
آنکہ این ہفت سقف خضر کرد

۱۰۶۳ھ یعنی شاہ جہاں کے عہد میں ایک امیر خلیل اللہ خاں نامی نے آپ کے مزار ۱۶۵۲ء کے گرد سنگ سرخ کی غلام گردش بنائی اور اس کے ہر ہر ضلع میں پانچ پانچ درخت جو سب ملا کر بیس درہیں اور جنوب کی طرف کے ضلع کے دوسرے اور چوتھے درہیں یہ عبارت کندہ ہو۔ دوسرے درہ پر در عہد اعلیٰ حضرت صاحب قرآن ثانی احتقر العباد خلیل اللہ خاں بن میر میراں حسین نعمت الہی - چوتھے درہ پر فی ۱۶۲۳ھ - کہ حاکم شاہجہان آباد بوداں ایوان مابود روضہ متبرکہ مرتب نمود۔ ۱۱۶۹ھ میں عزیز الدین عالم گیر ثانی نے جو آپ کی جناب میں بہت اعتقاد رکھتا تھا چند اشعار آپ کی مدح اور اپنے درد دل میں کہے اور جہج کے اندر سنگ مرمر پر کندہ کرا کے مغرب کی طرف پائنتی کے رخ پر لگا دیے ہیں۔

## یا عزیزین

جو ہوے خادم نظام الدین کا و بساں غریب اس کے تئیں ہوتا ہو تی خسری جگ میں نصیب  
خادمی کی تھی عزیز الدین نے با صدق یقین تاج شاہی بند کا مجھ کو دیا ہو عنقریب  
مرض دل انگار میرے کا و صحت بخش ہو بے غذا و بے دعا و بے دوا و بے طبیب  
بس پریشاں حال ہر اب خلق پر محبوب حق فضل کر تقصیر واروں پر تم ہو حق کے طبیب  
باہتمام غلام ہوشیار علی خاں محلی ۱۱۶۹ھ

خلیل اللہ خاں کی بنوائی ہوئی غلام گردش ایک عرصے تک بحال خود رہی۔ بعد میں مولوی محمد فخر الدین صاحب عرف مولانا فخر صاحب نے سنگ سرخ کی غلام گردش کی جگہ سنگ مرمر کی غلام گردش بنوانے کا ارادہ کیا چنانچہ آپ کے پوتے غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب نے جو سجادہ نشین تھے سنگ مرمر کے ستون خرید کیے لیکن ان کی حیات مستعار نے وفات کی اور یہ کام اودھو راہ گیا۔ ۱۲۲۳ھ میں ذاب احمد بخش خاں بہادر والی فیروز پور بھر کر نے سنگ سرخ کے ستون لگا کر وہی سنگ مرمر کے ستون لگا دیئے مگر محراب میں اور غلام گردش کی چھت سنگ سرخ کی رہی اس میں یہ نقص تھا کہ ہمیشہ دھواں لگ کر نقش و نگار جھڑے جاتے تھے۔ ۱۲۳۶ھ میں فیض اللہ خاں بخش نے سنگ سرخ کی چھت کے نیچے تانبے کے پتھر کی چھت جڑا دی اور اس پر اندر باہر تمام سنہری اور لاجوردی کام نمودار کیا جو بوسیدہ ہو جانے سے ۱۲۵۸ھ میں صرف چھت پر دوبارہ گلکاری کی گئی۔ اس



چھت کے بنانے کی تاریخ چھت کے کنارے پر لگی ہوئی ہے لیکن وہاں کا چونا شور لگ کر گیا جس سے تاریخ بھی جا بجا۔ یہ سند گم ہو اب ہر شکل جو پڑھی جاتی ہے وہ یہ ہے:-

درگاہ نظام الحق والدین۔ کہ محبوب .....  
چراں سقف مطلقا نقش بنا کو خان نکلش خوشتریں است  
وصالیں سقف باریں ... کہ اس خا .....  
..... گفتا نامی کارچنیں است

حررہ محمد جان ۱۶۳۶ھ

درگاہ شریف کا برج چوڑے کا اور پست تھا جو غلام گردش کے بننے سے اور بھی دیکھا تھا  
۱۶۳۹ھ میں اکبر شاہ ثانی نے سنگ مرمر کا برج بنا نہایت نفیس سنہری کلسن چڑھا دیا  
آپ کے مزار کے حجرہ مبارک کے کواڑوں کے پٹوں پر چاندی کا پتھر منڈھا ہوا ہے جس پر یہ اشعار  
کندہ ہیں:-  
اللہ اکبر

بطفیل ہمہ قبولم کن  
خسرو اذ تو پناہ می جوید  
ای الہ من دالہ ہمہ  
ای پناہ من دپناہ ہمہ  
کمترین محمد ناصر ۱۶ ربیع الثانی ۱۶۳۶ھ ہجری  
اللہ اکبر

ای ہر ماندگی پناہ ہمہ  
قطرہ زابر حجت تو بس است  
کرم تست عذر خواہ ہمہ  
شستن نامہ سیاہ ہمہ  
غلام غلام شاہ محمد خاں حشمتی نظامی ہوشیار پور رہی

آپ کے مزار کے پائین میں خواجہ معز الدین اور آپ کے جوار میں خواجہ ضیاء الدین  
آپ کے مرید مدفون ہیں۔ حضرت کل عرس شریف سترہویں ربیع الثانی کو بڑی دھوم دھماکا  
سے آج تک ہوتا ہے۔ ساری دلی اُمنڈ آتی ہے اور قوالی بھی بڑے زور شور سے ہوتی  
ہے اور یوں بھی ہر جمعرات کو نہائیں کا جمع ہوتا ہے اور قوالی بھی ہوتی ہے۔

درگاہ شریف کے احاطے کے صحن میں جنوب کی طرف اور تین  
دو کھجوریں جن کی سنگ مرمر کی چار دیواریاں الگ الگ ہیں۔ دروازہ  
سے لاکھوا مزار مرزا جہانگیر کا ہے جو شاہزادے تھے اور اسی کے سامنے محمد شاہ بابا شاہ



دہلی کا مزار ہو جس کے پیچھے شاہ جہاں بادشاہ کی چہیتی صاحب زادی جہاں آرا بیگم کا مجھڑو۔  
ان سب کے حالات جدا جدا آگے بیان کیے جاتے ہیں۔

جہاں آرا بیگم شاہ جہاں بادشاہ کی بیٹی تھی اور اس کا زمانہ  
وہ تھا جب کہ سلاطین مغلیہ کا نیر اقبال کمال عروج پر تھا  
اور اُس کی وفات اُس زمانے میں ہوئی جب کہ محمد شاہ

۱۰۹۲ھ

رنگیلے کے عہد میں سلطنت کا زوال شروع ہو گیا تھا اور نادر شاہ کے حملے نے سلطنت  
مغلیہ کی بنیاد ہلا دی تھی۔ مرزا جانگیر کے زمانے میں تو بادشاہت صرف نام ہی کی رہ گئی تھی  
وہ درحقیقت نادر شاہ کے تحت میں تھے اور ناقص نظر آتا تھا۔ جہاں آرا بیگم کے حالات  
میں عجیب تناقص ہے۔ مورخین اُس کو تمام اوصاف اور خاصن نسوانی سے متصف کرتے  
ہیں اور برہمیر فرانسسیسی سیلح اُس کے برعکس طرح کے اتہام لگاتا ہے جیسی کہ اُس کی عادت  
ہے کہ جس ہنڈیا میں کھاتا ہے اُسی میں چھید کرتا ہے۔ اس سبب ہم بمقابلہ روایات متواترہ کے  
برنیر کے بیان مجھڑو کو ساقط الاعتبار خیال کرتے ہیں۔ جب اورنگ زیب نے  
۱۶۵۸ء میں دارا شکوہ کو گرے سے نو میل کے فاصلے پر بمقام ستو گڑھ شکست  
اپنے باپ شاہ جہاں کو سخت سے آتاکہ قید کر دیا تو ایک بہن جہاں آرا تو باپ کی طرف ہو گئی اور دوسری  
رژن آرا بیگم نے فوج بھائی یعنی اورنگ زیب کے ساتھ دیا۔ باپ کے ساتھ آگرے کے قلعے میں جا کر ابھی مقید رہی۔  
رژن آرا بھائی کی مشیر صلاح کار تھی اور ہمیشہ اورنگ زیب کو شاہ اُس کے حضور میں لانے سے روکتی تھی اور۔  
اسی صلاح دشمنی سے دارا شکوہ قتل کیا گیا۔ جہاں آرا بیگم حسن بہال و عقل فرست میں مشہور زمانہ تھی اور جو توں  
جو باتیں ملکی کی ہونی چاہئیں وہ سب خدا نے کوٹ کوٹ کر اس میں بھردی تھیں۔ وہ اورنگ زیب  
کی ان حرکات سے متنفر تھی اور کبھی کبھی ذہن و بھی اپنی ناراضی کا اظہار کرتی تھی چنانچہ اورنگ زیب نے  
ناراض ہو کر جہاں آرا بیگم کے کچھ معمولات بھی مسدود کر دیئے تھے۔ شاہ جہاں ۱۶۵۸ء میں انتقال کیا باپ  
کی وفات کے پانچ برس بعد روشن آرا بیگم نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ جہاں آرا بیگم نے دہلی میں  
۳ رمضان المبارک ۱۰۹۲ھ میں انتقال کیا۔ یہ نہیں معلوم ہوا کہ جہاں آرا بیگم آگرے  
سے دہلی خود چلی آئی تھیں یا اورنگ زیب کے حکم سے آنا پڑا لیکن ضرور بھائی  
بہن کی رغبت کو اس نقل مکان میں داخل تھا۔ چونکہ جہاں آرا بیگم کو خواجگان چشت  
سے بڑا اعتقاد تھا اس لیے بیگم صاحبہ صوفیہ نے پیر زادگان و رگاہ کو ایک سے تم

خطیفے کر یہ زمین خریدی تھی اور خود تمام مظہرہ سنگ مرمر کا بنوایا۔ قبر سنگ مرمر کی زیر سما ہو۔ تعویذ کے بیچ میں مٹی بھری رہتی ہو جس پر ہریالی اگی ہوئی ہو۔ قبر ایک سنگ مرمر کی چار دیواری کے اندر ہو جو ۴۴ × ۴۴ اور آٹھ فٹ بلند ہو۔ چار دیواری کے اندر داخل ہونے کا ایک ہی دروازہ ہو جس کے کوارٹر چوبی ہیں۔ ہر دیوار میں تین تین دے نہایت نفیس سنگ مرمر کی جالی کے ہیں جس دیوار میں دروازہ ہو اس طرف دہی دے ہیں تیسرے دے کی جگہ دروازہ ہو۔ دیواروں پر سنگ مرمر کا عمدہ جالی دار کٹھرا تھا جو گرگرا گیا اب صرف ایک طرف کی دیوار پر اس کا کچھ حصہ باقی ہو جس سے اس کی نفاست کا اندازہ ہو سکتا ہو۔ احاطے کے چاروں کونوں پر چھوٹی چھوٹی ٹبر جیاں ہیں جن میں کی دو گرگرائیں اب صرف دو باقی ہیں۔ جہاں آرا بیگم کی قبر احاطے کے بیچوں بیچ میں ہو جس کے سراہنے ایک چلی سی سنگ مرمر کی تختی نہایت خوش نالیج کی کھڑی ہو جس پر بخط عربی سنگ موسیٰ کی پیچکاری سے ایسا خوش خط یہ کتبہ ہو کہ جس سے آنکھیں روشن ہو جائیں اور کہا جاتا ہو کہ یہ شعر خود مرحومہ متفقہ کا ہی ہو۔

ہوالحی القیوم

بنیر سبزہ پنوشد کسے مرار مرا  
کہ قبر پوش غریباں ہیں گیا پس است  
الفقیرة القانیہ جہاں آرا مرید  
خواجگان چشت بنت شاہ جہاں  
یاد شاہ غازی انار اسد برہانہ

۱۰۹۲ھ

جہاں آرا بیگم کی قبر کی داہنی طرف مرزا نیلی ملف شاہ عالم بادشاہ کی قبر ہو اور بائیں طرف جمال النساء بیگم دختر اکبر شاہ ثانی کی۔

درگاہ شریف میں جہاں آرا بیگم کے منجر کے مشرق میں  
محمد شاہ بادشاہ کا منجر | محمد شاہ بادشاہ کا منجر ہو۔ منلیہ سلاطین کے زمرے  
میں سب سے زیادہ مصائب و آلام کا زمانہ اس بد نصیب بادشاہ

۶۱-۱۱۳۱ھ  
۶۸-۱۱۱۹ھ

تھا۔ اور رنگ دیب کے انتقال کے ساتھ جو زوال شروع ہوا وہ اس کے عہد میں انتہائی

دربے کو پونج گیا۔ محمد شاہ ایسے زمانے میں تخت نشین ہوا کہ سارے ملک میں ہر طرف بد نظمی اور بڑھ پھیلا ہوا تھا۔ باج گزار راجاؤں اور امرا نے علم بغاوت بلند کر رکھا تھا۔ جہاں پہلے سے سکون تھا وہاں بھی فتنہ و فساد کی آگ بھڑک گئی اور سب سے بڑھ کر نادر شاہ کا حملہ اور دلی کا قتل عام ہوا۔ اب وہ دلگنگائی ہوئی بادشاہت رہی یہی بھی کم زور ہو گئی اور یوں سمجھنا چاہیے کہ اس وقت ہی سے سلطنت مغلیہ کا قطع وقوع ہو گیا۔ محمد شاہ کو مجبوراً امرا و سردسار دو الیان ملک کی خود سری کو انگیز کرنا پڑا اور سب سے بڑھ کر یہ مصیبت ہوئی کہ باوجود دلی کے قتل عام کے نادر شاہ بادشاہ کو جہان داری کے بہانے سے جبراً اپنی دارالسلطنت تک لے گیا اور یوں جا قتل عام کی بھڑکی ہوئی آگ ٹھنڈی پڑی اور شہر مزید مصائب اور تباہی و بربادی سے محفوظ رہا۔ محمد شاہ بے چارے کو اس ناخاندانہ جہان کی بادل ناخاستہ آؤ بھگت کرنی پڑی۔ تعریفی قصائد سامنے پڑھنے پڑے اور ایک لڑکی بھی اپنی نادر شاہ کے بیٹے کو دے لاکر اپنی جان بچانی پڑی۔ محمد شاہ اس سخت آفت کے بعد آٹھ سال تک زندہ رہا اور جب موت نے اُس کا پرودہ ڈھنک دیا تو درگاہ حضرت نظام الدین میں سودہ کیا گیا۔

قطعہ تاریخ وفات

شہ فلک چشم روشن اختر آں کہ از و  
چو شد بجا وہ فردوس زیریں سکا سپنج  
چو آفتاب جہاں جلگی فروغ گرفت  
سرد و ہاتف غیبی کہ گو بہشت رفت

اس کی قبر کا احاطہ مستطیل ہے جو میں فٹ لمبا اور سو گھانٹ چوڑا ہے۔ چار دیواری آٹھ فٹ سے کچھ اونچی ہے جس کے چاروں کونوں پر سنگ مرمر کے چھوٹے چھوٹے منارے ہیں۔ دروازہ اور اُس کے سامنے کے دے بھی سنگ مرمر کے ہیں جو نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ دیواروں میں سنگ مرمر کی جالیاں ہیں انہیں کے درمیانی سٹے میں دروازہ ہے جس کے کواڑ بھی سنگ مرمر کے ہیں۔ احاطے کے طول میں سنگ مرمر کے پانچ ولے ہیں اور عرض میں تین تین۔ جالیاں پانچ فٹ لمبی اور چار فٹ چوڑی ہیں۔ اس احاطے میں چھ قبریں ہیں سب سے بڑی قبر محمد شاہ بادشاہ کی ہے۔ داہنی طرف محل خاص نواب صاحبہ محل کی قبر ہے اور اُس کے پائین میں نادر شاہ کی بہو کی اور داہنی طرف اُس کی معصوم لڑکی کی ایک قبر مرزا جہانگیر محمد شاہ کے پوتے کی اور ایک

مرزا عاشوری کی ۔ علاوہ ان قبور کے اور دو شاہزادگان خاندان تیموریہ کی قبریں بھی ہیں جن کے نام تک کسی کو معلوم نہیں ۔ یہ غیر مسقف سنگ مرمر کا مجمر شاہ نے اپنی زندگی میں ایک لاکھ روپیہ کو درگاہ والوں سے خرید کر خود طیار کرایا ۔

مرزا جہاں گیر مرزا بابر پسران اکبر شاہ ثانی کا مجمر ۱۲۳۸ھ

متصل مجمر محمد شاہ بادشاہ ۔ یہ تیسرا عاظمہ بھی محمد شاہ کے مجمر کی بالکل نقل ہے جو اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر تمام تر سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے ۔ لیکن پھر بھی اصل اصل ہی ہے اور نقل نقل ۔ اگرچہ مرزا جہاں گیر کے مجمر میں نسبت محمد شاہ کے مجمر کے کام بہت باریک اور نفیس ہے اور بجائیاں بھی بہت باریک اور نزاکت سے تراشی گئی ہیں لیکن سنگ مرمر ایسا آبدار اور شفاف ۔ بے جرم خوش رنگ و خوش قاش نہیں ملا ۔ محمد شاہ کے مجمر پر ایک عجب طرح کی نزاکت ۔ ملائیت اور ملاحظت ہے اور مرزا جہاں گیر کے مجمر پر ایک عجب روطہ اور روکھا پن برستا ہے ہر حال اپنی جگہ یہ مجمر بھی ایک عجائب روزگار اور قابل دید ہے ۔ یہ مجمر مرزا جہاں گیر اور مرزا بابر پسران اکبر شاہ ثانی کا ہے ۔ مرزا جہاں گیر خلف اکبر تھے جو مفسدانہ طبیعت رکھتے تھے چنانچہ ستر سالہ میں انہوں نے مسٹر سٹین ریڈنٹ دہلی پر تینچہ سر کیا تھا جس کی پاؤں میں برٹش گورنمنٹ نے انہیں نظر بند کر کے الہ آباد بھیج دیا اور وہیں ۱۲۳۸ھ میں ان کا انتقال ہوا ۔ وفات کی تاریخ یہ ہے

نورنگاہ اکبر و سالار دوسرا  
محضوں شد از وفات و ہی آں غل کبریا  
از گمان شاہ رفت نہ ہے لعل بے بہا

در جہاں باد انش و باد وقت  
رواق شہر الہ آباد گشت  
ہر یک از فکر معاش از او گشت  
طبع او از زندگی تا شاہ گشت  
ایں چہ از دور فلک بے را گشت  
نام شاہی از جہاں برباد گشت  
بر فلک ہم ماسے ایجا گشت

۱) چوں از جہاں رفت جہاں گیر میرزا  
شد خانہ رعزایم شہر سلطنت  
تاریخ فوت او بظہور آمدہ چنین  
۲) چوں جہاں گیر ابن اکبر بادشاہ  
از قدم آں دُر بحس کرم  
آں چناں بہاد و خان فیض را  
چوں ز سی یک سال عمرش شد فزوں  
خمیمہ زد و در منزل جنت سرا  
مالے شد و رغش چنداں اسیر  
ابر آمد و رعز اگر یہ کنناں

انہی تاریخ فوت او دلم  
شہریاں ایں مصرعہ از ترکیب آپہ  
حیف بے رونق الہ آباد گشت

۱۲۳۰ = ۱۲۳۶

(۳) جہانگیر شہزادہ جو از جہاں  
بسط فضا شہب عظم راند  
چو شور قیامت تھاں در غمش  
بہ ہاتف بگفتم کہ کلک سعید  
بشہزادگی دل بیدار داشتہ  
بہ گلگشت جنت عناں تافتہ  
بروے دماں آہ بر خاستہ  
چہ تاریخ فوتش رقم ساختہ

بدیں گو نہ گفتا کہ بے پایہ صید  
بلکہ بقا سلطنت یافتہ

(۴) از گردش چرخ ایں ستم ایجاد چرا شد - کاں فخر زانی  
افسوس کہ عازم سوے فردوس سرا شد - در عین جوانی  
تاریخ و عوازل کلک قضا منشی تقدیر - بر لوح محفوظ  
بنوشت جہانگیر جہاں دار بقا شد - از منزل فنا فی  
۱۲۳۶ = ۱۲۴۰

نواب ممتاز محل صاحبہ ان کی والدہ تھیں جو مرزا جہانگیر کو بہت چاہتی تھیں۔  
انہوں نے نواب مختار الدولہ و حید الدین احمد خاں بہادر خلیفہ اکبر پور  
دستور منظم نواب و پیر الدولہ امین الملک خواجہ فرید الدین احمد خاں بہادر مصلح  
الہ آباد بھیجا اور ان کی نعلین منگو کر یہاں دفن کی اور بعد میں یہ مجھ بھی انہوں ہی نے  
۱۲۳۶ء میں بنوایا۔ احاطے کی کرسی ہم پہ بلند ہو اور مستطیل شکل کا ۲۰ × ۲۰ فٹ  
جس میں سنگ مرمر کی چار سیڑھیاں چڑھ کر داخل ہوتے ہیں۔ اس کی چوکھٹ  
پٹوں سمیت سنگ مرمر کی ہو جن پر نہایت عمدہ پچھکاری کا کام ہو دروازے کے  
مخاضی و دوسری طرف اس کا جواہی دروازہ ہو۔ احاطے کے چاروں گونوں اور دروازوں  
کی ہر دو جانب سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی میناریں ہیں۔ اس احاطے میں چار قبریں ہیں  
دیوار سے ملی ہوئی مرزا بابا مرکی ہو۔ اس کے پاس مرزا جہانگیر کی جس کے تعویذ پر

بہت باریک اور اعلیٰ درجے کا نفیس نقاشی کا کام ہو۔ مگر تختی دار تعویذ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعویذ زمانہ ہی جو کسی وقتی ضرورت کے لحاظ سے مردانی قبر پر لگا دیا گیا اس پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ مگر مرزا بابر کی قبر کا تعویذ بھی خاص اُن کا نہیں ہے وہ بھی کسی کسی دوسرے صاحب کی قبر کا اکھیڑ کر لگا دیا ہو۔ خدا جانے یہ کیا مصلحت تھی کہ قبر کسی کی تعویذ کسی دوسرے کا چنانچہ اس پر کتبہ موجود ہے:-

آں سید عالی نصیب معدنِ جود      دامنِ محرم کز وہاں مے آسود  
فرزندِ علی میر محمد نامش      چوں میر محمد از جہاں نقل نمود  
تاریخِ وفاتش از خرد پسیدم      نکزار بہشت جاے بادا فرمود  
اس حجر کے باہر جانب شرقِ دالان در دالان اور ایک دروازہ کلاں بھی اُنھیں کا تعمیر کرایا ہوا ہے جس میں مرزا بابر کی بیوی کی سنگ مرمر کی قبر ہے جس پر یہ کتبہ ہے:-

۷۷۷

درینا زو جہ بابر بہادر      یکایک زیں جہان بے وفات  
بحکم صاحبِ عالم و ساش      بقا گفتہ کہ در دار البقار فت  
مکانِ منشی سعادت علی خاں      یہ بھی ایک قدیم مکان بیرون دروازہ مشرقی  
استاد شریف ہے جس پر حال میں ایک نہایت  
خوش خط اور واضح کتبہ بخط ثلث حسبِ فیل

لکایا گیا ہے:-

این مکان مقبرہ جد مادر خود را سعادت علی داراوت علی  
انباء سید باقر علی مغفور و بنسان شیخ محمد موسیٰ خاں مبرور  
در ۱۲۷۱ ھ ہجری نبوی از سر نو بنا ساخت

محجر مرزا محمد مقیم      حضرت سلطان اولیاء کی درگاہ شریف کے اندر مشرق کی  
طرف مرزا محمد مقیم کا محجر ہے جس کے دروازے پر یہ دور کتبہ ہے  
سانے دار درگاہ کے رخ پر ہے:-

۹۶۹ ھ

آنها کہ بکوے قرب جایافتہ اند      کام دل خود بد عایافتہ اند

اس مرتبہ وائی زکبا یافتہ اند  
 پیچھے وار کو۔ فرزند مقیم بندہ جی و قدیم  
 اور انہو درخشاں اندیشہ و بیم  
 قائمہ مویدی و کتبہ حسین نقشبئی  
 قبر پر:- انہماں مرزا مقیم چوں رفت  
 اسی محراب ایک قبر پر:- انہو کن شد نہاں شہر دہلی  
 آں تازہ نہاں گلشن حسن و جمال  
 تازیخ و فات آں گل آں داز غیب

از شیخ نظام او بہا یافتہ اند  
 جا کر دوریں روضہ پر فیض و نعیم  
 چوں ساکن فردوس گشت برین مقیم  
 قائمہ میر نویدی میثا پور سی ۹۶۹  
 نصد و شصت ہفت بد تا بیخ  
 ماہی کہ محل طالعش کامل شد  
 بگذاشت جہاں فانی بالکل شد  
 بہا و زگلشن مراد آں گل شد

وفات ابوالفضل بن سید مراد در ۹۶۹ھ

ایضاً:- بندہ خواجہ عبداللہ ابن میر حاجی محمد ہدائے نے۔

مکان مرزا بہرام شاہ | اسی محراب کے پاس مرزا بہرام شاہ کا قدیم مکان خراب  
 حالت میں ہو جس پر یہ کتبہ لگا دیا ہو:-

ساخت مکان جنت نشان محمد بہرام شاہ ابن شاہ عالم بادشاہ غازی  
 خانقاہ مرزا بہرام شاہ | آنگہ خاں کے مقبرے سے ملی ہوئی یہ خانقاہ مرزا  
 بہرام شاہ عرف مرزا حسن فرزند شاہ عالم بادشاہ کی

ہو جو امیر الملک مرزا بلاتی کے نام تھے اس مکان سے دروازے پر یہ تازیخ ہو:-

شہ بہرام ابن شاہ عالم  
 خرد از سال تازیخ چنین گفت  
 مرتب ساخت جاے خوش سراپا  
 کہ اقدس خانقاہ روح افزا

۱۲۲۵ھ

یہ خانقاہ محاط ہو جس میں ایک سہ دری ہو اور صحن میں یہ قبریں ہیں:-

زوجہ بہرام شہ بر بست رخت  
 چراغ حسرت بر نہا واد نہا  
 دریں جہان وحشیم آں گریاں چو میع  
 رفت بی جاں گفت ہاتھائے دروغ  
 اس قبر کے سراہنے ہے لے لمبی اور اچھ چوڑی سنگ مرمر کی لوح بجا کتبہ  
 کھڑی ہوئی ہے جس پر یہ کتبہ ہو:-

کلمہ

انہماں رفت خواجگی درویش  
 سوی فردوس رہنا آمد

دل انہیں داریے بھاہر کند  
ز انکہ کاہچہاں فت آمد  
از سراعتقا دور و سے نیاز  
بر در شیخ اولیا آمد  
در بہشت بریں نہاد قدم  
فایغ از قید ماسوا آمد  
سال تاسیخ ادھر و گفت  
عمر درویش بے بقا آمد

قائمہ و کتابہ عبد السلام ۹۹۵ھ

پائین قبر میں دوسری لوح سنگ مرمر کی ہے۔ تم اپنی اور آپ چوڑی کھڑی ہو جی  
ای بی تو گردش فلک کے مدار حیف  
پکتہ ہوا۔

باشد زمانہ و تو نباشی ہر حیف

پائین کی لوح کے جوڑ کی ایک تختی سوری کے سامنے خالی رکھی ہوئی ہے اس پر بھی  
یہی شعر کندہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ استعمال میں نہیں آئی۔

نواب ضیاء الدولہ کامزار | قطعہ تاسیخ وفات جو سعد الدین احمد خاں الخاطب

عہد اکبر شاہ کے مزار پر جو اندرون احاطہ ہو کندہ ہو ہے۔  
نواب ضیاء الدولہ خطابت و نام سعد الدین (انگلز)  
نہم ز ماہ ربیعہ اولش نامند  
امیر وقت شد از بارگاہ اکبر شاہ  
ہو وقت شب ز تماشائے وہر بہت نگاہ  
ضیاء دولت شاہان ہند رفت و دہر  
بر آمد ادول گیتی شرار شعلہ آہ  
بگفتم از سر جو شالم پڑ تاسیخ  
کہ باد صدر نشین حریم قرب الہ  
۱۳۱۰ھ

سماع خانہ عالم گیر بادشاہ | آسی کے پاس عالم گیر بادشاہ کا بنایا ہوا  
والان در مطلق سلع خانہ ہے۔  
نواب مصطفیٰ خاں شیفہ  
کے مشہور رئیس اور نامور شاعر تھے جن کا  
دیوان حال میں ان کے صاحب زاوے  
نواب محمد اسحاق خاں صاحب نے بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے۔ آپ کی قبر پر مصرع ہے

۱۲۸۶ھ

نواب محمد اسحاق خاں صاحب نے بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے۔ آپ کی قبر پر مصرع ہے

ابو النصر معین الدین اکبر شاہ ثانی مراد جو جن کی وفات ۲۸ رجمادی الثانیہ ۱۱۱۱ھ میں ہوئی ہے۔ ۱۲





## جماعت خانہ یا مسجد درگاہ

۴۵۴  
۶۱۳۵۳

درگاہ کے احاطے کے سارے کے

سارے مغربی رخ پر جماعت خانے کی عمارت

ہو جو مسجد کے کام میں لائی جا رہی ہو۔ یہ عمارت غالباً

فیروز شاہ تغلق نے ۷۵۴ھ میں بنوائی تھی جو

افغانہ کے عہد کی تعمیرات کا ایک نہایت عمدہ نمونہ ہو۔ اسی طرز کی اور بہت سی عمارتیں

افغانہ کے بنائی ہوئی اب بھی دلی میں جا بجا موجود ہیں۔ لیکن اتنا بڑا گنبد اس نوع میں

کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ یہ مسجد حمام سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہو جو طول و عرض میں

۴۹ فٹ ۶ انچ اور بلندی میں ۳۶ فٹ ۶ انچ درمیانی گنبد کی بلندی طاقو توبارہ فٹ ۱۰ انچ ۶ انچ

بڑا جائے گی۔ دونوں طرف کے بغلی کمرے مسجد کی چھت سے چھ فٹ پست ہیں اس

مسجد کے تین درجے ہیں۔ درمیانی درجے کے گنبد کا قطر ۲۵ فٹ ۶ انچ اور مشرق سے

مغرب تک طول ۴۵ فٹ اور شمال سے جنوب کو بیس فٹ چوڑا ہو۔ یہ بروج بزرگ

شاہزادہ خضر خاں بن سلطان علاء الدین طغی نے جو آپ سے بہت عقیدت رکھتا

تھا آپ کے روبرو طیار کڑایا۔ مسجد کے گنبد پتھر اور چونے کے ہیں اور اندر روا

سنگ سرخ لگا ہوا ہو۔ مسجد کے درمیانی حصے میں جانے کا ایک بہت بڑا

محراب دار و دروازہ ۵۷ فٹ بلند ہو۔ بغلی کمروں کی دو تہائی بلندی تک سنگ سرخ کی

جالیوں لگی ہیں جن کے بیچ میں دروازے ہیں مسجد کا صدر دروازہ اپنی وضع میں

جد اگانہ ہو جس کی طاق نما محراب میں اور دونوں طرف کی محراب دار کھڑکیوں سے چلی

لگی ہوئی ہیں۔ جس سے روشنی اور ہوا کا خوب گزر ہوتا ہو۔ صدر دروازے پر

سورۃ الرحمن کامل خط ثلث میں بہت خوبی سے کندہ ہو۔ جنوبی درپے کی سیدھی طرف

حضرت نظام الدین اولیاء کے وفات کی تاریخ لگی ہوئی ہو۔

نظام دو گیتی شاہ ماہ وطن

سراج دو عالم شدہ بالیقین

چوتارخ فوٹن بستم و غیب

نماداد و آلف شہنشاہ دین

مسجد کے اندر مغربی دیوار میں تین بلند طاق نما محرابیں ہیں۔ درمیانی اور بائیں بائیں

طرف کی محراب سے ملا ہوا منبر ہو۔ محرابوں پر تمام کلام مجید کی آیتیں کند ہیں

درمیانی گنبد کی چھت میں چلی زنجیر سے ایک الٹا کنڈرا لٹک رہا ہو جسے لوگ سونے

کہتے ہیں۔ سلطان محمد تغلق شاہ نے اپنے زمان سلطنت میں دو درجے ادر اور ادر اور  
دو دو برج اور بنا دیئے جس سے اب مسجد کے پانچ برج ہو گئے۔

امام صاحب مسجد خضر خانی | حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز  
کے سوائے ایک ہمیشہ صاحبہ کے جن کا

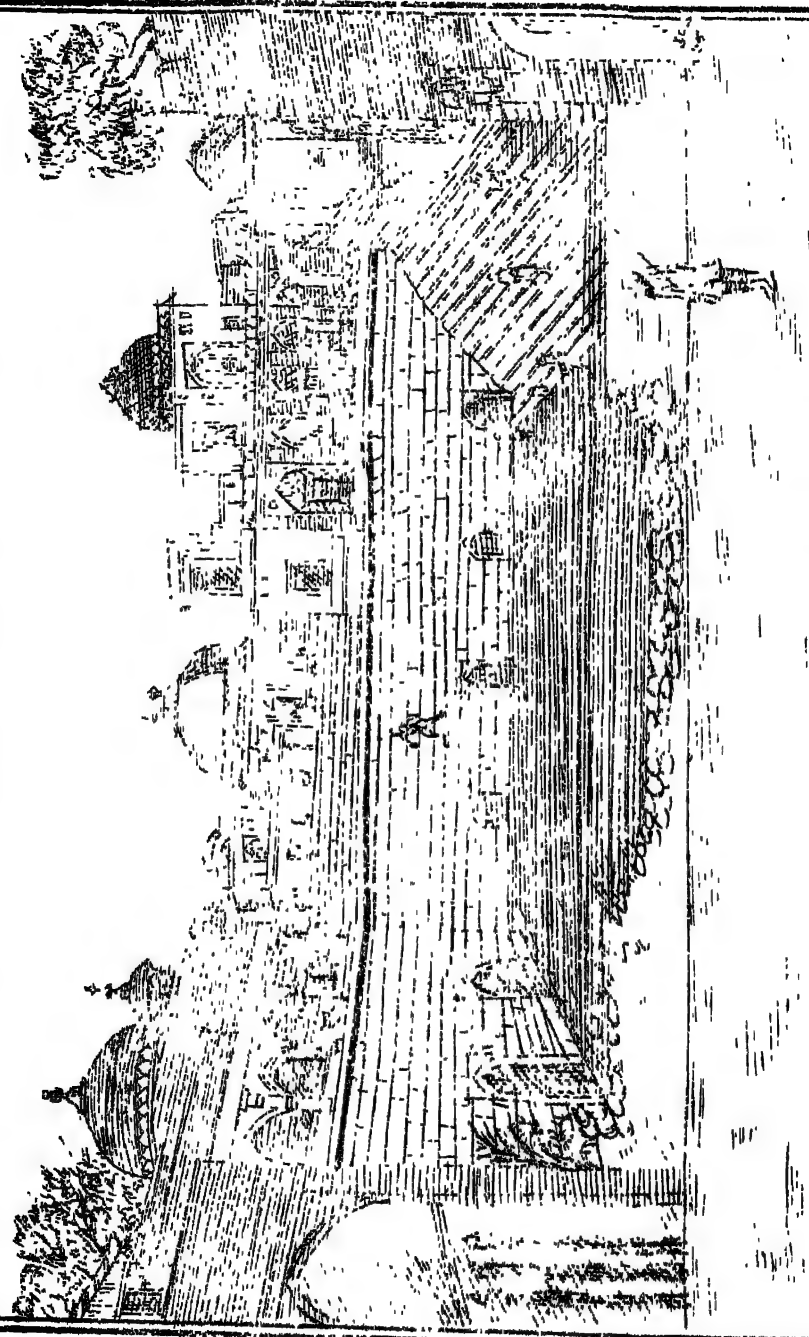
اسم شریف بی بی جنت ہو اور کوئی بھائی یا بہن نہ تھے۔ ان ہمیشہ صاحبہ کے  
بطن سے ایک صاحب زادے خواجہ سید محمد اور ایک صاحب زادی بی بی  
رقیہ ہوئیں بی بی رقیہ کی شادی خواجہ سید محمد احمد صاحب بخاری بدایونی  
برادر عم زاد حضرت محبوب الہی قدس سرہ کے ساتھ ہوئی ان کے فرزند ارجمند  
خواجہ سید ابو بکر مصلیٰ برادر ہوئے اور خواجہ سید محمد صاحب کے فرزند ارجمند  
خواجہ سید رفیع الدین بارون تھے۔ سید امین الدین صاحب نظامی صوفی  
انہیں دو صاحبوں کی اولاد اور فرزندیت کا شرف رکھتے ہیں۔ اس خاندان میں  
سب سے پہلے خواجہ سید عزیز الملک والدین کو امامت ہوئی۔ جو فرزند ہیں  
خواجہ سید ابو بکر مصلیٰ برادر کے۔ موجودہ امام صاحب دو بھائی ہیں سید محمد علیم الدین  
اور سید محمد امین الدین جن کو منصب قدیمہ ابائی جدی امامت مسجد خضر خانی آستانہ  
محبوبی و شجرہ خوانی روضہ نظامی کا افتخار حاصل ہے۔ آپ کا سلسلہ حضرت علی کریم علیہ السلام  
اور حضرت فاطمہ بنت جنت سے چھتیسویں واسطے پہنچا اور حضرت نظام الدین کی حقیقی  
ہمیشہ زادہ اور برادر عم زاد ایک جدی سے اٹھارواں اور حضرت مصلیٰ برادر سے  
سولہواں واسطہ ہے۔ ان دونوں صاحبوں کو طرفین سے شرف یک جدی و فخر خواہر  
حضرت سلطان المشائخ حاصل ہے۔ یہ دونوں صاحب نہایت بزرگ اور متقی اور پرہیزگار ہیں  
اور کیوں نہ ہو کہ کس کی آل اولاد ہیں۔ اچھوں کے اچھے ہی ہوتے ہیں۔

لنگر خانہ | درگاہ کے شرقی دروازے کے باہر لنگر خانے کی نہایت  
پختہ اور قدیم عمارت ہے جس کو خود حضرت محبوب الہی نے تعمیر کرایا تھا

درگاہ کی باؤلی | مزار شریف کے احاطے کے باہر شمالی دروازے  
سے نکل کر ہم ایک دوسرے احاطے میں جا پونچتے  
ہیں اور یہیں وہ بہت بڑی باؤلی ہے جو درگاہ شریف کے

نقشه باغی درگاه حضرت نظام الدین

برج ایل نعلی



متعلق ہے۔ اس باؤلی ہی کی تعمیر پر آپ سلطان غیاث الدین تغلق سے ناراض ہو گئے تھے جس زمانے میں حضرت بغرض آسائش خلق اسدیہ باؤلی بنوا رہے تھے اسی زمانے میں بادشاہ بھی قلعہ بنوا رہا تھا۔ مزدوریوں کی قلت تھی۔ بادشاہ نے مزدوروں کو منع کر دیا کہ کہیں اور کام کو نہ جائیں۔ مزدور سپے چارے حکم حاکم مرگ مفاجات دن دن میں تو قلعہ کا کام کرتے اور رات کو باؤلی کا کام کرتے۔ بادشاہ نے جب سنا کہ باؤلی کا کام بستور رات کو پیل رہا تو طیش میں آ کر تیل بند کر دیا لیکن حضرت کی کرامت سے پانی تیل کا کام دینے لگا۔ آپ نے اس کا تذکرہ سید محمود بکار صاحب سے کیا بھی ایک خام دیوار بنوا رہے تھے یہ سنتے ہی آپ نے دیوار گر واکر زمین کے برابر کروادی اور فرمایا کہ ”لوہم نے اس کی سلطنت ہی مٹا دی“۔ باؤلی کی تعمیر کا کام ۱۲۱۱ھ میں ختم ہوا اور حضرت نے دعا کی کہ اس کا پانی نفع بخش خلافت ہو چنانچہ اب تک اس پانی سے لوگ مستفید ہوتے ہیں اور بہت سے خواص اس منسوب کیے جاتے ہیں یہ باؤلی ۸۰۰ تا ۱۲۰۰ ہجری جس کے چاروں طرف بہت بھاری پختہ دیوار نامہندش ہو اور شمال کی جانب اترنے کی سیڑھیاں ہیں جو باؤلی کی تہ تک چلی گئی ہیں سیڑھیاں اس شہم کی ہیں کہ ہر تین چھوٹی سیڑھیوں کے بعد ایک بڑی اور بہت چوڑی سیڑھی ہے پانی سے عموماً چالیس سیڑھیاں کھلی رہتی ہیں۔ اور انھیں سیڑھیوں میں سے ایک سیڑھی پر پتھر کی ایک بہت بڑی چٹان رکھی ہے جس کو نمازی چھڑکتے ہیں اور یہ خاص نماز پڑھنے ہی کی غرض سے رکھا گیا ہے۔ باؤلی جب صاف ہوئی تو دیکھا گیا کہ اس کے اندر چار سموں سے ہیں جن کے پیچھے چاروں طرف سے سیڑھیاں شروع ہو کر ایک بہت پہل سیڑھی پر ختم ہوئی ہیں اور پھر اس کے پیچھے سے مدور سیڑھیاں شروع ہو کر کنوئیں پر ختم ہو گئی ہیں۔ یہ کنواں آٹھ گز سے آٹھ گز مدور ہے اور تقریباً اسی قدر گہرا بھی ہے اور باؤلی میں عموماً سوٹھا سترہ گز پانی رہتا ہے پانی کے اوپر ایک بہت بڑا طاق ہوا اور وہ طاق اس سے چھوٹے طاق جنوبی دیوار میں ہیں اور چار چار طاق خستہ اور غریب دیواروں میں ہیں جن میں بخوبی دو دو آدمی کھڑے ہو کر نہا سکتے ہیں اور ان طاقوں سے کوئی گز بھر پیچھے ایک نہ آدھ گز چوڑی چاروں طرف بنی ہوئی ہے جس کے اوپر آدمی پھر کر باؤلی کے پانی کا بخوبی طواف کر سکتا ہے۔ یہ باؤلی از سیرت پانگ خارا کی عظیم الشان

لوہیوں سے نہایت مستحکم بنی ہوئی ہے۔ باؤلی کے اطراف مختلف عمارتیں بنی ہیں۔ باؤلی کے جنوب اور مشرق کے رخوں پر پتلے پتلے لمبے دالان بنے ہوئے ہیں جن میں سے ہر گاہ میں جانے کا راستہ ہے۔ سلسلہ میں محمد معروف پسر وحید الدین صاحب جنوبی دالان بنوایا تھا۔ باؤلی کی کچھ سیڑھیاں اتر کر ایک تنگ رستہ ملتا ہے جو کچھ کھلا ہوا ہے کچھ پٹا ہوا جس کو چھتہ کہتے ہیں یہ چھتہ خواجہ معروف نے سلطان فیروز شاہ کے زمانے میں بنوایا تھا ورنہ پہلے مسجد سے باؤلی میں اترنے کا راستہ تھا اور لوگ وضو کے لیے چلے آتے تھے۔ باؤلی کے جنوبی رخ کی تمامی عمارات فیروز شاہ کے عہد کی بنی ہوئی ہیں جس میں درے درے بنے ہوئے ہیں اور باؤلی کے اوپر آنے کا راستہ ہے۔ یہاں ایک نہایت بدخط کتبہ بخط عربی یہ ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بہد دولت شاہ معظم	نجستہ خسرو اولاد آدم
مدار دین احمد شاہ فیروز	شہ صاحب قراں سلطان اعظم
موفق گشت از حق بندہ محو	اساں اس عمارت کرد محکم
جوارہ روضہ شیخ الشارح	نظام الحق والدین قطب عالم
دعید الدین قریشی والدین	کہ بالہ اراوت بود ہم
بحسن اعتقاد و صدق اخلاص	در اسرار ولی الامر محرم
مراجوں پر پیش شیخ عالم	بدست خود گرفت و گرفتار
بلقہ خود مرا معروف خواندہ	دریں عالم چو شیخ صیونی م
ربعاد ارم کز القاسم بارک	در آں عالم بود معروف پریم
بنواں تاسیخ اتمام عمارت	دریں جاچوں بیانی غیر مقدم
ترجیرت ہفتہ ہشتاد و یک	مرتب شد بنا و اسراظم

باؤلی پر کی مسجد برج  
آس باؤلی کی غربی دیوار پر ایک نہایت خوش نامی  
کی مسجد ہے جس کی چھت پر ایک چھوٹا سا برج پٹھانوں  
کے زمانے کا بطور بالا خانے کے بنا ہوا ہے جس پر  
اور غوطہ زن

چہرہ کر تیراک غوطہ دن لوگوں سے کچھ پیسے لے کر ساٹھ فیٹ کی بلندی سے کودا کرتے ہیں۔ اتنی بلندی سے کودنا ہر ایک کا کام نہیں ہو وہ لوگ اس کی بہت شوق بہم پہنچاتے ہیں دیکھنے والوں کا سر چکرا جاتا ہو اور دم بخود رہ جاتے ہیں۔

**بائی کو کلائی کا**  
**راؤٹی ناگنبد**

ایک راؤٹی ناگزیر پانہایت نفیس اور شفات سنگ مرمر کا قابل دید گنبد جس میں بائی کو کلائی کی قبر کا تعویذ نہایت نفیس اور اجاب ہے۔ سنگ مرمر کی صفائی ایسی ہو کہ واقعی نگاہ پھسلتی ہو سکتے ہیں کہ

۱۰۸۰

ساٹھ ہزار روپیہ کے صرفہ سے یہ چھوٹا سا مقبرہ طیار ہوا تھا جو بلحاظ اس کی لاشانی دوست کاری کے کچھ غلط اندازہ نہیں معلوم ہوتا۔ واقعی یہ چیز ہی نہایت عجیب و غریب ہو چو کھنڈی کی چھت صندوق نما ہو اور چاروں طرف چار چار دریں۔ قبر کے تعویذ کے گرد و دو ڈھانچہ باری تعالیٰ ایسے خوش خط کندہ ہیں کہ جس کی تعریف حیطہ تحریر سے باہر ہو۔ ہر ایک حرف سالم سنگ موسیٰ کا تراش کر اس کو ایسی عمدگی سے بچکاری کیا ہو اور ایسا ٹھیک جڑا اور پیوست کیا ہو جیسے انگوٹھی میں نگینہ۔ تعویذ کے اوپر اللہ باتے۔ بسم اللہ شریف اور آیت قل یا عباد الذین اسفل علی انفسہم تا هو الغفیر الرحیم کندہ ہو۔ قبر کے پائین میں قطعہ کندہ ہو:-

سال تاریخ فوت ازہتم از دل صاف پیر پاک شرت

آہ سردے کشید و گفت بگو باد ہدم سجور بیان بہشت

بائی کو کلائی x x x بنت ملائم خاں

اسی قبر کے دامن طرف سطح زمین کے برابر ایک سہل ہلکے پیازی رنگ کے چتر کی نصب ہو جس پر یہ قطع نہایت خوش خط بخط نستعلیق مثبت حروف میں کندہ ہو خذ اجانے وہ کیسے ہاتھ تھے جو چتر جیسی سخت چیز پر ایسا لکھتے تھے کہ آج کاغذ پر لکھنا تو درکنار اس کی نقل بھی کوئی نہیں لے سکتا سچ پوچھیے تو فی رنٹا فن خطاطی را نہیں یاد نہ لکھنے والے رہے اور نہ ان کے قدروان ہی رہے۔

باسمہ سبحانہ

چوں قصر بہشت آمد خوش منزل دما دایہ

ایں روضہ غلد آئیں باخترہ موزوں



تا دہ نظر مردم شد جلوه گرایں منزل  
اہل نظر از ہر سو دارند تماشا سیے

چوں جائے خوشی ۲ مر باہل خرد گفتہ  
تاریخ بناسے او بجای و بچہ خوش جاسیے

**چینی کا گنبد** | باؤلی کے اوپر ایک بہت چھوٹا سا مقبرہ بنا ہوا ہے جس کے اندر تمام  
چینی کا کام نہایت نفیس اور نازک ہے اس کے نیچے ایک مسجد ہے  
جو باؤلی کی مسجد کہلاتی ہے۔ معلوم نہیں یہ کس کا گنبد ہے۔ اندرون چاروں طرف  
بہ خط تعلق اشعار لکھے ہوئے تھے جن میں سے مشرق کی طرف کا سلا پلاستر  
گر گیا۔ شمال کی طرف صرف دو مصرعے رہ گئے ہیں ایک اول کا دوسرا آخر کا۔  
بیچ کے تین مصرعے جھڑ گئے صرف ایک لفظ بخندید پڑا جاتا ہے اور کچھ نہیں رہا  
یہ شکل یہ پڑھ سکتے ہیں۔ ان اشعار سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جواں مرگ مر گیا تھا  
جس کی وفات حسرت آیات کے غم و اہم کے اظہار میں یہ اشعار لکھے گئے تھے۔  
مشرق سب جھڑ گئے۔ شمال۔ یا اذ کام جاں مرویم ہمیں مصرعہ ۳۲ و ۳۳ جھڑ گئے۔

یہ وفادار وفاداری نہ ایسا بود۔

مغرب یہ مصرعہ ہمیں جس کا مصرعہ اول شمال میں ہو  
میان خاک و خوں افگندہ رفتی

عجب خارے شکستی و در دل من  
اڑاں پیچاں روو بر چرخ دو دم

جنوب زوی آتش بخا شاک وجودم  
کہ تو از دید گاہ آتش چکیدہ

بڈ و دمن کے نکشادہ دیدہ  
نہی نابید و ہر دم می پییدہ۔

گوئے گنبد بہت چھوٹا ہے اور ایک برج کی حیثیت رکھتا ہے لیکن بمقدار ہر چہ بہ قامت

کہتر بہ قیمت بہتر اس کا چہ چہ لاجواب نقش و نگار سے بھرا ہوا ہے۔ چھت پر کام

اب تک محفوظ ہے جو دیکھنے کے قابل ہے۔ اب اس گنبد کی کس مہر سی کی یہ حالت ہے

کہ اس میں سیلے پھیلے سقے با فراغت رہتے ہیں۔ ان کی ہنڈیاں بھنڈو یاں لیاں لیاں

سے لگی ہوئی چننی ہوئی ہیں۔ رستی کی انگلیاں باندھ باندھ کمران پیمان کی گڈیاں

لٹکی ہوئی ہیں کہ اندر گھستے ہی ایک ایسا بھپکا آتا ہے کہ دماغ چکرا جاتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسی

نادر اور تاریخی عمارت کیوں سکونت کے کام میں لائی جاتی ہیں اور کوئی پرسان حال نہیں



غیران کی مرمت نہ کرائی جاسکے تو کم از کم ایسے نچلے لوگوں سے خالی کر کے اپنی حالت پران کو چھوڑ دینا ہی کافی ہوگا۔ امید کہ حکمہ آثار قدیمہ کے حکام اس طرف توجہ فرما کر داخل حنات ہوں گے۔

**سید اینوں کا مقبرہ** یہ دراصل خواجہ فرحت اللہ خاں رئیس دہلی کا قبرستان ہے۔ اس مقبرے کے اندر صرف دو قبریں ہیں اور

باہر بہت سی ہیں۔ (۱) وہابی طرت سنگ سرخ کی ایک قبر جو جس پر یہ کتبہ ہے:-

زہرہ آغا بنت امیر تعلق زونیا رحلت نمود

سنہ ہصد و ہفتاد و یک بود

اس کے گرد حضرت امیر خسرو کی وہ غزل کندہ ہوئی ای پر ماندگی پناہ ہمہ (۲) سنگ سرخ کا تعویذ جس پر بخط نسخ یہ کتبہ ہے:-

تاریخ وفات مرحومی سفیری سماء فاطمہ بی بی بنت میر یوسف

سنہ ہصد و ہفتاد و پنج کا تہ حسین نقشے۔

**حضرت خواجہ تقی الدین نوح کامزار** درگاہ شریف کے باہر حضرت خواجہ

نظام الدین اولیاء کی ہمیشہ حضرت بی بی حنات کے پوتے تھے۔

**حضرت سید محمد کرمانی کامزار** یہیں حضرت سید محمد کرمانی کامزار ایک احاطے کے اندر ہے۔

آج ایک احاطے میں ذیل کی تین قبریں ہیں:-

(۱) مولانا علاء الدین نیلی خلیفہ حضرت نظام الدین

(۲) مولانا فہم الدین بھلی رح

(۳) مولانا فخر الدین مروزی رح

**چبوترہ یارانی کے**

**اور بعض اصحاب**

درگاہ شریف کے مغرب میں بیرون احاطہ

هو الله العلی

رفت چو سوے ظہد بریں

جمع خوبی شمس الدین

(۱) نشی عالی رتبہ ز دنیا

سال وفاتش احسن گفت

ہوالغفار

شد مغل بیگناں عرب و آغل بخمد

(۲)

۱۲۷۱

(۳) بلوچ سنگ مرہ چوں سستی بگم از دنیا کے دوں رخت، رحلت بخت سخت افسوس شد  
سال و حالش از سر دیدار حق گفت ہاقت و اقل فردوس شد  
در گاہ شریف کے باہر

(۱) اغا بگم زوجہ سید رکن الدین بنت سید حشمت الدخاں ابن سید نعمت الدخاں  
ابن سید عزت اللہ خان عرف میر بہکاری ساکن ترکمان دروازہ ابن سید حفیظ الدخاں  
بریلوی ابن محمد حسین بخاری عرف ذاب نعمت اللہ خان شہید نایب صوبہ وار  
پنجاب نے بروز شنبہ بتاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ انتقال کیا۔

(۲) ہوالباقی

صغری سلطان بگم از دست اجل در جہاں رفت از جہاں بے ثبات  
سال پیدائش پدر صغری گفت ام صغری گفت تاریخ وفات  
۱۳۳۲ھ

(۳) بسبح اللہ

چو گوشت از جہاں حافظ سکندر شفاعت کرد قرآن پیش برداں  
بفکر سال رحلت بود طالب بیا حافظ سکندر گفت رضواں

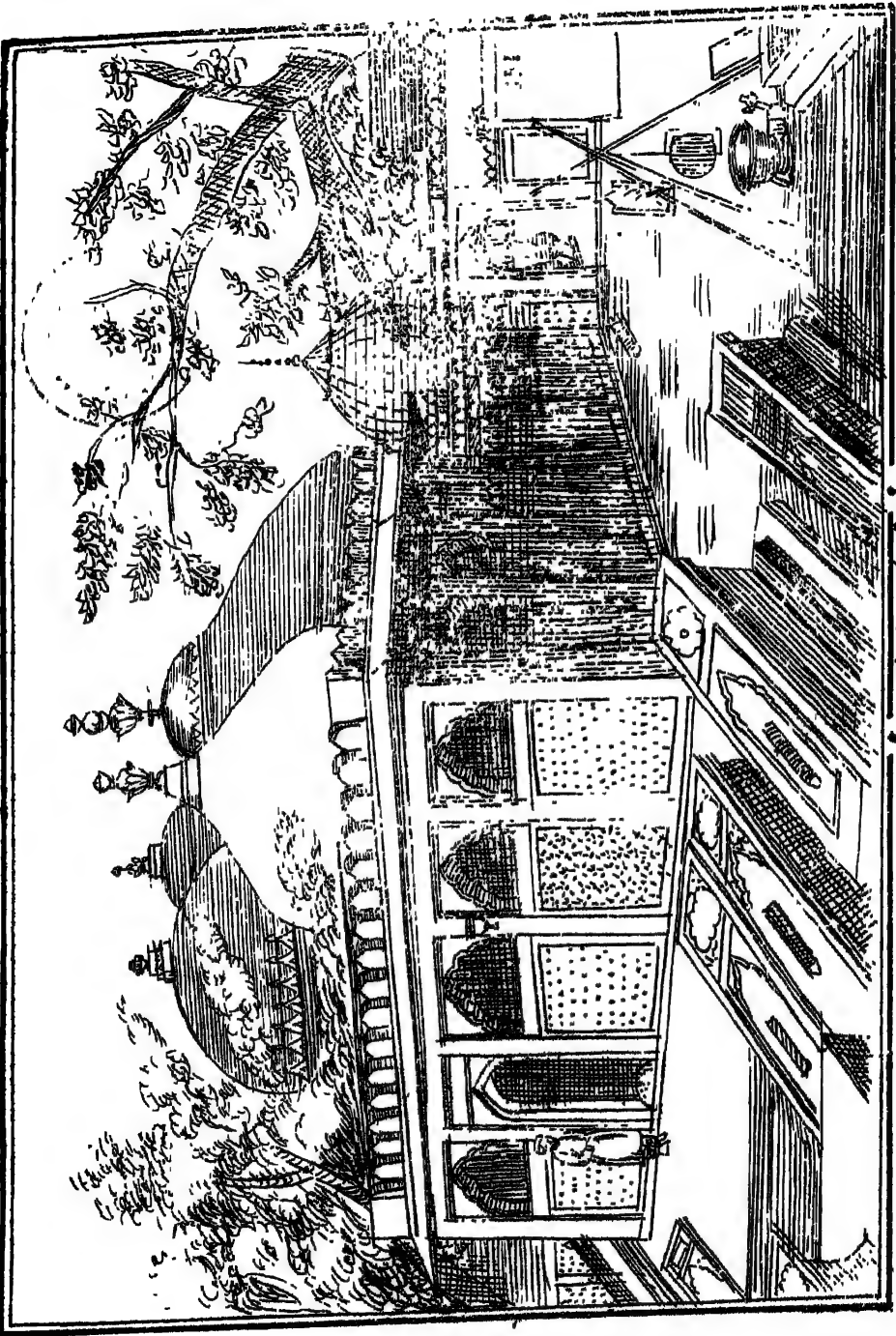
(۴) کل من علیہا فان

اولیں رفت سکندر کز عاقظ مشہو پس دومہ سپہر شرفت بدیناں آخر  
گفت تاریخ دیگر طالب محزون طیب ز جہاں جیف جواں رفت محمد ناصر

در گاہ ملک الشعرار حضرت حقیرت امیر خسرو کے مختصر حالات ہم یہاں لکھنے پر  
اتفاق کرتے ہیں جن صاحبوں کو تفصیلی حالات دیکھنے ہوں وہ انتظار کریں اس مسودہ کتاب کا  
۱ میر خسرو ۶۲۵ھ  
۶۱۳۲۲ھ

جو علی گڑھ میں خاص اہتمام سے بہت بڑے  
پیمانے پر زیر ترتیب ہے چنانچہ اب تک حضرت کی تصنیفات سے چار کتابیں آئیتہ  
سکندری و دوسرائی نضر خان۔ فتویٰ مجنوں لیلی۔ لکالی حمان موسوم بجاہر خسروی مع بیہیٹ

نقشه درگاه حضرت ابی حمزه



مقدموں کے نہایت آب تاب سے شائع ہو چکی ہیں۔ آپ کا نام نامی ابو الحسن علیہ السلام تھا خسر و تخلص کرتے تھے آپ کی ولادت گوہندوستان جنت نشان میں مئی لکڑاچے کی نواہیں آپ کے والد ماجد امیر سیف الدین حرک لاجپن محمود۔ سردار قوم حرک ہزارا بلخ ہزارہ کے امیر زادوں میں تھے چنگیز خاں کے زمانے میں ملک ہندوستان میں آئے۔ اور موہن آباد عرف پٹیالی مضاف بدایوں میں جو لنگا کے کنارے پر رہتے تھے۔ اسی جگہ ۶۵۱ھ میں امیر صاحب پیدا ہوئے اور آپ کے والد ایک کپڑے میں آپ کو لپیٹ کر ایک مجذوب کامل کے پاس لے گئے جو آن کے پڑوس میں رہتے تھے۔ مجذوب صاحب نے دیکھتے ہی فرمایا ”کہ تم میرے پاس ایسے شخص کو لائے ہو جو خاتانی سے دو قدم آگے ہو گا“ امیر صاحب نے دہلی میں پرورش پائی جب آٹھ برس کے ہوئے تو آپ کے والد آپ کو اور آپ کے دونوں بھائیوں عزیز الدین علی شاہ اور حسام الدین کو ساتھ لے کر حضرت محبوب الہی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امیر صاحب نے اپنے والد سے پوچھا کہ ”کہ آپ مجھے کہاں بیٹے جاتے ہیں“ انھوں نے کہا کہ ”میں تم کو حضرت شیخ نظام الدین کامریہ کراؤں گا“ امیر صاحب نے کہا کہ مرید ہونے کے واسطے شیخ کا پسند کرنا میرا فعل ہو نہ کہ آپ کا۔ باپ یہ جواب سن کر اندر چلے گئے اور امیر صاحب نے دروازہ پر بیٹھے بیٹھے یہ رباعی کہی اور دل میں کہا کہ اگر حضرت شیخ کامل ہیں تو میری اس رباعی کا جواب دیں گے اور مجھے اندر بلوایں گے۔

رباعی

تو اس شای کہ بلایاں نصرت

غریبے مستند بر در آمد

کبوتر گر تشنید باز گردود

بیاید اندروں یابا نگرود

حضرت محبوب الہی کو کشف سے امیر کا حال معلوم ہو گیا۔ اسی وقت خادم سے فرمایا۔  
”دیکھو۔ دروازے پر ایک لڑکا بیٹھا جو تم اس کے پاس جا کر یہ رباعی پڑھ دو“۔

رباعی

بیاید اندروں مرد حقیقت

اگر ابلہ بود آں مرد نادان

کہ با ایک نفس ہم زاد گردود

ازاں واسطے کہ آمد باز گردود

آپ اندر گئے اور تینوں بھائی حضرت کے مرید ہوئے۔ امیر کے والد کی عمر قس

پچاس برس کی تھی۔ ایک سال بعد آپ کفار کے ہاتھوں سے شہید ہوئے جب  
امیر کی عمر نو سال کی تھی۔ انھوں نے باپ کا ایک نہایت درو انگیز مرنیہ لکھا جس کا  
مطلع یہ ہے :- ۵

سیف از سرم گزشت دل من بنیم شد در پائے غول رواں شد و در تہیم شد  
امیر کے نانا سجاد الملک اولیائے کرام و اعیان عصر میں سے تھے انھوں ہی نے ان کی  
پرورش کی اور ایک سو تیرہ سال کی عمر میں قضا کی۔ اگرچہ امیر خسرو کا زیادہ وقت  
اسرا اور بادشاہوں کی صحبت میں گزرا تھا اور انھیں کے ندیم و مصاحب تھے مگر دلی اجماع  
بزرگان دین۔ علماء اور فضلا کی طرف تھا اور ان کے ہم نشین اور ہم صحبت تھے اور  
تصوف کی چوٹ دل پر لگی ہوئی تھی اور اسی سبب سے سلطان المشایخ کے بڑے  
مور و عنایت اور یار و فادار اور محرم اسرار تھے۔ حضرت کی ذات بابرکات سے ایسی  
خالص عقیدت اور پاک اعتقاد تھا کہ دنیا میں اس کی نظیر ملنی نامکن ہے۔ چنانچہ حضرت  
یہ شعر آپ کے لیے فرمایا کرتے تھے :- ۵

گر بر اسے ترک نہ کم ازہ تارک نہند ترک تارک گیرم و ہرگز نگیرم ترک ترک  
اگرچہ تمام عمر بادشاہوں اور اسرار کی خدمت میں رہے اور سات بادشاہوں کا زمانہ دیکھا  
اور بڑے عزت و احترام سے بسر کی لیکن اس عالم امارت میں بھی آپ کو اپنے پیر کا  
از حد پاس ادب تھا اور ہمیشہ ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہتے تھے۔ اور طریقہ اہل تشو  
آپ کی صورت اور سیرت سے ہو پیدا تھا دن دربار اور دنیا کے کاروبار میں بسر کرتے  
اور رات جناب شیخ کی خدمت میں گزارتے :- ۵

مرا و اہل طریقت لباس ظاہر نیست مگر بخدمت سلطان بند و صوفی باش  
الغرض جس قدر شفقت و عنایت حضرت محبوب الہی کی امیر صاحب کے حال پر تھی کسی  
دوسرے کو نصیب نہیں ہوئی۔ سلطان المشایخ اکثر ان کو ”توک المذکر“ کہہ کر پکارتے تھے  
جیسا کہ خسرو کے ان اشعار سے ظاہر ہے :- ۵

بر زبانت چوں خطاب بند ترک الفت دست ترک لب گیر و ہم بالہش سپار  
پہوں میں سکیں ترا دارم ہمیتم بس بود شیخ من بس مہرباں و فاقم آ مرزگار  
چوں کہ امیر صاحب حسن لطافت بیان اور فن موسیقی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اس لئے

بعض اوقات حضرت آپ کو ترک اندر سوا منقار السباع کہہ کر پکارا کرتے تھے امیر صاحب  
 شب زندہ دار تہجد گزار تھے اور شب میں سات پارے کلام مجید کی تلاوت کرتے  
 تھے۔ چالیس برس صائم الدھر رہے۔ شیخ کے ساتھ ہی پایادہ حج بھی کیا یہ عینۃ الاولیاء  
 میں لکھا ہے کہ آپ کے دل میں ایسا سوز و گداز تھا کہ ہمیشہ پیراہن مقام قلب پر جلا ہوا  
 رہتا تھا۔ حضرت کی خاص توجہ آپ پر تھی اور مورد عنایات خاص تھے۔ حضرت بار بار فرمایا  
 کرتے تھے ”اے ترک اندر! میں اپنے وجود سے رنجیدہ ہوتا ہوں لیکن تم سے نہیں“  
 ایک مرتبہ امیر صاحب سے حضرت خواجہ خضر سے ملاقات ہو گئی امیر صاحب نے  
 لعاب دہن کی خواہش کی۔ حضرت نے فرمایا یہ دولت سعدی شیرازی کے حصے کی تھی  
 امیر نے یہ بات حضرت سے عرض کی آپ نے اپنا لعاب دہن دیا۔ تو امیر صاحب نے شعر پڑھا  
 زلفت زہر و جانب خوں ریز عاشقات  
 چیزے نمی توان گفت رو تو در میات  
 یہ اُسی کی برکت ہے کہ آپ نے طوطی شکر مقال و طوطی ہند کا لقب پایا اور اپنے زمانے  
 کے بے نظیر عالم و فاضل اور استاد مانے جاتے تھے یہ کو کتابوں سے اوپر اوپر تو  
 آپ کی تصانیف ہیں اور کوئی پانچ لاکھ اشعار آپ کی زبان سے نکلے ہیں۔ آپ کا  
 کلام مقبول انام ہو۔ خالق باری جو بچوں کو پڑھائی جاتی ہے اور جو نصاب خسرو کے  
 نام سے مشہور ہے آپ ہی کی تصنیف ہے۔ شعر گوئی پر آپ کو ایسی قدرت کا ملہ تھی  
 کہ مثنوی مطلع الانوار جو مثنوی مخزن الاسرار مثنوی شیخ نظامی گنجوی کے جواب میں  
 لکھی ہو وہ ہفتے میں تمام کی۔ آپ بڑے بڑے استادوں پر تعریض کر بیٹھتے تھے  
 لیکن حضرت ہمیشہ آپ کو منع کیا کرتے تھے کہ کسی پر اعتراض کرنا یا طعن و تشنیع بھی  
 بات نہیں تم کو نہ چاہیئے۔ امیر صاحب نے جب حضرت نظامی علیہ الرحمہ کے غم سے  
 جواب لکھا تو حضرت نے آپ کو ڈرایا کہ تم نے بہت بُرا کیا کہ ایک بزرگ کا جواب لکھا آپ نے کہا کہ میں تو آپ کا  
 پناہ میں ہوں مجھے کسی کا کیا ڈر۔ اتفاقاً اسی غم سے کی ایک بیت کے جواب میں یہ بیت کہی۔

کو کبرہ خسرویم شد بلند  
 غلغلہ در گو نظامی فکند

تو فوراً ایک شمشیر برہنہ نمودار ہوئی۔ امیر خسرو ڈر گئے اور اُسی وقت حضرت  
 سلطان المشائخ اور شیخ فرید گنج شکر کو یاد کیا۔ وہیں ایک ہاتھ ظاہر ہوا جس نے ہاتھ کو  
 اپنے اوپر جمیل لیا۔ تلوار آستین کاٹتی ہوئی ایک درخت پر جا پڑی۔ خسرو کھڑے ہوئے

حضرت کے پاس آئے اور چاہتے تھے کہ یہ ماجری بیان کریں کہ آپ نے پہلے ہی  
 اپنی کٹی ہوئی آستین دکھا دی۔ خسرو قدموں پر گر پڑے۔ حضرت نے فرمایا۔ ۵  
 خسرو کہ یہ نظم و نثر شائش کم خواست ملکیت ملک سخن اور خسرو ماست  
 اس خسرو مانا صر خسرو نیست زیراکہ خبدا انا صر خسرو ماست  
 اگرچہ آپ کا زمانہ جا کر قریب قریب ساڑھے چار سو برس ہوئے مگر آج تک آپ کے ہزاروں اشعار  
 لوگوں کی زبان پر جڑے ہوئے ہیں آپ کے کلام معجز نظام نے کچھ ایسا خدا داد و درجہ مقبولیت عام  
 حاصل کیا ہے کہ یہ کسی کے کلام کو آج تک نہیں ملا۔ امتداد زمانہ آپ کی شہرت کو نہ ٹاسکا  
 ایسے ہی لوگ صفحہ دنیا پر "فانی کہلائے جا سکتے ہیں کہ آج بھی لاکھوں آدمیوں کی  
 زبان پر آپ کا کلام اور ان کے دلوں میں آپ کی عزت و احترام ہو۔ امیر خسرو جان  
 سے اپنے مرشد پر فدا تھے۔ ایک مرتبہ ایک سائل حضرت سلطان المشائخ کے پاس  
 آیا۔ اتفاق سے اس وقت حضرت کے پاس کچھ نہ تھا دوسرے تیسرے دن بھی  
 اتفاق سے کچھ نہ آیا آخر کار آپ نے اپنی جوتیاں اسے دے دیں وہ خوشی خوشی  
 لے کر چلتا ہوا۔ رستے میں امیر خسرو نے جو کسی ہم سے واپس آ رہے تھے۔ اپنے  
 چھوٹے ہی شیخ کی خیریت دریافت کی اور کہا ای بار تجھ میں سے مجھے میر روشن ضمیر  
 کی بو آتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ شاید کوئی تبرک تیرے پاس ہے فقیر نے کہا ہاں نعلین مبارک  
 میرے پاس ہیں۔ امیر نے پانچ لاکھ اشرفیاں دے کر نعلین کو لے لیا اور سر پر رکھ کر  
 شیخ کے روبرو حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے یہ جوتیاں پانچ لاکھ اشرفیاں  
 میں خریدیں؟۔ امیر نے کہا فقیر نے جو مانگا میں نے بے تکلف دے دیا۔ اگر وہ  
 میری جان اور سارا مال بھی مانگتا تو میں بے دریغ دے دیتا۔ ایک مرتبہ آپ نے  
 شیخ سے اتنا س کیا کہ میں نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن مجھے "خسرو" کے نام سے  
 پکاریں کیوں کہ یہ متکبروں کا نام ہے۔ آپ نے فرمایا قیامت میں تمہیں "محمد کا سید" کہا  
 کہہ کر پکاریں گے۔ ایک مرتبہ امیر خسرو نے شیخ سے عرض کی کہ میری خواہش ہے کہ  
 دنیا میں آپ کے بعد نہ رہوں اور میری قبر آپ کے پہلو میں ہو۔ جب شیخ کو فاطمہ  
 زمانہ قریب آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "خسرو میرے بعد دنیا میں کم رہے گا  
 جب مرے تو میرے پہلو میں دفن کرنا کہ وہ میرا محرم راز ہے۔"



میں بے اس کے بہشت میں قدم نہ رکھوں گا۔ اگر یہ جائز ہو تا کہ دو شخص ایک قبر میں دفن ہوں تو میں وصیت کر جاتا کہ خسرو کو میری قبر میں دفن کرنا کہ ہم دونوں ایک جگہ پر پہلے آپ سلطان بلبن کے زمانے میں (۶۸۶-۶۸۷ھ) میں شاہزادے کے جو نمان کا گورنر تھا مصاحب مقرر ہوئے۔ جب خاندان خلجیہ کا عروج ہوا تو سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی نے (۶۹۰-۶۹۱ھ) آپ کو زمرہ امراء دربار میں منسلک کیا اور آپ کا مرتبہ اور اعتماد سلاطین اربعہ کے زمانے میں یوں نافیوٹا بڑھتا ہی گیا اور یہی حال تغلق خاندان کے زمانے میں رہا۔ اگرچہ سلطان غیاث الدین تغلق اور حضرت نظام الدین اولیاء سے کشیدگی تھی اور وہ خاندان ہشتیہ کا مخالف تھا لیکن امیر خسرو کے ساتھ وہی عزت اور احترام کا تعلق رہا۔ روز بروز جاگیرات و مناصب میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ جب محمد شاہ تخت دہلی پر بیٹھا تو امیر خسرو کا نیر اقبال اور بھی چمک گیا۔ شاہ شاہ آپ کا از حد گرویدہ تھا اور آپ کو کتب خانہ شاہی پر مقرر کیا اور جب ہنگامے کے سفر کو گیا تو آپ کو بھی اپنی مصاحبت میں لے گیا۔ جس وقت حضرت شیخ کا وصال ہوا امیر خسرو بادشاہ کے ساتھ لکھنوتی میں تھے۔ خبر سنتے ہی اس صدمہ جانکاہ سے آپ کی کمر ٹوٹ گئی سارا مال و اسباب راہ خدا میں لٹا دیا اور شاہی ملازمت چھوڑ کر اقبال و خیزاں و آبی پوسنچے اور مزار شریف پر پونج کر بہت روئے اور ہندی کا یہ دو ہاڑا گوری سوئے تیج پر کھہر پڑا کے لکس چل خسرو گھر اپنے سانج بھی نچو و سیں دہلی میں سب نے آپ کی تسلی تشفی کی خصوصاً حضرت نصیر الدین چراغ دہلی لیکن آپ کی بے قراری بڑھتی ہی گئی اور خبر وفات سنتے ہی سیاہ لباس پہن لیا اور برابر چھ مہینے تک قبر کے پائین بیٹھ کر ۲۰ روزی قعدہ ۶۲۵ھ جمعہ ۱۴ جون ۱۲۲۸ء بروز اتوار ۸ شوال سنہ ۶۲۵ھ کی رات چھ مہر سال کی عمر میں اس دارالحق سے دارالسرور کو کوچ فرمایا۔

### قطعہ تاسیخ وفات

خسرو دہلوی بحکم خدا  
عمر مفتا و دینچ سانش بود  
بچہ ہم بود از پیشوال  
سال ترحیل افسح الشعراء  
بشب جمعہ شد در دار فنا  
کانزماں شد بدرگہ معبود  
کہ گزشتہ ازین جهان طال  
گفت ہاتف بہشتی اہدا

کتاب نثر الاولیاء میں یہ شعریں لکھی ہیں۔ سال ترحیل ازین ہشتیہ نقل قاتی ہوا ۱۲۲۸ھ



انتقال کے بعد حسب وصیت شیخ آپ کو شیخ کے پہلو میں دفن کرا جاہا کیوں کہ آپ نے اپنی داہنی طرف جگہ بھی چھوڑ رکھی تھی لیکن آداب ولایت کے خلاف سمجھ کر ایک خواجہ سہرا مانع ہوا کہ دونوں قبریں برابر برابر ہونے میں زائرین کو مناظر ہوگا لہذا آپ ہی کے جوار میں احاطہ درگاہ مشریف کے اندر چند قدم کے فاصلے سے بیہودہ یا رانی پر جہاں حضرت نظام الدین اپنے ارباب حلقے سے ہمیشہ گفتگو فرمایا کرتے تھے آپ کو آسودہ کیا چوں کہ یہ امر خلاف وصیت حضرت سلطان المشائخ ہوا تھا وہ خواجہ سہرا بھی چند روز کے بعد پلنگ پر سویا کا سویا رہ گیا۔

درمیانی دروازہ حضرت سلطان المشائخ اور حضرت امیر خسرو کی درگاہوں کے درمیان بود دروازہ ہر وہ درمیانی دروازہ کہلاتا ہے۔ اس دروازے

سفیدی کی تہ چڑا ہوا کہ خراب کر دیا گیا۔ اس کے کار پر کچھ اشعار معلوم دیتے تھے جن کو کھر چوانے اور صاف کرانے سے یہ قطع تاریخ نکلا جس پر پہلے کسی کی نظر نہیں پڑی یہ قطعہ عربی خط میں ہے۔

بدور سعد ابو العدل شاہ عالم گیر  
بہ ہوشیار علی خان مژدہ افشار



حضرت امیر خسرو کی درگاہ کے احاطے کا طول (۱۱۳) اور عرض (۸) ہے جس میں سنگ سرخ کافرین ہے۔ قبہ راؤٹی نما ہے اور گرداگرد گنبد کی جالیوں کا ایک عجربے جس کے اندر صرف حضرت امیر خسرو کا مزار ہے ہر ہر جالی پر دو دو مصرعے کندہ ہیں جن میں چونا پھر جانے سے بالکل سفیدی کے اندر چھپ گئے تھے اب بڑی مشکل سے نکھر کر کھینچ کر نکالے ہیں جب بھی برابر پڑے نہیں جاتے بہر حال یہ وقت جو کچھ پڑا گیا پیش ہے۔ پہلے کسی کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ ان جالیوں پر اشعار کندہ ہیں:-

کہ نامش بہت بلوچ چہاں نقش و نگار  
کہ زنی داد ازاں صورت بخونی لوح ہستی را  
بروئی و درو دیاسے معانی را ازاں دریا

شہ ملک سخن خسرو پیر و سالار درویشاں  
چناں در صورت خوبی سخن پرواز شد طبعش  
شدہ غواص دریا تفکر و ز محیط فضل

نزار الملک دنیا کر در حلت جانب عقبا  
ندائے ارجی چوں در سید از عالم بالا  
بدوران ہایوں بادشاہ غازی دانا  
دعای دولتش گویند نزور بی الاسطے  
ہندوست دنیا شد مثل اربے مثل بے سما  
خداوند ہماں یار و معین و ناصر الامرا

بسال پنج پنج و مقصد از ہجرت حضرت  
بتدیساطے مرغ روحش سدرہ ماؤاشد  
گزشتہ بودی دہشت و نہ صد سال از ہجرت  
شہنشاہی کہ می شاید اگر گزریاں دایم  
رفیع القدر صاحب دولت باقی کہ در عالم  
خدایا تہا ہاں باشد بدولت باشد و بادش

قبر اور اُس کا چوبی کٹھرا ۳۶۹ھ میں بعد بابر بادشاہ سید مہدی نے بنوایا اور قبر کے سر پہنے  
کی طرف روئے کے باہر سنگ مرمر کی ایک تختی آٹھ فٹ اونچی اور ایک فٹ چوڑی  
بنوا کر منبت حروف میں کتبہ لکھوایا :-

والہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

زیر را ازین لوح شد سرفرازی	بدوران بابر شہنشاہ غازی
میر خسرو خسرو ملک سخن	آں محیط و فضل دریاے کمال
نشر اور دلکش ترا و مار معین	نظم اوصافی ترا و آب زلال
ببل بستاں سراے بے قریں	طوطی شکر مقال بے مثال
از پی تاریخ سال فوت او	چوں نہاد م سر بزانوے خیال
شد عدیم المثل یک تاریخ او	دیگرے شد طوطی شکر مقال

زحرف وصل جاہاں سادہ آمد لوح خاک من طریق سادہ لوحی بس نشان عشق پاک من  
مہدی خواجہ سید با جاہ و جلال نندانی ایں اساس بے شبہ و مثال  
گفتہ سنی جمیل مہدی خواجہ تاریخ بنا سے او چو گر وید سوال

حرمہ شہاب الدین المعانی الہروی

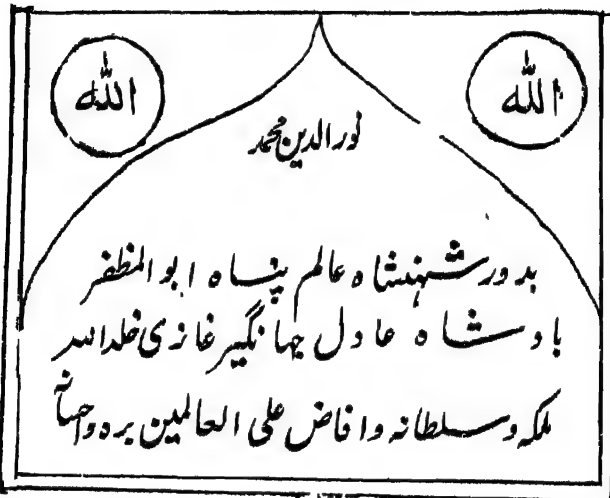
قبر جس پر ہمیشہ مغرق غلاف پڑا رہتا ہو آٹھ فٹ لمبی اور تین فٹ چوڑی اور ایک فٹ  
اونچی ہو آپ کی قبر کے پائین میں مروہ اکرام آپ کے بھانجے کی قبر سر ہو  
اور اکرام پیاسود پپاے خسرو سے تاریخ وفات نکلتی ہو۔ اس اجاسٹے میں اور

بہت سے بزرگان دین آرام کرتے ہیں جن میں بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں اور  
یہ لوگ ایران چوتراہ کہلاتے ہیں :- خواجہ شمس الدین ماہ رو آپ کے بھانجے  
خواجہ اقبال - خواجہ مبشر - خواجہ نور الدین مبارک - خواجہ مبارک گویا موسیٰ مولانا غیاث الدین برنی -  
خواجہ عزیز الدین - خواجہ قاضی خواجہ سید عمر - خواجہ مولانا قائم - خواجہ مولانا کمال - امین خواجہ عبد الرحیم عرف  
خواجہ عبد الرحمن - امیر حاجی پسر پسر خسرو - سید ابراہیم ایرچی - حضرت شیخ بہا الدین قادری وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم  
اس کے علاوہ اور بھی یہ قہر میں ہیں (۱) مولانا غلام فرید خلیفہ حضرت مولانا فخر الدین (۲)  
خواجہ محب علی بن مولانا محمد ۸۹ھ سنہ صاف نہیں ہی نقطہ کو  
خواجہ ۸۹ھ کا نقطہ پڑھو یا ۸۹ھ کے اعداد کا سمجھو تو ۸۹ھ  
پڑھو - (۳) وفات خواجہ عطار الدین خواجہ میرا تہیز دی شہر ربیع الآخر سنہ  
نہصد شصت و ہفت - (۴) دارانجاں بہادر امین دارانجاں مرحوم بنی مختار الحسینی  
شب جمعہ تاریخ بست و ہفتم شہر شوال ۱۱۲۲ھ ہجرت حق پیوست - (۵) نواب  
نظر بہادر خاں ورروز عاشورہ سنہ مخصد و ہشتاد و دو بود کہ شہادت یافت -  
(۶) وفات مرحوم سلیم سلطان نبت امیر شہاب حاجی و تاریخ پنج شہر محرم الحرام ۱۱۲۳ھ  
نہصد و شصت و ہفت - (۷) کلہ طیبہ - وفات شہید مخدوم خاں ولد محمد خاں بتاریخ  
بست و دویم رمضان ۱۱۲۶ھ متوطن احمد نگر - (۸) امین مزار حاجی وزیر خاں ... نکلک ۹۷۱  
(۹) حضرت حاجی لعل محمد رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ خاص مولانا فخر الدین دہلوی جن کا وصال ۱۲۰۱ھ  
رمضان المبارک ۱۲۰۱ھ کو ہوا - آپ کے مزار پر سنگ مرمر کا حجر اور گنبد  
۱۲۰۱ھ میں بہ عہد نور الدین جہانگیر بادشاہ طاہر محمد عماد الدین حسن نے بنوایا تھا -  
تاریخ بنام مقبرے کے اندر سنگ سرخ کی جالیوں کے اوپر حسب ذیل کندہ ہوا -

و زووست مان مال بیت	او شربت عاشقی بجاست
زانست کہ شد لقب نطاست	قد سلک فریاد تو منظوم
چوں شد بہر زار جاں غلاست	جاوید تجاست بندہ خسرو
بار و ضہ تو سرانیا ز ست	او خسرو بے نظیر عالم
فیض ازلی ہمیشہ باز ست	تعمیر بنود طاسپراں را
بار و ضہ بگو کہ جا کر از ست	تاریخ نباشش عقل گفتا

قائل این کلام و باقی این مقام طاہر محمد عاود الدین حسن ابن سلطان علی سبزواری سیستانی  
 غفر ذنوبہ و مسترحین بہ الکاتب عبداللہ بن ایوب  
 مرا نام نیک است و خواجہ عظیم  
 اگر نام یابی تو زین حریفان  
 بدانم کہ ہستی تو مردے فہیم  
 کاتب مذکورہ نمبرہ شیخ شکر گنج

### کتبہ در طاق



مقبرے کا بیرونی حصہ تیس فٹ لمبا اور بائیس فٹ چوڑا ہو۔ اندرونی حجرہ ۱۲×۵  
 ہو۔ چاروں طرف سنگ مرمر کی چائیاں لگی ہوئی ہیں صرف بیچ کی کھڑکی کی جگہ شمال  
 کی طرف ایک تختی سنگ مرمر کی لگی ہوئی ہو۔ جنوبی دیوار کے وسط میں دروازہ ہو  
 جو ۵ فٹ بلند اور تین فٹ چوڑا ہو۔ اس میں جو کواروں کی جوڑی چڑھی ہوئی ہو اس کے  
 پتیل کے پتھر جڑے ہوئے ہیں اور ان پتروں پر ذیل کے اشعار نہایت بدخط  
 ناموزوں اور غلط کھدے ہوئے ہیں جن کو ہم نے بچھٹہ نقل کر دیا ہے۔

زہی عز و شرف گر کیجی مقبول  
 امیر خسروی مقبول یزدان  
 مراد دل لے اور دل ہو متویر  
 چڑھا تا نذر جوڑی میاں خاں

۱۵ اس سے کاٹل یہ ہو یعنی شیخ - بی - ل - ق - ق - بی - ج - کے اعداد اور پ

۱۶ کے اعداد دروزں برابر ہیں جو ۸۶۶ ہوتے ہیں۔

## قطع تاریخ

نہ کیوں تاثیر ہوا اور فیض یہاں سے  
ہیں سرکار نظام الدین کے مختار

مقدم

امیر خسرو دہلی ہیں ایسے  
کہ ان کا در درجنت ہو اظہار  
غریب و بندہ مسکین ہیاں  
محب و خادم الفقرا و فادار  
بسنت اوسنے باب پر تنویر  
کیا سن بار اں سدا سنی میں تیار

مقبرے کی چھت پختہ ہو جس کے دونوں سروں پر پختہ برجیاں ہیں۔ حضرت  
امیر خسرو کے مزار کا بڑا اہتمام اب تک ہو اور نذر دنیا ز برابر چڑھتی رہتی ہو  
مقتوں اور مرادوں والے کثرت سے آتے ہیں۔ ۷۱ سوال کو بہت دھوم مہا  
سے آپ کا عرس ہوتا ہو اور بسنت کی تیسری تاریخ ایک بہت بھاری میللا  
لگتا ہو جس میں کثرت سے لوگ جمع ہوتے ہیں جو سترھویں کا میللا یا پھول والوں  
کی سیر کہلاتا ہو۔

نواب خاندوراں خاں  
کی مسجد

حضرت امیر خسرو کی درگاہ کے پاس ہی نواب  
خاندوراں خاں کی تین ورکی نہایت مختصر  
اور نہایت ہی خوش نما مسجد سنگ سرخ کی بنی ہوئی  
ہو جس کی چھت لداؤ کی ہو اور اندر تمام رنگ کمیزی کا

بہت نفیس کام ہو۔ غرض یہ کہ گو مسجد چھوٹی سی ہو لیکن باہر ہمہ بہت کچھ کاریگری کھلائی  
گئی ہو۔ مختصر سا صحن ہو اور صحن میں ایک زمانائی قبر ہو جو خاندوراں خاں کی بہن کی کہلاتی  
ہو۔ مسجد کے کونے میں ایک کنواں بھی ہو جس میں درگاہ شریف کے پھول  
ڈالے جاتے ہیں۔

بیرون مسجد شہدا کی قبور | ساری درگاہ کا چپہ چپہ قبروں سے پٹا پڑا ہو  
ایک انچہ زمین بھی خالی نہیں ہو۔ اس مسجد

کے جنوب رخ دروازے کے باہر دروازے سے ملی ہوئی چند بہت پرانی قبریں  
شہدا کی ہیں جن پر کے کتبے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:-

(۱) مرحوم مغفوری مرزا جعفر شہید شمس آباد۔

(۲) چوں کرو ملا دین محافل  
از دار فنا جانب فرو دست یافت  
تا سنج و فالتش ہمہ کس جی جتند  
عظم پچناں رفت علارالدین فیت  
(۳) در سنہ مخصد ہفتاد و پنج مرحومے محمد امین سلطان در چتور شہید شدہ  
(۴) نوجواں رفت چو اردو ہوا  
قامت پیر فلک گشت اندوہ و...  
وہ کہ شد ماہ رخس و درتہ خاک ہوا  
ماند تار و زجزا حسرت ویدار بماند  
سال اربح و فالتش نخر و می جستم  
آہ صد حیف از اں یوسف ثانی لبنا

ان چار قبروں کے سوا اور دو پرانی قبریں بھی سنگ سرخ کی ہیں اور اُن پر کتبے بھی تھے  
مگر لال پتھر کو لونی جلد لگ جاتی ہے اس وجہ سے بالکل جھڑ گئے صرف کتبہ کا نشان ہی  
نشان رہ گیا۔

## باقیات الصالحات

حضرت امیر خرو نے جو حضرت محبوب الہی کے  
زمانے میں ایک بزرگ تھے سیر الاولیاء کے  
نام سے ایک تذکرہ لکھا ہے اس میں حضرت محبوب الہی کے حالات بھی نہایت  
معتبر طریقے پر مبالغے سے پاک مورخانہ شان سے لکھے ہیں۔ فی زمانہ درگاہ  
شریف میں چار خاندان ہیں اور انھیں خاندانوں کا عمل دخل درگاہ کے جملہ  
امور میں ہے۔ (۱) نسیرہ گان۔ (۲) ہارونی (۳) ہندوستانی۔ (۴) قاضی زادہ۔  
فریق اول حضرت خواجہ سید محمد امام کی اولاد میں ہیں جو حضرت بابا فرید الدین گنج  
کے نواسے تھے اور حضرت محبوب الہی نے اُن کو اپنے پیر زادے کی  
جیشیت میں بطور فرزند معنوی پرورش کیا تھا اور اپنی زندگی میں ایسے امتیازات  
اُن کو دیئے تھے جو کسی دو سرے قرابت دار یا خلیفہ کو حاصل نہ تھے مثلاً یہ کہ  
وہ تمام خلفاء اور اقربا سے بالاتر اور حضرت محبوب الہی کے برابر بٹھائے جاتے تھے اور  
حضرت محبوب الہی اپنے سامنے لوگوں کو ان کا سرید کراتے تھے اور اپنی موجودگی  
میں ان کو سماع کا سیر مجلس بناتے تھے اور نماز میں امام بھی انھیں کو کرتے تھے۔ آج کل خواجہ  
سید امام صاحب کی اولاد میں ساٹھ کے قریب آدمی ہیں۔

اور سید خواجہ حسن نظامی بھی انھیں میں کے ایک  
سید خواجہ حسن نظامی کا ذکر  
برگزیدہ بزرگ ہیں جو علاوہ اپنی خاندانی اور عظیم

اپنی ذات سے بھی بڑے، نہایت نفیس اور منگہ سر المزاج۔ متواضع۔ خلیق اور دلنسا رہیں۔  
 چوں کہ وہ صوم و صلوق اور شریعت کی سنتی سے پابن ہیں ان کی نو عمری ان کے تقدس  
 میں حائل نہیں۔ وہلی میں کم اور باہر کا غلیا اور گجرات تبدیلی اور حیدر آباد سندھ و دکن  
 کی طرف بہت سے لوگ ان کے مستعد اور مرید ہیں۔ اس طبقہ میں وہ ایک غیر معمولی  
 دل و دماغ کے شخص ہیں۔ دیکھنے میں وہ ایسے پختہ زیادہ و ذکی نہیں معلوم دیتے  
 مگر ان سے قلم میں ایک خداداد و مسمرک پورٹ ہو جو لوگوں کے دلی جذبات کو ابھارتی  
 ہو۔ ان کی تحریر تسنع سے اور عبارت آسانی کی قید سے آزاد ہو۔ ایسا معلوم دیتا ہو کہ  
 قلم کے بدلے زبان صغیر کا غنہ پر روان ہو اور زبان بھی پاک صاف اور ستھری آسان  
 اور سلیس اور با محاورہ دلی کی مستند اردو جس میں شوخی اور ظرافت تہذیب کی چاشنی کے  
 ساتھ ہو وہ ایسی اردو لکھتے ہیں کہ کم استعداد و عورتیں اور بچے۔ نوی استعداد و جوان  
 اور بڑے بورٹے تحریر کا اہل قلم اور صاحب تصنیف اس سے یکساں مستفید ہوتے  
 اور ولی شوق سے پڑھتے اور ہونٹ پھاٹتے رہ جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ انگریزی نہیں  
 جانتے مگر انگریزی الفاظ کثرت سے ان کی تحریرات میں جاتا جاتے ہیں جن کا استعمال  
 وہ بہت خوبی سے با موقع و بر محل کرتے ہیں غرض ان کی اردو ماڈرن اردو و سٹینڈرڈ  
 اردو کا ایک بہترین نمونہ ہو جس کی نقل لوگ آسانی سے جانتے ہیں مگر نہیں آتا رہ سکتے۔  
 میری نظر سے آپ کی کوئی مبسوط تصنیف نہیں گوری اول تو آپ اخباروں میں کثرت سے لکھتے ہیں ایسے  
 مضامین اخباروں کے ساتھ تلفت ہو جاتے ہیں مگر آپ کی تصانیف اللہ عظم قصد آیا اتفاقاً ہمیشہ مختصر و مفید  
 ہیں شاید اس خیال سے کہ طول مل نہ ہو اور پڑھنے والے کا دل اکتانہ جائے تحریر  
 مختصر اور مفید آپ کا ماٹو ہو۔ آپ کی تصانیف اس کثرت سے ہیں کہ میں ان کی فہرست  
 دیتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ کتابوں کا کیلاگ نہ ہو جائے تاہم بمصدق ماکاید و  
 کلہ لا یلک کلہ شستہ نمونہ از ضر وارسے تیمنا و تبر کا ہم ان کا ذکر خیر کیئے بغیر یہ بھی  
 نہیں سکتے۔ جن لوگوں نے یہ کتابیں نہ دیکھی ہوں رگو ایسے بے خبر لوگ بہت کم ہوں  
 وہ اب دیکھیں اور اردو لٹریچر کے بہترین ذخیرے سے مستفید ہوں۔ روز ناچہ  
 سفر مصر و شام و حجاز۔ کرشن ہتی۔ سیر دہلی و یلا و نامہ۔ محرم نامہ۔ یزید نامہ۔ انتخاب حیدر۔ کم ٹوموت۔ سیر دہلی  
 غدر دہلی کے افسانے۔ روز ناچہ خواجہ حسن نظامی۔ ذکر شہرہ آلیق و خطوط نویسی۔ بیوی کی تعلیم۔ مجموعہ خطوط و خطاطی

مخزن نہ گیا۔ مہوین۔ چٹکیاں گدگدیاں۔ روزنامچہ بند۔ جگ بیتی۔ بچوں کی کہانیاں۔ قبروں کے غیبی نوشتے۔ رسول کی عیدی۔ توپ خانہ۔ ہندو قہوائی جہاز بم۔ مچھر کا اعلان جنگ۔ کبھی کامبدان جنگ۔ جرمن شاہزادے کی لاش فرام قبلہ ٹوٹا۔ وغیرہ وغیرہ۔ فریق دوم ہارونی حضرت خواجہ رفیع الدین ہارونی کی اولاد میں ہے جو حضرت محبوب الہی کے ہمیشہ زادے تھے اس خاندان میں اب صرف محو تیں باقی ہیں اور خدا سلامت رکھے حیدر آباد کی ریاست کو تاقیامت دونوں معقول و طیفہ باقی ہیں۔ مرد کوئی زندہ باقی نہیں رہا۔ فریق سوم ہندوستانی۔ حضرت خواجہ ابوبکر مصلیٰ بردار کی اولاد میں ہے جو حضرت محبوب الہی کے قرابت دار نہایت ممتاز و متبرک بزرگ تھے اور حضور کا مصلیٰ اٹھانے کی خدمت اُن کے سپرد تھی۔ ان کی اولاد میں پچاس کے قریب آدمی اب بھی موجود ہیں۔ فریق چہارم۔ قاضی زاوے۔ حضرت قاضی محی الدین کاشانی کی اولاد میں ہے جو حضرت محبوب الہی کے بہت ممتاز اور برگزیدہ خلیفہ تھے اور اُن کی قرابت بھی حضرت محبوب الہی کے قرابت داروں سے تھی۔ اب ان چاروں خاندانوں میں آپس کی رشتے داری کے سبب کوئی فرق نہیں اور سب ملے جلتے رہتے رہتے ہیں۔ حضرت محبوب الہی نے شادی نہیں کی تھی اس لیے آپ کی اولاد مصلیٰ نہیں ہے بلکہ ہمیشہ اور اجداد کی نسل آباد ہے۔

خواجہ حسن نظامی صاحب کے نام  
کھلا نوٹس

جو زمانہ حال کے طرز پر ہو ضرور لکھیں اور اُن سے بہتر اور کون لکھ سکتا ہے کہ اہل البیت البصرہ ما فی البیت لیکن ابھی شاید اس کا وقت نہیں آیا۔ لہذا اب مجبور ہو کر میں اُن کو یہ کھلا نوٹس دیتا ہوں۔ گو یہ کام بڑا اہم بالشان ہے مگر آخر خواجہ صاحب نہ کریں گے تو کون کرے؟ زندگی کے دن سمٹتے چلے جاتے ہیں۔ موت سر پر کھڑی ہے۔ العجل تم العجل۔ کار امروز را بفر و نگزار بسم اللہ میدان میں آئیے اور اس ہم فریضہ کو ادا کیجئے۔



بہر عارضہ یہ سچ اعتماد و مکن

کہ پنج روز دیگر می رود باستعمال

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں

سامان سو برس کا ہر کل کی خبر نہیں

آگلے دہائی کے لوگوں کا خیال تھا کہ بچے کے

مزاج اور اخلاق میں دو دھ کا اثر ضرور ہوتا ہے اس لیے

بادشاہ اور امرا بچوں کے دو دھ پلانے کو شریف خاندان کی بی بی تلاش کرتے

تھے۔ بادشاہ عالم طفولیت میں بس کی بی بی کا دو دھ پیتا تھا وہ انکے خاں خطاب

پاتا تھا۔ آتا کرتی باپ کو کہتے ہیں جو بی بی دو دھ پلاتی تھی وہ انکے کہلاتی تھی۔ اینہ ترکی

میں ماں کو کہتے ہیں۔ جو بچہ ان دنوں میں اس کا دو دھ پیتا تھا وہ شہزادے کا

کو کا کہلاتا تھا اور بڑا ہو کر کوکلتاش خاں ہو جاتا تھا۔ اس کے اور اس کے رشتے داروں

کی بڑی عزت اور خاطر ہوتی تھی۔ شیخ ابوالفضل لکھتے ہیں کہ اکبر نے سب سے

پہلے دو دھ تو کچھ بگلوں کا پیا مگر بہاول انکے نے پہلے دو دھ پلایا وہ جوگا برہار کی بیٹی تھی۔

جب آئی تو باہر نے ہایوں کے محل میں بیٹھ دی۔ چنانچہ اس کی خوش روئی نے

خوش خوی رفاقت سے ہایوں کو بھالیا۔ مریم مکانی آئیں تو سورج کی روشنی نے

ستارے کو بدم کیا اور بادشاہ نے اسے بھلاں کو کہہ کر دے دیا۔ پھر بھی وہ محل

میں رہتی تھی۔ اول اس نے دو دھ پلایا۔ پھر موقع موقع پر اوروں نے۔ مگر بیچ

روایت یہ ہو کہ سب سے پہلے اور کمرہ ہی کے دو دھ سپینے پر رغبت فرمائی تھی۔

اگلے وقتوں کے لوگ اصلیت اشیاء اور تاثیر ادویات سے بالکل بے خبر تھے۔

اس لیے خواہ مخواہ کے تکلف لگے باندھتے تھے۔ محفل ہوتی تو گدھی کا دو دھ

پلاتے۔ دانا یا ن فرہنگ نے فرمایا کہ اس دو دھ سے بہتر بچے کے لیے کوئی

دو دھ نہیں۔ خان اعظم ایک سید ہاساد سید بامروت۔ صاف دل آدمی تھے۔

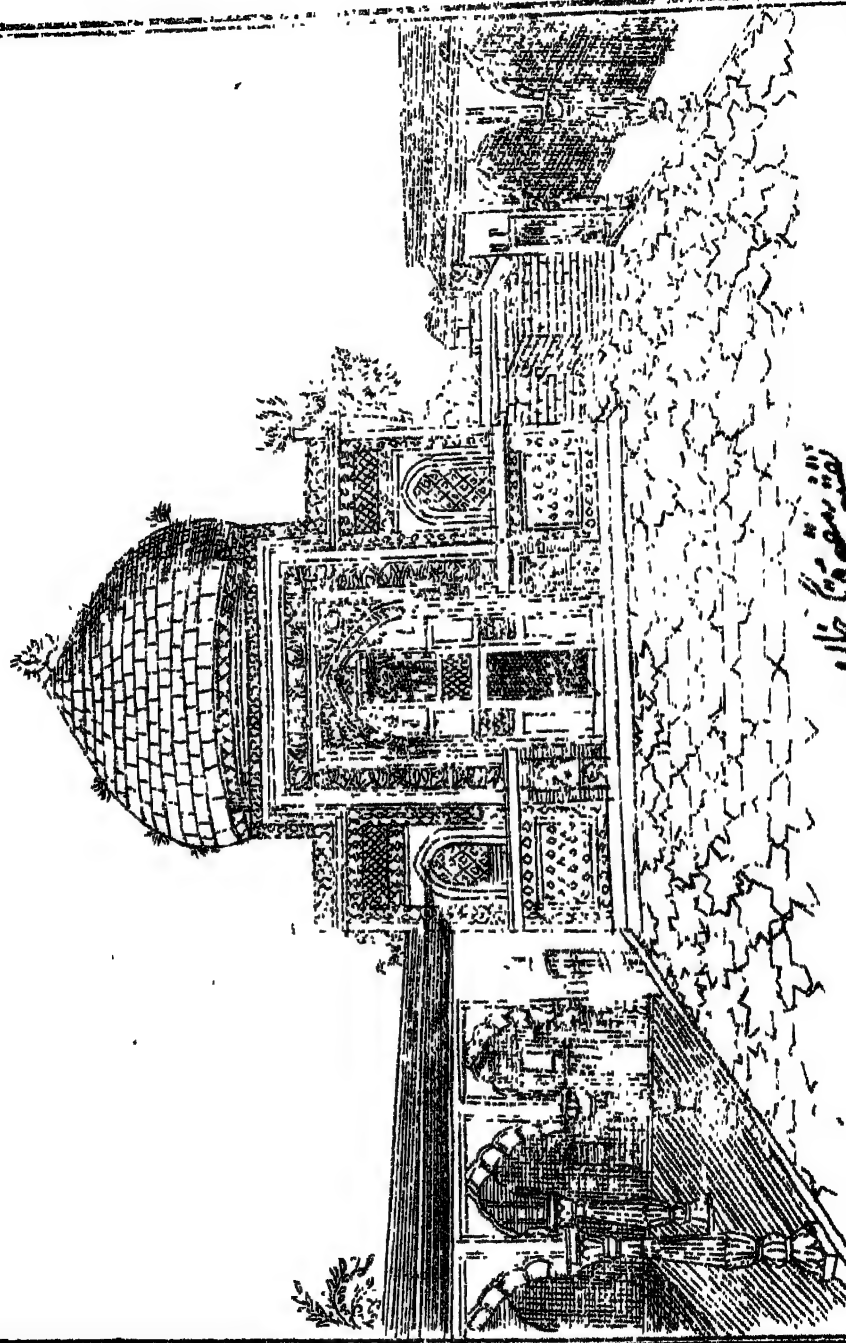
خاندان کا ذکر اسے تو کہہ دو کہ وہ آپ ہی اپنے خاندان کے باقی تھے۔ جب تلوں

نے شیر شاہ سے دوسری شکست کھائی تو تمام لشکر پریشان ہو گیا یہاں تک کہ

شکست نصیب بادشاہ کو اس حال میں یگانہ کا ہوش بھی نہ رہا۔ تنگ ناموس

شمس الدین محمد تگہ خاں  
خان اعظم کا مقبرہ ۹۷۲ھ  
۹۷۲ھ ۹۷۱ھ ۹۷۰ھ

نقشه بنجر و تکیه خان



غنیہم کے ہاتھ پڑا۔ ہر شخص جان لے کر بھاگا۔ ہائیڈر دیریا کے کنارے پر آکر حیران  
کھڑا دیکھتا تھا کہ ایک ہاتھی ہاتھ آگیا۔ اُس پر چڑھا فیل بان سے کہا کہ ہاتھی دریا میں ڈال دے۔  
معلوم ہوا کہ اُس کی نیت میں فساد ہو۔ چاہتا ہو کہ شیر شاہ کے پاس لے جا کر انعام حاصل  
کرے۔ ایک خواجہ سراج بادشاہ کے ساتھ تھا۔ اُس نے پیچھے سے تلوار ماری  
کہ فیل بان کا سر اڑ گیا اور ہاتھی کو دریا میں ڈال دیا۔ غرض ڈوبتے اُبھرتے پار پہنچے۔  
آخر کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کٹراڑہ بہت بلند ہو خدا سے کریم کار سلا ہو۔ اوپر ایک سپاہی  
نظر آیا کہ کچھ رستی اور کچھ دستار کچھ ٹپکے پٹ کر لٹکا رہا ہو۔ اُسے پکڑ کر اوپر چڑھ گیا  
اور خدا کا شکر کیا۔ اُس کا نام اور مقام پوچھا۔ عرض کی کہ غزنی کی پیدائش اور مرزا کا مرزا  
نور مہوں۔ بادشاہ نے عنایتوں کا امیدوار کیا۔ اُس وقت تو بدحواسی کا عالم تھا دونوں  
اپنی اپنی راہ کہیں کہیں چلے گئے۔ لاہور پہنچے تو وہ بھی خدمت میں حاضر ہوا  
ہائیڈر نے ملازمان شاہی میں داخل کر کے ہم رکاب لے لیا۔ اور اُس وقت سے آخر تک  
جاں نثاری میں رہا۔ غرض نصیبی سے اُس نے اکبر کی پرورش اور بی بی نے دایگی  
کی عظمت پائی۔ آخر حضرت یہ تھی جو بیرم خاں کی ہم پرہیزگاری۔ اس کی بدولت خانِ اعظم انکے خاں  
ہو گئے۔ لیکن ماہم کی مہتاب میں اُن کا ستارہ نہ چمکا جاں نثاری کا صلہ بھی پورا نہ ملا۔  
اُس وقت آنھوں نے اکبر کو ایک عرضی لکھی ہو جس سے اکثر رمزیں ہم خاں خاناں کی کھلتی ہیں  
اور ان کی بے اختیاری اور محرومی اور دل شکستگی اور ماہم کی سینہ زوری بھی عیاں ہو۔  
ترجمہ عرضداشت کترین بندگان دولت خواہ شمس الدین انکے دعا اور بندگی کے  
بعد عرض کرتا ہوں کہ جب اس دولت خواہ نے دلی میں آستانہ بوسی کی اور حضور نے  
عنایت اور اتفاقات بے دریغ مہذول فرما کر بیرم خاں کے علم و تقارہ و طومان  
و طورغ سے سرفرازی دی اور حکومت و حفاظت سرکار پنجاب وغیرہ کی عنایت  
فرمائی تو اس دولت خواہ کو بھی واجب ہو کہ اس عنایت و سرفرازی کے لائق خدمت بیکار  
نہ کہ جب حضور اس فدائی کے حق میں کچھ پرورش فرمادیں تو اور دولت خواہوں کو  
اس رعایت پر کچھ بوسنے کی گنجائش نہ ہو۔ خبر پہنچی کہ فتنہ انگیز حرام خور بیرم خاں کو خطوط  
اور خبریں بھیج بیج کر فیروز پور لے آئے۔ حکم ہوا ارکان دولت جمع ہوں اور جو صلاح  
دولت ہو مصلحت قرار دے کر عرض کریں۔ اُسی مجلس میں بیرم خاں کا وہ خط پڑھا گیا جو

اس نے درویش محمد حاکم بھٹنڈہ کو لکھا تھا اُس میں منج تھا کہ میں غلام و بندہ حضرت کا ہوں مگر یہ چاہتا ہوں  
 کہ اپنا انتقام آں حضرت کے دکلا سے لے لوں۔ سب دولت خواہ اس کے دفع کی  
 تدبیر کے لئے جو جو خیال میں آتا تھا کہتے تھے۔ چوں کہ دو ہی دن ہوئے تھے  
 کہ اسباب حسرت خاں مذکور کا دولت خواہ کو غنایت ہوا تھا۔ دل نے کہا کہ کوئی لایق خدمت  
 کروں۔ ارکان دولت کے سامنے۔ کے خورد و کلاں حاضر تھے۔ میں بڑھ کر بولا  
 اور قول دے کر کہا کہ بیرم خاں کی ہم خدا کی غنایت اور حضور کی توجہ سے میرے ذمے  
 جہاں سا منا ہو جائے اگر مٹوں تو قاضی اور لونڈیوں سے کم ہوں۔ ارکان دولت  
 نے کہا کہ بیرم خاں کی ہم بڑی ہم ہو۔ جب تک بندگان حضور متوجہ نہ ہوں کام کا  
 بننا محال ہو۔ جب ارکان دولت نے یہ مصلحت دیکھی میں نہ بولا۔ بزرگوں کی خدمت  
 میں عرض کی کہ فلاں فلاں امرار ملتان ولاہور کو رخصت ہوتے ہیں۔ ایسا ہو سکتا ہو کہ  
 بندہ اُن کی خدمت میں قراولی کے طور پر آگے جائے ؟ اور جو حال ہو عرض کرتا ہے  
 بندہ دولت خواہ کی عرض قبول ہوئی حکم ہوا کہ امرائے عظام کے ساتھ بیرم خاں  
 کی طرف روانہ ہوا اور ہزار آدمی کی کمک کا بھی حکم ہوا۔ رخصت ہو کر چار پانچ دن فوج تھک  
 اور پرگنہ ہم میں ٹھہرا۔ کمک کا نشان بھی نظر نہ آیا۔ امرار کو عرضداشت لکھی تو ہزار آدمی  
 سے بچاؤ آدمی کی کمک پونہچی۔ اکثر پرانے سپاہی بھی ساتھ تھے۔ سپاہ گری کا  
 معاملہ ہو۔ ہر ایک کو چند در چند اندیشے گزرتے ہیں۔ کیچڑ پانی برسات کا موسم بھی تھا۔  
 چند روز رانگی میں توقف ہوا۔ معلوم ہوتا ہو کہ حضور میں عرض معروض ماہم ہی کی مفت  
 ہوتی تھی۔ (اور اہل دربار اسے والدہ کہا کرتے تھے) لوگوں نے والدہ کے ذریعے  
 اس کی طرف حضور میں ہزاروں باتیں بنائیں اور کہا کہ اتنے دنوں روز و کوں چلتا ہو ڈر کے  
 مارے آگے نہیں بڑھتا اس سے یہ کام نہیں ہو سکتا اس کی جاگیر و وظیفہ موقوف  
 کرنا چاہیئے۔ والدہ نے اُن کے کہنے پر عمل کیا۔ ملاحظہ خاطر اور بیس برس کے حق خدمت  
 خیال نہ کیا۔ جو کہنے والوں نے کہا اور والدہ نے عرض کیا وہ حضرت پر واضح ہو۔  
 فرزند عزیز محمد کو لوگوں کی باتوں اور اشارتوں کی تاب نہ ہوئی۔ دولت خواہ کو لکھا کہ  
 احو دادا! لوگوں کی باتوں نے ہلاک کر ڈالا۔ جو تمہاری قسمت میں ہونا ہی سو ہو گا جس  
 حال میں ہو بیرم خاں کی ہم پر چلے جاؤ۔ دولت خواہ مطلب سمجھ گیا مدد الہی پر توکل ہو۔

دولت بادشاہی پر تکبیر کر کے بیرم خاں کی طرف چلا۔ اب کے بیرم خاں کی ہم حضرت کی بدولت سرانجام کی اور نوکر اور سلطان جو اس کے ساتھ تھے قتل کیے اور رشتہ داروں کے قید کر کے درگاہ میں لایا۔ عیاذ باللہ۔ اگر معاملات اُلٹ جاتے تو حضور کو معلوم ہو کہ کیا نوبت پونہجی۔ ہم کی حقیقت بیرم خاں نے خود عرض کی ہی ہوگی۔ فتح کے بعد جو لوگ دولت خواہوں میں سے معرکے میں موجود نہ تھے۔ اور ہر ایک کی خدمت حضور کو معلوم ہو۔ انہوں نے کیسی غنایت اور مرحمت بادشاہی سے سرفرازی پائی ہو اور جو دولت خواہ موجود تھے ایک کو بھی نہیں پوچھا۔ جان محمد بہودی قلعہ جالندھر میں بیٹھا رہا اس کے لیے خانی کا خطاب دیا اور بہتروں نے خدمتوں سے وہ چند سرفرازیوں پائیں اور وظیفے اور انعام دیئے۔ جب سب کے بعد اس دولت خواہ اور فرزند یوسف محمد کی نوبت آئی کہ ایسے معرکہ عظیم میں تلوار ماری تھی تو بڑی مہربانی وہی تھی جو پہلے دن فرمائی تھی یعنی اُنکے کا نام فرمان فتح پر لکھو۔ عالم پناہ!۔ دولت خواہ بیگم ماہم سے امیدواری رکھتا ہو غیبت نہیں کرتا خدا قبول کرے۔ دولت خواہ نے اس حضرت کی دولت خواہی میں جان کو قبیلی پر رکھ کر بارہ برس کی بیٹی کو ساتھ لے کر بیرم خاں اور اس کے دین میں اقرباؤں اور ملازموں اور سلطانوں کے منہ پر تلواریں ماریں اور امرائے عظام اپنے اپنے پرگنوں پر بیٹھے تھے مدد کو نہ آئے اور جو ساتھ تھے انہوں نے وہ وہ حرکتیں کیں کہ بیرم خاں نے عرض کیا ہو گا کہ اس غلام پیر کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ بیرم خاں نے جو سپاہی حضور کی ملازمت میں جا سوسی کے لیے چھوڑے تھے وہ حضور کی بدولت خطاب پا کر دو کروڑ تین کروڑ کا وظیفہ لیں اور یوسف محمد خاں کہ بیرم خاں اور بییت خاں اور اس کے سلطانوں مقابل ہو کر تلوار ماریں اسے آپ خانی کا خطاب دیں۔ بزرگانہ دہار نے ایک کروڑ کے وظیفے کا پروانہ جاری کیا۔ وہ بھی ذاتی تنخواہ نہیں۔ بندے کو خان اعظم خطاب دیا۔ ایک کروڑ انعام مرحمت فرمایا۔ جس میں سے کل ایک لاکھ فیروزپور پر ملا۔ عالم پناہ! عمر گزر گئی کہ تمام آدمی دولت خواہ کے بھائیوں اور بیٹوں سمیت اہل واری پر خدمت کر رہے ہیں اب اس حضرت کی بدولت ہر شخص خانی اور سلطانی کے خطاب سے سرفراز ہو گیا۔ جب علم و نقارہ و طوفان و طوغ بیرم خاں کا کترین کو غنایت فرمایا اور فتح کے بعد جامعہ و اقوا و خلعت فاجی

اور اسباب شمت بھی عنایت کر کے رتبہ بڑھایا۔ امیدوار ہو کہ اُس کا منصب اس کمترین متعلق ہو اس عرضی ہم  
 انھیں مکمل مطلق کا منصب ملا اور کاروبار سلطنت سپرد ہوئے۔ اور ماہم اور ماہم والے جو اندر  
 باہر ملک کے مالک بن رہے تھے اُن کے اختیارات میں فرق آیا۔ اُن کے حوصلے حارسے  
 بڑھ گئے تھے۔ ادہم خاں بیٹا شہاب خاں جو رنگ نکال کر شہاب الدین احمد خاں  
 ہو گئے وہ بھی آقا والوں کیں جلتی تلوار تھے۔ اُنھوں نے اُنھیں اور بھی بھڑکایا۔ ۱۲۷۹ھ  
 ۱۵۶۱ء پیر کے دن کو میرا کہ منعم خاں۔ شہاب خاں وغیرہ چند امرا دیوان علم  
 کے کسی مکان میں بیٹھے جماعت سلطنت میں گفتگو کر رہے تھے۔ میرا کہ تلاوت قرآن  
 میں مصروف تھے کہ ادہم خاں تقرب بلکہ قرابت کے گھمنڈ میں بھرا رشک حسد کی  
 آگ میں پھڑکا چند ادبائوں کو ساتھ لیئے آیا۔ سب تعظیم کو اُٹھ کھڑے ہوئے۔  
 بڑھا بزرگ رمضان کا روزہ منہ میں کلام الہی زبان پر نیم قدا اٹھا اور قرآن کی طرف  
 اشارہ کر کے کہا۔ وہ راند کا سانڈ با و شاہ کا بھائی بنا ہوا تھا خنجر کھینچ کر بڑھا۔ نوکر وں  
 کہا کہ یہیں کھڑے دیکھتے ہو؟۔ ہاں! تو شتم اذیک اس کے لازم نے بڑھ کر ایک  
 خنجر اس کے سینے پر مارا۔ خان اُٹھ کر محل شاہی کی طرف بھاگے۔ خدا بروی خدا میں  
 نے پونج کر ایک تلوار کا ہاتھ مارا اور دولت خانے کے میدان میں کہن سال جاں نثار کا  
 کام تمام کر دیا۔ دیوان عام میں غل میچ گیا اور خونخوار شمشیر بکف ٹہلتا ہوا بادشاہی  
 حرم سراے کے دروازے پر آیا کہ محل میں داخل ہو۔ دربان کو اتنی عقل آئی اور  
 ہوش نے بھی رفاقت کی کہ دروازے کو قفل لگا دیا۔ اس خونی نے بہت دھمکایا  
 مگر نہ کھولا۔ ماہم اور اس کے بھائی ہندوں کا سنگہ ایسا بیٹھا تھا کہ ایک کی جرات نہ ہوئی  
 جو دم مار سکے۔ دیوان میں غل اور محل میں کہل میچ گیا۔ دوپہر کا وقت تھا اکبر محل میں  
 آرام کرتا تھا تھا چڑناک پڑا۔ پوچھا کیا ہوا؟۔ کسی کو معلوم نہ تھا کیا بتاے۔ بادشاہ نے  
 کوٹھے کی دیوار سے سرنکال کر دیکھا اور پوچھا یہ کیا حالت ہے؟۔ ایک رفیق چارمنسب  
 جہاں نثار نے ہاتھ اٹھایا اور جبھر خان اعظم کی لعش پڑی تھی اشارہ کیا اور کہنے لگا کہ سکا۔  
 بادشاہ نے دوبارہ پوچھا وہ ڈر کا مارا تھا پھر ہاتھ اٹھا کر رہ گیا۔ بادشاہ گھبرا کر باہر چلے۔  
 ایک حرم کو پوچھا آیا کہ تلوار ہاتھ میں دے دی۔ غیبت یہ ہوا کہ بادشاہ دوسرے دروازے سے  
 محل کراے۔ اُسے دیکھ کر کہا: ”ای بیہودہ بڑے کے میرے اٹک کو کیوں مار ڈالا؟“

اُس نے دوڑ کر بادشاہ کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور کہا ”تحقیق کیجئے اور غور فرمائیے۔ نادر دولت خواہ کو سزا دی ہو۔“ اکبر اور ادھم میں دھکاپیل ہونے لگی اور سب کھڑے دیکھ رہے ہیں اندر سے ماہم تیرا رب داب۔ بادشاہ نے اپنی تلوار پھینک کر اُس کی تلوار پر ہاتھ ڈالا۔ اُس نے خود تلوار کھینچنی چاہی بادشاہ نے ایک ٹکٹا کٹے پر مارا اتفاقاً اس روز سے لگا کہ گر پڑا اور کبوتر کی طرح لوٹ گیا۔ آخر اکبر نے جھجلا کر کہا ”جہ تماشہ می کنید؟“ بر بندید این دیوانہ را“ دیکھ رہے ہو باندھ لو اس دیوانے کو کسی وقت مشکیں کس لی گئیں حکم دیا کہ ابھی دولت خانے کے کوسٹھے پر سے پھینک دو۔ ایوان مذکور بارہ گز بلند تھا۔ اسی وقت ہاتھ پاؤں باندھ کر پھینکا۔ مگر ماہم سے بھی جان بچتی تھی اس طرح بچا کر پھینکا کہ پاؤں کے بل گرا اور بیچ گیا۔ دوبارہ حکم دیا کہ پھینکو اور سہنگوں پھینکو دوبارہ کوسٹھے پر لے گئے ادھم خاں دسم سے زمین پر آن پر دے ایک سر کے بل گرے خود سری کی گردن لوٹ گئی اور سر پھٹ گیا۔ اُس کے ہوا خواہ لاش اٹھا کر لے گئے۔ منعم خاں اور شہاب خاں موجود تھے ڈرے اور کھسک کر بھاگ گئے۔ اور یوسف خاں آٹکراٹیا اور تمام انکھیل یہ سنتے ہی مسلح ہوئے اور چڑھ کر ماہم کے سر راہ آن پر نیچے کہ ہم آنا والے انتقام لیں گے۔ اکبر نے خان کلاں یعنی خان اعظم کے بڑے بھائی کو بلا کر ادھم کی لاش کھائی اور فساد سے روک کر کہا کہ قصاص ہم نے لے لیا۔ فساد کیا ضرور ہو دونوں لاشیں لی کر ورنہ کر دیں۔ تقدیر کا تاشا دیکھو کہ قاتل تم گار مقتیل غلام ایک دن پہلے زیر خاک پڑ نہیا۔ خان اعظم دوسرے دن دفن ہوئے بڑی ادنیٰ ایک عدد تاریخ ہوئی ”دو خون شد“ اور یہ مصرع بھی تاریخ وفات ہر ع۔ رفت از غلم سیر اعظم خاں۔ اور کسی نے یہ تاریخ بھی کہی ہو۔

خان اعظم سپاہ اعظم خاں + کہ چو اور کس دریں زمانہ ندید + بشہادت رسید ماہ صیام + شربت موت روزہ داریچہ + کاش سال دگر شہید شد + کہ شد سالفت ”خان شہید“ میرا کہ شعر بھی کہتے تھے۔ ان کی متانت بزرگی اور سلامت طبع ان کے اشعار سے ہرید اہوتی ہو۔ منو نے کے لیے ایک شعر لکھا جاتا ہو:-

منہ ا طفل اشک از خانہ چشم قدم بیروں کہ مروت زاد ہا از خانہ می آیند کم بیروں  
ماہم کچھ بیمار تھیں سنتے ہی دوڑیں کہ جاؤں اور بیٹے کو چھڑاؤں۔ انہیں یقین تھا کہ یہ سزا ہوگی اور ایسی جلد ہو جائے گی مگر اب کیا ہو سکتا تھا جو ہونا تھا سو ہو چکا۔ بادشاہ



دیکھتے ہی کہا: ”اوجھم اتمہ سمار کشتہ ماہم اور اکتیمہ“ اور اسے تسلی بھی دی۔ اُس کا سینہ حوصلے کا  
تتور تھا دم نہ مارا مگر رنگ فق ہو گیا اور عرض کی: ”خوب کر دید کہ آئیں انصاف بھی ہو دے۔“  
پھر بھی یقین نہ آتا تھا۔ جب بی بی بنتی بیگی رستم خاں کی ماں نے سارا حال بیان کیا تو کلیجہ  
مسوس کر رہ گئی۔ اکبر نے بھی خدمتوں کا خیال کر کے تسلی اور رولا سے کے روال سے  
آنسو پونچھے۔ اُس کے ہوش بچا نہ تھے خاموش رخصت ہو کر گھر گئی کہ ماتم داری اور  
سوگاری کی رسمیں ادا کرے۔ بیٹے کا داغ تھا۔ مرض بڑھتا گیا عین چالیسویں دن تھا  
کہ ماں بھی بیٹے کے پاس پونج گئی۔ اکبر نے اس کے جنازے کا چند قدم ساتھ دیا  
اور عزت و احترام سے روانہ کر دیا۔ دونوں کی قبروں پر عالی شان مقبرہ بن گیا  
جو قطب صاحب کی درگاہ کے پاس موجود ہے اور بھول بھلیاں کہلاتا ہے (ازدربار اکبری)  
اعظم خاں کا مقبرہ جو ار حضرت سلطان المشایخ میں درگاہ شریف سے کوئی بیس گز پر  
واقع ہے۔ یہ مقبرہ ۹۷۶ھ میں مرزا عزیز کو کلتاش خاں فرزند دومی اعظم خاں نے بنوایا  
یہ مقبرہ ۳۰ مربع اور چھت سے اوپر گنبد کی چوٹی تک ۴۴ اور زیادہ ہے۔ اس طرح اس کی  
کل بلندی ۴۵ ہے۔ چوں کہ گنبد چاروں طرف سے یکساں ہے لہذا ایک ہی طرف کی کیفیت  
بیان کر دینا کافی ہے۔ دیوار کے پنجوں: پنج محراب ہے حروفیت گہری ہم اونچی۔ آچوڑی ہے  
جس میں چار فیٹ اونچا دروازہ لگا ہوا ہے جس پر ایک تختی سنگ مرمر کی لگی ہوئی ہے جو ابتدائے  
زمانے سے زرو پڑ گئی ہے اور اُسی پر یہ کتبہ ہے: *تمت هذه العادة الشريفة في سنة اربع وسبعين وتسعمائة*  
*باعتبار استاد جید علی* باقی ماری دیوار طرح بطرح کے بل بوتوں پھول تپوں نقش و نگار سے آراستہ ہے جس میں  
رنگ ہرنگ کے نیلے سفید۔ زرد پتھر چڑے ہوئے ہیں۔ محراب اکبر سنگ مرمر اور سنگ  
سرخ کی پٹیاں بڑی خوب صورتی سے لگائی ہیں جن پر نسبت کاری کے گل بوٹے  
بنے ہوئے ہیں۔ انھیں پنکوں کے متوازی اور ایک چوڑا پٹک سنگ مرمر کا ہے اور  
ان کے بیچ میں ۱۸ انچ کا فضل ہے جس پر کلام الہی کی آیات منقوش ہیں۔ چوڑے پٹکے  
جو چھت تک دوڑے ہوئے ہیں اُن کی دونوں طرف سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی  
مناریں ہیں یہ پٹکے کے نیچے سے نہیں ہیں بلکہ پانچ فیٹ اوپر جا کر شروع ہوئے ہیں  
سطح زمین سے پانچ فیٹ اوپر جائے تک چاروں طرف اس طرح کارنس نکال دی ہے کہ گویا  
وہ ایک مضبوط چوڑا ہے جس پر عمارت کا سارا بوجھ ہے اور اس کے اوپر دسے بناے ہیں



جن میں رنگ برنگ کے پتھر جڑے ہوئے ہیں اور نقش و نگار بھی ہیں۔ اس مقبرے پر مغلیہ طرز کا گنبد ہے جو چھ فٹ اوپر سے سنگ مرمر کے گردنے سے نمودار ہوا ہے اور جس میں سنگ سرخ اور سنگ مرمر کی پٹیاں بڑی ہوئی ہیں۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ایک شدید طوفان کی وجہ سے اس کا کلس گر گیا۔ درمیانی محراب کے پائے محراب کی بلندی سے دو فٹ پست ہیں اور چوڑائی میں نصف ہیں چھت پر بہت خوب صورت اور نقش و نگار سے آراستہ گنگوراء ہے۔ گنبد کے چاروں جانب دیوار دوڑ محرابیں ہیں جن ادھر ادھر دھڑکتے اور نازک نہایت نفیس ستون ہیں۔ گنبد کی زمین پر سارا فرش سنگ مرمر کا ہے جس میں سیٹ کے چھڑکی سیاہ پٹیاں بڑی ہوئی ہیں۔ مقبرے کے سامنے کا فرش چھ گز تک سنگ سرخ کا ہے جس میں سنگ مرمر کی پٹیاں بڑی ہوئی ہیں اور بہت پہلو کٹاؤ کا کام ہے۔ مقبرے کی موجودہ حالت از بس خستہ ہو ممکن نہیں ہے کہ دیواروں کا اندرونی حصہ بلا استرکاری کے چھوڑ دیا گیا ہو۔ اب تو سب استرکاری جھڑ گئی ہے اور پتھر نکل آئے ہیں جس مقبرے کے پرانے تک سنگ مرمر کے ہوں اس کا اندرونی حصہ ایسا ادھورا اور ناقص کیسے رہ سکتا ہے۔ اس گنبد میں تین قبریں سنگ مرمر کی ہیں۔ درمیانی قبر آٹھ گز کی ہے۔ بائیں طرف ان کی بی بی جی آٹھ گز کی قبر ہے اور دہائی طرف کی مردانی قبر کا پتہ نہیں چلتا کہ خدا جانتا کہ کس کی ہے۔

**مقبرے پر کے کتبات** | یہ مقبرہ ایک احاطے کے اندر ہے جس کے دو اونچے اونچے دروازے ہیں۔ ایک درمی مغرب کی طرف ہے۔

چاروں طرف ایک ایک بلند اور شان دار محراب اور دروازہ ہے۔ ہر دروازے پر خط نسخ نہایت خوش خط یہ کتبے ہیں :-

غرب رو یہ پیشانی پر۔ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔ دروازے کے گرد و بجا اللَّهُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ تَاكُلُتُمَا لِقَىٰ فِيهَا فَدَجَّ سَأَلَهُمْ۔ نیچے دار۔  
أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ اَلْهَى جَلَّتْ خَطِيئَتِي لِيَوْمِ وَجْهَتِ۔ فَعَفَاكَ عَنْ ذَنْبِي أَجَلٌ وَأَسْعَى أَلَمْ يَأْتِكُمْ تَدِين۔ کتبہ باقی محمد۔  
شمال رو یہ۔ پیشانی پر۔ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ تَاكُلُتُمَا لِقَىٰ فِيهَا فَدَجَّ سَأَلَهُمْ۔ دروازے کے گرد۔

قَالُوا ابْنِي تَدَّ جَاءَ نَارِنِ يَدِ تَا فَلَيفَ كَانَ تَلَكِبِ - نیچے وار۔ اَلْهِی خَلَقَ قِیَ تِی  
 حَزَنٍ وَمَعِی یَلِی - اَلِیَکَ اَلَدِی وَ اَلَا عُبَارَ اَلِیَسِیَ فَرَع - وَ کَتَبَ اَلْغَرِیْبِ  
 بَاتِی مَحَلِ اَلْبَخَارِ - مَشْرِقِ رَوِیہ - بِشَانِی پَر - وَ کَلَّا تَقُوْا لَ اَلِیْنِ یُقْتَلُ فِی  
 سَبِیْلِ اَللّٰهِ اَمَواتِ بَلْ اَحْیَاءُ وَ لَکِن لَّا تَشْعُرُوْنَ وَ رَوَازِی کے گروہ و کُورِ  
 اِلِی اَلطَّیْرِ فِی کُتْمِ تَا وَ اِنَّمَا اَنَا نَدِیْ مُبِیْن - نیچے وار۔ اَلْهِی تَرِی حَالِی فُقْرِی  
 وَ کَا فَعِی - وَ اَنْتَ مُنَا جَاتِ اَلْحَقِیْقَہ تَسْع - وَ کَتَبَ اَلْغَرِیْبِ بَاتِی مَحَلِ اَلْبَخَارِ -  
 جَنُوبِ رَوِیہ - بِشَانِی پَر سورہ اِنَّا اَنْزَلْنَا تَا مَطْلَعِ اَلْفَجْرِ - دروازے کے گرد۔  
 فَلَمَّا رَا وَ کَا وَ لَفَ تَا یَسَاءَ مَعِی خَم سورہ بُحَارِی رِیَکَ رَبِّ اَلْعَقْدِ مَعَا یَصِفُوْنَ  
 وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ - نیچے وار۔ لَکَ اَلْحَمْدُ یَا  
 ذَا الْجَمْدِ وَ اَلْحَمْدُ وَ اَلْعَلِی - تَبَارَکْتَ تَعْطِیْ مِنْ تَشَاءُ وَ تَمْنَعُ -

کتبہ بَاتِی مَحَلِ اَلکَاتِبِ ۹۷۶ھ

اس گنبد میں بھی درگاہ شریف کا کوئی مجاور مع اہل و عیال کے رہتا ہو جس کی وجہ سے  
 گنبد اور سہری کی حالت بہت خراب ہو۔ محکمہ آثار قدیمہ نے جب دوسری  
 عمارتیں لوگوں سے خالی کرائی ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہو کہ یہ عمارت جو کہیں سے گری  
 پڑی نہیں ہو یوں آنکھوں دیکھتے پامال کرائی جائے۔

بغدادی صاحب علیہ الرحمہ کا مزار | نگہ ناں کے مقبرے کے پاس جنوب کی  
 طرف بازار کی مسجد کے حجرے میں آپ کا

مزار ہو۔ آپ اویار کالمین میں سے تھے۔ بغداد و سے دلی تشریف لا کر اس  
 مسجد میں ایسے بیٹھے کہ بس یہیں آپ کا وصال بھی ہوا۔ بڑے عابد و زاہد بزرگ  
 تھے۔ ہزاروں لوگوں کی حاجتیں آپ کی دعا سے برآتی تھیں اور کچھ زیادہ حال  
 یا آپ کا زمانہ معلوم نہیں۔

عروس ملک کے درکنار گیرچیت

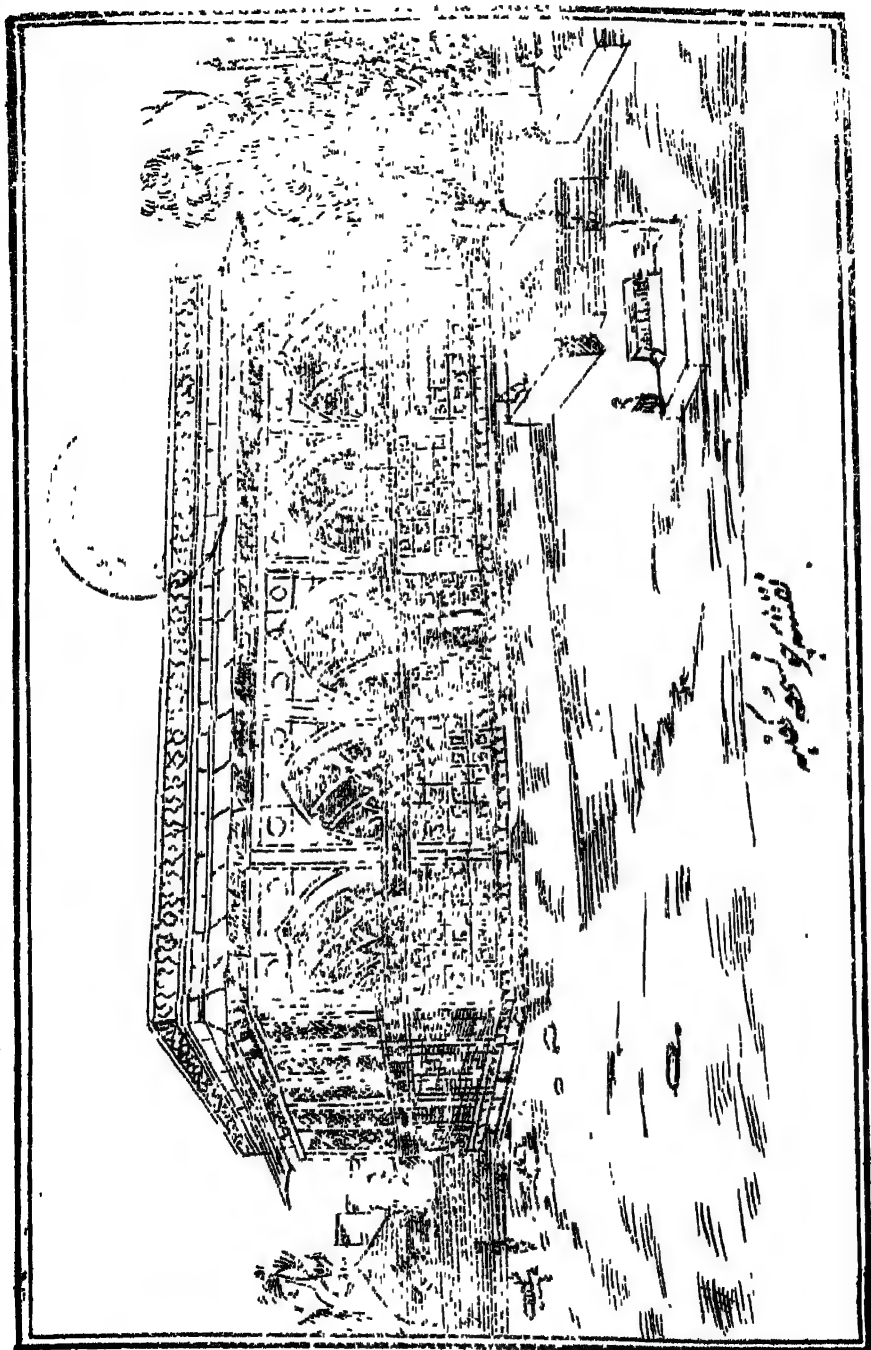
کہ بوسہ برپا ششیر ۲ ہجری ۱۲۰۲

خان اعظم کے مقبرے کے پاس ہی کوئی قبر کے

چونسٹھ کھمبیاں مقبرہ مرزا عزیز

کو کلتاش ۱۲۲۲ھ

لے یہ کسی عربی مناجات کے اشعار ہیں۔ یہ دوڑوں مصرعے طغری کی پیٹ کی وجہ سے صاف پڑھے نہیں گئے ۱۲۸



مدرسة علمیه  
شیراز

فصل سے مرزا عزیز کو کلتاش کا مرزا ہو۔ ان کو بھی باپ کا خطاب خان اعظم ملا تھا۔ یہ اکبر شاہ کا برادر رضاعی تھا اور دربار اکبری کے امراء عظام اور مقربان بارگاہ شاہی و مشیران خاص میں تھا۔ جب اس کے باپ کو دھم خاں نے مار ڈالا تو مرزا عزیز کی پرورش براہ راست بادشاہ سلامت نے اپنے ذمے لی۔ اس کے زندگی کے حالات نیزنگی زمانے کی عبرت فیض شال ہے جو عجیب کشمکش میں گوری عروج زوال دونوں کا چلی دامن کا ساتھ تھا۔ سب سے بڑے صوبے کا گورنر رہا۔ بڑے خطرناک معرکوں کو فرو کیا لیکن پھر اسی نے قید کی ذلت بھی اٹھائی۔ اکبری وفات کے بعد اس نے جہانگیر بادشاہ کے خلاف شاہزادہ خسرو کا ساتھ دیا اور اگرچہ آگے چل کر یہ رستے پر نہ گیا تھا اور بادشاہ سے جلا وطنی مراتب اعلیٰ پر پہنچا اور بہت کچھ سرفرازیوں حاصل کیں لیکن یہ کشمکش شاہ کے دل سے ٹھکنی تھی نہ کھلی کہ سہل است محل پر خشت افکست شکستہ نشاید دگر بار بست

جہانگیر بادشاہ نے اپنے پوتے کا اتالیق مقرر فرمایا جس کی مشابہت میں یہ گجرات گئے اور وہیں احمد آباد میں ۱۶۲۲ء میں وفات پائی۔ اب ہم مرزا عزیز کے حالات دربار اکبری سے لکھتے ہیں:۔ ”تمام تاریخیں اور تذکرے خان اعظم کی عظمت امیرانہ اور شجاعت رستمانہ اور لیاقت اور قابلیت کی تعریفوں سے مرصع ہیں لیکن اس قسم کے حالات کم ہیں۔ جن سے یہ لگنے آس کی انگوٹھی پر ٹھیک جائیں۔ ہاں اکبر کے ہم سن تھے ساتھ کھیل کر بڑے ہوئے تھے۔ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کی عنایتوں اور شفقتوں نے رتبے اور تدریج و منزلت بہت بڑھائی تھی بلکہ ان کی سپاہیانہ طبیعت اور بادشاہ کی ناز و داریوں نے لاڈلے بچوں کی طرح ہندی اور بد مزاج کر دیا تھا۔ مرزا عزیز کے والد میر شمس الدین محمد خان اعظم اتکہ خاں تھے۔ اکبر ابھی پیدا نہ ہوا تھا جو بادشاہ بیگم نے مرزا عزیز کی ماں سے کہہ دیا تھا کہ میرے ہاں لو کا موگا تو اسے تم دو دھ پلاتا۔ اکبر پیدا ہوا ان کے ہاں ابھی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس عرصے میں اور سیپاہی اور بعض خواص میں دو دھ پلاتی رہیں۔ پھر ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو انھوں نے دو دھ پلایا اور زیادہ تر انھیں نے یہ خدمت ادا کی۔ جب ہمایوں ہندوستان سے بالکل ایوٹس ہوا اور

راہ قندھار سے ایران کو روانہ ہوا تو اکبر کو ان میاں بیوی کے پاس چھوڑ گیا۔ خدا کے  
 اسرے پردوں کو دکھ بھرتے رہے یہاں تک کہ ہاپوں ہاں سے پھر کر آیا۔ کابل کو فتح کیا  
 اور اکبر کے اقبال کے ساتھ ان کا ستارا بھی نحوست سے نکلا۔ اکبر کے سبب سے  
 ان کے سارے خاندان کی رعایت بدرجہ غایت کرتا تھا اور عزت مداراج پر جگہ دیتا تھا۔  
 یہ بھی ہمیشہ خطرناک موقع پر جاں نثاری کا قدم آگے رکھتے تھے۔ اکبر خان اعظم کی  
 ماں کو جی جی کہتا تھا اور بیٹا ادب بلکہ ماں سے زیادہ خاطر کرتا تھا۔ ۹۶۹ھ میں  
 خان اعظم شمس الدین محمد خاں اتکہ شہید ہوئے تو اکبر نے مرزا عزیز کی کہ چھوٹے  
 بیٹے تھے بہت دل داری کی۔ تمام خاندان کو تسلی دی۔ چند روز کے بعد خان اعظم  
 خطاب دیا مگر ہمیشہ مرزا عزیز اور مرزا کو کہتا تھا۔ ہر وقت مصاحبت میں رہتے تھے۔  
 حیب ہاتھی پر سوار ہوتے تھے تو اکثر ان ہی کو خواصی میں بٹھاتے تھے ان کی گتافی  
 اور بے اعتدالی کو بھائی بیٹوں کا ناز سمجھتے تھے خوش ہوتے تھے اور کہتے تھے  
 کہ جب اس پر غصہ آتا ہو تو دیکھتا ہوں کہ میرا اور اُس کے بیچ میں دو دھکا دو یا رہا ہو  
 میں چپ رہ جاتا ہوں۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر مرزا عزیز مجھ پر تلوار بھی کھینچ کر رکھے  
 تو جب تک یہ درندہ کرے میرا ہاتھ اس پر نہ اٹھے گا۔ خان اعظم کو بھی اس بات کا بڑا  
 ناز تھا کہ ہم اکبر بادشاہ کے عزیز بلکہ بھائی ہیں۔ اخبار قربت ان کے اس قدر دور دور  
 پہنچے تھے کہ ۹۷۰ھ میں جو عبدالسرخاں ازبک کی طرف سے سفارت آئی اس  
 میں تحائف سلطنت کے ساتھ ان کے اور نعم خان خان خاناں کے نام علیحدہ تحائف  
 آئے۔ مرزا عزیز ہمیشہ حضور میں رہتے تھے اس لئے وہاں پور ان کی جاگیریں  
 بدستور رہا۔ ۹۷۰ھ میں بادشاہ پاک پٹن سے زیارت کر کے وہاں پور آئے انھوں  
 نے عرض کی کہ لشکر شاہی مدت سے برابر تکلیف سفر اٹھا رہا ہو چند روز حضور یہاں  
 اہرام فرمائیں۔ بادشاہ نے کئی مقام کیے اور مع شاہزادوں اور امراء کے دربار  
 ان کے گھر گئے۔ خان اعظم نے ضیا فتوں اور حمان داریوں میں بڑی مالی ہمتی دکھائی  
 رخصت کے دن گراں بہاندر اس نے پیشکش گزرائے۔ عربی اور ایرانی گھوڑے  
 جن پر سونے روپے کے زین۔ کوہ پیکر ہاتھی۔ تقرنی اور طلائی زنجیریں سونڈوں پر  
 جھکاتے۔ منحل زر بفت کی بھولیں۔ سونے چاندی کے آنکس۔ موتی جواہرات گران

مرصع - کرسیاں پلنگ - سونے چاندی کی چوکیاں - سینگڑوں باسن طلائی اور نقرئی -  
 بیش قیمت جواہرات - عجائب اخباس ملک فرنگ - روم خطایز و کے نفائس تجا  
 خارج از حد و قیاس حاضر کیے - شہزادوں اور بیگماتوں کو لباس اور زیور ہائے گراں  
 مایہ پیش کیے - تمام ارکان دولت اور اراکین سلطنت - کل ارباب منصب اہل  
 اہل کمال جو ملازم رکاب تھے بلکہ تمام لشکر کو جوان انعام سے فیض پہنچائے اور سخاوت  
 کے دریا میں پانی کی جگہ دودھ کے طوفان اٹھائے - تاسیخ اس جشن کی یہ ہو - ع  
 مان عزیز اندشہ و شاہزادہ - ۹۴۹ھ میں صوبہ گجرات فتح کیا جو انھیں جاگیر میں عنایت ہوا  
 کہ انتظام کرو - لیکن اکبر تو ادھر آیا وہاں محمد حسین مرزا اور شاہ مرزا نے نولاد خاں و کنی  
 اور سرشور افغانوں وغیرہ سے موافقت کر کے لشکر فراہم کیا اور مقام پٹن پر آکر ڈیر  
 ڈال دیئے - آخر الامرا میں لکھا کہ حسین مرزا کی جرات و شجاعت کا یہ عالم تھا کہ جنگ  
 کے معرکوں میں دلاوران زمانے کے حوصلے سے بڑھ کر قدم مارتا تھا - خان اعظم  
 نے امراء شاہی کو اطراف سے جمع کیا اور لشکر آہستہ ہو کر باہر نکلا - غنیم بھی اُدھر سے  
 اپنی جمعیت سنبھال کر آگے بڑھا اور خوب زور کی لڑائی کے بعد خان اعظم کو فتح ہوئی  
 اور خان اعظم فتح کا نشان لہراتا گجرات میں داخل ہوا جب یہ خبر دربار میں پہنچی اکبر کو  
 بڑی خوشی ہوئی - آفرین کا فرمان بھیج کر انھیں بلا بھیجا - یہ سن کر پھولے نہ سائے اور  
 اور مارے خوشی کے بے سرو پا دربار کی طرف دوڑے - ۹۵۰ھ میں خان اعظم  
 بے ڈھب مصیبت کے پھندے میں پڑ گئے تھے اگر اکبر کی تلوار اور بہت کی پھرتی  
 مدد نہ کرتی تو خدا جانے کیا ہو جاتا - خان اعظم گجرات میں بیٹھے تھے کبھی شاہانہ  
 حکومت کے کبھی شاہانہ سخاوت کے مزے لیتے تھے کہ وہی محمد حسین مرزا اختیار ملک  
 و کنی کے ساتھ مل گیا - دکن کے کئی سردار اور بھی آئے اور تمام احمد آباد وغیرہ کے  
 اطراف پر پھیل گئے انجام یہ ہوا کہ خان اعظم بھاگ کر احمد آباد میں گھس بیٹھے اور  
 اسی کو قیمت سمجھا کہ شہر نو ہاتھ میں ہے - غنیم چودہ ہزار شکر جمع کر کے گجرات پر آیا  
 اور خان اعظم کو ایسا محاصرے میں دبوچ لیا کہ چوہپ نہ سکے - ایک دن فاضل خاں  
 فرج لے کر کانپور دروازے سے نکلے اور لوٹنے لگے - غنیم ایسے اشد کر کے  
 کہ سب کو سمیٹ کر قلعے میں دبوچ دیا - فاضل خاں سخت زخمی ہوا اور غنیمت سمجھ کر

جان لے کر بھاگا۔ سلطان خواجہ گھوڑے سے گر کر خندق میں جا پڑا۔ فصیل پر سے  
 رستا ڈالا۔ ڈکرا اٹکایا جب بھلے۔ سبکے ہی چھوٹ گئے اور کہہ دیا کہ اس غنیمت کا مقابلہ  
 ہماری طاقت سے باہر ہو۔ عرضیاں اور خطوط دوڑانے شروع کیے۔ یہی عرض کی  
 تحریر تھی اور یہی پیام کی تقریر کہ اگر حضور تشریف لائیں تو جانیں نہیں گی ورنہ کام تمام ہو۔  
 محل میں جی جی آتی تھی اور روتی تھی کہ واری میرے بچے کو جا کرنے آؤ۔ اکبر عمدہ عمدہ  
 سرداروں اور سپاہیوں کو لے کر سوار ہوا اور اس طرح گیا کہ ستائیس دن  
 رستہ سات دن میں پیٹ کر ساتویں دن گجرات سے تین کوس پر دم لیا۔ فیضی نے جو  
 سکندر نامے کے جواب میں اکبر نامہ لکھنا چاہا تھا اس میں اس معرکے کا خوب بابا بند باہر ہو  
 بیک ہفتہ در احمد آباد رفت  
 تو گئی کہ بر مرکب باد رفت

یلاں پر خضر و کش اندر کمر  
 شتر چوں شتر مرغ در زیر بر  
 علامہ الدولہ نے تذکرے میں لکھا ہے کہ جب اکبر نے گجرات فتح کی تو شاہزادہ سلیم کی  
 وکالت اور نیابت کے ساتھ دو کروڑ ساٹھ لاکھ کا علفہ کر کے دارالملک احمد آباد  
 سے بایہ تخت گجرات میں متنازع کیا اس دن ایک تقریب خاص کے سبب میں بھی  
 حاضر تھا اور میں مرزا کا ملازم بھی تھا۔ شب بربات کی ہندوہ تاریخ تھی میں نے اسی وقت  
 تاریخ کہی۔ یہ گفتا کہ یہ شب بربات حادثہ ہوا۔ دوسرے سال فتوحات بنگالے کے  
 شکرا نے میں بادشاہ فتح پر سیکری سے اجمیر گئے۔ دو بڑے بڑے قارے جو  
 لوٹ میں آئے تھے وہاں نذر چڑھاے۔ خان اعظم پہلے سے اشتیاق حضور ہی  
 میں عرضیاں دہر رہے تھے۔ بخار کر کے احمد آباد سے پونچے بادشاہ بہت  
 خوش ہوئے اسٹے اور چند قدم بڑھ کر گئے لگایا۔ ۹۸۲ھ میں مرزا سلیمان کی  
 آمد آمد تھی اور ضیافت کے وہ سامان ہو رہے تھے کہ جس سے جشن جمشید کی شان  
 و شکوہ گرد تھی۔ انھیں حکم پہنچا کہ تم بھی حاضر ہو بار ہونا کہ زمرہ امراء میں پیش ہو بخان  
 اعظم ڈاک بٹھا کر فتح پور میں حاضر ہوئے۔ انہی دنوں میں داغ کا آئین جاری ہوا۔  
 امراء کو یہ قانون ناگوار تھا بادشاہ نے مرزا عزیز کو اپنا سمجھ کر فرمایا کہ پہلے خان اعظم پہنچے  
 لشکر کی موجودات دے گا۔ پیشہ نواب کی آنکھوں پر ان دنوں جوش جانی نے  
 پر وہ ڈالا تھا۔ ہمیشہ کے لاڈلے تھے۔ اپنی بہن پر آکر اڑ گئے اور نئے قانون کی



شیخ آسے اور مرزا کو لے کر حضور میں حاضر ہوئے۔ آئین تھا کہ ہار گاہ میں آجاتا کسی کو ہتیار بندہ آنے دیتے تھے۔ اس کی کمر میں جھڑھڑ تھا۔ ایک چکر والے نے جھڑھڑ پر ہاتھ رکھا وہ بدگمان ہوا اور جھٹ جھڑھڑ پہنچ لیا۔ مرزا نے ہاتھ پکڑ لیا اس نے انہیں رنجی کیا۔ بالکی میں پڑا کر گھر گئے دوسرے دن حضور نے جا کر آتھو پونچھے اور دم دلاسوں کی مرہم بنی چڑھا دی۔ ۹۸۸ھ میں پھر غوث آئی ان کا دیوان کچھ روپیہ کھا گیا انہوں نے اسے طالب اپنے غلام کے سپرد کیا کہ روپیہ وصول کر لے اس نے دیوان جی کو باندھ کر لٹکا دیا چوب کاری شروع کر دی اور ایسا مارا کہ ماری ڈالا۔ دیوان کا باپ روتا پیتا حضور میں حاضر ہوا۔ پڑھے کی حالت دیکھ کر بادشاہ کو بہت رنج ہوا۔ قاضی لشکر کو تحقیقات کا حکم ہوا۔ خان اعظم نے کہا کہ غلام کو میں نے سزا دے دی میرا مقدمہ حضور قاضی کے ہاتھ میں دے ڈالیں اس میں میری بے غوثی ہو بادشاہ نے یہ عرض منظور نہ کی یہ خفا ہو کر پھر گھر جا بیٹھے۔ کئی مہینے کے بعد بادشاہ نے خطا معاف کی۔ ۹۸۸ھ میں بنگالے میں فساد ہوا۔ مظفر خاں سپہ سالار مارا گیا تو ان کو تیج ہزاری منصب غایت اور خان اعظم ان کے باپ کا خطاب بھی دیا اور راجہ ٹوڈر مل کی جگہ بنگالے کا سپہ سالار کر دیا۔ منعم خاں خان خاناں اور حسین قلی خان جہاں اس ملک میں برسوں تک رہے مگر اعظام نہ کر سکے ایک طرف تو افغان سردار اٹھائے ہوئے تھے دوسری طرف بادشاہی امرا جو تک حزام ہو رہے تھے وہ کبھی آپ کبھی افغانوں کے ساتھ مل کر اڑھاؤ کرتے پھرتے تھے۔ خان اعظم فوجیں بھیج کر ان کا بندوبست کرتے تھے مگر کچھ بن نہ آتی تھی۔ ایک برس سے زیادہ یہ دو برس تک اُدھر رہے اور رات دن انہیں میں غلطاں پچاں پڑے رہے۔ امارت بھی خرچ کی روپیہ دے کر باغیوں پر جایا مگر معاملات پاک و صاف نہ ہوئے۔ ۹۸۸ھ میں جب بادشاہ کابل کی فوج کو فتح و زمین کے تو ۹۸۸ھ کے جن میں آکر شامل و ہار ہوئے اور وہاں بغاوت ہو گئی اور بنگالے سے لے کر حاجی پور تک باغیوں نے لے لیا۔ خان اعظم دوبارہ بنگالے کو گئے اور کچھ بندوبست کیا۔ ۹۹۲ھ میں عرض کی کہ مجھے یہاں کی آب و ہوا موافق نہیں چند روز ادرہا تو مر جاؤں گا بادشاہ نے



بلا لیا۔ اکبر کا دل مدت سے دکن کی ہوا میں لہرا رہا تھا۔ ۹۹۳ھ میں دکن سے نکلنے  
 و نساؤ کی مجھریں آئیں۔ میر مرتضیٰ اور خداوند خاں امراے دکن برابر سے احمد نگر پر چڑھ گئے  
 جو نظام الملک کا پایہ تخت تھا وہاں سے شکست کھا کر راجہ علی خاں کا کھاندیس گئے  
 پاس آئے کہ اکبر کے پاس جاتے ہیں۔ مرتضیٰ نظام شاہ نے راجہ علی خاں کے پاس  
 آدمی بھیجے کہ انھیں فہمائش کر کے روکو وہ کسی کے روکے نہ سکے اور لوٹتے  
 کھسکتے آگئے جا پوہنیچے۔ راجہ علی خاں بڑا دور اندیش تھا خیال ہوا کہ کہیں اکبر کو  
 یہ بات ناگوار نہ ہو۔ وہ جانتا تھا کہ اکبر باقی کا عاشق تھا ڈیڑھ سو ہاتھی اپنے بیٹے کے ساتھ  
 بھیج دیئے جو بیہم نور دہلی میں بہت سے نفائس اور اجناس بطور پیشکش گزرائے  
 ساتھ ہی تسخیر دکن کے رستے دکھائے۔ خانخاں احمد آباد میں پہلے ہی سے موجود  
 تھے۔ چند امرا کو ادھر روانہ کیا اور خان اعظم کو فرزند کی کا خطاب اور سپہ سالار کے  
 حکم دیا کہ برابر لیتے ہوئے احمد نگر کو جا مارو انھوں نے ہنڈیا میں جا کر مقام کیا  
 اور فوج بھیج کر سائلوں کو حصہ پر قبضہ کر لیا۔ امرا بھی فراہم کیئے۔ اہم بیگم کی  
 نشانی شہاب الدین خاں بھی موجود تھے ان کو دیکھتے ہی باپ کا غم آنکھوں  
 میں اتر آیا۔ خان اعظم اکثر صحتوں میں اسے ذلیل کرنے لگے۔ شاہ فقیر احمد  
 اصلاح و تدبیر کے بیٹے بادشاہ نے ساتھ کر دیا تھا یہ ادھر کے ملک اور لوگوں سے  
 واقف تھے اور ان کا بڑا اثر تھا۔ یہ آپس کے نفاق کو مٹاتے تھے اور کہتے تھے  
 کہ کبھی یہ موقع آپس کی عداوت کا نہیں ہو مگر خراب ہو جائے گی۔ خان اعظم ان سے  
 بھی خفا ہو گئے اور باوجودیکہ استاد بھی تھے مگر ان سے تسخیر و فتوح کرنے کے  
 جس سے وہ آزر رہے ہو گئے۔ شاہ صاحب تدبیر کے ارسلو اور عقل کے افلاطون تھے  
 یہاں تک اہل ہن یا توں کو ٹہلتے اور وقت گزارتے رہے۔ شہاب الدین خاں کی وہ  
 طراری ہوئی کہ وہ خفا ہو کر فوج سمیت اپنے علاقے کو چلے گئے۔ انھوں نے ان پر  
 یہ جرم لگایا کہ میں ایک تو بادشاہ کا بھائی دوسرے سپہ سالار میری بلا اجادت جانا چاہتی  
 دارو فوج لے کر اس کے پیچھے دو رہے۔ تو ملک خاں تو یہی کہ شجاعت اور بہادری  
 میں نظیر نہ رکھتا تھا اور دست راست کی فوج کا سپہ سالار تھا اس سے بھی تہمت لگا کر قید  
 کر لیا۔ دشمن یہ خبر لے کر کہ ان کے آپس میں کتنا چھٹی ہو رہی تھی اور شیر ہو گیا۔ محمد تقی کو سپہ سالار

مقرر کر بیس ہزار فوج کے ساتھ بھیج دیا مگر میر فتح اللہ پھر بیچ میں آئے اور مصمت  
 کرادی یہی غنیمت ہوئی کہ پردہ رہ گیا۔ راجہ علی خاں حاکم خاندیس دکن کے حصوں کا  
 سردار اور الگ شمشیر تھا وہ خان اعظم کی رفاقت کو مستعد ہو گیا تھا یہ حال دیکھ کر اس نے  
 بھی موقع پایا۔ برادر احمد نگر کے امرا اور ان کی فوجوں کو لے کر چلا۔ مرزا عزیز نے  
 یہ سن کر شاہ فتح اللہ کو بھیجا کہ فہائش کریں۔ وہ دکن کے جنگلوں کا شیر تھا اب کس کی  
 سنتا تھا۔ شاہ صاحب کی کچھ نہ بولی ناکام پھرے اور آندوہ اور یے دار ہو کر فانی خاں  
 کے پاس گجرات چلے گئے۔ راجہ علی خاں کی آمد آمد دیکھ کر خان اعظم گھبراہٹ سے کئی دن  
 ہنڈیا میں لشکر آسنے سامنے پڑے رہے مقابلے کی طاقت نہ پائی ایک شب بھیجے  
 گنام رستے سے نکل کر برادر کا رخ کیا ایلچیور اس کا پایہ قنوت تھا اس کا اور عبس شہر کو  
 پایا لوٹ کھسوٹ کر ستیاناس کر دیا اور دولت بے قیاس سمیٹی۔ تیار راؤ اور حکمران  
 ساتھ ہو گیا تھا وہ کڈھب رستوں میں رہنمائی کرتا تھا مرزا صاحب کے اس پر بھی ہوا  
 کہ غنیم سے ملا ہوا ہو اسے بھی تلوار کے کھاٹ اٹا دیا۔ ایلچیور پونج کر بعض ملاری  
 صلاح ہوئی کہ اسی طرح باگیں اٹھا چلے چلو اور احمد نگر تک دم نہ لو۔ بعضوں نے کہا  
 یہیں ڈیرے ڈالو اور جو ملک لیا ہو اس کا انتظام کرو۔ مرزا صاحب کا سرے سے  
 کسی پر بھروسہ ہی نہ تھا یہاں بھی نہ تھے اور نہ دربار کا رخ کیا۔ غنیم سوچتا رہ گیا کہ اس  
 سپہ سالار سپاہ یے ہوئے ملک کو چھوڑ کر چلا گیا۔ خدا جانے اس میں کیا بیج  
 کھیلایا۔ یہاں اندر کچھ بھی نہ تھا۔ وہ جریدہ ان کے پیچھے دوڑا۔ اس رستے میں  
 عجب حالت گزری۔ قدم اٹھائے چلے جاتے تھے۔ بھڑے بھڑے ہاتھی  
 اور بھاری بھاری بوچھر رہے جاتے تھے۔ انہیں کو پے کاٹ کاٹ کر ڈالتے  
 جاتے تھے کہ ہاتھی دشمن کے ہاتھ نہ آئیں۔ دشمن نے راہ میں ہنڈیا کے شہر کو  
 جہاں شاہی علاقہ تھا ایلچیور کے بدلے لوٹ کر ٹھیکر کر دیا۔ ایک موقع پر غم کر لڑائی  
 ہوئی اس میں بھی جگ ہنسائی ہوئی غرض ہزار رجان کندن سے ندر بار کی حد میں  
 لشکر کو چھوڑا اور آپ احمد آباد کو چلے۔ یہ اس خیال خام میں گئے تھے کہ خان خاں  
 میرا بہنوئی ہو اس سے مدد لاؤں گا مگر وہاں بھی ٹھٹھو نہ چلا اور پھر ندر بار جا کر ہر سال کے  
 حذر سے لڑائی موقوف کر دربار میں آدھکے۔ ۱۹۹۰ء میں صلاح ہوئی کہ وہ وہیں

مٹھاس ملاؤ تو درجہ بھی مزید دے گئے۔ خان اعظم کی بیٹی سے شاہزادہ مراد کی شادی جس کی عمر سترہ سال کی تھی مریم مکانی یعنی اکبری والدہ کے کمرے میں رہتی تھی۔ خان اعظم کی عزت بڑا بانی تھی بادشاہ خود ہرات سے آئے اور ان کے نام سے ایک دربار لایا گیا۔ خان اعظم نے ایک بڑا میدان بنایا جس کا نام اس ولایت کے اعلیٰ انکم داروں میں سے ایک اور پچھلے فساد کے مراد کی کرتا تھا اس کے مظفر کو بیروں پر دیا کر نکالا۔ سو اٹھ گھنٹہ کے بعد ان کے دربار میں غور و خیر ہوئی۔ بیٹا تھا اور اپنے کو سلاطین غور کی اولاد کہتا تھا اور راجہ کنکار کچھ کا حاکم بھی شامل ہوا۔ بیس ہزار کا بلوہ باندھ کر لوٹنے کو آئے۔ خان اعظم نے ادھر ادھر خطوط لکھتے کوئی مدد کو نہ آیا اس بہت واسے نے دل نہ ہارا جس طرح ہو سکا جمعیت اکٹھی کر کے نکلا۔ خان اعظم نے چند سرداروں کو فوج دے کر آگے روانہ کر دیا ان سے کوتاہ اندیشی یہ ہوئی کہ غنیم کے ساتھ صلح کی گفتگوئیں کیں ان کے مانع اور بڑے گئے اور جنگ کے قرارے بجاتے آگے بڑھے۔ ضدی سپہ سالار کو غصہ آیا باوجودیکہ دس ہزار سے زیادہ جمعیت نہ تھی اور غنیم کے ساتھ تیس ہزار فوج تھی یہ سامنے ڈٹ گیا کہ یکایک مینہ برستا شروع ہوا اور بارش کا تار لگ گیا جس انداز سے لڑائی شروع ہوئی تھی وہ بتی ہو گیا اور طرفین سے ترکانہ حملے ہوتے رہے مشکل یہ ہوئی کہ ادھر رسد بند ہو گئی۔ جب تکلیفیں حد سے گزر گئیں تو خان اعظم نے اس میدان میں فوج کو لڑانا مناسب نہ سمجھا چار کوس کوچ کر کے جام کے علاقے میں گھس گیا۔ مظفر نے بھی ادھر ہی رخ کیا۔ دریا بیچ میں تھا ادھر ڈیرے ڈال دیے۔ فوجوں میں روز چھینا چھٹی ہو جاتی تھی مگر ایک دن میدان ہوا اور میدان بھی وہ ہوا کہ فیصلہ ہی ہو گیا۔ دونوں سپہ سالار اپنی اپنی سپاہ لے کر نکلے اور قلعہ باندھ کے سامنے ہوئے۔ دشمن کے قدم کھڑے مظفر اور جام بے ہوش و بدحواس بھاگے۔ اس کے کئی سردار دو ہزار پہاڑوں کے ساتھ میدان میں کھیت رہے۔ تھوڑی دیر میں سامنا صاف ہو گیا۔ نقد و جنس تو پختہ ہاتھی۔ سامان امارت و سامان جاہ و شہرت جس قدر فوج شاہی کے ہاتھ آیا اس کا حساب نہیں۔ اکبری لشکر کے سو پہاڑوں نے جانیں عزت پر قربان کیں اور پانسو نے نخوس چہرہ گل رنگ کیا۔ فیضی نے اس فتح کی یہ تاریخ کہی ”فتوحات عزیز“ ۹۹۷ھ میں

سبب سے میری ذات سے نان غظم کے دل میں نہ درخشاں ہو۔ اسی اُس کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ خورشید صبی کو اُس نے کسی دوستی یا نہ نہیں دیا۔ بلکہ میرے والد بزرگوار سے بھی جاری رکھا تھا۔ مجھ پر یہ ہوا کہ ایک موقع پر اُس نے ایک خط راجہ علی خاں کو لکھا تھا۔ اول سے آخر تک بدی اور بد پسندی اور ایسے مضمون کہ کوئی دشمن کے سینے بھی نہیں لکھتا اور کسی کی طرف نسبت نہیں رکھتا۔ چہ جائیکہ حضرت عرش آشیانی جیسے بادشاہ اور صاحبِ قدرت و ان کے حق میں وغیرہ وغیرہ۔ یہ تحریر ہاں پدر راجہ علی خاں کے خزانے سے ہاتھ آئی۔ اسے دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اگر بعض خیالات کا اور اُس کی ماں کے دودھ کا ملاحظہ نہ ہوتا تو بجا ہوتا کہ اپنے ہاتھ سے اُسے قتل کرتا۔ بہر حال بلایا اور اُس کے ہاتھ میں وہ نوشتہ دے کر کہا کہ سبک سامنے ہاواز بلند پڑھو۔ مجھے گمان تھا کہ اُسے دیکھ کر اُس کی جان نکل جائے گی۔ انتہائے بے شرمی اور بے حیائی ہو کہ اس طرح پڑھنے لگا گویا اُس کا لکھا ہی نہیں سُنسی کا لکھا ہوا پڑھوایا ہو وہ پڑھ رہا ہو۔ حاضران مجلس بہشت آئین بندہ ہائے اکبری و جہانگیری جس نے وہ تحریر دیکھی اور سنی لغت اور تفسیر کرنے لگے۔ اُس سے پوچھا کہ قطع نظر ان نفاقوں کے جو مجھ سے کیے اور اپنے اعتقاد اُن میں اُن کے لئے کچھ دہیں بھی قرار دی تھیں۔ والد بزرگوار نے کہ تجھ کو اور میرے خاندان کو خاکِ راہ سے اٹھا کر اس مرتبہ اعلیٰ تک پہنچایا کہ اس درجے پر پہنچے بات کیا ہوئی تھی کہ دشمنان و مخالفان دولت کو ایسی باتیں لکھیں اور اپنے تئیں حرام خواروں اور بد نصیبوں میں جگہ دی۔ سچ ہو۔ سرشتِ اصلی اور پیدائشِ طبعی کو کیا کرے۔ جب تیری طبیعت نے اب نفاق سے پرورش پائی ہو تو ان باتوں کے سوا اور کیا ہو سکتا ہو۔ جو کچھ مجھ سے کیا تھا اُس سے میں درگزر اور جو منصب تھا پھر اُسی پر سرفراز کیا۔ گمان تھا کہ تیرا نفاق خاص میرے ہی تھا ہو گا اب جو یہ بات معلوم ہوئی کہ اپنے مربی اور خدا سے مجازی سے بھی اس درجہ پر تھا تو تجھے تیرے اعمال اور تیرے مذہب کے حواسے کیا۔ یہ باتیں سن کر چپ رہ گیا۔ ایسی ردِ سپاہی کے جواب میں کہتے کیا ہو۔ جاگیر کی موقوفی کا

دورِ خوش آب و مضا میں سے بنا کر لایا واسطے قریے تراذوقِ خفاگر سہرا  
 جس کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سناد اُس کو  
 دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخن در سہرا  
 اور بابِ نشاط حضور میں ملازم تھیں اسی وقت اُنھیں ملا۔ شام تک گلی گلی کو چے میں پھیل گیا  
 دوسرے دن اخباروں میں مشہر ہو گیا۔ مرزا بھی بڑے ادا شناس اور سخن فہم تھے۔  
 سمجھے کہ تھا کچھ اور ہو گیا کچھ اور بطور مسند رت یہ قلعہ حضور میں گزرا نا۔

منظور ہو گزارش احوال واقعی اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے  
 سوچت سے ہی پیشہ آبا سپہ گری کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے  
 آزر وہ رُو ہوا مرا مسلک تو بلکل ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے  
 کیا کم ہو یہ شرف کہ طفر کا غلام ہوں مانا کہ جاہ و منصب ثروت نہیں مجھے  
 استادِ شہ سے ہو مجھے پر خاشاکِ خیال یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے  
 جامِ ہماں نا ہو شہنشاہ کا ضمیر سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے  
 میں کون رنجتے۔ ہاں اس سے دعا بجز انبساطِ خضرت نہیں مجھے  
 سہرا لکھا گیا زر و امتثالِ امر دیکھا کہ چارہ وغیر اطاعت نہیں مجھے  
 مقطع میں آپڑی ہو سخن گسترِ آفتاب مقصود اُس سے قطع محبت نہیں مجھے  
 قسمت بری ہی طبیعت بری نہیں ہر شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قولِ غالبِ خدا گواہ

کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

آب کچھ لطیف بھی سن کر دل خوش کر لیجئے :-

۱) اکثر لوگ پنشن کا حال دریافت کرنے کو خط بھیجتے تھے۔ مرزا امجدی کو مرزا صاحب نے لکھا۔  
 جیہاں بے رزق جینے کا مجھ کو ڈھب آ گیا ہو۔ اس طرف سے خاطر جمع رکھنا یہ مفسد  
 مہینا رو دے کھا کھا کر کاٹا۔ خدا رزاق ہو۔ کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہو گا۔  
 ۲) دلی میں رہتے تھے مونت اور بعضے ذکر پوستے ہیں۔ کسی نے مرزا صاحب  
 سے پوچھا۔ رتھ مونت ہی یاد کرے؟ آپ نے کہا ”بھیا ایب حور۔ تیں مٹی جی ہوں تو  
 حورث کہو اور حبب مردو مٹی ملن تو ذکر سمجھو“

(۳) جب مرزا قید سے چھوٹ کر اسے تو میاں کالے صاحب کے مکان میں رہتے تھے۔ ایک روز کالے صاحب کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے قید سے چھوٹنے کی مبارک باد دی۔ مرزا نے کہا: "کون بھڑوا قید سے چھوٹا ہو۔ پہلے گورے کی قید میں تھا اب کالے (یعنی مرزا کالے) کی قید میں ہوں گے۔"

(۴) دلی میں مشاعرہ تھا۔ مرزا نے اپنی فارسی غزل پڑھی۔ مفتی صدر الدین خاں مولوی امام بخش صہبائی جلسے میں موجود تھے۔ مرزا صاحب نے جس وقت یہ صریح پڑھا۔ ع۔ بوادیئے کہ در آن خضر را عصا خفت است۔ مولوی صاحب کی تحریک سے مفتی صاحب نے فرمایا کہ عصا خفت میں کلام ہو۔ مرزا نے کہا: "حضرت! میں ہندی اثرات میرا عصا کپڑ لیا۔ اس شیرازی کا عصا نہ کپڑا گیا۔ ع۔ وے بجلہ اول عصا شیخ خفت انھوں نے کہا اصل محاورہ کیں کلام نہیں کلام اس میں ہو کہ مناسب مقام ہو یا نہیں۔"

(۵) ایک دفعہ مرزا بہت قرض دار ہو گئے۔ قرض خراہوں نے ناش و رغ دی۔ جواب دہی میں طلب ہوئے۔ مفتی صاحب کی عدالت تھی۔ جس وقت پیشی میں گئے یہ شعر پڑھا:۔

قرض کی پیتے تھے ولیکن سمجھتے تھے کہ ہاں رنگ لے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

(۶)۔ مرزا صاحب کے ایک آفت ناگہانی کے سبب جیل خانے میں ایسے رہنا پڑا جیسے کہ حضرت یوسف کو زندان مصر میں۔ کپڑے میلے ہو گئے جوئیں پڑ گئیں تھیں۔ ایک دن بیٹھے جوئیں چن رہے تھے۔ ایک رئیس وہیں عیادت کو پونچے۔ پوچھا کیا حال ہو؟۔ آپ نے یہ شعر پڑھا:۔

ہم غم زدہ جس دن سے گرفتار ملاہیں کپڑوں میں جوئیں نجیوں کے ٹانگوں سے سواریں جس دن وہاں سے نکلنے لگے اور کپڑے بدلے تو وہاں سا کرتا وہیں بچاڑ کر پھینکا اور یہ شعر پڑھا:۔

ہاں اس چارگرہ کپڑے کی قیمت غالب جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں مہنا

(۷) حسین علی خاں کا چھوٹا لڑکا ایک دن کھیلتا کھیلتا آیا کہ دادا جان مٹھائی منگا دو۔ مرزا نے کہا پیسے نہیں۔ وہ صند و تچہ کھول کر ادھر ادھر ٹوٹنے لگا۔ اپنے کہاں

درم و دام اپنے پاس کہاں چیل کے گھوٹلے میں اس کہاں

دہ، بادشاہ کے ہاں سے چھٹے مہینے تنخواہ ملنے کا دستور تھا اور یہاں گھر میں ہے  
قلا بازیاں کھانے اور انٹریاں قل ہوا مد پڑھنے لگتی تھیں۔ مرزا نے ایک چٹپٹا  
قصیدہ گزرا نا اور ماہ باہ تنخواہ ملنے لگی۔ مگر اس کا شمار لطیفوں میں نہیں ہو مگر اشعار  
کی برجستگی خود بڑی لطافت ہو۔

ای شہنشاہ آسماں اور نگ  
تھامیں اک لے نواے گوشہ نشین  
تم نے مجھ کو جو آبر و بخشی  
کہ ہوا مجھ سا ذرہ نا چیز  
گر چہ از روے رنگ بے ہنری  
کہ گرا بنے کو میں کہوں غامی  
شاہ ہوں لیکن اپنے ہی میں کہوں  
خانہ زاد اور مرید اور مداح  
بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر  
نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں  
پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں  
کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر  
کیوں نہ ورکار ہو مجھے پیش  
کچھ خریدائیں ہو اب کی سال  
رات کو آگ اور دن کو دھوپ  
آگ تپے کہاں تلک الناس  
دھوپ کی تابش آگ کی گرمی  
میری تنخواہ جو مقرر ہو  
رسم ہو مرے کی چھ ماہی ایک  
مجھ کو دیکھو تو ہوں یقیناً  
بس کہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض

ای جہاں دار آفتاب آفتار  
تھا میں اک دروند سینہ فگار  
ہوئی میری وہ گرمی بازار  
روشناس ثوابت و ستار  
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خواہر  
جانتا ہوں کہ اے خاک کو حار  
بادشہ کا غلام کا رگزار  
تھا ہمیشہ سے یہ عریفہ نگار  
نسبتیں ہو گئیں شخص چار  
دعا سے ضروری الاظہار  
ذوق آرائش سرود ستار  
تانا وے باد و مہریر آزار  
جسم رکھتا ہوں ہو اگرچہ نوار  
کچھ بتایا نہیں ہو اب کی بار  
بھاڑ میں جاؤں ایسے لیل و نہار  
دھوپ کھاوے کہاں تلک جاندار  
وقتا رہتا عذاب النار  
اُس کے ملنے کا ہو عجب ہنچار  
خلق کا ہو اسی چلن پہ مدار  
اور چھ ماہی ہو سال میں دوبار  
اور رہتی ہو سود کی تکرار



میری تنخواہ میں تہائی کا  
آج مجھ سا نہیں زمانے میں  
رزم کی داستان اگر سُنیئے  
بزم کا التزام گر کیجئے  
ظلم ہو گر نہ دو سخن کی داد  
آپ کا بندہ اور پھروں ننگا  
میری تنخواہ کیجئے ماہ باہ  
ختم کرتا ہوں اب عابہ کلام  
تم سلامت رہو ہزار برس  
ہو گیا ہوشریک سامو کار  
شاعر نغز گوے خوش گفتار  
ہو زباں میری تیغ جو ہر دار  
ہو قلم میرا ابو گو ہر بار  
قہر ہو گر کر و نہ مجھ کو پیار  
آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار  
تانا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار  
شاعری سے نہیں مجھے سروکار  
ہر برس کے ہوں ن بچاں سہرا

(۹) فضل حق مرزا کے ایک بڑے دوست تھے۔ اُن کی عادت تھی کہ جب کوئی بے تکلف دوست آتا تھا تو خالق باری کا یہ مصرعہ پڑھا کرتے تھے۔ ع۔ آؤ براور بیٹھے رہے بھائی۔ چنانچہ مرزا کی تعلیم کو اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ مصرعہ پڑھا۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ دوسرے دالان سے حضرت کی داشتہ بچی آکر پاس آکر بیٹھ گئی۔ مرزا صاحب نے کہا۔ ہاں صاحب اب وہ دوسرا مصرعہ بھی ارشاد ہو۔ یعنی۔ ع۔ بنشیں مادر بیٹھے رہی مائی۔

(۱۰) مرزا کی قاطع برہان کے بہت شخصوں نے جواب لکھے اور بہت زبان درازیاں کیں۔ کسی نے کہا۔ حضرت! آپ نے فلاں شخص کی کتاب کا جواب نہ لکھا۔ فرمایا ”بھائی! اگر کوئی گدہا تمہارے لات مارے تو تم اُس کا کیا جواب دو گے؟“

(۱۱) بہن بیار تھیں۔ عیادت کو گئے۔ پوچھا کیا حال ہے؟۔ وہ بولیں کہ مرقی ہوں قرض کی فکر ہو کہ گردن پر بیٹے جاتی ہوں۔ آپ نے کہا۔ بوا! بھلا کیا فکر ہے۔ خدا کے ہاں کیا ہستی صدر الدین خاں بیٹھے ہیں جو ڈگری کر کے پکڑا بلا میں گئے۔

(۱۲) ایک دن مرزا کے کسی شاگرد نے کہا۔ حضرت آج میں امیر خسرو کی قبر پر گیا۔ مزار پر پھرتی کا درخت ہو اُس کی کھرنیاں میں نے خوب کھائیں۔ کھرنیوں کا کھا ہوا کھانا کہ گویا فصاحت اور بلاغت کا دروازہ کھل گیا۔ دیکھیے تو میں کیسا فصیح ہو گیا۔ مرزا لکھا



ارے میاں! تین کو س کیوں گئے۔ میرے پچھوڑے کے پیل کی پیلیاں  
کیوں نہ کھالیں۔ چودہ طبق روشن ہو جاتے۔

(۱۳) بعض شاگردوں نے مرزا صاحب سے کہا کہ آپ نے حضرت علی کی طرح میں  
بہت قسیدے اور بڑے بڑے زور کے قسیدے کہے صحابہ میں سے کسی کی  
تعریف میں کچھ نہ کہا۔ مرزا نے ذرا تامل کر کے کہا: ”اُن میں کوئی ایسا دکھا دیجئے  
تو اس کی تعریف بھی کہوں۔ مرزا صاحب کی شوخی طبع ہمیشہ انھیں اس رنگ  
میں شور و برکعتی تھی۔ جس سے نادان قف لوگ انھیں احاد کی تہمت لگائیں اور  
چوں کہ یہ رنگ اُن کی شکل و شان پر عجب معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے اُن کے  
دوست ایسی باتوں کو سن کر چوہکتے تھے۔ جوں جوں وہ چوہکتے تھے وہ اور بھی  
زیادہ جھنجھٹے اڑاتے تھے۔ اُن کی طبیعت سرور شراب کی عادی تھی لیکن کسے  
گناہ سمجھتے تھے اور یہ بھی عہد تھا کہ محرم میں نہ پیتے تھے چنانچہ خود فراتے ہیں۔  
یہ مسائل تصوت یہ ترایان غالب تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

ان کے دل میں شیت اللہ بہت تھی اور اپنے افعال سے شرمسار حد درجے  
تھے چنانچہ یادگار غالب میں لکھا ہے کہ غالب کہتے تھے کہ میں تو اس قابل ہوں  
کہ جب مروں تو میرے دوست عزیز میرا منہ کالا کریں اور میرے پاؤں میں سستی  
باندھ کر گلی کو چوں اور بازاروں میں تشہیر کریں اور پھر شہر سے باہر لے جا کر کتوں  
اور چیلوں اور کتوں کو کھانے کو۔ اگر وہ ایسی چیز کھانا گوارا کریں۔ چھوڑ آئیں۔ اگرچہ  
میرے گناہ ایسے ہی ہیں کہ میرے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کیا جائے لیکن  
اس میں شک نہیں کہ میں موصد ہوں۔ ہمیشہ تنہائی اور سکوت کے عالم میں۔ کلمات  
میری زبان پر جاری رہتے ہیں۔ لا الہ الا اللہ۔ لا موجد الا اللہ۔ لا موثر فی الوجود الا اللہ۔

ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے شاعر تو وہ اچھا ہے یہ بدنام بہت ہے  
(۱۴) غدر کے چند روز بعد پنڈت موتی لعل مترجم گورنمنٹ پنجاب کے تھے۔ مرزا  
سے ملنے کو آئے۔ اُن دنوں نیشنل ادور بار و دونوں بند تھے۔ مرزا صاحب  
بسبب دل شکستگی کے شکوہ و شکایت سے لبریز ہو رہے تھے۔ اثنائے  
گفتگو میں کہنے لگے کہ ”عمر بھر میں ایک دن شراب پی پی ہو تو کافر املا یک دفعہ بھی

ناز پڑھی ہو تو مسلمان نہیں۔ پھر میں نہیں جانتا کہ مجھے سرکار نے باغی مسلمانوں میں کس طرح شامل کیا ہے۔

(۱۵) بھوپال سے ایک شخص دلی کی سیر کو آئے۔ مرزا صاحب سے بھی ملنے آئے وضع قطع سے وہ نہایت پرہیزگار پارسا معلوم دیتے تھے۔ ان سے کہا کہ اخلاق پریشاں ہے۔ مگر معمولی وقت تھا بیٹھے سرورہ کر رہے تھے۔ گلاس اور شراب کا شیشہ آگے رکھا تھا۔ ان بے چارے کو خبر نہ تھی کہ آپ کو یہ بھی شوق ہے۔ انھوں نے شربت کا شیشہ سمجھ کر ہاتھ میں اٹھا لیا۔ کوئی شخص پاس سے بولا جناب یہ شراب کا شیشہ ہے بھوپالی صاحب نے جھٹ شیشہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا میں نے تو شربت کے دھوکے میں اٹھایا تھا۔ مرزا صاحب نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور کہا: ”بے نصیب دھوکے میں نجات ہو گئی“

(۱۶) ایک دفعہ رات کو انگنائی میں بیٹھے تھے۔ چاندنی رات تھی تارے چمکے ہوئے تھے۔ آپ آسمان کو دیکھ کر فرما نے لگے کہ جو کام بے صلاح مشورے ہوتا ہے۔ بے ڈھنگا ہوتا ہے۔ خدا نے ستارے آسمان پر کسی سے مشورہ کر کے نہیں بنائے۔ جی بکھرے ہوئے ہیں۔ نہ کوئی سلسلہ نہ زنجیر۔ نہ بیل نہ بوٹا۔

(۱۷) ایک مولوی صاحب جن کا مذہب سنت و اجماعت تھا۔ رمضان کے دنوں میں ملاقات کو آئے۔ عصر کی نماز ہو چکی تھی۔ مرزا نے خدمت گار سے پانی مانگا۔

مولوی صاحب نے کہا۔ حضرت! غضب کرتے ہیں۔ رمضان میں روزے نہیں رکھتے۔ مرزا نے کہا۔ سنی مسلمان ہوں۔ چار گھنٹی دن سے روزہ کھول کر رہا ہوں۔

(۱۸) رمضان کا مہینا تھا آپ نواب حسین مرزا کے ہاں بیٹھے تھے۔ پان منگا کر کھایا ایک صاحب فرشتہ سیرت نہایت متقی اور پرہیزگار اُس وقت حاضر تھے انھوں نے متعجب ہو کر پوچھا کہ قبلہ آپ روزہ نہیں رکھتے۔ مسکرا کر بولے شیطان غالب ہے۔

(۱۹) حارٹے کا موسم تھا۔ ایک دن نواب مصطفیٰ خاں مرزا کے گھر آئے۔ آپ نے ان کے آگے شراب کا گلاس بھر کر رکھ دیا۔ وہ ان کا منہ دیکھنے لگے۔ مرزا صاحب نے کہا بیجئے۔ چوں کہ وہ تائب ہو چکے تھے۔ انھوں نے کہا میں نے توبہ کی۔

آپ متعجب ہو کر بولے۔ ہیں! کیا حارٹے میں بھی؟

(۲۰) ایک شخص نے اُن کے سنانے کو کہا کہ شراب پینی سخت گناہ ہے۔ آپ نے ہنس کر کہا کہ بھلا جو پیئے تو کیا ہوتا ہے۔ اُنھوں نے کہا۔ ادنیٰ بات یہ ہے کہ دعا نہیں قبول ہوتی۔ مرزا نے کہا بھائی! جس کو شراب اب میسر ہے اُس کو اور چاہیئے کیا۔ جس کے پیئے دعا کرے ۔

(۲۱) مرزا کے پاس اکثر اشعار گالیاں لکھ کر گناہم خطوط بھیجا کرتے تھے۔ ایک خط میں ماں کی گالی لکھی تھی۔ مسکرا کر کہنے لگے کہ اُس اُل کو گالی دینی بھی نہیں آتی۔ بڑھے یا ادھیڑ آدمی کو بیٹی کی گالی دیتے ہیں تاکہ اُس کو غیرت آئے۔ جو ان کو جو رو کی گالی دیتے ہیں کیوں کہ اُس کو جو رو سے زیادہ تعلق ہوتا ہے۔ بچے کو ماں کی گالی دیتے ہیں کہ وہ ماں کے برابر کسی سے مانوس نہیں ہوتا۔ یہ قرم ساق جو بہتر برس کے بڑھے کو ماں کی گالی دیتا ہے اس سے زیادہ کون بے وقوف ہوگا۔

(۲۲) مرزا اور محاف مرزا کی طبیعت میں بدرجہ غایت تھا۔ باوجودیکہ اخیر عمر میں اصلاح دینے سے بہت گھبراتے تھے با این ہمہ کبھی کسی کا قصیدہ یا غزل بغیر اصلاح کے واپس نہ کرتے تھے۔ ایک صاحب کو لکھتے ہیں ”جہاں تک ہو سکا خدمت احباب بکالایا۔ اور اق اشعار سیٹے سیٹے دیکھتا رہا اور اصلاح دیتا تھا۔ اب نہ آنکھ سے ابھی طرح سوچھے نہ ہاتھ سے ابھی طرح لکھا جائے۔ کہتے ہیں شاہ شرف الدین بوعلی قلندر کو بسبب کبر سنی کے خدا نے فرض اور پیہر نے سنتیں معاف کر دی تھی۔ میں متوقع ہوں کہ میرے دوست بھی خدمت اصلاح اشعار مجھ پر معاف کریں۔ خطوط شوقیہ کا جواب جس صورت سے ہو سکے گا لکھ دیا کروں گا“

(۲۳) باوجود اس کے بھی لوگ مرزا کو برابر ستاتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ کہیں مرزا تفتہ لے یہ لکھ دیا تھا کہ آپ نے بسبب ذوق سخن کے اصلاح اشعار منظور فرمائی تھی۔ اُس کے جواب میں لکھتے ہیں ”لا حول ولا قوۃ۔ کس ملعون نے بسبب ذوق شعر کے اشعار کی اصلاح منظور رکھی۔ اگر میں شعر سے بے زار نہ ہوں تو میرا خدا مجھ سے بے زار۔ میں نے تو بطریق قہر و ولش بہانہ درویش لکھا تھا جیسے اچھی جو رو برے خاندن کے ساتھ مرنا بھڑنا اختیار کرتی ہے۔ میرا تھا رے ساتھ وہ معاملہ ہے“

(۲۴) ایک دفعہ جب رمضان گزر چکا تو قلعے میں گئے۔ بادشاہ نے پوچھا مرزا تم نے کتنے روڑے رکھے؟ عرض کیا پیر و مرشد ایک نہیں رکھا۔  
 (۲۵) ایک دن نواب مصطفیٰ خاں کے مکان پر ملتے کو آئے۔ ان کے مکان کے آگے چھتہ بہت تاریک تھا۔ جب چھتے سے گزر کر دیوان خانے کے دروازے پر پہنچے تو وہاں نواب صاحب ان کے لینے کو کھڑے تھے۔ مرزا نے ان کو دیکھ کر یہ مصرع پڑھا۔ کہ "آب چشمہ جیواں درون تار کیست۔ جب دیوان خانے میں پہنچے تو اس کے والان میں بسبب شرق رویہ ہونے کے دھوپ بھری ہوئی تھی۔ مرزا نے وہاں یہ مصرع پڑھا۔ ایں خانہ تمام آفتاب است۔

(۲۶) سنا کہ جب مرزا کرنل برٹن کے روبرو کلاہ پہنا کر گئے تو انہوں نے مرزا کی نئی وضع دیکھ کر پوچھا کہ اول تم مسلمان؟ مرزا نے کہا آدھا۔ کرنل نے کہا اس کا کیا مطلب؟۔ مرزا نے کہا شراب پیتا ہوں سو نہیں کھاتا۔ کرنل ہنسنے لگا۔ کرنل نے پوچھا سرکار کی فتح کے بعد پہاڑی پر کیوں نہ حاضر ہوئے۔ مرزا نے کہا میں چار کہاڑوں کا انسر تھا۔ وہ چاروں مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ میں کیوں کھانا پڑتا؟  
 (۲۷) جب نواب یوسف علی رئیس رام پور کا انتقال ہو گیا اور مرزا تعزیت کے لیے رام پور گئے۔ چند روز بعد نواب کلب علی خاں لفٹنٹ گورنر سے ملتے بریلی جا رہے تھے۔ چلتے وقت نواب صاحب نے مرزا سے کہا خدا کے سپرد۔ مرزا نے کہا حضرت خدا نے تو مجھے آپ کے سپرد کیا ہی آپ پھر کٹا مجھ کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔

(۲۸) ایک صحبت میں مرزا میر تقی کی تعریف کر رہے تھے۔ شیخ ابراہیم ذوق بھی تھے انہوں نے سودا کو میر بہ قریح دی۔ مرزا نے کہا میں تو تم کو میری سمجھتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ آپ سودائی ہیں۔

(۲۹) مولانا امام بخش صہبائی کی راسخ رقعہ اور مینا بازار کی نسبت یہ تھی کہ یہ دونوں تحریروں میں شل سے نشر کے قلماطھوری کی ہیں مگر مرزا اس کے خلاف تھے۔ ایک جلسے میں دونوں صاحب موجود تھے۔ اتفاق سے ذکر چھڑ گیا۔ مرزا نے کہا کہ قطع نظر اس کے کہ یہ نشر اور قریح رقعہ اور مینا بازار کی طرز میں ہوں بعید ہی ظہوری کی شان

نہیں ہو کہ وہ نظم کے ساتھ نثر نہ لکھے۔۔۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جو شخص نظم و نثر دونوں پر قادر ہو اس کی نثر میں کہیں نظم نہ پائی جائے۔ مولانا صہبائی نے کہا ایسے اتفاق اکثر ہو جاتے ہیں یہ شخص ایک اتفاق کی بات ہے۔ مرزا نے کہا بے شک مگر یہ ایسا اتفاق ہو گا کہ ایک شخص ہر ایک کا نظم سے نہایت سنجیدہ شالیتہ اور معقول آدمی ہو مگر اتفاق سے کبھی کبھی کاٹ بھی کھاتا ہو۔ یہ سن کر سب لوگ ہنس پڑے اور مولانا صہبائی مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ (۳۰) مکان کے جس کمرے میں مرزا دن بھر بیٹھتے اٹھتے تھے وہ مکان کے دروازے کی چھت پر تھا اور اس کی ایک جانب ایک کوٹھڑی تنگ و تاریک تھی جس کی در اس قدر چھوٹا تھا کہ بہت جھک کر جانا پڑتا تھا۔ اکثر گرمی اور ٹوکے موسم میں دس بجے سے چار تک وہاں بیٹھتے تھے۔ ایک رمضان میں مولانا آزار وہ اسی کوٹھڑی میں ٹھیک دوپہر کے وقت آئے اس وقت مرزا صاحب کسی دوست سے جو سر یا شطرنج کھیل رہے تھے۔ مولانا نے رمضان کے چہینہ میں مرزا کو جو سر کھیلنے دیکھ کر کہا ”ہم نے حدیث میں پڑھا تھا کہ رمضان کے چہینہ میں شیطان مقید رہتا ہے مگر آج اس حدیث کی صحت میں تردید پیدا ہو گیا“ مرزا نے کہا ”قبلہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ مگر آپ کو معلوم رہے کہ وہ جگہ جہاں شیطان مقید رہتا ہے وہ یہی کوٹھڑی ہے (۳۱) ایک روز دوپہر کا کھانا آیا۔ دسترخوان بچھا۔ برتن تو تھے بہت اور کھانا کم مرزا نے مسکرا کر کہا ”اگر برتنوں کی کثرت پر خیال کیجئے تو میرا دسترخوان یزید کا دسترخوان معلوم ہوتا ہے اور جو کھانے کی مقدار کو دیکھئے تو بایزید کا۔“

(۳۲) ایک روز بہادر شاہ مرحوم چند مصاحبوں کے ساتھ جس میں مرزا بھی تھے باغ حیات بخش یا مہتاب باغ میں ٹہل رہے تھے۔ آم کے درخت لگے ہوئے تھے۔ یہاں کا آم بادشاہ یا بیگمات کے سوا کسی کو میسر نہیں آسکتا تھا۔ مرزا چواں کہ آموں کے عاشق تھے بار بار آموں کو غور سے دیکھتے تھے۔ بادشاہ نے پوچھا ”مرزا اس غور سے کیا دیکھتے ہو؟“ مرزا نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ پیر و مرشد یہ جو کسی بزرگ نے کہا ہے۔ برسر ہر وانہ بزوشتمہ عیاں۔ کیں فلاں ابن فلاں ابن فلاں۔ اس کو دیکھتا ہوں کہ کسی دانے پر میرا اور میرے باپ و دادا کا نام بھی لکھا ہے یا نہیں۔ بادشاہ مسکرا کر اور اسی روز ایک بہنگی عمدہ عمدہ آموں کی مرزا کو بھجوائی۔

(۳۳) حکیم رشی الدین خاں جو مرزا کے نہایت دوست تھے اُن کو آم نہیں بھاتے تھے ایک دن وہ مرزا کے پاس برآمدے میں بیٹھے تھے۔ ایک گدھے والا گدھے لیئے چلا جا رہا تھا۔ رستے میں آم کے چھلکے پڑے تھے گدھے نے سونگھ کر چھوڑ دیئے۔ حکیم صاحب نے کہا دیکھیئے آم ایسی چیز ہے جسے گدھا بھی نہیں کھاتا۔ مرزا نے کہا بے شک گدھا نہیں کھاتا۔

(۳۴) ایک روز مرزا عہدی مخرج مرزا کے پاؤں دابنے لگے۔ مرزا نے کہا بھئی تو سید زرا وہ ہے۔ مجھے کیوں گنہگار کرتا ہے۔ اُنھوں نے نہ مانا اور کہا آپ کو ایسا ہی خیال ہے تو پیر دابنے کی اجرت دے دیجیئے گا۔ مرزا نے کہا ہاں اس کا مضائقہ نہیں۔ جب وہ پیر داب چکے تو اُنھوں نے اجرت طلب کی۔ مرزا نے کہا ”بھئی۔ کیسی اجرت؟“ تم نے میرے پاؤں دابے۔ میں نے تمہارے پیسے دابے۔ حساب برابر ہوا۔

(۳۵) ایک دن سید سردار مرزا مرحوم ملنے آئے۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر وہ جانے لگے تو مرزا خود اپنے ہاتھ میں شمع دان لے کر کھسکتے ہوئے لب فرش تک آئے تاکہ روشنی میں جوتی دیکھ کر پہن لیں۔ اُنھوں نے کہا قبلہ و کعبہ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ میں اپنی جوتی آپ پہن لیتا۔ مرزا نے کہا میں آپ کو جوتی دکھانے کو شمع دان نہیں لایا۔ بلکہ اس بیٹے لایا ہوں کہ کہیں آپ میری جوتی نہ پہن جائیں۔

(۳۶) ایک بار بہادر شاہ نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ مرزا شیعہ المذہب ہیں۔ مرزا کو بھی خبر لگی۔ چند رباعیاں لکھ کر بادشاہ کو سنائیں۔ جن میں تشیع اور رافضی سے تماشائی کی تھی اُن میں کی ایک رباعی یہ تھی:-

جن لوگوں کو جو مجھے عداوت گہری کہتے ہیں مجھے وہ رافضی اور دہری  
دہری کیوں کر ہو جو کہ ہو دے صوفی شیعہ کیوں کر ہو ماوراء النہری

(۳۷) مارے کے موسم میں ایک دن طوطے کا خیرا سامنے رکھا تھا۔ طوطا درخت کے مارے پیروں میں منہ چھپائے بیٹھا تھا۔ مرزا نے دیکھ کر کہا ”سیاں ٹھونہ تمہارے جو رو نہ بچے تم کس فکر میں سر جھکائے بیٹھے ہو؟“

(۳۸) مرزا اپنا مکان بدلنا چاہتے تھے۔ ایک مکان خود دیکھ کر آئے اُس کا

دیوان خانہ پسند آیا مگر محل سرا خود نہ دیکھ سکے۔ گھر پر اگر اس کے دیکھنے کے پٹے بی بی بیچا وہ دیکھ کر آئیں تو ان سے پسندنا پسندنا پسندنا حال پوچھا۔ انھوں نے کہا اس میں تو لوگ ہلاتے ہیں۔ مرزا نے کہا ”کیا دنیا میں آپ سے بھی بڑھ کر کوئی ہلا پو؟“

(۳۹) مسئلہ میں اُنھوں نے اپنے مرنے کی تاریخ یہ لکھی ”غالب مرثیہ اُس سے پہلے کئی ماوے غلط ہو چکے تھے۔ منشی جواہر سنگھ جو ہر سے مرزا صاحب نے اس ماوے کا ذکر کیا۔ اُنھوں نے کہا حضرت ان شارالہ یہ ماوہ بھی غلط ثابت ہو گا۔ مرزا نے کہا ”دیکھو صاحب تم ایسی فال منہ سے نہ نکالو۔ اگر یہ مادہ مطابق نہ نکلا تو میں سر بھوڑ کر مر جاؤں گا۔“

(۴۰) ایک مرتبہ شہر میں سخت وبا پھیلی۔ میر محمدی حسین مجروح نے دریافت کیا کہ حضرت وبا شہر سے دفع ہوئی یا ابھی تک موجود ہے۔ اُس کے جواب میں لکھتے ہیں۔ ”بھی کیسی وبا؟ جب ایک ستر برس کے بڑے اور ستر برس کی بڑھیا کو نہ مار سکے تو قف بریں وبا!“

الغرض مرزا کی کوئی بات لطف و طرافت سے خالی نہ ہوتی اگر کوئی اُن کے تمام ملفوظات جمع کرے تو ایک ضخیم کتاب لطائف و ظرائف کی طیار ہو جاتی۔ قبر بکلی ساوی سو دی ہو۔ اتنا بڑا نامی گرامی شاعر اور اُس کی قبر جو آج یادگار زمانہ ہوتی اس کس سپر سی کی حالت میں ہو۔ دائمی بر قوم! اس سے معلوم ہوا کہ نفسی نفسی کا معاملہ ہے۔ یہاں قوم دوم خاک بھی نہیں۔ غالب کے ایک نہیں دو نہیں ہزاروں شاگرد تھے جن میں سے اب بھی بہت سے زندہ کھاتے پیتے خوش حال ہیں۔ جن کو دعویٰ غالب سے تلمذ کا ہو اگر تھوڑا تھوڑا بھی دیتے تو قبر کی یہ حالت نہ ہوتی۔ کچھ دن ہوئے باسی کڑھی میں اُبال آیا تھا غلغلہ سنا تھا کہ غالب کی قبر بن رہی ہے۔ چندہ ہو رہا ہے اور کچھ چندہ ہوا بھی مگر جس طرح مسلمانوں کے اور کام اینڈرہ جاتے ہیں یہ دفتر بھی گاؤں غور ہو گیا۔ خیر اُن کی کوئی یادگار بنائے یا نہ بنائے اُن کا کلام اور اُن کی تصانیف ایک ایسی دائمی یادگار ہے کہ ابد الابد تک رہے گی۔ قہر یہ یہ کہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ غالب کی قبر پر ورنہ کوئی جاتا بھی نہ کہ یہ دیر بے بہا کہاں رُل گیا!۔



اسد اللہ خان غالب مراد  
تھا تربت اوستاد پر بیٹھا ہوا غمناک  
ہاتھ لے کر کہا گنج معانی ہو تر خاک

رشتہ عرنی و فخر طالب مراد  
کل میں غم داندہ میں باخاطر محزون  
دیکھا تو مجھے فکر میں تاریخ کی مجروح

خان جہاں تلنگی کا مقبرہ  
حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے پاس  
کوٹ کے اندر موضع غیاث پور کی حدود میں باوی  
کے عین بیچوں بیچ خان جہاں ولد خان جہاں

تلنگی القاطب بہ جو نالغشہ کا عالی شان مقبرہ ہو جو غالباً مسجد کے ساتھ ۷۷۲ھ  
میں بنا ہو گا۔ اب بہت خراب اور خستہ حالت میں ہو۔ ضرور اس مقبرے کے گرد  
احاطہ ہو گا اب تو یہ حال ہو کہ چاروں طرف سے مکانات نے اسے دبا لیا ہو اور  
گنبد کے اندر کچھ دیواریں اٹھا کر ایک گھر بنالیا ہو۔ ہم نے جب اس مقبرے  
کے دیکھے کا قصد کیا تو معلوم ہوا کہ اس میں پروردہ دار عورتیں مومنہ ہیں اور اندر نہیں  
جاسکتے مگر ہماری خاطر سے سید محمد عظیم الدین صاحب امام مسجد درگاہ شریف  
نے کسی نہ کسی طرح ہم کو دکھلا دیا۔ یہ مقبرہ غیاث پور کی فصیل سے ملا ہوا ہو جو  
اب منظم پور کہلاتا ہو۔ خان جہاں کے نام کے ساتھ تلنگی کا لفظ رہا  
نہ ہو۔ قیاس چاہتا ہو کہ وہ ملک تلنگانہ کا رہنے والا ہو گا۔ دہلی کی کالی مسجد اسی کی  
بنائی ہوئی ہو اور یہاں بھی اس نے ایک مسجد بنوائی ہو۔ اگرچہ لوگوں نے اپنے  
گھروں کو بڑھاتے بڑھاتے گنبد کو بالکل گھونٹ دیا ہو۔ لیکن گنبد کے اندر ان لوگوں  
کی مداخلت بے جا کر دکن اور مقبرے کو ان لوگوں سے خالی کر کے اس کے  
اندر کی خام دیواروں کو توڑ کر گنبد کی اصلی عمارت کو صاف کر دینا احکام متعلقہ کی  
خاص توجہ کا محتاج ہو۔

دہلی کی کالی مسجد اور عظیم پور کی طرز کی یہ مسجد بھی  
ہو جو دہلی کی مسجد سے سترہ برس پہلے کی  
بنی ہوئی ہو۔ یہ مسجد بھی جو نالغشہ الملقب خان جہاں

کالی مسجد کوئلہ نظام الدین  
۷۷۲ھ

فیروز شاہی کی بنوائی ہوئی ہو۔ جو غیاث پور کے کوئلے میں ہو یہ بستی نظام الدین



موسوم ہو۔ مسجد کو طے سے مشرق کی طرف ہے۔ یہ مسجد چوڑے اور پتھر کی بنی ہوئی ہے جس کے صدر دروازے پر بخط نسخ یہ کتبہ ہے :-

بکرم و فضل حق سبحانہ و تعالیٰ در عہد دولت سلطان السلاطین الزمان  
الواقی بتائید الحسن + ابو المظفر فیروز شاہ السلطان، خلد اللہ ملکہ  
والعلی و شانہ این مسجد بنا عصر بندہ شراذہ در گاہ +  
آسمان جاہ عالمیناہ جی نانشہ مقبول الملقب بنانجھاں ابن خانجھاں  
در سال ہفصد و ہفتاد و از ہجرت + پیغا مبر صلی اللہ علیہ وسلم  
خدای بر آن بندہ رحمت کند ہر کہ در این مسجد نماز بگذارد این  
بندہ را بفاغہ و دعاء ایمان یاد کند -

حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے مغرب رو یہ  
دروازے کے سامنے یہ گنبد ہے جس کے آگے  
ایک پختہ احاطہ کنج دیا گیا ہے۔ اس کا گنبد اونچا ہے اور  
گنبد کے گرد کنگر اور تین دروازے ہیں۔ مغرب کی طرف

دوسیر یا گنبد  
یا ماشا کا بیج

دروازہ نہیں ہے۔ اندر کا بلاستر سب بھڑ گیا۔ گنبد کے اندر ایک خام قبر ہے جس  
صدر دروازہ مشرق کی طرف ہے جس کی محراب آٹھ اور چھ فیٹ چوڑی ہے جس  
دونوں طرف دو کھلے طاق ہیں۔ گنبد کے اندر شمال اور جنوب میں دو طرف  
پچیس پچیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ گنبد کے مشرقی دروازے کی پیشانی پر دو طرف  
ایک کتبہ بخط نسخ بہت پرانے طرز کا گچ میں متقوش ہے جو کافی لگ جانے والا  
خط بھی بہت پرانا ہونے سے اچھی طرح پڑھا نہیں جاتا وہ یہ ہے :-

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۱)..... قولہ تعالیٰ وَمَا مَعَدُّ..... قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقَدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُتَكَبِّرُ الْعَزِيزُ  
الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ - پارہ ۲۸ ص ۲۸ متحنہ رکوع (۲)  
(۲) قولہ تعالیٰ إِنَّمَا يَعْبُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مِنْ إِمَانٍ بِاللَّهِ وَالْيَقِينِ بِالْآخِرَةِ  
پارہ ۱ - سعادۃ قہرہ رکوع (۸) کہ لا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْفُرُوا بِالْحَقِّ  
وَأَنْتُمْ تَعْمَلُونَ تَأْفِكُ تَعْقِلُونَ - پارہ ۱، ص ۱۸۱ بقہ رکوع (۵)

اور محراب کے گرد سورہ کرسی تا وَیُؤْمِنُ بِاللّٰهِ - یہ گنبد بہت پرانا پٹھانوں کے وقت کا ہے اور کتبے کا خط بھی بہت پرانا ہے۔ نہ سنہ تعمیر ملتا ہے نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس کا ہے۔ احاطے کے اندر کئی قبریں پختہ اور خام اور کچھ درخت سایہ دار بھی ہیں۔ اس گنبد کا کوئی خاص نام نہیں چوں کہ دہرا زینہ ہے دو سیرطھیا گنبد کہلاتا ہے اور بعض لوگ ماشا کا برج بھی کہتے ہیں خدا جانے وہ ماشا کون تھے

**ایک شکستہ مسجد** نمبر ۱۱۲/۱۱۳ ہایوں صفدر جنگ کی سڑک کے بالکل کنارے حضرت محبوب الہی کی درگاہ کے سامنے تین در کی ایک شکستہ مسجد ہے۔ جس کے اندر تین گنبد ہیں۔ اوپر چھت سپاٹ ہے۔ مینار کوئی نہیں ہے۔ یہ مسجد ۳۹ × ۱۵ فٹ ہے۔ اس مسجد کی پشت سے ارادت مند خاں کے کھڑے کو سڑک گئی ہے جو آگے جا کر کچا ستہ روشن چراغ دہلی کی طرف جانے کا ہے۔

**کھڑے ارادت مند خاں** یہ وہی ارادت مند خاں ہیں جن کا محلہ اور مدرسہ شہر دہلی میں مشہور ہے۔ ان کا اصلی نام ارادت الدین تھا اور نواب ارادت مند خاں کہلاتے تھے خطاب ان کا شرف الدولہ تھا اور محمد شاہ کے زمانے میں (۱۱۹۹ھ) کے امیر کبیر تھے۔ یہ وسیع محلہ مقام کھڑے ارادت مند خاں کے نام سے مشہور ہے جو نظام الدین میں سڑک صفدر جنگ کی بائیں طرف نظر آتا ہے۔ اس کا تفصیل نا احاطہ ۹۳ مربع بہت پختہ بنا ہوا ہے۔ چاروں طرف لالہ کی پختہ کو ٹھٹھریاں ہیں جن میں اب غریب لوگ اسیرار اور مالی وغیرہ آباد ہیں۔ مشرق کی طرف اس کا مستحق اور عالی شان دروازہ ہے۔ کھڑے کے پیچھے دروازے ایک بڑا باغ بھی تھا جس میں سے جی آئی پی ریلوے کی لین منسل گئی ہے۔ اس باغ کے دروازے پر ایک بڑا گنبد بنا ہوا ہے۔ یہ مقام ریلوے لین کی بائیں طرف تار کے کھم نمبر ۱۹ کے پاس ہے جس کے آگے نہر برتین گزٹور کا آہنی پل بنا ہوا ہے۔ غدر میں سرکار کی طرف سے یہ کھڑے نظام ہوا تھا جسے مرزا قریبا جاہ کے والد مرزا الہی بخش صاحب نے خرید لیا تھا جو اب گورنمنٹ نے معاوضہ دے کر لے لیا۔ اب یہ سرکاری عمارت ہے۔

**ایک چھوٹی ٹسی برجی** اس وقت مندھاں کے کٹرے کے سامنے رستے کے کنارے بائیں طرف ایک چھوٹی ٹسی برجی بنی ہوئی ہے۔ جو ایک ہنر مند اور ہونے چوتھے پرانے آملے لداؤ کی شہت مسمی عمارت ہے۔ اس میں کوئی قبر نہیں ہے مگر پیچھے تہ خانہ ہے۔ اغلب یہ کہ اس میں اصل قبر ہوگی رہا ادھر کا تعویذ وہ کوئی اکھاڑ لے گیا ہوگا۔ اس برجی کے اندر باہر رنگین کام تھا چنانچہ باہر اب بھی کچھ کچھ باقی ہے۔

**گولا گنبد** جہاں سے ہم ارادت مندھاں کے کٹرے کی طرف مڑے تھے ہاؤس کے مقبرے سے جو سڑک صفر جنگ کے مقبرے کو جاتی ہے اسی سڑک پر ایسی تہ کی طرف سڑک سے لگا ہوا جی آئی بی آر کی لین سے دچاں سڑک کا کرا سنگ ہے بائیں ہاتھ کوتار کے کم نمبر ۱۹ کے محاذی ایک گنبد ہنر مند ہے جس کی محراب آج چوڑی ہے۔ اندر دو قبریں کھج کی شکستہ ہیں۔ اور شمال کی طرف ایک ہی دروازہ ہے اس گنبد کا کوئی خاص نام نہیں ہے اس کی شکل کے اعتبار سے گولا گنبد کہلاتا ہے فقط (حصہ دوم ختم ہوا)

قطعہ تاریخ از قلم جاوید رقم عالی جناب نواب احمد سعید خاں صاحب دہلوی مرحوم مفتوی  
انسان کی تدوین ہو کر درویشی کی حالت  
خیر و عمل ہو کوئی تو کوئی زبوں شہرت  
مصدق اس مقال کے پوچھا کرتے ہیں  
قرطاس کائنات پر نقشہ کھینچا ہو اور  
ہیں مولوی بشیر احمد ستودہ نام  
کے ہو گویاں۔ پرمیت کا ہو خیال  
آئی ندا ظفر کی جو طالب نے فکر کی  
یہ یاد گوشت دہلی کے کٹے ہیں واقعات

HISTORY  
OF  
DELHI THE IMPERIAL CITY  
A MOST COMPREHENSIVE ACCOUNT OF THE HISTORY  
AND ARCHÆOLOGY OF DELHI  
( WITH NUMEROUS ILLUSTRATIONS )

BY

BASHIR-UD-DIN AHMAD, M.R.A.S.,  
FIRST TALUKDAR ( COLLECTOR AND DISTRICT MAGISTRATE ) RET.  
H. E. H. THE SECRETARY TO THE GOVERNMENT,  
AUTHOR OF THE HISTORIES OF VIJAYANAGAR AND BIJAPUR, IQBAL DULJAN,  
HUSN-E-MUASHIRAT, ISLAM-E-MAISHAT, ETC., ETC., AND TRANSLATOR OF  
DR. STALL'S SELF AND SEX SERIES.

VOL. II.

Archæology.

DELHI  
1919

1st Edition]

( All Rights Reserved. )

[ 1,000 Copies.

## اعلان

(موجب نگاہی رائٹ ایکٹ ۱۹۱۲ء جلد حقوق بحق بشیر الدین احمد محفوظ ہیں)

مولوی نذیر احمد صاحب بالقابہ کی تصانیف

قرآن شریف مترجم کلاں ۲۲+۲۹- دو صفحہ مع فہرست لفاظ اردو حاشیہ کاغذ سفید ولایتی کاغذ خانی جلد چھوڑا

حامل مترجم ۲۲x۱۹ ترجمہ بین السطور نہرنگ ایک صفحہ خاشدہ ایک صفحہ پر متن دوسرے پر ترجمہ

ادعیا القرآن - قرآن شریف کی عام دعائیں مع خواص - وہ سورہ - الحقوق والفرقان - ہر حصہ

جس میں اسلام کے تمام مسائل ہیں - اجتہاد - جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا میں اسلام ہی سچا مذہب ہے -

نبیات النذیر مولوی نذیر احمد صاحب کی مفصل سوانح عمری مع توڑ اور دو عکسی خطوط کے - نظم نے نذیر مولوی

دعایا موصوف کی کل نظموں کا مجموعہ - حرات العروس - توبہ النصوح - بیانات النفس - حیات

روایا سے صادقہ - ابن الوقت - ایامی - مجموعہ خطوط منتخب الحکایات - نذیر احمد صاحب

فارسی کی گریمر - نصاب خسرو - لکھی خانی باری - عدلا لویسی - مبادی الحکمۃ منطق کا اردو رسالہ

مالینیک فی الصرف - عربی گریمر مجموعہ لکچر - دو جلد جس میں ۴۲۲ لکچر ہیں - مطالب القرآن تفسیر کا پہلا حصہ

## خاکسار کی تصانیف

واقعات مملکت ہمایوں - تین حصے - ۱۲۸۷ صفحے (۶۶۶ فٹو - وکن کی مکمل تاریخ جس پر ہزار روپیہ انعام ملا -

منظورہ کسٹ بک گیسٹ بک - اقبال دہلی - حسین - یا شریٹ - اصلاح معیشت - منظورہ کسٹ بک

کیٹیاں پنجاب و ممالک متحدہ - تینوں کتابیں لڑکیوں اور مستورات کے لئے ازلیس مفید ہیں - اصلاح معیشت پر

سرکار سے تین سو روپے انعام ملا ہے - حرز طفلان - لڑکوں کے لئے نشاۃ عمر نوجوانوں کے لئے -

عصا بے پیری - ادھیڑ عمر کے لوگوں کے لئے بچوں سے دو روپے باتیں - لڑکیوں کے لئے -

یہ چاروں کتابیں بیش بہا فصاحت اور اخلاقی تعلیم کی ہیں - عزم با بحیرہ - استقامت ارادہ پلاک

چھوٹا سا رسالہ -

منہ کا پتہ

بشیر الدین احمد تعلقہ دار پبلشر - کھارنہ باولی دہلی